انکارانی
1
انوار صدیقی

شوشہ

20 مارچ 2001ء کو ''امربیل'' کا پیش لفظ تحریر کرنے کے بعد میں نے کمر سیدھی کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ امریکہ سے میرے بیٹے ڈاکٹر فرخ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ میں نے رخت سفر باندھنا شروع کیا۔ برادرم محمد علی قریشی کو علم ہوا تو لاہور سے کراچی آ گئے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد دبی زبان میں ''انکا'' کو ''انکارانی'' بنانے کا ''شوشہ چھوڑ دیا''۔ ''انکا'' میرے ذہن میں بھی ایک عرصے سے کلبلا رہی تھی۔ میں نے اپنے ناول ''تارِ عنکبوت'' میں بھی ''انکا'' کا ذکر دبی زبان میں کیا، پھر ''برق پاش'' میں 'فساد کی جڑ' کے عنوان سے جو پیش لفظ تحریر کیا اس میں ''انکارانی'' کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا تھا۔ بہرحال محمد علی قریشی ''شوشہ چھوڑ کر'' لاہور چلے گئے اور میں ''انکارانی'' کے عشق میں مبتلا ہو کر ذہنی طور پر ''دربدر'' ہونے لگا۔

''انکا'' قارئین کے ذہنوں پر اٹھائیس سال سے ''پھدکتی'' پھر رہی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے میں ''انکا'' کے کروڑوں پرستار موجود ہیں۔ ''انکا'' کی شہرت میں میرے قلم سے کہیں زیادہ اس کے چاہنے والوں کی محبتیں شامل ہیں۔ ''انکا'' کو جو عروج حاصل ہوا وہ آپ کی پسندیدگی اور چاہتوں کا صلہ ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

میں نے ''انکا'' کو صرف تخلیق کیا۔ آپ نے اسے دل کی دھڑکنوں میں جگہ دی۔ نگاہوں میں بسا لیا۔ پلکوں پر سجا لیا۔ ''انکا'' کے نخرے برداشت کئے۔ اس کی ناز برداریاں کیں۔ اس کی شوخی اور شرارتوں کو سراہا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ کو ہر ماہ بڑی شدت سے اپنی ''انکا'' کا انتظار رہتا تھا۔ آپ ہی کے پیار کی خاطر میں نے ''انکا'' کو ''انکارانی'' بنانے کا ارادہ کر لیا...... ''انکارانی'' تحریر کرنے کا ایک سبب اور بھی تھا......!

لاہور ''زندہ دلوں'' کا شہر ہے۔ لاہور کو ''ادب کا گہوارہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لاہور کے تین چار ''دیانت دار'' ناشر حضرات نے کراچی کے کچھ ''نقب زنی'' اور ''کردار کشی'' کے فن میں مہارت رکھنے والے مصنفین کے ساتھ ''سازباز'' کر کے ''انکا'' کے کردار پر

شبخون مارنے کا ''مذموم دھندا'' بنا رکھا ہے۔ ہندوستان اور امریکہ میں بھی ''انکا'' کے کردار کو ''باپ کی جاگیر'' سمجھ کر ''بڑے دھڑلے'' سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ مجھے آئے دن خبریں ملتی رہتی ہیں کہ ''آپ کے ''فلانے'' واقف کار نے ''بھیس بدل'' کر ''انکا'' کے لازوال کردار پر ''طبلہ آزمائی'' کی ہے...... (میں نے دیدہ و دانستہ ''طبع آزمائی'' کو ''طبلہ آزمائی'' تحریر کیا ہے۔ وہ یوں کہ جس طرح کوئی ''اناڑی'' طبلہ بجانے والا اچھی خاصی غزل کا ''ستیاناس'' مار دیتا ہے، اسی طرح یہ ''چہ بہ ساز'' اور ''برساتی مینڈک'' بھی ''انکا'' کے ''سُر تال'' کو سمجھے بغیر ''بھان متی'' سے رشتہ جوڑ کر اُلٹے سیدھے تانے بانے ''بُن کر ''ناول نگار'' بن بیٹھے ہیں) اور ''ادب نواز ناشران'' ان کے ''الم غلم'' مسودوں کو چھاپ کر ''شہیدوں میں شامل'' ہونے سے کم نہیں سمجھتے۔ میں نے ایک ''دانش ور'' سے پوچھا۔ ''یہ مصنف اور ناشر حضرات ایسا کیوں کرتے ہیں......؟'' اُس نے دائیں بائیں دیکھا پھر بڑی راز داری سے کہا۔ ''برادرم، آپ کو اپنے سوال کا جواب فیروز اللغات اُردو جدید (نیا ایڈیشن 1967ء) کے صفحہ نمبر 289 کے کالم نمبر 2 پر آخری لفظ سے پہلے والی ''مثل'' میں مل جائے گا۔ مجھے کیوں گنہگار کرتے ہیں؟ خود ملاحظہ فرمالیں۔'' میں نے مذکورہ لغت نکالی۔ صفحہ نمبر کھولا۔ دانش ور کے دیئے ہوئے حوالے پر نظر ڈالی تو ''ششدر'' رہ گیا......
وہاں لکھا تھا ''چوری اور (سر) سینہ زوری''......!!

بہرحال، میں نے امریکہ پہنچ کر کئی بار ''انکارانی'' کو شروع کرنا چاہا لیکن ایک خوف آڑے آجاتا...... اگر بات نہ بنی......؟ ''انکا'' کا جو خاکہ اس کے پرستاروں کے ذہنوں میں محفوظ ہے، دلوں میں گھر کر چکا ہے اسے ذرا بھی ٹھیس پہنچی تو ''انکا'' کے چاہنے والوں کی خفگی ایک طرف۔ دشمنوں کو بھی بقول ابن صفی ''...... پیٹ پیٹ کر ہنسی اڑانے کا موقع میسر آجائے گا''۔ میں نے محمد علی قریشی کو بہلانے کی خاطر ''انکارانی'' کے خیال کو پس پشت ڈال کر ''برق پاش'' کا مسودہ تیار کیا، میرا خیال تھا کہ وہ تازہ مسودہ پا کر بہل جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ''انکارانی'' کے سلسلے میں اس کی خواہش اور بھڑک اُٹھی۔ اصرار پہلے سے دوچند ہوگیا۔ چنانچہ مجھے ''انکارانی'' کے سلسلے میں نہایت سنجیدگی سے تمام ضروری مواد اکٹھا کرنا پڑا۔ اسی دوران اس قادرِ مطلق کی جانب سے ''حج'' کا بلاوا آگیا۔ میں بیوی کے ساتھ مرحوم والدین کی طرف سے ''حج بدل'' کی سعادت حاصل کرنے چلا گیا۔ (خدا

کے گھر اور اس کے محبوبؐ کے در پر ہم دست نگروں کی یہ پانچویں حاضری تھی)
میں مارچ 2002ء کے وسط میں ''ارضِ مقدس'' سے واپس آیا۔ محمد علی قریشی لاہور سے ہار، پھول اور مٹھائی لے کر آگئے۔ بڑی عقیدت اور احترام سے گلے ملے۔ ایک کان میں ''مبارک باد'' کا ''شہد ٹپکایا'' دوسرے میں پھر ''انکارانی'' کا ''شوشہ چھوڑ دیا''...... میں نے دس بارہ روز آرام کیا پھر اللہ کا نام لے کر لکھنے بیٹھ گیا۔ کرم ہے اس ''ذات پاک'' کا جس نے ''میرے قلم کی رہنمائی کی'' کم و بیش سات ماہ کی محنت کے بعد ''انکارانی'' کا مسودہ بروز جمعہ، مورخہ 18 اکتوبر 2002ء کو مکمل ہوا۔ میں نے ''شکرانے'' کی نماز ادا کی۔

''انکارانی'' کی تکمیل میں بھی میری وحشتوں کا وہی عالم تھا جس کا تذکرہ میں ''امبر بیل'' میں کر چکا ہوں۔ آٹھ دس روز میں جو کچھ لکھتا، اُس پر نظر ثانی ضرور کرتا۔ جہاں تشنگی کا ذرا احساس ہوتا، رد و بدل کرنے بیٹھ جاتا۔ کبھی کسی صفحے پر ''تنگیِ داماں'' آڑے آ جاتی تو ''حاشیئے'' میں اس کمی کو دُور کرتا۔ کوئی پیراگراف ہلکا محسوس ہوتا تو اس کی جگہ دوسرے کاغذ کی ''پیوند کاری'' کر کے از سر نو تحریر کرتا۔ اکثر کئی کئی سطروں پر ''کرکشن پن'' (CORRECTION PEN) سے ''سفیدی پھیر کر'' اس پر نئے جملے اُجاگر کرنے پڑے۔ یہ خدشہ بھی لاحق رہتا کہ ''کمپوزنگ'' کرنے والا ''شین، قاف'' کی غلطی کر کے کہیں ''کرکشن'' کے بجائے ''کرپشن'' کمپوز کر گیا تو ''انکارانی'' کی عاشقی میں ''عزت سادات'' سے بھی محروم ہونا پڑے گا۔

''انکارانی'' کے کردار میں حقیقت کا رنگ بھرتے ہوئے اور ''سچویشن'' (SITUATION) کے تقاضوں کے پیشِ نظر کہیں کہیں کچھ ایسے الفاظ بھی لکھنے پڑے جو ممکن ہے ''بار خاطر'' پر گراں گزریں۔ جو کچھ ہوا ''بے ساختگی'' میں ہوا۔ قصور میرا نہیں، کرداروں کا ہے جو ''موقع محل'' کے اعتبار سے ''اپنی اپنی بولیاں'' بولتے رہے۔ میں سر جھکائے انہیں لکھتا رہا۔ یوں بھی ہر ''محکمے'' اور ''ہر فرد واحد'' کی اپنی اپنی زبان ہوتی ہے۔ پولیس افسران اگر مجرموں سے ''لکھنوی انداز'' میں ''باز پرس'' شروع کر دیں تو ہو چکی جرائم کی ''بیخ کنی''...... مجرم ''نواب صاحب'' بن کر ''مونچھوں پر تاؤ'' دیتے پھریں گے۔ ''چھترے'' اور ڈنڈے کی ''زبان'' میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بزرگوں کی زبان سے صرف ''دُعائیں'' بھلی لگتی ہے...... لیکن بات جہاں دیرینہ دشمنی کی ہو، ''زخم ناسور'' بن چکے ہوں، ''مرنے یا مار ڈالنے''

کی ''نوبت'' آجائے اور ''انکارانی'' سر پر اپنے ''نوکیلے پنجے'' چبھو رہی ہو تو ''جو کچھ نہ ہو'' کم ہے۔

میں نے ''انکا'' کے بعد اب ''انکارانی'' کا ''شوشہ چھوڑ دیا ہے''۔ آپ حسب دستور اسے بھی اپنے ''پراگندہ'' ذہنوں کی مشین میں ڈال کر ''پھوک'' کی حد تک پہنچانے کی خاطر ''کمر کس لیں''۔ ''انکا'' کے کردار پر آپ کی ''دست درازی''، ''نقب زنی'' اور ''چربہ سازی'' ہی میری ''تخلیق'' اور ''تحریر'' کی کامیابی کی ''سند'' ہے۔ گریبانوں میں جھانک کر کہیں۔ ''آپ کا ضمیر (اگر ہے تو) کیا کہتا ہے......؟''

''انکارانی'' کے ضمن میں اگر برخوردار شہزاد احمد کا ذکر نہ کروں تو زیادتی ہوگی۔ انہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود جس محبت سے پورے مسودے کو پڑھنے اور ''اغلاط'' کی نشاندہی کرنے میں میرا ہاتھ بٹایا وہ ''قابل ستائش'' ہے۔ موصوف کی مختصر تعریف یہ ہے کہ (نہ جانے کیوں؟) میرے مداحوں میں سے ہیں۔ مستقل سکونت کراچی میں ہے لیکن محمد علی قریشی نے انہیں لاہور سے ''دریافت کر کے'' میرے حوالے کر دیا۔ بڑا ذہین نوجوان ہے۔ خدا کرے زندگی کے تمام شعبوں میں کامیابی حاصل کرے......!

میرا ذاتی خیال ہے کہ ''انکارانی'' آپ کو ''انکا'' کے مقابلے میں زیادہ پسند آئے گی....

سچ کیا ہے؟ اس کا فیصلہ ''انکا'' کے پرستار ہی کریں گے......!

آپ کی قیمتی آراء اور بے لاگ تبصروں کا منتظر

انوار صدیقی

کراچی۔ 23 اکتوبر 2002ء

قارئین زندہ۔ انکا باقی

میں لندن کے سب سے بڑے ہسپتال کے وی آئی پی رُوم میں آنکھیں بند کئے بستر پر لیٹا اپنی تسبیح روز شب کے دانے شمار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جین قریب ہی کہیں کرسی پر کہنی ٹکائے بیٹھی ہوگی یا دیوار سے لگی کھڑی حسرت بھری نظروں سے میری سمت دیکھ رہی ہوگی۔

جب سے وہ مجھے بمبئی کی فٹ پاتھ سے اُٹھا کر لندن لائی تھی، میری طرف سے اُمید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار تھی، ماہر ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم بڑی جانفشانی سے میرے علاج معالجہ پر تعینات تھی، وہ اپنے وسیع تجربوں اور مشاہدوں کی روشنی میں جین کو متعدد بار یقین دلا چکے تھے کہ میری زندگی کو ایسا کوئی خطرہ لاحق نہیں جس کی خاطر راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کیا جائے لیکن اس کے باوجود وہ ایک لمحے کو بھی مجھ سے دُور رہنے پر آمادہ نہیں تھی۔

جین مارنڈا، مغرب کی آزاد اور کھلی فضاؤں میں کسی حسین اور نازک اندام تتلی کی مانند ڈال ڈال پات پات رنگ بکھیرنے والی کافر ادا حسینہ جو ایک نگاہِ غلط انداز سے لاکھوں دلوں پر بجلیاں گرا سکتی تھی میری محبوبیت کے سحر میں اس طرح اسیر ہوگئی کہ اُسے اپنی قدر و قیمت کا اندازہ بھی نہیں رہ گیا۔ مجھے وہ ساعتیں، وہ لمحے یاد ہیں جب جین نے مجھے شناخت کرنے کے بعد خوشی سے چیخ مار کر میرے جسم کی تمام تر گندگی، میل کچیل اور تعفن کو یکسر نظر انداز کر کے مجھے اپنی مہکتی بانہوں میں بڑی شدت سے سمیٹ لیا تھا، میں بھی ششدر رہ گیا۔ راہ گیروں کے لئے بھی کسی حسین و جمیل سفید فام دوشیزہ کی ایک خستہ حال اور ناگفتہ بہ حالات سے دوچار شخص کے لئے وہ اندازِ وارفتگی اور شیدائیت حیران کن تھی۔ ہمارے گرد تماش بینوں کی بھیڑ جمع ہوگئی۔ جین نے مجھے اپنی حسین بانہوں کا سہارا دے کر اُٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے اُسے اپنی شکستگی کا احساس دلانے کی خاطر مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

"میں ایک بے گور و کفن لاش ہوں جین، تم میرے لئے اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کر رہی ہو؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اب زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ میری مانو تو کانٹوں میں اُلجھنے کی بجائے واپس لوٹ جاؤ۔ تمہارا دولت علی تو نہ جانے کب کا......"

"نہیں...... ایسی دل آزار باتیں مت کرو۔" اُس نے تڑپ کر اپنا نازک ہاتھ میرے ہونٹوں پر جما دیا۔ بڑی لجاجت سے بولی۔ "جب تمہیں اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تو اسے میری جھولی میں ڈال دو۔ میں تمہیں لندن لے چلوں گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ پھر...... ہم ایک نئی زندگی کی ابتدا کریں گے۔"

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا، اُس کے جذبوں کی صداقت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

کبھی وہ سراغرساں جم کی محبوبہ تھی۔ جم نے اُسے پہلی بار مجھ سے امرائے لندن کے کلب میں اپنی منگیتر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ اس حسینہ دلنواز کو دیکھ کر میرے سینے میں فشار برپا ہونے لگا۔ وہ کسی مصور کا حسین تخیل تھی جو لاشعور کی سرحدوں کو پھلانگ کر شعور کی دنیا میں آ گئی تھی، کسی شاعر کا خواب تھی جس کے شاداب جسم کا ایک ایک پیچ و خم گنگناتا محسوس ہوتا تھا، کسی ماہر سنگتراش کا لازوال شاہکار تھی جس کی صناعی سے متاثر ہو کر قدرت نے اس میں رُوح پھونک دی تھی۔ شاید وہ کوئی اپسرا تھی جو اِندر کے اکھاڑے میں رقص کرتے کرتے بدمستی کے عالم میں بھولے سے آسمان کی بلندیوں سے زمین پر اُتر آئی تھی۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں مستی کے جام چھلک رہے تھے۔ اُس کی ایک ایک ادا نرالی تھی۔ وہ سرتاپا قیامت ہی قیامت تھی۔ اُس کے جسم کا ہوش رُبا گداز کسی طاقتور مقناطیس سے زیادہ پُرکشش تھا۔ میں اُسے دیکھ کر محو ہو گیا۔ میری زندگی میں ہزاروں لڑکیاں آ چکی تھیں لیکن جین سب سے مختلف تھی۔ میں اسے زیادہ دیر آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکا، اُس کے اطلسی اور کمخواب جسم کے دہکتے ریشوں پر میری حریص نگاہیں پھسلنے لگیں۔ میں پہلی ملاقات میں اس پر کوئی غلط تاثر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، جم براؤن سے گفتگو میں مصروف ہو گیا مگر میرے وجود کے اندر جین کے قرب نے ایک تلاطم برپا کر دیا تھا۔ جم سے باتیں کرتے ہوئے میری نگاہیں بار بار جین کی سمت بہکنے لگتیں۔

جین کو تسخیر کرنا میرے لئے کچھ دُشوار نہ تھا۔ انکا میری دسترس میں تھی، کئی بار وہ مجھے جین کی خاطر اُکسا چکی تھی۔ میرا ایک اشارہ جین کو کسی پکے پھل کی طرح میری خواہشات

کی دہلیز پر ڈھیر کر دیتا، میں اُس کے گداز جسم پر فتح کے جھنڈے گاڑ کر ان لڑکیوں کی طویل فہرست میں شامل کر سکتا تھا جو میری خواہشات کی تکمیل کو اپنی خوش بختی تصور کرتی تھیں۔

لیکن جین کے سلسلے میں انکا کے بجائے میں اپنی ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا خواہشمند تھا۔ قدرت نے اس کے لئے مجھے ایک موقع بھی فراہم کر دیا۔ ان دنوں میں ہندوستان جانے کی خاطر پر تول رہا تھا جب جم براؤن کے بے حد اصرار پر میں جرمنی جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ جم کو جرمنی کے ایک معروف سائنسدان مارک کو اغواء کرنے کا مشکل کام سونپا گیا تھا۔ مجھے جم یا اس کے کام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں شاید اُس کی درخواست کو کسی بہانے سے رد کر دیتا لیکن جب جم نے مجھے بتایا کہ اس اہم مہم میں جین میری سیکرٹری کی حیثیت سے میرے ساتھ ہو گی تو میں نے اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔

برلن میں میرا اور جین کا قیام ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوا۔ ہمارا کمرا مشترک تھا۔ کام کی اہمیت کے پیش نظر ہمارا ہر وقت ایک دوسرے سے قریب رہنا ضروری تھا، وہاں مجھے جم یا کسی دوسرے واقف کار کی مداخلت کا کوئی اندیشہ بھی نہیں تھا...... پہلی ہی رات جب جین ڈریسنگ رُوم سے شب خوابی کا لباس پہن کر برآمد ہوئی تو میرے جسم سے آدمخور چیونٹیاں لپٹ گئیں، میرے وجود کے اندر کا آتش فشاں پھٹ پڑنے کو مچلنے لگا۔ سفید باریک گاؤن سے جین کا مرمریں جسم جھانک رہا تھا۔ وہ کندن کی طرح دمک رہی تھی، اُس کے جسمانی نشیب و فراز پارے کی مانند مچل رہے تھے۔ سونے کے ارادے سے اپنے بستر پر جانے سے پیشتر وہ مجھے 'وِش' کرنے کی خاطر قریب آئی تو انکا میرے سر پر کسمسانے لگی۔

"جمیل...... اس کے جسم کو غور سے دیکھو، اس کے ایک ایک انگ سے خون چھلک رہا ہے۔"

میں نے عالم تصور میں انکا کو دیکھا، وہ ندیدوں کی طرح اپنی زبان ہونٹوں پر پھیر رہی تھی، انسانی خون اُس کی غذا تھی۔ اُس کی نگاہیں جین کے سراپا پر مچل رہی تھیں، ان نگاہوں میں کسی ایسے ماہر شکاری کا اعتماد جھلک رہا تھا جس کی زد میں آیا ہوا شکار کبھی اس کے نشانے سے فرار نہ حاصل کر سکا ہو۔

"جین کا خیال دل سے نکال دو انکا رانی......" میں نے سرگوشی کی۔ "اس پھول کو ابھی گلشن میں کچھ عرصہ اور مہک لینے دو۔"

”تم جین کو مجھ پر ترجیح دے رہے ہو؟“ انکا ٹھنک کر بولی۔ ”اپنی انکا پر......“

میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ جین نے قریب آ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا تو میں اپنے برانگیختہ جذبات پر قابو نہ پا سکا، میرے ہاتھ کا پھندا اچانک جین کی لوچدار کمر کے گرد تنگ ہوا تو وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی، لہرا کر میری آغوش میں آ گری۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے قرب کی تپش سے پگھل کر موم ہو جائے گی، مغربی تہذیب میں ایسے چھوٹے موٹے تصادم آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں، انہیں معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ جین بھی اسی ماحول کی پروردہ تھی مگر میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ میری گود میں بکھرنے کے بعد اُس نے تیز نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکا، پھر اپنا سفید گاؤن جو میری رندانہ جسارت پر منتشر ہو گیا تھا، سمیٹتے ہوئے تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

”دولت علی......“ (لندن میں، میں نے خود کو دولت علی کے نام ہی سے روشناس کرایا تھا) اُس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”تم شاید بھول رہے ہو کہ ہم یہاں ایک اہم مشن پر آئے ہیں۔“

”مجھے یاد ہے......“ میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ ”لیکن تمہارا خوبصورت اور حسین وجود بھی میرے لئے کسی اہم مشن سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔“

”میں جانتی ہوں......“ وہ دبی زبان میں بولی۔ ”تم اپنی رُوحانی قوتوں سے کسی کو بھی اپنا تابع کر سکتے ہو۔“

”ہاں......“ میں زیرِ لب مسکرایا۔ ”تم میری قوت کے کئی کھیل تماشے دیکھ چکی ہو۔“

”مجھے تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن......“

”کچھ کہنے سے پیشتر ایک بار قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود اپنے حسنِ بے مثال کا جائزہ لو۔“ میں نے اُس کے اندر بھرے بارود کو آگ دکھانے کی کوشش کی۔ ”شاید تمہارا اپنا عکس میرے جذبات کی ترجمانی کر سکے۔“

”تم“ وہ سلجھے ہوئے انداز میں بولی۔ ”یہ......کیسی باتیں کر رہے ہو؟“

”مجھے غلط مت سمجھو......“ میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ”میں چاہوں تو پلکوں کی ایک جنبش سے تمہیں اپنا دیوانہ بنا سکتا ہوں، تم خوشی خوشی میری بانہوں میں سمٹ جانے کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھو گی لیکن تمہارے سلسلے میں نہ جانے کیوں میں

مصنوعی تکمیل سے گریز کرنا چاہتا ہوں، تم ایک خوبصورت لڑکی ہو۔ وقت کی ڈالی پر مہکتا ہوا ایک تازہ گلاب، میں تمہیں زبردستی توڑنے کی کوشش نہیں کروں گا...... میری خواہش کی تکمیل کے لئے تمہاری آمادگی بھی شرط ہے۔“

”دولت علی......“ وہ ایک لمحے کو جھجکی، پھر میرے قریب آ کر بڑی معصومیت سے بولی۔ ”میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں بھی تمہاری شخصیت سے متاثر ہوں مگر پلیز...... میرا شمار لندن کی ان آزاد خیال لڑکیوں میں مت کرو جو شراب کے محض ایک جام کی بیخودی کی خاطر اپنی خودی کو غلاظتوں کے ڈھیر میں دفن کر دیتی ہیں...... اگر تمہارے نزدیک میری آمادگی بھی شرط ہے تو مجھے سوچنے کی مہلت دو...... اور...... تم یہ کیوں فراموش کر رہے ہو کہ میں جم سے منسوب ہونے والی ہوں۔ اسی وجہ سے ایک بہتر مستقبل کی خاطر میں سیکرٹ سروس سے وابستہ ہوئی ہوں۔ جم نے تمہیں قابلِ اعتماد سمجھ کر ہی مجھے تمہارے ساتھ بھیجا ہے۔ کیا تم جم کے اعتماد کو......“

”میں تمہیں اپنے بارے میں غور کرنے کی مہلت دیتا ہوں۔“ میں نے جین کی بات کاٹ کر کہا۔ ”مجھے اُمید ہے کہ تم مفاہمت کے انداز میں کوئی حتمی فیصلہ کرو گی۔“

”جمیل...... یہ کیا حماقت کر رہے ہو؟“ انکا میرے سر پر کلبلانے لگی۔ ”تم اس موم کی پتلی کی باتوں میں آ گئے۔ یہ مغربی تہذیب کی پروردہ آزاد اور آوارہ خیال حسینائیں محض اپنا بھاؤ بڑھانے کی خاطر اس قسم کی لچھے دار باتیں کرتی ہیں۔ مجھے حکم دو میں ایک لمحے میں اسے تمہاری آغوش میں مچلنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔“

”جین......“ میں نے انکا کی بات کو نظر انداز کر کے بڑی شائستگی سے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ”میں تمہاری آمادگی کے اظہار کا انتظار کروں گا، اس یقین کے ساتھ کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔“

جین کو میری بات کا یقین آیا تو اُس کے چہرے سے تفکرات کے بادل چھٹ گئے۔ اُس نے اظہارِ تشکر کے طور پر ایک بار پھر میرے قریب آ کر میری پیشانی پر اپنے جلتے ہونٹوں کی مہر ثبت کی، پھر مسکراتی ہوئی اپنے بستر پر چلی گئی۔ انکا مجھے عجیب نظروں سے گھور رہی تھی، شاید جین کے لئے میرے ذہن میں اُبھرنے والے پاکیزہ خیالات پڑھنے کے بعد وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

پھر......جین اور میرے درمیان اعتماد کی فضا قائم ہوئی تو فاصلے بتدریج سمٹنے لگے۔ میں نے جم براؤن کے مشن کو کامیاب کرنے کے بعد بھی جین کو کچھ عرصے کے لئے روک لیا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے قریب ہوتی جارہی تھی۔ میں جرمنی میں اپنے قیام کی مدت بڑھاتا رہا۔ میں نے انکا کو کچھ وقت کے لئے لندن واپس بھیج دیا تاکہ وہ اپنی غذا کی خاطر انسانی خون کے حصول کے لئے پریشان نہ ہو۔ انکا کی موجودگی میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں وہ جین کے سلسلے میں مجھے کوئی غلط قدم اُٹھانے پر مجبور نہ کردے۔

ایک روز میں فرینکفرٹ کے نائٹ کلب میں جین کے مہکتے وجود کو اپنی بانہوں میں لئے رقص کررہا تھا کہ انکا اچانک میرے سر پر آگئی۔ میں نے اُسے عالم تصور میں دیکھا، وہ اپنے دونوں ہاتھ کولہوں پر جمائے مٹک مٹک کر میرے گھنے بالوں کے درمیان چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔ اُس کی آنکھوں سے مستی ٹپک رہی تھی۔ چہرہ قندھاری انار کی مانند سرخ ہو رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ انسانی خون سے پوری طرح سیراب ہوکر آئی ہے۔ خون پی لینے کے بعد اُس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح کھل اُٹھتے تھے۔

''کس کا خون کر کے آئی ہو......؟'' میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر دریافت کیا۔

''سارا کا......'' انکا نے مسکرا کر جواب دیا۔

سارا کا نام سن کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ لندن میں قیام کے دوران سب سے پیشتر سارا ہی مجھ سے متعارف ہوئی تھی۔ بڑی زندہ دل اور شوخ طبیعت کی مالک تھی۔ لیکن باپ کی موت کے بعد وہ ذہنی ڈپریشن کا شکار ہوگئی تھی۔ اُس کی بے پناہ دولت اور جائیداد کے حصول کی خاطر شر پسند عناصر دوستی کی آڑ میں قدم قدم پر اُس کے لئے دُشواریاں پیدا کر رہے تھے۔ سازشوں کے جال بن رہے تھے۔ سارا میری محبت میں گرفتار تھی اس لئے میری ذات پر بھی کئی خطرناک حملے کئے گئے۔ انکا نے ساتھ نہ دیا ہوتا تو شاید میں لندن کی کسی جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔ مجھے سارا سے صرف اُنسیت تھی، وہ میری ایک اچھی دوست تھی۔ میں اُس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں قائم کرسکتا تھا۔ لندن کے قیام کے دوران اُس کی دوستی میرے بہت کام آئی تھی۔ اُسی نے مجھے محفلوں میں روشناس کرایا تھا۔ دیارِ غیر میں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' انکا نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر چبھتے ہوئے

لہجے میں دریافت کیا۔ ''کیا سارا کے بارے میں سن کر تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی؟''

''انکا......'' میں نے اُلجھتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم جانتی ہو کہ حالات نے اُس غریب لڑکی کا سکون برباد کررکھا تھا۔''

''بڑے بے مروت اور احسان فراموش ہو گئے ہو......'' انکا نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ ''ایک تو میں نے تمہارے اور جین کے لئے راستہ ہموار کردیا اور تم......''

''چپ ہو جاؤ......'' میں نے اُسے جملہ مکمل کرنے کی مہلت نہیں دی۔ تلملا کر بولا۔ ''سارا کے مقابلے میں جم براؤن میرے لئے زیادہ ٹیڑھی کھیر ہے۔''

''پریشان مت ہو۔'' انکا میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ ''میں نے سارا کے ساتھ ساتھ تمہارے اُس رقیب کو بھی......''

''نہیں......'' میں چیخ اُٹھا۔ ''تم نے جو حماقت کی ہے وہ میری گردن میں پھانسی کا پھندہ بھی ثابت ہوسکتی ہے۔''

''کیا بات ہے دولت علی؟'' جین نے میرے قدموں میں پیدا ہونے والی لڑکھڑاہٹ محسوس کی تو بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''تم تھکن تو نہیں محسوس کررہے ہو؟''

''جمیل......'' انکا نے معنی خیز انداز میں جین کی سمت دیکھتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''تمہاری اجازت ہو تو میں جین کے سر پر چلی جاؤں، اُسے تمہاری تھکن اُتارنے پر آمادہ کردوں؟''

انکارانی کا وہ جملہ اس وقت میرے لئے مزید جھلاہٹ کا سبب بن گیا۔ میں نے اُسے گھور کر قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

''تم سچ مچ جین کی محبت میں دیوانے ہوگئے ہو۔'' انکا نے تیزی سے کہا، پھر شوخی سے مسکرا کر بولی۔ ''میں نے لندن پہنچ کر جم اور سارا کو جذباتی طور پر اتنا قریب کردیا ہے کہ اب جم سارا سے شادی کے منصوبے بنا رہا ہے۔'' پھر انکا نے مجھے وضاحت سے جم اور سارا کی ایک دوسرے میں دلچسپی لینے کی تفصیل سنائی تو میں نے اُسے گھور کر کہا۔

''تم بڑی حرافہ ہوتی جارہی ہو......''

''تمہاری محبت کا اثر ہے......'' اُس نے لکھنوی انداز میں جھک کر سلام کیا اور پھر آرام کرنے کے ارادے سے میرے گھنے بالوں میں پاؤں پسار کر لیٹ گئی۔ ایک لمحے بعد ہی

اُس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔

انکا نے جین کے سلسلے میں میرے لئے جو آسانی فراہم کر دی تھی وہ بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔ لندن پہنچ کر جین کو جب جم براؤن کی بے وفائی کا اندازہ ہوا تو وہ ملول ہو گئی۔ لیکن جب میں نے رُوحانی علم کی آڑ لے کر اُسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کی اور جم کی شادی کامیاب نہ رہتی تو وہ کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ اُس نے جم کی طرف سے مایوس ہو کر مجھے اپنے غموں کا مداوا سمجھ کر قبول کر لیا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔

جس روز میں لندن سے روانہ ہو رہا تھا اُس روز جین کا اضطراب قابل دید تھا۔ مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا، جین میری محبوبیت کے سحر میں پوری طرح اسیر ہو چکی تھی۔ میری جدائی کے غم میں اُس کی آنکھیں بار بار بھر آتیں۔ پھر جب مسافروں کے جہاز میں بیٹھنے کی درخواست کا اعلان ہوا تو وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ مجھے رخصت کرتے وقت اُس کی غزالی آنکھیں برسنے لگیں۔ میرے اختیار میں ہوتا تو ایئر پورٹ پر ہی شائستگی اور اخلاقیات کے تمام رسمی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اُس کے حسین قرب سے اپنی پیاس بجھا لیتا، بانہوں میں سمیٹ کر اُس کے سارے آنسو پی جاتا۔ لیکن میں نے اپنے جذبات کو بے لگام نہیں ہونے دیا۔ دل پر جبر کر کے میں نے اُس سے بہت جلد واپس آنے کا جھوٹا وعدہ کیا۔ اُس کے بھیگے ہوئے نرم گالوں کو چوم کر ہاتھ لہراتا ہوا اُس سے دُور ہو گیا۔ میں نے لندن اور جرمنی کے قیام کے دوران بھی کبھی اُس کی پاکیزگی کو داغدار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اس لئے کہ وہاں بس وہی ایک ایسی لڑکی مجھے ملی تھی جو حسن و شباب کی تمام تر رعنائیوں سے مالا مال ہونے کے باوجود تمام آلودگیوں سے پاک تھی۔

میں نے ماہ و سال اور گزرتے موسموں کا حساب نہیں رکھا لیکن اتنا یاد ہے کہ جین کو جھوٹے خوابوں کی حسین تعبیریں دکھا کر اُس سے جدا ہوئے مجھے ایک طویل عرصہ بیت گیا تھا۔ اس عرصے میں مجھے کبھی شدت سے اُس کی یاد بھی نہیں آئی۔ حالات اور ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کی دشمنی نے کبھی اتنی فرصت نہیں دی کہ پلٹ کر جین کی طرف دیکھتا...... اُس کے بارے میں کچھ سوچتا...... جب ایک ایک کر کے سارے سہارے ٹوٹ گئے، کلدیپ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا تو مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ میں موت کے انتظار میں سیّد مجذوب کی لاٹھی سینے سے لگائے بمبئی کی فٹ پاتھوں پر ایڑیاں رگڑتا پھر رہا

تھا، آخری سانسیں گن رہا تھا جب جین نے اچانک سامنے آ کر میرا ہاتھ تھام لیا، وہ ضد کر کے مجھے اپنے ساتھ لندن لے آئی اور اب موت کے ہاتھوں سے بچانے کی خاطر مجھ پر بے دریغ دولت لٹا رہی تھی۔ عجیب دیوانی لڑکی تھی۔ نہ جانے اس نے میری ذات سے کیا توقعات وابستہ کر رکھی تھیں......؟

جین کے بارے میں سوچتے سوچتے یکلخت میرے خیالوں کی اُفق پر کلدیپ کا تصور قوس قزح کی مانند اُبھرنے لگا۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں طغیانی آ گئی۔ میں ہواؤں میں اُڑتا میسور کی اُن پہاڑیوں پر پہنچ گیا جہاں کلدیپ نے میری خاطر سادھو پریتم لال کی کٹیا میں دھونی رما رکھی تھی۔ اس غریب نے ایک عمر گیان دھیان میں بتا دی۔ مجھے مضبوط کرنے کی دُھن میں دن رات منڈل میں بیٹھی دیوی دیوتاؤں کو راضی کرنے کی خاطر جاپ کرتی رہی۔ اُس نے اپنی جوانی کی تمام رعنائیوں، تمام تشنہ کام اُمنگوں کو میری محبت پر بھینٹ چڑھا دیا۔ اپنے ریشمی جسم پر بھبھوت مل کر آسمان کی اپسرا سے مندر کی پجارن کا رُوپ دھار لیا۔ جب بھی میری قسمت کے ستارے گردش میں آتے وہ مختلف رنگ و روپ میں سامنے آ کر میری مدد کرتی۔ کلپنا کے رُوپ میں متعدد بار وہ میرے شانہ بشانہ چلتی رہی، میری بدبختی کہ میں اُسے کلدیپ کی حیثیت سے شناخت نہ کر سکا۔ پہچان لیتا تو کبھی اپنے وجود سے علیحدہ نہ کرتا، اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا، سانسوں میں جذب کر لیتا، پلکوں کی اوٹ میں چھپا لیتا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو شاید پریتم لال کی آتما اس سے ناراض ہو جاتی۔ کلدیپ کی برسوں کی تپسیا غارت ہو جاتی۔ سارا گیان دھیان دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ شاید اسی لئے وہ رُوپ بدل بدل کر میری مدد کرتی رہی۔ پھر جب میرے دشمن مالا کو اغواء کر کے لے گئے اور پنڈت بدری نرائن کی پشت پناہی کے لئے کالی کا مہان پجاری امر لال خم ٹھونک کر میدان میں کود پڑا تو کلدیپ کو مجبوراً پریتم لال کی کٹیا چھوڑ کر پہاڑ کی بلندیوں سے نیچے اُترنا پڑا۔ وہ اس غریب کی زندگی کا آخری معرکہ تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اگر اس نے بروقت میری مدد نہ کی تو میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اُسے میری شکست منظور نہیں تھی۔ وفا کی اُس پتلی نے میری سربلندی کی خاطر دیوی دیوتاؤں کے قدموں میں اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کرنے کا وچن دے کر ان کی خوشنودی حاصل کر لی۔ میں آخری وقت تک اُس کے عزم سے ناواقف رہا۔

پنڈت بدری نرائن کو میں نے کتوں جیسی موت مارا تو امرلال مقابلے پر آگیا، کلدیپ نے مجھے اپنے پیچھے کر لیا، خود سینہ سپر ہوگئی۔ امرلال اُس پر اپنے جنتر منتر آزماتا رہا۔ کلدیپ کا رنگ وروپ خوفناک ہوگیا۔ اُس کے جسم پر آبلے پڑ گئے۔ امرلال کے منتر کے بیروں نے ایک ایک کر کے اُس کے جسم کا تمام لباس نوچ لیا۔ کلدیپ کے زخموں سے خون اور پیپ بہہ رہی تھی، وہ اپنی جگہ پتھر کے کسی بے جان مجسمے کی مانند جمی کھڑی رہی۔ امرلال کو شاید اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ وہ تابڑ توڑ حملے کرتا رہا۔ جب کلدیپ نے پینترا بدلا تو امرلال کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کلدیپ نے ایک ہی عمل کیا تو اپنی اصلی صورت اختیار کر لی۔ اُس کا جسم پہلے کی طرح شاداب نظر آنے لگا۔ پھر اُس نے آسمان کی طرف دیکھ کر دوسرا طلسم پھونکا تو امرلال کے جسم سے خون جاری ہوگیا۔ وہ بھیانک انداز میں چیختا ہوا اُس پرانے مندر کی طرف بھاگا جہاں مالا قید تھی۔ کلدیپ نے باری باری اپنی دو اُنگلیوں کو جنبش دی تو امرلال کی دونوں ٹانگیں اُس کے جسم سے جدا ہو گئیں۔ وہ اوندھے منہ مندر کی سیڑھیوں پر گرا۔ اُس کے جسم سے خون کا فوارہ اُبل رہا تھا۔ اسی لمحے کلدیپ نے اپنا ہاتھ زمین پر مار کر تیزی سے دائیں بائیں گھمایا تو امرلال کا سر تن سے جدا ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔ کھیل ختم ہوگیا۔ میں مالا اور کلدیپ کو ساتھ لے کر سیّد غوث کے گھر چلا گیا۔

مجھے سکون کا سانس لئے صرف دو دن گزرے تھے جب کلدیپ نے ضد کی کہ وہ آخری بار پریتم لال کی کٹیا میں واپس جانا چاہتی ہے۔ اُس کا اصرار حد سے بڑھا تو میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

”میں تمہیں وہاں لئے چلتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔ تمہیں وہاں سے میرے ساتھ ہی آنا ہوگا۔“

”ٹھیک ہے۔“ اُس نے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں دس روز بعد تمہارے اختیار میں ہوں گی، تم جہاں چاہنا مجھے ساتھ لے جانا۔ میں انکار نہیں کروں گی۔“

میں، کلدیپ کا جواب سن کر خوشی سے سرشار ہوگیا۔ آنے والے اچھے دنوں کے خواب دیکھنے لگا۔ حسبِ وعدہ میں اُسے دوسرے ہی دن ساتھ لے کر میسور روانہ ہوگیا۔ پریتم لال کی کٹیا میں ہم دونوں نے ایک ساتھ وقت گزارا۔ ان دنوں کا ایک ایک لمحہ ایک ایک پل

میرے ذہن پر نقش ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ کلدیپ جو پریتم لال کے پوتر استھان پر دھونی رمانے کے بعد جسمانی طور پر میرے لئے اجنبی بن گئی تھی اب ہر وقت میری آغوش میں سر رکھے پیار ومحبت کی باتیں کرتی رہتی۔ ہمارے درمیان کوئی حجاب نہیں تھا، کوئی دُوری باقی نہیں رہ گئی۔ میں کبھی ایک پل کو اُس سے دُور ہوتا تو وہ پاگلوں کی طرح دوڑ کر مجھ سے دیوانہ وار لپٹ جاتی۔ میرے کشادہ سینے میں سر چھپائے پیار ومحبت کی باتیں کرتی رہتی۔

میسور سے ہماری واپسی میں صرف ایک رات کا وقفہ باقی رہ گیا تھا۔ اس رات بھی وہ میری بانہوں میں سمٹی بیٹھی تھی جب میں نے اُسے اُس کا وعدہ یاد دلایا۔

”تمہیں اپنا وچن یاد ہے نا؟ اب صرف ایک رات باقی رہ گئی ہے۔ کل میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں سے لے چلوں گا۔ پھر جانتی ہو کیا ہوگا......؟“

”کیا ہوگا......؟“ اُس نے مجھے حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ میں اُس کے اندر کا کرب نہ دیکھ سکا، شوخ لہجے میں بولا۔

”میں تمہیں ایک ایسے رشتے میں جکڑ لوں گا جس کے بعد مجھے تمہارے ساتھ ہر قسم کی شرارت کرنے کا قانونی اختیار ہوگا۔“

”ہاں جمیل، میں نے بھی روزِ اوّل سے یہی سوچ رکھا تھا کہ ہم سارے رسم ورواج توڑ کر ایک ایسے بندھن میں بندھ جائیں گے کہ پھر دھرتی کی کوئی شکتی بھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے گی۔ سہاگ رات منانے کی آشا کس لڑکی کے من میں نہیں کلبلاتی، اب اس کا سمے آگیا ہے تو کل کیوں؟“ کلدیپ کی کنول جیسی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیرنے لگی۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”جمیل، کیا ہم آج ہی اپنی سہاگ رات نہیں منا سکتے؟ سمے بڑا کٹھور ہوتا ہے، ایک بار ہاتھ سے نکل جائے تو پلٹ کر واپس نہیں آتا۔“

”کلدیپ......“ میں نے تڑپ کر اُس کی پیشانی چوم لی۔ ”تمہیں مہاراج پریتم لال کی قسم، سچ سچ بتاؤ تم ہنستے ہنستے اچانک اس قدر اُداس کیوں ہوگئیں؟ جو کچھ تمہارے دل میں ہے کھل کر کہہ ڈالو......“

”اب خاموش رہنے کا سمے بھی بیت چکا ہے جمیل۔“ کلدیپ نے بڑے دل گرفتہ لہجے میں کہا، پھر میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ ”میری بات دھیان سے سن لو۔ میں نے تم سے دُور رہ کر جیون کا ایک ایک پل بڑے دُکھ سے بتایا ہے۔ بڑی ویاکل رہی ہوں، تم چاہتے تھے کہ میں

مہاراج کا پوتر استھان چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں۔ میرے من کی بھی یہی اِچھا تھی۔
لیکن میں اگر مہاراج کی کٹیا سے اپنا سمبندھ توڑ لیتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا، تم بہت کمزور پڑ
جاتے۔ اسی کارن میں تمہیں بار بار بہلاتی رہی، تم سے دُور بیٹھی تمہارے لئے بھگوان سے
پرارتھنا کرتی رہی، دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے کارن کٹھن تپسیا کرتی رہی۔ میری بات
کا وشواس کرو جمیل۔ میں تم سے دُور رہ کر بھی ہمیشہ تمہارے بہت قریب رہی ہوں۔''

کلدیپ بڑے مغموم لہجے میں اپنی رُوداد سناتی رہی۔

''مجھے وشواس تھا کہ تم بدری نرائن کے مقابلے میں کمزور نہیں پڑو گے...... انکا جو
تمہارے ساتھ تھی۔ لیکن تم نے کالی کے بڑے مندر میں جا کر ہنگامہ کیا تو بڑے بڑے
سادھو اور دوسرے پنڈت پجاری بھی بدری نرائن کے ساتھ ہو گئے۔ تم اس دلدل سے نکلنے
کی بجائے اس میں پھنستے ہی گئے۔ میں ابھی کوئی اوپائے سوچ رہی تھی کہ کالی کا سب سے
مہان سیوک امرلال بھی بدری نرائن کی سہائتا کی خاطر میدان میں آ گیا۔ میں جانتی تھی
جمیل۔ امرلال اور بدری نرائن کا گٹھ جوڑ تمہیں کبھی سکھ کا سانس نہ لینے دیتا۔ اُنہوں نے مالا
کو اغواء کیا تو تم دیوانے ہو گئے۔ وہ تمہیں تمہارے منڈل سے باہر لانا چاہتے تھے۔ انکا
نے تمہیں روکا لیکن تم نے ہوش کی بجائے جوش سے کام لیا۔ امرلال اسی موقع کی کھوج میں
تھا۔ مجھے خبر تھی کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ سو میں نے کالی کو وچن دیا کہ
اگر میں بدری نرائن اور امرلال کے مقابلے میں کامیاب ہو گئی تو اس کے چرنوں میں اپنا
جیون بھینٹ کر دُوں گی...... دیوی نے میرا بلیدان سویکار کر لیا۔ پھر وہی ہوا جو میں نے
سوچا تھا۔ تمہیں اُن دونوں دشمنوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا مل گیا اور میں......''

''کلدیپ......'' میں دیوانوں کی طرح چیخ اُٹھا۔ ''کلدیپ۔ تم نے میری خاطر اتنی
بڑی قربانی کیوں دی؟ مر جانے دیا ہوتا مجھے۔''

''ایسے شبد زبان پر نہ لاؤ جمیل۔ مجھے دُکھ ہو گا۔'' کلدیپ کے چہرے پر کرب نمایاں
ہونے لگا۔ بڑی حسرت سے بولی۔ ''میں نے دیوی سے تمہارے کارن دس روز کی مہلت
مانگ لی تھی۔ آج اس مہلت کی آخری رات ہے۔ میں بہت خوش ہوں جمیل۔ میں
تمہارے کام آ گئی۔ میرا انت تمہاری گود میں ہو رہا ہے۔ آج مجھے میری جیون کی تپسیا کا
پھل مل رہا ہے۔ آؤ...... میرے سینے سے لگ جاؤ۔ سارے فاصلے ختم کر دو۔ مجھے اپنے

کلیجے میں اس طرح چھپا لو کہ ساری دُوریاں ختم ہو جائیں، کوئی فاصلہ باقی نہ رہے۔ اپنے
ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دو، میری جنم جنم کی پیاس بجھ جائے گی۔ میں سہاگنوں کی طرح
مرنا چاہتی ہوں......''

''کلدیپ...... کلدیپ......'' میں نے اُسے پوری شدت سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔
''ایسی باتیں مت کرو۔ تم نے اگر میرا ساتھ چھوڑ دیا تو میں بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ خدا
کے لئے ہوش میں آؤ، کہہ دو کہ تم نے ابھی جو کچھ کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے، تم نے کوئی
ڈراؤنا خواب دیکھا تھا، میں تمہیں مرنے نہیں دُوں گا۔ تمہیں میرے لئے زندہ رہنا ہو گا۔
ہاں، صرف میرے لئے۔'' مجھ پر جنون سا طاری ہو رہا تھا۔ میں نے اُسے اس طرح اپنی
بانہوں میں بھر لیا جیسے اُس کی رُوح کو جسم سے نکلنے سے روک لوں گا۔

''تمہیں میری سوگند جمیل......'' کلدیپ نے بڑی نقاہت سے کہا۔ ''اپنے آپ کو
سنبھالے رکھو، تمہیں اپنی کلدیپ کے کارن زندہ رہنا ہو گا۔ اگر تم نے جیو ہتیا کی یا کوئی اور
پاگل پن کیا تو تمہاری کلدیپ کی آتما کو مر کر بھی چین نہیں ملے گا۔ مجھے وچن دو تم زندہ رہو
گے، تمہیں زندہ رہنا ہو گا۔ سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''تم جھوٹ بول رہی ہو......'' میں نے تڑپ کر جواب دیا۔ ''تم مجھ سے مذاق کر رہی
ہو، میرا امتحان لے رہی ہو۔ میں جانتا ہوں تم اپنے جمیل کو چھوڑ کر کبھی اس سے دُور نہیں جاؤ
گی۔ تم نے ایسا کیا تو میرے دماغ کی ساری نسیں پھٹ جائیں گی۔'' میں ہذیان بکنے لگا۔
کلدیپ میرے جسم سے لگی کپکپا رہی تھی۔ اس پر لرزہ طاری تھا۔ اُس نے بڑی مشکلوں سے
سر کو ذرا سا بلند کیا۔ میں نے اپنا چہرہ جھکا لیا۔ شاید وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اُس نے
کچھ بھی نہیں کہا، اپنے تھرتھراتے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے پھر میری آغوش میں
درخت سے ٹوٹے کسی خزاں رسیدہ پتے کی مانند گر کر ڈھیر ہو گئی۔ اُس کے شریر اور آتما کا
بندھن ٹوٹ گیا...... میری دُنیا تاریک ہو گئی۔ میں نے اُس کی لاش کو ایک ہاتھ سے سمیٹ
کر کاندھے پر اُٹھایا۔ میں کلدیپ کو موت کے سفر پر تنہا کیسے روانہ کر سکتا تھا؟ میں نے طے
کر لیا کہ کسی بلند چٹان پر چڑھ کر اپنے آپ کو بھی کلدیپ کے ساتھ نیچے گرا دُوں گا، قصہ
پاک ہو جائے گا۔ لیکن انکا میرے سر پر آ گئی۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات سے میری
وحشتوں، میرے جنون کا اندازہ لگا چکی تھی۔ اس سے قبل کہ میں انکا سے کچھ کہتا اُس نے

اچانک اپنے پنجے اتنی شدت سے میرے سر میں چبھوئے کہ میں کلدیپ کی لاش کے ساتھ ہی لڑکھڑا کر ڈھیر ہوگیا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا......؟ میں کتنے عرصے بے ہوش رہا......؟ اور اب...... جین مجھے زندگی کی طرف واپس گھسیٹنے کی خاطر بمبئی کے فٹ پاتھ سے اُٹھا کر لندن لے آئی تھی۔

کلدیپ کی جدائی کا منظر میرے ذہن میں کلبلایا تو میرا دل بھر آیا۔ میں نے دل میں سوچا۔ ”جمیل احمد خاں، تم کیوں اپنے ساتھ ساتھ جین کو بھی فریب دے رہے ہو؟ جب تمہیں زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا تو پھر لندن کے ہسپتال میں پڑے اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟ کیا تم کلدیپ کو بھول سکو گے؟ نرگس کو فراموش کر سکو گے؟ کس کی خاطر زندگی کی آرزو میں مبتلا ہو؟ جب تمام ہنگاموں سے منہ موڑ لیا تو پھر بستر استراحت پر پڑے کیا سوچ رہے ہو؟ اُٹھو اور اس سے پیشتر کہ جین تمہارا ارادہ بھانپ سکے، کمرے کی کھڑکی کھول کر اپنے وجود کو آنکھ بند کر کے نیچے گرا دو۔ سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ تم بھی موت کی ابدی نیند سو جاؤ گے، دوسروں کی زندگی میں بھی کوئی ہلچل بپا نہیں ہوگی۔ آخر کار تمہارا یہی انجام ہونا ہے۔ پھر انتظار کس بات کا......؟ وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟ بار بار مرنے سے بہتر ہے کہ ایک ہی بار اپنا قصہ پاک کر دو۔ بے مقصد کہانی کو طول دینے سے حاصل بھی کیا ہو گا......؟“

میرے اندر اضطراب کی لہروں نے طغیانی کی شکل اختیار کی۔ میں نے اپنے ارادے کو تکمیل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ جین میرے لئے جو کچھ کر چکی تھی وہی بہت تھا۔ اُس کو مزید پریشان کرنا مناسب نہیں تھا۔ میری موت کے بعد وہ ضرور تڑپے گی۔ خواب چکنا چور ہو جائیں تو درد کی شدت کی لہریں ضرور سر اُبھارتی ہیں۔ لیکن وقت ہر زخم کے لئے مرہم بن جاتا ہے۔ کوئی زندگی بھر کسی کی خاطر آنسو نہیں بہاتا۔ جین کو بھی کچھ دنوں بعد سکون آ جائے گا۔ وہ زندہ رہنے کی خاطر مجھ سے بہتر کوئی سہارا تلاش کر لے گی۔

میں نے پلکوں کے درمیان ہلکی سی جھری کر کے دیکھا، جین ایک کھڑکی کے قریب سوگوار سی کھڑی اپنے خیالوں میں غرق تھی۔ میں نے آہستہ سے اُٹھنے کی کوشش کی تو ایک کھنکھناتی ہوئی ٹھوس آواز نے مجھے چونکا دیا، میں نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر آواز کی سمت

دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ ہڈیوں کا وہ لڑکھڑاتا ہوا استخوانی پنجر جس کے جسم پر برائے نام گوشت تھا پریتم لال کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ میرے بستر کے قریب بمشکل دو گز کے فاصلے پر کھڑا وہ مجھے بڑی گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اس وقت بھی وہی پہلے جیسا جلال موجود تھا۔ پریتم لال کو سامنے دیکھ کر مجھے جھرجھری آ گئی۔ وہ مہان شکتی کا مالک تھا۔ نہ ہوتا تو کلدیپ اُس کے استھان پر اپنی جوانی نہ بتا دیتی۔ انکا بھی اُسے دیکھ کر دم سادھ لیتی تھی......!

مجھے یاد آیا، پریتم لال میسور کی پہاڑی پر عین اُس وقت میرے سامنے آ گیا تھا جب میں مالا رانی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔ وہ مجھے میری گستاخی کی کوئی عبرتناک سزا دینا چاہتا تھا جب کلدیپ درمیان میں آ گئی...... وہ جھولی پھیلائے پریتم لال سے میری زندگی کی بھیک مانگنے لگی۔ پریتم لال یقیناً اتنی مہان شکتیوں کا مالک تھا کہ انکا بھی اُسے دیکھ کر سہم گئی تھی۔ انکا کے کہنے پر میں نے بھی پریتم لال کے پیر پکڑ لئے۔ انکا بھی میری خاطر منت سماجت کرنے لگی، کلدیپ ہاتھ باندھے التجا کرتی رہی۔ پریتم لال نے مجھے سخت سزا دینے کے بعد معاف کر دیا، پھر وہ رفتہ رفتہ مجھ پر مہربان ہونے لگا۔ مرنے سے پیشتر اس مہان پجاری نے مالا رانی کی ذمہ داری مجھے سونپ دی۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے مجھے کھانے کے لئے کھریا مٹی دی جس پر اُس نے کئی جنتر منتر پڑھ کر پھونکے تھے۔ اُس نے کہا تھا...... ”اس مٹی کو کھانے کے بعد تمہارے شریر میں ایک نئی شکتی پیدا ہوگی۔ تم اتنے بلوان ہو جاؤ گے کہ گندی بلائیں تمہارے قریب پھٹکنے کی ہمت نہیں کر سکیں گی، چھوٹے موٹے پنڈت پجاری تمہیں دُور ہی سے دیکھ کر کترا جائیں گے۔ تم اُجلے اور سچے من سے میرا نام لے کر جو چاہو گے وہ اوش پورا ہوگا پرنتو ایک بات گرہ سے باندھ لو۔ مالا رانی کو کبھی کوئی دُکھ نہ دینا اور پاپ کے کاموں میں میری دان کی ہوئی شکتی کو کام میں نہ لانا۔“

پریتم لال کی موت میری اور کلدیپ کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے اُس کا کریا کرم کرنا پڑا تھا۔ اُس کی چتا کی راکھ کو بھی میں نے ہی دریا برد کیا تھا...... اس وقت وہی پریتم لال میرے سامنے کھڑا مجھے بڑی گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔

”مہاراج...... تم......؟“ میری آواز لڑکھڑانے لگی۔

”تن کی آنکھیں بند کر لے......“ پریتم لال نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ”من کے دوار کھول

کر دیکھ۔''

''میں...... میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھ رہا؟''

''اب تیرے سپنے دیکھنے کی عمر بیت گئی مورکھ، جیون کی ڈور کو پوری مضبوطی سے تھام لے۔''

''میری کلدیپ چلی گئی مہاراج......'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''اُس کے بنا جینے کو من نہیں کرتا۔''

''کلدیپ......'' پریتم لال ایک لمحہ کو آزردہ ہو گیا۔ ''کلدیپ مر کر امر ہو گئی بالک۔ تیرے لئے اس کا پیار سچا تھا۔ اُس نے تجھے دیوتا جان کر تن من دھن سے تیرے کارن اپنا سارا جیون دان کر دیا۔ اب اسے بھول جا، یاد کرے گا تو اُس ابھاگن کی آتما کو بھی چین نہیں آئے گا۔ تجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔'' پریتم لال کے لہجے میں پھر کرختگی آ گئی۔ ''جو کام کلدیپ ادھورے چھوڑ گئی وہ تجھے پورے کرنے ہیں۔''

''میں اُس کے بنا ادھورا رہ گیا ہوں......''

میرا جواب سن کر پریتم لال نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی اُتر آئی۔ شاید میری بات سے اُسے دُکھ پہنچا تھا، میں جانتا تھا کلدیپ کا نام میری زبان سے بار بار سن کر اُس کے من میں بہت سارے وچار کلبلانے لگے ہوں گے۔ اس مہان پجاری نے کچھ سوچ کر ہی اپنا پوتر استھان کلدیپ کے حوالے کیا تھا۔ اُس کی دُور بین نظروں نے کلدیپ کے دل میں جھانک کر دیکھ لیا ہوگا کہ اس کے من میں دیوی دیوتاؤں اور دھرم کا سودا سما گیا تھا۔ میرے لئے کلدیپ کا پریم سچا تھا اس میں کوئی کھوٹ نہیں تھا اور پیار سچا ہو تو انسان آسمان کی بلندیوں کو بھی چھو سکتا ہے۔

کلدیپ کہتی تھی کہ امر لال کالی کا سب سے مہان سیوک ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر اُس کے دل میں میری چاہت نہ ہوتی تو پریتم لال کا ہاتھ تھام لینے کے بعد وہ امر لال سے زیادہ مہان شکتیوں کی مالک بن سکتی تھی۔ میرے پیار نے اُسے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ وہ آنکھ بند کر کے صرف دیوی دیوتاؤں کو من میں بسا لیتی تو سب سے بلند مقام کو چھو لیتی۔ پریتم لال نے ایک موقع پر کہا تھا کہ کلدیپ کو پاربتی نے پسند کر لیا ہے، وشنو مہاراج نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ سنسار میں بڑا نام پیدا کر سکتی تھی، ہندوستان

کے بڑے بڑے پنڈت پجاری اُس کی کٹیا کو سلام کرنا بھی اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے لیکن کلدیپ نے اپنے من مندر میں بھگوان کی جگہ میری مورتی سجا لی تھی۔

''اب اُس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دے مورکھ۔'' پریتم لال مجھے گھورتا ہوا بولا۔ ''میں نے کہا نا کہ اُس کی آتما بے چین ہو جائے گی۔''

''میرا ایک کام کر دو مہاراج......'' میں مجسم التجا بن گیا۔ ''مجھ سے میرا حافظہ چھین لو۔ کچھ ایسا پڑھ کر پھونک دو کہ میں اپنا ماضی، اپنا حال، اپنا مستقبل سب کچھ بھول جاؤں۔ میں جانتا ہوں تم مہان قوتوں کے مالک ہو، تمہارے حکم پر انکا بھی اس وقت میرا خون پینے پر مجبور ہو گئی تھی جب میں مالا رانی کی طرف سے من میں برا خیال لایا تھا۔'' میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''مجھے نراش مت کرنا مہاراج، تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔ مجھ سے میری یادداشت چھین لو۔ بڑی کرپا ہوگی۔''

''اور اس سندری کو کس کے سہارے چھوڑے گا جو تیرے پیار کو من میں بسائے سپنے دیکھ رہی ہے؟'' پریتم لال کا اشارہ جین کی طرف تھا۔ میں نے بے اختیار جین کی طرف دیکھا تو میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑی تھی۔ اُس کی پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا تھا۔ پتھر کے بت کی مانند ایک ہی جگہ ایستادہ ہو کر رہ گئی تھی۔

''اسے...... اسے کیا ہو گیا مہاراج؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''میں نے اس کے من کو کچھ دیر کے لئے شانت کر دیا ہے۔'' پریتم لال نے لاپرواہی سے کہا پھر یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ ''میری بات دھیان سے سن۔ تیرے بھاگیہ میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اوش پورا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ تو اپنے من کو مار لے۔ خود کو چٹان بنا لے، پتھر کی اتنی ٹھوس اور سخت مورتی بن جا جس پر آندھی، برکھا اور سرد و گرم کا بس نہیں چلتا۔ پرنتو میری نظریں تیرے بھوش کو ٹٹول چکی ہیں۔ تو دھرم کے کارن کوئی بلیدان نہیں دے سکتا۔ جل کے اوپر ہی اوپر تیرتا رہے گا۔ جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکے گا لیکن جو کام آدھے رہ گئے ہیں وہ تجھے پورے کرنے ہوں گے۔ کلدیپ کی بھی یہی آشا تھی، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن اس کام کے لئے بھی تجھے بڑے پاپڑ بیلنے ہوں گے۔ بڑا کشٹ اُٹھانا پڑے گا۔''

''میں نہیں سمجھ سکا مہاراج کہ تم کن کاموں کی طرف اشارہ کر رہے ہو؟'' میں نے

وضاحت چاہی۔

''سمے کا انتظار کر۔'' اُس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''دھیرج سے کام لے، آہستہ آہستہ سب کچھ تیری سمجھ میں آجائے گا۔''

''تم شاید مجھے ٹال رہے ہو؟'' میری اضطرابی کیفیت دوچند ہوگئی۔ ''مجھے بتاؤ مہاراج، کلدیپ مجھ سے کیا چاہتی تھی؟ تم کوئی آگیا دو۔ میں تمہارے کسی حکم سے سرتابی نہیں کروں گا۔ تم گواہ ہو، میں نے اُس وقت بھی گھٹنے نہیں ٹیکے جب آدھے ہندوستان کے پنڈت پجاری اور بڑے بڑے گیانی دھیانی گٹھ جوڑ کر کے زمین سے میرے قدم اُکھاڑنے کی خاطر زور لگا رہے تھے۔ تم تو میرے محسن ہو۔ میں تمہارا کوئی حکم ماننے سے انکار نہیں کروں گا۔ مجھے بتاؤ مہاراج، مجھے کون سے ادھورے کام پورے کرنے ہوں گے۔''

''ہندوستان کے کچھ پنڈت پجاری پھر سر جوڑ کر تیرے بارے میں سوچ بچار کر رہے ہیں۔'' پریتم لال نے سپاٹ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''پنڈت بدری نرائن کے چیلوں نے ابھی تک اُس کی چتا کی راکھ پیتل کی لٹیا میں بہت سنبھال کر رکھی ہے۔ اُسے گنگا میں نہیں بہایا۔ اُنہوں نے سوگند اُٹھائی ہے کہ تیرا کریا کرم کرنے کے بعد ہی وہ اس پوتر راکھ کو تبت کی کسی بلند چوٹی پر بکھیریں گے۔ کالی کے مہان پجاری امرلال کا ایک ہی بالک تھا...... چندرا۔ اُس نے کالی کے پوتر چرنوں میں بیٹھ کر اپنے خون سے ماتھے پر تلک لگا کر قسم کھائی ہے کہ وہ جب تک تجھے نشٹ نہیں کر دے گا کسی ناری کے شریر کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ جب سے امرلال ترلوک سدھارا ہے وہ وندھیاچل کی پہاڑی کی ایک گپھا میں دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ ابھی وہ کیول اٹھارہ اُنیس سال کا گبرو جوان ہے۔ اُسے اپنا گیان دھیان پورا کرنے میں سمے لگے گا۔ امرلال جیسی شکتی پراپت کرنا بالکوں کا کھیل نہیں۔ لیکن سانپ کا بچہ سنپولیا ہی کہلاتا ہے۔''

''مہاراج......'' میں نے زہرخند سے کہا۔ ''پہلے نرگس گئی، پھر مالا رانی گئی۔ ایک ایک کر کے جانے کتنے سہارے چھوٹ گئے، کتنے رشتے ناتوں نے منہ موڑ لیا۔ جب نئے سرے سے دنیا بسانے کی آرزو کی تو میری کلدیپ کو کالی کا دیا ہوا وچن چاٹ گیا۔ میں تو دنیا سے منہ موڑ چکا ہوں، میری جھولی خالی ہو چکی ہے۔ اب میرے دشمن مجھ سے کیا انتقام لیں گے۔ جو مر چکا ہو اُسے کیا ماریں گے؟''

''نراش مت ہو بالک، میں جو تیرے ساتھ ہوں......'' پریتم لال نے آگے بڑھ کر اپنا استخوانی ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک برقی رو میرے جسم میں دوڑ گئی ہو۔ میرے جسم کی کھوئی ہوئی ساری توانائیاں پلک جھپکتے میں بحال ہو گئیں۔ میری رگوں میں دوڑتے خون میں ایک نیا جوش، نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ میری عمر جیسے کئی سال گھٹ گئی ہو۔ میں پھر سے خود کو جوان محسوس کرنے لگا۔

''مہاراج......'' میری آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بڑی عقیدت سے بولا۔ ''تمہارا ہاتھ سر پر رہا، تمہارا آشیرباد حاصل رہا تو میں اپنے دشمنوں کو کبھی سکون کی نیند نہیں لینے دوں گا۔''

''ابھی وہ سمے آنے میں دیر ہے بالک......'' پریتم لال نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ابھی موج میلہ کر، زیادہ سوچ وچار مت کر۔ کیول ایک بات گرہ سے باندھ لے۔''

''تم حکم دو مہاراج......''

''کبھی لگن منڈپ سجانے کا وچار من میں نہ لانا ورنہ کلدیپ کی آتما......'' پریتم لال کا استخوانی پنجر کھڑکھڑانے لگا۔ اُس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ میرے اُوپر اُس کی مہان شکتی کا ایک اور بھید کھلا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے سب کچھ دیکھتا رہا، پریتم لال کی بوڑھی آنکھوں سے ڈھلکنے والے آنسو زمین پر گرنے سے پہلے ہی غائب ہو جاتے تھے۔ وہ مہان شکتی کا مالک تھا۔ انکا بھی اُسے دیکھ کر سہم جاتی تھی لیکن اس وقت پریتم لال، کلدیپ کی یاد میں بے حد مضطرب نظر آ رہا تھا۔

''میں وچن دیتا ہوں مہاراج......'' میں نے اُسے یقین دلایا۔ ''کلدیپ کی جگہ میرے دل میں ہمیشہ خالی رہے گی، اُس کی مانگ کا سیندور میری زندگی کی امانت ہے۔ میں اس امانت کو ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گا۔''

''مجھے وشواس تھا کہ تو یہی کہے گا۔'' پریتم لال نے سرد آہ بھر کر کہا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آج وہ سندری نظر نہیں آ رہی؟''

''تم کس کی بات کر رہے ہو......؟''

''وہی بالشت بھر کی فتنہ، آفت کی پڑیا جو تیرے سر پر بیٹھی اتراتی رہتی تھی۔''

''اوہ، تم شاید انکارانی کی بات کر رہے ہو۔'' میں نے دل گرفتہ لہجے میں جواب دیا۔

"کلدیپ کے بعد میں جیون کے سارے بندھن توڑ دینا چاہتا تھا، میں نے انکا کو بھی رخصت کر دیا۔ وہ ہوتی ہے تو نئے نئے ہنگامے جنم لیتے رہتے ہیں۔ اب میں ہنگاموں سے اُکتا گیا ہوں۔"

"ہنگامے تو جیون کی پہچان ہیں مورکھ۔" پریتم لال نے سنجیدگی سے کہا۔ "اُسے واپس بلا لے۔ وہ پاس ہوگی تو تیرا من بہلاتی رہے گی، میں جانتا ہوں وہ تیرے بنا بڑی اُداس اُداس رہتی ہے۔"

"تم نہیں جانتے مہاراج، وہ جس کی غلام بن جاتی ہے اُسی کے گن گاتی ہے۔ اُس کی آنکھیں بدل جاتی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اُسی نے مجھے ایک ہاتھ سے محروم کر دیا تھا۔ وہ آتی جاتی چھاؤں ہے، کبھی کسی ایک کی ہو کر نہیں رہ سکتی۔"

"پرتو یہ کیوں بھول رہا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تیرے سر پر آئی تھی۔ تو نے اُس کے کارن کسی منڈل میں بیٹھ کر کوئی جنتر منتر بھی نہیں کیا۔" پریتم لال نے مجھے یاد دلایا۔ پھر میرے کٹے ہوئے ہاتھ کی سمت دیکھ کر کہا۔ "تو اس ہاتھ کا علاج کرا لے۔"

"تم کہتے ہو تو کرا لوں گا۔ لیکن مصنوعی ہاتھ صرف میرے شریر کی شوبھا بڑھا سکتا ہے۔ میرے کسی کام نہیں آ سکے گا۔"

"زیادہ دُور کی نہ سوچا کر۔" پریتم لال کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ "گرو کی آگیا کا پالن کرنے کی عادت ڈال لے، اپنی شکتی پر مان کرنا چھوڑ دے۔ کیول اتنا ہی اُونچا اُڑا کر جہاں تک تیری پہنچ ہے۔"

"مہاراج، تمہاری شکتی اپرم پار ہے، تم......"

"کلدیپ کی سوگند اُٹھا کر مجھے وچن دے کہ پھر کبھی تو اپنے پاپی من میں جیو ہتیا کرنے کا دھیان نہیں آنے دے گا۔" پریتم لال نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا، اُس کی نگاہوں کی تپش مجھے اپنے جسم میں تحلیل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں...... میں وچن دیتا ہوں......" میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ پریتم لال کی آمد بے سبب نہیں تھی۔ میں اس مہان پجاری کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اب بستر چھوڑ دے، بہت دن ستا لیا۔" پریتم لال نے ایک لمحے بعد سرسراتے لہجے میں کہا تو میں غیر اختیاری طور پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے جسم کی

ساری توانائی یکلخت بحال ہوگئی ہو، میں اس وقت بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا جیسے میرے سر سے دنیا جہان کا بوجھ اُتر گیا ہو۔ وہ یقیناً پریتم لال کی ساحرانہ نظروں کا کرشمہ تھا جس نے میرے جسم میں زندگی کی نئی لہر پھونک دی تھی۔

"مہاراج......" میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ "کیا میں ہندوستان واپس چلا جاؤں؟"

"ابھی سمے نہیں آیا...... جب آئے گا تو وہ بالشت بھر کی سندری تجھے سب بتا دے گی۔ میں اُسے ساتھ ہی لایا ہوں، تیرے بنا وہ بڑی اُداس اُداس رہنے لگی تھی۔" پریتم لال مسکراتے مسکراتے یکلخت سنجیدہ ہوگیا، اُس نے نظر گھما کر سیّد مجذوب کی لاٹھی کو بہت غور سے دیکھا، بدری نرائن اور امرلال کی موت کے بعد بھی میں نے اس لاٹھی کو ایک لمحے کو بھی خود سے جدا نہیں کیا تھا، پریتم لال اسی لاٹھی کو ٹکٹکی باندھے پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا، اُس کی پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا تھا۔ اُس کی دُور رس نگاہوں میں ایک عجیب سا تجسّس نظر آ رہا تھا۔ کبھی اُس کی کشادہ پیشانی پر آڑی ترچھی لکیروں کے جال پھیل جاتے، کبھی وہ آنکھیں بند کر کے اپنے خیالوں میں مستغرق ہو جاتا، کبھی بے چینی کے عالم میں ہونٹ چبانے لگتا۔ میں اُس کی ایک ایک کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ پریتم لال تا دیر مختلف زاویوں سے سیّد مجذوب کی لاٹھی کو پرکھتا رہا، پھر مجھے دیکھ کر بولا۔

"تو قسمت کا دھنی ہے بالک جو یہ لاٹھی تیرے ہاتھ آگئی۔ پرنتو تو پوری طرح نہیں جانتا کہ اس پوتر لاٹھی کے اندر شکتی کے کیسے کیسے انمول چمتکار چھپے ہوئے ہیں۔ میں جیوت ہوتا تو اسے حاصل کرنے کے کارن اپنے ہزاروں جیون بھینٹ چڑھا دیتا۔"

"مہاراج......" میرا تجسّس بڑھنے لگا۔ "تم کیا جانتے ہو اس لاٹھی کے بارے میں؟"

"میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جسے کھوجنے کے لئے منش اپنا پورا جیون بلیدان کر سکتا ہے۔ پرنتو میں تجھے کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"تم مجھے نراش کر رہے ہو مہاراج......" میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔ "مجھے بتاؤ کہ اس لاٹھی میں......"

"نہیں بالک، نہیں......" پریتم لال نے ہاتھ اُٹھا کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مجھے مجبور نہ کر، میں اس پوتر لاٹھی کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا...... کیول اتنا سمجھ لے کہ اگر میں اپنی تمام شکتیاں دان کر کے بھی اس لاٹھی کو حاصل کر سکتا تو یہ سودا میرے لئے بہت

ستا ہوتا، اسے بہت سنبھال کر رکھنا، اسے کھومت دینا......اب مجھے آگیا دے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے......؟" میں نے بڑی عقیدت سے پوچھا۔

"ابھی موج میلہ کر۔ ساتھ ساتھ ڈنڈ بیٹھک بھی کرتا رہ، سادھو جگدیو، کپالا اور نندا نے تجھے جو شکتیاں دان کی تھیں اُسے بھول مت جانا، شاکیہ منی کو من میں بسائے رکھ......آج کی محنت کل تیرے کام آئے گی۔" پریتم لال نے آگے بڑھ کر میرے سر پر دوبارہ ہاتھ پھیرا، پھر وہ یکلخت نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں بستر پر بیٹھا پریتم لال کے آنے کی وجہ سوچ رہا تھا کہ جین دیوانہ وار دوڑتی ہوئی قریب آئی، بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ شاید پریتم لال کے جاتے ہی وہ سحر بھی ٹوٹ گیا تھا جس نے جین کو وقتی طور پر پتھر کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔

"اوہ، دولت علی...... مجھے یقین تھا، مقدس مریم کی پاکیزگی کی قسم، میں جانتی تھی، میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تم کسی دن اچانک اپنی کھوئی ہوئی توانائی حاصل کر کے سب کو حیران کر دو گے۔" وہ میرے چہرے کو اپنی نازک ہتھیلیوں پر رکھ کر بڑی مسرت سے چیخی۔ "تم بالکل ویسے ہی چاق و چوبند اور تندرست و توانا نظر آ رہے ہو جیسا میں نے تمہیں پہلی بار امرائے لندن کے کلب میں دیکھا تھا۔ حیرت انگیز......تم حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ سچ بتاؤ دولت علی کہ اس وقت تم کیا محسوس کر رہے ہو......؟"

"میں......" میں نے جین کے نازک وجود کو پوری طرح اپنے اندر سموتے ہوئے سرگوشی کی۔ "میں اس وقت خود کو لندن کا سب سے خوش قسمت آدمی تصور کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ لندن کی خوبصورت ترین حسینہ، میری جین، میری محبوبہ میری آغوش میں ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک ہو گئے ہو...... اوہ میرے خدا۔" جین خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ اُس کی غزالی آنکھیں کسی ہرنی کی مانند بار بار میرے وجود پر پھسل رہی تھیں۔ وہ بڑے جذباتی انداز میں کہہ رہی تھی۔ "میں تمہاری رُوحانی قوتوں اور حیرت انگیز صلاحیتوں کی پہلے ہی سے معترف ہوں۔ لیکن آج......آج مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ بمبئی کی فٹ پاتھ پر جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میرا کلیجہ پھٹنے لگا تھا، میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر تمہیں کچھ ہوا تو میں بھی جان دے دُوں گی۔ مگر آج......آج تم نے پھر مجھے حیران کر دیا، مجھے یقین دلا دو دولت علی۔ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

میں نے اس موم کی حسین ساحرہ کو یقین دلانے کی خاطر اُس کے خوبصورت وجود کو پوری شدت سے بھینچا تو اُس کی چیخ نکل گئی۔ ایک نرس چیخ سن کر تیزی سے کمرے میں آئی تو جین اپنا بے ترتیب لباس سمیٹتی جلدی سے مجھ سے علیحدہ ہو گئی۔ نرس مجھے تندرست و توانا دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اُس نے جو جذباتی منظر دیکھا شاید اس میں نرس کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں تھی، وہ جین کی بجائے مجھے تعجب خیز نظروں سے گھور رہی تھی جب جین کی خوشی میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری۔

"سسٹر، ڈاکٹر برنارڈ کو بلاؤ، جلدی، میں چاہتی ہوں کہ ڈاکٹر بھی آ کر اس بات کی تصدیق کر دے کہ دولت علی حیرت انگیز طور پر روبصحت ہو گیا ہے، میں اسے آج ہی ہسپتال سے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔"

نرس اُلٹے قدموں واپس چلی گئی۔ اُس کے چہرے پر بھی خوشگوار حیرت نظر آ رہی تھی۔

"جین......" میں نے نرس کے جانے کے بعد کہا۔ "جہاں تم نے مجھ پر اتنے احسانات کئے ہیں، وہاں ایک احسان اور کر دو۔"

"اس انداز میں بات مت کرو دولت علی......" اُس نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہیں اپنی زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا، میں نے منت کی تھی کہ اپنی زندگی کو میری جھولی میں ڈال دو۔ میں احسان مند ہوں کہ تم نے میری درخواست رد نہیں کی۔ مجھے غیر مت سمجھو۔ میں تمہاری داسی ہوں، تمہاری ملازمہ ہوں، تمہارے قدموں کی دُھول ہوں۔ احسان کی بات مت کرو، مجھے حکم دو، میں تمہارے ہر حکم کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھوں گی......وکٹوریہ کراس سے بھی بڑا اعزاز۔"

"میں اپنے جسم کی اس بدنمائی کو دُور کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کیا مشکل ہے؟" جین نے بڑی سادگی سے کہا۔ "پلاسٹک سرجری نے تو اب بہت ترقی کر لی ہے۔ میں ابھی ڈاکٹر برنارڈ سے بات کروں گی۔"

کچھ دیر بعد ڈاکٹر برنارڈ نرس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو مجھے ہشاش بشاش دیکھ کر اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔ اُس نے میرا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد جین کو میری تندرستی کا یقین دلا دیا۔

''اب آپ اگر چاہیں تو مسٹر دولت علی کو گھر لے جاسکتی ہیں۔''

''گھر جانے سے پیشتر میں چاہوں گا کہ میرے کٹے ہوئے ہاتھ کی جگہ مصنوعی ہاتھ بھی لگا دیا جائے۔'' میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر برنارڈ نے مسکرا کر کہا۔ ''میں آج ہی کسی سرجن سے بات کر کے اپائمنٹ لئے لیتا ہوں۔''

ڈاکٹر برنارڈ اور نرس کے جانے کے بعد میں بستر سے اُتر کر نیچے آ گیا۔ جین کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اُس کا چہرہ کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اُسے سینے سے لگالیا، وہ کسمسانے لگی۔ حیا کی سرخی سے اُس کا پنڈا سرخ ہو گیا۔ میں جانتا تھا وہ لندن کی عام لڑکیوں سے مختلف تھی لیکن اس وقت مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں رہا، میں نے اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے اُس کے ہونٹوں پر محبت کی مہر ثبت کی تو وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکل گئی، کسی سہمی ہوئی ہرنی کی مانند اُس کی سانسیں بہکنے لگیں۔ وہ پاکباز ہونے کے باوجود گوشت پوشت کی ایک عورت ہی تھی۔ میں نے اُس کے اندر چھپی ہوئی دوشیزگی کو آواز دی تو اُس کے جذبات میں یقیناً ہلچل مچی ہوگی۔ میرے لمس کی گرمی سے اُس کی اُمنگوں میں بھی طغیانی ضرور آئی ہوگی۔ میرے قریب ہی کھڑی وہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان نظروں میں پیار تھا، اپنائیت تھی اور ایک سہمی سہمی سی درخواست بھی تھی۔ میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر اُس کی کلائی تھام کر دوبارہ اپنی سمت گھسیٹا۔ وہ شرماتی لجاتی میرے قریب آ گئی۔ اُس نے اپنا سر میرے سینے پر ٹکا دیا۔ میں نے سیدھے ہاتھ سے اُس کا چہرہ اُوپر اُٹھایا۔ اُس نے میری آنکھوں میں تشنہ ارمانوں کی طغیانی دیکھی تو شرما کر پلکیں جھکا لیں۔ مجھ پر بے خودی طاری ہونے لگی۔ میں نے اُس کے یاقوتی ہونٹوں پر پھر ہونٹ رکھ دیئے۔ میرے لبوں کی چاشنی اُس کے وجود میں گھلنے لگی۔ اُس کے اندر کا آتش فشاں متحرک ہونے لگا، وہ کمزور پڑنے لگی۔ میں چاہتا تو اُس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھالیتا۔ لیکن میں نے اُسے چھوڑ دیا، وہ حیرت سے مجھے تکنے لگی۔ اُس کی خمار آلود نگاہوں میں مستی کے ساغر چھلک رہے تھے۔

''جین......'' میں نے اُسے مدھم سروں میں آواز دی۔

''کہو دولت علی۔'' اُس کی آواز مندر کی نقرئی گھنٹیوں کی طرح میرے کانوں میں گونجی۔

''تمہاری جین تمہارے پاس ہی ہے۔''

''میں نے ایک بار تم سے کہا تھا کہ میری خواہش کی تکمیل میں تمہاری آمادگی بھی شرط ہو گی...... یاد ہے تمہیں؟''

''ہاں......'' اُس نے نظریں جھکا کر کہا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اُس کے سینے میں طوفان کی شدتیں اُمنڈ رہی تھیں، اُس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اُس کا پورا وجود مہک رہا تھا۔

''تم نے اُس وقت مجھ سے سوچنے کی مہلت طلب کی تھی۔'' میں نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ریت کے ٹیلے پر بڑی مشکل سے قدم جمائے کھڑی تھی۔

''ہاں دولت علی......'' اُس نے حیا بار پلکیں اُٹھا کر مجھے غور سے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں تارے جھلملا رہے تھے، خواب مچل رہے تھے، آرزوؤں اور اُمنگوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اُس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''مجھے یاد ہے۔''

''میں نے درخواست کی تھی کہ میرے بارے میں مفاہمت کے انداز میں کوئی فیصلہ کرنا۔'' میں نے جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی کوشش کی۔ ''میں آج تمہارا فیصلہ سننے کا منتظر ہوں۔''

''م...... میں نے...... فیصلہ کر لیا تھا۔'' اُس نے مجھے بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنائیت کا انداز اختیار کیا۔ اُس کی مخمور نگاہوں میں محبت کے جام چھلک اُٹھے۔ اُس کے پورے وجود میں جیسے نشہ سا اُتر گیا ہو۔ ''اگر میں نے تمہارے حق میں فیصلہ نہ کیا ہوتا تو تمہاری تلاش کی خاطر ہندوستان کبھی نہ جاتی۔''

''جین......'' میں نے اُس کے ہاتھوں کو محبت سے سہلاتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے میرے متعلق فیصلہ کرنے میں کوئی جلد بازی تو نہیں کی؟''

''کیا تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں......؟'' اُس کی دراز پلکوں پر شبنمی قطروں کی نمی آ گئی۔ اُس کا انداز والہانہ تھا۔

''یقین نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ لندن بھی نہ آتا۔''

''پھر......؟'' اُس نے لڑکھڑاتی آواز میں سوال کیا۔ ''تم میری زبان سے کیا سننا چاہتے ہو؟''

"یہی کہ تم نے میرے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے، سوچ سمجھ کر کیا ہے۔" میں نے اُس کے وجود میں سر اُبھارتے طوفانوں کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ کل تمہیں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنی پڑے۔"

جین نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کی نگاہوں میں جذبات کی طغیانی اُبھری پھر وہ بجلی کی طرح لپک کر میرے سینے سے چمٹ گئی۔ میں نے اپنی بانہوں کا حلقہ ذرا تنگ کیا تو وہ موم کی طرح میرے جسم کی حدت سے پگھلنے لگی۔ بڑی دیر تک ہم دل کی دھڑکنوں کی زبانی ایک دوسرے سے سوال جواب کرتے رہے۔ وہ پوری طرح میری محبت کے سحر میں اسیر ہو چکی تھی۔ اُس کی خود سپردگی کا انداز مجھے دیوانہ کر رہا تھا۔ میرے ذہن سے ماضی کی تمام تلخیاں محو ہو گئیں۔ بڑے طویل عرصے کے بعد میرے اندر کا سویا ہوا انسان بیدار ہونے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے اندر ضم ہو جانے کے لئے مضطرب تھے۔ جین کی دوشیزگی کے سمندر کی بپھری ہوئی طوفانی موجیں مجھے بے حال کر رہی تھیں جب ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے جمیل صاحب۔ کوئی دوسری نرس یا ڈاکٹر آ گیا تو تمہاری جین کو پھر شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

میں اس آواز کو سن کر چونکا۔ اسی لمحے مجھے اپنے سر پر انکا کی موجودگی کا احساس ہوا، مجھے یاد آیا، پریتم لال نے کہا تھا کہ وہ انکا کو اپنے ساتھ لایا ہے۔ میں نے عالم تصور میں سر پر نگاہ ڈالی، انکا رانی پنجوں کے بل کھڑی دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے مستی کے عالم میں تھرک رہی تھی، دیوانہ وار ناچ رہی تھی، پریتم لال کی شہ پا کر میرے سر پر دوبارہ تسلط جمانے کی خوشی میں اپنی وارفتگی کا اظہار کر رہی تھی۔ انکا کی مسرتوں کے اظہار کا وہ منظر دیدنی تھا......!!

ہسپتال سے رخصت ہونے کے بعد میں دو ماہ تک جین کے اُس فارم ہاؤس تک محدود
رہا جو اُسے سیکرٹ سروس میں اعلیٰ کارکردگی اور بے مثال خدمات کے عوض حکومت کی طرف
سے بطور انعام دیا گیا تھا۔ یہ علاقہ شہر کے ہنگاموں سے دُور اور پُر سکون تھا۔ تین کمروں پر
مشتمل اس فارم ہاؤس میں میرے لئے دنیا کی تمام آسائشیں موجود تھیں۔ شاید جین نے
مجھے وہاں لانے سے پیشتر خاصی فضول خرچی سے کام لیا تھا۔ در و دیوار پر نیا رنگ و روغن
اور قیمتی آرائشی ساز و سامان دیکھ کر ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ جین نے میرے خاطر خوا
استقبال کے اہتمام میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ فارم ہاؤس کے اندر رہائشی کمرو
کے عقبی سمت ایک سوئمنگ پول بھی تھا۔ مکان کے مشرقی گوشے والے کمرے میں جین کی
بوڑھی ماں رہتی تھی، وہ مفلوج ہونے کے باوجود وہیل چیئر پر بیٹھی باغبانی میں مصروف
رہتی۔ جین نے ماں کی دیکھ بھال کے لئے ایک خوبصورت ملازمہ رکھ چھوڑی تھی جو ہر طر
اُس کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ گھر کے دوسرے کام کاج میں جین کا ہاتھ بھی بٹاتی تھی
وہ صبح ہی صبح آ جاتی اور سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹے بعد واپس چلی جاتی۔ اُس کا نا
ماریا تھا۔ جین نے مجھے ماریا کے بارے میں بتایا تھا کہ تین سال قبل اس نے مورگن نا
ایک نوجوان سے شادی کی تھی لیکن شادی کے صرف سات ماہ بعد وہ ماریا کو چھوڑ کر ملک
سے کہیں باہر چلا گیا تھا۔ کم از کم ماریا کا یہی خیال تھا کہ وہ ملک میں نہیں ہے، اگر ہوتا
اُس سے رابطہ ضرور قائم کرتا۔ ماریا ابھی تک اُس کی محبت میں گرفتار تھی۔ اُس کا خیال تھا
مورگن اُس سے سچا پیار کرتا تھا، وہ ماریا سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ لیکن مورگن کی پراسر
گمشدگی کے سلسلے میں ماریا کوئی جواز پیش کرنے سے بھی قاصر تھی۔

فارم ہاؤس اور زمینوں کی دیکھ بھال کا کام جیکب نامی ایک ادھیڑ عمر کا شخص سرانجام د
تھا۔ اُس کا قیام فارم ہاؤس کی حد بندی کے دوسرے کونے میں ہٹ نما ایک کمرے اور مختص

سائبان والے مکان میں تھا جہاں وہ تنہا رہتا تھا۔ جیکب کی عمر چالیس اور بیالیس کے درمیان تھی۔ بظاہر وہ نہایت محنتی، جفاکش، دیانتدار، نڈر اور بے خوف نظر آتا تھا۔ ماریا اور جیکب دونوں ہی بہت جلد مجھ سے مانوس ہو گئے لیکن جین کی بوڑھی اور مفلوج ماں مجھ سے کھنچی کھنچی رہتی۔ میں نے اُس کے رُوکھے طرزِ عمل پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ہندوستان پر حکومت کرنے والے سفید چمڑی والے آقاؤں کے دلوں میں برتری کا جو احساس تھا وہ نسل درنسل اُن کے خون میں سرایت ہوتا چلا آرہا تھا۔ شاید جین کی ماں نے بھی مجھے غلاموں کے دیس کا ایک ادنیٰ نمائندہ سمجھ کر منہ لگانا پسند نہیں کیا۔ میں نے جین سے اس موضوع پر کبھی گفتگو بھی نہیں کی۔

جین نے میری صحت یابی کا جشن بڑے پیمانے پر منانے کا ارادہ کر رکھا تھا لیکن میں نے اُسے منع کر دیا۔ پریتم لال نے دوبارہ سامنے آ کر مجھے اپنی کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے کی ترغیب دی تھی۔ میں صبح سویرے ہی اُٹھ کر فارم ہاؤس کے ایک ویران گوشے میں چلا جاتا، اپنے وجود کے اندر دفن مخفی قوتوں کو زندہ کرنے کی خاطر تطہیرِ قلب اور مراقبے کی مشقوں میں تادیر مصروف رہتا۔ میں نے کمپالا کی رفاقت میں بہت کچھ سیکھا تھا، شاکیہ منی کے عظیم بھکشو نندا نے مرنے سے پیشتر مجھے اپنے خون سے غسل کرنے پر مجبور کیا، بعد میں کمپالا نے انکشاف کیا کہ بدھ مت کے اس عظیم ترین درویش نے مرتے مرتے مجھے اپنی بے شمار قوتوں سے سرفراز کیا تھا۔ نندا کہا کرتا تھا کہ تپسیا اور مراقبہ ذہنی صلاحیتوں کو اُبھارنے کی ورزش ہیں۔ اُس نے مجھے تصور اور تخیل کو یکسو کرنے کا عمل بتایا تھا۔ میں اُس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ارتکازِ ذہن کی مشقیں اور ورزشیں کرتا رہا۔ میں ماضی میں ان ریاضتوں کا حیرت انگیز کرشمہ دیکھ چکا تھا۔ انکا کی پراسرار قوتیں بھی کبھی میرے مقابلے میں سر اُٹھانے کی جرأت نہیں کرتی تھیں۔

کمپالا اور عظیم نندا کے علاوہ مجھے کالی کے مہان پجاری پریتم لال کی حمایت بھی حاصل تھی۔ برکاتی شاہ کا وظیفہ مکمل کرنے کے بعد میں نے انکا کو اپنے دشمن تربنی داس سے چھین لیا تھا۔ سادھو جگدیو نے بھی پریتم لال کے حوالے سے مجھے کئی بار نوازا تھا، میرے پاس سیّد مجذوب کی لاٹھی تھی جسے دیکھ کر پریتم لال جیسے مہان پجاری کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ میرے اندر قوتوں کا ایک خزانہ دفن تھا جسے پنڈت پجاریوں سے جنگ

کے دوران میں نے خود اپنی دیوانگی اور وحشتوں سے زنگ آلود کر لیا تھا۔ انکا قدم قدم پر مجھے روکتی ٹوکتی رہی، میں نے اُس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ کلدیپ، سادھو جگدیو، کمپالا، نندا کے علاوہ سیّد مجذوب بھی مجھے اشاروں کنایوں میں وقت اور حالات کی مصلحتوں کے پیشِ نظر قدم اُٹھانے کی تلقین کرتا رہا۔ لیکن میرے ستارے گردش میں تھے یا پھر میں نے مہان پنڈت پجاریوں کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھ رکھا تھا جو اپنی من مانی کرتا رہا۔ بدری نرائن اور کالی کے مہان سیوک امر لال سے مقابلے کے وقت بھی انکا نے کئی بار مجھے حصار توڑ کر باہر نکلنے سے روکا، میں نے اُس کی بات نہیں مانی۔ اس وقت بھی جب پنڈت بدری نرائن کالی کے بڑے مندر میں چھپا بیٹھا تھا میں انکا، کا مشورہ رد کر کے اپنی طاقت کے زعم میں دندناتا ہوا مندر میں گھس گیا۔ میں نے کئی چھوٹے موٹے پجاریوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، کئی پجارنیں اور حسین دیوداسیاں میری ہوس کا شکار ہو گئیں، اپنے بدترین دشمن پنڈت بدری نرائن کو تہس نہس کر ڈالنے کے خیال نے مجھے درندہ بنا دیا تھا، میرے راستے میں جو بھی آیا میں اُسے ٹھوکر مار کر لہولہان کرتا رہا۔ میں نے خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھ لیا تھا، یہی وجہ تھی جو بدری نرائن کی حمایت میں بہت سارے پنڈت پجاریوں میں گٹھ جوڑ ہو گیا۔ کالی کا مہان سیوک امر لال بھی خم ٹھونک کر میرے مقابلے پر آ گیا۔ میری دیوانگی نے مجھے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا، میں کالی کے مندر میں نہ گیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ دوسرے پنڈت پجاری میری اور بدری نرائن کی جنگ میں پاؤں نہ پھنساتے، امر لال جیسا مہان شکتی کا مالک بھی میدان میں نہ آتا، میری کلدیپ کو بھی پریتم لال کا استھان چھوڑ کر میسور کی پہاڑیوں سے نیچے نہ آنا پڑتا۔ میری ہی خاطر کلدیپ نے کالی کو اپنا جیون بھینٹ دینے کا وچن دیا تھا۔ وقت نے میرا سب کچھ چھین لیا، میں بالکل تنہا رہ گیا۔ جین اگر مجھے بمبئی کی فٹ پاتھ سے اُٹھا کر لندن نہ لاتی تو میں کب کا مرکھپ گیا ہوتا۔ کوئی رونے دھونے والا بھی نہ ہوتا۔ کمیٹی کے کارندے میرے وجود کو سمیٹ کر کسی اندھے گڑھے میں دبا دیتے، کہانی ختم ہو جاتی......!

ہسپتال میں میرے ضمیر نے ملامت کی تو میں نے خودکشی کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن اس کی تکمیل سے پہلے پریتم لال میرے سامنے آ گیا۔ اُس نے مجھے باخبر کیا کہ بدری نرائن کے چیلوں نے اُس کی چتا کی راکھ کو دریا برد نہیں کیا۔ وہ مجھ سے انتقام لینے کی گھات میں سر

جوڑے بیٹھے ہیں۔ امر لال جہنم رسید ہو چکا تھا لیکن اُس کا اکلوتا لڑکا چندرا، وندھیا چل کی پہاڑیوں میں کسی گپھا میں بیٹھا مہان شکتی پراپت کرنے کی خاطر جاپ کر رہا تھا۔ میری ایک تنہا ذات کی خاطر کئی آدم خور بھیڑیئے موجود تھے، مجھے پھاڑ کھانے کی خاطر اپنے آپ کو پوری طرح منظم کر رہے تھے، منصوبے بنا رہے تھے اور میں بے خبر تھا۔ اچھا ہوتا اگر میں بے خبری میں ان کے ہاتھوں زندگی کی قید سے آزاد ہو گیا ہوتا، سارے جھگڑے ختم ہو جاتے، سارے قصے نمٹ جاتے۔ ایک میری ذات کے نہ ہونے سے دنیا کے ہنگاموں میں کیا کمی آ جاتی......؟ موت اور زندگی کے کھیل تو روزمرہ کا معمول ہیں۔ ایک آتا ہے، ایک جاتا ہے۔ جو دنیا سے منہ موڑ جاتا ہے اُس کے لواحقین کچھ روز روتے دھوتے ہیں پھر دنیا کے تقاضوں کی سمت واپس لوٹ آتے ہیں۔ کوئی کسی کے ساتھ اُس کی قبر میں چھلانگ نہیں لگاتا۔ ستی کی صدیوں پرانی رسم بھی دم توڑ چکی ہے، وقت کا پہیہ کبھی نہیں رُکتا، اس کی حرکت جاری رہتی ہے۔ ازل سے یہی کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے، ابد تک یہی سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

مجھے کلدیپ کے چلے جانے کے بعد دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، میں زمین کا بوجھ بن کر زندہ تھا۔ جین نے اس بوجھ کو نہ جانے کیوں گدڑی کا لعل سمجھ کر سمیٹ لیا تھا۔ پھر پریتم لال نے سامنے آ کر مندمل ہوتے ہوئے زخموں کو کرید دیا۔ اُس مہان پجاری نے کہا تھا کہ جو کام کلدیپ ادھورے چھوڑ گئی تھی وہ مجھے پورے کرنے ہوں گے۔ اُس نے مجھے اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا۔ کلدیپ میری زندگی، میری رُوح، میری حیات کا سب سے انمول سرمایہ تھی۔ میں نے اُس کے ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی قسم کھا لی، اُس کی آتما کو شانت کرنے کی خاطر میں اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا تھا۔ پریتم لال کی زبان سے کلدیپ کا نام سن کر ماضی کی بہت ساری بھولی بسری کہانیوں کے ڈھیر میں پھر ہلچل پیدا ہو گئی۔ ایک لمحے کو میرے دل میں یہ خیال اُبھرا کہ اگر پریتم لال اپنی مہان شکتیوں کے ذریعے مادّی شکل اختیار کر کے سامنے آ سکتا ہے تو کیا عجب کہ کسی روز میری کلدیپ بھی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ ہنستی مسکراتی اچانک سامنے آ کر مجھے ششدر کر دے۔ کلدیپ کو پریتم لال نے اپنی جانشین مقرر کیا تھا، وہ میسور کی پہاڑیوں پر اُس کی کٹیا میں بیٹھی دن رات جاپ منتر میں محو رہتی۔ اُس نے سارے جتن میرے پیار کی خاطر کیے، اپنی جوانی کی اُمنگوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اُس نے کالی کا آشیرباد حاصل کر کے مجھے میرے

دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا، مجھے سربلند دیکھنے کی خاطر ہی وہ کالی کے چرنوں میں سرنگوں ہو گئی، اپنی زندگی قربان کر دی۔ میں اُس کے ادھورے کام مکمل نہ کرتا تو اُس کی بے چین رُوح کو شکوہ رہتا۔ میں اپنی کلدیپ کی رُوح کو شرمندہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے پریتم لال کے مشورے پر اپنی کھوئی ہوئی قوتوں کو نئے سرے سے سمیٹنا شروع کر دیا۔

دو ماہ اسی طرح ریاضتیں اور مشق کرتے بیت گئے۔ میں جتنی دیر مراقبے میں ڈوبا رہتا، انکا میرے سر سے دُور رہتی، جب میں سانس لینے کی خاطر کسی درخت سے ٹیک لگا کر ستانے بیٹھتا وہ میرے سر پر آ جاتی، مجھے ٹکر ٹکر گھورتی رہتی۔ وہ بھی لازوال قوتوں کی مالک تھی۔ وہ نہ ہوتی تو شاید مجھے یہ شہرت بھی نصیب نہ ہوتی۔ اُسی نے میری زندگی کی ساکت سطح پر اپنے وجود کی ایک کنکری اُچھال کر ان گنت لہریں پیدا کر دی تھیں پھر لہر لہر ایک داستان بنتی چلی گئی۔ جب تک وہ میرے قبضے میں رہتی، مجھ سے شوخیاں کرتی رہتی، اپنی شرارتوں سے میرا دل لبھاتی رہتی، مجھے کسی بات کی فکر نہ ہوتی میرے ایک اشارے پر وہ میری دل بستگی کے سارے سامان چٹکی بجاتے مہیا کر دیتی۔ ایسا نہ ہوتا تو ہندوستان کے بڑے بڑے پنڈت پجاری اُس کے دیوانے نہ ہوتے، اُسے حاصل کرنے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر نہ لگاتے۔ انکا کی قوتیں اُس کے مختصر سے وجود کے مقابلے میں ہزاروں، لاکھوں گنا زیادہ تھیں لیکن وہ بھی پریتم لال اور کلدیپ سے نظریں ملاتے کتراتی تھی۔ سیّد مجذوب کو دیکھ کر اُس کی سٹی گم ہو جاتی تھی اس کے باوجود وہ لامحدود قوتوں کی مالک تھی۔ میں کلدیپ کی جدائی کے بعد زندگی سے اس قدر مایوس ہو گیا کہ جین کے ساتھ لندن آتے وقت انکا کو پیچھے چھوڑ آیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ سر پر ہو گی تو آئے دن نت نئے ہنگامے سر اُٹھاتے رہیں گے۔ آج میں اعتراف کرتا ہوں کہ انکا سے بچھڑتے وقت مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے زندگی کا آخری ہمدرد و رفیق بھی مجھ سے جدا ہو گیا ہو۔ پریتم لال نے اُسے واپس لا کر میری اکائی کی مایوسیوں کو دُور کر دیا تھا۔ شاید اس مہان پجاری نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ انکا کا اور میرا ساتھ لازم و ملزوم ہے، انکا کی قوت کسی آڑے وقت میں میرے کام آ سکتی تھی، وہ آنے والے خطروں کی بو سونگھنے میں ملکہ رکھتی تھی۔ اُس کے مشورے بہت اہم اور دُور رس ہوتے تھے۔ اگر میں اُس کے مشوروں پر عمل کرتا رہتا تو شاید کلدیپ کو پہاڑیوں سے

نیچے اُترنے کی زحمت نہ گوارا کرنا پڑتی۔ بہت کچھ ممکن تھا، بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو قسمت میں ایک بار رقم کر دیا جاتا ہے۔ اس لکھے سے مفر انسان کی قوت سے باہر ہے۔

اس روز بھی میں ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں سے تھک کر ستانے کے لئے بیٹھا تھا کہ انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ انکا کی بے چینی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اُس دن میں نے پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے انکا رانی؟ تم اس قدر بجھی بجھی اور اُداس کیوں رہتی ہو؟ کیا لندن کی آب و ہوا اس بار تمہیں پسند نہیں آئی؟ کبھی تو تم سرخ سرخ گالوں اور نیم برہنہ عورتوں کے گداز جسموں کو دیکھ کر پھولی نہیں سماتی تھیں۔"

"میں آج کل صرف تمہارے بارے میں سوچتی رہتی ہوں......"

"میرے بارے میں......؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں جمیل...... میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہیں میرے دوبارہ آنے سے خوشی نہیں ہوئی۔" اُس نے سوگوار انداز میں کہا۔ "تم کیا جانو کہ تمہارے بمبئی سے لندن آ جانے کے بعد میرے دل پر کیا گزری؟ میں کبھی ایک لمحہ، ایک پل بھی تمہارے خیال سے غافل نہیں رہی۔ تمہاری جدائی کا تصور مجھے خون کے آنسو رُلاتا رہا۔ میں چاہتی تو تمہارے پاس آ سکتی تھی لیکن میں نے براہِ راست اس کی کوشش نہیں کی۔ میں تمہاری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہتی تھی، تمہارے بغیر زندگی بھی نہیں گزار سکتی تھی۔"

"آج تو بڑے سُر میں بول رہی ہو۔" میں نے اُسے چھیڑا۔ "گفتگو کا یہ انداز کہاں سے سیکھ لیا؟"

"تمہاری بے مروّتی اور طوطا چشمی سے۔" انکا ٹھنک کر بولی۔ "تم بڑے کٹھور دل ہوتے جا رہے ہو۔"

"حالات نے بنا دیا ہے انکا رانی۔" میں نے سرد آہ بھری...... "انسان ماں کے پیٹ سے اُداس یا غمگین پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے جمیل احمد خان کی زندگی کا وہ رُوپ بھی دیکھا ہے جب حسین اور مہکتے چہروں کے درمیان شب و روز گزرا کرتے تھے۔ میں نے کبھی آنے والے کل کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔ میرے پاس شاید اتنا وقت

ہی نہیں تھا کہ کچھ سوچتا۔ تم میری زندگی کے شب و روز کے ایک ایک لمحے، ایک ایک ساعت کی گواہ ہو لیکن نتیجہ کیا برآمد ہوا......؟ کبھی تم مجھ سے رُوٹھ گئیں تو مجھے اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا۔ تم دوبارہ مہربان ہوئیں تو میرے لئے عیش و عشرت کے خزانوں کے منہ کھل گئے۔ کبھی نرگس حالات کا شکار ہو جاتی تو میں مضطرب ہو جاتا۔ مالا میری جھولی میں ڈال دی گئی تو جینے کا بہانہ مل گیا، تزئین زندگی میں شامل ہوئی تو بہار آ گئی، کلدیپ اور میرے لئے وہ سگی اولاد سے کم نہیں تھی، اب بھی مجھے اُس کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ کیسے کیسے ساتھی میرے ہم رکاب رہے۔ پھر وقت نے کروٹ لی تو ایک ایک کر کے سب نے منہ موڑ لیا۔ کلدیپ چلی گئی تو میری زندگی میں گھپ اندھیرا ہو گیا، شاید میں بمبئی کی فٹ پاتھوں پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے اپنے انجام کو پہنچ جاتا کہ نہ جانے جین کہاں سے آ گئی؟" میں نے ملول آواز میں کہا۔ "آگے کیا لکھا ہے، کون جانے؟"

"اتنی مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل۔" انکا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تم......" میں زہرخند سے بولا۔ "کب تک ساتھ دوگی انکا رانی؟ کوئی پنڈت پجاری تمہارے حصول کا جاپ مکمل کر کے تمہارا آقا بن گیا تو تم پھر نگاہیں پھیر لوگی۔"

"وہ میری مجبوری ہو گی جمیل۔ لیکن تم نے اب جتنی قوتیں حاصل کر لی ہیں وہی تمہارے لئے بہت ہیں۔" انکا نے اپنی مجبوری کا احساس دلایا، پھر موضوع بدل کر بولی۔

"میں اس وقت تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا پھر تمہارے لئے غذا فراہم کرنے کی خاطر مجھے کسی صحت مند دوشیزہ کے خون سے ہاتھ رنگنے ہوں گے؟"

"یہ معاہدہ تو ایک عرصہ ہوا ٹوٹ چکا۔" انکا نے تیکھی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "کیوں دل جلانے کی بات کرتے ہو......؟"

"اور کیا بات ہو سکتی ہے......؟" میں نے دریافت کیا۔

"میں تمہیں جیکب کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔"

"کیا ہوا جیکب کو......؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہ جو کچھ اُوپر سے نظر آتا ہے، اندر سے اس کی ضد واقع ہوا ہے۔" انکا نے سنجیدگی

اختیار کرلی۔ ”میں تمہیں اُس سے محتاط رہنے کا مشورہ دُوں گی۔“

”اس مشورے کی کوئی معقول وجہ بھی ضرور ہوگی......؟“ میں نے وضاحت چاہی۔

”جیکب اُس کا اصلی نام نہیں ہے۔“ انکا میرے سر پر چہل قدمی کرتے ہوئے بولی۔ ”وہ امریکہ کا ایک مفرور قیدی مائیکل ہے جو اپنی خوبصورت اور نوجوان بیوی کرسٹی کو بدکاری کے شبے میں گلا گھونٹ کر مارنے کے بعد فرار ہو کر یہاں آ گیا ہے، پندرہ سولہ سال سے پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ امریکہ میں اس کا قیام مشی گن کے دُور دراز علاقے کی ایک مضافاتی بستی میں تھا جہاں زیادہ آبادی نہیں تھی۔ مائیکل اُس علاقے میں بھی اپنے والدین سے بھاگ کر آیا تھا اس لئے پولیس کے پاس کوئی باقاعدہ ریکارڈ نہیں ہے۔“

”مائیکل یا جیکب سے مجھے کیا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے......؟“ میں نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

”خطرہ مائیکل یا جیکب نہیں، تمہاری جین کی مفلوج ماں ہے۔“

”کیا مطلب......؟“ میں حیرت سے چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ ”جین کی ماں سے میری کیا دشمنی ہے......؟“

”جین اُس کے لئے سونے کی چڑیا سے کم نہیں ہے۔“ انکا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ”وہ نسل پرست بڑھیا، ایشیائی لوگوں سے شدید نفرت کرتی ہے۔ جین کے دل میں تمہاری محبت کی شدتوں کو محسوس کر کے اُس چالاک عورت نے اب تک زبان نہیں کھولی، لیکن وہ تمہیں ایک آنکھ بھی پسند نہیں کرتی۔“

”جیکب درمیان میں کہاں سے آگیا؟“ میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

”وہ جین کی ماں کا نمک خوار ہے۔“ انکا نے کہا۔ ”جین نے جیکب کو ملازم رکھنے پر اعتراض کیا تھا۔ سیکرٹ سروس سے وابستہ ہونے کے سبب وہ کسی ایسے آدمی کو ملازمت دینے کے خلاف تھی جس کے ماضی کے بارے میں کسی بھی حوالے سے وہ کچھ نہ جانتی ہو لیکن اُس کی ماں نے اپنی بزرگی کا حق اختیار کرتے ہوئے جیکب کو ملازمت دے دی۔“

”تمہاری اطلاع میں مجھے ایک جھول نظر آرہا ہے۔“ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”ہوسکتا ہے کہ جین کی ماں میرے وجود کو جین کی زندگی میں برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے لیکن جیکب اگر ایک مفرور قاتل ہے اور پولیس کی نظروں سے بھاگا

ہوا ہے تو کیا وہ محض جین کی مفلوج ماں کے کہنے پر میرے لئے کوئی خطرہ مول لینے پر آمادہ ہو جائے گا؟“

”تمہاری سوچ بھی غلط نہیں ہے۔“ انکا نے کسمسا کر جواب دیا پھر تھوڑے توقف سے بولی۔ ”سنو جمیل۔ میں جب تک تمہارے پاس ہوں جیکب جیسے سینکڑوں مجرم مل کر بھی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتے۔ میں تمہارے علم میں لائے بغیر بھی تمہارے کسی دشمن کو ٹھکانے لگانے کا حق رکھتی ہوں۔ لیکن تمہاری جین کے اس فارم ہاؤس میں کوئی ہلچل پیدا ہو، یہ بھی مجھے گوارا نہیں۔“

”انکا رانی......“ میں نے انکا کو تیز نظروں سے گھورا۔ ”کیا میرا یہ اندازہ غلط ہے کہ تم اس وقت کوئی اہم بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کررہی ہو......؟“

”جمیل صاحب......“ انکا نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”لندن میں عورتوں کی عمر سے نہیں بلکہ اُن کے دل کی دھڑکنوں سے بڑھاپے یا جوانی کا اندازہ لگایا جاتا ہے، تم میرا اشارہ سمجھ رہے ہو گے۔“

”تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“ میں نے انکا کو ٹٹولتی نظروں سے گھورا۔

”جین کی ماں کے ہاتھ میں جیکب کی کچھ ایسی کمزوری ہے کہ وہ اُس کی کسی بات سے انکار نہیں کرسکتا۔“ انکا نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ”تمہیں شاید یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ مفلوج بڑھیا اپنی بیٹی کے مستقبل کے ساتھ ساتھ تمہیں اپنے راستے کا کانٹا بھی سمجھنے پر مجبور ہے۔“ انکا نے بات جاری رکھی۔ ”جب تک تم فارم ہاؤس میں نہیں آئے تھے اس مفلوج عورت کے لئے تمام راستے کھلے ہوئے تھے۔ جن دنوں جین نائٹ ڈیوٹی پر گھر سے باہر رہتی تھی اُن دنوں اس کی ماں، جیکب کو اپنے تحفظ کے بہانے سے فارم ہاؤس میں سلا لیا کرتی تھی۔ پھر اُن کے درمیان فاصلے ختم ہو گئے۔ مکار اور تجربہ کار بڑھیا نے ایسا جال بُنا کہ جیکب اس میں بری طرح پھنس گیا۔ اب وہ اُس کے اشارے پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔“

میں نے انکا کی بات سن کر حالات کے دُور رس نتائج پر نگاہ ڈالی۔ مجھے یقین تھا کہ انکا مجھ سے دروغ گوئی نہیں کرسکتی۔ میرا ذاتی مشاہدہ بھی یہی تھا کہ مغربی تہذیب کی پروردہ عورتوں کی عمریں موت سے پہلے نہیں ڈھلتیں، وہ زندگی کا ایک ایک لمحہ انجوائے (ENJOY) کرنے کے فن سے بخوبی واقف ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک رشتے ناتوں یا شرم و حیا کے

الفاظ صرف کتابوں کی حد تک محدود ہوتے ہیں۔ عملی زندگی میں انہیں ہر قسم کی شخصی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ ان پر کسی بندش کا اطلاق نہیں ہوتا، انہیں اپنے کردار کو بنانے یا بگاڑنے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے، کسی باز پرس کا خوف نہیں ہوتا۔

''کس سوچ میں گم ہو گئے جمیل؟'' انکا نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا جین کو حالات کا اندازہ نہیں ہے......؟'' میں نے یونہی سرسری طور پر پوچھ لیا۔ میں نے جین کو بہت قریب سے برتا تھا۔ وہ سیکرٹ سروس سے وابستہ ہونے کے باوجود بہت معصوم اور سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ لیکن کردار کے معاملے میں بڑی ٹھوس واقع ہوئی تھی۔ اگر جیکب کے ماضی یا حال کی بھنک بھی اُسے مل جاتی تو شاید وہ اُسے ایک پل کے لئے بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتی۔ انکا نے بھی وہی جواب دیا جو میرے دل کی آرزو تھی۔

''جمیل۔ تم اگر اجازت دو تو میں ایسے حالات پیدا کرسکتی ہوں کہ جیکب از خود کسی قریبی پولیس اسٹیشن جا کر اپنی بیوی کو قتل کرنے کا الزام قبول کرلے، اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی محفوظ رہے گی۔''

''نہیں...... فی الحال تم میرے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاؤ گی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا، پھر گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے بولا۔ ''پریتم لال نے مجھے ہسپتال میں بتایا تھا کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ لایا ہے، تمہاری اُس کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟''

''میں تمہارے پاس آنے کی خاطر بے چین تھی جب وہ مہان پجاری ایک دن خود بخود میرے سامنے آ گیا۔ ان دنوں میں ایک حسینہ کو اپنے جال میں پھانسنے کی تاک میں تھی۔ تم جانتے ہو کہ انسانی خون میری غذا ہے لیکن میں کسی کو قتل کرنے کی طاقت سے محروم ہوں۔ چنانچہ میں اُس لڑکی کو ورغلا کر اُس علاقے میں لے گئی جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ وہیں میں نے دو بہکے ہوئے شرابیوں کو لڑکی کے سلسلے میں اس طرح لڑوایا کہ اُن میں سے ایک نے لڑکی کو مارنے کی ٹھان لی۔ لیکن پریتم لال کے آجانے سے بات نہیں بن سکی۔'' انکا نے کہا۔ ''میں اُس مہان پجاری کو دیکھ کر فرار کے لئے راستہ تلاش کررہی تھی کہ اُس نے مجھے اپنے سر پر آنے کا حکم دیا، میں ڈری سہمی اُس کے سر پر چلی گئی۔ اُس کی

نگاہوں میں ایسا سحر تھا کہ دونوں شرابی، لڑکی کو چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ لڑکی بھی جان بچا کر بھاگ نکلی۔ مجھے خدشہ تھا کہ پریتم لال مجھے آڑے ہاتھوں لے گا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ میں تین چار روز اُس کے سر پر رہی، اس عرصے میں اُس مہان پجاری نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر اُس نے لندن پہنچ کر ہی یہ راز افشا کیا کہ وہ مجھے تمہارے سر پر چھوڑنے کی خاطر لایا ہے۔ اُس کی بات سن کر مجھے ایسا لگا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ خواب نہیں تھا، خواب ہوتا تو میں اس وقت تمہارے پاس نہ ہوتی۔''

آخری جملہ انکا نے اٹھلا کر بڑی شوخی سے ادا کیا۔

''کیا پریتم لال مرنے کے بعد بھی اپنے اصلی رُوپ میں آنے کی طاقت رکھتا ہے؟''

''دیوی اور دیوتا مہربان ہوں تو سب کچھ ممکن ہے۔''

''کیا کلدیپ بھی مادی شکل میں میرے سامنے آسکتی ہے؟'' میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''مجھے افسوس ہے جمیل۔ میں اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اُس کی آتما آج بھی تمہارے آس پاس بھٹک رہی ہوگی، وہ تمہاری سچی پجارن تھی..... تم سے دُور نہیں رہ سکتی۔''

''لیکن میں اُس کے لئے دیوتا نہ بن سکا۔'' میرے اندر کا کرب زبان پر آ گیا۔ ''اپنے مسائل میں اُلجھا بھٹکتا رہا، مگر حاصل کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔''

''جین کے مستقبل کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' انکا نے موضوع بدل دیا۔

''اگر تم پریتم لال کی منظور نظر بن کر یہاں تک آئی ہو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جین میری آخری منزل نہیں ہے۔''

''نہیں، پریتم لال نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''پھر..... تم جین کے بارے میں میری زبان سے کیا سننا چاہتی ہو......؟''

''میری بات کا غلط مطلب نہ نکالو جمیل۔'' انکا میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، سنجیدگی سے بولی۔ ''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ تمہارے دشمن امرلال کا اکلوتا بیٹا چندرا اس وقت وندھیاچل کی پہاڑیوں پر بیٹھا تمہارے خلاف اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی کوششوں میں مگن ہے، اُس کے من میں امرلال کے انتقام کی جوالا بھڑک رہی ہے، میں یہ بھی جانتی

ہوں کہ لندن میں تمہارا قیام عارضی ہوگا، ایسی صورت میں تم اور جین دو جان ایک قالب نہیں بن سکتے۔''

''مجھے میرے ارادوں سے کون روک سکتا ہے؟'' میں نے سرد لہجے میں دریافت کیا۔ چندرا کا نام سن کر میرے اندر سوئے ہوئے آتش فشاں میں ہلچل پیدا ہونے لگی۔

''میں جانتی ہوں، تمہیں تمہارے ارادوں سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' انکا نے رُوٹھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''طاقت کا نشہ سارے نشوں سے تیز ہوتا ہے، تم نے ان دو مہینوں میں اپنی کھوئی ہوئی پراسرار قوتوں کو دوبارہ حاصل کرلیا ہے۔ مجھے تجربہ ہے جمیل، تمہارے اوپر جب انتقام کا خون سوار ہوتا ہے تو تم میرے مشوروں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہو۔ جوش میں ہوش کا خیال نہ رہے تو دشمن اپنی چال چل جاتا ہے۔ پانسہ ایک بار پلٹ جائے تو خواب کی ساری حسین تعبیریں بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور......''

''بس کرو انکا رانی......بس کرو۔'' میں اُلجھ گیا۔ ''خاموش ہو جاؤ۔ میرا دل پہلے ہی فگار ہے۔ میں اور تیر و نشتر برداشت نہیں کرسکتا۔'' میں نے بے رُخی سے جھڑکا تو انکا سہم کر خاموش ہوگئی۔

''جو وقت گزر گیا میں اسے بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں، تم جلے پر نمک چھڑک رہی ہو۔'' میں نے سہمی ہوئی انکا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میں لندن اپنی مرضی سے نہیں آیا، کلدیپ کے بعد مجھے زندگی سے کوئی پیار نہیں رہ گیا تھا، میں نے میسور کی پہاڑی پر اسی وقت اپنی کلدیپ کے ساتھ لمبے سفر پر جانے کا ارادہ کرلیا تھا جب کالی کو دیا ہوا وچن اُسے میری بانہوں سے گھسیٹ کر موت کی وادی کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں اُسے کاندھوں پر اُٹھائے زندگی سے منہ موڑ کر کسی بلند چوٹی سے نیچے چھلانگ لگانے کی خاطر قدم بڑھا رہا تھا جب تم نے اپنے نوکیلے اور بے رحم پنجوں کی تیز چبھن سے میرے ہوش و حواس معطل کر دیئے۔ تم درمیان میں مداخلت نہ کرتیں تو جمیل احمد خان کی کہانی اُسی روز انجام کو پہنچ جاتی میری سرگزشت اتنی طویل نہ ہوتی، اتنی فرصت کس کے پاس ہے جو میری الم انگیز آپ بیتی میری داستانِ عبرت سنتا رہے گا اور میں کہاں تک خود کو بے قصور اور مظلوم ثابت کرتا رہوں گا۔ سب جانتے ہیں کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، دوسرے ہاتھ کی شمولیت شرط ہوتی ہے اور تم یہ کیوں فراموش کر رہی ہو کہ میری اس خونچکاں داستان کی اصل ذمہ دار تم ہو، تم جانتی

ہو کہ رام دیال کی ماں نے سب سے پہلے مجھے تمہارے حصول کی خاطر سبز باغ دکھا کر اُکسانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اُس کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ تم چھلاوہ بن کر میرے وجود سے چمٹ گئیں۔ پھر میری زندگی کے نئے نئے باب رقم ہونے لگے۔ تم نے اپنی طاقت کے ایسے ایسے ہوشربا کرشمے دکھائے کہ میں بہکتا چلا گیا، تمہارے ہاتھوں کھلونا بن گیا، باگ ڈور تو ہمیشہ تمہارے ہاتھوں میں رہی ہے انکا رانی، میں تو صرف کٹھ پتلی تھا، تم اپنی شوخی اور طراری سے میرا دل لبھاتی رہیں، میری کہانی طویل ہوتی رہی، افسانوں میں جوڑ لگتے رہے۔ قصوروار تم تھیں لیکن میں کسی مفرور قیدی کی طرح شہروں شہروں بھاگتا رہا۔ تمہیں انسانی خون کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کے لئے تم نے میرا انتخاب کرلیا۔ میں تمہارے زیرِ اثر تھا، تمہارے اشارے پر خون فراہم کرتا رہا۔ اس کے عوض تم مجھے عیش کراتی رہیں۔ جب کوئی پنڈت پجاری اپنا جاپ مکمل کر کے تمہیں اپنا محکوم بنا لیتا تھا تو تمہارے عتاب اور ستم کا نشانہ بھی مجھے بننا پڑتا۔'' انکا نے میری دُکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا، میں اُسے اپنے آئینے میں اُس کی شکل دکھاتا رہا اور وہ میرے سر پر بالوں کے درمیان سہمی سمٹی بیٹھی سب کچھ سنتی رہی۔ بڑی خجل خجل سی نظر آ رہی تھی۔ میں بولتے بولتے تھک کر خاموش ہوا تو اُس نے بڑی معصومیت سے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''مجھ سے......اپنی انکا رانی سے بہت خفا ہو......؟''

''فی الحال مجھ سے دُور ہو جاؤ......'' میں نے لمبی سانس لے کر تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔ ''دل کا غبار چھٹ جائے تو واپس آ جانا، تمہیں پریتم لال اپنے ساتھ لایا ہے اس لئے میں تم سے کنارہ کشی اختیار نہیں کروں گا۔''

''ایسا مت کہو جمیل......'' انکا تڑپ اُٹھی۔ ''جو کچھ تم نے کہا میں نے خاموشی سے سن لیا۔ میں نے تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کیا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے ازخود تمہارا انتخاب کیا تھا، میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں نے تمہیں بہت دُکھ پہنچائے ہیں، تم نے زندگی میں پہلا خون میرے ہی اُکسانے پر کیا، میری ہی وجہ سے تمہیں اپنے ایک ہاتھ سے دست بردار ہونا پڑا، اور بھی کئی صدمے برداشت کرنے پڑے۔ لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں آڑے وقتوں میں تمہارے کام بھی آتی رہی ہوں۔ زندگی کے سفر میں ہمارا ساتھ بڑا طویل رہا ہے، ہم حالات کے پیشِ نظر لازم و ملزوم بن گئے۔ پھر مجھے تم سے پیار ہوگیا۔ میری بات کا

اعتبار کرو جمیل۔ میں نے تم کو کلدیپ سے کم نہیں چاہا ہے۔ میری بات کا یقین نہیں تو کبھی پریتم لال مہاراج سے پوچھ لینا، وہ مہان شکتیوں کا مالک ہے، دل کی گہرائیوں اور سمندر کی تہہ در تہہ دیکھنا اُس کے اختیار میں ہے۔ وہ مرنے کے بعد بھی اپنا اصل رُوپ دھارنے پر قادر ہے۔'' انکا نے بسورتے ہوئے کہا۔ ''وہ مجھے تمہارے پاس واپس لایا ہے تو اُس نے بھی ضرور محسوس کیا ہوگا کہ تم سے دُور ہو جانے کے بعد میری ساری شوخیاں اور طراریاں ختم ہو گئی تھیں، میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ شاید اسی کارن اُسے میرے حال پر دیا آ گئی۔''

''مجھے کچھ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دو انکا رانی ...... پلیز۔'' میں نے دوبارہ اصرار کیا تو انکا نے مجھے بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر سر جھکائے ہونٹ کاٹتی نیچے اُتر گئی۔

اُسی رات کھانے کی میز پر جب میں نے جین کی بوڑھی ماں کو دیکھا تو میری آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ بظاہر وہ بڑی مظلوم نظر آ رہی تھی لیکن اُس کے دل و دماغ میں میرے خلاف نفرت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ مجھے جین کے راستے سے ہٹانے کی خاطر سازشوں کے تانے بانے بُن رہی تھی، جیکب کو مجھے قتل کر دینے پر آمادہ کر چکی تھی۔ شاید اُس نے مجھے ایک عام آدمی سمجھ رکھا تھا جسے وہ کسی بے زبان جانور کی طرح ذبح کر سکتی تھی۔ غالباً جین نے اُس بڑھیا سے میرا تفصیلی ذکر نہیں کیا ہوگا۔ کیا ہوتا تو میری سمت آنکھ اُٹھاتے وقت بھی اُسے کئی بار سوچنا پڑتا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جمیل احمد خان کون ہے؟ اگر اُسے میری ماضی کی داستان کا ایک مختصر حصہ بھی معلوم ہوتا تو شاید وہ مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کی بجائے خود زہر پی کر پُرسکون موت مر جانے کو زیادہ ترجیح دیتی۔

کھانے کی میز پر میرے، جین اور اُس کی مفلوج ماں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ جین میرے سامنے والی نشست پر بیٹھی حسب معمول مجھے اپنی دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اُس کی ماں وہیل چیئر پر بیٹھی سوپ پینے میں مصروف تھی، وہ خاصی خوش خوراک واقع ہوئی تھی۔ بظاہر وہ مجھ سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتی لیکن اس وقت مجھے زہر لگ رہی تھی، میں جین کی باتوں کو بھی توجہ سے سن رہا تھا اور اُس کی ماں کے بارے میں بھی غور کر رہا تھا۔ ممکن ہے انکا بھی کہیں آس پاس موجود رہی ہو، لیکن وہ میرے سر پر واپس نہیں آئی تھی۔

''دولت علی ......'' جین نے بات کرتے کرتے اچانک کھانے سے ہاتھ روک کر مجھے

مخاطب کیا۔ ''آج سارا، جم کو لینے دفتر آئی تھی۔ وہ اس ویک اینڈ (Week end) پر پکنک پر جانے کا پروگرام مرتب کر رہے ہیں۔ سارا نے خاص طور پر تمہیں بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی ہے۔''

''اور جم نے تمہیں ضرور انوائٹ کیا ہوگا ......؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ظاہر ہے ......'' جین نے شوخی سے جواب دیا۔ ''اگر سارا اب بھی تمہیں ساتھ لے جانے کا اصرار کر سکتی ہے تو جم کو بھی مجھے مدعو کرنے کا حق حاصل ہے، اس کے علاوہ ہم ایک ہی دفتر میں ایک ساتھ کام بھی کرتے ہیں۔''

''مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جم اور سارا ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔'' میں نے بڑے خلوص سے کہا۔

''ایک کامیاب شادی کے لئے عورت اور مرد کے اسٹیٹس میں بیلنس ہونا بہت ضروری ہے۔'' جین کی ماں نے موقع اور موضوع کی مناسبت سے ڈنک مارنے کی کوشش کی۔ ''جہاں توازن نہ ہو وہاں گاڑی زیادہ دنوں نہیں چلتی، بیچ راستے میں کہیں ٹھپ ہو جاتی ہے۔''

''میں نہیں مانتی ......'' جین نے بڑی صاف گوئی سے ماں کی بات کی تردید کی۔ ''میں اسٹیٹس سے زیادہ عورت اور مرد کے درمیان انڈرسٹینڈنگ اور محبت میں اعتقاد رکھتی ہوں۔''

''تمہارا یہی اعتماد ایک بار تمہیں مایوسی سے دوچار کر چکا ہے۔'' بڑھیا نے دوسرا موقع بھی ضائع نہیں جانے دیا۔ ''تفریح کے لئے بغیر سوچے سمجھے کسی گھوڑے پر بازی لگا دینا اور بات ہے لیکن ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لئے لائف پارٹنر کا انتخاب کرتے وقت عورت کو بہت سارے اہم پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔''

''ممی پلیز ......'' جین نے ماں کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے بدستور خوشگوار موڈ میں کہا۔ ''اب میں بچی نہیں ہوں جو ہر مسئلے میں تمہاری اُنگلی تھام کر کوئی فیصلہ کروں۔ جم کل بھی میرا دوست تھا اور آج بھی ہمارے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہے، اگر اُس نے کسی وجہ سے سارا سے شادی کر لی تو ہمیں اُس کی خوبیوں کو یکسر نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔ مجھے خوشی ہے کہ اُس نے مجھے بھی دھوکا نہیں دیا، اگر چاہتا تو مجھ سے شادی کرنے کے ایک دو سال بعد بھی سارا کو اپنا سکتا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے دولت علی؟'' جین نے آخری جملہ مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں تم ماں بیٹی کے درمیان ثالث کا کردار ادا کروں؟'' میں

نے پہلو تہی مناسب سمجھی۔ مجھے جین کی ماں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ لیکن میں کوئی تلخ بات زبان پر لا کر جین کی دل شکنی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم نے درست سمت میں قدم اُٹھانے کی دانشمندی کی ہے۔'' جین کی ماں نے مجھے طنزاً سراہتے ہوئے گردن اُونچی کی۔ ''تمہارے اور ہمارے ملک کی تہذیب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہماری رسمیں، ہمارا رہن سہن، ہمارے قوانین، ہمارا کلچر سب کچھ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اور تم اگر برا نہ مانو تو یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ ہمارا معیارِ زندگی ہندوستانیوں کے مقابلے میں......''

''ممی......'' جین نے ماں کو ٹوکا۔ ''دولت علی ہمارے مہمان ہیں۔''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' میں نے جین کو نظر انداز کرتے ہوئے براہِ راست اُس کی ماں سے کہا۔ ''انسان آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے جسمانی خدوخال، اپنی رنگت اور اپنے وجود کی اس اصلیت سے انکار نہیں کر سکتا جو اُس کو کھلی آنکھوں سے نظر آ رہی ہو۔ جو اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے وہ خود فریبی کا شکار ہوتے ہیں، میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرا تعلق ایک پسماندہ ملک سے ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ ہم سلطنت برطانیہ کے غلام رہ چکے ہیں اور غلام کا صرف ایک ہی اسٹیٹس ہوتا ہے، اپنے آقاؤں کے سامنے ہمیشہ سرنگوں رہے، بلا چون و چرا اُس کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے، اس کے کسی فیصلے میں کوئی عیب نکالنے کی جسارت نہ کرے۔ بلکہ مختصر لفظوں میں یوں بھی کہا اور سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ نسلی غلام کی خاصیت اُس کتے سے مختلف نہیں ہوتی جو اپنے مالک کے سامنے ہمیشہ اپنی وفاداری کے اعلان کے طور پر خاموش کھڑا دُم ہلاتا رہے...... بھونکنے سے گریز کرے۔''

''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو تم نے میری ایک سیدھی سادھی اور درست بات کو غلط مطلب پہنانے کی کوشش کی ہے۔'' جین کی ماں نے بیٹی کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر بڑے سیاسی تدبر سے کام لیا۔ ''بہر حال اگر تمہیں میری بات گراں گزری ہو تو......''

''ہم کیا کوئی اور بات نہیں کر سکتے......؟'' جین اپنی جھلاہٹ پر قابو نہیں پا سکی۔ وہ اپنی ماں کو بدستور خشمگیں نظروں سے گھور رہی تھی۔

''بزرگوں کی زبان پر اس طرح تالے ڈالنا بھی بے ادبی میں شمار ہوتا ہے۔'' میں نے

جین کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وقت کی پرواز پہلے کے مقابلے میں بہت تیز ہو گئی ہے۔ سائنس کی ترقی نے انسانی ذہن کو بھی جلا بخشی ہے، کل تک جو لوگ پہاڑیوں کی چوٹیاں سر کرنے کو دُشوار گزار مہم تصور کرتے تھے آج وہ تسخیر کائنات میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ بلاشبہ اس شعبے میں بھی مغرب، مشرق سے بازی لے گیا۔ یہ شرف بھی مغربی ماحول کے پروردہ ایک جانور ہی کو حاصل ہے جس نے چاند پر قدم رکھا۔ کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکو گی؟''

جین جانور کے حوالے پر مسکرانے لگی۔ اُس کی جہاندیدہ ماں اپنی وہیل چیئر پر بل کھا کر رہ گئی۔ اُس نے جن نگاہوں سے مجھے دیکھا ان میں حقارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ شدتِ جذبات سے اُس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

''دولت علی'' جین نے مسکرا کر کہا۔ ''تم موضوع سے ہٹ رہے ہو۔''

''نہیں......'' میں نے بدستور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ ''میں موضوع سے نہیں بھاگ رہا بلکہ یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ترقی کے اس دور میں بھی شادی کا مسئلہ ہمارے بڑے بوڑھوں کے لئے اتنا ہی پیچیدہ ہے جتنا آج سے سو سال پہلے تھا۔ وہ آج بھی اولاد کی بہتری کے لئے بہت کچھ سوچتے ہیں لیکن آج کی اولاد والدین کے فیصلوں کا احترام نہیں کرتی۔ تم شاید اسے جنریشن گیپ (Generation Gap) کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرو لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ فی زمانہ شادیوں کی ناکامیوں کی بڑھتی ہوئی شرح کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی رائے کو اہمیت نہیں دیتے۔''

''تم اسی رفتار سے بولتے رہے تو بھوکے رہ جاؤ گے۔'' جین نے چاول اور چکن کری کی ڈشیں میری جانب کھسکاتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''بھوکا رہنا انسانی صحت کے لئے نیک علامت نہیں ہوتی...... میں نے تمہاری ہی کتابوں میں کہیں پہلے طعام بعد کلام کے زریں اصول کے بارے میں پڑھا تھا۔''

جین کی ماں کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ وہ مجھے ناپسند کرتی تھی اس لئے جین کا التفات دیکھ کر اُس کا کانٹوں پر لوٹنا قدرتی امر تھا۔ میں نے جین کے اصرار پر دو چار لقمے لئے، پھر لاپرواہی سے بولا۔

''تم نے اس فارم ہاؤس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

"تمہاری یہی باتیں مجھے اکثر یاد آیا کرتی تھیں۔" جین نے بڑے والہانہ انداز میں میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ہنستے بولتے یکلخت سنجیدہ ہو جانا، اچانک کسی شوخ جملے سے محفل کو زعفران زار بنا دینا، کبھی کسی کے دل کا چور پکڑ کر اُسے ششدر کر دینا۔ تم نے جس کے بارے میں جو کہا وہ سچ ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ ترکی بازی گر اسپارٹا اور اُس کا استاد سلیمان بے۔" جین میرے ہاتھوں اُن دونوں جادوگروں کی دُرگت کا احوال یاد کر کے بے تحاشہ ہنستے ہوئے بولی۔ "مجھے آج بھی یاد ہے جب تمہارے ایک اشارے پر اُس دھان پان سی لڑکی سوزی نے اسپارٹا کو فضا میں اُچھال کر ایک اُنگلی پر روک لیا تھا۔ سلیمان بے خاموش کھڑا بے بسی سے تماشہ دیکھتا رہا۔ میرے خدا، وہ کتنا دلچسپ اور عجیب منظر تھا جب سوزی نے اسپارٹا کو ایک اُنگلی پر اُٹھائے اُٹھائے پورے ہال کا چکر لگایا تھا۔ سلیمان بے حیرت سے کھڑا آنکھیں پٹ پٹاتا رہا۔ اُن دونوں کی ساری شعبدہ بازی دھری کی دھری رہ گئی۔ آخر میں جب تم نے سلیمان کو مرغا بنوایا تو پورا ہال کھڑا ہو کر تالیاں بجا رہا تھا۔ تم کیا چیز ہو دولت علی؟ میں تمہیں آج تک پوری طرح نہیں سمجھ سکی۔" جین نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی ممی شادی کے موضوع پر اسٹیٹس کی بات کر رہی تھیں، تم نے سائنس کی ترقی کے حوالے سے چاند پر جانے والے جانور کا ذکر چھیڑ دیا اور اب تم مجھ سے سوال کر رہے ہو کہ میں نے اس فارم ہاؤس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ تمہاری ہر بات بڑی دلچسپ اور معنی خیز ہوتی ہے۔"

جین اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں میرے سلسلے میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی رہی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اُس کی ماں وہیل چیئر پر بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ چھری کانٹا اُس کے ہاتھ میں موجود تھا لیکن وہ کھانا بھول کر یقیناً میرے بارے میں سوچ رہی تھی۔ شاید اُس نے جین سے کسی سر پھرے ہندوستانی کے بارے کچھ ناقابل یقین کہانیاں سن رکھی تھیں جن کے بارے میں کچھ نہ کچھ رائے بھی ضرور اخذ کی ہوگی۔ لیکن اس نے خواب میں بھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ کبھی وہی حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک اُس کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا کھانا بھی کھا رہا ہوگا۔ وہ بے چینی سے بار بار کبھی جین اور کبھی میری سمت دیکھنے لگتی، پھر کسی سوچ میں غرق ہو جاتی۔ مجھے خوشی تھی کہ جین نے اُسے مضطرب کر دیا تھا، ایک لحہ پہلے وہ برتری کے احساس میں مبتلا تھی، اب بے حد فکر مند نظر آ رہی تھی۔ میں دُور

بیٹھا اُس کے وجود میں ہونے والی کھد بد محسوس کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے فارم ہاؤس کے بارے میں تم سے کوئی غیر سنجیدہ بات نہیں دریافت کی۔" میں نے سنجیدگی برقرار رکھی۔ "تمہیں اپنی والدہ کے قیمتی مشورے کے بعد اب اپنا گھر بسا لینا چاہئے۔"

"کیا اس فارم ہاؤس کے اندر گھر نہیں بسایا جا سکتا؟" جین نے شوخی سے پوچھا۔

"بات پھر وہی اسٹیٹس کی آ جاتی ہے۔" میں نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "تم جس عہدے پر فائز ہو اس کے مقابلے میں یہ فارم ہاؤس تمہارے شایانِ شان نہیں ہے۔"

"تم نے سارا اور جم کے ساتھ پکنک پر چلنے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" جین نے گفتگو کا رُخ بدلنے کی کوشش کی۔ اسٹیٹس کے حوالے پر اُس کی ماں کے چہرے پر میرے خلاف زلزلے کے جو تاثرات اُبھرے تھے شاید وہ اسے دیکھ چکی تھی۔

"اگر زندہ رہا تو ضرور چلوں گا۔" میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے ایسے لہجے میں جواب دیا کہ جین کا متفکر ہونا قدرتی بات تھی۔

"اب کیا تم مجھے اپنی بے سر و پا باتوں سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟" اُس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔

"ضروری نہیں ہے کہ انسان کی زبان سے جو نکلے وہ سچ ہی ہو۔ لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کچھ خطرے میرے اردگرد ضرور منڈلا رہے ہیں۔" میں نے کنکھیوں سے جین کی ماں کو دیکھتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "تم اسے میری چھٹی حس کی طرف سے ایک سگنل بھی تصور کر سکتی ہو۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ کون یقین سے کہہ سکتا ہے؟"

"یہ تم کہہ رہے ہو دولت علی......؟" جین نے مجھے پُرتجسس نظروں سے گھورا۔ "مجھے سارا نے بتایا تھا کہ تم نے اُس کے باپ کے قتل کی سازش کا معمہ اس طرح حل کیا تھا کہ سارے تفتیشی افسر دنگ رہ گئے تھے۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم نے انکل لارڈ سمتھ کی رُوح کو طلب کر کے اُس سے تمام تفصیلات دریافت کی تھیں، اس کے بعد ہی رابرٹ کی جیب سے زہر کی وہ شیشی برآمد کر لی گئی جو موت کا سبب بنی تھی اور لزی نامی ملازمہ کے سوٹ کیس سے دو سو پونڈ کی وہ رقم بھی دستیاب ہو گئی جس کے عوض اُس نے دُودھ میں زہر ملایا تھا؟ جو شخص دوسروں کے بارے میں اپنی رُوحانی قوت استعمال کر سکتا ہو کیا وہ اپنے بارے میں پیش

آنے والے خطروں کا کھوج نہیں لگا سکتا؟''

جین کی ماں کے چہرے پر نظر آنے والا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس نے جیکب کے ساتھ مل کر میرے خلاف جو بھی سازش مرتب کی تھی، اس وقت اُس کے ذہن میں اس کے بارے میں وسوسے ضرور پیدا ہو رہے ہوں گے۔ وہ خاصی بے چین نظر آ رہی تھی۔ میں چاہتا تو سارا کھیل چند لمحوں میں ختم کر دیتا، جین کی ماں اور جیکب کے درمیان جو ناجائز تعلقات تھے وہ خود باری باری اپنی زبان سے اس کا اعتراف کر لیتے۔ میرا ایک اشارہ ہوتا وہ ریکارڈ کی طرح بجنا شروع کر دیتے۔ لیکن میں جین کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، میں نے کچھ سوچ کر بڑی افسردگی سے کہا۔

''تم میری جن رُوحانی قوتوں کا ذکر کر رہی ہو وہ مجھ سے چھن گئی ہیں۔''

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو دولت علی؟'' جین کو میرا جواب سن کر ایک جھٹکا سا لگا۔

''حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔'' میں نے دیدہ دانستہ بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''ہندوستان میں میرے اُوپر کیا گزری، اس کی داستان بڑی طویل اور الم انگیز ہے۔ تم نے خود اپنی آنکھوں سے میری حالت دیکھی ہے، کچھ دن اور تم نے غفلت سے کام لیا ہوتا تو پھر شاید میں تمہیں نہ ملتا۔ میری بجائے میری لاش ہی ملتی۔''

''ایسی دردناک باتیں مت کرو، پلیز۔'' جین تڑپ اُٹھی۔ ''ممی سے پوچھو، جب تم چلے گئے تو میرے اُوپر کیا بیتی تھی۔ تمہارے بغیر میں نے زندگی کے دن کس عذاب میں گزارے ہیں یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا، وقت جیسے تھم کر رہ گیا ہو۔ جم اور سارا شادی کے بعد ہنی مون منانے چلے گئے تو میں اور بھی تنہا ہو گئی۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ تم تھے تو رات اور دن گزرنے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک دن میں نے تمہیں تلاش کرنے کی ٹھان لی۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم مجھے مل گئے، تمہاری تلاش میں زیادہ دربدر نہیں ہونا پڑا۔ تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میں گنگ سی رہ گئی تھی، ایک لمحے کو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کھلی آنکھوں سے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں پہچان لینے کے بعد مجھے اپنا ہوش نہیں رہا۔'' جین اپنے ماضی کی داستان سناتی رہی۔ میں جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اس کا ایک ایک حرف صداقت پر مبنی ہے، اس کی پرورش بھی اسی آزاد ماحول میں ہوئی تھی لیکن وہ دوسروں سے بڑی مختلف تھی۔ بالکل الگ تھلگ۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں، جین کے ساتھ ڈرائنگ رُوم میں آ گیا جس کی ایک بڑی کھڑکی باہر لان کی سمت کھلتی تھی۔ کھڑکی پر شیشے اور جالیوں کے فریم لگے تھے۔ شیشے کی دوسری جانب ملگجی اندھیرا پھیلا تھا۔ سڑک کے اُس پار دوسرے مکانوں کے بلب ٹمٹماتے نظر آ رہے تھے۔ جین میرے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُس کی ماں اپنی خوابگاہ میں چلی گئی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کہیں قریب چھپی ہماری باتوں کی سن گن لے رہی ہو، میں چاہتا بھی یہی تھا کہ اُسے میری قوت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے۔ اُس مفلوج عورت سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جیکب کے لئے انکا ہی بہت تھی۔ میں اُن دونوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا تھا لیکن جیکب کی ماں کے سلسلے میں کسی جلد بازی کا مظاہرہ کر کے جین کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

جین اپنی رُوداد سناتی رہی، میں اپنے بارے میں سوچتا رہا۔ پریتم لال نے مجھ سے وچن لیا تھا کہ میں شادی سے گریز کروں گا، مجھے بھی احساس تھا کہ اگر میں نے اپنی دلبستگی کی خاطر جین کا ہاتھ تھام لیا تو کلدیپ کی رُوح تڑپ اُٹھے گی۔ آپ اسے ایک جذباتی لگاؤ بھی کہہ سکتے ہیں ورنہ سچ یہی ہے کہ مرنے والے کا دنیا سے سارا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا سائنسدان بھی ابھی تک کوئی ایسا پیمانہ ایجاد نہیں کر سکا جو کسی مرنے والے کی رُوح کے احساسات کو ریکارڈ کر سکے۔ موت، زندگی کے خوابوں کی ایک تلخ اور بھیانک تعبیر ہے۔ ڈوبنے والے کی طرح مرنے والا بھی زندگی برقرار رکھنے کی خاطر پوری شد و مد سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن پھر منکر نکیر کے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہے۔ ساری شان و شوکت، تمام ٹھاٹھ باٹھ، عالیشان و حسین محلات، بینک کے کھاتوں میں جمع شدہ گیارہ بارہ ہندسوں پر مشتمل بڑی بڑی رقمیں، سب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے، تمام قریبی، خونی اور جذباتی رشتے پلک جھپکتے میں بلبلوں کی مانند ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر ایک نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نئے سفر میں انسان کے اپنے اعمال کے علاوہ کچھ اور کام نہیں آتا، خالق کائنات کے نظام میں کہیں کوئی جھول، کوئی لچک، کوئی جھری، کوئی دراڑ نہیں ہوتی۔ اس کا انصاف بڑا صاف و شفاف ہوتا ہے۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دیتا ہے۔

میں کلدیپ کے خیال میں گم ہو کر کسی اور دنیا کی سیر کر رہا تھا جب جین نے میرا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ ''دولت علی۔ یہ بیٹھے بیٹھے تم کہاں گم ہو گئے ہو......؟''

''تمہاری میٹھی میٹھی باتیں سن رہا تھا۔'' میں نے ہوش میں آتے ہی منافقت اور دروغ گوئی کو پھر اپنا شعار بنالیا۔ پیار بھری نظروں سے جین کو دیکھا تو اُسے یقین آ گیا کہ میں اُسی کے خیالوں میں گم تھا۔ ''مجھے تم سے ایک شکایت ہے جین۔'' میں نے اُسے ہاتھوں کے حصار میں لیا تو وہ بڑی مطمئن نظر آنے لگی۔ ''تم نے پہلے کبھی اپنی ممی کا ذکر نہیں کیا۔''

''ممی مجھ سے علیحدہ رہتی تھیں اس لئے میں نے ان کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' جین نے بھولپن سے جواب دیا، پھر ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''میرے پاپا کے انتقال کے صرف ایک سال بعد ممی نے دوسری شادی کر لی تھی، اُس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ ممی کی شادی کے بعد میں مشکل سے دو تین مہینے ان کے ساتھ رہ سکی، پھر میری پرورش کی ذمہ داری میری ایک مالدار بیوہ پھوپھی نے سنبھال لی۔ وہاں میں بڑے سکون سے تھی، مجھے ہر قسم کا تحفظ حاصل تھا۔ لیکن پھوپھی کے انتقال کے بعد مجھے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا پڑا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تعلیم مکمل کر چکی تھی، ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے کی خاطر مجھے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔ میں لندن آ گئی۔ انگلستان میں لندن ہی ایک ایسا شہر ہے جو ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کو اپنے دامن میں سمو لیتا ہے۔ فکر معاش میں بھٹکنے والے بھی اسی شہر کا رُخ اختیار کرتے ہیں۔ یہاں جرائم بھی ہوتے ہیں لیکن اس کی نوعیت عام انسانوں کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے لندن آ کر زیادہ دنوں بھٹکنا نہیں پڑا۔ میں نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ملازمت اختیار کر لی۔ ہوٹل کا مالک میری اس کلاس فیلو کا واقف کار تھا جس نے مجھے عارضی طور پر اپنے اپارٹمنٹ میں پناہ دی تھی۔ ہوٹل کا ماحول بظاہر صاف ستھرا تھا لیکن مجھ جیسی تنہا اور بے سہارا لڑکیوں کے لئے مناسب نہیں تھا۔ ہوٹل کا مالک مہربان نہ ہوتا تو شاید مجھے بھی اپنے جیسی دوسری لڑکیوں کی طرح یا تو کسی پب میں بہکے ہوئے شرابیوں کے درمیان زندگی گزارنی پڑتی یا پھر جسم فروشی پر مجبور ہونا پڑتا۔ ہوٹل کے مالک نے میرے کام سے متاثر ہو کر ایک سرونٹ کوارٹر میں جگہ دے دی جہاں ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ پہلے سے رہتی تھی۔ وہ میری بہترین رفیق بن گئی۔ زمانے کی اُونچ نیچ سے باخبر رکھنے کے علاوہ ہر طرح سے میری نگہداشت کرتی تھی۔ میں نے ڈیڑھ سال اس ہوٹل میں ملازمت کی، جم سے میری ملاقات بھی اُسی ہوٹل میں ہوئی تھی۔ وہ اکثر وہاں آیا کرتا تھا۔ جم میں کوئی خاص بات ضرور تھی جو میں اُس سے بہت جلد متاثر ہو گئی۔ مجھے یہ بات بعد

میں معلوم ہوئی کہ وہ محکمہ سراغرسانی سے وابستہ ہے۔ جم سے بے تکلفی کے بعد ہماری ملاقاتیں ہوٹل سے باہر بھی ہونے لگیں۔ پھر جب جم کو میری تعلیم کے بارے میں علم ہوا تو اُس نے ہاتھ پاؤں مار کر مجھے بھی اپنے محکمے میں ملازمت دلا دی۔ یہ جم کا میری ذات پر بہت بڑا احسان تھا۔ اُس نے میرے لئے ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ کا بندوبست بھی کر دیا جہاں وہ مجھ سے ملنے کی خاطر بلا ناغہ آیا کرتا تھا...... ہم رات گئے تک باتوں میں مصروف رہتے۔ مجھے کچھ کچھ اندازہ تھا کہ جم میری ذات میں دلچسپی لے رہا ہے۔ لیکن اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ وہ مجھے اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے پر آمادہ ہو جائے گا جس دن اُس نے مجھے پروپوز کیا اُس دن مجھے اپنی قوتِ سماعت اور خوش بختی پر یقین ہی نہیں آیا۔ زندگی ایک سیدھے راستے پر بڑے سکون سے گزر رہی تھی جب تم سے ملاقات ہو گئی۔ جم تمہارے کھیل تماشے دیکھ چکا تھا، لارڈ اسمتھ کی موت کی سازش بے نقاب ہونے کے بعد وہ تمہارا مداح ہو گیا تھا۔ اُنہی دنوں جم کو جرمن سائنسدان کو اغواء کرنے کی اہم ذمہ داری سونپی گئی، جم اس مشن سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا، وہ اگر نا کام ہو جاتا تو محکمہ میں اُس کی ساری ساکھ مٹی میں مل جاتی۔ جم نے بڑے غور و خوض کے بعد تمہارا انتخاب کیا۔ مجھے بھی یقین تھا کہ تم اپنی رُوحانی قوتوں سے جم کی مشکل آسان کر سکتے ہو۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے وہ تمہارے علم میں ہیں۔''

''اس مہم میں، میں نے تمہیں جم سے چھین لیا تھا۔'' میں نے بالوں کی ایک آوارہ لٹ جین کے چہرے سے ہٹا کر اُس کے لب چوم لئے، اُس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''تمہارے لندن سے جانے کے بعد ممی کو دوسری بار شوہر کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑا۔'' جین نے طویل سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ ''اس بار وہ اپنی بیوگی کا غم برداشت نہ کر سکیں۔ مجھے اُن کی پریشانیوں کی اطلاع ملتی رہی۔ پھر جب یہ بات میرے علم میں آئی کہ ممی پر فالج کا حملہ ہوا ہے تو میں اُنہیں منا کر اپنے ساتھ لندن لے آئی۔ تب سے وہ میرے ساتھ اسی فارم ہاؤس میں ہیں جو تمہاری مہربانی اور محکمہ کی عنایت سے میرے حصے میں آیا ہے۔''

''ایک بات کہوں اگر تم برا نہ مانو......''

''میں جانتی ہوں تم کیا کہو گے......؟'' جین مجھ سے علیحدہ ہو کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ ''ممی اس بات کے حق میں نہیں ہیں کہ میں تمہارے ساتھ شادی

کروں۔ اسٹیٹس کا بھوت اُن کے دماغ پر اس لئے سوار رہتا ہے کہ وہ اپنی محرومیوں کے سبب ازدواجی زندگی کے تلخ حقائق سے دوبار حالات کا شکار ہو چکی ہیں۔"

"اگر میں سنجیدگی سے مشورہ دُوں کہ تم اپنی ممی کے تجربات سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا جواب کیا ہو گا؟"

جین نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ میں نے محض اُسے چھیڑنے کی خاطر وہ بات کہی ہو گی۔ لیکن جب میری سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا تو وہ کسی خونخوار بلی کی طرح ایک لمحہ مجھے گھورتی رہی، پھر جھپٹ کر مجھے پوری شدت سے اپنی حسین اور گداز بانہوں میں جکڑ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مجھے اُسے منانے میں خاصا وقت لگا۔ وہ اس وعدے پر اپنی خواب گاہ میں گئی تھی کہ میں پھر کبھی مذاق میں بھی اُسے ماں کا فیصلہ تسلیم کرنے کا مشورہ نہیں دُوں گا......!

میں خواب خرگوش میں بھی جین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُس کی محبت جنون کا رنگ اختیار کرنے لگی تھی۔ رات میں نے اُسے بڑی مشکل سے اُس کی خواب گاہ تک پہنچایا تھا۔ وہ ڈرائنگ رُوم میں صوفے پر ہی میرے ساتھ سونے پر مُصر تھی۔ آگ اور پٹرول کا ساتھ مناسب نہیں تھا، اُس کا جوان اور گداز قرب میرے اندر چھپے وحشی انسان کو بار بار ایڑ لگا رہا تھا۔ پہلے بھی مجھے برلن میں بے شمار ایسے مواقع ملے تھے کہ میں اُس کی سرکش جوانی کو تسخیر کر سکتا تھا لیکن میں نے اس سے گریز کیا۔ وہ لندن کی عام لڑکیوں سے مختلف تھی۔ مجھے یاد ہے ایک بار اُس کے ہونٹوں کی چاشنی میرے جسم میں گھلی تو میں بے خود ہو گیا تھا۔ وہ بھی طوفان کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہی تھی۔ میں لنگر کھول دیتا تو شرم و حیا کے سارے تقاضے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ میرے ساتھ جین بھی موجوں کے زیر و بم پر بہتی بیچ منجدھار میں چلی گئی ہوتی۔ لیکن اُس نے اپنے پاؤں رپٹنے سے پہلے بہکی بہکی آواز میں کہا تھا۔

"دولت علی...... میں تمہاری امانت ہوں۔ لیکن وقت سے پہلے اس امانت میں خیانت مت کرو۔"

"جین۔ میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔" میں نے بکھری بکھری سانسوں کے درمیان درخواست کی۔ "تم مجھ سے دُور چلی جاؤ، ورنہ پانی کا دوسرا ریلا میرے قدم اُکھاڑ دے گا۔"

جین مجھ سے دُور ہو گئی۔ اُس وقت جین میرے رحم و کرم پر تھی، میں چاہتا تو وہ ہنستی مسکراتی میری آغوش میں ڈھیر ہو جاتی۔ اب بات بہت آگے نکل چکی تھی۔ میں یہ کہوں کہ جین میری محسنہ تھی تو غلط نہ ہو گا۔ وہ مجھے بمبئی جیسے دُور دراز سفر کے بعد موت کے چنگل سے نکال کر لندن لے آئی تھی۔ اُس نے میرے علاج معالجے میں بے دریغ دولت لٹائی۔ میرے کٹے ہوئے ہاتھ کی جگہ مصنوعی ہاتھ لگوا دیا، مجھے اپنے ساتھ اپنی چھت کے نیچے لے آئی۔ اُس نے مجھے زندگی کی نوید دی، جینے کا سہارا دیا، رہنے کا ٹھکانا فراہم کیا۔ میں اُس

کے اعتماد پر شب خون مار دیتا تو خود اپنی نگاہوں میں گر جاتا۔ پریتم لال کو دیا ہوا عہد ٹوٹ جاتا، کلدیپ کی رُوح بھی تڑپ اُٹھتی۔ میں نے اپنی ذات کو رُسوا نہیں ہونے دیا، سمجھا بجھا کر جین کو اُس کی خوابگاہ تک پہنچا دیا۔ وہ مچل رہی تھی۔ بار بار میرے کشادہ سینے میں سر چھپا کر سسکنے لگتی۔ اُسے میری کسی بات سے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ میں اُس کے ساتھ زندگی کے سفر پر بہت دُور تک نہ جا سکوں گا، راستے میں کسی پڑاؤ پر اُسے تنہا چھوڑ کر آگے نکل جاؤں گا۔ اُس کا اندیشہ غلط بھی نہیں تھا۔ میں کھل کر اُسے مجبوریوں کا احساس دلانے سے قاصر تھا۔ وہ بڑے نازک احساسات کی مالک تھی۔ ایک ذرا سی ٹھیس لگتی تو اُس کا شیشۂ دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا، وہ بکھر جاتی، اُسے سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔

''ہوش سے کام لو جین۔'' میں نے اُسے دلاسا دیا۔ ''تم اب ایک ذمہ دار آفیسر ہو، اتنی جلدی ہمت ہار دو گی تو ترقی کی راہیں کس طرح طے کرو گی؟ ابھی تو تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔''

''نہیں دولت علی نہیں۔'' وہ میری بانہوں میں مچلنے لگی۔ ''میں حالات سے بڑی خوفزدہ رہتی ہوں، تم ایک بار مجھے واپس آنے کا یقین دلا کر چلے گئے تھے، میں تمہاری یاد میں ایک ایک دن کا شمار کرتی رہی۔ میں نے وہ دن بڑے کرب میں گزارے تھے۔ اب تم واپس آ گئے ہو تو پھر جینے اور مرنے کی باتیں کرنے لگے۔ مجھے ممی کے مشوروں پر عمل کرنے پر اُکسا رہے ہو، تمہارے دل میں کیا ہے؟ مجھے ایک بار کھل کر صاف صاف بتا دو۔''

''بچوں جیسی باتیں مت کرو جین۔'' میں نے اپنی مجبوری کو خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ ''میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ اگر بھاگنا ہوتا تو تمہارے ساتھ آتا ہی کیوں؟ عقل سے کام لینے کی کوشش کرو۔''

''مجھ سے ایک وعدہ کرو۔'' اُس نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ ''تم بہت جلد مجھے اپنا بنا لو گے، میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔ ممی کی فکر مت کرو، میں اُنہیں بھی تمہارے سلسلے میں آمادہ کر لوں گی۔''

''مجھے تھوڑا وقت دو جین۔'' میں نے اُس کے کپکپاتے ہونٹوں کی سرخی چراتے ہوئے نیا بہانہ تراشا۔ ''میں اپنی کھوئی ہوئی قوتیں دوبارہ حاصل کرنے کی خاطر کچھ مشق اور ریاضتیں کر رہا ہوں۔ مجھے کامیاب ہو لینے دو۔ اس کے بعد میں تمہاری ہر خواہش کے آگے

سر تسلیم خم کر دُوں گا۔''

''سچ......؟'' اُس کی حسین آنکھوں میں کہکشاں جگمگانے لگی۔ ''میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟''

میں اُسے سمجھا بجھا کر اُس کی خوابگاہ میں چھوڑ آیا تھا۔ اب اُس کا تصور مجھے خواب میں پریشان کر رہا تھا جب اچانک میرے سر پر شدید چبھن ہوئی...... وہی مانوس چبھن جو انکا کے وجود کا احساس دلاتی تھی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

انکا کی نگاہوں میں نفرت اور انتقام کے جذبے اُمنڈ رہے تھے۔ اُس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اُس کے پاس میرے لئے بری خبر ہی ہو گی۔ میں نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

''کیا بات ہے؟ اس قدر غضبناک اور بھیانک کیوں نظر آ رہی ہو......؟''

''مجھے اجازت دو جمیل۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں اُس کے گندے خون سے اپنے وجود کو سیراب نہیں کروں گی۔ لیکن اُسے ایسی عبرتناک موت ماروں گی کہ اُس کی آتما کو بھی چین نصیب نہیں ہو گا۔''

''کس کی بات کر رہی ہو انکا رانی؟'' میں نے انکا کو اس بار پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ اُس کا اشارہ کس کی جانب تھا، میں سمجھ رہا تھا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔

''میں اُس حرامزادے جیکب کی بات کر رہی ہوں جو اب حد سے گزر جانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔'' انکا غصے میں ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔

''کوئی تازہ خبر......؟''

''ہاں'' انکا تلملا کر بولی۔ ''وہ اس وقت جین کی ماں کی خوابگاہ میں ننگ دھڑنگ کھڑا تمہاری موت کے منصوبے بنا رہا ہے۔''

''تمہیں کس بات پر غصہ ہے؟'' میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر مسکرا کر پوچھا۔ ''جیکب کے ننگ دھڑنگ ہونے پر یا اس منصوبے پر جو میرے خلاف طے پا رہا ہے؟''

''مذاق میں مت ٹالو جمیل۔'' انکا پیچ و تاب کھانے لگی۔ ''پانی اب سر سے اُونچا ہونے لگا ہے۔ جین کا خیال نہ ہوتا تو میں اُس بدبخت کو اب تک بڑی اذیتناک موت سے ہمکنار کر چکی ہوتی۔''

''جین کے ساتھ ساتھ تمہیں اُس کی ماں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔'' میں نے شوخی سے جواب دیا۔ ''جیکب مر گیا تو اُس بڑھیا کے ارمان بھی اُسی کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔''

جواب میں انکا نے مجھے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ ''میں تمہیں ایک اہم بات اور بتانا چاہتی ہوں، پریتم لال مہاراج نے مجھے تمہارے پاس لاتے وقت بتایا تھا کہ اب میں صرف اس کے دائرہ اختیار میں ہوں۔ جب تک اس کی پوتر آتما میرے حق سے دستبردار نہیں ہو جاتی، دھرتی کا کوئی پنڈت یا پجاری مجھے اپنے قبضے میں کرنے کا سپنا بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''اوہ، گویا تم اب پریتم لال کی طرف سے میرے لئے ایک تحفہ ہو؟''

''ایسا نہیں ہے......'' انکا نے انکساری سے کہا۔ ''مہاراج کے انوسار میں اب بھی اسی طرح تمہارے تابع ہوں جیسے پہلے تھی، میں تمہارے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ لیکن مہاراج نے ایک اور بات بھی کہی تھی۔''

''وہ کیا......؟''

''مجھے ہر حال میں تمہاری حفاظت کا خیال رکھنا ہوگا......'' انکا نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا کہنا چاہ رہی ہو انکارانی......؟'' میں نے انکا کو تیکھی نظروں سے گھورا۔

''بات سمجھنے کی کوشش کرو جمیل صاحب......'' انکا نے میرے سوال کی وضاحت کرنے کی بجائے مچل کر کہا۔ ''جین کی ماں کو کل رات تک اس بات کا علم نہیں تھا کہ تم وہی ہو جس نے اسپارٹا اور سلیمان بے جیسے عظیم جادوگروں اور شعبدہ بازوں کو ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں تگنی کا ناچ نچا دیا تھا، جین نے کھانے کے دوران تمہارے ماضی کے کارناموں کو کرید کر اُس بڑھیا کے کان کھڑے کر دیئے ہیں۔ اُسے مفلوج بھی نہ سمجھو، وہ بڑی حرفوں کی بنی ہوئی ہے۔ ایک معمولی مرض کو اُس نے ڈاکٹروں سے مل کر فالج کا رنگ اس لئے دے دیا کہ جین کی پوری پوری ہمدردی حاصل کر سکے۔ بے حد چالاک اور خرانٹ واقع ہوئی ہے۔ اُسے تمہارے بیان پر بھی شبہ ہے کہ تم اپنی رُوحانی قوتیں کھو چکے ہو۔ اُس کا خیال ہے کہ تم نے وہ بات صرف اُسے سنانے کے لئے کہی ہوگی۔ وہ اب تمہاری طرف سے پوری طرح محتاط ہو گئی ہے۔ اپنے خطرناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر اس وقت بھی بڑی بے غیرتی سے جیکب کو نواز رہی ہے۔ اُس نے جیکب کو ایک بڑے انعام کا لالچ

دے کر اس بات پر ہموار کر لیا ہے کہ وہ پہلی فرصت میں جین کے راستے سے تمہارا کانٹا ہمیشہ کے لئے نکال پھینکے گا۔''

انکا کی بات سن کر مجھے سنجیدگی اختیار کرنی پڑی۔ جیکب کوئی مسئلہ نہیں تھا، میرے ایک اشارے کی دیر تھی، انکا اُس کو جہنم میں چھلانگ لگانے پر بھی مجبور کر دیتی۔ مجھے صرف جین کا خیال تھا، وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھی۔ جس مضافاتی علاقے میں رہتی تھی وہاں کے لوگ اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جیکب کی موت اُس کے لئے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔ انکا کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق جیکب پولیس کو مطلوب ایک مفرور مجرم تھا۔ یہ بات کھلتی تو ہر طرف چرچے شروع ہو جاتے۔

''کیا سوچ رہے ہو جمیل......؟''

''میرا خیال ہے کہ جیکب کا فوری طور پر چھٹی لے کر یہاں سے کہیں دُور چلا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔'' میں نے کافی غور و خوض کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ ''پولیس اُسے ہفتہ دس دن بعد کسی دوسرے جرم کی پاداش میں بھی گرفتار کر سکتی ہے۔ جو صورت بھی ہو، لیکن جین کا نام کسی حوالے سے درمیان میں نہیں آنا چاہئے۔''

''یہی بات تم مجھے سر سے اُتر جانے کا نادر شاہی حکم دینے سے پیشتر بھی کہہ سکتے تھے۔'' انکا نے اٹھلا کر کہا۔ ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب تمہاری نگاہوں میں میری کوئی وقعت نہیں رہی۔''

''میں نے کبھی تم سے ایک درخواست کی تھی مگر تم نے اس پر عمل نہیں کیا۔'' میں نے لمبی سانس لے کر انکا کو شکایتی نظروں سے گھورا۔

''ہو سکتا ہے اُس وقت تمہاری انکارانی کسی دوسرے کے قبضے میں ہو۔ ورنہ تم کوئی حکم دو اور میں انکار کر دُوں؟'' انکا کے لہجے میں لگاوٹ تھی۔ وہ میرے بالوں کے درمیان آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، گنگناتے لہجے میں کہا۔ ''تم اپنی انکا کو سمجھ ہی نہیں سکے جمیل۔ ورنہ ایسی بات کبھی نہ کہتے۔ اب آزما کر دیکھ لو، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔''

''سوچ لو......کہیں بعد میں کوئی ملال نہ ہو۔''

''تمہارے ہاتھوں مجھے موت بھی گوارا ہے۔'' انکا نے بہکے بہکے لہجے میں سرگوشی کی، پھر دل پر ہاتھ مار کر مستی کے عالم میں بولی۔ ''چلو، آج یہ فیصلہ ہو جائے کہ ہم دونوں میں

سے کون ایک دوسرے کو زیادہ چاہتا ہے۔"

"زبان دے رہی ہو؟"

"میں دل ہار چکی ہوں، تم زبان کی بات کر رہے ہو......" انکا نے توبہ شکن انگڑائی لے کر شرابی لہجے میں جواب دیا۔ اُس کی شوخ نظروں میں جام و مینا گلے مل رہے تھے۔

"رات جین کے قرب نے دل پر نشتر چلائے تھے، اب تمہاری ادائیں چھریاں چلا رہی ہیں۔" میں نے انکا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے حسرت بھرے انداز میں مخاطب کیا۔ "میں نے پہلے بھی درخواست کی تھی انکارانی۔ آج پھر اسی خواہش کا اعادہ کر رہا ہوں، صرف ایک بار اپنی بھرپور جوانی، حسن کی تمام تر حشر سامانیوں کے گداز کو اپنے دراز قد میں سمو کر میرے پہلو میں آجاؤ، میری بانہوں میں سما جاؤ۔ پھر تمہیں کبھی مجھ سے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ وعدہ رہا، میں تمہاری جنم جنم کی پیاس بجھانے میں کسی بخل سے کام نہیں لوں گا۔"

"کاش...... کاش تمہاری خواہش کا احترام میرے اختیار کی بات ہوتی۔" انکا نے جذباتی نظروں سے مجھے گھورا، میرے بالوں کے بستر پر ٹانگیں پسار کر لیٹ گئی، ہیجانی انداز میں لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ وہ مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر جین کی ماں بڑی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ ماریا بڑی مستعدی سے اپنے کاموں میں مصروف تھی، جین دفتر جانے کے لئے تیاری کر رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر جین کی والدہ، ماریا اور میرے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے ماریا کو غور سے دیکھا، پھر مورگن کے بارے میں سوچنے لگا جو اس نوخیز کلی کو شادی کے صرف سات ماہ بعد چھوڑ کر کہیں گم ہو گیا تھا۔ ماریا کو یقین تھا کہ وہ ملک چھوڑ کر کہیں باہر چلا گیا ہو گا۔ تین سال گزر جانے کے بعد بھی وہ اُسی کی راہ تک رہی تھی۔ ماریا نہ صرف قبول صورت بلکہ مورگن سے وفادار بھی تھی۔ نہ ہوتی تو کسی دوسرے کا ہاتھ تھام لیتی۔ اُس کے سراپا میں وہ تمام خوبیاں، دلکشی اور مقناطیسی کشش موجود تھی جو جنس مخالف کو اپنا گرویدہ بنا سکتی تھی۔ میں نے اُسے اپنے کام سے کام رکھتے دیکھا تھا۔ وہ زیادہ باتیں کرنے کی عادی نہیں تھی۔ جب سے میں جین کے ساتھ فارم ہاؤس میں آیا تھا وہ صرف دو تین ہی موقعوں پر مجھ سے ہمکلام ہوئی تھی۔ وہ بھی اُس وقت جب میں نے کسی کام کی غرض سے اُسے مخاطب کیا۔

"کیا بات ہے جمیل......؟" انکا نے میرے سر پر کسمساتے ہوئے شوخی سے سوال کیا۔

"یہ آج تم ماریا کو اتنے غور سے کیوں گھور رہے ہو؟"

"کیوں؟ کیا حسین و جمیل چہرے دیکھنا گناہ ہے؟"

"ہرگز نہیں......" انکا نے پہلو بدلا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی رنگینیوں کی طرف واپس قدم اُٹھا رہے ہو۔ کبھی وہ زمانہ تھا جب تم بڑے بڑے خاندانوں کی شوخ و شنگ، الہڑ حسیناؤں کی بھیڑ میں گھرے رہتے تھے۔ اُنہیں لباس کی طرح بدلنے کے عادی تھے، تمہاری بھوک کے ساتھ ساتھ میری پیاس بھی مٹ جاتی تھی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں انکارانی۔ کہ تم اس وقت کیوں چہک رہی ہو۔" میں انکا کا مفہوم بھانپ کر سنجیدہ ہو گیا۔ "ماریا کا خیال دل سے نکال دو۔ یہ بھی مت بھولو کہ یہ جین کی رہائش گاہ ہے۔ میں اس چھت کے نیچے تمہاری خواہش کی تکمیل سے قاصر ہوں۔"

"ان کھیت اور باغوں کے بارے میں کیا خیال ہے جہاں موسمی پھلوں کی بھینی بھینی خوشبو میں زرخیز زمین کی سوندھی سوندھی مہک بھی رچی بسی رہتی ہے؟" انکا سر سے پھدک کر میرے شانوں پر آ گئی۔ دونوں پاؤں ہلاتے ہوئے بڑی رازداری سے بولی۔ "ان لہلہاتے کھیتوں کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی تو میں بھی شرم سے آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔ گوری چٹی لڑکیوں کی جسارت دیکھو گے تو تم بھی پانی پانی ہو جاؤ گے۔"

"تم شاید مجھے اُکسانے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"یہ تمہارا وہم ہے۔" انکا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم نے ابھی تک جین کے بارے میں سنجیدگی سے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"کیا مطلب......؟" میں نے انکا کو گھورا۔

"رقابت کی آگ کی حدّت سیسے کو بھی پگھلا دیتی ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "پریتم لال مہاراج کو دیئے ہوئے وچن کے مطابق تم کسی کو زندگی کا ہمسفر نہیں بنا سکتے، جین کو جھوٹے وعدوں کی اُنگلی پر کب تک لٹکائے رہو گے جمیل؟ اُسے اپنے آپ سے متنفر کرنے کی خاطر تمہیں کہیں نہ کہیں تو دل لگانا پڑے گا، کوئی ایسا ڈرامہ ترتیب دینا ہو گا جسے دیکھ کر جین محسوس کر سکے کہ تم بھی جم کی طرح کسی وقت اپنی منزل کا رُخ بدل سکتے ہو...... تمہیں کلدیپ کی آتما کو شانت رکھنے کی خاطر کوئی نہ کوئی ایسا راستہ ضرور اختیار کرنا ہو گا جو جین کے دل میں

تمہاری محبت کونفرت کے رُوپ میں تبدیل کردے......"

"جین بڑی حساس، بڑے نازک دل کی مالک ہے۔ میں نے بے وفائی کا اظہار کیا تو اُس کا دل ٹوٹ جائے گا، ہوسکتا ہے وہ کوئی انتہائی قدم اُٹھا لے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "تم میرے حالات سے واقف ہو، اس وقت میں بے سہارا ہوگیا تھا جب کلدیپ کالی کو دیئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کی خاطر میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی، میری دنیا اندھیر ہوگئی، مجھے کچھ نہیں سجھائی دیتا تھا، میں دیوانہ ہوگیا۔ میں نے سیّد مجذوب کو بھی ناراض کردیا۔ میں نے موت کی تمنا کی لیکن موت بھی میری زندگی کا مذاق اُڑانے پر تلی ہوئی تھی، وہ جمیل احمد خان جس نے اپنے بدترین دشمن بدری نرائن کو کالی کے مہمان سیوک امرلال کی موجودگی میں کتوں جیسی موت مارا تھا۔ کالی کے بڑے مندر میں میرے جانے سے کھلبلی مچ جاتی تھی، پتھر کے بتوں کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ جاتی تھیں۔ بڑے بڑے پنڈت، پجاری اور سادھو میرا نام سن کر لرزنے لگتے تھے۔ تم گواہ ہو انکارانی جب تم تربینی کے سر پر تھیں اُس وقت بھی میرے جنون میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی۔ تمہاری بات اور ہے، تم لازوال قوتوں کی مالک ہو لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب میں نے تمہارے ہونے نہ ہونے کی پرواہ بھی نہیں کی۔ جو بھی میری راہ میں آیا اُسے خس و خاشاک کی طرح پیروں تلے روندتا چلا گیا، کلدیپ میری زندگی کا آخری سرمایہ تھی۔ جب اُس نے بھی منہ موڑ لیا تو میں نے صرف موت کی تمنا کی تھی۔ سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کے سوا میں نے تمام ہتھیار ڈال دیئے، اپنے دل پر جبر کر کے تمہیں بھی اپنے وجود سے علیحدہ کردیا۔ بمبئی کی فٹ پاتھ پر موت کی تلاش میں بھٹکتا رہا، حقیر کیڑوں جیسے چھوٹے موٹے افراد بھی مجھے دیکھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ میں زبان کھول دیتا تو پوری بمبئی میں بھونچال آ جاتا، ہر شے تہس نہس ہو جاتی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا، مجھے موت کی آرزو تھی۔ رات دن پتھریلی فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے میرے زخموں نے ناسور کی شکل اختیار کرلی۔ میرے وجود سے اُبھرنے والا تعفن راہ گیروں کو میرے قریب آنے سے روکنے لگا، وہ ناک پر رُومال رکھ کر مجھ سے کترا کر گزر جاتے تھے۔ ایسے میں جین ہزاروں میل کا سفر طے کر کے مجھے تلاش کرتی ہوئی ہندوستان آ گئی، اُس نے جمیل احمد خان کو ایک نیم وحشی اور دیوانے کے رُوپ میں اذیت ناک حالات سے دوچار دیکھا تو اُس کی غزالی آنکھوں میں نفرت کا احساس نہیں جاگا۔ وہ اپنے جوان مہکتے جسم اور حسن کی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ دوڑ کر دیوانہ وار مجھ سے لپٹ گئی، اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا، اپنے سینے کی کشادگی میں چھپا کر وہ مجھے ہندوستان سے لندن لے آئی۔ میں جو اُس کا محبوب تھا، جس کی خاطر اُس نے دنیا جہان کی خوشیاں حرام کرلی تھیں۔ میں اُس کی قربانیوں کو اتنی آسانی سے کیسے فراموش کردوں؟ اُس نے میری بے وفائی کے غم میں موت کو گلے لگا لیا تو میں اپنے آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟"

"میں تمہاری مجبوری سمجھ رہی ہوں جمیل۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر کچھ توقف سے دبی زبان میں بولی۔ "تم جم کو کیوں فراموش کررہے ہو......؟"

"میں سمجھا نہیں......؟" میں نے انکا کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"جم بھی کبھی جین کا دم بھرتا تھا۔ اُس وقت تم درمیان میں آ گئے۔ جرمنی کی مہم میں جین کے حسین اور جوان قرب نے تمہیں ریشہ خطمی بنا دیا۔ میں نے تمہاری خاطر جم کی محبت کا رُخ سارا کی جانب پھیر دیا۔ آج وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمیں جین کے سلسلے میں بھی ایسا ہی کوئی منصوبہ بنانا پڑے گا۔ اس کی جذباتی محبت کے تیز بہاؤ کا رُخ کسی مناسب نوجوان کی طرف موڑنا ہوگا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔ ورنہ جیسے جیسے وقت اور دن گزرتے جائیں گے، اُس کے دل میں تمہاری محبت کا پودا تناور درخت کی شکل اختیار کرتا جائے گا۔"

"تم.... تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے مضمحل آواز میں انکا کے مشورے کی تائید کی۔

"مجھ پر اعتماد کرو جمیل۔" انکا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں کوئی مناسب وقت اور موقع دیکھ کر ایسا قدم اُٹھاؤں گی کہ تمہاری جین کی زندگی بھی محفوظ رہے اور اُس کا گھر بھی آباد ہو جائے۔"

جین تیار ہو کر آئی تو ناشتہ شروع ہوگیا۔ وہ بظاہر ناشتہ کررہی تھی مگر اُس کی نظریں بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھیں۔ ان مخمور نگاہوں میں رات کا نشہ ابھی تک چھلک رہا تھا، مستقبل کے ارمان مچل رہے تھے۔ انکا ہم دونوں کو دلچسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے چونک کر خلاء میں دیکھا اور تیزی سے رینگ کر میرے سر سے اُتر گئی۔

"پکنک کے سلسلے میں سارا کو تمہارا کیا جواب دُوں؟" جین نے مجھے چھیڑنے کی خاطر معنی خیز نظروں سے گھورا۔

''اُس نے اگر مدعو کیا ہے تو میں سر کے بل چلوں گا۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تمہارا آج کا کیا پروگرام ہے؟''

''میں جو مشقیں کر رہا ہوں ابھی اس میں تھوڑا وقت اور لگے گا۔'' میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا، پھر ماریا کی سمت دیکھ کر بولا۔ ''کیا مورگن کی ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں ملی؟''

''جی نہیں......'' ماریا نے دبی زبان میں جواب دیا۔ جین کی ماں نے مجھے تیز نظروں سے گھورا، شاید اُسے اس وقت میرا ماریا سے مورگن کے سلسلے میں دریافت کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ جین ناشتے میں مصروف رہی۔ میں نے مفلوج بڑھیا کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ ماریا کو مخاطب کیا۔ ''تم نے بھی مورگن کے گھر والوں سے اُس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی......؟''

''وہ ہماری شادی کے خلاف تھے اس لئے میں نے مورگن کے بعد اُن سے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔'' ماریا کے لہجے میں کسک شامل تھی۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تین سال بعد بھی کسی روز اچانک......''

''مسٹر دولت علی......'' جین کی ماں نے مجھے بڑے رُوکھے انداز میں ٹوکا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمیں ماریا اور مورگن کے سلسلے میں زیادہ چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ان دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔''

''آپ نے درست فرمایا۔'' میں نے سنبھل کر جوابی حملہ کیا۔ ''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ کبھی جیکب نے اگر میرے اور جین کے معاملے میں دخل اندازی کی حماقت کی تو مجھے بھی یقیناً اُس کی مداخلت ناگوار گزرے گی۔''

جین کی ماں جیکب کے حوالے پر میرا جملہ سن کر اس طرح چونکی جیسے نقب زنی کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ جین نے جلدی سے ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کی خاطر مجھے مخاطب کیا۔

''میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم نے برلن میں کس قدر ناقابلِ یقین اور حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا تھا۔ مجھے یاد ہے جب تم نے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے آنکھ بند کر کے کہا تھا کہ ہمارا مطلوبہ سائنسدان اپنی مرضی سے اس جہاز میں جا کر بیٹھ گیا ہے جس میں اُسے

اغواء کیا جانا تھا۔'' جین کا چہرہ تمتمانے لگا۔ ''میں سمجھی تھی کہ تم مذاق کر رہے ہو۔ لیکن جب جم نے فون پر تمہاری بات کی تصدیق کی تو میں حیرت سے اُچھل پڑی۔ وہ سب کچھ بڑا حیرت انگیز تھا۔ میں ششدر رہ گئی تھی۔ آج وہ ساری باتیں مجھے خواب لگتی ہیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جین کے بیان پر اُس کی ماں کے چہرے پر اضطراب کی کیفیتیں اور نمایاں ہو گئیں۔ ماریا نے پہلی بار مجھے بہت غور سے دیکھا، وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

''دولت علی'' جین روانی میں بولتی چلی گئی۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم نے اس وقت مورگن کا ذکر بلاوجہ نہیں چھیڑا ہوگا۔ مجھے یہ محسوس کر کے خوشی ہو رہی ہے کہ تمہاری حالت پہلے سے بہت بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ کیا تم مورگن کے سلسلے میں بھی کوئی حیرت انگیز انکشاف کرنے والے ہو......؟ اگر ایسا ہوا تو کم از کم مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا۔ البتہ ماریا خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔''

اسی وقت انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ وہ بڑی مطمئن نظر آ رہی تھی۔

''سر......'' ماریا نے جین کی بات سن کر میری سمت ملتجی نظروں سے دیکھا۔ ''کیا آپ مجھے مورگن کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟''

''ایسی احمقانہ باتیں مت کرو۔'' جین کی ماں نے ماریا کو گھورا۔ ''مسٹر دولت علی بتا چکے ہیں کہ ان کی رُوحانی قوتیں کسی وجہ سے چھن چکی ہیں۔''

''بہت خوب......'' انکا دیدے مٹکانے لگی۔ ''میں ایک منٹ کو سر سے اُتری اور تم نے ماریا سے بھی چکر چلا دیا۔''

''کہاں گئی تھیں؟''

''تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔'' انکا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''جیکب خاموشی سے اپنا سامان لپیٹ کر یہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ جاتے وقت اُس نے میرے اشارے پر اپنی ایک تحریر بھی جین کے نام چھوڑی ہے۔ اُس نے اقرار کیا ہے کہ خرانٹ بڑھیا نے اُسے تمہارے قتل پر اُکسایا تھا۔ اس لئے وہ باوجوہ۔ دال، فے، عین ہو رہا ہے......''

''وہ تحریر کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو......؟'' میں نے ایک ممکنہ خدشے کا اظہار کیا۔

''پریشان مت ہو۔'' انکا بڑے اعتماد سے بولی۔ ''جین دفتر جاتے وقت کسی کام سے

جیکب کے کوارٹر میں جھانکے گی۔ اور وہ تحریر اُس کے ہاتھ آ جائے گی۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟" ماریا نے مجھے خاموش دیکھ کر دوبارہ اپنا سوال دُہرایا۔

میں نے جواب دینے کی بجائے آنکھیں بند کر لیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے میں اپنی رُوحانی قوتوں کے ذریعے مورگن تک رسائی کی کوششوں میں مصروف ہوں۔ چند لمحے یونہی پیشہ ورانہ انداز میں بیٹھا ہونٹ ہلاتا رہا، پھر انکا سے مورگن کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں آنکھیں کھول کر ماریا سے کہا۔

"مورگن ملک چھوڑ کر کہیں باہر نہیں گیا...... اس وقت بھی وہ تمہاری دسترس سے زیادہ دُور نہیں ہے۔"

"یہ...... یہ ناممکن ہے سر۔" ماریا ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔ "وہ اگر کہیں قریب ہوتا تو مجھ سے ملنے ضرور آتا۔"

"ایک مجبوری اُس کے پیروں کی زنجیر بن گئی ہے۔" میں نے ماریا کی بے چین آنکھوں میں دُور تک جھانکتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے یہاں آنے پر آمادہ کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔ تمہیں پرانی باتوں کو بھولنا ہو گا، اُس کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا ہو گا۔ خوشگوار زندگی گزارنے کی خاطر ساری کوتاہیوں کو درگزر کرنا ہو گا۔ تم بیتی باتوں کو کبھی دُہرانے کی غلطی نہیں کرو گی۔"

"بہت اچھے جا رہے ہو جمیل صاحب......" انکا مٹک کر بولی۔ "میری مانو تو دنیا کے سارے کھٹ راگ چھوڑ کر یہی دھندا شروع کر دو، میں تمہارے اِرد گرد آنکھ کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کا جم غفیر لگا دوں گی، ویسے بھی یہ سفید چمڑی والے جو اُلو کو ذہانت اور خوش بختی کی علامت سمجھتے ہیں کسی ہندوستانی سے زیادہ کچے عقیدوں کے مالک اور توہم پرست ہوتے ہیں۔"

"کیا غلطی سرزد ہو گئی ہے مورگن سے......؟" ماریا پریشان ہو گئی۔ "خدانخواستہ وہ کسی مصیبت میں تو گرفتار نہیں ہو گیا؟"

"تم صرف اُسے معاف کر دینے کا وعدہ سچے دل سے کرو، میں اُسے دو روز کے اندر اندر تمہارے پاس واپس بلا سکتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں مسٹر دولت علی......" ماریا پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"میں اُسے کچھ نہیں کہوں گی، مجھے اُس سے محبت نہ ہوتی تو تین سال تک اُس کے انتظار میں نہ بیٹھی رہتی۔"

"ٹھیک ہے......" میں نے ٹھوس لہجے میں اُسے یقین دلایا۔ "مورگن دو روز بعد تمہاری نظروں کے سامنے ہو گا۔"

"اگر تم صرف ماریا کو بہلانے کی خاطر ایک سنجیدہ مذاق کر رہے ہو تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔" جین کی ماں نے ہونٹ چباتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ "میں نے دنیا دیکھی ہے، بہت سارے غم برداشت کئے ہیں، خوشیوں کی تلاش میں ان پروفیسروں اور روحانی عمل کرنے والوں سے بھی ملی ہوں جو ہر دُکھ کا شرطیہ علاج کرنے کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ وہ سب فراڈ ہیں۔ اسٹیج پر اُچھل کود کرنے والے عام مداریوں اور جگلروں کے علاوہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، جوکروں کی ٹوپی سے دس بارہ کبوتر نکال دینا، ایک رنگ کے رُومال کو کئی رنگوں کے رُومالوں میں ظاہر کر دینا، یہ سب کچھ شعبدہ بازی ہے، نظر بندی ہے۔ یہ لوگ صرف انسانی نفسیات سے کھیلنے میں مشاق ہوتے ہیں، دوسروں کو اپنی لچھے دار باتوں کے سحر میں اُلجھا کر اتنا مرعوب کر دیتے ہیں کہ انسان ان کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔"

"لیکن دولت علی کا شمار ان فراڈ پروفیسروں کی فہرست میں نہیں کیا جا سکتا۔" جین نے ناشتے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے اپنی خفگی کا برملا اظہار کیا۔ "میں نے دولت علی کے حیرت انگیز کمالات اپنی نظروں سے دیکھے ہیں۔ جرمن سائنسدان کا اغواء شعبدہ بازی یا جگلری نہیں تھی، دولت علی نے ہوٹل کے بند کمرے میں بیٹھے بیٹھے اپنی رُوحانی قوتوں کے ذریعے اسے جم کے پاس پہنچا دیا تھا۔ اخبار کے وہ تراشے آج بھی میرے پاس بطور سند محفوظ ہیں جس کی حقیقت نے تہلکہ مچا دیا تھا، بڑے بڑے ماہر سراغرساں انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔"

جین جذباتی ہونے لگی۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا، وہ میرے سر سے اُتر گئی۔ جین کے چہرے پر خون کی تمازت بتدریج کم ہونے لگی۔ "سوری ممی......" اُس نے اپنی نشست سے اُٹھ کر ماں کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے شرمندگی کا اظہار کیا۔ "میں روانی میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔ لیکن میں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں تھا۔"

''اِٹ اِز آل رائٹ بے بی.....'' جین کی ماں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

جین مجھے معذرت طلب نظروں سے دیکھتی ہوئی دفتر کے لئے روانہ ہوگئی۔ ماریا ماحول کا رنگ بدلتا دیکھ کر کشش و پنچ میں گرفتار تھی۔ میں نے چائے کا آخری گھونٹ حلق کے نیچے اُتار کر اُٹھنا چاہا تو جین کی ماں نے روک لیا۔

''دولت علی۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اُس نے خلاء میں گھورتے ہوئے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ جین نے تمہیں میرے ماضی کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہوگا، اُس ضمن میں مجھے تمہاری کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایک ماں کی حیثیت سے میں نے جین کے مستقبل کے لئے کچھ حسین خواب ضرور دیکھے ہیں۔ مجھے یہ حقیقت تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ہمارے معاشرے میں ایک خاص عمر کو پہنچ جانے کے بعد ہر فردِ واحد کو شخصی آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، کوئی کسی پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا، ہر شخص اپنے عمل، قول و فعل کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جین اس عمر سے بہت آگے گزر چکی ہے لیکن وہ عام لڑکیوں سے بڑی مختلف ہے۔ کسی بے جان کھلونے سے بھی بے حد متاثر ہو جانا اس کی معصومیت کی دلیل ہے۔ اسے انتہا پسند نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اُس کی کوئی عزیز شے اگر اُس سے چھن جائے تو اس کے دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے، وہ خود کو بڑی آسانی سے دوسروں پر اعتماد کر لینے پر آمادہ کر لیتی ہے۔ میں اس عادت کو جین کی زندگی کا منفی پہلو قرار دوں گی، جم کے سلسلے میں وہ ایک بار پہلے بھی فریب کھا چکی ہے۔ میں اس وقت جین کے پاس نہیں تھی، اُس کے حالات کا علم مجھے ہوتا رہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایک بار ٹھوکر کھا لینے کے بعد وہ دوبارہ کوئی حماقت نہیں کرے گی۔''

جین کی ماں نے مجھے گہری نظروں سے گھورا، پھر ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

''جب وہ مجھے اپنے پاس یہاں لائی تو اُس نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا، وہ تم سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ ایسا ہوتا ہے، کوئی بچہ جب پہلی بار فائر ورک (آتش بازی) دیکھتا ہے تو فضا میں ہلکے ہلکے دھماکوں کے ساتھ بکھرنے والے خوبصورت حسین رنگوں کی آمیزش اور ان سے وجود میں آنے والی مختلف شکلیں اُسے مبہوت کر دیتی ہیں، اُس کے دل پر نقش ہو جاتی ہیں۔ وہ ہر سال اسی موقع کا منتظر رہتا ہے۔ سب کچھ اُسے دُور سے بہت اچھا لگتا ہے لیکن وہ بارود کی اہمیت سے ناواقف ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ بارود کسی

بڑی تباہی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ میں نفسیات کی ماہر نہیں ہوں پھر بھی اتنی سوجھ بوجھ رکھتی ہوں کہ بچوں کو جس کام سے روکا جائے وہ اس کی غرض و غایت کو جاننے کی زیادہ کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ تم اسے انسانی فطرت بھی کہہ سکتے ہو۔''

ماریا جو میری زبانی مورگن کے بارے میں سن لینے کے بعد مزید جاننے کو بڑی مضطرب تھی، جین کی ماں کی پشت پر کھڑی اپنی بے بسی پر ہونٹ چبانے میں مصروف تھی، میں سمجھ رہا تھا کہ جین کی ماں کس بات کی تمہید باندھ رہی تھی، انکا مجھے اس کی اصلیت سے آگاہ کر چکی تھی۔ میں چاہتا تو اُس کی اصلیت بے نقاب کر کے اپنے اشاروں پر بھی نچا سکتا تھا۔ مگر میں نے صبر و تحمل سے کام لیا، مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی۔

''کیا تم میرے ایک سوال کا جواب نہیں دو گے؟'' اُس نے کچھ توقف کے بعد سرسراتے لہجے میں کہا۔

''جین میری محسنہ ہے میڈم اور آپ اُس کی ماں ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ آپ کو یا جین کو میری ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔''

''مجھے اپنے نقصان سے زیادہ جین کا مستقبل عزیز ہے۔''

''میں اس ضمن میں کیا خدمت کر سکتا ہوں......؟'' میں نے اپنی نشست پر پہلو بدلا۔

''جین تم سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔'' جین کی ماں نے ہاتھ مسلتے ہوئے بڑے ناخوشگوار انداز میں کہا۔ ''وہ تم سے شادی کی خواہشمند ہے۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں......؟'' میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔

''ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن میرا خیال ہے کہ تمہارا اور جین کا جوڑ نامناسب رہے گا۔'' اُس نے الفاظ چباتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''پھر؟......آپ نے اس کا کیا توڑ مناسب سمجھا ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ وہ میرے جملے کی ساخت سے ایک لمحے کو چونکی، پھر خود پر قابو پاتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

''صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو میں جین کی دنیا سے دُور چلی جاؤں یا پھر تم شادی سے انکار کر دو۔''

میں نے ایک لمحے کو ماریا کے چہرے پر نظر ڈالی، وہ جین کی ماں کا جملہ سن کر سٹپٹا گئی تھی،

اُس کی غزالی آنکھوں میں اُبھرنے والا تاثر اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ وہ جین کی ماں کی باتوں سے متفق نہیں تھی۔ میں نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر بڑے غور وخوض کے بعد کہا۔

”میڈم۔ میں جین کے جذبات و احساسات سے پوری طرح واقف ہوں، وہ مجھے جنون کی حد تک چاہتی ہے، نہ چاہتی تو مجھے تلاش کرنے کی خاطر ہندوستان کے شہروں اور گلی کوچوں کو کبھی نہ کھنگالتی۔ میں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کروں گا کہ مالی اعتبار سے میں جین کے قدموں کی دُھول بھی نہیں ہوں۔ میں ایک تنہا اور لاوارث شخص ہوں جس کا ماضی بھی خطروں سے پُر تھا اور مستقبل بھی اندیشوں کی لپیٹ میں ہے، مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہ گیا تھا، میں مرجانا چاہتا تھا جب جین نے اچانک سامنے آکر مجھے سہارا دیا۔ میں اُس کی خواہش کو رد نہ کرسکا، اُس کے ساتھ لندن آ گیا لیکن......“ میں نے دیدہ ودانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”لیکن کیا دولت علی؟ تم کچھ کہتے کہتے رُک کیوں گئے؟“ وہ مکار بڑھیا میری سچ بیانی کو میری کمزوری سمجھ کر منہ زور ہونے لگی۔ ”اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اس اسٹیٹس کے مالک نہیں ہو جو جین کے مستقبل کو زندگی کی بہترین نعمتیں، خوشیاں اور تحفظ فراہم کرسکے تو تمہاری بڑائی اسی میں ہے کہ تم خاموشی سے اس کے راستے سے علیحدہ ہو جاؤ......“

”میں نے اس بارے میں ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا، لیکن اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ آپ جین کے بارے میں جو کچھ سوچ رہی ہیں وہ غلط نہیں ہے۔“

”مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری باتوں کا برا نہیں مانا۔“ میرے جواب سے اُس کا چہرہ فاتحانہ انداز میں تمتمانے لگا۔ ”یہ بڑی بات ہے کہ تم مثبت انداز میں مسائل کی تحلیل نفسی کرنے کے قائل ہو۔“

میری نگاہیں پھر ماریا کی سمت اُٹھ گئیں۔ میں جلد بازی میں جین کی ماں کو آئینے میں اُس کی شکل نہیں دکھانا چاہتا تھا، میری نظریں ماریا سے ٹکرائیں تو اُس کی نظریں بول اُٹھیں۔

”نہیں سر...... کسی چاہنے والے کا دل توڑ دینا نیک عمل نہیں ہوسکتا، میں جانتی ہوں کہ چھوٹی میڈم آپ کو ٹوٹ کر پیار کرتی ہیں۔ اُنہوں نے آپ کو اپنے دل کے اندر سجا رکھا ہے، آپ نے بڑی میڈم کی بات مانی تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں بھی عورت ہوں۔ عورت، عورت کے دُکھ درد کو سمجھتی ہے۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔ تین سال کچھ کم

نہیں ہوتے، میری صورت شکل کچھ ایسی بری بھی نہیں کہ مجھے اپنی زندگی کے لئے کسی نئے ہمسفر کی تلاش میں کوئی دُشواری پیش آتی لیکن مورگن میرا محبوب ہے۔ میں نے اُسے چاہا ہے، پھر اُس کی یاد کو کھرچ کر دل سے کس طرح دُور کرسکتی ہوں؟ کسی کی دل شکنی بڑا عظیم گناہ ہے سر۔ آپ بڑی میڈم کی بات ماننے سے انکار کردیں۔“

”ماریا......“ مکار بڑھیا نے مجھے ماریا کی طرف متوجہ پا کر اُسے سرد آواز میں حکم دیا۔ ”تم ناشتے کے برتن اُٹھا کر کچن میں جاؤ۔“ ماریا خاموشی سے ناشتے کے برتن سمیٹنے لگی۔ جین کی ماں آہستہ آہستہ مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی تھی، میں درگزر سے کام لے رہا تھا۔ وہ اُسے میری مجبوری اور بے بسی سے تعبیر دے رہی تھی۔

”دولت علی۔“ ماریا کے چلے جانے کے بعد اُس نے وہیل چیئر پر کچھ اور آگے کی جانب جھکتے ہوئے بڑے پیار سے مجھے چارہ ڈالا۔ ”میں نے اتنے دنوں میں محسوس کرلیا ہے کہ تم مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہو، تم نے کہا تھا کہ وقتی طور پر تمہاری رُوحانی قوتیں تم سے چھن چکی ہیں لیکن اس کی تھوڑی بہت رمق اب بھی تمہارے وجود کی گہرائیوں میں کہیں ضرور سلگ رہی ہے، شاید اسی لئے تم نے مورگن کے سلسلے میں بڑے اعتماد سے پیشینگوئی کی ہے، میں تمہاری صلاحیتوں کی قدر کرتی ہوں، تم ایک دُور اندیش اور معاملہ فہم انسان ہو...... مجھے یقین ہے کہ تم جین کے سلسلے میں میری باتوں پر مفاہمتی انداز میں غور کرو گے، میں تم سے ایک درخواست اور کروں گی...... اس وقت میرے اور تمہارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کا علم جین کو نہیں ہونا چاہئے۔“

”ماریا کی ذمہ داری کون لے گا؟“ میں اُس کی حماقت پر دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔

”وہ بھی ہماری گفتگو سن چکی ہے۔“

”تم ماریا کی فکر مت کرو۔“ اُس نے وہیل چیئر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بڑے اعتماد اور یقین سے کہا۔ ”میں ملازموں سے ایک محدود فاصلہ رکھنے کی قائل ہوں۔ ماریا میرے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرے گی، اُس کی کچھ کمزوریاں میری مٹھی میں ہیں۔“ آخری جملہ ادا کرتے وقت اُس کی آنکھوں میں شیطانی مسکراہٹ اُبھر کر پھیلتی چلی گئی۔ میں کوئی معقول جواب کے بارے میں سوچ رہا تھا جب میرے کمرے سے فون کی گھنٹی کی آواز اُبھری۔ جین نے خاص طور پر فون کا ایک علیحدہ کنکشن میرے لئے حاصل کیا

تھا تاکہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کوئی تیسرا شخص نہ سن سکے۔ میں کسی خیال سے چونکا، پھر لپکتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ فون پر حسب توقع دوسری جانب سے جین ہی کی آواز اُبھری۔

"ابھی تو تم گھر سے گئی ہو، اتنی جلدی کیا کام پیش آ گیا؟" میں نے جین کی اُلجھی ہوئی آواز سے اندازہ لگا لیا کہ اُسے جیکب کا خط مل چکا ہے، انکا بھی شاید اُسی کے سر پر تھی جو ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

"ممی کہاں ہیں......؟" جین نے پوچھا۔

"ابھی میرے ساتھ ناشتے کی میز پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔" میں نے جین کے لب و لہجے سے اُس کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اُن سے بات کرنا چاہتی ہو......؟"

"نہیں، مم...... میں تمہیں صرف ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں۔" اُس نے جذباتی انداز اختیار کیا۔ "جب تک میں واپس نہ آؤں تم محتاط رہنا۔ میرا مطلب ہے کہ اگر اپنے کمرے تک محدود رہو تو زیادہ مناسب ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ مجھے واپسی میں کچھ دیر بھی ہو جائے۔"

"کیا بات ہے جین......؟" میں نے سنجیدگی اختیار کی۔ "تمہاری آواز بتا رہی ہے کہ تم کچھ گھبرائی ہوئی ہو۔"

"ہاں...... ایک دُشواری پیش آ گئی جس نے وقتی طور پر مجھے اُلجھا دیا ہے۔" جین نے دبی زبان میں اعتراف کیا۔

"کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں......؟"

"نہیں۔" اُس نے تیزی سے جواب دیا۔ "اب میں اس قابل ہو گئی ہوں کہ چھوٹے موٹے معاملات کو خود ہی نمٹا سکوں۔ واپسی پر تم سے تفصیلی بات ہوگی۔"

"ون منٹ......" میں نے کہا۔ "تم نے مجھے صرف کمرے تک محدود رہنے کا مشورہ کیوں دیا ہے؟ کیا مجھے کوئی خطرہ لاحق ہے؟"

"آئی ایم سوری دولت علی میں فون پر زیادہ گفتگو نہیں کر سکتی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم کوئی اہم بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے جان بوجھ کر شکوہ کیا۔

"اپنی جین پر اعتماد رکھو......" دوسری طرف سے ریسیور چومنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی جین کی آواز سنائی دی۔ "تمہاری خاطر میں کبھی کسی قربانی سے گریز نہیں کروں گی۔"

"لیکن......"

"میں بہت جلدی میں ہوں۔ واپسی پر اطمینان سے بات کروں گی۔" جین نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں نے جھانک کر باہر کی جانب دیکھا، ماریا اور جین کی ماں ناشتے کی میز پر نہیں تھیں۔ میں اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا، مجھے جین کی فکر لاحق تھی۔ جیکب کی تحریر دیکھنے کے بعد اُس کا ردِعمل کیا ہوا ہوگا؟ فون پر اُس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اُسے کوئی دُشواری پیش آ گئی ہے۔ وہ دُشواری جیکب کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی؟ اُس نے مجھے اپنے کمرے تک محدود رہنے کا مشورہ دیا تھا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اُسے اس بات کا خدشہ پہلے سے تھا کہ میرے سلسلے میں اُس کی مفلوج ماں کوئی بھی خطرناک قدم اُٹھانے سے گریز نہیں کرے گی، محض جیکب کی تحریر اُس کی تشویش کا سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ جب وہ جین کی ماں کے منصوبے کا بھانڈا پھوڑ کر راستے سے علیحدہ ہو گیا تھا۔

فون پر جین کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ انکا، جین کے سر پر تھی اس لئے مجھے کوئی تشویش نہیں تھی۔ وہ اپنی پراسرار قوتوں سے حالات کا منہ موڑ سکتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ میں جین کے سلسلے میں اُس کی کسی حماقت کو برداشت نہیں کروں گا۔ میرے حوالے سے وہ جین کی حفاظت کرنے کی پابند تھی۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ وہ جیکب کے سلسلے میں کسی سنگدلی کا مظاہرہ کر بیٹھتی۔ وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ میرے ذہن میں اُبھرنے والے وسوسوں کی پرواز وقت کے مقابلے میں زیادہ تند و تیز تھی۔ انکا نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں جین کی محبت کا رُخ کسی اور جانب موڑ دوں۔ انکا میرے لئے یہ خدمت پہلے بھی انجام دے چکی تھی۔ انکا کے لئے جین کی توجہ کسی دوسری سمت تبدیل کرنا بھی مشکل نہیں تھا، پریتم لال نے چندرا کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا میں اُن کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس مہان پجاری نے مجھے بتایا تھا کہ بدری نرائن کے کچھ سرپھرے چیلے مجھے گھیرنے کی خاطر سر جوڑے منصوبے بنا رہے ہیں۔ ان احمقوں نے کالی کے چرنوں میں ڈنڈوت کر کے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک میرے وجود کو ختم

نہیں کر دیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ میں اگر ان پنڈت پجاریوں سے منہ چھپائے لندن میں بیٹھا رہتا تو یہ کلدیپ کے سارے جیون کی تپسیا کی توہین ہوتی۔ اُس نے میری خاطر اپنی زندگی بھینٹ دی تھی، میں اُس کی رُوح کو سکون پہنچانے کی خاطر پورے ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کو تہس نہس کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ پریتم لال نے کہا تھا کہ کچھ دنوں موج میلہ کرلو، پھر کلدیپ کے چھوڑے ہوئے ادھورے کام کی تکمیل کرنی ہوگی۔ چندرا کے لئے میں نے کچھ اور ہی سوچا تھا۔ وہ میرے دشمن اور کالی کے مہان سیوک امرلال کا اکلوتا لڑکا تھا۔ مجھے امرلال کی قوت اور اُس کے عتاب سے بچانے کی خاطر کلدیپ نے جیون بلیدان کیا تھا۔ میں چندرا کو انتقاماً سسکا سسکا کر مارنے کے منصوبے بناتا رہا۔ انکا کا مشورہ غلط نہیں تھا، لندن چھوڑنے سے پیشتر مجھے جین کے مستقبل کے تحفظ کی خاطر کسی پائیدار جیون ساتھی کا بندوبست کرنا شرط تھا۔ میں اُسے بیچ منجدھار میں بے سہارا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

دوپہر کھانے کی میز پر جین کی والدہ کے چہرے پر فکر و پریشانی کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ شاید اُسے جیکب کے اچانک چلے جانے کی اطلاع مل چکی تھی، وہ یقیناً اس کی وجہ جاننے کے لئے مضطرب ہوگی۔ ماریا بھی کچھ اُلجھی اُلجھی نظر آ رہی تھی۔ وہ مجھ سے مورگن کے سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی خاطر بے چین تھی۔ میرے ذہن میں جین کا مستقبل کلبلا رہا تھا۔ میں سر جھکائے کھانے میں مصروف تھا جب جین کی ماں نے مجھے مخاطب کیا۔

''دولت علی۔ کیا تمہیں علم ہے کہ جیکب اچانک اپنا ساز و سامان سمیٹ کر چلا گیا ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''ناشتے کے بعد سے میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔''

''تم نے مورگن کے بارے میں بڑے یقین سے کہا تھا کہ وہ دو دن بعد ہمارے درمیان ہوگا۔''

''ہاں......'' میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔ ''میرا علم یہی کہتا ہے کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔''

میرا جواب سن کر ماریا کے چہرے کے تاثرات کچھ اور گہرے ہو گئے۔ جین کی ماں اپنی

وہیل چہرے پر کسمسا کر بولی۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ جیکب نے کسی سے کچھ کہے بغیر چوری چھپے چلے جانے کی حماقت کیوں کی؟''

''ممکن ہے اُسے کوئی بہتر کام مل گیا ہو۔''

''ہاں، ہوسکتا ہے کہ کسی نے اُسے زیادہ پیسوں کا لالچ دے کر اُس کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔ پیسوں کے معاملے میں وہ خاصا لالچی واقع ہوا تھا لیکن......'' وہ کچھ کہتے کہتے یکلخت خاموش ہوکر ہونٹ چبانے لگی۔

''میں نہیں سمجھتا کہ جیکب کے چلے جانے سے جین کو کوئی نقصان پہنچے گا۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔ ''مورگن بھی واپسی کے بعد اُس کی جگہ لے سکتا ہے، بشرطیکہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو......'' آخری جملہ میں نے چبھتے ہوئے انداز میں ادا کیا۔ اُس نے چونک کر مجھے تیز نظروں سے گھورا۔

''مجھے کیا اعتراض ہوگا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں کام چوری کی عادت کو برداشت نہیں کرتی۔''

''میرا بھی یہی مطلب تھا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں بات کو اور واضح کرنے کی کوشش کی۔ ''ہوسکتا ہے کہ مورگن وہ خدمات انجام نہ دے سکے جو جیکب دیا کرتا تھا...... انسان انسان میں تھوڑا بہت فرق تو ہوتا ہے۔''

''تم...... تم کیا کہنا چاہ رہے ہو......؟'' جین کی ماں کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اُس کے دل میں چور تھا اس لئے میرے جملے پر چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

''تمہارا کیا خیال ہے ماریا؟......'' میں نے مسکراتی نظروں سے تذبذب کے عالم سے دوچار ماریا کی سمت دیکھا۔ ''کیا مورگن وہ سارے کام انجام دینے پر آمادہ ہو جائے گا جو جیکب خوشی خوشی کیا کرتا تھا؟''

''دولت علی......'' ماریا کے جواب دینے سے پیشتر جین کی ماں نے قدرے خفگی سے مجھے مخاطب کیا۔ ''میں سیدھی سادھی باتوں میں گھماؤ پھراؤ کو پسند نہیں کرتی۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب ملازم موجود ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں مورگن اور جیکب کے ٹاپک کو یہیں ختم کر دینا چاہئے۔''

میں نے بڑی سعادت مندی اور فرمانبرداری سے شانے اچکا کر خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ لنچ ختم ہونے تک وہ بدکردار بڑھیا کھانے کی بجائے پیچ وتاب ہی کھاتی رہی، اُس کی دزدیدہ نظریں بار بار ٹوہ لینے کے انداز میں میری طرف اُٹھ رہی تھیں۔ میں کھانے سے فارغ ہو کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ انکا ابھی تک میرے سر پر واپس نہیں آئی تھی، مجھے یقین تھا کہ جین کی واپسی پر وہ رات خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہوگی اس لئے میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں، انکا کی موجودگی میں مجھے جین کی ذات کو کوئی خطرہ لاحق ہونے کی اُمید نہیں تھی، البتہ جین کا ایک جملہ رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہا تھا، اُس نے مجھے محتاط رہنے اور کمرے تک محدود ہونے کا مشورہ کیوں دیا تھا......؟

دوپہر کو سونا میرے معمولات میں کبھی شامل نہیں رہا۔ لیکن لندن کے کسی مضافاتی علاقے میں رہنے والے بخوبی واقف ہوں گے کہ وہاں کی زندگی کس قدر سادہ ہوتی ہے۔ وہ رونقیں، ہنگامے اور رنگینیاں جو کسی شہر میں عام شاہراہوں پر بھی دلوں میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں دیہاتی علاقوں میں کشادہ شاہراہوں پر بھی ان کا فقدان پایا جاتا ہے۔ بہر حال جین کے بارے میں سوچتے سوچتے میں شاید کچھ دیر کے لئے غنودگی کی کیفیت سے دوچار ہو گیا تھا جب کوئی آہٹ پا کر میرا ذہن بیدار ہو گیا۔ میری خوابگاہ میں ملگجے اندھیرے کا راج تھا۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ باہر آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ میں نے فوری طور پر کوئی حرکت کرنے کی حماقت نہیں کی۔ مجھے بظاہر کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن جین کی خبیث ماں جو جیکب کے اچانک چلے جانے سے خاصی کبیدہ خاطر اور اُلجھی اُلجھی تھی اُس کی طرف سے کسی حماقت انگیز اور جذباتی دیوانگی کا ارتکاب خالی از امکان بھی نہیں تھا۔ دوپہر کے کھانے کے دوران میرے چبھتے ہوئے جملوں سے اُسے دو اور دو چار کرنے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی ہوگی۔ جیکب کی طرف سے مایوس ہو کر اور میرے جملوں کی گہرائی پا لینے کے بعد وہ کوئی انتہائی قدم اُٹھانے کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ میں دم سادھے پڑا رہا، ممکن ہے بارش کے شور سے ہونے والی کسی آواز کو میں خطرے کی بو سمجھ کر بیدار ہو گیا ہوں، اس خیال کے پیش نظر میں اپنی پوزیشن میں ایسی تبدیلی لانے پر غور کر رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ میرے سامنے آ جائے۔ مگر اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

''مسٹر دولت علی......'' ماریا کی سرگوشی کے انداز میں اُبھرنے والی نہایت مدھم آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ ''کیا آپ سو رہے ہیں؟''

''نہیں......'' ماریا کی آواز سن کر میں آہستہ سے اُٹھ بیٹھا۔ اُس کی نگاہوں میں مچلنے والے تجسس کو دیکھ کر کہا۔ ''میں اس وقت تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

''میرا انتظار......؟'' وہ کچھ گھبرا سی گئی۔

''ہاں......'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم موقع ملتے ہی پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش ضرور کرو گی۔''

''آپ کا خیال درست ہے سر۔'' اُس نے بڑی معصومیت سے میری بات کی تائید کی۔ ''میں مورگن کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں۔''

میں نے جواب میں ماریا کے سراپا کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ بہت زیادہ حسین نہیں تھی لیکن اُس کے جسم کے مناسب اور دلکش نشیب وفراز، نظروں میں مچلنے والا شوخ ہرنیوں جیسا تجسس، اُس کے مخروطی ہونٹوں کا گداز، چہرے کے تیکھے نقوش، جلد کی کھلتی ہوئی سفیدی مائل گندمی رنگت، سینے کا زیر و بم، سانسوں کی خوشگوار مہک، سہمے سہمے بدن کا حسین امتزاج سب کچھ بڑا دلنواز تھا۔ مرد کی تنہائی میں پسینے میں ڈوبی کسی سیاہ فام دوشیزہ کا وجود بھی بڑا ہیجان خیز ہوتا ہے۔ ماریا تو پھر ایک اُبھرتا ہوا تناور درخت تھی، مورگن کے چلے جانے سے اُس کی فصلِ جوانی کی مناسب آبیاری نہیں ہو سکی تھی لیکن اُس نے اپنی تراش خراش کا مناسب خیال رکھا تھا، خودرو جھاڑیوں کی طرح بدنما نہیں ہونے دیا تھا۔ اُس کا ایک ایک انداز زندگی کی سرمستیوں سے معمور تھا، وہ چاہے جانے کے قابل تھی، بھیگے موسم میں اس قرب کو محسوس کر کے میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔

''اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں سر......؟'' وہ میری نگاہوں کی تپش سے پگھلنے لگی۔ مجوب انداز میں بولی۔ ''میں مورگن کے سلسلے میں بہت بے چین ہوں۔ کیا وہ دو دن بعد آ جائے گا؟''

''میں چاہوں تو وہ آ بھی سکتا ہے......'' میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

''اُسے بلا لیجئے سر۔'' وہ مضطرب ہو گئی۔ ''تین سال کا انتظار بہت ہوتا ہے۔''

''جیکب کے بارے میں تم کیا جانتی ہو؟'' میں نے موضوع بدلا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

"آپ کیا جاننا چاہتے ہیں......؟"

"وہ سب کچھ جو تمہارے علم میں ہو......" میں نے اُسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"جیکب اچھا اور محنتی آدمی تھا سر۔ اپنے کام سے کام رکھتا تھا لیکن شاید وہ اپنے ماضی سے کچھ خائف بھی تھا۔" ماریا نے تھم تھم کر کہا۔ "ہر انسان کی اپنی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔ شاید اُس کی کوئی کمزوری بڑی میڈم کے ہاتھ آ گئی تھی جو وہ اُن کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھا۔"

"اُس کے اچانک چلے جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" میں نے سرسری انداز میں دریافت کیا۔

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی سر۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اِدھر کچھ دنوں سے..."

"اُس کی بیشتر راتیں تمہاری بڑی میڈم کی خوابگاہ میں گزر رہی تھیں۔" میں نے اُسے ہچکچاتا دیکھ کر بات مکمل کی تو وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"آپ کو سب کچھ معلوم ہے تو پھر مجھ سے......" وہ اس بار بھی اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ شرم کے بوجھ سے لچک کر رہ گئی۔

"تم تین سالوں سے مورگن کی راہ دیکھ رہی ہو، اُس کی واپسی کی خاطر کیا قربانی دے سکتی ہو......؟" میرے اندر بارش کی ٹپ ٹپ کی آواز گونجنے لگی۔

"آپ جو کہیں سر......" اُس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ وہ جمیل احمد خاں کے ماضی سے ناواقف تھی جو بغیر سوچے سمجھے اقرار کر بیٹھی۔

"تمہیں مورگن کو معاف کرنا ہوگا۔" میں نے کسی منجھے ہوئے کھلاڑی کی طرح اُس کے اور قریب ہو کر کہا۔ "تم اُس کے کل کے بارے میں کوئی استفسار نہیں کرو گی۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"وہ بھی تم سے گزرے دنوں کا کوئی حساب نہیں طلب کرے گا۔" میں نے ماریا کو یقین دلایا۔ "یہ میرا وعدہ ہے۔"

"وہ آ تو جائے گا نا سر؟" ماریا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "آپ نے جب سے مورگن کے سلسلے میں باتیں شروع کی ہیں، میرے اندر ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہونے لگی ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

"میرے اوپر اعتبار نہیں ہے؟" میں نے اُس کی دراز زلفوں کو شرارت سے چھیڑا تو وہ

کسمسانے لگی۔ شاید اُس نے میری آنکھوں میں کروٹ لیتے ہوئے طوفان کی اُبھرتی ہوئی شدتوں کو محسوس کر لیا تھا۔

"سر......آپ......" اُس نے احتجاجی کلمات ادا کرنے چاہے۔

"تمہاری بڑی میڈم بتا رہی تھی کہ جیکب کی طرح تمہاری بھی کوئی کمزوری اُس کی مٹھی میں ہے۔" میں نے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ......وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔" ماریا سہم گئی۔ "میں حالات کے آگے مجبور و بے بس ہو گئی تھی۔ وہ مورگن کا جگری دوست تھا اس لئے میں اُسے قابلِ اعتماد سمجھتی تھی لیکن......"

"زندگی انہی بھول بھلیوں کا نام ہے ماریا۔ انسان کو ایک غلطی چھپانے کی خاطر دوسری غلطی کرنی پڑتی ہے۔ ایک جھوٹ نبھانے کی خاطر بار بار جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے، مگر تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو۔ تمہارا راز ہمیشہ میرے کشادہ سینے میں دفن رہے گا۔" میں نے ماریا کی کلائی پر گرفت مضبوط کی۔ وہ شش و پنج میں گرفتار تھی۔ میں نے اُسے سنبھلنے یا سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ اُس کے مقابلے میں میرا تجربہ کئی گنا زیادہ تھا۔ باہر بارش زور پکڑتی جا رہی تھی، اندر پیاس کی شدت مجھے کسی زہریلے بچھو کی طرح ڈنک مارنے لگی، ماریا کی مزاحمت میرے تجربوں کے آگے کمزور پڑتی گئی...... پریتم لال نے مجھے موج میلہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، سرکش جوانیوں سے کھیلنا میری سرشت میں داخل تھا، انکا اس وقت میرے سر پر ہوتی تو مجھے ماضی کی رنگینیوں کی طرف واپس پلٹتا دیکھ کر خوشی سے دیوانی ہو جاتی......!!

❁

جین کی واپسی سورج غروب ہونے کے بعد ہوئی۔ میں شام کی چائے پی کر باہر لان میں آکر ہلکی ہلکی خنکی سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب جین کی کار فارم ہاؤس میں داخل ہوئی۔ اُس نے مجھے دیکھ لیا تھا اس لئے کار سے اُتر کر سیدھی میری طرف آ رہی تھی۔ اُس کے قریب آنے سے پیشتر انکا میرے سر پر آ گئی، وہ خاصی مطمئن نظر آ رہی تھی۔

"اس وقت جین کو زیادہ کریدنے کی کوشش نہ کرنا۔" انکا نے سرگوشی کی۔ "وہ جیکب سے زیادہ تمہاری طرف سے پریشان ہے۔"

"جیکب کا کیا بنا؟" میں نے دریافت کیا۔

"وہ اس علاقے سے جا چکا ہے، اب واپسی کی حماقت نہیں کرے گا۔ ایک ہفتے بعد تم

اُس کی موت کی خبر بھی سن لو گے۔"

جین میرے قریب آ کر بے اختیار میرے سینے سے چمٹ گئی، وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ میں اُس کی پریشانی کا سبب جانتا تھا پھر بھی میں نے پوچھ ہی لیا۔ "کیا بات ہے جین؟ تمہارا فون ملنے کے بعد میں صبح سے تمہاری خاطر اُلجھ رہا ہوں، مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری خاطر کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔ "کیا تمہاری پریشانی کا سبب جیکب تو نہیں؟ تمہاری ماں بھی اُس کے چلے جانے سے خاصی فکر مند نظر آ رہی ہے۔"

"دولت علی۔ مجھ سے وعدہ کرو، تم اپنی جین پر شک نہیں کرو گے۔" جین نے ڈبڈبائی نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "آج میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ لو......" اُس نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ "خود اپنی نظروں سے پڑھ کر دیکھ لو کہ میری پریشانی بلاوجہ نہیں تھی، میں نے تمہیں محتاط رہنے کا مشورہ کیوں دیا تھا؟"

انکا مجھے جیکب کی تحریر کے بارے میں بتا چکی تھی پھر بھی میں نے سرسری نظروں سے اس مختصر تحریر کو پڑھا اس کے بعد مسکرا کر لاپرواہی سے بولا۔ "جیکب اگر یہ تحریر چھوڑے بغیر خاموشی سے چلا جاتا تو شاید تمہیں اس سازش کے بارے میں کوئی علم نہ ہوتا۔"

"کیا مطلب....؟" جین نے مجھے چونک کر حیرت بھری نظروں سے گھورا۔ "کیا تم....؟"

"ہاں......" میں نے سنجیدگی سے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "مجھے جیکب اور تمہاری مفلوج ماں کی اس سازش کا علم پہلے سے تھا۔"

"اور تم نے مجھے......"

"میں نے ضروری نہیں سمجھا۔" میں نے جین کو دلاسا دیا۔ "میں جانتا تھا کہ جیکب اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں کرے گا۔ رہا تمہاری ماں کا سوال تو تم اس کی طرف سے بھی مطمئن رہو۔ ایک ماں کی حیثیت سے اُس نے تمہارے مستقبل کے لئے جو خواب دیکھے ہیں وہ اُس کا حق ہے۔ جیکب کے چلے جانے کے بعد اب وہ دوبارہ میرے خلاف کوئی نیا منصوبہ بنانے کی غلطی نہیں کرے گی۔"

"تم یہ بات اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟" جین نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ ماریا آ گئی، وہ مجھ سے نظریں ملاتے

ہوئے کترا رہی تھی۔ وہ غروبِ آفتاب کے بعد واپس جانے کی عادی تھی۔ شاید اُسے جین کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔

"میڈم۔" اُس نے قریب آ کر جین کو مخاطب کیا۔ "میں نے اپنے سارے کام مکمل کر لئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، تم اب جا سکتی ہو۔" جین نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔

"سر......" جاتے جاتے ماریا نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ "کیا میں یقین کر لوں کہ آپ نے مورگن کے سلسلے میں جو کہا تھا وہ......"

"فکر مت کرو۔" میں نے اُس کی نظروں کی بے چینی کا مفہوم سمجھ کر مطمئن کرنے کی خاطر کہا۔ "تم مجھ پر اتنا ہی اعتماد کر سکتی ہو جتنا تمہیں جین پر ہے۔"

ماریا نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا، پھر خاموشی سے پلٹ کر تیز تیز قدم اُٹھاتی چلی گئی۔ ماریا کے جانے کے بعد جین اپنی ماں کی طرف سے میرے اطمینان کی وجہ معلوم کرنے کے لئے مضطرب تھی۔

"پریشان مت ہو۔" میں نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر فارم ہاؤس کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم نہا دھو کر تازہ دم ہو لو پھر میں تمہیں کچھ چونکا دینے والے کرتب دکھاؤں گا۔"

"میں تمہاری طرف سے بہت زیادہ فکر مند ہوں اور تم کرتب دکھانے کی بات کر رہے ہو۔" جین اُلجھ گئی۔ لیکن میں نے اُسے اس بات پر رضامند کر لیا کہ پہلے وہ تازہ دم ہو کر لباس تبدیل کر لے پھر میں اُس کی ساری پریشانیاں دُور کر دوں گا۔ انکا میرے سر پر بیٹھی بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ کسی حساس جنگلی جانور کی طرح چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا کر ناک سے اس طرح شوں شوں کی آواز نکالنے لگتی تھی جیسے کسی خطرے کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ انکا کا یہ انداز میرے لئے نیا تھا۔

"یہ تمہارے اندر جنگلی جانوروں کی خوبی کب سے پیدا ہو گئی ہے؟" میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر پوچھا۔

"پریتم لال مہاراج کی دیا سے کچھ نئی قوتیں مجھے بھی حاصل ہو گئی ہیں۔" انکا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا پھر میرے سر پر اوندھی لیٹ کر دونوں پیر ہوا میں آگے پیچھے ہلاتی

ہوئی بڑی شوخی سے بولی۔ ''تم آج اپنی جین کو کرتب دکھالو، اس کے بعد میں بھی تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں گی۔''

''مجھے تمہارے لب ولہجے سے کسی خطرناک شرارت کی مہک آرہی ہے۔'' میں نے انکا کوٹٹولنے کی خاطر مسکرا کر کہا۔

''مہک تو مجھے بھی تمہاری رگ رگ سے پھوٹتی محسوس ہورہی ہے۔'' وہ تیزی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے توبہ شکن انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ ''کہو تو یہ بھی بتا دُوں کہ یہ کس کے حسین بدن کی مہک ہے؟''

''اوہ......'' میں نے انکا کی بات پر صرف مسکرانے پر اکتفا کی۔

''مجھے خوشی ہے جمیل کہ تم زندگی کی سمت واپس لوٹ رہے ہو۔ لیکن ایک شکوہ بھی ہے۔'' انکا اٹھلا کر بولی۔ ''اپنی پیاس تو بجھا لیتے ہو لیکن اب تمہیں اپنی انکارانی کی تشنگی کا خیال نہیں رہتا۔''

ہمارے درمیان اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ انکا میرے سر پر ٹھک ٹھک کر کبھی میرے ماضی کے قصے دُہرانے لگتی، کبھی کسی رُوٹھی ہوئی محبوبہ کے انداز میں گلے شکوے شروع کر دیتی۔ ایک طویل عرصے کے بعد میں اور میری انکارانی دونوں ترنگ میں آئے تھے۔ جب جین کمرے میں داخل ہوئی بھیگے بالوں کو جوڑے کے انداز میں تولیہ میں لپیٹے، گہرے سرخ رنگ کے گاؤن میں وہ کسی معصوم بیر بہوٹی جیسے انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی میری طرف آرہی تھی۔ اُس کی جگہ کوئی دوسری حسینہ اس ہیجان انگیز انداز میں لہراتی، بل کھاتی، حسن کا جادو جگاتی میری نگاہوں کے سامنے آتی تو شاید میں بے قابو ہو جاتا۔ انکا جین کو دیکھ کر کسمسانے لگی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ نہانے دھونے کے بعد جین بڑی ہلکی پھلکی محسوس ہورہی تھی۔ اُس کے اندر وہ اضطرابی کیفیت بھی نہیں تھی جو میں نے کچھ دیر پہلے محسوس کی تھی۔ میرے برابر بیٹھنے کے بعد اُس نے مجھے شوخ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''دولت علی۔ میرا خیال ہے کہ اب تم اپنی جین سے بھی کچھ باتیں چھپانے لگے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں......'' میں یکلخت محتاط ہوگیا۔

''تم نے کہا تھا کہ تمہاری رُوحانی قوتیں تم سے چھن چکی ہیں اور آج تم نے مجھے کوئی

کرتب دکھانے کا وعدہ کیا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ تم محکمہ سراغ رسانی سے وابستہ ہونے کے بعد بھی مصلحتوں اور دُور اندیشیوں کے تقاضوں سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔'' مجھے بروقت سوجھ گئی۔ ''رُوحانی قوتیں چھن جانے والی بات میں نے تمہاری ماں کو اندھیرے میں رکھنے کی خاطر کہی تھی، دوسری شکل میں عین ممکن تھا کہ وہ اور جیکب عجلت میں کوئی وار کر بیٹھتے اور میں......''

''اڑنے کی کوشش مت کرو......'' جین نے مجھے قاتلانہ نظروں سے گھورا۔ ''تم نے روحانی قوتوں والی بات مجھ سے اکیلے میں بھی کہی تھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ تمہیں تنہائی میں دیکھ کر میں تمہارے حسن جہاں سوز کی رنگینیوں میں اتنا گم ہوگیا ہوں کہ وقت کے تقاضوں کا خیال رکھنا......''

''تم اس وقت بھی بہک رہے ہو۔'' جین نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اتنی معصومیت سے کہا کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا۔ میں نے اُسے گھسیٹ کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ انکا نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر جمالئے لیکن اُنگلیوں کے درمیان جھری کئے وہ ہماری ایک ایک حرکت دیکھ رہی تھی۔

جین نے کچھ دیر بعد پھر سنجیدگی سے جیکب اور اپنی ماں کی سازش کا ذکر چھیڑ دیا، وہ بار بار مجھ سے ''کرتب'' دکھانے کا تقاضہ کر رہی تھی۔ میں اُسے ٹالتا رہا۔ پھر رات کے کھانے پر مجھے اس کا موقع مل گیا۔ ڈنر ٹیبل پر ہم تینوں کے چہروں پر تناؤ کی کیفیت محسوس تھی، جین کی ماں جیکب کے بارے میں فکر مند تھی، جین میرے خلاف ہونے والی سازش کے سبب ماں سے کھنچی کھنچی نظر آرہی تھی اور میں کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ اس خبیث بڑھیا کو جین کے سامنے بے نقاب کرسکوں۔

''جین......'' مہر سکوت کو جین کی ماں نے توڑا۔ ''کیا تمہیں علم ہے کہ جیکب اچانک کسی سے کچھ کہے سنے بغیر چوروں کی طرح کہیں غائب ہوگیا ہے؟''

''ہاں......'' جین نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''ماریا نے جاتے جاتے مجھ سے ذکر کیا تھا۔ لیکن اس میں فکر کی کیا بات ہے؟'' جین نے ماں کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ''ہم جیکب کی جگہ کوئی دوسرا محنتی، جفاکش اور نمک حلال ملازم رکھ لیں گے۔''

''آں...... ہاں۔'' جین کی ماں نے نمک حلال کے حوالے پر چونکتے ہوئے کہا، پھر

بڑی تیزی سے خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ”تم نے ٹھیک کہا۔ اب ہم ٹھونک بجا کر کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں گے جو چوروں کی طرح منہ چھپا کر بھاگنے کا عادی نہ ہو۔“

”دولت علی کا کہنا ہے کہ مورگن دو روز بعد واپس آ جائے گا۔“ جین نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ ”اُس کے آنے کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کروں گی۔ وہ اگر کام کرنے پر آمادہ ہو گیا تو زیادہ مناسب رہے گا، ماریا کو بھی ہمارے فیصلے سے دلی مسرت ہوگی۔“

میں نے انکا کو اشارہ کیا، وہ میرے سر سے اُتر کر جین کی ماں کے سر پر چلی گئی۔

”ماریا کو بھی اب روز مرہ کے کام یاد نہیں رہتے۔“ جین کی ماں کچھ توقف سے بولی۔ ”آج وہ اتنی جلدی میں گئی کہ مجھے کھانے سے پہلے وہ گولیاں کھلانا بھول گئی ڈاکٹر نے جنہیں پابندی سے کھانے کی تاکید کی تھی۔“

”کیا آپ نے وہ گولیاں ابھی تک نہیں کھائیں؟“ میں نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر پوچھا۔

”نہیں......“ خبیث بڑھیا نے مجھے تیز اور ناپسندیدہ نظروں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ شاید اس وقت میری مداخلت اُسے پسند نہیں آئی تھی۔

”اگر وہ دوا ضروری ہے تو اب جا کر کھالیں۔“ میں نے جین کو مرعوب کرنے کی خاطر ٹھوس اور تحکمانہ انداز میں کہا اور اس وقت جین کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں جب اُس نے اپنی ماں کو وہیل چیئر سے اُتر کر اپنے قدموں سے خوابگاہ کی طرف جاتے دیکھا۔

”یہ...... یہ سب کیا ہے دولت علی؟“ جین نے حیرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔

”یہ کرتب یا جگلری نہیں ہے جین۔“ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”تمہاری ماں اس وقت میری رُوحانی قوتوں کے زیر اثر ضرور ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ مفلوج نہیں ہے، مفلوج ہونے کا ڈھونگ اُس نے محض تمہاری ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے رچایا ہے، تم چاہو تو میں اس ڈاکٹر کو بھی بے نقاب کر سکتا ہوں جس نے بھاری معاوضے کے تحت جھوٹا سرٹیفکیٹ اور جھوٹی رپورٹ تیار کی تھی۔“

”اب جبکہ حقیقت میری نظروں کے سامنے ہے، مجھے کسی مزید ثبوت کی بھلا کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ لیکن...... لیکن۔“ جین نے ہونٹ چباتے ہوئے جذباتی انداز میں

کہا۔ ”یہ سراسر فراڈ ہے، خونی رشتوں کے درمیان اس قسم کی بددیانتی زیب نہیں دیتی۔“

”میں تمہاری تائید کرتا ہوں، لیکن میری درخواست ہے کہ تمہیں اپنی زبان بند رکھنی ہوگی۔“ میں نے بات جاری رکھی۔ ”مورگن کو آ لینے دو، جیکب کا قصہ تمام ہو جائے پھر......“

”جیکب کا قصہ ختم ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟“ جین سمجھدار تھی اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

”جیکب ایک مفرور قاتل تھا، پولیس اُسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ یہ بات تمہاری ماں کو معلوم تھی۔ اُس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی ٹھان لی۔“ میں نے جین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”میرے مرنے کے بعد جیکب بھی نہیں بچ سکتا تھا، رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا اور......“

”اور تم نے یہ تمام باتیں مجھ سے پوشیدہ رکھیں۔“ جین نے شکوہ کیا۔ ”اگر میرے محکمے کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میں نے اپنی چھت کے نیچے ایک مفرور قاتل کو ملازم کی حیثیت سے پناہ دے رکھی ہے تو...... مائی گاڈ، میری بنی بنائی ریپوٹیشن خاک میں مل جاتی، تفتیش ہونے کے بعد اصلیت بے نقاب ہوتی تو مجھے ملازمت سے سبکدوش کر دیا جاتا اور...... شاید یہ فارم ہاؤس بھی چھین لیا جاتا۔“

”میرے ہوتے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“ میں نے جین کو یقین دلایا۔ ”میری بات غور سے سنو۔ جیکب کی اصلیت کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد ہی میں نے اُسے پوری طرح بے بس کر رکھا تھا۔ یہ بھی میری رُوحانی قوتوں کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنا سب کچھ سمیٹ کر نو دو گیارہ ہو گیا اور اب ہفتہ دس دن بعد وہ کسی دُور دراز علاقے سے گرفتار کر لیا جائے گا۔“

”اور تفتیش کے دوران جب وہ میرے فارم ہاؤس پر کام کرنے کا اقرار کرے گا تو......“

”وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔“ میں ٹھوس لہجے میں بولا۔ ”میں نے اُس کے ذہن سے درمیان کا وہ حصہ حذف کر دیا ہے جو اُس نے تمہارے پاس گزارا تھا۔“

جین نے مجھے تشکرانہ نظروں سے دیکھا پھر اُس کی توجہ اپنی ماں کی سمت مبذول ہو گئی جو اپنے پاؤں سے چلتی ہوئی واپس آ کر وہیل چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ جو حماقت کر چکی تھی اُسے اس کا مطلق احساس نہیں تھا، انکا نے اُس نے اُس کے سر پر تسلط جما رکھا تھا۔ وہیل چیئر پر بیٹھ کر وہ دوبارہ کھانے میں مشغول ہو گئی۔

''تم......تم واقعی بہت بڑے جادوگر ہو......'' جین نے دبی زبان میں کہا۔

''دولت علی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تین سال سے لاپتا مورگن دو روز کے اندر واپس آ جائے گا؟'' جین کی ماں نے مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی ہاں۔ میرے دعوے کو تسلیم کرنے کی خاطر صرف دو روز کی زحمت اور اُٹھانی ہو گی۔ میں آپ کو تیسرے روز کی زحمت نہیں دُوں گا۔'' میں نے ایسے انداز میں جواب دیا کہ جین بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اُس کی ماں نے اُسے غور سے گھورا، پھر کھانے میں مشغول ہوگئی۔ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔

''جمیل......'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب اگر تمہاری اجازت ہو تو میں ماریا کو بلا کر اس بات کی تصدیق بھی کرا دُوں کہ تم کتنے پہنچے ہوئے بزرگ ہو...... اور آج فارم ہاؤس میں کیسا ہیجان انگیز کھیل کھیلا گیا ہے۔''

''مجھے بلیک میل کر رہی ہو انکارانی......؟'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

''اتنے کٹھور دل مت بنو جمیل۔'' انکا نے ملتجی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم جانتے ہو کہ انسانی خون میری غذا ہے، میں بہت دنوں سے ہوا اور پانی پر گزارا کر رہی ہوں، تمہیں تمہاری ماریا اور جین کا واسطہ میری پیاس بھی بجھا دو۔''

''پیاس بجھا دو'' کہنے کے بعد وہ اس انداز میں شرما کر اپنے وجود میں سمٹنے لگی جیسے پہلی رات کی دُلہن کی زبان سے غلطی سے وہ بات پھسل گئی ہو۔ مجھے اُس کی وہ ادا بھا گئی۔ میں نے اُس کی غذا فراہم کرنے کا وعدہ کیا تو وہ میرے سر پر کھڑی ہو کر دیوانہ وار خٹک ڈانس کا مظاہرہ کرنے لگی۔ جین کی ماں اور جین دونوں اپنے اپنے خیالوں میں مستغرق تھیں۔ میں انکارانی کے ٹھمکوں سے لطف اندوز ہوتا رہا...... اُس کی مسرت دیدنی تھی......!

❁ ❁ ❁

نصف رات گئے تک جین میرے ساتھ کسی جونک کی طرح چمٹی رہی۔ اس بات کا یقین کر لینے کے بعد کہ میری رُوحانی قوتیں میرے پاس ہیں اس شوخ ادا حسینہ کی تمام پریشانیاں ختم ہوگئی تھیں۔ کچھ دیر وہ اپنی ماں کی باتیں کرتی رہی۔ اُس کا خیال تھا کہ مفلوج ہونے کا ناٹک رچا کر ماں نے بددیانتی کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ایسا نہ کرتی تو بھی جین اُسے حالات کی ستم ظریفیوں کے حوالے نہ کرتی۔ لیکن اب وہ مجھ سے مشورہ کر رہی تھی کہ کیوں نہ اپنی ماں کو اولڈ ہاؤس میں داخل کرا دے جہاں ایک دو نہیں ہزاروں اور لاکھوں بوڑھے اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ اولڈ ہاؤس میں انہیں کسی کام کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا...... ہر قسم کا آرام و آسائش مہیا کی جاتی ہے۔ لیکن یہ تصور ہی ان کے لئے بڑا کربناک ہوتا ہے کہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی وہ اپنی اولادوں سے نہیں مل سکتے۔ البتہ ان کے رشتے دار ہفتے عشرے میں تھوڑا سا وقت نکال کر سرسری طور پر اُن کی خیریت دریافت کرنے آ جاتے ہیں۔

مغربی تہذیب کی یہی ریت ہے کہ جب بچوں کو والدین کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اس عمر میں ان کا کمرہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ جو افراد آیا یا گورنس افورڈ کر سکتے ہیں ان کے بچوں کی تربیت نسبتاً بہتر ہو جاتی ہے لیکن جہاں تنگ دستی آڑے آتی ہے وہاں دور اور وقت کا ماحول ان کی تربیت کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مغربی ممالک میں چھوٹے بڑوں کے درمیان کوئی شرم و لحاظ نہیں ہوتا۔ جوان بیٹی اپنے والدین کی موجودگی میں بھی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ بوس و کنار کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ شراب اور شباب کی محفلوں میں بھی وہ قدم ملا کر اپنا اپنا وقت اپنی اپنی مرضی سے گزارتے ہیں، وہاں کے دانشور اسے شخصی آزادی کے نام سے بڑے فخر سے منسوب کرتے ہیں۔ انہی خطوط پر سوچتے ہوئے جین بھی اپنی ماں کو کسی اولڈ ہاؤس میں داخل کرانا چاہتی تھی لیکن میں نے مخالفت کی تو وہ مان گئی، کوئی بحث

نہیں کی۔

میں نے خاصی رات گئے نیند کا بہانہ کر کے جین کو بمشکل اُس کی خوابگاہ میں جانے پر آمادہ کیا، پھر تھکے تھکے انداز میں اپنے بستر پر ڈھیر ہوگیا۔ ''جمیل، یہ لڑکی تو تمہارے گلے کا ہار بنتی جا رہی ہے۔'' جین کے جانے کے بعد انکا نے اپنا چہرہ کہنی پر ٹکاتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا۔ وہ سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی کسی سوچ میں غرق تھی۔ ''کیا سوچا ہے تم نے اس کے بارے میں؟''

''اتنی رات گئے سوچنا نیند کو بھگانے کے مترادف ہوگا۔'' میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ ''تم بھی سونے کی کوشش کرو۔''

''میرا مشورہ مانو تو اب یہاں سے اپنا بوریا بستر باندھنے کی فکر کرو۔'' انکا نے میرے بالوں کے بستر پر پاؤں پسار کر لیٹتے ہوئے جواب دیا۔ ''لندن میں تمہارا قیام زیادہ طویل نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں ہندوستان واپس چل کر اپنے اُن دشمنوں کی بھی خبر لینی ہے جو ہمیں غافل سمجھ کر گھیرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔''

انکا کو ٹالنے کی خاطر میں نے ہلکے ہلکے خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ وہ مجھے توجہ سے کچھ دیر دیکھتی رہی، پھر بالوں میں سر چھپا کر کسی معصوم بچے کی طرح اوندھ گئی۔ میں دن بھر کا تھکا ماندہ تھا، ماریا کے جوان جسم کا خمار بھی کم نہیں ہوا تھا اس لئے جلد ہی نیند کی آغوش میں ڈبکیاں لگانے لگا۔ انکا کا مشورہ غلط نہیں تھا۔ خود میں نے بھی طے کر رکھا تھا کہ کوئی خوبصورت سا بہانہ بنا کر جتنی جلدی ممکن ہوگا جین کے فارم ہاؤس کو خیر باد کہہ کر شہر کے کسی شاندار ہوٹل یا ہوسٹل میں منتقل ہو جاؤں گا۔ ہاتھ کی سرجری ہو جانے کے بعد میرے وجود کی بدنمائی دُور ہوگئی تھی۔ انکا کی موجودگی میں مجھے روپے پیسے کی کمی کا احساس بھی کبھی نہیں ہوا۔ پریتم لال کے آنے کے بعد میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ جین کو اپنے پیروں کی زنجیر نہیں بناؤں گا۔ لیکن یہ پروگرام بھی طے تھا کہ لندن سے واپسی سے قبل میں جین کو کسی مضبوط اور محفوظ ہاتھوں میں سونپنے کے بعد ہی کوچ کا ارادہ کروں گا۔

میں نیند کی وادیوں میں گم تھا جب مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرے سرہانے بیٹھا اپنی نازک اُنگلیاں آہستہ آہستہ میرے بالوں پر پھیر رہا ہو۔ شاید وہ جین تھی جو کسی خیال سے دوبارہ میری خوابگاہ میں آگئی تھی، مجھے سوتا دیکھ کر میرے سرہانے بیٹھ کر میرا سر سہلانے

لگی تھی۔ یہ بھی محبت کے اظہار کا ایک انداز ہوتا ہے۔ میں نے کوئی حرکت نہیں کی، آنکھیں بند کئے اسی کروٹ لیٹا رہا، پھر اچانک خوشبو کا ایک مانوس جھونکا میری قوت شامہ سے ٹکرایا تو میرے وجود میں کھلبلی مچ گئی...... میں نے پلکوں کے درمیان جھری پیدا کی، وہ میری کلدیپ ہی تھی...... میں اُس کے وجود کی مہک کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ کلدیپ کے قرب کو محسوس کر کے میرے ذہن پر نشہ سا طاری ہونے لگا، وہ کلدیپ نہیں بلکہ اُس کی بے چین رُوح تھی جو اپنے سراپا میں میرے سرہانے بیٹھی مجھ سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ اُس کی نرگسی آنکھوں میں وہی روایتی شوخی اور لبوں کے گداز پر سحر انگیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی، اُس کے انداز میں دلربائی تھی، اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور جسمانی مقناطیسی کشش کے باوجود وہ اپنے عارضی پیکر میں بھی بڑی پُروقار اور بردبار نظر آ رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں اسی طرح آنکھیں بند کئے لیٹا رہوں، کلدیپ والہانہ نظروں سے مجھے دیکھتی رہے، میرے سر پر ہاتھ پھیرتی رہے۔ لیکن کلدیپ مہان شکتی کی مالک تھی، اُسے پریتم لال نے اپنی کنیا کے لئے منتخب کیا تھا تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ وہ دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی قوت رکھتی تھی، اُس کے لئے فاصلوں کی کوئی قید نہیں تھی، اندھیرے اُس کے راستوں کی رُکاوٹ نہیں بن سکتے تھے، اُس نے میرے دل میں اُبھرنے والی خواہش کا راز بھی پالیا۔

''جمیل......'' اُس کے گداز ہونٹوں کو جنبش ہوئی تو میرے وجود میں مندر کی نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا، انکا میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ کلدیپ کو دیکھ کر شاید وہ خاموشی سے اُتر گئی تھی۔ میں کلدیپ کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُس کے ہونٹوں کی پنکھڑیوں کو دوبارہ جنبش ہوئی۔ ''میرے پاس سمے کم ہے۔ مہاراج پریتم لال نے تمہیں چندرا اور ہندوستان کے سر پھرے پنڈت پجاریوں کے بارے میں بتا دیا ہوگا، میں تم سے کیول اتنا کہنے آئی ہوں کہ اس بار جلد بازی میں فیصلے مت کرنا، سوچ وچار کے بعد ہی کوئی قدم اُٹھانا۔ تمہاری انکارانی تمہارے پاس ہے، وہ مہاراج کی طرف سے تمہارے لئے ایک انمول تحفہ ہے، امرلال کا جوان سپوت چندرا، وندھیاچل کی گپھاؤں میں آسن جمائے بیٹھا کالی کے نام پر جنتر منتر کر رہا ہے، بدری کے چیلے تمہارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ کل میں کیا ہونے والا

ہے۔"

"کلدیپ......" میں نے دل کی گہرائیوں سے اُسے یقین دلایا۔"میں اپنی جان کی بازی لگا کر بھی وہ کام ضرور پورے کروں گا جو تم ادھورے چھوڑ گئی ہو، لیکن پریتم لال نے کچھ باتیں اشاروں کنایوں میں بھی کی تھیں۔ مہاراج نے کہا تھا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہوں گا، جل کے اندر غوطہ نہیں لگا سکوں گا۔ مجھے بڑا کشٹ بھوگنا پڑے گا، میں ان باتوں کی گہرائی نہیں سمجھ سکا۔"

"نراش مت ہو۔" کلدیپ نے مجھے دلاسا دیا۔"تمہارے پاس انکا ہے، سیّد مجذوب کی کراماتی لاٹھی ہے، نندا کی دان کی ہوئی شکتیاں ہیں اور.... مہاراج کا آشیرواد بھی ہے۔"

"کیا تم میری مدد کو نہیں آؤ گی؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کیا تو کلدیپ کی غزالی آنکھیں بھی نمناک ہو گئیں۔

"چنتا مت کرو جمیل۔" اُس نے مسکرا کر میری ہمت افزائی کی۔"مہاراج کا سایہ تمہارے سر پر ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ تم اوش سپھل ہو گے لیکن...... یدھ اور پریم میں کچھ کٹھنائیاں تو جھیلنی پڑتی ہیں۔"

"جین کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے......؟" میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

"تمہاری انکارانی نے جو مشورہ دیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔" کلدیپ نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔"تمہیں یاد ہو گا جمیل۔ انکا جب کوشلیا کا خون پی کر آئی تھی اور تربینی کو پولیس گرفتار کر لے گئی تھی تو تم بہت پریشان تھے، اس وقت انکا نے پہلی بار دبی زبان میں تمہیں بتایا تھا کہ کسی نے اس سے کبھی وہ کام نہیں لیا جو دوسرے نہیں کر سکتے۔ اُس نے غلط نہیں کہا تھا، میں جانتی ہوں کہ انکا ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ ہاں جمیل، میری بات پر وشواس کرو۔ اُس کے ننھے وجود میں مخفی لازوال قوتیں ایسے کارنامے بھی انجام دے سکتی ہیں جو انسانی ذہن خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ وہ اپنی حدود میں رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتی ہے۔ بدری نرائن اور امرلال سے جنگ لڑتے وقت اگر تم نے انکا کا کہا مان لیا ہوتا تو شاید مجھے پریتم لال کا استھان نہ چھوڑنا پڑتا۔ تم منڈل سے باہر نہ نکلتے تو امرلال تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔"

"کلدیپ......" میں نے شرمندگی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"جو ہو چکا اُسے بھول جاؤ۔" کلدیپ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے محبوبانہ انداز میں کہا۔"دیوی دیوتاؤں کو جو منظور تھا وہ پورا ہو گیا۔ پرنتو اب دوبارہ ایسی بھول مت کرنا۔ انکا کے مقابلے میں تم نے زیادہ شکتیاں پراپت کر لی ہیں، مجھے خوشی ہے لیکن میری ایک بات گرہ سے باندھ لو...... انکا کی باتوں کو ہمیشہ دھیان سے سننا، سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا۔ وہ بڑی عظیم اور حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے، اگر چاہے تو پہاڑوں کو بھی دھول کی طرح اُڑا سکتی ہے۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی بھی سنبھال کر رکھنا۔ ہو سکتا ہے کبھی وہی تمہارا آخری سہارا ثابت ہو......"

پھر کلدیپ کا کومل وجود میری نظروں سے اوجھل ہو گیا، میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ میرا وہم نہیں حقیقت تھی۔ کلدیپ کے صندلی بدن کی مسحور کن خوشبو ابھی تک خوابگاہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے سر کی طرف دیکھا، انکا واپس نہیں آئی تھی۔ میں نے تھکے ہارے انداز میں دوبارہ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں، کلدیپ کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ میرے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ پھر کلدیپ کے حسین تصور سے کھیلتا کھیلتا کب میں نیند کی آغوش میں پہنچ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوا؟ مجھے اس کا کچھ ہوش نہیں رہا۔

دو روز سکون سے گزر گئے۔ جین نے میرے سمجھانے کے بعد بظاہر اپنی ماں سے دو ٹوک بات نہیں کی لیکن اُن کے درمیان سرد جنگ کا سلسلہ جاری رہا فارم ہاؤس کی فضا پر ایک کھنچاؤ کی کیفیت طاری تھی۔ جین کی ماں نے مجھ سے کوئی شکوہ یا شکایت نہیں کی لیکن اُس کی نظروں میں میری ذات بری طرح کھٹک رہی تھی۔ ماریا کی حالت سب سے مختلف تھی۔ جب بھی میرا اُس کا سامنا ہوتا، اُس کی نگاہوں میں ایک ہی سوال بار بار اُبھرتا۔

"دولت علی میں نے تمہیں مورگن کی واپسی کی بہت بھاری قیمت پیشگی ادا کی ہے۔ اگر تمہارا کہا غلط ثابت ہوا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

میں ماریا کے خاموش پیغام کو پڑھ کر اُسے نگاہوں نگاہوں میں جواب دیتا کہ میری پیشینگوئی غلط ثابت نہیں ہو گی۔ پھر تیسرے دن جب مورگن اچانک سامنے آ گیا تو ماریا اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔ تہذیب اور مصلحتوں کے تمام تقاضوں کو پھلانگ کر دوڑتی ہوئی دیوانہ وار مورگن سے لپٹ گئی۔ جین نے مجھے دیکھ کر صرف مسکرانے پر اکتفا کی لیکن اُس کی

بوڑھی ماں کی پیشانی پر ان گنت شکنیں اُبھر کر آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ بار بار مجھے وزدیدہ نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ اُس کے دل میں یقیناً بہت سارے خیال اُبھرے ہوں گے، وسوسے جاگ رہے ہوں گے۔ ماریا اور مورگن کا جذباتی ملاپ ختم ہوا تو سب سے پہلے جین کی ماں نے اُسے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم تین سال سے بھگوڑوں کی طرح کہاں منہ چھپائے پھر رہے تھے اور اب یہاں کیا لینے آئے ہو؟''

''میں ماریا کو اپنے ساتھ لے جانے کی خاطر آیا ہوں۔'' مورگن نے بڑے مہذب انداز میں صاف گوئی سے کہا۔ ''جو ہو چکا میں اس پر شرمندگی کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا۔''

''ماریا......'' خرانٹ بڑھیا نے ماریا کو قہر آلود نظروں سے گھورا۔ ''کیا تم ایسے شخص کے ساتھ دوبارہ نباہ کرنے کو تیار ہو جو شادی کے صرف سات ماہ بعد تم سے کچھ کہے سنے بغیر چوروں کی طرح روپوش ہوگیا تھا اور اب تین سال بعد مسکینوں جیسی صورت بنائے......''

''میڈم......'' ماریا نے دبی زبان میں احتجاج کیا۔ ''یہ میرا اور مورگن کا نجی معاملہ ہے۔ اس کے علاوہ میں مسٹر دولت علی سے وعدہ کرچکی ہوں کہ مورگن سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کروں گی۔''

''میں بھی تم دونوں کو یہی مشورہ دُوں گی کہ پرانی باتوں کو یکسر فراموش کر کے نئے سرے سے خوشگوار زندگی کی ابتدا کرو۔'' جین نے اپنی ماں کے دوسرے کسی سخت جملے کا انتظار کئے بغیر تیزی سے کہا، پھر مورگن سے بولی۔ ''مجھے خوشی ہے کہ ماریا کی بے لوث محبت تمہیں واپس کھینچ لائی۔ تم اگر ماریا کو لے جانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ اگر تم یہیں ماریا کے ساتھ رہو تو زیادہ مناسب ہوگا۔ میں فیصلہ تمہارے اُوپر چھوڑتی ہوں۔'' پھر جین نے مورگن کو جیکب کی جگہ دینے کی پیشکش کی جسے مورگن نے خوشی خوشی منظور کرلیا۔ ماریا کا معصوم چہرہ تازہ گلاب کی طرح کھل اُٹھا۔ وہ مورگن کو والہانہ نظروں سے دیکھنے لگی، جین کی ماں کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ اُس نے خلاف توقع بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ محض وہیل چیئر پر بل کھا کر رہ گئی۔

میں نے مورگن کو غور سے دیکھا، وہ تیس سال کا خوبرو اور گبرو جوان تھا۔ اُس کی بڑی

بڑی آنکھوں میں اعتماد جھلک رہا تھا۔ اُس کے قویٰ خاصے مضبوط تھے۔ اُس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ مضبوط قوتِ ارادی کا مالک بھی ہے۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری پیشکش رد نہیں کی۔'' جین نے ماریا کی خوشی محسوس کرتے ہوئے مورگن سے کہا۔ ''تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ماریا تمہارا ہاتھ بٹاتی رہے گی اور تمہیں وہ سارے کام سمجھا دے گی جو جیکب سرانجام دیا کرتا تھا۔''

''تم نے سنا جمیل۔ تمہاری جین کیا کہہ رہی ہے؟'' انکا نے شوخی کا مظاہرہ کیا۔ ''گویا اب مورگن پر سر منڈواتے ہی اولے پڑنے والی مثال صادق آنے والی ہے۔ بیچارے کو ایک وقت میں دو کشتیوں پر سواری کرنی پڑے گی۔''

''تمہیں اگر ماریا کی حق تلفی کا خیال ہے تو فکر مت کرو، اُس کا خسارہ میں پورا کرتا رہوں گا۔'' میں نے بائیں آنکھ جھپکا کر سرہراتے لہجے میں کہا۔

انکا نے ایک لمحے کے لئے مجھے بڑی رقیبانہ نظروں سے گھورا، پھر یکلخت سنجیدگی سے بولی۔ ''جمیل۔ اب ہمیں اس فارم ہاؤس سے جلدی نکلنے کی کوشش کرنی ہوگی۔''

''کیوں......؟'' میں چونکا۔ ''کیا تم کوئی خطرہ محسوس کر رہی ہو......؟''

''بات خطرے کی نہیں، تمہاری جین کے مستقبل کی ہے۔'' انکا نے دُور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا۔ ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ مورگن کے آجانے کے بعد جین کے دل میں تمہاری محبت کا رنگ اور گہرا ہونے لگے گا۔ میں نے جین کے مسئلے کا ایک حل تلاش کرلیا ہے لیکن اس کے لئے ہمیں پہلی فرصت میں کہیں اور منتقل ہونا پڑے گا۔''

''تمہارے خیال میں جین مجھے آسانی سے جانے کی اجازت دیدے گی؟'' میں نے قدرے ملول لہجے میں سوال کیا۔ جین جن حالات میں مجھے اپنے سینے سے لگا کر موت کے چنگل سے نکال لائی تھی، وہ میری زندگی پر ایک احسان تھا، میں اُسے زندگی کا ہمسفر بنا کر کلدیپ کی رُوح کو بے چین کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے پریتم لال کے کہنے کے مطابق زندگی اور موت کے بہت سارے مرحلوں سے گزرنا تھا۔ میں جتنی جلدی جین کی زندگی سے دُور نکل جاتا اتنا ہی بہتر ہوتا۔ مگر میں اچانک نظریں پھیر کر احسان فراموشی کا مظاہرہ کرنے سے بھی قاصر تھا۔

''مجھ پر بھروسہ رکھو جمیل۔'' انکا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''میں تمہارے دل کی کیفیت

سمجھ رہی ہوں۔ جین کے دل کو دھچکا لگا تو مجھے بھی صدمہ ہوگا۔ تمہاری زندگی بچا کر جین نے تمہاری انکا پر بھی احسان کیا ہے۔ میں ایسے حالات پیدا کردُوں گی کہ جین خوشی خوشی تمہیں جانے کی اجازت دیدے گی...... سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

میں نے انکا کی بات سن کر خاموشی اختیار کرلی۔ کلدیپ کی رُوح نے بھی خواب میں آ کر یہی تلقین کی تھی کہ میں انکا کی باتوں کو دھیان سے سنوں، اُس کی کسی بات سے رُوگردانی نہ کروں۔

مورگن کے آجانے سے ماریا کی زندگی میں گویا بہار آ گئی۔ میں اُس کے جذبات میں نئی نئی کونپلیں پھوٹتی دیکھ رہا تھا۔ پہلے اپنے کام سے کام رکھنے اور سنجیدہ سنجیدہ سی نظروں والی وہ حسینہ اب مست ہرنیوں کی طرح قلانچیں بھرنے لگی تھی۔ جب بھی میری اُس کی نظروں کا تصادم ہوتا اُس کی غزالی نظروں میں احساسِ ممنونیت موجیں مارنے لگتا۔ پھر اُس روز جب ہم لوگ جم اور سارا کے ساتھ پکنک پر جا رہے تھے، حسن اتفاق سے مجھے اُس سے تنہائی میں ملنے کا موقع میسر آ گیا۔ ضروری سامان گاڑیوں میں بار کرنے کے بعد ہم لوگ بھی بیٹھ چکے تھے جب جین کو احساس ہوا کہ وہ اپنا مووی کیمرہ بھول گئی ہے، میں کیمرہ لینے کی خاطر اُس کی خوابگاہ میں گیا، ماریا کمرے میں سامان سلیقے سے رکھنے میں مصروف تھی، میں پنجوں کے بل چلتا اُس کی پشت پر پہنچ گیا۔ وہ قدموں کی آہٹ پا کر پلٹی، مجھے دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں مغرب کی پروردہ حسیناؤں کی عادات و اطوار سے خاصی واقفیت رکھتا تھا۔ ایک بار جس کے سامنے ان کا حجاب ٹوٹ جائے پھر وہ دوبارہ ہچکچانے کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔ ماریا ہر چند کہ قدرے مختلف تھی لیکن اُس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ میں جلدی میں تھا اس لئے اُس کے گداز ہونٹوں سے صرف حسن کا خراج وصول کیا اور مووی کیمرہ اُٹھا کر باہر آ گیا۔

پکنک میں جو لوگ شریک تھے اُن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ زیادہ تر چہرے جانے پہچانے تھے، جو اجنبی تھے اُن سے بھی ہائے، ہیلو کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ سارا اور جین میرے ساتھ ساتھ تھیں۔ جم اپنے ایک دوست ولیم لیونارڈو کے ساتھ گپ شپ لگانے میں مصروف تھا۔ باقی افراد بھی دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بٹے موسم اور ماحول کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سارا اور جین بار بار مجھ سے جادوگری کا کمال دکھانے کی

فرمائش کر رہی تھیں۔ جین کی بوڑھی ماں اپنی وہیل چیئر پر لدی پھندی قریب ہی موجود تھی۔ اُس نے کئی بار مجھے ایسی گہری نظروں سے دیکھا تھا کہ میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ تفریح کے دوران اگر کوئی ناخوشگوار بات انسان کی مرضی کے خلاف ہو جائے تو اُسے اپنا موڈ ٹھیک کرنے میں خاصا وقت لگتا ہے۔ میں بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا، دوسری طرف سارا اور جین کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔

"جمیل......" انکا نے مجھے تذبذب کی حالت سے دوچار دیکھ کر اپنے نوکیلے پنجوں سے ٹہوکا دیا۔ "تم دو منٹ کے لئے آنکھیں بند کر لو۔ میں جو تماشہ دکھاؤں گی اسے دیکھ کر تمہارے پیٹ میں بھی بل پڑ جائیں گے۔"

"کوئی ایسی شرارت نہ کرنا کہ سارا اور جم کی موجودگی میں مجھے شرمندہ ہونا پڑے......"

"فکر مت کرو۔" انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں جو کچھ کرنے جا رہی ہوں ہو سکتا ہے اس میں تمہاری جین کا مستقبل بھی شامل ہو......"

"کیا مطلب......؟"

"میرا کہا مان لو جمیل۔ آنکھیں بند کر کے ظاہر کرو کہ تم کسی مشاق جادوگر کی طرح اپنے قبضے میں موجود ارواح کو آواز دے رہے ہو۔ وہی سماں باندھو جو سلیمان بے کو نیچا دکھانے کے لئے اپنایا تھا، باقی کام میرا ہوگا۔"

میں نے انکا کے اصرار پر آلتی پالتی مار کر آنکھیں بند کر لیں، چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے اس طرح ہونٹوں کو جنبش دینے لگا جیسے کوئی عمل پڑھ رہا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت متعدد نگاہیں میری حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی ہوں گی۔ میں بڑی دیر تک اسی پوزیشن میں بیٹھا بدبداتا رہا۔ پھر جب میرے کانوں میں سارا اور جین کے علاوہ ملے جلے قہقہوں کی آوازیں گونجنے لگیں تو میں سمجھ گیا کہ انکا نے اپنی پراسرار حیرت انگیز قوتوں سے پکنک پر آنے والوں کے لئے کوئی نیا شگوفہ چھوڑا ہوگا۔ کھنکتے نقرئی قہقہوں کی آوازیں ہر لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں جب میری قوت سماعت میں جین کی بوڑھی ماں کی گھٹی گھٹی چیخ بھی گونجی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں، نظریں اُٹھا کر دیکھا تو مجھے بھی اپنی ہنسی پر قابو پانا دُشوار ہو گیا۔ جین کی بوڑھی ماں زمین سے تقریباً دس فٹ اُوپر فضا میں اس طرح معلق نظر آ رہی تھی کہ اُس کے اور وہیل چیئر کے درمیان دو فٹ کا فاصلہ بھی تھا۔ وہ خوفزدہ انداز میں چیخ رہی

تھی اور بار بار نظریں جھکا کر پھٹی پھٹی نظروں سے اپنی وہیل چیئر کو دیکھ رہی تھی۔ پکنک پر آنے والے افراد رفتہ رفتہ اس حیرت انگیز منظر کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔ اُن کے چہروں پر گہری سنجیدگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات مسلط تھے۔

''یور آر گریٹ دولت علی۔'' جین بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگی۔ ''یہ خوشگوار لمحے ہماری زندگی میں ہمیشہ ایک یادگار حیثیت سے محفوظ رہیں گے۔''

میں آہستہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جم اور ولیم لیونارڈو بھی اُٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ سارا اور جین پہلے ہی میرے قریب موجود تھیں۔

''اب میں آپ حضرات کو دو مختلف سمت میں حرکت کرنے والے دائروں کا حیرت انگیز کمال دکھاؤں گا۔'' میں نے پیشہ ور کھیل تماشہ کرنے والے بازیگروں کا انداز اختیار کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ''میری درخواست ہے کہ کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے، نہ منہ سے کسی قسم کی آواز نکالے۔''

مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ سب کی نظریں جین کی ماں پر تھیں جو چیختے چیختے بے حال ہو رہی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ بلند کر کے یونہی اُلٹے سیدھے دائروں کی شکل میں ہلانا شروع کیا۔ ہجوم انگشت بدنداں رہ گیا، انہیں سانپ سونگھ گیا خون ان کی شریانوں میں منجمد ہو گیا۔ وہ بے جان بت کی مانند اپنی اپنی جگہ ایستادہ وہیل چیئر اور جین کی ماں کو مختلف سمتوں میں گردش کرتا دیکھتے رہے۔ خرانٹ بڑھیا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اُس نے اچانک چیخنا بند کر دیا۔ شاید دہشت کی وجہ سے اُس کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سکتے کی کیفیت سے دوچار ہو گئی ہو۔ میں بدستور بلا مقصد ہاتھ کو حرکت دیتا رہا۔ وہیل چیئر اور جین کی ماں دونوں مخالف سمتوں میں دائرے کی شکل میں حرکت کرتی رہیں۔ پھر دونوں دائرے گردش مکمل کرنے کے بعد ایک دوسرے کے نیچے اُوپر آ کر رُک گئے۔ میں نے ہاتھ کو آہستہ آہستہ نیچے کی جانب جھکایا تو جین کی ماں بھی حرکت کرتی ہوئی نیچے اُتر کر وہیل چیئر پر ٹِک گئی۔ پھر جب وہیل چیئر لفٹ جیسے انداز میں حرکت کرتی ہوئی سبزے پر آ کر رُکی تو پورا علاقہ تالیوں کی آواز سے گونجنے لگا۔ جین خوشی سے بے حال ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ پکنک پر موجود دوسرے افراد بھی میرے گرد حلقہ تنگ کرنے لگے۔ بے شمار کیمروں کی فلش گنیں جاگ اُٹھیں۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ میں ایک بار پہلے بھی لندن کے

اخبارات کی شہ سرخیوں میں جگہ پا چکا تھا، میرے سلسلے میں بڑے بڑے اداریے لکھے گئے، مجھے راتوں رات وہ شہرت ملی کہ میرا آزادی سے گھومنا پھرنا محال ہو گیا۔ میں جہاں جاتا پہچان لیا جاتا۔ لوگ مجھ سے مشرق کے جادوگروں کے بارے میں دریافت کرتے، مغرب کے لوگ ہندوستان سے زیادہ توہم پرست ہوتے ہیں۔ میں اُن سے پیچھا چھڑانے کی خاطر اُلٹی سیدھی حیرت انگیز اور ناقابل یقین کہانیاں سنا کر پیچھا چھڑاتا۔ اس بار میں کسی شہرت سے بچنا چاہتا تھا۔ میں نے انکا کو یاد کیا۔ وہ شوخ ادا ڈیڑھ بالشت کی کافر ادا حسینہ ہنستی مسکراتی، اِٹھلاتی، بل کھاتی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی رگ رگ سے شوخی پھوٹ رہی تھی۔

''یہ سب کچھ اچھا نہیں ہوا انکا رانی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اگر ان شعبدہ بازیوں میں گھر گیا تو میری واپسی میں پھر دُشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تم جانتی ہو کہ مجھے کلدیپ کے ادھورے کام نمٹانے ہیں، اور بھی بہت کچھ کرنا ہے۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا؟'' انکا نے الہ دین کے جادوئی چراغ کے جن کے انداز میں کورنش بجالاتے ہوئے دریافت کیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اخبارات میں میری تصویریں نہ شائع ہوں۔''

''تم اس بات کا اعلان کر دو۔'' انکا نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''وہی ہو گا جو تم چاہو گے۔''

''میرے عزیز دوستو......'' میں نے بلند آواز میں مجمع کو مخاطب کیا۔ ''میں نے اس وقت کسی کی فرمائش پر جو مظاہرہ کیا وہ میرے کمالِ فن کا ایک ادنیٰ اور حقیر نمونہ تھا۔ میں عنقریب کسی بڑے کلب یا ہوٹل میں باقاعدہ اپنے کمالات کا حیرت انگیز مظاہرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ آپ نے اس وقت جو تصاویر کھینچی ہیں انہیں ضائع کر دیں۔ ورنہ قبل از وقت اگر میری تشہیر غلط انداز میں ہوئی تو میرا آئندہ کا پروگرام بُری طرح متاثر ہو سکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری درخواست کو رد نہیں کریں گے....شکریہ۔''

میں نے اعلان ختم کیا تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ پھر جو کچھ ہوا وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ مجمع میں موجود افراد نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے کیمرے کھول کر نیگٹوز (NEGATIVES) ضائع کرنے شروع کر دیئے۔ انکا اپنا کام مکمل کر کے دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا مسٹر دولت علی؟" ولیم لیونارڈو نے جو مجھ سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا، دبی زبان میں کہا۔ "یہاں تو شہرت اور پبلسٹی کی خاطر لوگ لاکھوں خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ نے مفت میں ہاتھ آیا ایک سنہری موقع ضائع کر دیا۔"

"میرا خیال ہے کہ جو لوگ شہرت کی بنیاد پر نام کماتے ہیں ان میں خود اعتمادی کا فقدان پایا جاتا ہے۔"

میرے فلسفیانہ جواب نے ولیم لیونارڈو کو لا جواب کر دیا۔ جین نے جو بڑی بے تکلفی سے میری کمر میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھی اچانک نظریں گھما کر اُس جانب دیکھا جہاں کچھ افراد اُس کی ماں کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ جین کے ساتھ ساتھ میں بھی اُس طرف لپکا۔ لوگوں کو ہٹاتا ہوا میں آگے پہنچا تو جین کی ماں کی حالت قابل تشویش نظر آئی۔ وہ اپنی وہیل چیئر پر اس طرح ایک طرف ڈھلکی نظر آ رہی تھی جیسے رُوح اس قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہو، جین دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی۔

"گھبراؤ مت جمیل۔" انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ "یہ صرف بے ہوش ہوئی ہے، اسے جلدی ہی ہوش آ جائے گا۔"

ولیم، سارا اور جم بھی ہمارے قریب آ گئے۔ جین نے ماں کی حالت دیکھ کر سسکنا شروع کر دیا۔ میں اُسے تسلی دینے لگا۔

"ہمیں فوراً کسی قریبی ہسپتال چلنا چاہئے۔" ولیم نے جذباتی لہجے میں کہا پھر اُس نے تیزی سے آگے بڑھ کر جین کی ماں کو وہیل چیئر سے اُٹھا کر اپنے شانوں پر ڈالا اور گاڑی کی سمت دوڑنے لگا۔ میں نے پہلی بار ولیم لیونارڈو کو تفصیلی نظروں سے دیکھا، وہ ایک صحت مند خوبرو نوجوان تھا۔ اُس کے چہرے پر جھلکنے والی خود اعتمادی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ اپنے اندر ہر قسم کے نامساعد حالات سے نمٹنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں نظر آنے والی چمک بتاتی تھی کہ اُس کے اندر آگے بڑھنے اور اپنی منزل پا لینے کا وہ یقین موجود تھا جو انسان کو دوسروں سے سرفراز رکھتا ہے، مجموعی طور پر وہ ایک باہمت اور پُر اعتماد شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔

ہسپتال پہنچنے کے بیس منٹ بعد جین کی ماں کو ہوش آ گیا لیکن وہ ابھی تک حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس طرح ایک ایک کو دیکھ رہی تھی جیسے اُسے اپنے زندہ بچ جانے کا یقین

نہیں آ رہا تھا۔ سارا اور جم ہسپتال سے واپس چلے گئے، ولیم ہمارے ساتھ فارم ہاؤس تک آیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جین اُس کی شخصیت سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھی۔ جین کے علاوہ میں بھی اُس نوجوان کے پُرخلوص جذبے سے متاثر ہوا۔ لندن اور امریکہ کی مصروف زندگی میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ رفاحی یا امدادی کاموں میں زیادہ حصہ لے سکے۔ ان کاموں کے لئے علیحدہ ادارے ہوتے ہیں جہاں کل وقتی طور پر ملازم کارندے خدمات انجام دیتے ہیں۔

"تم اب کیسا محسوس کر رہی ہو مام......؟" جین نے بڑے پیار سے ماں کی خیریت دریافت کی جو ہسپتال سے واپسی کے بعد اپنی خوابگاہ میں بستر پر لیٹی چھت کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ ابھی تک خود کو ہوا میں معلق محسوس کر رہی ہو۔

ولیم، جین کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ ماریا اور مورگن بھی ایک طرف کھڑے فکر مند نظر آ رہے تھے۔ میں بستر کی دوسری جانب تھا، انکا میرے سر پر پشت پر ہاتھ باندھے اس طرح ٹہل رہی تھی جیسے کوئی گتھی سلجھانے پر غور کر رہی ہو۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں زندہ بچ گئی ورنہ......" جین کی ماں نے لمبا سانس لے کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر گردن گھما کر میری سمت دیکھتے ہوئے نحیف آواز میں بولی۔ "دولت علی۔ تم نے جو حیرت انگیز کمال دکھایا وہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر قبل از وقت مجھے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتے تو شاید میری یہ حالت نہ ہوتی۔"

"میں شرمندہ ہوں۔" میں نے اعتراف کیا۔ "مجھے آپ کے علم میں لائے بغیر ایسا کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کو اس وقت سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔" ولیم نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ "مجھے یقین ہے کہ ایک دو گھنٹے پُرسکون نیند سو لینے کے بعد آپ خود کو پہلے سے بہت بہتر محسوس کریں گی۔"

ولیم کی تجویز معقول تھی۔ جین نے ماں کو ایک مفرّح مشروب قلب پلایا، پھر ہم سب باہر آ گئے۔ ولیم نے جانے کی اجازت طلب کی تو جین نے اُسے روک لیا۔ ولیم کی خاطر مدارات کئے بغیر صرف شکریے پر ٹرخا دینا یقیناً بداخلاقی ہوتی۔ جین ماریا کے ساتھ کچن کی سمت چلی گئی، مورگن باہر جا چکا تھا۔ میں ولیم کے ساتھ لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا۔ انکا نے ٹہلنا

بند کر کے ولیم کو سنجیدگی سے گھورنا شروع کر دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آ رہی تھی۔

"مسٹر دولت علی۔" میں اسے اپنی خوشی سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے بڑے فنکار سے ملاقات ہوگئی۔" ولیم نے انکساری سے کام لیا۔ "آج کا دن میری زندگی میں ایک یادگار بن کر ہمیشہ آپ کی یاد دلاتا رہے گا، مجھے آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ جم اور سارا اکثر آپ کے ناقابل یقین کارناموں کا ذکر کیا کرتے تھے، خاص طور پر جم نے متعدد بار اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آپ نے ایک ناممکن کام کو ممکن بنا کر اس کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ میرے اصرار کے باوجود اس نے کسی بات کی وضاحت نہیں کی، کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ وہ کون سا ناممکن کام تھا جسے آپ نے بقول جم چٹکی بجاتے سر انجام دے دیا تھا؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی خواہش کا احترام کرنے سے قاصر ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "وہ ایک حساس نوعیت کا ایسا اہم راز ہے جس کی تشہیر دو حکومتوں کے سفارتی تعلقات کے درمیان دراڑیں بھی پیدا کر سکتی ہے۔"

"شاید اسی لئے جم نے بھی اس سلسلے میں کبھی زبان نہیں کھولی۔"

کچھ دیر بعد جین بھی ہمارے ساتھ شریک ہوگئی۔ ماریا کے ساتھ مل کر اُس نے ولیم کی تواضع کی خاطر خاصا اہتمام کر ڈالا تھا، ماریا بڑی نفاست سے میزبانی کی خدمات انجام دینے لگی۔ مورگن کی واپسی کو ابھی صرف تین دن گزرے تھے لیکن اس مختصر عرصے میں بھی ماریا کے حسن، اُس کے رکھ رکھاؤ اور صحت پر بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے تھے۔ مجھے اُس کے وجود میں زندگی کی ایک نئی لہر دکھائی دے رہی تھی۔

"جمیل......" انکا نے جین اور ولیم کو مصروفِ گفتگو پا کر بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "ولیم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"پہاڑ اور گلہری کا جوڑ ممکن نہیں ہے انکارانی۔" میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر افسوس کا انداز اختیار کیا۔ "ولیم کا خیال دل سے نکال دو۔"

"اگر میں جین کی محبت کا رُخ ولیم کی طرف پھیر دوں تو کیسا رہے گا؟" انکا نے میرے لطیف مزاح کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے اتنی جلدی میں یہ پلان کیوں کر مرتب کر لیا......؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"میں نے ولیم کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی ہیں۔" انکا نے ولیم کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "ولیم کا باپ لیونارڈو ایک کروڑ پتی شخص تھا۔ اُس نے یہ دولت بڑی محنت اور مشقت سے کمائی تھی، بڑا آدمی بننے سے پہلے وہ ایک معمولی موٹر مکینک تھا لیکن اُس کی ایک حیرت انگیز ایجاد نے راتوں رات اُسے کروڑ پتی بنا دیا۔ مگر افسوس کہ جس عورت کی کمپنی میں وہ ملازم تھا اُس نے نہ صرف لیونارڈو کی اُس ایجاد کو اپنے نام سے منسوب کرا لیا بلکہ اُس کی زبان بند رکھنے کی خاطر اُس کے ساتھ شادی کا ڈھونگ رچانے میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ لیونارڈو اس مکار عورت کے فریب کو نہ سمجھ سکا۔ وہ بنیادی طور پر ایک سیدھا سادھا شریف، محنتی اور ایماندار شخص تھا، بڑی آسانی سے اُس بیوہ کے جھانسے میں آگیا جو پہلے ہی اپنے مرحوم شوہر کی جمع جائیداد پر قبضہ جمائے بیٹھی تھی۔ مارٹینا نہایت چالباز اور جہاندیدہ عورت تھی اُس نے ایسا چکر چلایا کہ لیونارڈو نے اُس بدکار عورت کو اپنی خوش نصیبی سمجھ کر قبول کر لیا۔ اُس غریب کو اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوا جب موت اور اُس کی زندگی کے درمیان چند لمحوں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔"

"کیا مطلب......؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"اُس دغاباز عورت نے لیونارڈو کے گرد اپنے حسن اور جوانی کا ایسا حسین اور مضبوط جال بُنا کہ وہ اُس کی تھاہ بھی نہ پا سکا۔" انکا نے بات جاری رکھی۔ "مارٹینا نے لیونارڈو سے اپنی محبت اور شادی کی خواہش کا اظہار کرنے سے پہلے ہی ایک اچھی خاصی بڑی رقم اُس کے نام سے بینک میں جمع کرا دی۔ لیونارڈو کی نظروں کے سامنے شاندار مستقبل تھا۔ زندگی سنوارنے اور بڑا آدمی بننے کی خواہش کسی بھی شخص کو دیوانہ کر سکتی ہے۔ لیونارڈو کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ مارٹینا کھیلی کودی، تجربہ کار عورت تھی۔ اُس نے شادی کرنے کی غرض سے شہر سے دُور عارضی طور پر ایک شاندار رہائشگاہ کرائے پر حاصل کر لی۔ شادی کے بعد اُس نے لیونارڈو کو مصروف رکھنے کی خاطر اُسے زندگی کی بیش قدر آسائشیں اسی عمارت میں فراہم کر دیں جہاں کئی ضرورت مند، خوبرو اور جوان ملازمائیں بھی اُس کا دل بہلانے کو موجود تھیں۔ لیونارڈو شراب اور شباب کے دلدل میں پھنسا آنے والے خوشگوار مستقبل کے خوابوں میں گم رہا۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد مارٹینا نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا جسے لیونارڈو کی ذات سے منسوب کیا گیا۔

"کیا ولیم مارٹینا اور لیونارڈو کی محبت کا نتیجہ نہیں تھا......؟" میں چونکا۔

"مغربی تہذیب میں پچاس فیصد بچوں کو اُن کی ماں کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔" انکا نے حقارت سے کہا۔ "شاید مارٹینا بھی مکمل یقین اور اعتماد کے ساتھ نہیں بتا سکتی کہ ولیم کس کا نطفہ ہے۔"

"لیونارڈو کا کیا بنا......؟" میں نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

"بڑی طویل داستان ہے جمیل صاحب۔" انکا نے سرد آہ بھری۔ "ولیم کی پیدائش کے چار سال بعد غریب لیونارڈو کثرت شراب نوشی کی وجہ سے ایک رات اپنی خوابگاہ میں مُردہ پایا گیا۔ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اُسے سلو پوائزننگ (SLOW POISONING) کے ذریعے راستے سے ہٹایا گیا تھا۔ مرنے سے پیشتر مارٹینا، لیونارڈو سے ایک دو سادہ چیکوں پر دستخط کرا کے بینک میں اُس کے نام پر جمع رقم کا بیشتر حصہ وقتاً فوقتاً کیش کرا کے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا چکی تھی۔ موت کے بعد لیونارڈو کے نام پر محض دو ہزار ڈالر بینک کے کھاتے میں پائے گئے۔ اس کے بعد ولیم کو زیادہ دنوں مارٹینا کی آغوش کی گرمی نصیب نہیں ہوئی، اُس کی پرورش ایک گورنس کے ذمہ کر دی گئی۔ پانچ سال تک وہ فریبی عورت کسی نہ کسی طرح اُس کے وجود کو اپنی چھت کے نیچے برداشت کرتی رہی پھر ولیم کو دُور دراز کے ایک تعلیمی ادارے کے ہوسٹل میں داخل کرا دیا۔ نو دس سال تک ولیم اسی ہوسٹل سے وابستہ رہا۔ پھر اس نے عملی زندگی میں قدم رکھا۔" انکا نے سانس لیتے ہوئے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "ہوسٹل سے فارغ ہونے کے بعد وہ مارٹینا کے ساتھ بمشکل دو ماہ گزار سکا پھر اُس کی سرد مہری اور بے اعتنائی سے دلبرداشتہ ہو کر علیحدگی اختیار کر لی۔ اب یہ ایک انشورنس کمپنی میں ملازم ہے، اس کا کردار بے داغ ہے، محنتی اور ایماندار بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جین کے لیے ولیم ایک بہترین انتخاب ثابت ہوگا......"

"کیا جین آسانی سے میری محبت سے دستبردار ہو جائے گی؟" میں نے ولیم کی زندگی کے تمام نشیب و فراز کی تفصیل جاننے کے بعد سوال کیا۔

"جم اور جین کی محبت کو بار بار کیوں فراموش کر دیتے ہو؟" انکا نے چہکتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میں ایک بار تمہاری خاطر جین اور جم کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کر کے جم اور سارا کے ستارے ملا سکتی ہوں تو دوسری بار بھی تمہاری مجبوریوں کے پیش نظر جین اور ولیم

کو بھی شیریں فرہاد کے سانچے میں ڈھال سکتی ہوں۔"

"میں بھول گیا تھا انکارانی کہ تم ہر مرض کا علاج ہو۔" میں نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس بات کا خیال بھی رکھنا کہ جین کی ماں کے دماغ میں لڑکے کا انتخاب کرتے وقت اسٹیٹس کا کیڑا ضرور کلبلائے گا۔"

"تم سب کچھ میرے اُوپر چھوڑ دو......" اُس نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ "خاموشی سے دیکھتے رہو کہ تمہاری انکارانی اب کیا کیا گل کھلاتی ہے......"

میں نے کوئی مزید بات نہیں کی۔ میں انکا کی ذات سے بخوبی واقف تھا، میرا اُس کا برسوں کا ساتھ تھا، میں جانتا تھا کہ وہ جو کہتی ہے اسے کر گزرنے کی طاقت بھی رکھتی ہے۔

کچھ دیر بعد ولیم جانے کے ارادے سے اُٹھا تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ جین، ولیم کو رخصت کرنے کی خاطر دروازے تک گئی۔ ماریا برتن سمیٹ کر کچن کی سمت جا رہی تھی میں اُس کے سراپا کو دیکھنے لگا۔ پھر میری نظر دروازے کی سمت اُٹھی تو میرے اندر رقابت کا جذبہ بھڑک اُٹھا۔ بیرونی دروازے کے قریب جین بڑے والہانہ انداز میں ولیم کی بانہوں میں سمٹی نظر آئی۔ ولیم اُس کے ہونٹوں کا رس کشید کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا اس وقت جین کے سر پر موجود ہوگی۔ میں نے جلدی سے نظریں پھیر لیں۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو رہی تھی جب جین نے میرے قریب آ کر بڑی معصومیت سے مخاطب کیا۔

"کہاں گم ہو دولت علی......؟" اُس کے چہرے کے بھولپن سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ابھی تک انکا کے زیر اثر تھی۔

"میں تمہاری ماں کے بارے میں غور کر رہا تھا۔" میں نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ "مجھے شاید اُن کے ساتھ......"

"جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔" وہ میرے پہلو میں بیٹھ گئی۔ پھر پکنک کے دوران ہونے والی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مزے لے کر دہرانے لگی۔ میں اُس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ کاش میں جین کو بتا سکتا کہ اُسے ولیم کی بانہوں میں مچلتا دیکھ کر میرے دل پر کیا قیامت گزر گئی تھی۔ انکا نے بھی کانٹا بدلنے میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

وہ رات میں نے کانٹوں کے بستر پر کروٹیں بدل بدل کر گزاری۔ انکا نے ولیم اور جین کے ستارے ملا کر مجھے حالات سے رہائی دلانے کی کوشش کی تھی لیکن جین کو کسی دوسرے کی

بانہوں میں دیکھنا مجھے گوارا نہیں تھا۔ میں اُس کے حسن کا دیوانہ تھا، اُس کی خاطر پچھلی بار میں نے لندن میں اپنے قیام کو طول دیا، جم یا اُس کے مشن کی کامیابی یا ناکامی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جین، جم کی دیوانی تھی۔ میں نے کسی سپیرے کی طرح اُسے پنی بین کی دُھن پر جھومنے کا عادی بنانے میں بڑی صبر آزما گھڑیاں گزاری تھیں۔ انکا کے ذریعے میں ایک پل میں اُس کی جوانی کی سرکش اداؤں کو تاراج کر سکتا تھا۔ انکا کو ایک اشارہ بہت ہوتا.....
جین خوشی خوشی میری بانہوں میں سمٹنے کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتی۔ سب کچھ ممکن تھا، ہر بات میرے اختیار میں تھی۔ لیکن جین دوسری لڑکیوں سے مختلف تھی۔ میں اُسے کھلونے کی طرح استعمال کر کے توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپنی تشنگی بجھانے کی خاطر اُس کی رضامندی کا طویل انتظار کیا...... مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی، انکا نے جم کو درمیان سے ہٹا دیا۔ میدان میرے لئے صاف ہو گیا۔ پھر حالات نے جین کو مجھ سے دُور کر دیا، مجھے بڑی عجلت میں لندن کو خیر باد کہنا پڑا۔ وقت گزرتا گیا، میں شاید جین کو بھول گیا تھا؟ نہیں، وہ میرے دل کے نہاں خانوں میں دبکی بیٹھی کسی مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ حالات نے اُسے وہ موقع فراہم کر دیا۔ کلدیپ کی جوان موت نے میری کمر توڑ دی، محرومیوں کا شکار کر دیا۔ پھر عین اُس وقت جب میں موت اور زندگی کے دوراہے پر کھڑا تھا جین نے اچانک سامنے آ کر حیران کر دیا۔ اُس کی لگن سچی تھی، اُس نے مجھے بدترین حالات میں اپنی مہکتی بانہوں کا سہارا دیا، میں ششدر رہ گیا۔

عجیب مذاق تھا، جب میں نے چاہا جین کی آمادگی بھی شرط ہو تو اُس نے مہلت طلب کر لی۔ اب وہ گلے گلے آمادہ تھی تو پریتم لال نے کلدیپ کی آتما کے بے چین ہو جانے کا احساس دلا کر میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ میرے ماضی کی داستان مختلف ذات پات کی خوبرو لڑکیوں کے ساتھ گزرے ہوئے رنگین لمحوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک سے ایک سرکش حسینائیں میری خواہشات کی دہلیز پر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو چکی تھیں۔ میں بے دھڑک اُن کے حسن، اُن کے غرور کو پیروں تلے روندتا، اُن کے جسم کے گاڑھے اور تازہ خون سے انکارانی کے وجود کو سیراب کرتا پھر آگے بڑھ جاتا۔ میرے اُوپر کوئی روک ٹوک، کوئی بندش نہیں تھی......

پریتم لال نے بھی مجھے موج میلہ کرنے سے منع نہیں کیا تھا، میں جین کے جوان مہکتے

وجود سے بھی اپنی پیاس بجھا سکتا تھا لیکن میں اُس کے ذہن میں تعمیر محبت اور عقیدت کے تاج محل نہیں ڈھانا چاہتا تھا...... وہ میری نظروں کے سامنے کسی دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر بوس و کنار کرے یہ بھی میری برداشت سے باہر تھا۔ انکا پہلے ہی دبی زبان میں اس خطرے کا اعلان کر چکی تھی کہ آگ اور پٹرول کا ساتھ مناسب نہیں ہے۔ میں تکمیل آرزو میں مصلحتوں سے کام لیتا رہا، میں نے دیر کر دی، وقت میرے ہاتھوں سے پھسل گیا....!

رات میری آنکھ دیر سے لگی۔ دوسرے دن اتوار تھا لیکن میری نیند پوری نہیں ہو سکی۔ کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا، میں ہڑبڑا کر اُٹھا۔ جین شب خوابی کے باریک لباس میں میرے سامنے موجود تھی۔ اُس کا سیمیں بدن جھلک رہا تھا۔ میرے اندر سویا ہوا طوفان جاگنے لگا، میرے فگار سینے میں سلگتے ارمانوں نے مجھے اُکسانے کی کوشش کی۔

”جمیل احمد خان۔ تمہیں اس سے خوبصورت موقع شاید دوبارہ میسر نہ ہو۔ تمہارا محبوب تم سے ایک قدم کے فاصلے پر ہے، ہاتھ بڑھاؤ۔ لچکتی شاخ کو اپنے بازوؤں میں گھسیٹ لو۔ پکے ہوئے پھل کو توڑنے میں دیر کرنا دانشمندی کے منافی ہے۔ تم نے دیر کی تو کوئی اور اُچک لے جائے گا۔ اپنی پیاس بجھا لو ورنہ ہمیشہ کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔“

میرے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ باریک گاؤن سے جھلکتے جین کے جسمانی نشیب و فراز بڑے ہیجان انگیز تھے۔ میں نے ہاتھ تھام کر اُسے اپنے پہلو میں گھسیٹ لیا۔ اُس کے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو مجھے دیوانہ کر رہی تھی جب اُس کی گھبرائی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

”دولت علی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جم کا فون آیا تھا۔ اُس نے مجھے ایک پریشان کن اطلاع دی ہے۔“

جین میری بانہوں میں کسمسا رہی تھی۔ اُس کی آواز صدا بہ صحرا ہو کر رہ گئی۔ میں نے اس قیامت کو پوری شد و مد سے اپنے اندر ضم کرنے کی کوشش کی، جین نے معمولی مزاحمت کرتے ہوئے مجھے دوبارہ مخاطب کیا۔

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو دولت علی۔ جیکب ایک عورت کو قتل کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اب اُس کا پرانا ریکارڈ ضرور کھنگالا جائے گا۔ جم اور سارا دونوں

جانتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ملازمت کر چکا ہے۔ کچھ سوچو دولت علی۔ جیکب کے مفرور ملزم ہونے کی بات کھل گئی تو مجھ سے بھی باز پرس ضرور ہوگی۔''

میں نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر مجھ سے دُور ہوگئی۔ جیکب کے کسی عورت کو قتل کر دینے کی اطلاع نے اُسے خاصا پریشان کر دیا تھا، بڑی اُلجھی اُلجھی دکھائی دے رہی تھی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ انکا کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے اُسے عالم تصور میں دیکھا، دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے وہ اس پر سر رکھے بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے اُسے غور سے دیکھا، کل رات تک اُس کا چہرہ زردی مائل تھا لیکن اب قندھاری انار کی مانند سرخ ہو رہا تھا، اُس کے نازک نازک ہونٹوں پر سرخی تیر رہی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا، انکا کا اطمینان اور چہرے کی رنگت چغلی کھا رہی تھی کہ وہ کسی کے تازہ خون سے اپنے وجود کو سیراب کرنے کے بعد بے فکری کی نیند سے دوچار ہے۔ 'جو خبر جین نے سنائی تھی اس کی پشت پر انکا کا ہاتھ بھی ہوسکتا ہے۔' میں نے سوچا۔

''دولت علی۔'' جین نے بے چینی سے کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ جیکب کی طرف سے مجھے بے فکر ہو جانا چاہئے۔ لیکن اُس کا سابقہ ریکارڈ......''

''اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔'' میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''تمہارا نام کسی طرح درمیان میں نہیں آنے پائے گا۔''

انکا کو بیدار کرنے کی خاطر میں نے اپنے ہاتھ کی اُنگلیوں کو کنگھی کی طرح بالوں میں پھیرا۔ وہ توبہ شکن انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھی۔ اُس کی نگاہوں سے خمار چھلک رہا تھا۔ جین کو صبح صبح میرے کمرے میں دیکھ کر وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی۔ لیکن بڑے تجاہل عارفانہ سے جماہی لیتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے جمیل؟ تم دونوں اتنے اُلجھے اُلجھے کیوں نظر آ رہے ہو؟''

''ابھی جم نے فون پر اطلاع دی ہے کہ جیکب نے گزشتہ رات کسی عورت کو قتل کر دیا۔''

میں نے انکا کے چہرے کے تاثرات پر نظر جمائے رکھی۔

''ہاں، جم نے غلط نہیں کہا۔'' انکا نے لاپرواہی سے کہا۔ ''مارٹینا نے جو سلوک ولیم اور اُس کے مرحوم باپ کے ساتھ کیا اس کی سزا تو اُسے ملنی ہی تھی۔''

''کیا مطلب......'' میں چونکا۔ ''کیا تم نے......''

''ایک تیر سے تین نشانے لگائے ہیں۔'' انکا دونوں ہاتھ کولہوں پر ٹکا کر سر پر چہل قدمی کرتے بولی۔ ''کرسٹی کی رُوح بھی مائیکل سے اپنی موت کا انتقام لینے کو بے چین تھی۔ مارٹینا کی بدکرداری بھی حد سے تجاوز کرتی جا رہی تھی اور تمہاری انکا رانی کو بھی اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے تازہ خون کی ضرورت تھی، میں نے سارے کام ایک ساتھ نمٹا دیئے، خس کم جہاں پاک۔''

''دولت علی، پلیز۔'' جین کا اضطراب بڑھنے لگا۔ ''کچھ سوچو۔ اگر میرا نام درمیان میں آ گیا تو میں بڑی دُشواریوں میں پڑ جاؤں گی۔''

''جین کو یقین دلا دو جمیل۔'' انکا سر سے اُچھل کر میرے کندھے پر آ گئی۔ ''میں نے کچا کام نہیں کیا۔ پولیس کے فرشتوں کو بھی جیکب یا مائیکل کے بارے میں کوئی پچھلا ریکارڈ دستیاب نہیں ہو سکے گا۔ جم کا دوسرا فون جین کی ساری بے چینی دُور کر دے گا۔''

میں نے انکا کے کہنے پر جین کو مطمئن کرنے کی خاطر دلاسا دیا۔ وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی جب لاؤنج والے فون کی گھنٹی بجی، جین تیزی سے قدم اُٹھاتی کمرے سے نکلی۔ میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے لپکا۔ انکا میرے کندھے پر بیٹھی دونوں پاؤں ہلا رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر اطمینان جھلک رہا تھا۔

جین فون پر تین چار منٹ بات کرتی رہی، اُس کے چہرے پر اضطراب کی جگہ حیرت اور استعجاب کے ملے جلے تاثرات اُبھرنے لگے۔ فون بند کرنے کے بعد اُس نے مجھے بڑی جذباتی نظروں سے دیکھا۔

''دولت علی۔ مجھے ایک بار تفصیل سے بتا دو کہ تم کیا چیز ہو؟ میں نے مشرقی جادوگروں اور پنڈت پجاریوں کے سلسلے میں بہت کچھ سن رکھا ہے لیکن تمہاری ماورائی اور رُوحانی قوتوں کا کرشمہ دیکھ کر مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ میں تمہیں کیا سمجھوں؟ کہیں تم کوئی جن یا بھوت تو نہیں جو اتنی آسانی سے ناقابل یقین اور حیرت انگیز کارنامے انجام دے ڈالتے ہو؟''

''جم نے اب کیا اطلاع دی......؟'' میں نے کنکھیوں سے انکا کی طرف دیکھا۔ اُس کے پتلے پتلے نازک ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

''جم کے علاوہ موقعہ واردات پر موجود ٹیم کے دوسرے افراد بھی حیرت زدہ ہیں۔ اُن کا

خیال ہے کہ قاتل کوئی مافوق الفطرت انسان تھا جس نے پولیس اور قانون کے لئے کوئی سراغ باقی نہیں چھوڑا۔"

میں نے جواب میں صرف مسکرانے پر اکتفا کی۔ جین نے بات جاری رکھی۔

"جم بڑے یقین سے کہہ رہا تھا کہ اُس نے قاتل کو جیکب کی حیثیت سے شناخت کیا تھا، اُسے مقتولہ کی لاش کے قریب ہی کھڑا پایا گیا تھا، حیرت ہے کہ اُس نے واردات کے بعد فرار ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ جم کا بیان ہے کہ قاتل کو ہتھکڑی پہنا کر لے جایا جا رہا تھا جب وہ چکرا کر گرا پھر حیرت انگیز طور پر اُس کے چہرے کے نقوش اور جسم کے تمام اعضاء اپنی ماہیت کھونے لگے۔ جسم کا گوشت اس طرح جھڑنے لگا جیسے کوئی نادیدہ پراسرار قوت اُسے تیزی سے کھا رہی ہو اور اب...... اب پولیس کی تحویل میں ایک استخوانی پنجر کے سوا باقی کچھ نہیں ہے۔ یہ سب کس طرح ممکن ہوا دولت علی؟ محکمہ سراغرسانی میں کھلبلی مچ جائے گی، اخبارات چیخ اُٹھیں گے۔ اس سے پیشتر ایسا کبھی نہیں ہوا۔"

"جین......" میں نے انکا کے اُکسانے پر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "حالات کے پیش نظر اب مجھے کچھ دنوں کے لئے تمہارے فارم ہاؤس سے دُور رہنا ہوگا۔ اگر یہ اقدام فوری طور پر نہ اُٹھایا گیا تو میرے اور تمہارے درمیان فاصلے بڑھ جائیں گے۔ صرف دو تین ماہ کی مجبوری ہے، اس کے بعد میں پھر واپس آجاؤں گا۔"

"نہیں دولت علی......" وہ دیوانی لڑکی بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ اس طرح اپنی مرمریں بانہوں میں سختی سے جکڑ لیا جیسے وہ مجھے کہیں جانے سے روک لے گی۔

"کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرنا جمیل صاحب۔ ورنہ ایسا سنہری موقع مشکل سے ہاتھ آئے گا۔" انکا اپنا جملہ مکمل کر کے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں سمجھ گیا وہ جین کے سر پر گئی ہو گی۔

"تمہاری خاطر میں جان بھی دے سکتا ہوں مگر......"

"ایسا مت کہو دولت علی۔" جین کی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ میرے سینے پر سر ٹکا کر سسکتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں رُکنے پر مجبور نہیں کروں گی، تمہارے بغیر میرے دن رات کس طرح گزریں گے؟ میں نہیں جانتی۔"

میں اپنے جسم پر جین کے سینے کی دھڑکن محسوس کر رہا تھا، میرے اندر کا آتش فشاں

پھٹ پڑنے کو مچلنے لگا، میں نے ضبط سے کام لیا۔ تا دیر جین کی سسکیاں میرے صبر کو آزماتی رہیں، پھر وہ چہرہ اُٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں بولی۔

"میں دو مہینے تو کیا دو زندگیوں تک تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔"

میں نے جین کو بہلانے کی خاطر اپنے سلگتے ہونٹ اُس کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ اُسی شام میں جین کے فارم ہاؤس پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا پوش علاقے کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں منتقل ہو گیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میرے ساتھ تھی......!!

جین کے فارم ہاؤس سے فائیو اسٹار ہوٹل تک کا سفر بڑا تکلیف دہ تھا۔ جین نے میرے جانے کے لئے ایک کیب (CAB) منگوائی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جب تک فارم ہاؤس نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا میں مشتاق نظروں سے پلٹ پلٹ کر جین کو دیکھتا رہا۔ وہ اپنے لان پر کھڑی ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے وِش کر رہی تھی۔ جین کی جدائی کا ایک ایک لمحہ میرے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔ انکا سر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ جین نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے ایک سرد آہ بھر کر انکا کو مخاطب کیا۔

"جین کے بغیر لندن میں دل نہیں لگے گا۔ ہمیں ہندوستان جانے کی خاطر تیاری کرنی ہوگی۔"

"میں تمہاری اُداسی دیکھ رہی ہوں جمیل۔" انکا نے ہمدردی ظاہر کی۔ "لیکن ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس میں تمہاری جین کا ہی فائدہ ہے۔"

"نفع اور نقصان کی بات مت کرو انکا رانی۔" میں یکلخت تلخ ہوگیا۔ "میں نے زندگی میں کیا کھویا، کیا پایا تم اس کی شاہد ہو۔ اب زندگی کی تمنا کس کمبخت کو ہے؟"

"ایسی باتیں مت کرو۔" انکا نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ "وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ زندگی میں تغیرات آتے جاتے ہیں۔ وقتی طور پر کسی اپنے سے بچھڑ جانے کی تکلیف ضرور ہوتی ہے، لیکن وقت......"

"کس وقت کی بات کر رہی ہو؟" میری بے چینی سوا ہوگئی۔ ماضی میں دفن ڈھیر کو کرید کر انکا نے کچھ پرانے زخم تازہ کر دیئے۔ "نرگس یاد ہے تمہیں.....؟" میں نے اُسے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔ "میں نے اُسے دل کی گہرائیوں سے چاہا، اُس کے حصول میں بے شمار دُشواریاں حائل تھیں، تم نے کرم کیا تو ایک ایک کر کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ میں نے نرگس کو پا لیا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟"

میرے اندر جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہوئی تو انکا پہلو بدلنے لگی۔

"میرے اس مصنوعی ہاتھ کی طرف ایک نظر ڈالو انکا رانی۔" میں زہر خند سے بولا۔ "تمہیں تو یاد ہوگا کہ میرا ہاتھ کس طرح کاٹا گیا تھا؟ اُس لمحے کی طرف پلٹ کر دیکھو جب میری مجبور اور بے قصور نرگس کے گلاب بدن کو ایک جنسی جنونی نوچ کھسوٹ رہا تھا۔ کیا قصور تھا نرگس کا؟ وہ غریب تو میری بہتری کے لئے سوچ رہی تھی اور وقت نے اُسے ایسی ہولناک سزا دی کہ میں......"

"میں شرمندہ ہوں جمیل۔" انکا کی آواز بھرا گئی۔ "یہ اُن دنوں کی بات ہے جب ہم نے ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پوری طرح نہیں سمجھا تھا۔ لیکن اب تو ہم لازم و ملزوم......"

"نہیں......" میں جھلا گیا۔ "میں نہیں مانتا، کوئی لازم و ملزوم نہیں ہوتا۔ سب دنیا دکھاوا ہے، جھوٹ ہے، مکر ہے، فریب ہے۔ تم نے وقت کی بات چھیڑی تھی، میں تردید نہیں کروں گا۔ وقت ہی وہ بھیانک اور ہولناک عفریت ہے جو انسان کی خوشیوں کو نگل جاتا ہے۔ ہم سب وقت کے سامنے بے بس ہیں۔ تم بھی، میں بھی۔ وقت پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ آندھی اور طوفان کا ایک تیز جھکڑ چلتا ہے، بڑے بڑے تناور درخت جڑیں چھوڑ کر زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔ سب ٹائیں ٹائیں فش ہو جاتا ہے۔ ہم دل کی تسلی کے لئے ایک دوسرے پر تہمتیں لگانے بیٹھ جاتے ہیں، دل کی بھڑاس نکالنے کی خاطر ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، اپنی غلطی کون تسلیم کرتا ہے؟"

میں نے انکا کو تیز نظروں سے گھورا۔

"بولو انکا رانی...... جواب دو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں......" انکا نے مجھے سہمی سہمی نظروں سے دیکھا۔ "دنیا کی ریت کو بدلا نہیں جا سکتا۔ میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتی ہوں۔" انکا نے میرے سامنے سپر ڈال دی تو مجھے ہنسی آگئی۔ شاید اُس نے میری ذہنی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ بحث کر کے زیادہ نہیں اُلجھانا چاہتی تھی۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ بخئے اُدھیڑنے سے حاصل بھی کیا تھا؟ جو گزر چکا تھا واپس نہیں آ سکا تھا، جو آنے والا تھا اس کے لئے سوچنا ضروری تھا۔

"اس شہر میں شاید پہلی واری آئے ہو تُسی......؟" کیب کے سکھ ڈرائیور نے خاموشی سے اُکتا کر مجھے مخاطب کیا۔

"خود نہیں آیا۔" میں نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ "حالات لے آئے ہیں۔"

"سچ دس رہے ہو برادر۔ حالات ہی بندے کا کچومر نکال کر کولھو دا بیل بنا دیتے ہیں۔"

"تمہارا نام؟" میں نے دل بہلانے کی خاطر سوال کیا۔

"ہرنام سنگھ۔" اُس نے دل برداشتہ انداز میں جواب دیا۔ "پانچ ورش پہلے اپنی وجنتی کے ساتھ لندن دی سیر واسطے آیا تھا۔ وہ...... ایک چٹی چمڑی والے دے نال نس گئی، میں ٹاپتا رہ گیا۔ اب اُس کی تلاش میں ایسی کم تیسی کراتا پھر رہا ہوں۔"

"وجنتی کو تلاش کر کے کیا کرو گے؟" میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "اب وہ مل بھی گئی تو تمہارے کس کام کی؟"

"واہ گرو دی سو......" ہرنام سنگھ کی غیرت کو جلال آ گیا۔ "وہ...... بس اِک واری مجھے مل جائے، میں اُس کے ٹوٹے کر دیاں گا۔ پھر بھلے پھانسی لگ جائے۔"

"بھول جاؤ اُسے۔" میں نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ "میری مانو تو تم بھی کسی گوری چٹی میم کو اُچک لو۔ جب تک گاڑی چل سکے اُس سے اپنی وجنتی کا حساب چکتا کرتے رہو...... جب کھٹارا ہو جائے تو اونے پونے کہیں بھیڑ دینا۔"

"ان کڑیوں کو اپنانے دی کی لوڑ ہے؟" ہرنام سنگھ نفرت سے بولا۔ "دو پیک ان کے حلق وچ انڈیل دو، جونک کی طرح چمٹ جائیں گی۔"

"تم آدمی دلچسپ ہو ہرنام سنگھ۔ لندن میں میرا قیام زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ لیکن ملتے رہنا، شاید میں تمہارے کسی کام آسکوں۔"

انکا خاموش بیٹھی میری اور ہرنام سنگھ کی باتیں سنتی رہی۔ کیب ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے گیٹ کے سامنے پہنچ کر رُکی تو میں نے بڑی فیاضی کا ثبوت دیا۔ جیب میں جتنے بھی کرنسی نوٹ تھے سب نکال کر ہرنام سنگھ کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میں نے تیزی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ انکا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ہوٹل کے بیرونی گیٹ پر تعینات باوردی کارندوں نے مجھے حیرت سے دیکھا، میرے ایک شانے پر مختصر سا بیگ تھا، دوسرے ہاتھ میں، میں نے سیّد کی لاٹھی تھام رکھی تھی۔ لباس بھی اتنا خاص نہیں تھا کہ وہ میری حیثیت سے مرعوب ہوتے۔ چنانچہ میری راہ میں حائل ہو گئے۔ انکا میرے سر سے اُتر گئی۔

"آپ کو کہاں جانا ہے؟" ایک کارندے نے بظاہر مسکرا کر پوچھا لیکن میں نے اُس کی مسکراہٹ میں چھپے گہرے طنز کو محسوس کر لیا۔

"میں تمہارے اس ہوٹل میں قیام کر کے اس کی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"سوری سر......" اُس نے رُوکھے لہجے میں فیصلہ سنا دیا۔ "آپ اس ڈنڈے کے ساتھ اندر نہیں جا سکیں گے۔"

"کون روکے گا مجھے......؟" میں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ نندا کی بخشی ہوئی قوتوں کو آنکھوں میں سمیٹ کر اعتراض کرنے والے کو گھورا تو وہ کسی گرتے ہوئے ستون کی طرح لڑکھڑانے لگا۔ دوسرا کارندہ مجھے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ صدر دروازے کے وسیع و عریض ٹرانسپیرنٹ شیشے کی دوسری جانب خاصی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ گیٹ پر لڑکھڑاتے ہوئے ساتھی کو دیکھ کر کچھ دوسرے کارندے بھی لپک کر باہر آ گئے۔ وہ بضد تھے کہ مجھے لاٹھی باہر چھوڑنی پڑے گی۔ میں ایک لمحے کو بھی سیّد کی لاٹھی سے جدا ہونے کو تیار نہیں تھا، بات بڑھتی گئی۔

دروازے پر بھیڑ جمع ہونی شروع ہوئی تو آنے جانے والوں کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔ ایک ہندوستانی کی جسارت اُنہیں پسند نہیں آئی تھی۔ اُن کی نظروں میں حقارت تھی۔ میرا خون کھولنے لگا۔ لیکن اس سے پیشتر کہ میں اُن کے سامنے اپنی طاقت کا کوئی اور کرشمہ پیش کرتا، ہوٹل کا جنرل منیجر لمبے لمبے قدم اُٹھاتا قریب آ گیا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے آدمیوں کو اندر جانے کی ہدایت کی، میں سینہ تانے ڈٹا رہا، ملازموں کے جانے کے بعد جنرل منیجر نے مجھے بڑے مودبانہ انداز میں مخاطب کیا۔

"آئی ایم سوری مسٹر دولت علی۔ ہمیں ابھی ابھی فون پر آپ کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔ آپ ہمارے ہوٹل میں ٹھہریں گے تو یہ ہمارے لئے ایک اعزاز ہوگا......"

جنرل منیجر کی مداخلت پر مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ میں نے قدم آگے بڑھا دیئے، مجھے ہوٹل کی ساتویں منزل پر واقع ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ سیّد کی لاٹھی میرے ساتھ ہی تھی۔ میں نے گھوم پھر کر تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں ضرورت کی تمام اشیاء موجود تھیں۔

”سر......“ جنرل منیجر نے باادب دریافت کیا۔ ”آپ کا سامان کب آئے گا؟“

”میں غیر ضروری باتیں پسند نہیں کرتا۔“ میں نے انگریزوں سے ہندوستانیوں کی ازلی نفرت کے اظہار کا موقع ضائع نہیں کیا۔ ”آپ جا سکتے ہیں۔“

جنرل منیجر کی پیشانی پر بل آتے آتے رہ گیا۔ اُسی لمحے ایک حسین لڑکی قدم اُٹھاتی کمرے میں داخل ہوئی۔ بڑی ہنس مکھ، بے حد اسمارٹ، ہوٹل کے مہمانوں کو خوش رکھنے کے سلسلے میں تمام کیل کانٹوں سے لیس۔ اُس کے جسم کا انگ انگ پیشہ وارانہ انداز میں تھرک رہا تھا۔ مجھے اُسے پہچاننے میں کوئی دُشواری نہیں ہوئی۔ سینے کے اُبھار پر لگی آسمانی نیم پلیٹ پر سفید جلی حروف سے اُس میزبان (ہوسٹس) خاتون کا نام بھی درج تھا۔

”یہ مِس میلبا ہیں۔“ جنرل منیجر نے ’مس‘ پر زور دے کر تعارف کرایا۔ ”انہیں آپ کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔“

”مجھے دولت علی کہتے ہیں۔“ میں نے بے تکلفی سے میلبا کا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی، جنرل منیجر میری جسارت پر تلملا کر رہ گیا۔ وہ بل کھاتا چلا گیا تو میں نے میلبا کو تفصیلی نظروں سے دیکھا، وہ درمیانہ قد اور چھریرے بدن کی ایک حسین لڑکی تھی۔ اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا، اُس کے لمس میں وہ گرمی کچھ زیادہ ہی تھی جو جنس مخالف کے جذبات برانگیختہ کرنے میں موثر ثابت ہوتی ہے۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی، غیر ممالک کے ہوٹلوں میں ”میزبان خواتین“ کا انتخاب ٹھونک بجا کر کیا جاتا ہے۔ انہیں وہ گر سکھائے جاتے ہیں جو مہمانوں کو زیادہ سے زیادہ قیام پر آمادہ کر سکیں۔ ان میں جھجک نام کی کوئی شے نہیں پائی جاتی، اپنے فرائض کی ادائیگی میں وہ بڑی بے باکی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

”میرے لئے کوئی حکم....؟“ میلبا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گنگناتے لہجے میں پوچھا۔ اُس کا انداز دلبرانہ تھا۔ شاید مجھے اناڑی سمجھ کر چارہ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”فی الحال میں کچھ دیر آرام کروں گا۔“ میں نے دیدہ و دانستہ سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ ”ضرورت ہوئی تو گھنٹی بجا کر تمہیں کوئی زحمت دُوں گا۔“

میلبا چلی گئی۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا، بستر پر لیٹ کر جین کے بارے میں سوچ رہا تھا جب انکا سر پر واپس آ گئی۔ بڑی بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ غالباً میری کھری کھری باتیں ابھی تک اُس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔

”کہاں گم ہو انکارانی......؟“ میں نے دوستانہ لہجے میں سوال کیا۔

”تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں جمیل۔“ انکا کے لہجے میں شکوہ تھا۔ ”میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب تم اپنی انکارانی سے ترش ہونے لگے ہو۔“

”تم نے میری فیاضی دیکھی؟“ میں نے اُسے منانے کی خاطر مسکرا کر بات ٹالنے کی کوشش کی۔ ”میں نے ہرنام سنگھ کے سامنے اپنی جیب خالی کر دی۔“

”مجھے حکم دو جمیل۔“ انکا سنجیدگی سے بولی۔ ”میرے ہوتے تمہیں کسی بات کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ تم اشارہ کرو۔ میں قارون کا خزانہ بھی تمہارے قدموں میں ڈھیر کر سکتی ہوں۔“

”اگر میں تمہیں خزانہ سمجھ کر اپنی بانہوں میں ڈھیر ہونے کا حکم دُوں تو......؟“ میں نے شوخی سے کہا۔

”مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی انکارانی کو معاف کر دیا۔“ وہ سر پر خوشی سے رقص کرنے لگی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ ”آج مجھ سے ایک وعدہ کرو جمیل۔ تم دوبارہ پچھلی باتوں کو نہیں دہراؤ گے۔“

”کوشش کروں گا۔“ میں نے مفاہمت کا انداز اختیار کیا، پھر موضوع بدل کر بولا۔ ”ولیم کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟“

”میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔“ انکا نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ”مارٹینا کا قصہ پاک ہو جانے کے بعد اب اُس کی تمام جائیداد ولیم کو ملنی چاہئے۔ کچھ دُشواریاں پیش آئیں گی، لیکن ہوگا وہی جو میں چاہوں گی۔ اس کام کے لئے ممکن ہے مجھے چار پانچ روز کے لئے تم سے دُور بھی رہنا پڑے۔“

”میں ولیم سے ملنا چاہتا ہوں......“ میں نے بجھے ہوئے دل سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں آج شام ہی اُسے تمہارے پاس لے آؤں گی، مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ جین کے سلسلے میں ولیم سے گفتگو کرتے وقت تمہارے قدم نہ ڈگمگائیں۔“

میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھایا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا، دوسری جانب سے جین ہی تھی۔ میں جس ہوٹل میں ٹھہرا تھا اس کا مشورہ بھی جین ہی نے دیا تھا۔

"تمہیں ہوٹل میں کسی دُشواری کا سامنا تو نہیں ہوا......؟" جین کے لہجے میں پیار تھا، اپنائیت تھی۔

"اُنہیں میری لاٹھی پر اعتراض تھا، لیکن تمہارا فون موصول ہونے کے بعد اُن کے ماتھے کی شکنیں دُور ہوگئیں۔" میں نے مختصراً رُوداد سنا دی۔

"آئی ایم سوری دولت علی۔" جین نے معذرت کی۔ "دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس ہوٹل کی کچھ کمزوریاں ہیں میرے پاس۔ مجھے فون کرنے میں دیر ہوگئی ورنہ ہوٹل کی انتظامیہ ہاتھ باندھے تمہارے انتظار میں کھڑی ہوتی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں آتے وقت تمہاری ماں سے نہیں مل سکا۔" میں نے بات بدلی۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ اُنہیں میرے چلے آنے پر کوئی صدمہ یا افسوس نہیں ہوا ہوگا۔"

"مام کی جگہ تم ہوتے تو تمہارے بھی وہی تاثرات ہوتے جو ان کے ہیں۔" جین نے سیدھی سادھی بات کی، پھر بڑے جذباتی انداز میں بولی۔ "تمہیں صرف اپنی جین کی محبت سے غرض ہونی چاہیے، دوسرے کیا سوچتے ہیں سوچنے دو......"

"ولیم کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا......؟" میں روانی میں پوچھ بیٹھا۔

"یہ تمہیں اس وقت اچانک ولیم کا خیال کس طرح یاد آ گیا؟" جین کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جین......" میں نے جلدی سے اپنی غلطی نبھانے کی کوشش کی۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ جیکب نے جس عورت کو قتل کیا وہ کون تھی؟"

"فی الحال ہمارے افسران ابھی تک سر جوڑے بیٹھے اس معمے کو حل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں کہ وہ عجیب الخلقت شخص کون ہوسکتا ہے جو گرفتاری کے بعد ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل ہوگیا۔"

"کیا جم نے......؟"

"نہیں......" جین نے تیزی سے کہا۔ "اُس نے میری خاطر جیکب کے نام پر زیادہ زور دینے کی غلطی نہیں کی، ویسے ہوسکتا ہے کہ وہ اس کیس میں بھی تم سے مل کر تمہاری رُوحانی قوتوں سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔"

"پریشان مت ہو۔ میرے کہنے پر اعتماد کرو۔ نہ تمہارا نام درمیان میں آئے گا نہ جیکب

کے سلسلے میں تم سے کوئی باز پرس ہوگی۔"

"تم ابھی مقتولہ کے سلسلے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" جین نے استفسار کیا۔

"وہ ایک بے حد مالدار اور کروڑ پتی بیوہ تھی۔" میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ "اُس کا ماضی شروع سے ہی داغدار رہا ہے۔"

"دولت علی۔ میرا خیال ہے کہ تم کوئی اہم بات درمیان سے حذف کر رہے ہو۔" جین نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے ابھی ولیم کا نام بھی لیا تھا۔ کیا ولیم اور مقتولہ کے درمیان کوئی تعلق تھا؟"

"ابھی نہیں......" میں نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ "کچھ دن اور صبر کرلو۔ اس کے بعد میں حیرت انگیز اور چونکا دینے والے انکشاف کروں گا۔"

"تمہاری مرضی......" جین نے اصرار کرنے کی بجائے پیار سے پوچھا۔ "تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"مجھے ایک چیز کی ضرورت ہے۔" میں نے بڑی مدھم آواز اور رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "تم ملنے آؤ گی تو تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"میں کل سیدھی آفس سے اُٹھ کر تمہاری طرف آؤں گی۔ کہیں غائب نہ ہو جانا۔"

"آج کی رات تمہارے بغیر کیسے گزرے گی؟" میں پھر جذبات میں بہک گیا۔ اچھا ہوا جو جین نے دوسری طرف سے "نوٹی مین" کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرو جمیل صاحب۔" انکا نے مجھے سرزنش کی۔ "اگر اسی طرح بہکتے رہے تو پانی کسی دن سر سے اُونچا بھی ہوسکتا ہے...... باگ ڈور پر گرفت مضبوط رکھو۔ اسی میں تمہاری اور جین کی بہتری ہے۔"

"کوشش کرو انکا رانی کہ جیکب اور مارٹینا کا معاملہ کسی طرح دب جائے۔" میں نے اُس کی بات نظر انداز کر دی۔ "میں نہیں چاہتا کہ جیکب کے سلسلے میں کسی طرح بھی جین کا نام درمیان میں آئے۔"

"نہیں آئے گا۔" انکا نے یقین دلایا، پھر بولی۔ "میں اب اپنے ضروری مشن پر جا رہی ہوں۔ میرے جانے کے کچھ دیر بعد میلبا تمہارے پاس ایک سفری بیگ لائے گی، تم رقم نکال کر خالی بیگ اُسی کے حوالے کر دینا۔ ولیم سے گفتگو کرتے وقت خود پر قابو رکھنا اور اپنا

خیال رکھنا۔"

انکا سر سے اُتر گئی تو میں نے اُٹھ کر غسل کیا، لباس تبدیل کیا، پھر وقت گزارنے کی خاطر ٹی وی آن کر دیا جس پر حسن اتفاق سے الفرڈ ہچکاک کی ایک شہرہ آفاق فلم چل رہی تھی۔ میں ذہنی طور پر تھکا ہوا تھا اس لئے ایزی چیئر پر بیٹھے بیٹھے ہی میری آنکھ لگ گئی۔

دروازے پر ہونے والی دستک کی آوازوں نے مجھے دوبارہ بیدار کیا۔ میں نے ٹی وی بند کر دیا، گھڑی پر نظر ڈالی تو احساس ہوا کہ شام ہو چکی ہے۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا، سامنے ولیم موجود تھا۔ ولیم کو دیکھ کر ایک لمحے کو میرے اندر رقابت کا جذبہ کلبلایا لیکن میں نے اظہار نہیں ہونے دیا، اس وقت وہ میرا مہمان تھا۔ میں نے اُسے عزت سے خوش آمدید کہا، کوئی بات ضرور تھی جو ولیم اس وقت کچھ گم صم نظر آرہا تھا۔ میں نے اُسے کچھ تنہائی کا موقع فراہم کر دیا، واش رُوم میں جا کر منہ ہاتھ دھونے سے اعصاب پر طاری کسلمندی قدرے دُور ہو گئی۔ باہر آکر میں نے میلبا کو طلب کیا۔ اس وقت وہ چست لباس میں ملبوس تھی، شاید مجھے مرعوب کرنے کی خاطر اُس نے اپنے جسمانی خطوط کو اور اُبھارنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک ادائے خاص سے مسکراتی بل کھاتی کمرے میں داخل ہوئی لیکن ولیم کو دیکھ کر اُس نے خود پر قابو پانے میں حیرت انگیز چابکدستی سے کام لیا۔ میں نے اُسے چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس لانے کا حکم دیا تو وہ واپسی کے لئے پلٹی، پھر اچانک رُک کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"سر۔ آپ کی ایک امانت ہے میرے پاس۔ میں نے دو تین بار دستک دی تھی، لیکن پھر آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"میری امانت......؟" میں نے چونک کر اُسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

"ایک سفری بیگ ہے سر۔ مجھے کاؤنٹر سے ہدایت ملی تھی کہ اسے آپ کے رُوم میں پہنچا دیا جائے۔"

"اوہ......" مجھے انکارانی کی بات یاد آگئی۔ میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ "وہ بیگ بھی لیتی آنا......"

میلبا اُلٹے قدموں واپس چلی گئی، خودکار دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے ولیم کی سمت دیکھا، وہ بدستور کھویا کھویا لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے ولیم؟......" میں نے بڑے دوستانہ انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ "تم آج خلاف توقع کچھ سنجیدہ نظر آرہے ہو۔"

"آپ جین کے فارم ہاؤس سے منتقل ہو کر ہوٹل کیوں آگئے؟" ولیم نے پہلو بدل کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا وہاں آپ کو کسی قسم کی......"

"کیا میں تمہارے جواب سے یہی اندازہ قائم کروں کہ تمہاری سنجیدگی کا سبب میرا جین کے فارم ہاؤس سے چلا آنا ہے؟"

"جی نہیں، لیکن......"

"تمہارے دوست جم نے شاید تمہیں بتایا تھا کہ میرے پاس کچھ رُوحانی قوتیں بھی ہیں۔" میں نے ولیم کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔ "کیا میں جم کی بات درست ثابت کرنے کی خاطر اس کا کوئی نمونہ پیش کروں؟"

"میں پکنک پر آپ کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا اعتراف کر چکا ہوں۔" ولیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جاگ اُٹھی۔

"میں نے تمہاری سنجیدگی کا سبب دریافت کیا تھا۔" میں نے اپنی بات دہرائی۔

"جس وقت مجھے یہ پیغام ملا کہ آپ نے مجھے بلایا ہے اُس وقت بھی اتفاق سے میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اُس نے پہلو بدلا۔ "اور اب بھی سنجیدگی سے اسی بات پر غور کر رہا ہوں کہ کیا یہ محض اتفاق تھا یا میری خوش نصیبی؟"

"تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے تھے......؟" میں نے اُس کی آنکھوں کے ذریعے دل میں اُترنے کی کوشش کی۔ ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں نے مجھے تاریکی میں بھی بہت دُور تک دیکھنے کی قوت عطا کی تھی۔ میں نے ولیم کا بھید پا لیا، مارٹینا کے قتل کی اطلاع نے اُس کا سکون برباد کر دیا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پکنک پر میری نظروں نے جو ناقابلِ یقین مظاہرہ دیکھا کیا وہ محض نظر بندی کا کمال تھا؟ یا......"

"تم جو کچھ سوچ رہے ہو وہ غلط ہے۔" میں نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ "تم جیسے نوجوان کو اتنی جلدی حوصلہ نہیں ہار دینا چاہئے۔"

"جی......" وہ صوفے پر کسمسایا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں تو......؟"

"میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

"پھر......؟" میں نے اُسے سنبھلنے کا موقع دیا۔ "لندن سے فرار ہونے کے بارے میں کیوں غور کر رہے ہو......؟"

ولیم بت بن گیا، پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میری کیفیت بھی اس سے مختلف نہ ہوتی۔ میں نے اُسے جین کے سلسلے میں ٹٹولنے اور ہموار کرنے کی خاطر بلوایا تھا، جین کو اُس کے حوالے کرنے سے پیشتر میں اُسے اچھی طرح چھان پھٹک کر اس بات کا یقین کرنا چاہتا تھا کہ وہ جین کے لئے اہل ہے بھی یا نہیں؟ اپنی زندگی کی آخری پونجی کو میں کسی غیر محفوظ ہاتھوں کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا کرتا تو یہ میری خود غرضی ہوتی۔ جین کے ساتھ صریحاً دھوکا ہوتا۔ حقیقت سامنے آنے کے بعد جین مجھے کبھی معاف نہ کرتی۔ میں خود اپنی نظروں میں گر جاتا، میرا ضمیر ہمیشہ کچوکے لگاتا رہتا۔

میں نے فرار ہونے والی بات کہی تو ولیم چونک اُٹھا۔ اُس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، وہ حقیقت کے اظہار سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ میں نے زیادہ سخت رویہ اختیار کرنے کی ٹھان لی۔

"مارٹینا کے قتل کی اطلاع تمہیں کس طرح ملی؟" میں نے براہِ راست دُکھتی رگ پر اُنگلی رکھ دی۔

"اُس کی پرسنل سیکرٹری نے مجھے فون کیا تھا......" ولیم نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"قاتل کے بارے میں کیا معلوم ہوا......؟" میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

"محکمہ سراغرسانی ابھی تک قاتل کے سلسلے میں بڑی رازداری سے کام لے رہا ہے؟ اخباری نمائندے بھی کھوج میں لگے ہیں۔"

"تم نے براہِ راست جم سے بات کی......؟"

"نہیں......" ولیم نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "میں مقتولہ کے سلسلے میں جم سے کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"کیوں......؟" میں نے ولیم کی زبان سے حقیقت جاننے کی کوشش کی۔

"مسٹر دولت علی۔" ولیم نے مجھے پریشان نظروں سے گھورا۔ "اگر آپ اپنی رُوحانی

قوتوں سے معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں تو میں آپ سے زبان بند رکھنے کی درخواست کروں گا۔"

"جو نوجوان سچ کا سامنا کرنے سے کترائے اُسے بزدل اور ڈرپوک......"

"نہیں......" ولیم نے احتجاج کیا۔ "میں بزدل یا ڈرپوک نہیں ہوں۔ لیکن اپنے ماضی کو نہیں کُریدنا چاہتا۔"

ولیم کے چہرے پر خون کی تمازت اس بات کی غماز تھی کہ وہ اپنے اُجلے دامن پر کسی غلاظت کا دھبہ برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھا، آنکھوں کی سرخی گواہ تھی کہ وہ سر اُٹھا کر چلنے کی خاطر کوئی بھی قیمت ادا کر سکتا تھا۔ اُسے اپنی بدنامی گوارا نہیں تھی۔ مجھے ولیم کا احتجاج پسند آیا۔ اُس کی نظروں میں دولت اور شہرت کے مقابلے میں عزت زیادہ اہم تھی۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی، ولیم نظریں جھکائے بیٹھا ہونٹ کاٹتا رہا۔ میں اُس کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا، میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اُسے جین کے لئے منتخب کر لیا۔ وہ ٹھوس ارادوں کا مالک تھا، پہاڑوں سے ٹکرا جانے کا حوصلہ رکھتا تھا، انکارانی نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی اس کا انتخاب کیا ہوگا۔

میلبا ٹرالی گھسیٹتی کمرے میں داخل ہوئی۔ ہم دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ٹرالی کے نچلے حصے میں براؤن رنگ کا ایک سفری بیگ موجود تھا، میں سمجھ گیا اس بیگ میں انکا نے میرے لئے دولت فراہم کرنے کا بندوبست کیا ہوگا۔ ٹرالی قریب آئی تو میں نے لاپرواہی سے بیگ کو اُٹھا کر ایک طرف ڈال دیا۔ میلبا نے میرا اشارہ پا کر اسنیکس سرو کیا، پھر کافی بنانے میں مصروف ہوگئی۔

"جم سے تمہاری ملاقات کو کتنا عرصہ ہوا......؟" میں نے ولیم سے دوستانہ انداز میں دریافت کیا۔

"زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سال۔" ولیم نے بتایا۔ "ہماری پہلی ملاقات ایک ٹینس میچ میں ہوئی تھی، میری طرح جم کو بھی ٹینس کھیلنے سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ اتفاق سے اسٹیڈیم میں ہماری نشست ساتھ ساتھ تھی۔ سارا بھی جم کے ہمراہ تھی۔ ان دونوں کے درمیان اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ میچ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟ اتفاق سمجھ لیں کہ میری زبان پر میرے پسندیدہ کھلاڑی کا نام آ گیا۔ جم اُس کے حق میں نہیں تھا۔ مجھ سے ڈنر کی شرط لگا

بیٹھا۔ میرا کھلاڑی جیت گیا۔ اُس روز ہم نے ایک ساتھ ڈنر کیا۔ پھر ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے دوستی میں تبدیل ہوگیا۔'' ولیم مجھے اپنے بارے میں بتاتا رہا، میں سنتا رہا۔ مجھے خوشی تھی کہ اُس کے چہرے سے تناؤ کی کیفیت بتدریج چھٹنے لگی تھی...... میلبا اپنے فرائض انجام دے کر رخصت ہوگئی تو میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''ولیم۔ کیا تم مجھے یہ حق دو گے کہ میں تم سے تمہارے مستقبل کے بارے میں کچھ دریافت کرسکوں؟''

''ایک شرط پر۔'' اُس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے پہلو بدلا۔ ''آپ میرے ماضی کے سلسلے میں جم، سارا یا مس جین سے کچھ نہیں کہیں گے۔''

ولیم کی زبان سے جین کا نام سن کر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان دونوں کے ستارے ملانے کے لئے انکارانی اپنا کام شروع کرچکی ہے۔ میں نے جواب میں صرف مسکرانے پر اکتفا کی، پھر کافی کا ایک گھونٹ لے کر بولا۔

''جم اور سارا نے تمہیں میرے بارے میں کیا بتا رکھا ہے......؟'' میں نے مزید وضاحت کی۔ ''خاص طور پر میری نجی زندگی کے بارے میں۔''

''میں نے اسی سوال کے پیش نظر یہ معلوم کرنے کی جسارت کی تھی کہ آپ نے جین سے دُوری کیوں اختیار کرلی؟'' ولیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''جم نے ایک بار سرسری طور پر ذکر کیا تھا کہ جرمنی والے مشن کے دوران آپ اور جین ایک دوسرے سے خاصے قریب ہوگئے تھے۔ سارا کو یقین تھا کہ آپ جین کو شریک زندگی بنانے کا فیصلہ کر کے سب کو حیران کردیں گے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ آپ اچانک ہندوستان واپس چلے گئے، جین تنہا رہ گئی، آپ کی واپسی کی راہ دیکھتی رہی، پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ جین...... جس کے ہزاروں اُمیدوار تھے، سب کو مایوس کرگئی۔ سارا اور جم کا خیال تھا کہ وہ آپ سے وابستہ ہو کر لندن کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دے گی لیکن ایسا نہیں ہوا......''

ولیم میری کتابِ زندگی کے ایک اہم باب کے دریدہ اوراق پلٹتا رہا، میں دل کی دھڑکنوں کو سنبھالے خاموش بیٹھا اپنی قسمت کی محرومیوں پر ماتم کرتا رہا، کانٹوں پر لوٹتا رہا، اندر ہی اندر سلگتا رہا۔ جین اب بھی میرا دم بھرتی تھی، متعدد بار میرے سینے کی کشادگی میں

سٹ چکی تھی۔ میں نے بارہا اُسے بہت قریب سے دیکھا تھا، اتنے قریب سے کہ ہمارے دل کی دھڑکنیں ایک ہوجاتیں، سانسیں آپس میں گھلنے ملنے لگتیں، میں اُس کے جسم کے ایک ایک نشیب و فراز سے واقف تھا، کئی بار اُس کی آنکھوں کی مستی میں ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ قدم رپٹنے لگتے تو کبھی وہ عین وقت پر خود کو سنبھال لیتی، کبھی میں اُس کی پاکیزگی کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر دامن بچا جاتا۔ اُس کی گفتگو کا ترنم اب بھی میرے وجود میں کھنکتا تھا، میں اُس کی دراز زلفوں سے کھیلا تھا، اُس کے لعب دہن کا ذائقہ ابھی تک میری زبان پر محفوظ تھا۔ میں جسم تھا، وہ رُوح تھی اور......

''مسٹر دولت علی۔ کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟'' ولیم کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو جین کے حسین تخیل کے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے، ریزہ ریزہ ہوگئے۔ انکارانی نے جاتے جاتے مجھے محتاط رہنے کی تاکید کی تھی۔ میں جذبات کی طغیانی میں بہتا ہوا دُور تک چلا گیا، غلطی کا احساس ہوا تو میں نے خود کو سنبھالا، ولیم کو اپنی کیفیت سے بے خبر رکھنے کی خاطر مجھے بروقت سوجھ گئی۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ کافی پی کر بھی غنودگی کی حالت سے دوچار نہیں ہوتے۔'' میں نے سر جھٹک کر جماہی لی، پھر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''تم ابھی جین کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔''

''میں یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ جین نے آپ کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی......؟'' ولیم نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

''مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی اختیار کی۔ ''دوسری وجہ جین کی ماں تھی جو جین کی شادی کے مسئلے پر ہمیشہ لڑکے کے اسٹیٹس کی بات شروع کردیتی ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ تمہارے موجودہ اسٹیٹس سے مطمئن ہوجائے گی؟''

''مم...... میں سمجھا نہیں؟'' ولیم ٹپٹا گیا...... ''میرا ذکر کہاں سے آگیا......؟''

''کیوں؟'' میں نے دل پر جبر کرکے کہا۔ ''کیا یہ غلط ہے کہ تم جین کو پسند کرنے لگے ہو؟''

''آپ نے مجھے کس مقصد کے لئے بلایا تھا؟'' دل کا چور پکڑے جانے پر اُس نے موضوع بدلنا چاہا۔

''یہ بتانے کی خاطر کہ جین نے بھی تمہیں پسند کرلیا ہے۔'' میں نے ولیم کو بڑی دروغ

گوئی سے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''اگر تمہیں میری صلاحیتوں کا اعتراف ہے تو سب کچھ میرے اُوپر چھوڑ دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اور جین کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکے گی۔'' میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم عنقریب اتنے دولت مند بننے والے ہو کہ وہ مفلوج بوڑھی عورت بھی تمہاری گرویدہ ہو جائے گی۔''

''لیکن جم اور سارا نے تو مجھ سے کچھ اور کہا تھا۔'' ولیم نے کسمساتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''دوسروں کی بات پر غور مت کرو۔ اُس وقت کا انتظار کرو جو تمہیں آسمان کی بلندیوں تک پہنچانے والا ہے۔'' میرا لب و لہجہ سحر انگیز ہو گیا۔ ''دولت علی کا علم کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ مگر اپنی کامیابی کے لئے تمہیں میری ایک شرط ماننی پڑے گی، مارٹینا کا ہولناک انجام تمہارے لئے قسمت کے دروازے کھول چکا ہے۔ تمہیں خود پر جبر کر کے ان حقائق کا سامنا کرنا ہو گا جو تلخ ہونے کے باوجود تمہارے لئے مستقبل میں کامیابی کے تمام راستے کھول دیں گے۔''

ولیم نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مارٹینا کے حوالے سے اپنا ماضی کریدنے کے حق میں نہیں ہے۔ میں اُس کو بغور دیکھتا رہا، دولت انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ دولت کے حصول کی خاطر انسان اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے، بڑے بڑے جان لیوا خطرات میں بے خطر چھلانگ لگا دیتا ہے، ولیم کو تو گھر بیٹھے اُس کا جائز حق مل رہا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو مارٹینا جیسی عورت کی غلاظت سے دُور رکھنے کا خواہشمند تھا، میری نگاہوں میں اُس کی قدر اور بڑھ گئی۔

''تم نہیں چاہتے کہ اپنا جائز حق حاصل کرنے کی خاطر تمہاری عزت پر کوئی حرف آئے؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔'' اُس نے مختصراً جواب دیا۔

''بے فکر ہو جاؤ......'' میں نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ ''تمہیں اس ضمن میں کسی کے سامنے نظریں جھکانے کی نوبت پیش نہیں آئے گی۔ لیکن مارٹینا کے قبضے میں موجود ایک ایک تنکا تمہارا ہے۔ وہ تمہیں مل کر رہے گا۔''

''مگر......'' ولیم نے اپنے ذہن میں کلبلاتے کسی خدشے کی وضاحت کرنی چاہی۔ میں نے موقع نہیں دیا۔

''اگر تمہیں میری رُوحانی قوتوں پر اعتماد ہے تو سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔'' پھر میں نے موضوع بدل دیا۔ ''میں لندن میں شاید زیادہ دن نہ رہ سکوں۔ ہندوستان جا کر مجھے بہت سارے ضروری کام نمٹانے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے جانے سے پہلے تم اور جین ایک ہو جاؤ۔''

''کیا آپ نے صرف یہی کہنے کی خاطر مجھے بلایا تھا؟'' ولیم کے چہرے پر طاری سنجیدگی کے عقب سے خوشیاں جھانکنے لگیں۔

''ہاں......'' میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔

''ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟''

''پوچھو......''

''کیا جم نے آپ کے اور جین کے بارے میں جو کہانی سنائی تھی وہ......''

''جب تم بھی اسے کہانی کے نام سے موسوم کر رہے ہو تو پھر حقیقت کیوں سمجھ رہے ہو؟'' میں نے بڑی خوبصورتی سے اُسے ٹال دیا۔ ''کہانی صرف کہانی ہوتی ہے، لوگ زیبِ داستان کے لئے کچھ ترمیم اور اضافہ کر کے اسے سچائی کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔''

ہمارے درمیان تا دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ولیم کو مختلف زاویوں سے ٹٹولا، مختلف موضوعات پر اُس سے بحث کی، کھیل و تفریح سے لے کر عالمی سیاست جیسے سنجیدہ ٹاپک پر بھی تبادلۂ خیالات کیا۔ وہ ہر اعتبار سے میری کسوٹی پر پورا اُترا، مجھے انکارانی کے انتخاب کی داد دینی پڑی۔

ولیم کے جانے کے بعد دروازے پر دوبارہ ہلکی سی دستک کی آواز اُبھری۔ میں نے دروازہ کھولا تو میلبا سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''آپ کے مہمان چلے گئے؟'' اُس نے معنی خیز انداز میں اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا اظہار بھنوؤں کی خفیف جنبش سے کیا۔ مدھم سُروں میں بولی۔ ''اجازت ہو تو برتن سمیٹ لوں؟''

میلبا کی ایک ایک ادا کافرانہ تھی۔ اُس کے بولنے کا انداز، آنکھوں میں چھلکنے والی

خواب آور مستی، متناسب جسم کا لوچ، لبھانے کا سلیقہ، اُس کے وجود میں روپوش کسی طاقتور مقناطیس کی کشش، محاوروں اور روزمرہ کے استعمال کی سادگی میں پرکاری، چھریرے بدن کی مہک اور معصومیت میں چھپی دلآویز شوخی، تین مختصر اور لحہ لحہ بھر کے آمنے سامنے کے باوجود اُس نے جس انداز میں اپنی ساحرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا وہ بڑا ہوش ربا تھا۔ اُس نے برتن سمیٹنے کی اجازت طلب کی تھی، میرا دل چاہا کہ اُسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں لیکن میں نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ جلد بازی سے کام لینے کی غلطی نہیں کی۔ جنرل مینجر نے بڑی انکساری سے مجھے باور کرایا تھا کہ اس حسینہ دلنواز کو میری خدمت پر مامور کیا گیا ہے، میں کسی اور وقت بھی اُس کی خدمات کے معیار کو جی بھر کے پرکھ سکتا تھا۔ میں دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ بل کھاتی اندر داخل ہوئی، میز پر بکھرے سامان کو بڑے سلیقے سے سمیٹ کر ٹرالی پر رکھا، پھر ٹرالی گھسیٹتی میرے قریب سے باہر چلی گئی۔ اُس کے جسم سے اُبھرنے والی کلون کی مہک نے میرے وجد کو دوبارہ گنگنانے پر اُکسایا۔ میں نے دروازہ بند کرلیا......

شام کو میں یونہی ٹہلتا ہوا باہر چلا گیا۔ سفری بیگ سے میں نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر احتیاطاً جیب میں ڈال لی۔ لندن میں قدیم طرز کی عمارتیں، ہر وقت ماحول پر قبضہ جمائے رکھنے والی طلسمی کہر، دُھند کی اُجلی باریک چادر، کچھ یادگار چیزیں، چند بیش قیمت نوادرات، برٹش میوزیم، رُسوائے زمانہ ہائیڈ پارک، ڈاؤننگ اسٹریٹ، ملکہ برطانیہ کا شاہی محل، مادام تساؤ کا حیرت انگیز طلسم خانہ جہاں دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں کے مومی مجسموں کو اُن کے مقامی روایتی لباس میں سمو کر اس چابکدستی سے میوزیم میں جگہ جگہ رکھا جاتا ہے کہ دھوکے پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ مجسمے کسی لحہ، کسی پل وہاں گھومنے پھرنے والوں کو اپنی زبان میں مخاطب کر کے حیران کر دیں گے۔ زمین دوز نظام کے تحت رات دن مختلف منزلوں کی سمت دوڑتی بھاگتی تیز رفتار ٹیوب ٹرینیں، دریائے ٹیمز کا خوبصورت نظارہ جس کا ذکر اکثر شعراء نے اپنے کلام میں بھی کیا ہے۔ دُھویں کی کثافتوں میں ڈوبے ہوئے شراب خانے، غلاظتوں میں لتھڑے ہوئے پب (PUB) جہاں لندن کی اپنی تہذیب بھی ''پب'' کے اندر ہونے والی بے باک ہلڑ بازی اور بے شرم حرکتوں سے شرمانے پر مجبور ہو جاتی ہے، بڑے بڑے نائٹ کلب جہاں جوا کھلے عام ہوتا ہے، سڑکوں

پر ''بکنی'' پہن کر گھومنے والی نوجوان حسینائیں جنہیں دیکھنے کی خاطر شرفاء بھی کنکھیوں سے کام لیتے ہیں، پارکوں اور شاہراہوں پر کھلے عام بوس و کنار میں مصروف جوڑے جو دیکھنے والوں کی فکر سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لندن میں اس کے سوا اور کیا رکھا ہے؟ میں خاص طور پر برائیٹن بیچ (BRIGHTEN BEACH) کے علاقے کا ذکر کروں گا۔ عام سمندری ساحلوں کی طرح یہاں بھی ساحل پر ناکافی لباس میں ملبوس ہر عمر کی خواتین اوندھی سیدھی پڑی نظر آتی ہیں۔ جسم کی برملا نمائش کے لئے اُنہیں کسی اجازت نامے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی علاقے میں واقع ''ننگوں کا کلب'' یہاں کی بے راہ روی اور ''روشن خیالی'' کے ''تابوت میں آخری کیل'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کلب میں صرف ننگے داخل ہوتے ہیں۔ یہاں کے قوانین کو حکومت کا تحفظ بھی حاصل ہے۔ میں اختصار سے کام لوں گا، جس ایک حمام میں سب ننگے ہوں، وہاں تہذیب، شرم و حیا کی حیرت بھی دیدنی ہی ہوگی......!

ساری چیزیں میری دیکھی بھالی تھیں، میں وقت گزاری کے لئے ایک ''پب'' میں چلا گیا جہاں شراب کی بدبو اور سگار، سگریٹ کے کثیف دُھویں نے ہلکی کہر کی شکل اختیار کر لی تھی۔ تمام میزیں پُر تھیں۔ بار کاؤنٹر کے ساتھ رکھے سٹولوں میں سے ایک دو سٹول خالی نظر آ رہے تھے۔ شراب میں بہکے ہوئے شرابیوں کے فلک شگاف قہقہوں اور شکار کی تلاش میں میزوں کے گرد منڈلانے والی تجربہ کار پیشہ ور لڑکیوں کے ہنگاموں سے کان پڑی آواز صاف نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں نے عیاشی کے ان گھٹیا اور بدنام اڈوں کے بارے میں صرف سن رکھا تھا، قریب سے دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہو رہا تھا۔ میرے لئے وہاں قدم جما کر کھڑا رہنا دُشوار ہو گیا۔ اس ننگے اور بے ہودہ ماحول میں میرا جی متلانے لگا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ میں نے واپسی کے لئے قدم موڑے تو ایک بے باک خاتون نے میرا راستہ روک لیا۔ وہ شاید تاڑ چکی تھی کہ میں تنہا ہوں۔ اُسے بھی اپنی ڈھلتی عمر کے سبب کوئی دوسرا میسر نہیں آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر لتھڑا ہوا میک اپ دیکھ کر میرا جی متلانے لگا۔ نشے میں ہوتا تو شاید میں بھی اُسے پری یا حور سمجھ کر قبول کر لیتا...... میں نے کترا کر گزرنا چاہا، اُس نے بڑی بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ بائیں آنکھ کی پلکوں کو ماہرانہ انداز میں جھپکاتے ہوئے لگاوٹ سے بولی۔

''کدھر جاتا یو انڈین پرنس، ہمارا ساتھ آؤ، ہم تمہارا لونلی نس (LONE LINESS)

دُور کردے گا۔"

وہ میری تنہائی دُور کرنے کی بات کررہی تھی، میرا دم اُس کے قرب سے اور زیادہ گھٹنے لگا۔

"گھبراتا کیوں مین؟" اُس کی تجربہ کار نظروں نے میری بے چینی بھانپ لی۔ "پہلی واری سب نروس ہوتا۔" اُس نے کسی اتالیق کی طرح میری رہنمائی کی۔ "ایک لمبا پیگ حلق سے نیچے اُتاریں گا تو ایک دم فٹ ہوجائے گا......"

"تم غلط سمجھ رہی ہو میڈم۔" میں نے اُسے شستہ انگریزی میں ٹالنے کی کوشش کی۔

"مجھے اپنے ساتھی کی تلاش تھی۔ وہ یہاں نہیں ہے۔"

"بھول جاؤ اُسے......" وہ مجھے انگریزی بولتا دیکھ کر اور بے باک ہوگئی۔ "لائف انجوائے کرو۔ ابھی ٹائم ہے، وقت گزر گیا تو صرف یادیں باقی رہ جائیں گی۔ یادیں گزرے وقت اور ڈھلتی جوانی کو واپس نہیں لاسکتیں۔"

مجھے حیرت ہوئی، وہ جان کیٹس کی کسی مشہور نظم کا ترجمہ سنا رہی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑے اُس کی علمی قابلیت اور جنسی بے راہ روی کا موازنہ کرتا رہا۔

"تم غیر ملکی ہو، میں سیاحوں کے ساتھ اُلٹی چھری استعمال نہیں کرتی۔" اُس نے پھر بازاری عورتوں کی طرح آنکھیں مٹکانا شروع کردیں۔ "اونلی تھرٹی پاؤنڈ فار فل انجوائمنٹ۔"

"نان سنس......" میں برداشت نہ کرسکا تو پینترا بدل کر سختی سے بولا۔ "گٹ لاسٹ۔"

میرا خیال تھا کہ "گٹ لاسٹ" کی تلخی کا زہر پینے کے بعد وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گی، ایسا نہیں ہوا۔ اُس کی نگاہوں کی مستی کی جگہ دہشت گردی کا رنگ اُبھر آیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اُس نے قریب کھڑے ہوئے ایک ایسے شخص کو آواز دی جو شکل ہی سے کوئی شہرہ پشت بدمعاش نظر آتا تھا، میلی کچیلی جینز کے اُوپر اُس نے کسی قسم کا لباس پہننے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ مقصد شاید اپنے گٹھے ہوئے جسم کی نمائش تھا، سر پر اُس نے گہرے سرخ رنگ کا رُومال باندھ رکھا تھا، وہ قریب آیا تو عورت نے اپنی برہمی کا اظہار کیا۔

"اڈگر...... یہ بلیک انڈین (کالا آدمی) تمہارا رس بری کو گٹ لاسٹ بولا، اپنی زبان میں گالی نکالا۔"

ایسے موقعوں پر عموماً عورتیں مردوں کو بھڑکانے کی خاطر جھوٹ کا سہارا لیتی ہیں۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ دنیا کے ہر خطے کی جسم فروش یا مجرمانہ ذہنیت رکھنے والی عورتوں کی پشت پر کسی

نہ کسی مافیا یا بڑے بدمعاش کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے جو اُس کے تحفظ کے عوض ایک معقول رقم بطور تاوان وصول کرنے کا حقدار ہوتا ہے۔ اس بدقماش عورت نے بھی خود کو "رس بری" کہہ کر گویا اڈگر کی "غیرت" کو للکارا تھا۔

"زندگی چاہتا ہے یا کتوں جیسی موت؟" اڈگر نے سینے کی مچھلیاں پھڑپھڑاتے ہوئے مجھے خونخوار نظروں سے گھورا۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔

میں "پب" میں ہنگامہ کرکے اپنی رُسوائی نہیں چاہتا تھا اس لئے خون کے گھونٹ پی کر سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔ "زندگی......"

"اوکے......" اڈگر نے اپنی دریا دلی کے ساتھ ساتھ اپنی داداگیری کا ثبوت پیش کیا۔ زخمی سانپ جیسے انداز میں پھنکارتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولا۔ "جسٹ پے ہر ٹو ہنڈرڈ پاؤنڈز اینڈ گٹ آؤٹ...... یو باسٹرڈ۔"

میرے وجود میں مخفی قوتیں کسمسانے لگیں۔ میں نے دیدہ و دانستہ جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی، دوسو کے بجائے تین سو پونڈ کے کرارے نوٹ بے بسی کے عالم میں "رس بری" کے حوالے کئے اور ہارے ہوئے جواریوں جیسے انداز میں قدم مارتا "پب" سے باہر آگیا۔

پھر وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا۔ سو سو پونڈ کے نوٹوں کی گڈی دیکھ کر اڈگر کی نگاہوں میں اُبھرنے والی چمک میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی، مجھے یقین تھا کہ وہ اس گڈی کو باپ کا مال سمجھ کر حاصل کرنے کی خاطر میرے پیچھے ضرور آئے گا۔

میں "پب" سے نکل کر قریب نظر آنے والے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف آٹھ دس قدم ہی اُٹھا سکا تھا کہ اڈگر کی ٹھوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"رُک جاؤ مائی ڈیئر......"

میں نے پلٹ کر اڈگر کی سمت دیکھا۔ اُس کے سیدھے ہاتھ میں کشمیری ساخت جیسا لمبے پھل والا خنجر چمک رہا تھا، وہ سرعت سے قدم مارتا مجھ سے ایک قدم کے فاصلے پر آکر رُک گیا، مدھم مگر خوفناک آواز میں بولا۔

"زندگی عزیز ہے تو کرنسی نکال کر میرے حوالے کردو اور خاموشی سے دفع ہوجاؤ۔"

"میں نے سارے نوٹ تمہیں دے دیئے تو خود کیا کروں گا؟" میں نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ پب اور ٹیکسی اسٹینڈ کے درمیان ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ سڑک

تقریباً سنسان پڑی تھی۔ لندن کے پب آبادی سے فاصلے پر ہوتے ہیں تاکہ اگر کوئی ہنگامہ ہو تو شرفاء کو پریشانی سے نہ دوچار ہونا پڑے۔ ''میں تمہیں پانچ سو پاؤنڈ شرافت سے دے سکتا ہوں۔'' میں نے اپنا اطمینان کرنے کے بعد فیاضی کا ثبوت دیا۔ ''اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔''

''مرنا پسند کرو گے؟'' اڈگر نے گھن گرج کے ساتھ ہی اپنا خنجر والا ہاتھ خوفناک انداز میں بلند کیا۔ اُس کا لہجہ ظاہر کر رہا تھا کہ انسانی خون بہانے میں وہ کسی پس و پیش کا عادی نہیں ہے۔

میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے جھکائی دے کر خود کو بچایا، پھر دل میں پریتم لال کا نام لے کر اڈگر کی طرف پھونکا تو اُس کا جسم شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا...... خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل سڑک پر گرا اور اذیتناک انداز میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اُس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ پریتم لال کی آتما نے شاید مجھے بچانے کی خاطر اُس کی قوتِ گویائی بھی چھین لی تھی۔ آگ کے شعلے اڈگر کو روسٹ بنانے میں مصروف تھے۔

میں نے وہاں رُکنے کی غلطی نہیں کی۔ تقریباً دوڑتا ہوا ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب پہنچ کر سانس درست کرنے کی خاطر رُکا تو ایک ٹیکسی ڈرائیور تیزی سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ میں نے اُسے دیکھا تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، وہ ہرنام سنگھ تھا......!!

''تُسی...... اِتھے...... اس لعنتی جگہ پر؟'' ہرنام سنگھ نے ایک ہی سانس میں رُک رُک کر حیرت کا اظہار کیا۔ ''پب دے سامنے یہ آگ کس نے لادی؟ زیادہ چڑھ گئی ہوگی ماں دے خصم نوں۔ یہاں سے نکل چلو برادر...... آؤ...... میرے نال چلو۔''

میں نے ہرنام سنگھ کے سوالات کے جواب نہیں دیئے۔ اُس کے ساتھ قدم ملاتا خاموشی سے جا کر اُس کی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اچھے خاصے موڈ کا ستیاناس ہو گیا تھا، میں نے پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ مجھے اڈگر کی موت کا غم نہیں تھا۔ وہ جس راہ کا مسافر تھا اُس کا اختتام کسی ایسے ہی موڑ پر ہونا تھا۔ میں اُسے کیفرِ کردار تک نہ پہنچاتا تو کل کلاں کو کوئی دوسرا ٹھکانے لگا دیتا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ پریتم لال کی آتما نے ہسپتال میں جو کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ اڈگر کی موت سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی تھی کہ پریتم لال کی مہان شکتی

کا ہاتھ میرے سر پر ہے، وہ آئندہ بھی میرے کام آ سکتا تھا۔

''تُسی چپ چپ کیوں ہو برادر۔ سب خیر تو ہے؟'' ہرنام سنگھ نے میری خیریت دریافت کرنی شروع کر دی۔ ''کوئی اُلٹی سیدھی گل ہے تو اپنے اس تابعدار کو دس دو، واہ گرو دی سو، میں تو اوڈی خاطر جان بھی......''

''میں بخیر و عافیت ہوں ہرنام سنگھ۔'' میں نے اُکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''اچھا ہوا جو تم وقت پر مل گئے۔ مجھے ہوٹل تک پہنچا دو۔''

''اِک گل پوچھوں برادر۔ برا تو نہیں مناؤ گے؟'' ہرنام سنگھ نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''کہیں تم موج میلہ کرنے تو لندن نہیں آئے ہو......؟''

میں نے محسوس کر لیا کہ ہرنام سنگھ نیک دل آدمی تھا، بک بک کرنا اور بال کی کھال نکالنا اُس کی عادت تھی، شاید دجنتی کی جدائی نے اُس کے دل و دماغ پر اچھے اثرات مرتب نہیں کیے تھے۔ وہ اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی انگریز کے ساتھ بھاگ جانے کی بات مجھ سے کر سکتا تھا تو میرے بارے میں بھی کسی دوسرے کے سامنے زبان پر قابو پانا اُس کے لئے دُشوار ہوتا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے ارتکاز کیا، ہرنام سنگھ کے تصور کو ذہن میں بیدار کر کے اُسے ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا۔

''ہرنام سنگھ، اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو کہ تم نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے کہاں دیکھا تھا۔''

''نکال دیا برادر۔'' اُس نے معمول جیسے انداز میں فرمانبرداری سے کہا۔

''تم نے مجھے کسی پب کے سامنے نہیں دیکھا تھا۔''

''بالکل نہیں دیکھا تھا۔''

''ہماری ملاقات بیکرز اسٹریٹ پر ایک شاپنگ مال کے سامنے ہوئی تھی۔''

''آہو۔ میں اپنی کڑی دجنتی نوں لبھ رہا سی کہ تُسی مل گئے۔'' ہرنام کے ذہن میں پھر دجنتی اُبھر آئی۔ افسردہ لہجے میں بولا۔ ''صبح سے شام تک ایک سے ودھ کر ایک بھلی چنگی، گوری چٹی کڑیاں ساڈی کیب وِچ سفر کر دی ہیں۔ پر وہ کھوتے دی جنی نہ جانے کتھے ٹُر گئی؟ واہ گرو دی سو، وہ بس ایک واری مجھے مل جائے، میں اُس کے ٹوٹے......''

''ہم کو اُسی ہوٹل تک جانا ہے جہاں تم ایک بار پہلے لے گئے تھے۔'' میں نے اُس کی

بات درمیان سے اُچک لی۔

"مینوں یاد ہے برادر۔ پانچ ورش سے لندن کی اُونچی نیچی سڑکوں پر ڈول رہا ہوں۔"

میں نے ہرنام سنگھ کے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا، وہ پھر گھسے ہوئے ریکارڈ کی طرح بجنے لگا۔ کیب ہوٹل کے صدر دروازے پر جا کر رُکی تو اُس نے تیزی سے اُتر کر پچھلا دروازہ کھولا۔ میں نے اُترتے اُترتے سو سو پاؤنڈ کے پانچ نوٹ نکال کر اُس کی جیب میں ڈالے تو بڑی اپنائیت سے میرا ہاتھ تھام کر بولا۔

"میں نے تمہیں برادر کہا ہے۔ تُسی مینوں شرمندہ کرتے ہو۔"

ہرنام سنگھ کے لہجے میں خلوص تھا، محبت تھی۔ میں نے اڈگر سے پانچ سو پاؤنڈ میں سودا طے کرنا چاہا تھا مگر موت اُس کا مقدر بن گئی۔ ہرنام سنگھ زیادہ انعام کا مستحق تھا۔ میں نے اُسے سمجھا بجھا کر رُخصت کر دیا۔ اس بار صدر دروازے پر تعینات ہوٹل کے کارندوں نے مجھے روکنے کی جسارت نہیں کی۔ خودکار دروازہ میرے وزن کے بوجھ سے کھل گیا۔ میں سینہ تانے اندر داخل ہوا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے رُوم سروس کو کافی کا آرڈر دیا، پھر کافی پیتے وقت مجھے جین کی ایک بات یاد آ گئی، اُس نے کہا تھا کہ جم، مارٹینا کے قتل کا معمہ حل کرانے کے سلسلے میں مجھ سے رابطہ قائم کرے گا۔ میں اس مسئلے کو ٹالنا چاہتا تھا، مارٹینا کی موت کے سلسلے میں جیکب کا نام بھی درمیان میں آتا، جین بھی ملوث ہو جاتی جو مجھے منظور نہیں تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر جم کو فون کیا، دوسری جانب سے سارا کی مانوس آواز سنائی دی۔

"مجھے جم سے بات کرنی ہے......" میں نے دبی آواز میں کہا۔

"تم......تم دولت علی۔" سارا میری آواز سن کر چہکنے لگی۔ "میرے کان دھوکا نہیں کھا سکتے۔ میں تمہاری آواز کو لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں۔"

"کیسی ہو سارا؟" میں نے اُس کی خیریت دریافت کی۔

"میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ تمہاری عمر طویل ہو گی۔ یقین کرو، ابھی میرے اور جم کے درمیان تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ تم نے فون کر کے مجھے حیران کر دیا، کہاں سے بات کر رہے ہو؟"

میں نے ہوٹل کا نام اور رُوم نمبر بتایا تو وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"ہاں، مجھے یاد آیا۔ جین نے آج ہی جم کو بتایا تھا کہ تم اُس کے فارم ہاؤس سے ہوٹل منتقل ہو گئے ہو۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ جم بتا رہا تھا کہ جین تمہارے جانے سے افسردہ ہے۔"

"کچھ ضروری کام درپیش تھے جو میں شہر سے دُور رہ کر نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے بہانہ تراشا۔

"جم کو بھی ایک اہم دفتری معاملے میں تمہاری ضرورت پیش آ گئی ہے۔ ٹھہرو...... میں بات کراتی ہوں۔"

چند لمحے بعد جم کی آواز اُبھری۔ "ہیلو دولت علی۔" اُس نے عجلت کا مظاہرہ کیا۔ "تم اس وقت مصروف تو نہیں ہو؟"

"کافی کی چسکیاں لے رہا ہوں۔" میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

"میں گاڑی بھیج رہا ہوں، تم میری طرف آ جاؤ۔ گپ شپ رہے گی۔"

"سارا بتا رہی تھی کہ تمہیں پھر کسی دفتری معاملے میں میری ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" میں نے اُسے کریدا۔

"فون پر نہیں......" جم نے محتاط انداز اختیار کیا۔ "تم آ جاؤ، ہم اکٹھے ڈنر کریں گے، پھر اطمینان سے گفتگو ہو گی۔"

"آج معاف کر دو جم۔" میں نے اُسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "میں نے کسی کو وقت دے رکھا ہے۔"

"کون ہے وہ خوش نصیب؟" جم کی آواز مدھم ہو گئی، اُس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"فون پر نہیں......" میں نے اُسی کے انداز میں کہا۔ "کل رات کے ڈنر کے بعد اطمینان سے گفتگو ہو گی۔"

"اس وقت میری یاد کیسے آ گئی؟" جم نے فون کرنے کی وجہ جاننا چاہی۔

"کیوں؟ کیا تمہیں یاد کرنا بھی کسی خطرناک جرم کے احاطے میں آتا ہے......؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"باتوں میں اڑانے کی کوشش مت کرو دولت علی۔ میں تمہاری ماورائی اور رُوحانی قوتوں کا معترف ہوں، تم نے میرے اُوپر جو احسان کیا ہے وہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا، تم مدد نہ کرتے تو اتنی جلدی میری ترقی کبھی نہ ہوتی۔ لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم

نے اس وقت مجھے بلا مقصد فون نہیں کیا ہوگا...... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں، میں جانتا ہوں کہ تم ایک ذہین آفیسر ہو۔" میں نے سنجیدگی سے بات بنانے کی کوشش کی۔ "دراصل میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا تھا، اپنے ذاتی معاملے میں۔"

"کیا وہ بات کل نہیں ہوسکتی......؟"

"میں سارا کے سامنے اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھتا۔" میں نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ایک خاص وجہ سے میرا فوری طور پر ہندوستان جانا ضروری ہوگیا ہے اسی لئے جین کے فارم ہاؤس سے گلوخلاصی حاصل کی ہے، اُسے میرے جانے کا علم ہوجاتا تو کبھی ہوٹل منتقل ہونے کی اجازت نہ دیتی۔"

"میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تمہیں پہلے میرا ایک اہم معاملہ سلجھانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن لندن میں میرا قیام ہفتے بھر سے زیادہ ممکن نہیں......" میں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی خاطر کہا۔ "میرے بعد تمہیں جین کا خیال رکھنا ہوگا، میں کوشش کروں گا جلدی واپس لوٹ آؤں۔"

"اس کے علاوہ بھی مجھے تمہاری دس شرطیں منظور ہیں، لیکن تمہیں ہر قیمت پر پہلے مجھے درپیش گتھی سلجھانی ہوگی۔"

جم سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد بھی میں اُسی کے بارے میں سوچتا رہا، بات اُلجھی نظر آرہی تھی۔ ولیم کسی قیمت پر اپنے معاملے میں مارٹینا والے حادثے کی تشہیر پسند نہیں کر رہا تھا اور جم اپنے مفاد میں مارٹینا کے قتل کا سبب اور قاتل کی شخصیت کو سامنے لانے کی جان توڑ کوششوں میں لگا تھا۔ میرا فیصلہ اپنی جگہ تھا۔ میں جین کی وجہ سے ولیم کو نہ صرف اُس کا جائز حق دلانا چاہتا تھا بلکہ جین ہی کی وجہ سے جیکب کا نام درمیان میں نہیں لانا چاہتا تھا جسے انکا کی پراسرار قوتوں نے محکمہ سراغرسانی والوں کے لئے ایک لاینحل معمہ بنا دیا تھا۔ مجھے اس تکون کے بیچ کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ انکا ہوتی تو پلک جھپکتے میں سارے مسئلوں کا حل نکل آتا، وہ ولیم کی جائیداد کا فیصلہ کرانے کی غرض سے پانچ دن کا کہہ کر گئی تھی لیکن اُسے اپنے مقصد کے حصول میں زیادہ وقت بھی لگ سکتا تھا۔ بات اگر صرف ولیم کے حقوق کی ہوتی تو کام آسان تھا لیکن مارٹینا

لیونارڈو کے علاوہ اپنے سابقہ مرحوم شوہر کی جائیداد پر بھی قبضہ جمائے بیٹھی تھی۔ اُس کے لواحقین بھی سامنے آسکتے تھے، بات طول پکڑ جاتی۔ ایک وقت میں کئی سروں پر پھدکتے پھرنا انکا کے لئے دُشوار نہیں تھا لیکن عدالت کی کارروائی، وکیلوں کی بحث، گواہوں کے بیانات اور قانونی موشگافیوں میں بھی وقت صرف ہوسکتا تھا۔

ذہن کو سکون دینے کی خاطر میں نے میلبا کو طلب کیا، وہ میرے اندازے سے زیادہ تجربہ کار اور معاون ثابت ہوئی۔ میں نے اُسے انعام دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ گئی رات تک وہ میرے پہلو میں بیٹھی خوبصورت باتیں کرتی رہی، سر سہلاتی رہی، اپنے قرب کی تپش سے میرے تھکے ہوئے اعصاب کو سکون بخشتی رہی۔ پھر وہ کس وقت میرے پاس سے اُٹھ کر گئی؟ مجھے یاد نہیں......!

دروازے سے بلند ہونے والی پُر شور آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اُٹھا، کوئی شدت سے متواتر دروازہ پیٹ رہا تھا۔ میری پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ میں جس لباس میں تھا اُسی میں اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ہوٹل کا منیجر ایک باوردی پولیس آفیسر اور دو سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔ میلبا بھی ایک طرف سر جھکائے خاموش کھڑی تھی۔ ہوٹل کے ایک دو کارندے بھی تھے۔ میں ایک لمحے کو گھبرا گیا۔ صبح آٹھ نو بجے کے درمیان کسی ہوٹل کے دروازے پر پولیس کی موجودگی خالی از علت نہیں ہوسکتی تھی۔

”مسٹر دولت علی آپ ہی ہیں؟“ پولیس آفیسر نے مہذب لہجے میں سوال کیا۔

”جی ہاں......“ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”ہوٹل کے جنرل منیجر کا بیان ہے کہ محکمہ سراغرسانی کی لیک معزز لیڈی آفیسر مِس جین مارنڈا نے آپ کا خیال رکھنے کے لئے خاص طور پر فون کیا تھا۔“ پولیس آفیسر نے مجھے سرتاپا گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ ”آپ مس جین کو کس طرح جانتے ہیں؟“

”یہ میرا قطعی نجی معاملہ ہے۔“ میں نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا۔ ”میں غیر ضروری سوالات کے جواب دینے کا عادی نہیں ہوں، آپ اس وقت اپنے آنے کا مقصد بیان کریں۔“ میرے لہجے کی تلخی میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ پولیس آفیسر کے چہرے پر بھی تناؤ کی کیفیت پیدا ہونی شروع ہوگئی۔

”کیا ہم اندر بیٹھ کر سہولت سے بات نہیں کر سکتے؟“ اُس نے مجھے تیکھے انداز میں مخاطب کیا۔

”سوری۔“ میں نے لحاظ و مروت کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ”تم نے مجھے سوتے میں ڈسٹرب کیا ہے، میں اس وقت اخلاق کی جھوٹی نمائش نہیں کر سکتا۔“

”مجھے آپ کے کمرے کی تلاشی لینی ہے۔“

”کیوں......؟“

”اس کا جواب تلاشی کے بعد دیا جائے گا۔“ پولیس آفیسر نے جیب سے سرچ وارنٹ نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

سرچ وارنٹ دیکھ کر میرا ذہن بھک سے اُڑ گیا۔ میرا دل چاہا اس کاغذ کے حقیر ٹکڑے کر کے اُس کے منہ پر مار دُوں۔ انہیں قبل از وقت باور کرا دُوں کہ جمیل احمد خان کو چھیڑ کر وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے تھے لیکن میں خون کے گھونٹ پی کر چپ رہا۔ رات میں نے پب میں بھی اسی لئے کسی ہنگامے سے گریز کیا تھا کہ میں اخبار کی شہ سرخیوں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ میں اُلجھ جاتا تو ہندوستان واپسی میں دیر ہوجاتی۔

میں دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ کمرے میں آ گئے۔ معاً میرے ذہن میں انگارانی کا خیال اُبھرا۔ اُس نے رخصت ہوتے وقت خاص طور پر تاکید کی تھی کہ میں سفری بیگ سے کرنسی نوٹ نکال کر اُسے میلبا کو واپس کر دُوں۔ انگا اندھیروں میں دُور تک دیکھنے کی عادی تھی۔ اُس نے محسوس کر لیا ہوگا کہ سفری بیگ کمرے میں موجود ہونے کی صورت میں میری اُلجھن بڑھ سکتی ہے۔ میں ولیم سے گفتگو میں ایسا محو رہا کہ انگا کی ہدایت پر عمل نہ کر سکا۔ اب وقت نکل چکا تھا۔

پولیس آفیسر کو زیادہ اُٹھا پٹخ نہیں کرنی پڑی۔ سفری بیگ اُسے پہلی الماری کھولتے ہی مل گیا۔ اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ میرے قریب آ کر اُس نے بیگ فضا میں بلند کر کے میری نظروں کے سامنے کر دیا۔ مجرم کو نروس کرنے کا یہ بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ پولیس آفیسر کا خیال تھا کہ میں بیگ کے دستیاب ہوتے ہی گڑبڑا جاؤں گا، ہاتھ پیر چھوڑ دُوں گا۔ اگر اُس نے ایسا سوچا تھا تو یہ اُس کی بھول تھی۔ میں نے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ میری نگاہوں میں تلخیوں کا رنگ اور گہرا ہوگیا۔

”یہ بیگ کس کا ہے مسٹر دولت علی؟“ اُس نے زہر خند سے پوچھا۔

”تم نے اسے میرے کمرے سے حاصل کیا ہے اس لئے میرے سوا اور کس کا ہوسکتا ہے؟“ میں نے دبنگ آواز میں جواب دیا۔

”کیا آپ بتا سکتے ہو کہ اس بیگ میں کیا ہے......؟“

”کھل کر بات کرو آفیسر۔“ میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ”تم اس معمولی سفری

بیگ سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"تم نے اس بیگ کو جس میں سو سو پونڈ کے نئے نئے نوٹوں کی گڈیاں موجود ہیں چوری کیا ہے۔" پولیس آفیسر کا لہجہ یکلخت کرخت ہو گیا۔ "میں تمہیں اس جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔"

"ہوش کرو آفیسر۔" میں نے اُسے چیلنج کیا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ بیگ میں نے چوری کیا ہے؟"

"ثبوت یہ بیگ بذاتِ خود ہے...... اس کے گواہ یہ لوگ ہیں جن کی موجودگی میں تمہیں ہتھکڑیاں پہنا کر اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ پولیس اسٹیشن پہنچ کر تم سب کچھ اُگل دو گے۔"

"اپنی اوقات سے تجاوز مت کرو آفیسر۔" میرے اندر لازوال قوتیں کسمسانے لگیں۔ "تم ایک معزز شخص کی بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔" میری آواز میں گھن گرج پیدا ہونے لگی۔ "بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے تم میرے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کر سکتے۔ میں تمہارے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ دائر کرنے کا حق رکھتا ہوں۔"

پولیس آفیسر میری دیدہ دلیری پر بل کھا کر رہ گیا۔ میلیبا بھی مجھے حیرت سے گھورنے لگی۔

"ہمارے ملک میں قانون اور عدالتی انصاف بڑا صاف و شفاف ہوتا ہے مسٹر دولت علی۔" پولیس آفیسر جس کا نام لوئیس آرتھر تھا، انتہائی سرد لہجے میں بولا۔ "میں سمجھ رہا ہوں کہ تم مزاحمت کی فضول کوشش کیوں کر رہے ہو؟ یہ حربے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔" اُس نے الفاظ چباتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دُوں کہ مس جین مارنڈا......"

"نہیں، میں تمہیں کسی اور کا نام درمیان میں لانے کی اجازت نہیں دُوں گا۔" میں نے مٹھی بھینچ کر بمشکل غصے پر قابو پاتے ہوئے احتجاج کیا۔ "تم نے میرے اُوپر ایک جھوٹا الزام عائد کرنے کی کوشش کی ہے، اسے ثابت کئے بغیر تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

پولیس آفیسر نے مجھے ایک لمحے کو بے حد غور سے دیکھا۔ میرے لہجے کی ترشی اور تلخ کلامی سے اُس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی ہو گی۔ اُس کا اندازہ تھا کہ میں بیگ سامنے آجانے کے بعد ہتھیار ڈال دُوں گا۔

"مسٹر دولت علی۔" اُس نے کچھ توقف کے بعد سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس بیگ میں کتنی رقم موجود ہے؟"

"نہیں......" میں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ "میں ذاتی اخراجات کا باقاعدہ حساب کتاب رکھنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کوئی اندازہ......؟"

"اندازے وہ لگاتے ہیں جنہیں خود پر اعتماد نہیں ہوتا۔"

"کیا تم نے اس بیگ سے کچھ رقم نکال کر خرچ بھی کی ہے" اُس نے پینترا بدلا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ کل شام تم نے کچھ وقت ہوٹل سے باہر بھی گزارا ہے، ممکن ہے شاپنگ بھی کی ہو۔"

"امکانات کی بات کر کے تم اپنی کمزوری کا ثبوت دے رہے ہو۔" میں نے اُسے چڑانے کی کوشش کی۔ "ذمہ دار پولیس آفیسر ٹھوس اور دوٹوک بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔"

"ہم نے اُس کاؤنٹر کلرک کو بھی حراست میں لے لیا ہے جس نے میلیبا کے ذریعے یہ بیگ تم تک پہنچایا تھا۔" اس بار اُس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ تم جس کاؤنٹر کلرک کی بات کر رہے ہو اُس نے غلطی سے تمہیں میرے کمرے کا نمبر بتا دیا ہو۔"

پولیس آفیسر نے مجھے چبھتی نظروں سے گھورا۔ "کیا تم شرافت سے ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرو گے؟"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہاری بیہودہ اور فضول گفتگو کے کچھ گواہ بھی کمرے میں موجود ہیں جو ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمہ میں میرے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوں گے۔"

پولیس آفیسر میری ڈھٹائی پر تلملا گیا۔ اُس نے ایک سپاہی کو ہونٹ کاٹتے ہوئے اشارہ کیا جو ہاتھ میں فائل دبائے کھڑا تھا، آفیسر کا اشارہ پا کر اُس نے فائل سے ایک فوٹو اسٹیٹ کی ہوئی فہرست نکال کر میرے حوالے کر دی۔ میں نے کاغذ پر غور کیا تو ایک ثانیے کو گھبرا گیا۔ اُس پر انگریزی حروف کے ساتھ ساتھ کچھ نمبروں کا اندراج بھی تھا۔ میں سمجھ گیا یہ

ان نوٹوں کے نمبر تھے جو بیگ میں موجود تھے جسے ابھی تک کھولا نہیں گیا تھا۔ جس بینک نے وہ لسٹ جاری کی تھی اُس کا نام بھی جلی حروف میں نظر آ رہا تھا۔ بینک منیجر کے دستخط اور مُہر بھی موجود تھی۔ میرے خلاف جو ثبوت تھے اس میں کوئی جھول نہیں تھا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کہتا پولیس آفیسر کی تیز آواز میرے کانوں میں دوبارہ گونجی۔

''کیا تم اب بھی مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہو......؟''

''نہیں......'' میں نے فیصلہ کن آواز میں جواب دیا۔ ''تم کاغذی کارروائی مکمل کرو۔'' میرا لہجہ بتدریج سرد ہوتا گیا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کس قماش کے آفیسر ہو۔ میں اب بھری عدالت میں تمہیں تمہاری حیثیت کا احساس دلاؤں گا۔''

ہندوستان ہوتا تو میرے سخت جملے کی پاداش میں مجھے کسی کال کوٹھڑی میں بند کر کے پہلے مادر زاد برہنہ کیا جاتا، پھر رُوئی کی طرح دھنک دیا جاتا، کوئی رحم نہیں کیا جاتا۔ اگر مر جاتا تو خاموشی سے راتوں رات مجھے جلا کر میری راکھ دریا برد کر دی جاتی، زندہ رہتا تو زدوکوب کے نتیجے میں ناقابل مرمت جسمانی ٹوٹ پھوٹ سے تنگ آ کر زندگی کی آخری سانس تک موت کی دُعائیں مانگتا رہتا۔ لیکن وہ ہندوستان نہیں، لندن تھا جہاں مجرموں کے ساتھ اُس وقت تک انسانیت سوز سلوک نہیں کیا جاتا جب تک وہ ازخود اپنے جرم کا اقرار نہ کرے یا عدالت کوئی حتمی فیصلہ نہ سنا دے۔

پولیس آفیسر نے قانونی کارروائی شروع کی، بیگ سے کرنسی نوٹ نکال کر اُنہیں گنا گیا، اُن کے سارے نمبر فہرست سے ملتے تھے۔ صرف وہ کرنسی نوٹ کم تھے جو میں خرچ کر چکا تھا۔ میں صوفے پر آرام سے بیٹھا کاغذی کارروائی دیکھتا رہا، میری موجودگی میں مشیر نامہ تیار کیا گیا، گواہوں کے دستخط اور بیان لئے گئے۔ میلبا نے اس سفری بیگ کے سلسلے میں وہی بیان دیا جو پہلے مجھے دے چکی تھی۔ اُس نے کاؤنٹر کلرک کے کہنے پر وہ بیگ میرے کمرے تک پہنچایا تھا۔

مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میں چاہتا تو پولیس کے کارندے اندھے ہو جاتے، وہ ساری زندگی کمرے کی ایک ایک شے کو اُلٹتے پھرتے رہتے لیکن بیگ اُن کے ہاتھ نہ لگتا۔ میں اُنہیں اپنی قوتوں کے ذریعے دروازے ہی سے واپس لوٹا سکتا تھا، میں ایک اشارہ کرتا، پولیس آفیسر میرے تلوے چاٹنے لگتا، ساری کاغذی کارروائی دھری کی دھری رہ

جاتی، میرے لئے سب کچھ ممکن تھا۔ میں نے بدری نرائن اور اُس کے چیلوں کو پورے ہندوستان میں کہیں پناہ نہیں لینے دی تھی۔ میں نے بھی اپنا بہت کچھ کھویا تھا لیکن جیت میری ہی ہوئی۔ بدری نرائن کتوں کی موت مارا گیا۔

جین کے فارم ہاؤس میں قیام کے دوران میں نے ارتکاز اور مراقبے کی مشقیں کر کے کھوئی ہوئی قوتیں دوبارہ حاصل کر لی تھیں۔ پب کے باہر اڈگر کا انجام اس بات کی دلیل تھی کہ پریتم لال کی آتما بھی میری پشت پناہی کر رہی ہے، میں انکارانی کو آواز دیتا وہ سارے کام چھوڑ کر واپس آ جاتی۔ پولیس آفیسر اور اُس کے ساتھی تگنی کا ناچ ناچنے لگتے۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر درگزر سے کام لینے کی ٹھان لی۔ ڈگڈگی بہر حال میرے ہاتھ میں تھی، میں جب چاہتا اُسے بجانے لگتا۔ وہ سب اُس کی تال پر تھرکنے لگتے۔ ہر بات میرے اختیار میں تھی لیکن میں ضبط سے کام لے رہا تھا۔

کاغذی کارروائی مکمل ہو گئی۔ پولیس آفیسر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ مجھے حقارت سے گھور کر بڑے زہریلے لہجے میں بولا۔

''کیا تم خود اُٹھو گے یا مجھے اپنے کارندوں کو تمہاری ڈنڈا ڈولی کرنے کی زحمت دینا پڑے گی۔''

پولیس آفیسر کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ میں نے اُسے خشمگیں نظروں سے گھورا، میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میلبا مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کل رات وہ میری بانہوں میں کھیل رہی تھی، اس وقت مجھے پولیس کے سامنے بے بس دیکھ کر اُس کے دل پر جانے کیا گزر رہی ہو گی۔ میرے جسم پر شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا لباس موجود تھا۔

''تم چلو آفیسر، میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں۔'' میں نے سرد لہجے میں پولیس آفیسر کو مخاطب کیا۔ اُس نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکال کر مجھ پر تان لیا۔

''تم اسی لباس میں میرے ساتھ چلو گے۔'' اُس کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ ''ہتھکڑی پہن کر۔'' اُس نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا، وہ ہتھکڑی لئے میری طرف بڑھنے لگا۔

مجھے اُن نادانوں کے انجام پر ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی۔ اُنہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں تھا، میں تیور بدل لیتا تو میری آتش انتقام سے چٹخنے والی چنگاریاں شہد کی مکھیوں

کی طرح لپٹ کر اُن کے جسم بھنبھوڑ ڈالتیں، لہولہان کر دیتیں، انہیں بھاگنے کا راستہ نہ ملتا، وہ زمین پر گھٹنے ٹیک کر گڑگڑانے لگتے، میری منت سماجت شروع کر دیتے۔ لیکن میں ضبط سے کام لے رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے جین مارنڈا کا نام لے کر مجھے کمزور کر دیا تھا۔ میں قانون سے طاقت کے دو دو ہاتھ کر لیتا تو جین بلاوجہ بدنام ہوتی۔ مجھے اُس کی رُسوائی منظور نہیں تھی۔

”سنو آفیسر۔“ میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ لیکن ہتھکڑی پہنانے کا حکم واپس لے لو۔ یہ میری توہین ہوگی۔“

”ایک ملزم کی زبان سے توہین کا لفظ سن کر مجھے ہنسی آ رہی ہے۔“ اُس نے توہین آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”تم مجھے اچھے لگے ہو دولت علی۔ مجھے اگر وقت ملا تو تم سے جیل میں بھی کبھی کبھی ملاقات کے لئے ضرور آؤں گا۔“

پانی سر سے اُونچا ہونے لگا۔ سپاہی نے قریب آ کر میرا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی تو میں نے ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ زمین پر دُور جا گرا۔ میں نے اپنی تمام مخفی قوتوں کو آنکھوں میں سمیٹا۔ میں پولیس آفیسر کو بتانا چاہتا تھا کہ اُس نے جمیل احمد خان پر ہاتھ ڈال کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ لیکن اسی لمحے ایک مانوس نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

”درگزر سے کام لو جمیل، اس سے کسی شکتی کا چمتکار جین کی راہ میں دُشواریاں کھڑی کر دے گا۔“

میں تڑپ کر رہ گیا۔ وہ میری کلدیپ کی آواز تھی۔ میں نے مچل کر کہا۔ ”یہ مجھے لوہے کا زیور پہنانے کی بات کر رہے ہیں۔ کیا ان حرام زادوں کی بات مان لوں؟“

”میں تمہیں صرف خون خرابے سے روک رہی ہوں۔“ کلدیپ نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ ”میں جانتی ہوں جمیل۔ تم ہتھکڑی پہن کر لوگوں کے سامنے جاؤ گے تو تمہارا اپمان ہوگا۔“

”پھر میں کیا کروں......؟“ میں نے تلملا کر پوچھا۔

”دُور اندیشی سے کام لو...... مہاراج کی شکتی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ نراش مت ہو، دھیرج سے کام لو......“

میں نے کلدیپ کو پھر مخاطب کیا، اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید اس کی رُوح کو زیادہ دیر ٹھہرنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ پولیس آفیسر نے میری وحشت دیکھ کر کرخت اور

سفاک لہجہ اختیار کیا۔

”دولت علی، ہمیں سختی پر مجبور نہ کرو، ورنہ ہمیں تم جیسے مجرموں کو سیدھا کرنے کے اور بھی طریقے آتے ہیں۔ میری بات مان لو، شرافت سے ہتھکڑی پہن لو......“

میں نے بے بسی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ کلدیپ کی آتما نہ آتی تو قیامت آ جاتی، میں پولیس آفیسر کو جلا کر راکھ کر دیتا، اس ہوٹل کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا جہاں میری توہین ہوئی تھی، سب کچھ تہس نہس کر ڈالتا، پھر جو بھی ہوتا......!

زمین پر گرے ہوئے سپاہی نے اُٹھنے میں دیر نہیں لگائی، اُس کی نگاہوں سے نفرت جھانک رہی تھی، وہ ڈیل ڈول میں مجھ سے زیادہ تھا اس لئے دھوکا کھا گیا۔ پولیس آفیسر کے اشارے پر دوسرا سپاہی بھی اپنے ساتھی کی مدد کو آگے بڑھا، میں نے اس بار مزاحمت نہیں کی، ایک سپاہی نے مجھے ہتھکڑی پہنا دی، پھر اپنے آفیسر سے بولا۔

”سر، یہ ٹنٹا ہے، اس کا بایاں ہاتھ مصنوعی ہے۔“

”اوہ......“ پولیس آفیسر نے گردن ہلاتے ہوئے سنجیدگی کا اظہار کیا۔ ”ہمیں چھان بین کرتے وقت زیادہ احتیاط کرنی ہوگی، ہوسکتا ہے کہ یہ سرد خانوں میں پڑی ہوئی مفرور مجرموں کی فائلوں میں سے کوئی ایک ہو، اگر ایسا ہوا تو ہم یقیناً ایک بڑے انعام کے مستحق ہوں گے۔“

میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، جانے کے ارادے سے قدم اُٹھائے تو دروازے کے سامنے جمع لوگ کائی کی طرح چھٹ گئے۔ آفیسر ریوالور تانے میرے ساتھ تھا۔ مجھے نیچے لے جانے کی خاطر مسافروں کی بجائے سامان والی لفٹ استعمال کی گئی، میں لفٹ رُکنے پر باہر آیا، لاؤنج میں خاصی بھیڑ تھی۔ میں پولیس آفیسر کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا تیزی سے باہر آ گیا۔ کسی نے کوئی توجہ نہیں دی، آفیسر کے علاوہ سپاہی بھی صورت حال سے بے خبر تھے۔ باہر پولیس کی گاڑی موجود تھی، مجھے پچھلی نشست پر دونوں سپاہیوں کے درمیان بٹھایا گیا، آفیسر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا، گاڑی حرکت میں آئی تو میں نے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی ہتھکڑی آفیسر کی گود میں اُچھالتے ہوئے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

”اسے سنبھال کر رکھو آفیسر۔ پھر کسی اور کے کام آئے گی۔“

ہتھکڑی دیکھ کر پولیس آفیسر کے علاوہ دونوں سپاہی بھی اس طرح چونکے جیسے ابھی تک

خوابِ غفلت سے دوچار تھے۔ پولیس آفیسر نے بڑی سرعت سے پلٹ کر مجھے بغور دیکھا، اُس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ جو کچھ ہوا وہ کم از کم اُس کے لئے ضرور نا قابل یقین تھا۔ میں نے کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا، سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر کلدیپ کے بارے میں سوچنے لگا جس نے بروقت مداخلت کر کے صحیح سمت میں میری رہنمائی کی تھی۔

میری طاقت کے ایک ہی کرشمے نے اُن کے سارے کس بل نکال دیئے۔ پولیس آفیسر آرتھر راستے بھر خاموش بیٹھا کسی سوچ میں گم رہا، میرے دائیں بائیں بیٹھے دونوں سپاہی بھی بار بار کنکھیوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ راستہ کسی ادھم چوکڑی کے بغیر کٹ گیا مگر مجھے پولیس اسٹیشن لے جا کر لاک اپ کر دینے کے بعد آرتھر پھر شیر ہونے لگا۔

''دولت علی، تم نے ہتھکڑی ہاتھوں سے اُتارنے کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ تمہارا تعلق یقیناً کسی خطرناک بین الاقوامی تنظیم سے ہے، ہم بہت جلد تمہاری اصل شخصیت کا سراغ لگا لیں گے۔''

''کیا میں تمہیں تمہاری متوقع کامیابی پر پیشگی مبارکباد پیش کرسکتا ہوں؟'' میں نے بذلہ سنجی سے کام لیا۔

''دو چار گھنٹے اور اطمینان کا سانس لے لو'' وہ تلملا کر بولا۔ ''کورٹ کے سامنے پیش کر کے پہلے ہم تمہارا جسمانی ریمانڈ حاصل کریں، پھر اطمینان سے تفصیلی گفتگو ہوگی۔''

میں نے جواب میں اُسے مسکرا کر دیکھا، پھر بنچ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں میرے ذہن میں مختلف خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے، میں اپنی قوتوں کے ذریعہ اُس فائل کو جلا کر راکھ بھی کرسکتا تھا جو آرتھر نے بڑی محنت اور جانفشانی سے تیار کی تھی۔ مشیر نامہ، گواہوں کے بیانات، کرنسی نوٹ اور سفری بیگ سب کچھ راکھ ہو جاتا، آرتھر ٹاپتا رہ جاتا، صرف نوٹوں کے حروف اور ہندسے تبدیل کر دیتا تو پولیس کو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی، میں اُن پر ہتک عزت کا دعویٰ کر دیتا، جھوٹا مشیر نامہ تیار کرنے پر آرتھر کو سزا ہو جاتی، میرے کردار پر کوئی داغ نہ آتا۔ اور بھی بہت کچھ ممکن تھا مگر میں نے تحمل سے کام لیا، کلدیپ کی بھٹکتی ہوئی آتما نے کہا تھا کہ اگر میں نے کوئی ہنگامہ کیا تو جین کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ میں نے کلدیپ کی بات مان لی۔

دو گھنٹے بعد مجھے کورٹ میں پیش کیا گیا۔ جج نے میری فائل کا بغور مطالعہ کیا، ایک ایک

کاغذ اُلٹا پلٹتا رہا، پھر اُس نے فائل بند کر کے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا، نگاہوں نگاہوں میں تولتا رہا، اپنے معیار کی خاص کسوٹی پر پرکھتا رہا پھر بڑے مہذب لہجے میں بولا۔

''مسٹر دولت علی، ہماری پولیس نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی؟''

''جی نہیں......'' میں نے مختصراً کہا۔

''کیا تم اپنا جرم تسلیم کرتے ہو......؟''

''میں فی الحال اس ضمن میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔'' میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

''کیس کی باقاعدہ سماعت شروع ہوگی تو کھل کر دو بدو باتیں کرنے میں زیادہ لطف آئے گا۔''

''تمہیں فائل کی تیاری میں ہمارے تفتیشی آفیسر سے کوئی شکایت ہو تو بیان کرسکتے ہو۔'' جج نے مجھے ایک موقع اور دیا۔

''سوری می لارڈ......'' میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ ''میں اپنے ترپ کے پتے قبل از وقت استعمال کرنے سے گریز کروں گا۔''

''پولیس نے ایک ہفتے کے لئے تمہارے جسمانی ریمانڈ کی درخواست کی ہے، تمہیں اس سلسلے میں بھی اپنا موقف بیان کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔''

''شکریہ یور لارڈ شپ۔'' میں نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا۔ ''فائل آپ کے سامنے ہے، مسٹر آرتھر نے میرے خلاف قانون کا گھیرا تنگ کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا، ساری دستاویز مکمل ہیں، پولیس نے میرے بچاؤ کے لئے کوئی چور راستہ نہیں چھوڑا ہوگا، بڑی دیانت داری سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ سارے ثبوت انتہائی ٹھوس اور مربوط ہیں، میں سزا سے نہیں بچ سکوں گا۔'' میں نے ایک لمحے کو گردن گھما کر لوئیس آرتھر کی سمت دیکھا، وہ بڑے ادب سے اٹنشن پوزیشن میں کھڑا تھا۔ میں جج سے دوبارہ مخاطب ہوا۔ ''مسٹر آرتھر نے میرے ساتھ ابھی تک کوئی بدسلوکی نہیں کی، میرا خیال ہے کہ یہ ایک ذمہ دار، فرض شناس اور تجربے کار آفیسر ہیں لیکن......'' میں نے جان بوجھ کر تھوڑے توقف کے بعد معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''تمام دستاویز اپنے سامنے مکمل کرانے کے باوجود اگر آپ کے معزز آفیسر کو میرے جسمانی ریمانڈ کی ضرورت بھی ہے تو انہیں حسب منشا اس کا موقع دیا جائے۔''

جج نے کسمسا کر مجھے بنظر غور دیکھا، وہ میرے جملے کی گہرائی تک پہنچ گیا تھا۔ ہاتھ میں

دبے قلم کو پُر خیال انداز میں آہستہ آہستہ کچھ دیر فائل پر مارتا رہا، اُس کے چہرے کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ وہ ریمانڈ کے حق میں نہیں ہے۔ کچھ غور و خوض کے بعد اُس نے آرتھر کو مخاطب کیا۔

''آفیسر۔کیا آپ جسمانی ریمانڈ کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں؟''

''یس یور آنر۔'' آرتھر نے دبنگ آواز میں جواب دیا۔

''کیا فائل میں موجود کاغذات کے علاوہ بھی کسی ثبوت کی تلاش ہے......؟''

''یس یور آنر......'' آرتھر نے کنکھیوں سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا۔''ہمیں ملزم کے سابق چال چلن کی چھان بین بھی کرنی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ سرد خانے میں پڑی ہوئی کوئی ڈیڈ فائل (DEAD FILE) دوبارہ حرکت میں آجائے۔''

''میں آپ کے جملے کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔'' فاضل جج نے سنجیدگی سے اپنا اختیار استعمال کیا۔

''یور آنر......'' آرتھر نے وضاحت شروع کی۔''ملزم کی گرفتاری کے وقت یہ اہم بات ہمارے علم میں آئی کہ اس کا اُلٹا ہاتھ کہنی کے پاس سے کٹا ہوا ہے، اس کی جگہ مصنوعی ہاتھ لگایا گیا ہے، اکثر مسلم ممالک میں کہنی یا کلائی کے پاس سے سیدھا یا اُلٹا ہاتھ کاٹ دینے کی سزا رائج ہے۔ اس سزا کا اطلاق ان مجرموں پر ہوتا ہے جو یا تو کسی سنگین جرم میں ملوث پائے جاتے ہیں یا کسی اخلاقی کم ظرفی کے گھناؤنے مرض کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اکثر بین الاقوامی تنظیموں کے مفرور مجرم بھی فنگر پرنٹس ضائع کرنے کی خاطر بذاتِ خود ہاتھ کٹوانے کی اذیت کو خوشی خوشی گوارا کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد کو قانون کی اصطلاح میں خطرناک مجرم کہا جاتا ہے۔''

آرتھر میرا بایاں ہاتھ کٹا ہونے کی رعایت سے فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ وہ جو الفاظ استعمال کر رہا تھا وہ میرے خون کی گردش کو تیز کرنے کے لئے بہت کافی تھے۔ وہ بدبخت مجھ پر ''اخلاقی کم ظرفی'' اور ''گھناؤنے مرض'' کا الزام بڑی خوبصورتی سے تراش رہا تھا۔ میں نے نچلا ہونٹ پوری شدت سے دانتوں تلے بھینچ لیا۔ میرے ہونٹ ہل جاتے تو تہلکہ مچ جاتا۔ بھگدڑ شروع ہو جاتی، عدالتوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا، آرتھر کو اُس کی گھٹیا وضاحتوں کا ایک اور ثبوت مل جاتا۔ میں اُسے تیکھی نظروں سے گھورتا رہا، میں نے اپنے

دل میں اُسے ایک عبرتناک سزا دینے کی ٹھان لی۔

''میں نے فی الحال صرف ایک ہفتے کے جسمانی ریمانڈ کی استدعا کی ہے۔'' آرتھر نے کسی گھاگ آفیسر کی طرح بڑی معصومیت سے کہا۔''ہوسکتا ہے کہ ہمیں قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کچھ مزید وقت بھی درکار ہو، حالات پر منحصر ہے۔'' اُس نے شانے اُچکاتے ہوئے بات ختم کی۔ جج کچھ سوچتا رہا، پھر اُس نے میری جانب دیکھا۔

''مسٹر دولت علی، کیا آپ عدالت کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کا ہاتھ کاٹے جانے کی اصل وجہ کیا تھی؟''

''مجھے ایک کار ایکسیڈنٹ کے بعد یہ اذیت برداشت کرنی پڑی۔ ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ اگر ہاتھ نہ کاٹا گیا تو زہرباد کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔'' میں نے ایمانداری سے حقیقت بیان کی، پھر آرتھر کو دیکھ کر جج سے دوبارہ مخاطب ہوا۔''میں نے جو سچائی بیان کی ہے اس کا کوئی کاغذی ثبوت نہیں ہے میرے پاس...... یہ بھی ممکن ہے کہ میں مسٹر لوئیس آرتھر اور قانون کی نظروں میں دُھول جھونکنے کی خاطر غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں۔'' میرے لہجے میں زہر کی تلخی سرایت کر گئی۔''اخلاقی کم ظرفی اور گھناؤنے مرض میں مبتلا شخص اپنے آپ کو قانونی شکنجوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر ہمیشہ اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرتا ہے، محبت اور جنگ میں تمام حربوں کا استعمال جائز ہے۔''

فاضل جج کو میری گفتگو کا انداز پسند نہیں آیا۔ اُس نے برا سا منہ بنا کر پولیس کی درخواست پر سات یوم کے جسمانی ریمانڈ کا حکم صادر کر دیا۔ آرتھر کا سینہ کچھ اور چوڑا ہو گیا۔ میں اُس کی بدنصیبی پر مسکرانے لگا۔ واپسی پر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ مجھے پولیس اسٹیشن لا کر دوبارہ لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔

میں بڑی لاپرواہی سے فرش پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے، آرتھر کو کوئی مناسب سزا دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا جب آرتھر دوبارہ نظر آیا۔ وہ تنہا نہیں تھا۔ اُس کے ہمراہ جین، ولیم اور جم بھی تھے، سب ہی کے چہروں سے حیرت ٹپک رہی تھی، جین سب سے زیادہ مغموم اور اُداس نظر آرہی تھی۔ میں اُن سب کے استقبال کے لئے مسکراتا ہوا اُٹھا۔

''دولت علی......'' جین نے سلاخوں کے قریب پہنچ کر رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔''یہ سب کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟ مجھے ولیم نے فون پر اخبار کے حوالے سے اطلاع دی تو مجھے

اپنی قوت سماعت پر دھوکا ہوا۔ میں ولیم کو راستے سے لیتی ہوئی برق رفتاری سے دفتر پہنچی تو وہاں جم بھی حیرتوں میں ڈوبا نظر آ رہا تھا۔ جم نے فون کیا تو معلوم ہوا کہ تمہیں عدالت لے جایا گیا ہے۔'' جین ایک ہی سانس میں سب کچھ کہتی چلی گئی۔ ''مجھے بتاؤ دولت علی حقیقت کیا ہے؟ تم جین پر اعتماد کر سکتے ہو۔''

ولیم کی بے چین نگاہوں میں بھی سینکڑوں سوالات مچل رہے تھے۔ جم بھی خاصا اُلجھا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اُس نے ذہانت سے کام لیا، جین کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے تسلی دی، پھر بڑے سلجھے لہجے میں آرتھر سے مخاطب ہوا۔

''کیا ہم اپنی ذمہ داری پر تمہاری اجازت سے کسی علیحدہ کمرے میں دولت علی سے کچھ بات چیت کر سکتے ہیں؟''

آرتھر نے بے بسی سے شانے اچکا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ محکمہ سراغ رسانی کے اعلیٰ اور ذمہ دار آفیسروں کی درخواست رد کرنا شاید اُس کے اختیار میں نہیں تھا، ہمیں ایک علیحدہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جین کی اضطرابی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس نے پوری قوت سے ولیم کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، غم اور تکلیف کی شدتوں کو برداشت کرنے کا یہ بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ میرے دل کو چرکا سا لگا، خوشی بھی ہوئی کہ جین نے جم کی بجائے ولیم کو اپنے غم میں شریک کرنے کو ترجیح دی۔ شاید انکارانی کی کوششیں باور آور ثابت ہو رہی تھیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ جین اور ولیم شادی کے مقدس رشتے میں گندھ جائیں۔ لندن میں میرا کام ختم ہو جاتا۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت میرا راستہ نہیں روک سکتی تھی۔ میں پہلی فرصت میں ہندوستان کی سمت پرواز کر جاتا، قانون کے تقاضے اور جسمانی ریمانڈ کے احکامات دھرے کے دھرے رہ جاتے۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی کا تسلط رہا، جو کچھ ہوا تھا اس نے ان سب کے دماغ کی چولوں کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ دولت علی جو رُوحانی قوتوں کے حیرت انگیز کارناموں اور کمالات سے کبھی اپنی شہرت کا جھنڈا لہرا چکا تھا، وہ چوری جیسے معمولی جرم کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے۔ اخبار نے کیا کچھ لکھا، میرے علم میں نہیں تھا۔ لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ مشرق کے سلسلے میں مغربی ذہن میں ہمیشہ منفی خیالات جنم لیتے ہیں۔ وہ خود غرض اور کینہ پرور ہوتے ہیں، دوسروں کو خود سے آگے نکلتا دیکھنا گوارا نہیں کرتے،

پسماندہ ملکوں کو قرض کے بوجھ تلے دبا کر سود در سود وصول کرنے کے فن سے خوب واقف ہیں۔ ترنگے کو یونین جیک سے اُوپر دیکھنا اُنہیں نہ کل منظور تھا نہ آج۔ جم، ولیم اور جین سب ہی اسی تہذیب کے نمائندہ تھے، اسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتے تھے، ان کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا تھا جو ایشیائی ممالک کو کمتر سمجھتے تھے، گندمی رنگ پر وہ اپنی حیا و شرم، اپنے عزم و غیرت، اپنا حسن، اپنے جسم کی رعنائیاں سب کچھ بڑے فخر سے قربان کر سکتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ مشرق کی مردانہ وجاہتیں زیادہ پُرکشش ہوتی ہیں، ان کی تسکین زیادہ بہتر انداز میں کرنے کے فن سے واقف ہوتی ہیں۔ لندن کی سڑکوں پر مقامی لڑکیاں بڑے فخر اور شان سے ہندوستانیوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چلتی ہیں۔ جسمانی رشتوں اور نزاکتوں کے معاملے میں بھی وہ آقا اور غلام کے چوری چھپے کھیل کھیلنا پسند کرتی ہیں، آقا خدمت کے فن سے ناواقف ہوتا ہے، غلام کو آقا کو خوش کرنے کے سینکڑوں نسخے معلوم ہوتے ہیں۔

میرے ذہن میں آقا اور غلام کی بلندی اور پستی کا امتیازی فرق مختلف زاویوں سے اپنی شکلیں بناتا بگاڑتا رہا، اُن کے چہروں کے رنگ گرگٹ کی طرح بدلتے رہے۔ پھر محبت اور شیدائیت کا رنگ غالب آ گیا۔ جین نے مجھ سے اپنا مستقبل وابستہ کر رکھا تھا، وہ میری تلاش میں ہندوستان کے گلی کوچوں کو چھانتی پھری تھی۔ میری خاطر اُس نے اپنی ماں کو ناراض کر دیا تھا، میں اُس کی نس نس میں دوڑ رہا تھا، انکارانی نے اُسے ولیم کی طرف جھکانے کی خاطر کیا کچھ کیا؟ میں ناواقف تھا لیکن اس وقت جین کی آنکھیں بھیگی بھیگی اور سرخ نظر آ رہی تھیں۔ ولیم نے جب اُسے میری گرفتاری اور اس کے محرکات کے بارے میں خبر دی ہوگی اس وقت جین کا نازک دل ضرور دھڑکا ہوگا، وہ ہکا بکا رہ گئی ہوگی۔ اُس نے یہی کہا تھا کہ وہ ولیم کی بات کو مذاق سمجھی تھی لیکن حقیقت کا انکشاف ہونے کے بعد اُس کی حالت ضرور غیر ہوئی ہوگی۔ اُس کے معصوم ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے خیلات کلبلائے ہوں گے۔ اُس کے خوابوں کو ہلکا ہی سہی، لیکن ایک دھچکا ضرور لگا ہوگا۔ مجھے لاک اپ میں دیکھ کر اُس کی غزالی آنکھیں چھلک اُٹھی تھیں، لباس بھی اُس کے دل کی دھڑکنوں میں آنے والی طغیانی کو پوشیدہ نہیں رکھ سکا۔ اُس کے اختیار میں ہوتا تو شاید وہ آرتھر کو گولی مار دیتی۔

جس جج نے میرے جسمانی ریمانڈ کی درخواست پر اپنے حکم نامے کے ساتھ دستخط کئے تھے،

اُس کا خون پی جاتی، اُس فائل کے پرزے پرزے کر کے ہوا میں بکھیر دیتی جس کی بنیاد پر اخباروں نے میرے اُوپر گندگی اُچھالی تھی۔ لیکن جذبات کا وہ طوفان مغربی تہذیب کے پروردہ دلوں اور ذہنوں میں جس شدت سے سر اُبھارتا ہے اس سے زیادہ سرعت سے سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے، وہ نظم و نسق کے معاملے میں بڑے مہذب ہوتے ہیں، ایک پل میں بھڑکتے ہیں دوسرے پل کے دُور رس نتائج کے پیش نظر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ ہندوستان یا دوسرے ممالک میں جہاں ناخواندگی کا تناسب زیادہ ہوتا ہے انتقام کی آگ نسل در نسل سرد نہیں ہوتی۔ لاتعداد زندگیاں اس آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں، معصوم پھول جیسے بچے بھی جھلس کر ابدی نیند کی آغوش میں سو جاتے ہیں۔ ان ہی حالات سے فائدہ اُٹھا کر انہیں ''دہشت گرد'' قرار دیا جاتا ہے۔

جین ڈبڈبائی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں میز کی ایک طرف تھا، دوسری جانب ولیم، جین اور جم برابر برابر بیٹھے تھے۔ جم کسی گہری سوچ میں غرق تھا، میں اُس کا محسن تھا، وہ ضرور میری گتھی سلجھانے کی خاطر ذہنی گھوڑے دوڑا رہا ہوگا۔ ولیم کے چہرے کے تاثرات ذرا مختلف تھے۔ میری اُس کی محض دو ملاقاتیں ہوئی تھیں مگر میری باتوں نے اُسے میرا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اُس کے دل میں جین کی محبت کے جراثیم پہلے سے موجود تھے، وہ اپنے ماضی سے خوفزدہ تھا یا پھر ستاروں پر کمند پھینک کر ناکامی کے خیال سے ڈرتا تھا جو اُس نے انکشاف نہیں کیا تھا، ممکن ہے جم کی زبانی میرا اور جین کا ذکر سن کر اُس نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا ہو لیکن میں نے جین اور اُس کی وابستگی کا ذکر چھیڑا تو اُس کی آنکھوں میں اُبھرنے والی چمک دیدنی تھی۔ میں جانتا تھا وہ میرا بے دام غلام بن گیا تھا، میری خاطر ہر قربانی پیش کر سکتا تھا، اس وقت وہ خاموش تھا لیکن اُس کی آنکھیں مجھ سے مخاطب تھیں، میں اُن کی آواز سن رہا تھا۔

''مسٹر دولت علی'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم نے جین کو میری جھولی میں ڈال کر مجھے خرید لیا ہے۔ میری حیثیت جین اور جم کے مقابلے میں بڑی کمتر سہی مگر تم ایک بار مجھے آزما کر تو دیکھو، مجھے حکم دو، میں تمہارا سارا جرم اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ اقرارِ جرم کے بعد اندھا قانون اس کے پس منظر میں جھانک کر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتا، اقرارِ جرم کی پاداش میں سزا سنا کر فائل بند کر دیتا ہے۔ تم نے میری دیرینہ خواہش کا احترام کیا، میری محبت

تسکین پہنچائی۔ میں اسی روز تمہارے ہاتھوں فروخت ہو گیا تھا جب تم نے میرا اسٹیٹس (STATUS) بڑھا کر جین کے برابر کھڑا کرنے کا سہانا خواب دکھایا تھا۔ مجھے بھی اپنی خدمت کا ایک موقع دو، محبت کا جذبہ تمام طبقاتی، نسلی اور علاقائی جذبوں اور مصلحتوں سے بلند ہوتا ہے۔ آزما کر دیکھو تو سہی، میں سفید فام نسل کا نمائندہ ہونے کے باوجود بے مروتی سے آنکھیں نہیں پھیروں گا، آزمائش صداقت کی کسوٹی ہے اور صداقت تمام خوبیوں سے بلند ہوتی ہے۔''

''صبر سے کام لو ولیم، میرے عزیز......'' میں نے اُسے پلکوں کی ایک ہلکی جنبش کی زبانی پیغام دیا۔ ''وقت کا انتظار کرو، تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔ ابھی تو کھیل کی شروعات ہوئی ہے۔''

ہمیں علیحدہ کمرے میں آئے دس منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے تھے لیکن دس منٹ کا مکمل سکوت...... ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں، جیسے ہم نے کسی غرق ہوتے ہوئے جہاز سے ایک لائف بوٹ حاصل کر کے سمندر کی بپھری ہوئی موجوں میں چھلانگ لگا دی تھی اور اب لائف بوٹ میں بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کس سمت جانا ہے؟ کنارہ ملے گا بھی یا نہیں؟

جین زیادہ برداشت نہ کر سکی تو ایک دم سے پھٹ پڑی۔

''دولت علی۔ کہہ دو کہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ میں نے جو سنا وہ غلط ہے، جو کچھ میری نظروں نے دیکھا وہ ایک خواب تھا، مہمل اور بیہودہ خواب، جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔''

''میرے کچھ کہنے نہ کہنے سے اب کیا فرق پڑے گا؟'' میں نے جان بوجھ کر دل گرفتہ لہجہ اختیار کیا۔ میں جم کے ان متوقع سوالات سے دامن بچانا چاہتا تھا جو اُس کے ذہن میں مارتھا کے پُراسرار قتل کے بارے میں کلبلا رہے ہوں گے۔ جیکب کو شناخت کر لینے کے بعد اُس کے جسم سے گوشت غائب ہوتا دیکھ کر اُس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہوں گی، قانون کی تحویل میں صرف ہڈیوں کا ایک پنجر تھا جس کی ہتھکڑیاں خود ہی ڈھیلی پڑ کر اُتر چکی ہوں گی۔

سارا، جم یا جین، کسی کے علم میں نہیں تھا کہ انکارانی کون ہے؟ کن حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے؟ کیسی کیسی شرارتیں اُس کے ننھے وجود میں چھپی ہیں؟ وہ کیسے کیسے ناقابل یقین

کارنامے انجام دے سکتی ہے؟ شعبدے اور بازی گری میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی، اُس کے پنجوں کی تیز چبھن کسی نشتر سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ فکشن، ہولناک، پراسرار اور ناقابل یقین کہانیوں کے موضوع پر لکھنے والوں کے ذہن انکارانی کی قوتوں کے خزانے کی گرد بھی نہیں چھو سکتے، ''منا ڈگی'' سے کام چلانا اور بات ہے۔ مصر کے اسرار، ہزاروں سال پرانی ممیز (MUMMIES) کی دریافت، ان سے منسوب داستانیں، طلسم ہوش ربا، سب اپنی اپنی جگہ لیکن ''انکارانی''...... بالشت بھر کی وہ فتنہ جس نے خود اپنی مرضی سے میرے سر کا انتخاب کیا تھا، ایسی ایسی لازوال اور ہولناک قوتوں کی مالک تھی کہ ذہن کی رسائی بھی اُس کی ''ابتداء'' کو نہیں پہنچ سکتی۔ رام دیال کی ماں نے پنڈت پجاریوں کے مشورے کے بعد مجھے انکا کو قبضے میں کرنے کی ترغیب دی تھی۔ راتوں رات کھرب پتی بن جانے کے سہانے خواب دکھائے تھے، میں نے بیک جنبش زبان کوئی جنتر منتر پڑھنے سے انکار کر دیا۔ شاید میں نے بھی اگر ''انکارانی'' کو دیوی دیوتاؤں کا جاپ کرنے کے بعد حاصل کیا ہوتا تو میں بھی اُس کی لامحدود قوتوں کا بھید کبھی نہ پا سکتا......

میرا اور انکا کا ساتھ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ اس عرصے میں بھی میں اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکا، جن لوگوں نے ''انکا'' کا مطالعہ کیا ہے وہ گواہ ہیں کہ جب پولیس کوشلیا کے قتل کے سلسلے میں چھان بین کر رہی تھی اُس وقت انکا نے میری ایک درخواست کے جواب میں بڑے شوخ انداز میں مسکرا کر کہا تھا...... ''اپنی انکا کے بارے میں تم بھی ابھی کچھ نہیں جانتے...... مجھے یہ شکایت ہی رہی ہے کہ کسی نے مجھ سے وہ کام ہی نہیں لیا جو میں اپنی حدود میں رہ کر بھی انجام دے سکتی ہوں...... سچی بات یہ ہے کہ میں جو کچھ کسی شخص کے لئے کر سکتی ہوں، وہ کسی کے ذہن میں ہی نہیں آ سکتا...... میں ذہنوں کو پلٹ دیتی ہوں لیکن اس کے لئے میری وہاں موجودگی ضروری ہے۔''...... جب ترینی، انکا رانی کو حاصل کرنے کی خاطر ایک ویرانے میں منڈل میں بیٹھا جاپ کر رہا تھا اُس وقت بھی انکا نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ ''جمیل، میں تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں، تم نے آج مجھے دل سے پکارا ہے...... سنو، دنیا کی تمام شیطانی طاقتیں اگر مل کر بھی مجھے پریشان کرنا چاہیں تو میں تنہا اُن کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔ لیکن ایک طاقت ایسی ہے جس کے آگے میرا کوئی زور نہیں چل سکتا۔''...... میرے وضاحت طلب کرنے پر اُس نے بتایا تھا کہ جو شخص ایک

دن مخصوص جاپ مکمل کرنے کے بعد اُسے حاصل کر لے، انکا کا اُس کے سامنے بس نہیں چلتا تھا، وہ اُس پنڈت یا پجاری کے ہر حکم کی تابع ہوتی ہے، اُس کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتی تھی اور......

میں ''انکارانی'' کی لازوال، پراسرار اور ناقابل یقین قوتوں کی وضاحتوں میں اُلجھ گیا۔ آپ انکا کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں، وہ صرف میری ہی نہیں، آپ کی بھی محبوبۂ دلنواز ہے...

میں جین کی بات کر رہا تھا جو آرتھر کے مقابلے میں زیادہ بڑے عہدے پر فائز تھی لیکن قانون کے سامنے سر نہیں اُٹھا سکتی تھی، ایک ذمہ دار آفیسر تھی، محبت اور ذمہ داری کے احساس کے درمیان پھنس کر بڑی بے بس اور پریشان نظر آ رہی تھی، میرے جواب نے اُسے اور اُلجھا دیا۔

''یہ تم کیسی مایوسی کی بات کر رہے ہو؟'' اُس نے مجھے عجیب نظروں سے گھورا۔ ''میں تمہاری اس کیفیت کو کیا نام دوں؟''

''ان باتوں سے کیا حاصل ہوگا؟'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''آرتھر نے جو کیس تیار کیا ہے اس میں کوئی لچک، کوئی سقم، کوئی جھول ہوتا تو جج اُسے میرا جسمانی ریمانڈ کیوں دیتا؟''

''اب کیا ہوگا......؟'' ولیم نے پہلی بار کسمسا کر زبان کھولی۔ ''کیا آپ اپنے کیس کا دفاع نہیں کریں گے؟ میں آپ کی طرف سے اچھے سے اچھا وکیل کھڑا کر سکتا ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔'' ولیم کے لہجے میں پیار تھا، خلوص تھا، اپنائیت تھی۔ میں نے شکریہ نہیں ادا کیا، اُس کے جذبے کی سچائی پر مسکرا دیا۔ اس مسکراہٹ میں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں تھی۔

''آرتھر سے تمہاری کوئی پرانی دشمنی تو نہیں تھی......؟'' جین نے ایک امکانی بات کہی۔

''نہیں......'' میرا جواب بڑا مختصر تھا۔

''پھر تمہارے خلاف چوری کا کیس کیوں بنایا گیا؟'' وہ پھر جھلا گئی۔ ''میرا دل نہیں مانتا، کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جو تم مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ مجھے بتاؤ دولت علی۔ وہ کیا بات ہے جس نے تمہیں آرتھر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے؟ تم مجھے آج سے پیشتر کبھی اتنے بے بس نہیں نظر آئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب تم نے سلیمان بے کو سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں......''

''پرانی باتوں کا ذکر مت کرو جین۔'' میں نے جم کو سنانے کی خاطر کسمسا کر کہا۔

"حالات ہمیشہ یکساں، ایک جیسے نہیں رہتے۔ وقت کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔"

"تم مجھے ٹالنے کی کوشش کررہے ہو...... جین کو؟" اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "کل شام میں نے تم سے فون پر بات کی تو تمہارے لہجے میں اعتماد تھا، ایک رات کے اندر اتنی بڑی تبدیلی رُونما ہوسکتی ہے، میں نہیں مان سکتی دولت علی۔"

جم جو خاموش بیٹھا اپنی عقابی نظروں سے میرا ایکسرے (X-RAY) کررہا تھا، اچانک اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ شاید وہ میری کیس فائل کا مطالعہ کرنے گیا تھا۔

"سنو دولت علی۔" جین نے بڑے پیار سے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم ہمیں واقعات کی نوعیت اور اصلیت سے آگاہ نہیں کروگے تو ہم تمہاری مدد کس طرح کریں گے؟"

"میں جو کچھ کہوں گا تم اعتبار نہیں کروگی۔" میں ہونٹ کاٹنے لگا۔ ولیم کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"تم نے قبل از وقت یہ فیصلہ کیوں کرلیا؟" جین تلملا کر بولی۔ "تم کہہ کر تو دیکھو......"

"پولیس آفیسر نے میرے رُوم سے جو سفری بیگ برآمد کیا، وہ میرا نہیں تھا۔" میں نے سنبھل کر کہا۔ جم کے چلے جانے کے بعد میں نے جین کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"پھر؟......" جین نے جذباتی انداز میں دریافت کیا۔ "وہ کس کا بیگ تھا......؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تمہارے رُوم میں کس طرح آگیا؟" جین نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی اُلجھنے لگتا۔

"رُوم ہوسٹس میلبا لائی تھی۔" میں نے بات جاری رکھی۔ انکارانی کے تذکرے اور خرچ ہوجانے والی رقم کو درمیان سے نکال کر ساری تفصیل بیان کردی، جین کے چہرے پر غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات اُبھر آئے۔ اُس نے کھاجانے والی نظروں سے مجھے گھورا۔

"کیا تم نے لوئیس آرتھر کو یہ تفصیل بتائی تھی؟"

"نہیں......" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "میں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی۔"

"کیوں......؟"

"ہر ملزم قانون کے پھندے میں آنے کے بعد کوئی نہ کوئی فرضی کہانی اپنے بچاؤ کی

خاطر ضرور سناتا ہے۔" میں نے کہا۔ "آرتھر میری بات پر یقین نہ کرتا......"

"آپ نے دُوراندیشی کا ثبوت نہیں دیا میرے محترم۔" ولیم دبی زبان میں بولا۔

"آپ کا بیان ریکارڈ پر آجاتا تو ہمارا وکیل یہ موقف اختیار کرسکتا تھا کہ کسی نے آپ کو بلاوجہ پھانسنے کی خاطر ایک منظّم ڈرامہ اسٹیج کیا ہے۔"

"میری بات غور سے سنو جین۔" میں نے ولیم کی بات کا جواب دینے کی بجائے جین کو رازداری سے مخاطب کیا۔ "میں نے اس وقت تم سے جو بات کی ہے تم اس کا تذکرہ کسی اور سے نہیں کروگی...... جم سے بھی نہیں۔"

"لیکن کیس فائل......؟"

"جم کے آنے سے پہلے مجھے اپنی بات مکمل کرلینے دو۔" میں نے جین کی بات اچکتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "میں جم پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میری روحانی قوتیں چھن چکی ہیں، تمہارے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مارٹینا کے مرڈر کیس کو تاریکی میں رکھنا چاہتے ہیں، میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، مارٹینا کے نام کے ساتھ کچھ اور نام بھی روشنی میں آجائیں گے جسے میں پسند نہیں کرتا۔"

جین اور ولیم دونوں ہی میری بات سن کر اپنی اپنی نشست پر کسمسانے لگے۔ مجھے مزید وضاحت کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جم دروازہ کھولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے چہرے پر بڑی گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ وہ میری کیس فائل کا مطالعہ کرکے واپس آیا تھا۔ ممکن ہے آرتھر کے ساتھ تبادلۂ خیالات بھی کیا ہو، میں دوبارہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ جین اور ولیم دونوں کی نظریں میرے چہرے پر جمی تھیں، میرے آخری جملوں نے دونوں کو چونکا دیا، مارٹینا کے حوالے پر دونوں ہی اپنے اپنے خول میں سمٹ گئے۔

"آرتھر سے کوئی بات ہوئی؟" جین نے دبی زبان میں جم سے دریافت کیا۔

"دولت علی۔" جم نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے براہِ راست مجھے مخاطب کیا۔ "حقیقت کیا ہے یہ تم ہی بتاسکتے ہو۔ لیکن خود آرتھر کا خیال ہے کہ تم جان بوجھ کر کیس کو اُلجھانے کی کوشش کررہے ہو۔"

"اُس نے کوئی وجہ بھی ضرور بتائی ہوگی۔" میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

"ہاں......" جم نے میری بے رُخی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "اگر اُس سفری بیگ سے

تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا تو تمہیں اُسی وقت واپس کر دینا چاہئے تھا جب میلبا اسے تمہارے پاس لائی تھی۔''

میں نے جواب نہیں دیا، خاموش رہا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ جم اور آرتھر کے درمیان اور کیا گفتگو ہوئی تھی؟

''آرتھر کا کہنا ہے کہ اس بیگ میں دس دس ہزار پاؤنڈ کی دس گڈیاں تھیں۔ ایک لاکھ پاؤنڈ کی وہ رقم دو روز پہلے ایک مقامی بینک سے نکلوائی گئی تھی۔'' جم نے میرے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آرتھر کو ہوٹل کے ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم کل شام کچھ دیر کے لئے باہر گئے تھے اور......'' جم جان بوجھ کر تھوڑے توقف سے بولا۔ ''ایک لاکھ کی رقم میں سے آٹھ سو پاؤنڈ کم ملے ہیں۔ ساری کاغذی کارروائی تمہاری اور گواہوں کی موجودگی میں ہوئی۔ تم نے اس بیگ کو اپنی ملکیت قرار دیا تھا؟ کیا یہ درست ہے؟''

''جم۔'' میں نے پینترا بدلا۔ ''کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ تم کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''میں صرف حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔'' جم نے اپنے جملے پر زور دے کر کہا۔ ''مجھے غلط سمجھنے کی کوشش مت کرو۔ ہم سب تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب تم ہمارے ساتھ تعاون کرو۔''

''اب وقت گزر چکا۔'' میں نے رُوکھائی سے جواب دیا۔ ''تمہارے یا میرے کہنے سے نہ آرتھر اپنی رپورٹ تبدیل کرے گا نہ جج اپنے احکامات میں ردّ و بدل کرنے پر آمادہ ہو گا۔ بات اب عدالت میں ہی ختم ہو گی۔''

''میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ لیکن اگر تفتیشی افسر کے رویئے میں لچک پیدا ہو جائے تو کیس کی نوعیت بدل بھی سکتی ہے۔''

''سوری جم۔'' میں نے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ ''میں آرتھر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر تیار نہیں ہوں۔''

''کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ سارے کاغذی ثبوت اور گواہوں کے بیانات تمہارے خلاف ہیں؟'' جم نے مجھے انجام سے ڈرانا چاہا۔ ''میں تمہاری کیس فائل پڑھ کر آ رہا ہوں۔ تم نے ہوٹل میں آرتھر سے جو تلخ گفتگو کی اس نے اُسے اور بھڑکا دیا۔ اُس نے

تمہارے لئے جو قانونی شکنجہ تیار کیا ہے وہ بے حد مضبوط ہے۔''

''کل کیا ہو گا یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔'' جم کے جملوں نے مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں بھڑک اُٹھا۔ ''تم لوگوں نے یہاں آ کر دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔'' میں نے چبھتا ہوا انداز اختیار کیا۔ ''میرے کیس میں تمہاری مداخلت نسلی امتیاز کے ماتھے پر شکنیں بھی ڈال سکتی ہے۔ میں نے اسی وجہ سے جان بوجھ کر تمہارے نام درمیان میں لانے کی غلطی نہیں کی تھی۔''

''تم...... دولت علی تم'' جین نے بڑے جذباتی انداز میں شکوہ کیا۔ ''تم ہمیں غیر سمجھ رہے ہو......؟''

''ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' ولیم کسمسانے لگا۔

''میرا مشورہ مان لو دولت علی۔'' جم نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ''قانونی پیچیدگیوں کی گتھی سلجھانے کے لئے جوش سے نہیں، ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم نے آرتھر کے لئے ہوٹل کے عملے کی موجودگی میں جو سخت نازیبا الفاظ اور جملے استعمال کئے اُسے اس کا دُکھ ضرور ہے، لیکن میں تمہارے لئے اُس پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر سکتا ہوں۔''

''فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے مضمحل لہجے میں جواب دیا۔ ''درمیان میں کچھ ایسی رُکاوٹیں آ گئی ہیں کہ وقتی طور پر ماورائی قوتیں مجھ سے رُوٹھ گئی ہیں۔ یہ تعطل زیادہ عرصہ نہیں رہے گا، میری طاقت بحال ہو لینے دو، پھر میں آرتھر کو بتاؤں گا کہ مضبوط شکنجے کیا ہوتے ہیں۔''

''کیا میں تمہارے بیان پر اعتماد کر لوں؟'' جم نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ بڑا گھاگ آفیسر تھا، میرے فریب کے جال میں فوراً نہیں پھنسا۔

''تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔'' میں نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔ ''میں اس وقت پولیس کی تحویل میں ہوں اور تم......''

''حماقت کی باتوں سے گریز کرو۔'' وہ میرے جواب میں چھپے طنز کو محسوس کر کے جھلا گیا۔ ''میں کسی اور بات پر غور کر رہا تھا۔''

''وہ بھی کہہ ڈالو جم۔'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر مایوسی کا حربہ استعمال کیا۔ ''کوئی حسرت دل میں باقی نہ رہ جائے۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ تمہاری قوتیں چھن گئی ہیں جبکہ آرتھر کا بیان کچھ اور ہے۔''

''اوہ......'' میں مسکرا دیا، جم کی بات نے مجھے معاملے کی تہہ تک پہنچا دیا۔ میں نے بڑی خوبصورتی سے بات نبھانے کی کوشش کی۔ ''آرتھر نے تم سے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں ہے۔ اس ضدی آفیسر نے میری درخواست کے باوجود مجھے ہتھکڑی پہنائی تھی۔ میں نے اُسے کھلی ہوئی ہتھکڑی واپس کر کے حیران کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں اس مغرور آفیسر کا سارا گھمنڈ توڑ دوں گا، وہ مجھے عزت کے ساتھ واپس ہوٹل چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا، میں نوٹوں کے نمبر تبدیل کر دیتا آرتھر کو پسینے آ جاتے، جان چھڑانی مشکل ہو جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد ہی مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میری قوتیں سلب ہو چکی ہیں۔ شاید میں نے کسی عمل میں جلد بازی سے کام لے کر بازی ہار دی مگر میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں زیادہ عرصہ بے بسی کا شکار نہیں رہوں گا۔''

جم میری حیرت انگیز صلاحیتوں کا معترف تھا، میں جرمن سائنسدان کے اغواء میں اُس کی مدد نہ کرتا تو عہدے میں ترقی ہونے کی بجائے اُس کی کارکردگی پر حرف آ جاتا، برلن میں اس وقت جین میرے ہمراہ ہوٹل میں موجود تھی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی وحشتوں میں اضافہ ہو رہا تھا، ایک وقت ایسا بھی آیا جب اُس نے ہاتھوں میں دبا ہوا پستول میرے اُوپر تان لیا۔ اگر بر وقت جم نے اُسے فون پر اپنی کامیابی اور میری حیرت انگیز قوتوں کے اعتراف کا مژدہ نہ سنایا ہوتا تو وہ مجھے گولی مارنے سے بھی گریز نہ کرتی۔ جم اور جین دونوں میری طاقت کے کرشمے دیکھ چکے تھے۔ سارا تو میرے نام کا کلمہ پڑھنے لگی تھی۔ ماضی کی وہ ناقابل یقین باتیں اتنی جلدی جم کے ذہن سے دُھندلا نہیں سکتی تھیں۔

''میں مانے لیتا ہوں کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ حرف بحرف درست ہے۔'' جم نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔ ''لیکن اگر تمہاری قوتیں......''

''ہاں، میری توقعات غلط بھی ہو سکتی ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے جم کی بات کاٹ کر کہا۔ ''بہت کچھ ممکن ہے۔ میں نے غیب کے حالات بتانے کا دعویٰ بھی کبھی نہیں کیا، جیتی ہوئی بازی مات بھی ہو سکتی ہے مگر میں ایک مفروضے کے سبب اتنی جلدی شکست تسلیم نہیں کروں گا، دو پہلوان اکھاڑے میں اُترتے ہیں تو ایک کی جیت دوسرے کی ہار ہوتی ہے۔ تم بھی وقت کا انتظار کرو...... میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہارے یا جین کے نام پر کوئی

حرف آئے۔''

جم مخمصے میں پڑ گیا۔ ولیم نے غالباً میری مصلحتوں کو سمجھ کر خاموشی اختیار رکھی، جین بڑی جذباتی لڑکی تھی، کئی موقعوں پر اُس نے اپنے جذباتی عمل سے مجھے بھی ششدر کر دیا تھا، اس وقت بھی وہ چپ نہ رہ سکی۔

''دولت علی۔'' اُس نے پہلو بدل کر فیصلہ کن انداز میں پوچھا۔ ''تم نے اپنے کیس کے دفاع کے لئے کیا سوچا ہے؟''

''ریمانڈ کی مدت ختم ہو لینے دو، آرتھر کو قانونی شکنجوں کو اور مضبوط کرنے کے موقع سے محروم نہ کرو۔ اُسے اپنی صلاحیتیں آزمانے کا اختیار حاصل رہنا چاہئے۔'' میں نے بے پروائی سے مسکرا کر جین کو مطمئن کرنا چاہا۔ ''کیس کو عدالت میں پہنچنے دو، جج اور جیوری کو میدان میں آنے دو، پھر چھینا جھپٹی میں زیادہ لطف آئے گا۔''

''میں تمہارے اس خیال سے صد فیصد متفق ہوں کہ اگر ہم نے اپنی موجودہ حیثیت میں تمہاری حمایت کی تو ہم پر غداری کا الزام بھی عائد ہو سکتا ہے۔ ہم حکومتی عتاب کا نشانہ بھی بن سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں ملازمت سے برطرف کر دیا جائے، ساری مراعات واپس لے لی جائیں...... اور بھی بہت سارے امکانات ہیں۔'' جین بڑی سنجیدگی سے ایک ایک لفظ پر زور دے کر جملے مکمل کرتی رہی۔

''مجھے خوشی ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''تم نے اپنے بارے میں ایک فیصلہ کر لیا، اب میرا فیصلہ بھی سن لو۔'' اُس نے مٹھیاں بھینچ کر بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ ''میں کل ملازمت سے استعفیٰ دے دُوں گی۔ تمہارے ہندوستان جانے کے بعد جم کے مشورے پر میں نے قانون کی ڈگری حاصل کر لی تھی...... اب میں تمہارا کیس اپنے لئے ایک چیلنج سمجھ کر لڑوں گی۔''

میں سٹپٹا گیا۔ وہ سرپھری لڑکی جو میری تلاش کی خاطر تنہا ہندوستان میں دربدر ہوتی رہی، کچھ بھی کر سکتی تھی۔ میں اُس کے حوصلوں اور قوتِ برداشت کا گواہ ہوں، وہ جم کی پرستار تھی، جم سارا کی زلفوں میں اُلجھا تو اُسے ٹوٹ کر بکھر جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اُس نے بڑی جرأت مندی سے خود کو سنبھالا، سارا سے کوئی شکوہ کوئی شکایت نہیں کی، جم کے شانہ بشانہ ایک ہی دفتر میں کام کرتی رہی، جم کا سہارا چھوٹ جانے کے بعد اُس نے

میرے اوپر تکیہ کیا، میں بھی جھوٹے دلاسے اور وعدے کر کے ہندوستان چلا گیا تو وہ پھر بے سہارا ہو گئی۔ اُس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو شاید زندگی سے منہ موڑ لیتی لیکن جین نے ہمت نہیں ہاری، زندگی کی شاہراہ پر ثابت قدمی سے آگے بڑھتی رہی۔ وقت زیادہ گزر گیا، اُس کے انتظار کی آس ٹوٹنے لگی تو وہ میری تلاش میں نکل پڑی۔ اُس کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ مجھے موت کے منہ سے نکال کر، اپنی بانہوں میں سمیٹ کر دوبارہ لندن گھسیٹ لائی۔

وہ بڑی حوصلہ مند اور بڑی باہمت اور ٹھوس ارادوں کی مالک تھی، کچھ بھی کر گزرنے کی طاقت رکھتی تھی۔ میں ایک لحہ کو ڈگمگا گیا، اُس کے چہرے پر مچلتے عزم کی پختگی نے مجھے ڈرا دیا، میں اُسے ولیم کے ساتھ وابستہ کر کے خوشگوار مستقبل سونپ کر واپسی کے بارے میں غور کر رہا تھا، وہ میری خاطر ملازمت چھوڑنے کی بات کر رہی تھی۔

اس موقع پر انکا رانی موجود ہوتی تو جین کے سارے فیصلے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ میں اشارہ کرتا، انکا جین کے سر پر چلی جاتی، اُس کے پنجوں کی تیز چبھن کے سامنے جین بے بس ہو جاتی۔ ہوتا وہی جو انکا چاہتی، وہ ذہنوں کو پلٹ دینے کی حیرت انگیز قوتوں کی مالک تھی لیکن اس کے لئے اُس کی موجودگی شرط تھی۔

''اب کیا سوچ رہے ہو دولت علی؟'' جین نے مجھے خیالات میں مستغرق پا کر بڑی اپنائیت سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں میری صلاحیتوں پر اعتماد نہیں ہے؟ ایک بار آزمائش کا موقع دو، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی، آرتھر کو دانتوں پسینہ نہ آ جائے تو نام بدل دینا۔''

''ایک آسان راستہ اور بھی ہے میرے پاس۔'' میں نے لوہے کو لوہے سے کاٹنے کی ٹھان لی۔

''وہ کیا......؟'' جین کی نظروں میں اُمید کی کرنیں جھلملانے لگیں۔

''میں عدالت میں پہلی ہی پیشی پر اعترافِ جرم کر لوں۔'' میں نے تلملا کر جواب دیا۔ ''تم سب کی پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے دولت علی......'' جم نے تیزی سے کہا۔ وہ میری بات سن کر بوکھلا گیا تھا۔

''دولت علی۔'' جین نے مجھے وحشت بھری نظروں سے گھورا۔ ''جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ اقرارِ جرم کر لینے کے بعد تمہارے اُوپر واپسی کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔

ہماری کوئی کوشش تمہارے حق میں کارگر نہیں ہوگی، عدالت تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گی۔ تیر کمان سے نکل جائے تو واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ تم جان بوجھ کر اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے کی بات کیوں کر رہے ہو؟ نہیں دولت علی۔ تم ایسی کوئی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا، سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''نہیں...... مجھے کچھ نہیں سنائی دے رہا۔'' میں ڈپریشن میں مبتلا کسی ذہنی مریض کی طرح چیختا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں بہرا ہو گیا ہوں، پاگل ہو گیا ہوں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

میری کوشش رائیگاں نہیں گئی، چیخ کی آواز سن کر دروازے پر مسلط مسلح سپاہی رائفل تانے اندر آ گیا۔ جم نے موقع کی نزاکت کو بھانپ کر جین کو اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سکتے کی کیفیت سے دوچار تھی، کسی روبوٹ کی مانند آہستہ آہستہ اُٹھی، مجھے ویران نظروں سے گھورتی جم کے ساتھ قدم ملاتی باہر چلی گئی۔ ولیم بھی میرے غیر متوقع طرزِ عمل پر ہکا بکا رہ گیا۔ میں نے نظریں اُٹھا کر اُس کی جانب دیکھا، آنکھوں کی زبانی ایک خاموش پیغام دیا۔

''جین کا خیال رکھنا ولیم۔ اس وقت اُسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔''

ولیم ششدر رہ گیا۔ اُس نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن مسلح سنتری درمیان میں حائل ہو گیا۔ میں ہونٹ کاٹتا لاک اپ کی سمت قدم بڑھانے لگا......

پانچ روز گزر گئے۔

جم اور جین کے آنے سے ایک فرق ضرور پڑا۔ آرتھر نے ان دھمکیوں پر عمل سے گریز کیا جس کا وہ اعلان کر چکا تھا لیکن میں اُس کے تیور دیکھ رہا تھا، اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ میرے خلاف کسی عیار دشمن کی طرح اندر ہی اندر بارودی سرنگیں بچھانے سے غافل بھی نہیں ہوا۔ مجھے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں شیطانی مسکراہٹ اُبھر آتی۔ وہ مجھے باور کرانا چاہتا تھا کہ میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہوں، اُس نے صرف اپنا ہاتھ روک لیا ہے، زبان بند کر رکھی ہے لیکن اُس کا قلم فائل میں میرے خلاف زہر جمع کر رہا تھا۔

ہماری نگاہیں جب بھی چار ہوتیں، اُس کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت کی چنگاریاں چٹخنے لگتیں۔ میں لاپرواہی سے مسکرا کر جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام انجام دیتا رہا۔ پانچ دنوں میں آرتھر نے متعدد بار مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا، وہ میرے ماضی کو کریدنے کی خاطر اُلٹے سیدھے، پیچیدہ، بے ہنگم اور بیہودہ سوالات کرتا، مجھے اُکسانے کی کوشش کرتا، اُس کے ماتحت مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے رہتے۔ میں نے اُن پر کوئی توجہ نہیں دی، کیچڑ میں رینگنے والے حقیر کیڑے سمجھ کر معاف کر دیتا۔ میرا اُن کا کوئی مقابلہ بھی نہیں تھا، وہ راستے کے پتھر تھے، میں جب چاہتا اُنہیں ٹھوکر مار کر علیحدہ کر دیتا۔ البتہ میں نے آرتھر کو سزا دینے کی ٹھان رکھی تھی۔ کیس عدالت کے رُوبرو جانے سے پہلے میں اِس مردود کو اپنے خلاف کوئی اور موقع نہیں فراہم کرنا چاہتا تھا۔

پانچ دنوں میں صرف ولیم دو بار ملنے آیا، جم اور جین نہیں آئے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ میں ان کی بات نہیں مانوں گا، مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں میرے بچاؤ کی خاطر ضرور ہاتھ پیر چلا رہے ہوں گے۔ ولیم نے میرے کریدنے پر اس بات کا اقرار کیا کہ جین کا التفات اُس کی طرف بڑھتا جا رہا ہے، مجھے خوشی ہوئی۔ میرے استفسار پر اُس نے دبی زبان میں یہ بھی انکشاف کیا کہ مارٹینا کے وکیل نے ایک بار اُس سے ملاقات کی تھی، ہر چند کہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا لیکن ولیم کا خیال تھا کہ وکیل ایک معقول رقم کے عوض مارٹینا کی تمام جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ اُس کے نام ٹرانسفر کرنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔ اُس کی تحویل میں مرحوم لیونارڈو یا مارٹینا کی تحریر کردہ کوئی ایسی قانونی دستاویز تھی جس کے سامنے آ جانے پر کورٹ کے طویل اور اُکتا دینے والے قانونی تقاضوں کے بغیر ہی کام بن جاتا۔ ولیم کھل کر تفصیل بتانے سے گریز کر رہا تھا، میں اُس کی ہچکچاہٹ کی وجہ تاڑ گیا۔

"تمہیں کتنی رقم درکار ہوگی......؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"آپ اپنا کیس ختم ہو لینے دیں، پھر دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تم سے رقم کے بارے میں پوچھا تھا۔" میرا لہجہ اور گمبھیر ہو گیا۔

"وکیل بہت زیادہ منہ پھاڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔" ولیم نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "بات میری بساط سے باہر ہے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہوگی کہ مارٹینا کے پہلے شوہر کے عزیز رشتہ دار بعد میں کوئی شور و غل نہیں کریں گے؟"

"وکیل کا کہنا ہے ممی نے اس ضمن میں ساری کارروائی پہلے ہی پکی کرا لی تھی۔"

"ٹھیک ہے......" میں نے کہا۔ "تم پہلی فرصت میں وکیل سے مل کر دوٹوک بات کر لو، معاوضے کی فکر مت کرو۔ اس کی ادائیگی میری طرف سے شادی کا پیشگی تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔ میں بھی نہیں چاہتا کہ بات عدالت تک جائے اور مارٹینا کے کیس کا گند تمہارے اور جین کے مستقبل پر اثر انداز ہو۔"

"آپ نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔" ولیم کسمسا کر بولا۔ "جین کو بعد میں بھی حالات کا علم ضرور ہوگا۔"

"یہ ذمہ داری بھی میں لیتا ہوں۔" میں نے بڑے اعتماد سے یقین دلایا۔ "جین تم سے کبھی تمہارے ماضی یا مارٹینا کے کردار کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کرے گی۔"

ولیم نے میری بات مان لی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔

چھٹے روز میں رات کے کھانے کے بعد سونے کے ارادے سے لیٹا تھا کہ میرے سر پر انکارانی کی آمد کا دھماکا ہوا...... میں نے عالم تصور میں اُس کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہ

بڑی غضبناک نظر آ رہی تھی، اُس کا گلاب جیسا چہرہ کسی پھٹتے ہوئے آتش فشاں کے دہانے کا منظر پیش کر رہا تھا، اُس کی نرگسی آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے، غصے کی شدت سے اُس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ میں نے انکارانی کو پہلی بار قیامت کے رُوپ میں دیکھا، مجھے اُس کا وہ رُوپ بھی بے حد حسین نظر آیا۔ وہ میری پرستار تھی، میں اُس کا شیدائی تھا، ہمارے درمیان چوتھائی صدی سے زیادہ کی رفاقت تھی، وہ میرے تخیلات میں رچی بسی تھی، میرے دل میں دھڑکتی تھی، میری سانسوں میں گھلی ملی رہتی تھی، میری پلکوں پر شوخیاں کرتی تھی، میں اُس کی ناز برداریاں کرتا، وہ خوشی سے تھرکنے لگتی۔ میرے اور انکارانی کے درمیان ''جسمانی رشتے'' کے علاوہ تمام دوسرے جائز اور ناجائز رشتے قائم تھے۔ وہ کسی پنڈت یا پجاری کے سر پر چلی جاتی تو مجبور ہو جاتی، میری طرف سے آنکھیں پھیر لیتی، اپنے نئے آقا کے حکم پر مجھے ناقابل برداشت حالات سے دوچار کرنے میں ذرا رعایت نہ کرتی...... جب دوبارہ میرے سر پر واپس آتی تو شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے لگتی۔ میں اُس کی مجبوریوں سے واقف تھا، وہ میری محبوبہ تھی، میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے دل کا قرار۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت تھے۔ وہ اپنی مرضی سے میرے سر پر آئی تھی، میں نے اُس کے حصول کی خاطر کسی پہاڑی گپھا یا ویران اور سنسان مرگھٹ کے قریب کسی منڈل میں بیٹھ کر جاپ نہیں کیا۔ بڑے بڑے گیانی دھیانی پنڈت اسے حاصل کرنے کی خاطر جان کی بازی لگا چکے تھے، کوئی قسمت سے کامیاب ہو جاتا تو انکا اُس کی غلام بن جاتی، جو ناکام ہو جاتے انکا اُن کے خون کا ایک ایک قطرہ پی جاتی، خون اُس کی غذا تھی، اُس کی کمزوری تھی۔ میں اُس کی نس نس، وہ میری رگ رگ سے واقف تھی۔

''کیا بات ہے جانِ من؟'' میں نے انکارانی کو چھیڑا۔ ''بڑی لال پیلی نظر آ رہی ہو۔''

''جمیل۔'' اُس نے مجھے شکایتی نظروں سے گھورا۔ ''یہ سب کیا ہے؟...... کب ہوا؟...... کیسے ممکن ہوا......؟ تم نے مجھے آواز کیوں نہیں دی؟ کیا مجبوری تھی جو تم نے اپنی قوت کا استعمال بھی نہیں کیا؟'' وہ ایک ہی سانس میں جانے کیا کیا سوال کرتی رہی، میں اُس کی اپنائیت کے جذبوں کو دل ہی دل میں سراہتا رہا۔ وہ خاموش ہوئی تو میں نے اُسے پوری تفصیل سنا دی، اپنی مصلحتوں سے آگاہ کیا۔

''میں نے تم سے خاص طور سے کہا تھا کہ سفری بیگ سے رقم نکال کر اسے واپس کر

دینا۔ تم نے میری بات کا خیال نہیں رکھا......''

''پہلے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، اب خوشی ہو رہی ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''مجھ سے کوتاہی سرزد نہ ہوتی تو تمہارا یہ رنگ، یہ رُوپ، یہ چھب، یہ ادا کیسے دیکھتا؟'' میرے لہجے میں شوخی تھی۔

''بہت چہک رہے ہو جمیل صاحب۔'' انکارانی کے تیور بدلنے لگے۔ ''اصل بات کیا ہے؟''

''تمہاری جدائی میں گھل رہا تھا۔'' میرا انداز شاعرانہ ہو گیا۔ ''تمہیں قیامت کے رُوپ میں دیکھا تو باچھیں کھل اُٹھیں۔''

وہ میرا جواب سن کر پہلی رات کی کنواری دُلہن کی طرح شرمانے لگی۔ پھر ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، ہمارے درمیان کچھ دیر برسوں کے بچھڑے عاشق و معشوق کے گلے شکوے ہوتے رہے، پھر وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''کل تمہیں عدالت کے رُوبرو پیش کیا جائے گا۔ کیا ارادے ہیں؟ کچھ نہ کچھ تو ضرور سوچا ہو گا۔''

''کل آنے دو، جو ہو گا تمہاری موجوگی میں ہو گا۔''

''مجھے تم سے ایک شکایت ہے جمیل۔'' وہ ٹھنک کر بولی۔ ''جب سے تم نے سیّد مجذوب کی لاٹھی حاصل کی ہے، پریتم لال مہاراج نے تمہارے سر پر ہاتھ رکھا ہے، نندا نے اپنی لازوال قوتیں تمہیں سونپی ہیں تم اپنی انکارانی کو خدمت کا موقع نہیں دیتے۔''

''انکارانی......'' میں سیّد مجذوب کا نام سن کر بے تاب ہو گیا۔ ''میری کراماتی لاٹھی ہوٹل میں رہ گئی۔ اُس کے بغیر......''

''پریشان مت ہو۔'' انکا نے مسکرا کر کہا۔ ''وہ لاٹھی اور تمہارا دوسرا چھوٹا موٹا سامان جین کے پاس محفوظ ہے۔''

میں نے اطمینان کا سانس لے کر پوچھا۔ ''ولیم کے سلسلے میں تم نے کیا پیش رفت کی؟''

''تمہارے مشورے کے مطابق میں نے ایک شارٹ کٹ تلاش کر لیا ہے، مارٹینا کے وکیل کو جائیداد کی منتقلی کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ میں نے اُسے قابو کر لیا ہے، لالچی آدمی

ہے، بڑی لمبی رقم کا خواب دیکھ رہا ہے۔'' انکا نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اپنے انجام سے بے خبر ہے۔''

''میں تمہیں روکوں گا نہیں۔'' میں نے اُس کے آخری جملے کا مفہوم سمجھ کر جواب دیا۔ ''لیکن جلد بازی سے گریز کرنا، میں عدالت کی کارروائی کے بعد زیادہ دن لندن میں نہیں رُکنا چاہتا۔''

''تم نے جین کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کیا؟''

''اب کچھ کہنے سننے سے کیا فائدہ؟'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میں کلدیپ کی آتما کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔ پریتم لال نے بھی یہی کہا تھا۔''

''اسی میں تمہاری بہتری بھی ہے۔'' انکا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا پھر پہلو بدل کر بولی۔ ''جین تمہاری سچی پرستار ہے، یقین کرو جمیل، اُس کا ذہن پلٹنے میں مجھے دانتوں پسینہ آرہا ہے، بڑے مضبوط اعصاب اور ٹھوس ارادوں کی مالک ہے۔ میں نے اُس کے سلسلے میں زیادہ تیزی نہیں دکھائی۔ لیکن وہ اور ولیم دونوں میری مٹھی میں ہیں۔ سب کچھ اسی طرح ہوگا جیسے تم نے سوچا ہے۔''

میں جین کے مسئلے کو زیادہ نہیں کریدنا چاہتا تھا، کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔ انکا رانی میری ہم راز تھی، اُس نے بھی میرے چہرے کے تاثرات پڑھ کر خاموشی اختیار کرلی۔ میں بڑی دیر تک آنکھیں بند کئے جین کے بارے میں سوچتا رہا، لندن میں قیام کے دوران وہی ایک لڑکی مجھے دوسروں سے بڑی مختلف نظر آئی تھی۔ میں چاہتا تو وہ خوشی خوشی میری بانہوں میں سمٹ جاتی، میں کسی بھنورے کی طرح اُس کے مہکتے وجود کا سارا رس پی کر اُڑ جاتا، بات طول نہ پکڑتی، جین کوئی دوسرا سہارا ڈھونڈ لیتی، میں کسی اور ڈگر نکل جاتا۔ لیکن دل میں ایک خلش کانٹا بن کر چبھتی رہتی، وقت نے مجھے اس خلش کے ہاتھوں نادم و شرمسار ہونے سے بچالیا......!!

دوسری صبح مجھے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر عدالت لے جایا گیا۔ انکا رانی غصے میں پیچ و تاب کھاتی رہی، کبھی وہ میری طرف دیکھتی اور کبھی ان مسلح افراد کو حقارت سے گھورنے لگتی جو پوری طرح چوکس نظر آرہے تھے۔ میں سر جھکائے بیٹھا رہا، عدالت کے احاطے میں پولیس اور کمانڈوز کا سخت پہرہ تھا، انکا اُٹھ کر میرے سر پر ٹہلنے لگی۔

''جمیل......'' اُس نے بڑے خطرناک انداز میں سرگوشی کی۔ ''مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہورہا۔ تم اجازت دو تو کچھ کھیل تماشے کروں؟ ان انگریزوں کو بھی احساس ہو کہ ہمارے بارے میں ان کی سوچ غلط ہے۔''

''کچھ دیر اور انتظار کرلو، میری خاطر۔ میں تمہیں دل کی حسرتیں نکالنے کا پورا پورا موقع دوں گا۔''

''جمیل......'' انکا نے کسی ناراض محبوبہ کی طرح سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کیا تم ہمیشہ اسی انداز میں مجھ سے باتیں نہیں کرسکتے؟''

''تم بھی تو موسموں کی طرح رنگ بدلتی ہو۔'' میں نے اُسے پیار بھری نظروں سے گھورا۔ ''تتلی کی طرح ڈال ڈال، پات پات اُڑتی پھرتی ہو۔''

''اب شاید ایسا نہ ہو......'' اُس نے جواب دیا۔ ''پریتم لال مہاراج کی مہان شکتی کو نیچا دکھانے کے بعد ہی کوئی تمہاری انکا رانی کو چھین سکتا ہے۔ مجھے ہندوستان میں دُور دُور تک کوئی ایسا بلوان پنڈت پجاری نظر نہیں آرہا۔''

''وقت بڑا بے رحم ہوتا ہے جانِ من۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے بھی تم بار بار میرے سر پر آجاتی رہی ہو، پنڈت و پجاری ہندوستان میں خود رو جھاڑیوں کی طرح اُگتے ہیں۔ جب کہیں اور قدم جمانے کا موقع نہیں ملتا تو کسی مندر کی شرن (پناہ) میں چلے جاتے ہیں۔ تم گواہ ہو کہ کیسے کیسے حرامخوروں نے تمہیں مجھ سے چھین لینے کی کوشش کی، تمہیں اُس وقت اطلاع ہوئی جب وہ منڈل میں بیٹھ کر جاپ منتر شروع کرچکے تھے۔ کون جانے کل پریتم لال سے بھی بڑا پجاری اچانک خم ٹھونک کر مقابلے پر آجائے۔ اب ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں تمہارے ظلم سہنے کا عادی ہو چکا ہوں۔''

''دل جلانے کی بات کیوں کررہے ہو؟ میں تمہیں بتاچکی ہوں کہ میری کچھ مجبوریاں بھی ہیں۔'' انکا نے بجھے بجھے انداز میں کہا۔

''تمہاری مجبوریاں بھی مجھے تمہاری طرح پیاری ہیں۔''

''سچ جمیل؟'' انکا کا چہرہ گلاب ہوگیا۔ ''ایک بار پھر کہو، مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا۔''

پولیس کی گاڑی رُکی تو انکا نے پھر کسمسانا شروع کردیا، باہر سے گاڑی کا دروازہ کھولا

گیا، کمانڈوز نے حفظ ماتقدم کی خاطر گاڑی کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ میں اُن کی احتیاط پر خوش ہوا، وہ مجھ سے خائف نہ ہوتے تو ایک آدمی کی خاطر اتنے حفاظتی انتظامات کیوں کرتے؟ شاید آرتھر ہتھکڑی والا واقعہ بھولا نہیں تھا، اُس کی کسی خفیہ رپورٹ کے پیش نظر پولیس کی ڈھیر ساری نفری موجود تھی۔

میں مسکراتا ہوا گاڑی سے نیچے اُترا۔ قانون کے مطابق میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ہونی چاہئے تھی لیکن آرتھر نے عقلمندی سے کام لیا، مجھے لوہے کے زیور پہنانے کی حماقت نہیں کی۔

"دیکھ رہے ہو جمیل صاحب۔" انکا نے سرسراتے ہوئے کہا۔ "ایک تمہاری ذات کی خاطر کتنے ہٹے کٹے نوجوان اسلحہ لئے موجود ہیں۔"

"میں تنہا کب ہوں انکارانی؟ تم بھی تو میرے ساتھ ہو۔"

"تمہیں کسی دشمن کی نظر نہ لگ جائے۔" وہ چہکنے لگی۔ "ایسی ہی پیاری پیاری باتیں کیا کرو، مجھے اچھے لگتے ہو۔"

"دولت علی......" آرتھر قدم بڑھاتا میرے قریب آکر مدھم آواز میں بولا۔ "میں نے مسٹر جم کی وجہ سے تمہیں ہتھکڑی نہیں پہنائی۔ مجھے اُمید ہے کہ تم بھی اپنی حدود سے تجاوز کرنے کی غلطی نہیں کرو گے۔"

"شکریہ مسٹر آرتھر۔" میں نے زہرخند سے جواب دیا، پھر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ "یہ پولیس کے اتنے سارے مسلح افراد، سادہ لباس میں ملبوس کمانڈوز، کیا عدالت کے معائنے کی خاطر چیف جسٹس تو نہیں آرہے؟"

"اپنے کام سے کام رکھو۔" وہ میرا طنز برداشت نہ کرسکا تو ہونٹ چبانے لگا۔

"کام تو اب شروع ہوگا میرے دوست۔" میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا، پھر عدالت کی عمارت کی سمت قدم اُٹھانے لگا۔

انکا میرے سر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی، کئی بار وہ مجھے ایسی نظروں سے دیکھ چکی تھی جس میں بے چینی کا اظہار تھا، گھٹن تھی، میں اُس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ خاموش رہنے کی عادی نہیں تھی۔ میں ایک اشارہ کرتا، وہ ایسے ایسے شوشے چھوڑتی کہ لوگ حیران رہ جاتے، عدالت کا سارا نظام، تمام نظم ونسق درہم برہم ہوجاتا، انگریزوں کی روایتی

انتظامی قابلیت دھری کی دھری رہ جاتی، ایک ہنگامہ کھڑا ہوتا، طوفان آجاتا۔ مگر میں نے کچھ اور سوچ رکھا تھا اس لئے انکا کو "کھلی چھٹی" نہیں دی۔

مجھے عدالت کے باہر زیادہ دیر انتظار کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی۔ میرا نام با آواز بلند پکارا گیا۔ مسلح سپاہیوں نے اشارہ کیا، میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

"جمیل......" انکا پھر کسمسانے لگی۔ "اگر ان لوگوں نے تمہارے خلاف زیادہ زبان درازی کی تو میں برداشت نہیں کروں گی۔"

"نہیں......" میں نے سنجیدگی سے اُسے سمجھایا۔ "جب تک میں اشارہ نہ کروں، تم کوئی حرکت نہ کرنا۔"

"مجھے صرف دو منٹ کی اجازت دے دو۔" انکا کی وحشت دیدنی تھی۔ "میں آرتھر کی ایسی مٹی پلید کروں گی کہ پورے شہر میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

میں نے انکا کو ضبط سے کام لینے کی تاکید کی۔ وہ ٹھنک کر رہ گئی۔ عدالت کے منصف نے ایک نظر بھر کر مجھے دیکھا، پھر کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔ آرتھر نے نگاہوں نگاہوں میں سرکاری وکیل کو اشارہ کیا، وہ پستہ قد، گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ شکل ہی سے خرانٹ اور گرگ جہاں دیدہ نظر آرہا تھا، اپنی نشست سے اُٹھنے سے پیشتر اُس نے مجھے حقارت بھری نظروں سے سرتاپا دیکھا۔ سفید فام تھا، مجھ پر نسلی برتری کا رُعب جمانے کی کوشش کر رہا تھا، نفسیاتی ہتھکنڈے اختیار کررہا تھا۔ انکا ہونٹ چبانے لگی، میں خاموش رہا۔

وکیل سرکار کی دُھواں دار تقریر شروع ہوئی، مشیر نامہ میں درج باتوں کو وہ طول دے کر، نمک مرچ لگا کر اس طرح بیان کر رہا تھا جیسے میں چوری کا نہیں، قتل عمد کا کوئی بے حد خطرناک اور مفرور مجرم تھا۔ اُس کا اندازِ بیان پُر اثر تھا۔ جج بار بار سر ہلاتا رہا، جیوری کے ممبران جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں، سنجیدگی سے میرا کیس سنتے رہے۔ سرکاری وکیل جرم کی نوعیت اور تفصیل کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی قانونی دفعات کا حوالہ بھی دیتا رہا، وہ حق نمک ادا کررہا تھا، میں جیوری کے درمیان بیٹھی اُس سیاہ فام خاتون کو بار بار کنکھیوں سے دیکھنے میں مصروف تھا جو یقیناً اقلیتی نمائندگی کی بنیاد پر شامل کی گئی تھی۔ اُس کا قد درمیانہ تھا، سیاہی مائل رنگت میں سرخی کی آمیزش نے اُس کا رُوپ نکھار دیا تھا۔ اُس کے چہرے کے نقوش بے حد حسین تھے، آنکھوں میں چمک تھی، ہونٹوں پر لپ اسٹک کے دل آویز رنگ

نے اُس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ وہ گداز جسم کی مالک تھی، اُس نے بالوں کی گندھی ہوئی بے شمار لٹوں کو اس خوبصورتی اور چابکدستی سے ترتیب دیا تھا جیسے کوئی کوڑیالا سانپ اپنے جسم کو سمیٹے محوِ خواب ہو۔ بالوں کی لٹوں میں پروئے ہوئے موتیوں کی چمک بھی دیدہ زیب تھی، میں پہلی ہی نظر میں اُس گل بدن کا اسیر ہو گیا۔ پریتم لال نے مجھے لگن منڈپ سجانے سے منع کیا تھا، موج میلہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ میں نے اُس کافر ادا کو ایک رات کا مہمان بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

''اُس کا نام مورینا ہے جمیل۔'' انکا نے پھدک کر میرے کندھے پر آ کر آہستہ سے سرگوشی کی۔ ''بڑی باغ و بہار طبیعت کی مالک ہے، خود کو بڑا اسنبھال کر رکھتی ہے۔ اُس کے چاہنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے لیکن آج تک کوئی اس چوٹی کو سر نہیں کر سکا۔ تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ عدالت کا جج بھی اس پر نظر رکھتا ہے۔ تمہارا انتخاب واقعی لاجواب ہے۔ میں اُس کے دل میں بھی تمہارے لئے نرم گوشہ محسوس کر رہی ہوں۔ لیکن مورینا کے سلسلے میں اپنی انکارانی کو نظر انداز نہ کر دینا۔'' انکا ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''منظور ہے......'' میں نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا تو اُس کی باچھیں کھل اُٹھیں۔ پھر وہ موضوع بدل کر بولی۔

''تم نے کچھ اور بھی محسوس کیا؟''

''کیا......؟''

''جم، سارا، جین اور ولیم میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔''

''ولیم کو میں نے منع کر دیا تھا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''جم وغیرہ کا نہ آنا ہی اچھا ہے۔ وہ موجود ہوتے تو مجھے اپنے ارادوں میں دُشواری پیش آتی۔ میں انہیں کسی بات کا گواہ نہیں بنا سکتا تھا۔ میری وجہ سے وہ بلاوجہ اُلجھ جاتے۔''

''تم نے کیا سوچ رکھا ہے؟'' انکا نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا۔ ''مجھے نہیں بتاؤ گے؟''

''مسٹر دولت علی......'' سرکاری وکیل نے جو غالباً کنکھیوں سے میری حرکات و سکنات کا جائزہ بھی لیتا رہا تھا اچانک مجھے مخاطب کر کے پریشان کرنا چاہا۔ ''آپ غالباً پوری طرح متوجہ نہیں ہیں۔ بعد میں آپ کو اپنا دفاع کرتے وقت دُشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' اُس کے لہجے میں طنز تھا، برتری کا احساس نمایاں تھا۔

''می لارڈ......'' میں نے مہذب لہجے میں جج کو مخاطب کیا۔ ''سرکاری وکیل کو سمجھایا جائے کہ قانون کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔ جب تک میں عدالت کے کٹہرے میں نہ کھڑا ہوں، وہ مجھ سے کسی قسم کے سوال و جواب کا حق نہیں رکھتے۔ بہتر ہوگا کہ وہ جو فرضی کہانی سنا رہے ہیں اس میں کلی پھندنے لگانے پر زیادہ توجہ دیں۔''

جج نے سرکاری وکیل کو ٹوکا۔ میرا اعتراض حق بجانب تھا، جیوری کے ممبروں کی نظریں میری جانب اُٹھنے لگیں۔ مورینا نے میری جسارت پر مسکرا کر داد دی تو اُس کے موتیوں جیسے دانت بھی جھلملانے لگے۔

سرکاری وکیل نے استغاثہ کی کارروائی سمیٹی تو پولیس کے گواہوں کو باری باری طلب کیا گیا۔ میں تفصیل سے گریز کروں گا، گواہوں کے بیانات وہی تھے جو میری موجودگی میں ہوٹل کے کمرے میں ریکارڈ کیئے گئے تھے۔ سب سے آخر میں آرتھر بڑی شان سے اپنے کسرتی جسم اور کلف شدہ یونیفارم کی نمائش کرتا ہوا کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔ میں پوری توجہ سے اُس کی لن ترانی سنتا رہا۔ اُس نے عدالت کو باور کرانے کی کوشش کی کہ میں نے جائے وقوعہ پر اُس کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے مزاحمتی کردار ادا کرنے کی کوشش کی جس کے سبب قانونی کارروائی کی تکمیل میں اُسے دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس نے آٹھ سو پونڈ کی کے سلسلے میں میرے اُوپر خرد برد کا الزام لگانے کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیا کہ آٹھ سو پونڈ کی کمی اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ میں نے وہ رقم کسی دوسرے بڑے مجرم کے ساتھ، جو ابھی تک سامنے نہیں آ سکا مل کر چوری کی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں مذکورہ رقم کو خرچ کرنے سے گریز کرتا۔

''جمیل......'' انکا نے پوچھا۔ ''کیا یہ خبیث سچ کہہ رہا ہے......؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آرتھر نے میرے اُوپر یہ الزام بھی عائد کیا کہ میں نے جسمانی ریمانڈ کے دوران اُس کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے فرائض سے بد دیانتی کرنے اور رشوت لے کر کیس کو کمزور کرنے پر بار بار اُکسانے کی کوشش کی، مجھے حقارت بھرے انداز میں ''ٹنڈا'' کہا گیا، میرے کٹے ہوئے ہاتھ کے پس منظر میں کئی من گھڑت کہانیاں بیان کی گئیں، مجھے ایسا خطرناک مجرم اور دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جس نے اپنا جرم چھپانے کی خاطر فنگر پرنٹس کے ناقابلِ تردید ثبوت سے بچنے کی خاطر خود

اپنے اُوپر ظلم کیا، ایک ہاتھ ضائع کر دیا تا کہ قانون اندھیرے میں بھٹکتا رہے۔

انکا آرتھر کے بیان پر پیچ و تاب کھاتی رہی، میں چہرے پر معصومیت سجائے زبانِ خاموش سے اپنی مظلومیت کا اظہار کرتا رہا، جج اور جیوری کے افراد کی نگاہیں کبھی مجھ پر کبھی آرتھر پر منڈلاتی رہیں۔ آرتھر کا طویل بیان ختم ہوا تو وہ فاتحانہ انداز میں قدم اُٹھاتا کٹہرے سے باہر آ گیا۔

گواہوں کے بیان کے دوران فاضل جج نے بار بار مجھے جرح کرنے کا موقع دیا، میں انکار کرتا رہا، میرے ذہن میں صرف ایک ہدف کلبلا رہا تھا، میں نے دوسرے گواہوں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

آخر میں مجھے کٹہرے میں طلب کیا گیا، جیوری کے ممبران سنبھل کر بیٹھ گئے۔ جج نے پہلو بدلا، سرکاری وکیل اور آرتھر کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹ اُبھری، وہ مجھے ایک عام ہندوستانی سمجھ کر اپنی اکثریت اور نسلی برتری سے مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ میں دل ہی دل میں اُن کی حرکتوں پر مسکراتا رہا۔

”مسٹر دولت علی۔“ جج کی بھاری بھرکم آواز اُبھری۔ ”کیا تمہاری جانب سے کوئی وکیل ہے؟“

”جی نہیں می لارڈ......“ میں نے دیدہ و دانستہ کمزور آواز میں جواب دیا۔ انکا نے اُٹھ کر میرے بالوں کے درمیان ٹہلنا شروع کر دیا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔

”تم اگر چاہو تو یہ عدالت تمہاری درخواست پر کسی وکیل کی خدمات مہیا کر سکتی ہے۔“

”شکریہ یور آنر۔ میں اپنا کیس خود ہی نمٹانے کی کوشش کروں گا۔“ میں نے غلاموں کے انداز میں عرض کیا۔ آرتھر اور سرکاری وکیل کی گردنیں اور تن گئیں۔ وہ میرے مایوس اور مضمحل طرزِ تکلم پر خوش ہو رہے تھے۔

”ایک بار پھر غور کر لو۔“ جج نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ ”عدالت کی کارروائی کے پیچ و خم اور قانونی باریکیوں کو ایک مستند وکیل ہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔ بعد میں تم اپنا یہ حق استعمال نہیں کر سکو گے۔“

”میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں یور لارڈ شپ۔“ میں نے تشکرانہ انداز میں سر کو خفیف جنبش دی، پھر سنبھل کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ گولی ایک بار چیمبر سے نکل جائے تو واپس

نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں مشکور و ممنون ہوں مسٹر آرتھر کا جنہوں نے سوائے ایک اہم پہلو کے علاوہ تمام باتیں ایسی کی ہیں جو دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی کر دینے کے لئے بہت کافی ہیں۔ وہ تمام نکتے اور حقائق جو سلطنت برطانیہ کے ایک معزز، ذمہ دار اور باصلاحیت پولیس آفیسر نے بڑی تفصیل سے عدالت کے رُوبرو بیان کئے ہیں وہ میری بے گناہی ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ میں مسٹر آرتھر کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔“

جج اور جیوری کے ممبران کے علاوہ سرکاری وکیل اور آرتھر کے منہ بھی کھلے کے کھلے رہ گئے۔ سب مجھے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید میں نفسیاتی طور پر مفلوج ہو گیا ہوں، میرے ذہن اور اعصاب نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے جو میں اپنے سب سے بڑے حریف آرتھر کے بیان کی تائید کر رہا تھا۔ میرا بیان مجھے لمبی سزا کا مستحق بھی قرار دے سکتا تھا۔

”جمیل......“ انکا بھی ششدر رہ گئی۔ ”یہ تم نے کیا اُلٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں، جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”مسٹر دولت علی۔“ جج نے پہلو بدل کر ہمدردی کا اظہار کیا۔ ”میں تمہیں پھر موقع دُوں گا کہ سرکاری مراعات سے فائدہ اُٹھا کر اپنے لئے کسی وکیل کی تقرری کی درخواست پر غور کر لو۔“

”میں غور کر چکا ہوں می لارڈ۔“ میں نے انکا کی بات نظر انداز کر کے جج کو مخاطب کیا۔ ”میں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میرا کوئی بیان، میری زبان سے نکلا ہوا کوئی جملہ، ایک لفظ بھی میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، میں سزا کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہوں لیکن......“ میں نے نظریں گھما کر جیوری کے ممبران کی طرف دیکھتے ہوئے جج سے بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ”ایسا نہیں ہو گا یور آنر...... میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ مسٹر آرتھر کو دوسرے کٹہرے میں میرے رُوبرو طلب کیا جائے تا کہ میں اپنے بیان کی تفصیل سے وضاحت کر سکوں۔“

عدالت کے حکم پر آرتھر میرے سامنے والے کٹہرے میں آ گیا۔ اب اُس کے ہونٹوں پر وہ معنی خیز مسکراہٹ نظر نہیں آ رہی تھی جو کچھ دیر پیشتر موجود تھی۔ ہتھکڑی کا واقعہ شاید اُس کے ذہن میں دوبارہ اُبھر آیا ہوگا۔ وہ کچھ متفکر اور نروس بھی ہو رہا تھا۔ سمجھدار آفیسر تھا، سمجھ

رہا ہوگا کہ سارے دیگر گواہوں کو نظر انداز کر کے اُسے جرح کے لئے طلب کرنا خالی از علت نہیں ہوسکتا۔ میں نے عدالت سے اجازت طلب کی، پھر سنجیدگی سے بولا۔

''مسٹر آرتھر، سب سے پیشتر میں آپ کے بیان پر شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔''

آرتھر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مخمصے کی حالت سے دوچار تھا، بڑی کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''میرے محترم اور معزز دوست۔'' میں نے پینترا بدل کر اپنی بات کا آغاز کیا۔ ''آپ نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ میں نے جائے وقوعہ پر قانون کے ساتھ تعاون نہیں کیا، سرکاری کاموں میں بے جا مداخلت کا مرتکب ہوا جس کے سبب آپ کو دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔''

''ہاں......'' آرتھر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں تھا۔''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سفری بیگ کے میرے کمرے میں پہنچنے کے اندازاً کتنی دیر بعد آپ تشریف لائے تھے؟''

''مجھے صحیح وقت کا اندازہ نہیں مگر میں بڑے یقین سے کہہ سکتا ہوں مجھے اٹھارہ یا بیس گھنٹے سے زیادہ نہیں لگے تھے۔''

''گویا آپ دوسرے الفاظ میں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ میں کوئی عادی، پیشہ ور، خطرناک یا مفرور مجرم نہیں ہوں؟'' میں نے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔

''یہ محض آپ کی خوش فہمی ہے۔ میں نے عدالت کے رُوبرو ایسی کوئی بات نہیں کی......''

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔'' میں نے آرتھر کو حقارت بھری نظروں سے دیکھا، پھر جج سے مخاطب ہوا۔ ''می لارڈ، مسٹر آرتھر کا بیان ہے کہ سفری بیگ میرے رُوم سے اٹھارہ یا بیس گھنٹے بعد برآمد کیا گیا...... یور آنر۔ میں ایک عادی مجرم ہوتا تو اس سفری بیگ کو اتنی دیر اپنی تحویل میں رکھنے کی حماقت کبھی نہ کرتا، اُسے دوسرے یا تیسرے ٹھکانے پر پہنچا دیا گیا ہوتا۔''

جیوری کے ممبر مسکرانے لگے۔ خاص طور پر مورینا مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں اسے ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کہوں گا۔'' آرتھر نے احتجاج کیا۔ ''ایک معمولی مجرم اور عادی مجرم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ عادی مجرم کی حد سے زیادہ خود اعتمادی ہی پولیس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے۔''

''مسٹر آرتھر......'' میں نے آرتھر کو دیکھنے کی بجائے جیوری کے ممبران کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ کے خیال میں ایک عادی مجرم کو گرفتاری کے بعد ہتھکڑی لگانا ضروری نہیں ہے؟''

میں آرتھر کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات نہیں دیکھ سکا، وہ ہتھکڑی کے حوالے پر ضرور سٹپٹایا ہوگا۔ عدالت میں چند ساعت خاموشی مسلط رہی، پھر جج کی آواز سنائی دی۔

''مسٹر آرتھر۔ آپ نے جواب نہیں دیا۔''

''میرے ساتھ پولیس کی نفری زیادہ تھی اس لئے میں نے......''

''آپ پھر غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔'' میں نے تیزی سے آرتھر کی بات کاٹ کر اُسے گھورا۔ ''بات پولیس کی نفری کی نہیں، ایک عادی مجرم کو ہتھکڑی لگانے کی ہو رہی ہے۔''

''میں نے کسی وجہ سے ہتھکڑی کا استعمال ضروری نہیں سمجھا۔'' آرتھر نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا آپ 'کسی وجہ سے' کی تشریح سے عدالت کو مستفید فرمانا پسند کریں گے؟'' میں نے زہر خند سے آرتھر کے ٹوٹتے اعتماد کو ایک اور دھچکا پہنچانے کے سنہری موقع کو ضائع نہیں کیا۔

آرتھر کا چہرہ خون کی شدت سے تمتما اُٹھا۔ میں اُس کی بوکھلاہٹ کی وجہ سمجھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ عدالت کے رُوبرو میری حیرت انگیز قوت کا اظہار کر کے اپنی سبکی برداشت نہیں کرے گا۔ میں نے دوبارہ مسکرا کر اُس کی مشکل آسان کر دی۔ ''اگر آپ کسی وجہ سے میرے سوال کے جواب سے گریز کر رہے ہیں تو میں زیادہ اصرار نہیں کروں گا۔'' میں نے دوسرا سوال کیا۔ ''آپ نے ابھی کہا تھا کہ میں نے جسمانی ریمانڈ کے دوران آپ کو رشوت دینے کی کوشش کی، فرائض کی انجام دہی سے غفلت برتنے پر اُکسایا۔''

''ہاں، میں نے یہی کہا تھا......'' آرتھر نے سنبھل کر جواب دیا۔

''حیرت انگیز، مائی لارڈ......'' میں نے جج کی طرف دیکھا۔ ''ایک عادی مجرم پہلے اٹھارہ گھنٹے تک ایک لاکھ پونڈ کی کثیر رقم خود اپنی تحویل میں رکھنے کی حماقت کرتا ہے، پھر دوسری حماقت یہ کرتا ہے کہ تمام ابتدائی قانونی دستاویز مکمل ہونے اور جسمانی ریمانڈ کے بعد رشوت کی پیشکش کرتا ہے۔ حالانکہ قانون سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی خاطر ایک عام

مجرم کو بھی سب سے پہلے کسی نہ کسی طرح قانون کے شکنجوں سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ کیا مسٹر آرتھر کے بیان کا یہ جھول اس بات کی نشاندہی نہیں کرتا کہ میرے خلاف کیس کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے......؟''

''مسٹر آرتھر۔'' عدالت نے آرتھر کو مخاطب کیا۔ ''آپ کا کیا کہنا ہے؟''

''مائی لارڈ......'' آرتھر نے اپنا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی۔ ''میں نے جو بیان کیا وہ حقیقت پر مبنی ہے، میرا سابقہ ریکارڈ اور کارکردگی......''

''بات کو اُلجھانے کی کوشش نہ کریں مسٹر آرتھر۔'' میں نے دیدہ و دانستہ قدرے جھلا کر کہا۔ ''جیوری کے معزز ممبران اس وقت یہاں آپ کی پرسنل فائل کے مطالعے یا آپ کی حسن کارکردگی پر وکٹوریا کراس سے نوازے جانے کی تقریب میں شرکت کی غرض سے جمع نہیں ہوئے ہیں۔''

اس بار جیوری کے ممبران کے علاوہ جج بھی اپنے ہونٹوں پر اُبھرنے والی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکا۔ آرتھر کا گڑبڑا جانا قدرتی امر تھا۔ انکا کی آنکھیں بھی پٹ پٹانے لگیں۔ حیرت سے بولی۔

''جمیل، تمہارے یہ جوہر تو آج پہلی بار کھل رہے ہیں۔ ایمان سے نظر لگ رہی ہے تمہیں۔ اجازت ہو تو بلائیں لے لوں؟''

میں کچھ دیر کٹہرے میں خاموش کھڑا جیوری کے ممبران کے درمیان ہونے والی کھسر پھسر سنتا رہا۔ میری نظریں خاص طور پر مورینا پر مرکوز تھیں جو شاید میرے حق میں بار بار ہاتھ اُٹھا کر بڑی سنجیدگی سے قریب بیٹھے دوسرے ممبروں کو کسی خاص نکتے پر قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''جمیل......'' انکا نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''دیکھ رہے ہو اپنی بے دُم کی مورنی کو، تمہارے حق میں کیسا پٹر پٹر بول رہی ہے۔ مچھلی خود تمہارے جال میں پھنسنے کو مچل رہی ہے۔''

مورینا کے لئے ''بے دُم کی مورنی'' والی اصطلاح سن کر میں دل ہی دل میں مسکرایا، انکا کی نظریں بدستور مورینا پر جمی تھیں، آرتھر بری طرح بوکھلایا نظر آ رہا تھا، مجھے خوشی تھی اُس کے پاؤں آہستہ آہستہ اُکھڑ رہے تھے۔ میرے پاس دھماکہ کرنے کے لئے بارُود کا خاصا

ذخیرہ موجود تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے آرتھر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں مانے لیتا ہوں کہ غلطیاں انسانوں ہی سے سرزد ہوتی ہیں۔ آپ نے بھی ممکن ہے میرے سلسلے میں کاغذات تیار کرنے میں عجلت کا مظاہرہ جان بوجھ کر نہ کیا ہو۔ بہرحال میں عدالت کا زیادہ قیمتی وقت برباد نہیں کروں گا۔'' میں سانس لینے کی خاطر رُکا، پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مسٹر آرتھر، کیا آپ میری معلومات کے لئے یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ خطرناک عالمی دہشت گردوں اور قانون کی اصطلاح میں خطرناک مجرموں کا ریکارڈ مرتب کرنے اور محفوظ کرنے کے لئے ان کی کتنی اُنگلیوں کے فنگر پرنٹس لئے جاتے ہیں؟''

''آٹھ اُنگلیوں اور دو انگوٹھوں کے امپریشن لئے جاتے ہیں۔'' آرتھر نے جواب دینے میں تاخیر نہیں کی۔

''کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ دونوں ہاتھ کی تمام اُنگلیوں اور دونوں انگوٹھوں کے پرنٹس لئے جاتے ہیں؟''

''جی ہاں......'' آرتھر نے وضاحت کی۔ ''کسی خطرناک مجرم کا ریکارڈ محفوظ کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے...... ویسے ہم کسی ایک اُنگلی یا انگوٹھے کے نشانات سے بھی مجرم تک پہنچ جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔''

''کیا عادی مجرم بھی ان حقائق سے واقف ہوتے ہیں؟'' میں نے بڑی معصومیت سے دریافت کیا۔

''جی ہاں، آج کل تو چھوٹے موٹے چور اُچکے اور جیب کترے بھی قانون کے بارے میں بہت زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔'' اُس نے مجھ پر طنز کی کوشش کی۔

''آپ نے بھری عدالت کے سامنے مجھے ٹُنڈا کہا، یہ الزام تراشنے کی پُرزور کوشش بھی کی کہ میں نے فنگر پرنٹس چھپانے کی خاطر جان بوجھ کر اپنا ایک ہاتھ ضائع کر دیا۔'' میری آواز کی گھن گرج بتدریج بڑھتی گئی۔ ''کیا بیان دیتے وقت آپ اپنی ان صلاحیتوں کو فراموش کر گئے تھے جن کی مدد سے آپ جائے وقوعہ سے برآمد ہونے والے کسی ایک اُنگلی یا انگوٹھے کے فنگر پرنٹس کے ذریعے بھی مجرموں کا قلع قمع کر سکتے ہیں؟''

آرتھر کے چہرے پر بارہ بجنے لگے۔ انکا رانی میری بات کی تہہ کو پہنچ کر خوشی سے تالیاں

بجانے لگی۔ جیوری کے ممبران کے درمیان پھر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، سرکاری وکیل آرتھر کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ عدالت سے مخاطب ہو کر بولا۔

’’می لارڈ، مسٹر آرتھر کی نیک نیتی اور بیان شک و شبہ سے بالاتر ہے، میں درخواست کروں گا کہ ملزم دولت علی کو مزید جرح سے روکا جائے۔ یہ بے سروپا باتیں کر کے عدالت کا وقت ضائع کرنے کی ڈرامائی کوشش کر رہا ہے۔‘‘

انکا کے تیور بدلنے لگے۔ میں نے اُسے روکنا چاہا لیکن وہ پل بھر میں کسی چھلاوے کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہو گئی، شاید اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اُٹھا تھا۔ سرکاری وکیل بدستور بولتا رہا۔

’’میں مستند حوالوں سے عدالت کے رُوبرو یہ بات ثابت کر سکتا ہوں کہ ایشیا سے تعلق رکھنے والے اکثر مجرم عدالت کے رُوبرو اپنی مظلومیت ثابت کرنے اور ہمدردی حاصل کرنے کی خاطر لمبی چوڑی بے معنی باتیں کرتے ہیں، ان کی باتوں میں کوئی وزن نہیں ہوتا۔‘‘

میں سرکاری وکیل کی بکواس سننے کی بجائے انکا کے سر سے اُتر جانے کے بارے میں غور کر رہا تھا، وہ لامحدود قوتوں کی مالک تھی، لمحوں میں بازی پلٹ دینے کے لئے اُس کی پلکوں کی ایک جنبش بہت تھی۔ وہ انکا تھی۔ میری انکارانی...... میرے لئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔ میں اُسی کے بارے میں غور کر رہا تھا جب اچانک پریتم لال کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

’’چنتا نہ کرنا بالک، میری شکتی تمہارے ساتھ ہے۔‘‘

میں نے تیزی سے پلٹ کر بائیں جانب دیکھا، پریتم لال مہاراج کی آتما مادی شکل میں کٹہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

’’مہاراج۔‘‘ میں نے عقیدت کا اظہار کیا۔ ’’تم نے آنے کی زحمت کیوں کی؟ میرے لئے انکا ہی بہت ہے۔‘‘

’’میں تجھے کچھ دان کرنے آیا ہوں مورکھ، کلدیپ کی آتما نے مجھ سے بنتی کی تھی، نراش مت ہو جانا۔ چٹان کی طرح طوفان کے سامنے ڈٹے رہنا، وجے تیری ہی ہو گی۔‘‘ پریتم لال نے بڑی نحیف اور کمزور آواز میں کہا پھر اپنا برف جیسا سرد ہاتھ میرے دائیں ہاتھ پر پھیرتا ہوا بولا۔ ’’میں نے تجھ سے کہا تھا کہ ہاتھ ٹھیک کرا لے۔ تیرا خیال تھا کہ تیری انکارانی کی شکتی بھی تیرا کٹا ہوا ہاتھ ٹھیک نہیں کر سکتی۔ تو پریتم لال کو بھول گیا تھا۔ کلدیپ کی من کی

بھاؤنا کو نہیں سمجھ سکا۔ وہ سندری تجھ پر جان چھڑکتی تھی، تیرے کارن کالی کو دیئے ہوئے وچن پر اپنا کومل شریر بلیدان کر گئی۔ میں بھی اُسے نہیں بچا سکا۔‘‘ پریتم لال کا استخوانی پنجر کھڑکھڑانے لگا۔ اُس کی گوشت پوست کی قید سے آزاد آہنی اُنگلیاں میرے بائیں ہاتھ پر رینگتی رہیں۔ کچھ توقف کے بعد بولا۔ ’’آج اسی سورگ باشی سندری کی بنتی پر تیرا کٹا ہوا ہاتھ تجھے واپس کر رہا ہوں، میری بات دھیان سے سن لے۔ جب تو کسی اچھے اور پوتر کام کے لئے من کی گہرائیوں سے وچار کرے گا تو تیرا یہ ہاتھ اسی طرح حرکت کرے گا جس طرح کٹنے سے پہلے کرتا تھا۔ کوئی ثابت نہیں کر سکے گا کہ تیرا ہاتھ کبھی کاٹ دیا گیا تھا۔ پرنتو ایک بات گانٹھ کی طرح باندھ لے۔ کبھی اس ہاتھ سے کوئی غلط کام لینے کی سوچے گا تو یہ تیرے کسی کام میں نہیں آئے گا۔ میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔ جے کالی، جے بجرنگ بلی۔‘‘

پریتم لال کا استخوانی پنجر میری نظروں سے یکلخت اوجھل ہو گیا۔ اُس کے کہے ہوئے جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے، میرا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے بائیں ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دی، ایک ایک اُنگلی کو آہستہ آہستہ حرکت دے کر دیکھا، میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ میرا دل خوشی سے اُچھلنے لگا، میرا ذہن کلدیپ کے بارے میں سوچنے لگا۔ عدالت میں کیا ہو رہا تھا میں اس سے بے خبر تھا۔ لیکن پھر قہقہوں کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سرکاری وکیل کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں دو پاؤنڈ کا پیتل کا وزن کرنے والا باٹ (WEIGHT) لئے کھڑا تھا۔ مجھے یاد آیا، کچھ دیر پہلے وہ میری باتوں میں وزن نہ ہونے کی بات کر رہا تھا اور اب اس وزن کرنے والے پیتل کے پیمانے کو تعجب اور حیرت انگیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا، وہ میری انکارانی کی ایک معمولی شرارت تھی جس نے سرکاری وکیل کی شخصیت کو بڑا مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

’’ہماری باتوں میں وزن کہاں سے ہو گا می لارڈ؟‘‘ میں نے موقع سے فائدہ اُٹھایا۔ ’’وزن تو سرکاری وکیل کے ہاتھوں کا کھلونا ہوتا ہے۔‘‘

عدالت کا وقار برقرار نہ رہ سکا، سارا ماحول زعفران زار بن گیا۔ سرکاری وکیل کی وحشت اور بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

’’آرڈر...... آرڈر......‘‘ جج نے لکڑی کا مخصوص ہیمر (HAMMER) اُٹھا کر تین بار میز پر مارا تو قہقہوں کی آوازیں معدوم ہو گئیں، کسی کسی ہونٹ پر مسکراہٹ باقی رہ گئی۔ آرتھر

دوبارہ اٹنشن پوزیشن میں آگیا۔

''آپ بیٹھ جائیں۔'' جج نے سرکاری وکیل سے کہا، پھر روئے سخن میری جانب متوجہ ہوا۔ ''مسٹر دولت علی، عدالت کے وقفے کا وقت قریب ہے۔ آپ اگر چاہیں تو میں کل کی تاریخ دے سکتا ہوں۔''

''میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ مجھے مسٹر آرتھر سے صرف تین باتیں اور دریافت کرنے کا موقع دیا جائے، میں اپنی درخواست کے جواز میں یہ عرض کروں گا کہ بات اگر کل پر ٹل گئی تو سارا تسلسل ختم ہو جائے گا۔ جیوری کے ممبران کو بھی دوبارہ کڑیاں ملانے میں زحمت کا سامنا ہو سکتا ہے۔''

''آپ کو اجازت ہے۔ لیکن وقت کا خیال رکھا جائے۔'' جج نے عدالت میں لگی وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے میری درخواست منظور کرلی۔

اسی لمحے انکا میرے سر پر دوبارہ آگئی، کسمسا کر بولی۔

''تمہاری ناراضگی کے خیال سے جلدی آگئی۔ ورنہ میں نے سوچا تھا کچھ دیر مورینا کے بالوں میں بھی آرام کرلیتی۔ تم خفا تو نہیں ہو جمیل؟''

میں نے جواب میں انکا کو کچھ ضروری ہدایات دیں۔ وہ تیزی سے دوبارہ میرے سر سے اُتر گئی۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں کیس کو جلد از جلد ختم کرنے کا خواہشمند تھا۔ میں نے آرتھر کو اس بار قہر آلود نظروں سے گھورا۔ میں اُسے باور کرانا چاہتا تھا کہ اُس کا بُرا وقت قریب آچکا ہے، خطرے کی گھنٹی بجنے میں کچھ لمحے اور باقی رہ گئے ہیں۔ قسمت کی دیوی اُس سے رُوٹھنے کو پرتول چکی ہے، تباہی اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ اُس نے مجھے چھیڑ کر اپنی تباہی کو دعوت دی تھی۔

''مسٹر آرتھر۔ آپ نے سن لیا ہوگا کہ عدالت کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لئے جو جواب بھی دیجئے گا، سوچ سمجھ کر دیجئے گا۔'' میں نے اُسے نفسیاتی طور پر کمزور کرنے کی خاطر کہا، پھر بے حد ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''آپ جس وقت ہوٹل میں میرے کمرے میں تشریف لائے تھے اُس وقت آپ نے ایک ہی جیسے انداز میں تہہ کئے ہوئے دو کاغذات جیب سے نکالے تھے، سو سو پونڈ کے نوٹوں کی فہرست تیار کرتے وقت آپ نے براہِ راست نوٹوں سے نمبر لینے کی بجائے ان دونوں لسٹوں میں سے ایک کو سامنے رکھ کر نمبر نقل کئے

تھے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے مشیر نامے میں وہی نمبر لکھے ہیں جو نوٹوں پر تھے یا غلطی سے غلط کیس بنانے کی جلدی میں غلط نمبر...... میرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کاغذ پر درج شدہ نمبر لکھ ڈالے؟''

''مم... مجھ میں......'' آرتھر کا گڑبڑا جانا قدرتی امر تھا۔ اُس کے چہرے پر غصے کی شدت قابلِ دید تھی، ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔''

''مطلب اور مقصد دونوں بہت صاف ہیں مسٹر آرتھر۔'' میں نے جیوری کے ممبران کی طرف ہاتھ اُٹھا کر احتجاجی انداز میں جواب دیا۔ ''آپ نے میرے خلاف غلط کیس بنا کر بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔''

''آرڈر...... آرڈر......'' جج نے مجھے تنبیہی نظروں سے گھورا۔ ''مسٹر دولت علی۔ آپ اپنے سوال پر دوبارہ غور کرلیں۔ ایک ذمہ دار آفیسر پر دھوکا دہی اور جعلسازی کا الزام اگر غلط ثابت ہوا تو آپ کو اس کی سزا سنگین بھی ہو سکتی ہے۔''

''می لارڈ......'' میں نے جج کی طرف رُخ کیا، سر کو خفیف سا خم دے کر اُسے اپنے مہذب ہونے کا یقین دلایا، زیرِ لب مسکرا کر بولا۔ ''میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی تصدیق کے لئے کسی کارندے کو کہیں دُور نہیں جانا پڑے گا۔ سو سو پونڈ کی کرنسی کا سربمہر سفری بیگ اور کیس فائل دونوں عدالت کی تحویل میں ہیں۔ آپ بنفسِ نفیس تصدیق فرما سکتے ہیں۔ لیکن......'' میں نے پلٹ کر زہر خند سے آرتھر کو مخاطب کیا۔ ''مائی ڈیئر مسٹر آرتھر۔ کیا یہ غلط ہے کہ آپ کو اپنے کسی معتبر ذرائع سے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں نے کسی مقامی دوست کو فون کر کے ایک لاکھ پونڈ کی رقم طلب کی تھی۔ بعد ازاں آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ مطلوبہ رقم کس بینک سے نکلوائی گئی ہے؟ آپ بڑے آفیسر ہیں، آپ کی رسائی بھی دُور دُور تک ہوگی۔ بینک سے نوٹوں کی جاری کردہ نمبروں کی فہرست آپ کو کہاں سے ملی؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا، لیکن......''

''مائی لارڈ......'' سرکاری وکیل احتجاجاً دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ منہ سے جھاگ اُڑاتے ہوئے بولا۔ ''یہ شخص صرف عدالت کا وقت برباد کرنے کی خاطر بات کو طول دے رہا ہے، ہم ابھی عدالت کے روبرو اس کی بے سروپا باتوں کی تصدیق کئے لیتے ہیں۔''

جج نے سر ہلا کر سرکاری وکیل کے مشورے کی تائید کی۔ جیوری کے ممبران اپنی اپنی

نشستوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔ میں نے کنکھیوں سے مورینا کی جانب دیکھا، وہ زیادہ سنجیدہ نظر آرہی تھی، انکا نے مجھے بتایا تھا کہ مچھلی خود میرے جال میں پھنسنے کو مچل رہی ہے۔ اس حسینۂ دلنواز کا دل بھی ضرور دھڑک رہا ہوگا۔ میرا بیان غلط ثابت ہوتا تو اُس کی کوئی ہمدردی میرے کسی کام نہ آتی۔

سرکاری وکیل بری طرح بھنا رہا تھا۔ آرتھر بھی غصے میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ لیکن وہ نادان تھے۔ جمیل احمد خان سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ اگر اُنہیں علم ہوتا تو "شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے" کی حماقت کبھی نہ کرتے، دُور سے کترا کر نکل جاتے۔

عدالتی کارندوں نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ لیکن اس کے بعد سب کے چہرے فق ہو گئے۔ سرکاری وکیل نے پھٹی پھٹی نظروں سے آرتھر کی سمت دیکھا تو آرتھر بھی گھبرا گیا۔ جیوری کے ممبران نے باری باری کرنسی نوٹوں اور اُن کی مرتب شدہ فہرست کو دیکھا، سب ہی کی گردنیں شرم سے جھک گئیں، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کرنسی نوٹوں پر چھپے نمبروں اور فہرست میں درج شدہ نمبروں میں زمین آسمان کا فرق تھا...... غلاموں کے دیس کا ایک شخص سر بلند ہو رہا تھا، سفید فام چہرے زرد پڑ رہے تھے۔ عدالت میں سرگوشیاں اُبھرنے لگیں، جج بھی انصاف کی کرسی پر کسمسانے لگا۔ سرکاری وکیل سر تھام کر کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔ اُس کی وحشت دیدنی تھی، آرتھر اُس کی حالت دیکھ کر کپکپانے لگا، اپنی نظروں سے میرے بیان کی تصدیق کر لیتا تو منہ کے بل چکرا کر گر جاتا۔ میں اُن کے سُتے سُتے چہرے کو دیکھتا رہا، انکا رانی نے پل بھر میں بساط پلٹ دی، سب منہ تاپتے رہ گئے، ساری لن ترانیاں دھری کی دھری رہ گئیں، سب کو سانپ سونگھ گیا، آرتھر ہونقوں کی طرح ایک ایک کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ جج کے حکم کے بغیر کٹہرے سے باہر نہیں آسکتا تھا۔ دوسروں کے چہروں سے حالات کا اندازہ لگاتا رہا۔

خاصی دیر تک عدالت میں افراتفری طاری رہی، پھر جج نے آرڈر...... آرڈر کا نعرہ لگایا تو سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ جج کی شرمندگی بھی قابل رحم تھی۔ وہ اپنی خجالت مٹانے کی خاطر آرتھر سے کچھ کہنا چاہتا تھا، میں نے موقع نہیں دیا، درمیان میں بول پڑا۔

"می لارڈ، میرا خیال ہے کہ معزز عدالت نے میرے بیان کی تصدیق کر لی ہوگی لیکن......" میں نے آرتھر کی سمت فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔ "ابھی میرے دو سوال باقی رہ

گئے ہیں۔ میں مسٹر آرتھر سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے بھری عدالت کے سامنے مجھے ٹُنڈا کہہ کر میری توہین کیوں کی......؟" میں نے اپنے مہذب لہجے میں موقع کی مناسبت سے تھوڑی سی تلخی بھی شامل کی۔ "کیا برطانوی قانون کسی بھی اونے پونے آفیسر کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ سرعام کسی معزز شہری، کسی سیاح کی پگڑی اُچھالتا پھرے......؟ کیا سوری (SORRY) کا لفظ اسی مقصد سے ایجاد کیا گیا ہے کہ جب گردنیں شرم سے جھکنے لگیں، جب بچاؤ کی کوئی دوسری صورت باقی نہ رہے تو سوری کہہ کر دامن بچالیا جائے اور......"

"مسٹر دولت علی۔" جج نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے مجھے تنبیہ کی۔ "آپ الفاظ اور جملوں میں احتیاط سے کام لیں۔ ورنہ توہین عدالت کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں۔"

"سوری یور آنر۔" میں نے جان بوجھ کر لفظ 'سوری' پر زور دیا تو عدالت میں موجود ہر فرد زیر لب مسکرا دیا۔ آرتھر کسی زخمی سانپ کی طرح بار بار بل کھا رہا تھا۔ سرکاری وکیل بدستور سر پکڑے بیٹھا رہا۔

"مسٹر آرتھر......" میں نے پینترا بدل کر گرم لوہے پر ایک اور ضرب لگائی۔ "کیا آپ جج اور جیوری کے رُوبرو یہ ثابت کرنے کی زحمت گوارا کریں گے کہ میرا ایک ہاتھ مصنوعی ہے؟"

"اس حقیقت کو ثابت کرنے کی خاطر کسی ڈاکٹر یا سرجن کی ضرورت ہوگی۔" آرتھر نے وقت حاصل کرنے کی خاطر بہانہ کیا۔

اسی لمحے انکا میرے سر پر آگئی۔ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "جمیل...... یہ کیا حماقت کر رہے ہو؟ میرا مشورہ غور سے سنو۔ اپنا مطالبہ واپس لے لو ورنہ جیتی ہوئی بازی ہار جاؤ گے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اپنی حدود میں رہ کر وہ کام بھی انجام دے سکتی ہوں جو کسی کے ذہن میں بھی نہیں آسکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا۔" انکا کی آواز بھرا گئی۔ "میں تم سے ہمیشہ شرمندہ رہوں گی جمیل۔ لیکن تمہارا ہاتھ دوبارہ اصل حالت میں لانا میرے اختیار میں نہیں ہے......"

انکا مجھے روکتی رہی، میں نے اُس کی بات ایک کان سے سنی، دوسرے سے اُڑا دی۔ وہ جھلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی، اپنے تیز پنجوں کی چبھن سے مجھے قابو کرنا چاہا تو میں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں انکا رانی۔ نہیں...... اس وقت میرے ذہن کو معطل نہ کرنا۔ میں جو کچھ کر رہا

ہوں، کہہ رہا ہوں اس میں پورے ہوش وحواس کا دخل شامل ہے۔ تم بھی خاموشی سے تماشہ دیکھتی رہو۔"

"جمیل......" انکا نے تلملا کر کہا۔ "تم سمجھ رہے ہو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟ تمہارا بایاں ہاتھ مصنوعی ہے، اس میں زندگی کی حرارت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔"

جج نے بھی موقع سے فائدہ اُٹھا کر اگلی پیشی کا اعلان کر کے گلو خلاصی کرنی چاہی لیکن مورینا کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا، اُس کے تیور میں کرختگی نظر آ رہی تھی۔ میری رہائی یا عمر قید کی سزا سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ نسلی تعصب کا شکار ضرور نظر آ رہا تھا۔ اُس نے با آواز بلند عدالت کو اپنی خدمات پیش کرنے کی پیشکش کی۔ اُس کے لہجے سے غرور و تکبر جھلک رہا تھا۔

"مائی لارڈ میں ایک مستند اور معروف سرجن ہوں۔ میرا نام سرجن اسٹیورڈ جیمز ہے جس کی تصدیق عدالتی ریکارڈ اور میرے ساتھ موجود جیوری کے ایک دو ممبران سے بھی کی جا سکتی ہے۔" وہ مجھ پر اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کی خاطر کہہ رہا تھا۔ "سرجری کے میدان میں ابھی تک کوئی ایسی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی ٹوٹے ہوئے یا مصنوعی ہاتھ کو اصل کی طرح ظاہر کر سکے۔ سرجری کے نشانات بذاتِ خود ایسا ثبوت ہیں جو ہلکے اور مدھم پڑنے کے باوجود مرتے دم تک انسانی جسم پر ضرور باقی رہتے ہیں۔ اگر عدالت اجازت دے تو میں دولت علی کا معائنہ کر کے محض دو منٹ میں ان کے بیان کی صحت کی تردید یا تصدیق کر سکتا ہوں۔"

"تم نے سنا جمیل صاحب......" انکا پھر سٹپٹانے لگی۔ اُس کی تشویش بیجا نہیں تھی۔ "سرجن اسٹیورڈ جیمز کیا دعویٰ کر رہا ہے؟ اس کا شمار چوٹی کے سرجنوں میں ہوتا ہے۔ چھوٹے موٹے مریض اس کی فیس سن کر ہی اپنا راستہ بدل دیتے ہیں۔ یہ کئی کارنامے انجام دے چکا ہے، بڑے بڑے لارڈ اس کی کمپنی میں نشست و برخاست کو اپنے لئے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں سمجھتے۔" انکا مجھے ہاتھ نچا نچا کر سمجھانے کی کوشش کرتی رہی۔ "میں وقتی طور پر اس کا ذہن پلٹ کر تمہارے حق میں بدلنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔ لیکن اگر آرتھر تمہارا مصنوعی ہاتھ دیکھ چکا ہے تو آخری دم تک اپنی ہار قبول نہیں کرے گا...... بات بڑھ جائے گی۔"

میں انکا کی باتوں پر مسکراتا رہا، وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔ مجھے یقین تھا کہ انکارانی کے لئے بھی وہ لمحے یادگار ثابت ہوں گے جب وہ میرے ہاتھ کو حرکت کرتے دیکھے گی۔ سرجن

اسٹیورڈ میرے بیان کی تصدیق کرے گا تو آرتھر بھی دم بخود رہ جائے گا۔ سرکاری وکیل جو ابھی تک سر تھامے بیٹھا نوٹوں کے نمبروں اور فہرست کے تضاد پر اُلجھ رہا تھا شاید میرے ہاتھ کے اصلی ہونے کی تصدیق میں سرجن کے منہ سے ادا ہونے والا جملہ سن کر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیتا۔ آرتھر کھڑے کھڑے کٹہرے میں حیرت سے ڈھیر ہو جاتا۔

عدالت نے سرجن اسٹیورڈ جیمز کی پیشکش قبول کر لی۔ انکا بھنا کر رہ گئی۔ اُس نے میرے سر سے اُترنا چاہا، میں نے اُسے اپنی قسم دلائی تو دھم سے سر پر بیٹھ گئی، مجھے تیز نظروں سے گھورنے لگی۔

سرجن سینہ تانے قدم بڑھاتا میرے کٹہرے کے قریب آ گیا۔ سرکاری وکیل نے پُر اُمید نظروں سے سرجن کی سمت دیکھا، آرتھر کی نگاہوں میں بھی کامیابی کی کرنیں ٹمٹمانے لگیں۔ میں نے دیدہ و دانستہ وحشت اور جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ایک ہی جھٹکے میں گریبان میں سیدھا ہاتھ ڈال کر قمیض کو 'جھر' سے پھاڑ کر جسم سے علیحدہ کر دیا۔ سب سے پہلے انکا پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوئی۔ اُس نے اپنی دُوربین نظروں سے میرے ہاتھ کا جائزہ لیا، پھر خوشی سے اُچھل کر میرے بالوں کے درمیان دیوانہ وار ناچنے لگی۔ ہیجان انگیز انداز میں کولہے مٹکانے لگی، اُس کی مسرت دیدنی تھی۔

آرتھر کو سکتہ ہو گیا، اُس کی پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا، دیدے پھٹے کے پھٹے رہ گئے، سرکاری وکیل کی حالت بھی آرتھر سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ جیوری کے ممبران میری جسارت پر پہلو بدلنے لگے۔ صرف مورینا کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ میں نے جب اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دے کر سرجن کے سامنے فضا میں بلند کیا تو وہ بھی ششدر رہ گیا۔ خود میں بھی اپنے آپ کو "طلسم ہوش ربا" کا ایک فرضی کردار سمجھ رہا تھا۔ میرے ہاتھ پر کسی زخم، کسی معمولی خراش کا بھی کوئی نشان موجود نہیں تھا۔ میں نے بمشکل اپنی حیرت کو ضبط کیا، پریتم لال مہاراج کی مہان شکتی کا اندازہ مجھے پہلی بار ہوا۔ جو کام انکا کے اختیار سے باہر تھا، وہ پریتم لال کی آتما نے اپنی استخوانی اُنگلیوں سے سرانجام دے ڈالا۔ مجھے اس وقت اپنی کلدیپ بھی بڑی شدت سے یاد آئی۔ وہ میری خاطر کالی کے قدموں میں اپنی زندگی کی قربانی پیش نہ کرتی تو پریتم لال کی رفاقت اُسے بھی کندن بنا دیتی۔ میں متضاد کیفیتوں سے دوچار تھا جب سرجن اسٹیورڈ نے بہت غور و خوض کے بعد

بڑے یقین سے اس بات کا اعلان کیا کہ میرے بائیں ہاتھ کی سرجری کبھی عمل میں نہیں آئی۔ اُس نے احتیاطاً میرے سیدھے ہاتھ کا بھی معائنہ کیا، پھر عدالت کی درخواست پر تحریری رپورٹ بھی لکھ دی۔ جج کی شش و پنج قابل دید تھی۔ اُس نے مجھے تیسرے سوال کا موقع دینے سے گریز کیا اور اگلی پیشی کا اعلان کر دیا۔ عدالت برخاست کر کے چیمبر کی سمت جانے لگا تو میں نے جرأت سے کام لے کر درخواست کی۔

"می لارڈ، آپ نے ایک ہفتے بعد کی تاریخ دی ہے۔ کیا مجھے بے قصور ہونے کے باوجود سات روز تک لاک اپ میں سلاخوں کے پیچھے رہنا ہوگا؟"

جج رُک گیا۔ اُس نے پہلی بار مجھے حقارت سے گھورا۔ میں شاید پہلا مجرم تھا جس نے عدالت برخاست ہونے کے بعد بولنے کی جسارت کی تھی۔ انکا موقع کی نزاکت بھانپ کر تیزی سے سر سے اُتر گئی۔ جج کی قہر آلود نظروں میں پل بھر میں ہمدردی کا رنگ گہرا ہونے لگا۔ انکا اُس کے سر پر تسلط جما چکی تھی۔

"مسٹر دولت علی۔" اُس نے نرم آواز میں سوال کیا۔ "کیا تم کوئی ضمانت پیش کر سکتے ہو؟"

"آپ بھی اس بات کے گواہ ہیں یور آنر کہ مجھ کو بلاوجہ پھنسایا گیا ہے۔ سرکاری وکیل اور مسٹر آرتھر ابھی تک کسی بات کو ثابت نہیں کر سکے، نوٹوں کے نمبروں کا غلط اندراج، میرے ایک ہاتھ کا کٹا ہونا، یہ میرے خلاف گھناؤنی سازشیں تھیں، جیوری کے ممبران بھی گواہ ہیں کہ میں نے ثابت کر دیا کہ......"

"مسٹر آرتھر۔" جج نے میری بات کاٹ کر آرتھر کی سمت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا آپ کو ملزم کی شخصی ضمانت پر رہائی پر کوئی اعتراض ہوگا......؟"

"جج...... جی...... جی......نہیں۔" آرتھر نے ہکلاتے ہوئے جملہ ادا کیا۔ وہ بازی ہار چکا تھا، کوئی عذر نہ کر سکا۔

میری شخصی ضمانت منظور ہوگئی۔ سب حیران رہ گئے...... آرتھر ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔ میں نے ضمانت کے کاغذات کی خانہ پُری کی، پھر قدم اُٹھاتا عدالت سے باہر آ گیا۔ سب ہی کی نظریں مجھ پر لگی تھیں۔ میں فاتحانہ انداز میں احاطے کے پھاٹک کی سمت قدم بڑھانے لگا۔

ہوٹل کی انتظامیہ نے مجھے دوبارہ قیام سے روکنے کی کوشش کی۔ وہ ہوٹل کی بدنامی سے ڈرتے تھے۔ لیکن اُنہیں میرے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ عدالت نے میری شخصی ضمانت قبول کر لی تھی، وہ عدالت کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے تھے، پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ انکا نے ہوٹل کے جنرل منیجر کو سبق دینا چاہا، میں نے روک دیا۔ میری صرف ضمانت ہوئی تھی، کیس ختم نہیں ہوا تھا۔ میں نے فوری طور پر دنگا فساد کرنے سے گریز کیا۔

شام کو جم، سارا، ولیم اور جین سبھی آ گئے۔ جم کو میری ضمانت کی خوشی تھی لیکن وہ میرے سابقہ رویئے پر کچھ خفا تھا۔ سارا اور جین نے مجھے مبارکباد پیش کی، ولیم خاموش بیٹھا ہماری باتیں سنتا رہا۔

"جمیل......" انکا نے مجھے آگاہ کیا۔ "جم تم سے مارٹینا کے سلسلے میں بات کرنے پر غور کر رہا ہے۔ تم اُسے ٹال دینا، ورنہ جیکب کا نام سامنے آ جائے گا۔"

"کیا تم اُسے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے روک نہیں سکتیں؟"

"میں کیا کچھ کر سکتی ہوں اس کا علم تمہیں کچھ دیر میں ہو جائے گا۔" وہ رینگتی ہوئی میرے سر سے اُتر گئی، میں نے اُسے روکا نہیں۔

"مجھے اپنے ذرائع سے عدالت کی پوری کارروائی کا علم ہو چکا ہے۔" جین نے حیرت کا اظہار کیا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آرتھر جیسے ذمہ دار آفیسر نے تمہارے خلاف غلط کیس بنانے کی کوشش کیوں کی؟ خاص طور پر تمہارے کٹے ہوئے ہاتھ کے سلسلے میں سرجن اسٹیورڈ جیمز کی تصدیق نے مجھے حیرت میں ڈال رکھا تھا۔ اُس کا شمار برطانیہ کے چوٹی کے سرجنوں میں ہوتا ہے۔ مجھے بتاؤ دولت علی، یہ سب کیسے ممکن ہوا......؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میری ماورائی قوتیں چھن گئی ہیں۔" میں نے جم کی وجہ سے محتاط انداز اختیار کیا۔ "میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ میں نے تمہیں یہ بھی باور کرایا تھا کہ میری

تو تیں کسی وقت مجھے واپس بھی مل سکتی ہیں۔ میری قسمت اچھی تھی جو بروقت میرے اندر ایک لہر دوڑ گئی اور سرجن اسٹیورڈ جیسے ماہر کی نظریں بھی دھوکہ کھا گئیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" جم کسمسانے لگا۔ "کیا سرجن نے تمہارے ہاتھ کا معائنہ نہیں کیا؟"

"تم شاید جرمن سائنسدان کے اغوا کے حیرت انگیز اور تاریخ ساز واقعہ کو بھول گئے ہو۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ جم لاجواب ہو گیا۔ لیکن اُس کی نگاہیں یکلخت چمکنے لگیں، مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "گویا اب کھوئی ہوئی طاقتیں تمہیں واپس مل چکی ہیں؟"

"ہاں......" میں نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔

"گڈ......" وہ اپنی نشست سے اُٹھ کر میرے صوفے پر آ گیا۔ "تمہیں ایک کیس میں میری مدد کرنی ہوگی۔" جم نے پُرجوش لہجے میں کہا، پھر مارٹینا کے قتل اور جیکب کے سلسلے میں پوری رُوداد شروع سے آخر تک دُہراتا چلا گیا۔

جیکب اور مارٹینا کے ذکر پر جین اور ولیم دونوں پہلو بدلنے لگے۔ میں نے جم کی بات کا فوری جواب نہیں دیا، آنکھیں بند کر کے کوئی ایسا راستہ اختیار کرنے کے بارے میں غور کرنے لگا جو جم کو بھی مطمئن کر دیتا، جین اور ولیم کی بے چینی بھی دُور ہو جاتی۔ میں کچھ دیر سوچوں میں مستغرق رہا، پھر آنکھیں کھول کر جم کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"میرا ایک مشورہ قبول کرو گے......؟"

"کیا......؟" جم نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

"مارٹینا کی کیس فائل بند کر دو۔" میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے سرسراتی آواز میں کہا۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر تم نے اس شخص کے بارے میں زیادہ چھان بین کی جسے تم نے جیکب کی حیثیت سے شناخت کیا تھا تو نادیدہ شیطانی قوتیں تمہارا جینا دوبھر کر دیں گی۔ میں بھی تفصیل میں جانے کی غلطی نہیں کروں گا، فی الحال صرف یہ بتا سکتا ہوں تمہیں جس شخص پر جیکب کا گمان ہے وہ جیکب نہیں، ایک بھٹکتی ہوئی بدرُوح تھی جو مارٹینا سے انتقام لینا چاہتی تھی...... مجھے افسوس ہے، میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ رُوح تھی تو ہڈیوں کے پنجر کی شکل میں بھی کیوں باقی رہی؟" جم نے وکیلوں کی طرح جرح کی۔ "اگر وہ جیکب کی شکل و صورت اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی تو مکمل طور پر غائب بھی ہو سکتی تھی۔"

"میرا کہا مان لو جم......" میں نے اُسے اپنے لب و لہجے سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ "تم ماورائی قوتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میری نظریں جو دیکھ چکی ہیں اس پر اعتماد کر لو۔ جتنا کریدو گے، بات اتنی ہی پیچیدہ ہوتی جائے گی۔"

"میں تمہارے حیرت انگیز کارناموں کا چشم دید گواہ ہوں۔" جم نے تھوڑے توقف سے کہا۔ "میں تمہارا مشورہ قبول کر لوں گا لیکن ایک شرط پر...... تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ جیکب کہاں گیا؟ جب تک مجھے اُس کا کوئی ٹریس (TRACE) نہیں ملتا، اُس کی شخصیت میرے ذہن میں کلبلاتی رہے گی۔"

"تم دولت علی کے سمجھانے کے باوجود اس بات پر کیوں بضد ہو کہ مارٹینا کے مرڈر میں جیکب ہی کا ہاتھ ہے؟" جین نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے دلیل پیش کی۔ "اگر تمہارے شبہے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ جیکب کو میرے پاس ملازمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا وہ براہِ راست اپنا انتقام نہیں لے سکتا تھا؟"

"یہی سوالات مجھے بھی پریشان کر رہے ہیں۔" جم اُلجھتے ہوئے بولا۔ "کیس فائل بند کرنے کے لئے ہمیں کوئی نہ کوئی معقول وجہ تو بہرحال بتانی ہوگی۔"

"جم، میں تمہاری ذہنی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "دنیا میں ایسے بے شمار حیرت انگیز، پراسرار اور ناقابلِ یقین واقعات رُونما ہو چکے ہیں جن کے بارے میں آج تک کوئی توجیہہ نہیں پیش کی جا سکی۔ بڑے بڑے ماہرین، سائنسدان اور عالم وقت بھی بغلیں جھانکتے رہ گئے۔ پراسرار علوم سے متعلق دانشوروں کا مشورہ یہی ہے کہ ایسے معاملات کی چھان بین سے گریز کیا جائے۔ ورنہ حالات اور سنگین صورت اختیار کر لیتے ہیں۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ لیکن مارٹینا کے کیس میں یہ سوال بہرحال باقی رہ جاتا ہے کہ جیکب ملازمت چھوڑنے کے بعد کہاں روپوش ہو گیا؟"

"کیا تم کاغذات میں کہیں جیکب کا حوالہ دے چکے ہو......؟" میں نے اپنی تسلی کی خاطر دریافت کیا۔

"نہیں۔ لیکن میں ذاتی طور پر اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوں گا جب تک جیکب کا کوئی سُراغ نہ مل جائے۔" جم نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میں نے اُسے بذاتِ خود مارٹینا کی لاش

کے پاس دیکھا تھا۔ میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میری نظروں نے دھوکہ نہیں کھایا۔"

جم ایک ذہین آفیسر تھا۔ وہ جو کہہ رہا تھا وہ غلط بھی نہیں تھا۔ یہ بات صرف میرے علم میں تھی کہ انکا کی لازوال قوتوں نے جین کو قانونی اُلجھنوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر جیکب کو ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل کر دیا تھا۔ میں جم کو کسی طرح مطمئن کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، میں نے ریسیور اُٹھالیا۔ کال جم کے دفتر سے کی گئی تھی۔ کوئی ماتحت جم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ریسیور جم کی طرف بڑھا دیا۔

"دولت علی۔" سارا نے مجھے مخاطب کیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگلی پیشی پر تم باعزت طور پر رہا کر دیئے جاؤ گے۔ جم بھی یہی کہہ رہا تھا۔"

"اس کے بعد ہم تمہاری صحت اور رہائش کا جشن ایک ساتھ منائیں گے۔" جین نے بڑے خلوص سے کہا۔ "تمہارے پاس آنے سے پیشتر میں اور ولیم راستے میں یہی پروگرام بنا رہے تھے۔"

میرے دل پر ایک گھونسہ لگا۔ میں کسمسا کر رہ گیا۔ انکا کی کوششوں نے جین اور جم کو ایک دوسرے سے خاصا قریب کر دیا تھا۔ لیکن میرے دل کے کسی گوشے میں جین کے ساتھ گزارے ہوئے تشنہ لمحوں کی کچھ حسین یادیں باقی تھیں، سارا نے بھی جین کے جملے سے کچھ اندازے قائم کر کے اُسے چونک کر دیکھا، میں سارا کی توجہ ہٹانے کی خاطر بول پڑا۔

"تمہیں یاد ہے سارا؟ میں نے رابرٹ کو بے نقاب کرنے کی خاطر کس طرح اُس سراغرساں کے جسم میں تمہارے ڈیڈ لارڈ اسمتھ کی رُوح کو طلب کر کے گلو خلاصی حاصل کی تھی جو مجھ پر قاتل ہونے کا شک کر رہا تھا۔ اگر رابرٹ کی جیب سے زہر کی شیشی اور تمہاری ملازمہ لزی کے سوٹ کیس سے دو سو پونڈ دستیاب نہ ہوتے تو شاید میں پھانسی پر لٹک چکا ہوتا۔"

سارا کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ جم جو کچھ دُور کھڑا فون پر بات کر رہا تھا، بوکھلایا ہوا درمیان میں آ گیا۔ اُس نے یقیناً کوئی ایسی خبر سنی تھی جس نے اُس کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ وہ بری طرح نروس دکھائی دے رہا تھا۔ سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"دولت علی......" اُس نے مُردہ سی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ "تم نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا کہ اگر میں نے مارٹینا کے کیس میں زیادہ چھان بین کی تو نادیدہ قوتیں میرا جینا دوبھر کر دیں گی۔" اُس نے پریشانی کے عالم میں بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے اپنی بات

جاری رکھی۔ "ابھی فون پر میرے ماتحت نے اطلاع دی ہے کہ ہڈیوں کا پنجر جو ہماری تحویل میں تھا وہ بھی فرار ہو گیا......"

"فرار ہو گیا......؟" جین نے حیرت سے وضاحت طلب کی۔ "یہ تم کیسی عجیب بات کر رہے ہو؟ تم سے یقیناً سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ ورنہ فرار ہونے والی بات......"

"نہیں......" جم نے دیوانوں جیسے انداز میں جین کا جملہ کاٹ کر کہا۔ "بنجمن مجھ سے اس قسم کا گھٹیا اور بیہودہ مذاق کرنے کی جسارت کبھی نہیں کر سکتا۔ جانتی ہو اُس نے فون پر مجھے کیا اطلاع دی ہے؟"

"کیا کہا ہے بنجمن نے......؟" جین اور سارا نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"ہڈیوں کا وہ پنجر اچانک زندہ انسانوں کی طرح اُٹھ کر ٹہلتا ہوا دفتر سے باہر چلا گیا، دفتر میں موجود عملہ اُسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔ باہر گیٹ پر تعینات ایک مسلح گارڈ نے جرأت سے کام لے کر اُسے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اس وقت ہسپتال میں موجود ہے۔ دوسرے گارڈ کا بیان ہے کہ ہڈیوں کے اس ڈھانچے نے گارڈ کی مداخلت پر برہم ہو کر اتنی شدت سے ہاتھ گھما کر حملہ کیا تھا کہ اُس کے گال پر گہرا زخم پڑ گیا۔ تین دانت بھی ضائع ہو گئے۔" جم نے وحشت کے عالم میں سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "بنجمن اس وقت زخمی گارڈ کے ساتھ ہسپتال میں موجود ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ آفس کے باہر سڑک پر گزرتے ہوئے راہگیروں نے کسی ڈھانچے کو نہیں دیکھا۔ بنجمن نے قرب و جوار میں واقع دکانداروں سے بھی تصدیق کر لی، کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہمیں فوراً ہسپتال پہنچنا ہوگا۔"

جم بات مکمل کر کے تیزی سے دروازے کی جانب لپکا۔ سارا اور جین بھی بوکھلائے ہوئے انداز میں جم کے تعاقب میں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ولیم نے بھی رُکنا مناسب نہیں سمجھا۔ جاتے جاتے اُس نے ایک سرسری نظر مجھ پر ڈالی لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں بھی ایک لمحے کو دم بخود رہ گیا۔ پھر میرے ذہن میں انکا کا کہا ہوا جملہ گونجنے لگا......

"میں کیا کچھ کر سکتی ہوں، اس کا علم تمہیں کچھ دیر میں ہو جائے گا۔"

میں اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ انکا کی قوت کا وہ انوکھا کرشمہ میری معلومات میں ایک خوشگوار اضافہ تھا۔ میں بے چینی نے اُس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا، وقت گزرتا رہا۔ رات کا کھانا میں نے اپنے کمرے میں ہی کھایا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور کہیں اُلجھ گئی ہوگی ورنہ

واپسی میں اتنی دیر نہ لگاتی۔

میں نے وقت گزارنے کی خاطر میلبا کو طلب کیا۔ وہ سہمی سمٹی کمرے میں داخل ہوئی۔ عدالت میں گواہی دینے کے بعد شاید وہ مجھ سے خوفزدہ تھی، اُس کے چہرے پر شادابی و تروتازگی کی بجائے سنجیدگی مسلط تھی۔ اس کیفیت میں بھی وہ حسین نظر آ رہی تھی۔

''میں معذرت خواہ ہوں سر۔'' اُس نے مدھم اور معصوم لہجے میں صفائی پیش کی۔ ''اگر میں گواہی نہ دیتی تو ہوٹل کی انتظامیہ مجھے برطرف کر دیتی، پولیس کے افسران اور کارندے کبھی میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ میں...... بڑی مصیبت میں......''

''جو ہو چکا اُسے خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔'' میں نے فیاضی کا ثبوت پیش کرنے کی خاطر اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ اُسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ میں نے پیش قدمی کی، آگے بڑھ کر اُس کے سہمے ہوئے حسن کو بانہوں میں سمیٹا تو اُس کے چہرے کی رنگت نکھرنے لگی۔ وہ ذہین بھی تھی اور تجربہ کار بھی۔ پہلے بھی ایک بار میزبانی کے خاص فرائض کے نازک مرحلے سے گزر چکی تھی......!!

رات میں کس وقت سویا مجھے یاد نہیں۔ دوبارہ انکا کے پنجوں کی تیز چبھن سے میری آنکھ کھلی تو رات کے تین بج رہے تھے۔ میلبا میرے پہلو میں بکھری پڑی تھی۔ میں نے انکا کی طرف دیکھا، وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ تیور بتا رہے تھے کہ اُس کے پاس میرے لئے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ میں نے کوئی سوال نہیں کیا، کچھ دیر خاموشی کے بعد اُس نے خود ہی کہا۔

''جمیل۔ ہمیں ہندوستان واپسی کے لئے اب اپنا رخت سفر باندھنے میں جلدی کرنی پڑے گی۔''

''کوئی نئی اطلاع......؟''

''ہاں......'' انکا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پُر خیال انداز میں جواب دیا۔ ''ہردوار میں بارہ برس بعد ہونے والا کمبھ کا میلہ پورے زور و شور سے جاری ہے، ہندوستان کے تمام بڑے پنڈت اور پجاری دُور دُور سے میلے میں شرکت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اُن میں ہردوار میں واقع کالی کے بڑے مندر کا مہان پجاری پنڈت نول کشور بھی شامل ہے جو آج کل بڑی تیزی سے سر اُبھار رہا ہے۔ ہزاروں پنڈت اور پجاری اُس کے چیلے ہیں جو اُس

کے ایک اشارے پر اپنی جان بھی بھینٹ دینے کو ہر دم تیار رہتے ہیں۔''

''پنڈت نول کشور؟'' میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولا۔ ''میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''ہاں۔ پہلے وہ زیادہ مشہور نہیں تھا۔ لیکن کالی کے مندر کا پروہت ہونے کی وجہ سے اُس نے بہت جلد شہرت کے ساتھ ساتھ ایک اُونچا مقام حاصل کرلیا ہے۔ کالی اس پر بہت زیادہ مہربان ہے، بڑا کمینہ خصلت، عیار اور خطرناک آدمی ہے۔ اتنا خطرناک کہ اس سے زیادہ عمر کے پنڈت پجاری بھی اُس کے سامنے زبان کھولتے ڈرتے ہیں۔ حکومتی مشینری کے سربرآوردہ عہدیدار بھی اُس کی کسی بات کی مخالفت کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم جیکب کے استخوانی پنجر کا قصہ پاک کرنے کی خاطر میرے سر سے اُتری تھیں۔'' میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا رہا......؟''

''جب تم سب کچھ جم کی زبانی سن چکے ہو تو مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہو......؟'' وہ آلتی پالتی مار کر میرے سر پر بیٹھ گئی۔

''میری معلومات میں تمہاری حیرت انگیز صلاحیتوں کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔'' میں مسکرا کر بولا۔ ''ہڈیوں کا ایک پنجر پولیس کی تحویل سے نکل کر بھاگا، سراغرسانوں کے اعلیٰ دماغ معطل ہو گئے، ایک گارڈ شدید زخمی، اپنے تین دانت گنوا بیٹھا، دوسرے گارڈ کی پتلون خوف سے زرد ہو گئی، متاثرہ علاقے میں سخت خوف و ہراس، پولیس کے مسلح دستے شہر میں گشت لگاتے پھر رہے ہیں، تمام ہوائی اڈوں پر تعینات سیکورٹی کے عملے کو ریڈ الرٹ کا سگنل، شہر کے وسطی علاقے میں ایک ریٹائرڈ فوجی افسر کا حیرت انگیز بیان، اُس نے ایک انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے کو فضا میں دو سو فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے دیکھا، پہلی نظر میں وہ یہی سمجھا تھا کہ سائنسدانوں نے نئی ساخت کا لڑاکا طیارہ ایجاد کیا ہے، ایک خاکروب نے ہڈیوں کے پنجر کو بیت الخلاء کی عقبی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا تو دہشت سے اُس کا ہارٹ فیل ہو گیا، شہر میں افراتفری، صاحب اقتدار لوگ سر جوڑے بیٹھے عوام کی بہتر خدمت پر غور و خوض کر رہے ہیں، وزیر داخلہ نے اس واقعہ کا سخت نوٹس لیا ہے، ایک پریس کانفرنس کے دوران اُنہوں نے حسب معمول بڑے ٹھوس اور دبنگ لہجے میں کہا کہ ملزم کو کیفر کردار تک پہنچانے میں حکومت کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرے گی، قانون شکنی اور دہشت گردی میں ملوث افراد سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا، اخباری نمائندوں نے

جب وزیر موصوف کو بتایا کہ بات کسی دہشت گرد یا اجتماعی زیادتی میں ملوث کسی فرد کی نہیں بلکہ انسانی ہڈیوں کے پراسرار پنجر کی ہے تو اُنہوں نے ڈائس پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اُٹھایا، تیزی سے غٹا غٹ پانی پیا، پھر کانفرنس کو اگلے روز پر ملتوی کر کے واپس چلے گئے۔ دو گھنٹے بعد موصوف نے پولیس کے سربراہ کو اپنے دفتر میں طلب کر کے نادر شاہی حکم دیا کہ مجرم خواہ کوئی بھی ہو، اُسے بلا رعایت چوبیس گھنٹوں کے اندر گرفتار کیا جائے...... اگلے چوبیس گھنٹوں میں پنجر سے متعلق نہایت اہم اور سنسنی خیز اطلاعات متوقع ہیں۔" میں نے زندہ دلی کا ثبوت دینے کی خاطر بائیں آنکھ دبا کر انکا سے کہا۔ "اگر کل کے اخبارات میں اس قسم کی چھوٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ تمہاری اعلیٰ کارکردگی کا ذکر آ جائے تو تم راتوں رات عالمی شہرت حاصل کر لو گی، پورے لندن میں تمہارے نام کا ڈنکا بجنا شروع ہو جائے گا۔ بڑے بڑے پوسٹر نمایاں شاہراہوں پر اُونچی اُونچی بلڈنگوں پر لگے نظر آئیں گے۔ ہر زبان پر ایک ہی نام ہوگا...... انکارانی...... انکارانی...... انکارانی۔"

میری باتوں سے انکا کے چہرے کی سنجیدگی کافور ہو گئی، شوخیاں مچلنے لگیں۔

"میں یہی چاہتی ہوں جمیل۔ کہ تم ہمیشہ اسی طرح چہکتے رہو۔" اُس نے والہانہ نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت دُکھ جھیلے ہیں، بڑے صدمے برداشت کئے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو اُس کا دل پھٹ جاتا۔ وقت نے تمہیں کبھی دو گھڑی آرام سے بیٹھنے کی فرصت نہیں دی۔ ایک ایک کر کے سب تمہارا ساتھ چھوڑ گئے، میری وجہ سے تمہیں اپنے ایک ہاتھ سے......" انکا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، چونک کر بولی۔ "تم نے ابھی تک مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ تمہارا ہاتھ کس طرح ٹھیک ہوا؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے اُسے گھورا۔ "کیا میں نے جو قوتیں حاصل کی ہیں وہ میرے کسی کام نہیں آ سکتیں؟"

"کلدیپ یا پریتم لال مہاراج......؟" انکا نے بڑی خوبصورتی سے میری بات ٹالتے ہوئے دریافت کیا۔

"پریتم لال۔" میں نے عقیدت سے جواب دیا۔

"ہاں، مہاراج کی شکتی اپرم پار ہے، کلدیپ زندہ ہوتی تو مہاراج اُسے بھی آکاش کی بلندیوں سے اس پار پہنچا دیتے۔"

کلدیپ کا نام سن کر ماضی کی یادوں نے سر اُبھارا تو میرے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ انکا کو غلطی کا احساس ہوا تو جلدی سے موضوع بدلنے کی خاطر میلبا کے بکھرے ہوئے جسم اور بے ترتیب لباس کی سمت اشارہ کر کے بولی۔

"اسے اُٹھا کر دفعان کرو جمیل۔ مجھے تمہاری یہ بے شرمی اب ایک آنکھ نہیں بھاتی۔"

"یہ راستے بھی تم ہی نے دکھائے ہیں انکا رانی۔" میں نے ماضی کے جھروکوں میں جھانکا۔ "تمہیں وہ دن یاد ہیں جب میں اپنے وطن اور والدین سے دُور ایک بلڈنگ کے معمولی فلیٹ میں رہتا تھا، سوا سو روپے ماہانہ تنخواہ کی خاطر ایک دفتر میں کلرکی کرتا تھا، بھوک لگتی تو کسی سستے سے ہوٹل میں جا کر کھانا کھا لیتا، چائے کی خواہش ہوتی تو فلیٹ پر اپنے ہاتھ سے تیار کر لیتا، رام دیال کی ماں نے سب سے پہلے مجھے تمہیں حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے انکار کر دیا، زندگی بڑے سکون اور آرام سے بسر ہو رہی تھی۔ میں راتوں رات کروڑ پتی بننے کا قائل نہیں تھا۔ لیکن تم نے...... ہاں انکا رانی، تم نے از خود میرے سر پر قبضہ جما لیا، تمہارے ہی کہنے پر میں نے اُس موٹے کرسچین افسر کا سر پھاڑ دیا جس نے دفتر لیٹ پہنچنے پر مجھے سخت سست کہا اور ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ میں کوئی اور ملازمت ڈھونڈ لیتا مگر تم نے مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے کو مجبور کر دیا، تم اپنے نوکیلے پنجوں کی تیز چبھن سے میرے اعصاب پر قبضہ جما لیتی تھیں، میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر بات جاری رکھی۔ "ایک بار میں نے بڑی عاجزی سے درخواست کی تھی کہ اپنے لئے کسی اور کا انتخاب کر لو۔ تم نے سرد لہجے میں میری التجا رد کر دی۔ اس کے بعد ہماری رفاقت بڑھتی گئی۔ دولت اور شہرت ہر انسان کی بنیادی کمزوری ہے۔ تم نے مجھے فرش سے اُٹھا کر عرش پر پہنچا دیا، میں نے بھی ہواؤں میں اُڑنے کا ڈھنگ سیکھ لیا۔ یہ سب تمہاری ہی نوازشیں ہیں۔"

میں نے ایک لمحے کو خاموش ہو کر انکا کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیا، پھر بے تکلفی سے بولا۔ "تمہیں ایک بات بتاؤں انکا رانی، جب تم میرے سر پر آئی تھیں اُس وقت میں نے اپنے ذہن کے کینوس پر ایک ڈیڑھ بالشت کی لڑکی کی خیالی تصویر بنائی تھی، نازک، حسین، خوبصورت ناک نقشے والی، اُس کے چہرے پر بلا کا حسن تھا، اُس کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹوں پر مسکراہٹیں رقص کرتی تھیں، جھیل جیسی نیلی آنکھوں میں

کنول تیرتے نظر آتے، اُس کا گفتگو کا انداز بڑا دلبرانہ ہوتا، وہ مجھے عالم تصور میں بڑی شرمیلی شرمیلی، بھولی بھالی اور معصوم معصوم سی نظر آتی تھی لیکن......"

"لیکن کیا جمیل؟" انکا نے ہیجان انگیز انگڑائی لے کر میری آنکھوں میں جھانکا۔ مستی بھرے انداز میں بولی۔ "کیا اب میں کسی سے کم ہوں؟ ایمان سے کہنا۔ "تمہیں میری قسم۔"

میں جواب میں مسکرا دیا۔ میلبا کسمسانے لگی۔ اُس نے خوابیدہ انداز میں مجھے ہاتھ بڑھا کر دوبارہ قریب گھسیٹنے کی کوشش کی، رات اُس نے کچھ زیادہ پی لی تھی جس کا خمار ابھی تک ذہن پر طاری تھا۔ انکا لال پیلی ہوگئی۔

"جمیل، اسے گھسیٹ کر کمرے سے باہر پھینک آؤ۔ ورنہ میرا جذبۂ رقابت اسے جلا کر راکھ کردے گا۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ انکا نے بناوٹی غصے کا اظہار کیا تھا، میں نے اُس کی بات رکھ لی۔ میلبا کو جگا کر جانے کو کہا تو اُس کی آنکھوں میں شکوے شکایت کے رنگ گھلنے لگے۔ اُس نے کوئی احتجاج نہیں کیا، لڑکھڑاتی ہوئی اُٹھی، لباس سمیٹتی خاموشی سے باہر چلی گئی۔

"تم نے غور کیا جمیل صاحب؟" انکا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ سفید فام معاشرے کی پروردہ لڑکیاں کس قدر بے شرم، بے باک اور آوارہ مزاج ہوتی ہیں۔ اُوپر سے اُجلی، اندر سے میلی۔"

"تم نے جیکب کا کیا کیا؟" میں نے موضوع بدل دیا۔

"میں نے اُس کے استخوانی پنجر کو دریا برد کر دیا۔" اُس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ جم اب بھول کر بھی تم سے اُس کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کرے گا۔"

"ہمیں جین اور ولیم کے معاملے کو بھی خوبصورتی سے نمٹانا ہوگا۔" میں نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

"تم میرے ہوتے کوئی فکر نہ کرو۔ میں تمہاری اگلی پیشی سے پہلے مارٹینا کے وکیل کو قابو کر کے تمام جائیداد ولیم کے نام منتقل کرا دوں گی۔ اُن دونوں کی شادی بھی ہو جائے گی۔ اس کے لئے مجھے تمہارے سر سے دو ایک روز پھر دُور رہنا ہوگا۔"

"جو کچھ کرنا ہے جلدی کر ڈالو۔ میں بھی انسان ہوں، پتھر نہیں۔" میں نے آزردگی کا اظہار کیا۔ "جین کی شادی کے بعد لندن میں میرا دل نہیں لگے گا۔"

"ہمیں ویسے بھی جانا ہوگا۔" انکا سنجیدگی سے بولی۔ "میں پنڈت نول کشور کا ذکر بلاوجہ نہیں کر رہی۔ اُس نے اور اُس کے گرگوں نے سر جوڑ کر تمہارے خلاف مشورے کرنے شروع کر دیئے ہیں، ہمیں اُن کو بروقت کوئی سبق پڑھانا ہوگا۔"

"نول کشور کو مجھ سے کیا پرخاش ہے......؟"

"وہ بدذات بدری نرائن کا ہمنوا تھا۔" انکا نے سرد لہجے میں کہا۔ "پہلے بزدلوں کی طرح الگ تھلگ بیٹھا تماشا دیکھتا رہا، اب دو چار جنتر منتر سیکھ لئے ہیں تو اُونچا اُڑنے کے خواب دیکھ رہا ہے، ہمیں اُس کا جتھا توڑنا ہوگا ورنہ وہ کنجر نچلا نہیں بیٹھے گا۔ کالی کے آشیرواد نے اُسے بڑا گھمنڈی بنا دیا ہے، اُونچے سُروں میں بات کرنے لگا ہے۔"

"کیسی عجیب بات ہے۔" میں نے زہرخند سے کہا۔ "جب کملا اور نندا کی تعلیم نے مجھے صلح وآتشی کے ساتھ زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا اُس وقت بھی میں سکون کی زندگی نہیں گزار سکا۔ میں نے شاکیہ منی کے قدموں تک پہنچنے کے بعد زندہ رہنے کی خاطر اپنے انداز، اپنے تیور بدل ڈالے لیکن نتیجہ کیا برآمد ہوا؟ بدری نرائن کو امرلال جیسے مہان پنڈت کی خوشنودی حاصل ہوگئی، دشمنوں نے پھر میرے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا، میں ٹکراؤ سے بچنے کی خاطر خود پر جبر کرتا رہا، درگزر سے کام لیتا رہا، ظلم برداشت کرتا رہا...... پھر ایک دن میرے اندر بھری ہوئی بارود پر کوئی چنگاری ایسی گری کہ میں بھڑک کر شعلہ بن گیا۔ میں نے ایک ایک کر کے سب کو تہس نہس کر دیا۔ بدری نرائن کتوں کی موت مارا گیا۔ امرلال کا عبرتناک انجام بھی تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میری کلدیپ نے کالی کے قدموں میں زندگی کا نذرانہ پیش کر دیا، سب کچھ ختم ہوگیا۔ میں موت کا منتظر تھا جب جین نے آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ لندن آتے وقت میں نے تم کو بھی الوداع کہہ دیا۔ میں باقی زندگی سکون سے گزارنا چاہتا تھا مگر قسمت نے میرے قدموں میں چکر لکھ دیا ہے، اب تم بتا رہی ہو کہ پنڈت نول کشور میرے خلاف سر اُٹھا رہا ہے، پریتم لال نے بتایا تھا کہ امرلال کا نوجوان بیٹا چندرا بھی کہیں منڈل میں دُھونی رمائے بیٹھا ہے۔ فتنے پھر جاگ رہے ہیں، میں کب تک برسرپیکار رہوں گا؟...... کب تک؟ کبھی سکون سے زندگی گزارنے کا موقع ملے گا بھی یا نہیں؟"

"ایسی مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل۔" انکا میرے جذبوں میں بھونچال آتا دیکھ کر سٹپٹا

گئی۔ ”میں ہوں نا تمہارے ساتھ، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”پہلے بھی تم میرے ساتھ تھیں۔“ میں مسکرا دیا۔ ”کسی کے ساتھ ہونے نہ ہونے سے کچھ نہیں ہوتا انکا رانی، انسان بڑا بے بس، بڑا لاچار ہے۔ اسے اپنی کرنی آپ بھگتنی پڑتی ہے۔“

انکا سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، پہلو بدلنے لگی۔ میں نے بھی بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ رات گزر گئی، صبح میں دیر سے بیدار ہوا، انکا سر پر نہیں تھی۔ میں نے اُٹھ کر غسل کیا، تیار ہو کر نیچے چلا گیا۔ ہوٹل کا منیجر لاؤنج میں کھڑا کسی امریکی سیاح سے پبلک ریلیشنگ کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ میں مسکراتا ہوا ڈائننگ ہال کی طرف نکل گیا، وہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ میں نے اپنے لئے ایسی نشست کا انتخاب کیا جہاں بیٹھ کر میں باہر کا نظارہ بھی کر سکتا تھا، آس پاس کوئی اور نہیں تھا۔ میں باہر سڑک پر دوڑتے بھاگتے لوگوں اور گاڑیوں کے ہجوم کو دیکھنے لگا۔

”میں کوئی خدمت کر سکتی ہوں سر؟“ ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، ایک نوعمر سیاہ فام ویٹرس ہاتھ میں آرڈر بک لئے کھڑی پروفیشنل انداز میں مسکرا رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر مجھے جیوری کی ممبر مورینا یاد آ گئی۔ میں اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کے پاس کسی ہندوستانی کے لئے زیادہ وقت نہیں تھا، میں واقف تھا، سیاہ فام طبقے کے غیر ملکی سفید فام افراد سے زیادہ گھلنے ملنے سے پرہیز کرتے ہیں، رنگ و نسل کے معاملے میں بہت زیادہ حساس اور قدامت پسند ہوتے ہیں، ٹورسٹ کے ساتھ بھی زیادہ بے تکلف ہونے اور گھلنے ملنے سے پرہیز کرتے ہیں، امریکہ کی طرح وہ لندن میں بھی اپنی الگ تھلگ کالونیوں میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا لیکن سفید فام لوگوں نے اپنے سیاہ فام شہریوں کے لئے جرائم میں ملوث ہونے اور منشیات کی علّت میں مبتلا ہونے سے متعلق بڑی کہانیاں بنا رکھی ہیں، نفرت کا اظہار کرنے کے ڈھنگ بھی نرالے ہوتے ہیں۔

”اس وقت آپ کو ریگولر بریک فاسٹ نہیں مل سکے گا۔“ اُس نے دیوار گیر کلاک کی سمت دیکھ کر مہذب انداز میں کہا۔ ”ہم وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ غیر ملکی مہمانوں کے لئے......“

”میں چکن سینڈوچ اور کافی پسند کروں گا۔“ میں نے اُس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

اُس نے کھڑے کھڑے میرا آرڈر نوٹ کیا، پھر مشینی انداز میں واپس چلی گئی۔ میں نے دوبارہ باہر سڑک پر رواں دواں زندگی کے ہنگاموں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ کچھ دیر بعد وہی ویٹرس بڑی نفاست سے میز پر میرا آرڈر سرو کر رہی تھی۔ میں دلچسپی سے اُسے دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ میری نگاہوں کی تپش پا کر وہ بھی میری سمت ضرور دیکھے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انکا سر پر ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔ وہ پل بھر میں میری گرویدہ ہو جاتی، میرے قدموں میں بکھرنے، میری بانہوں میں سمٹنے کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتی۔ میں اپنی قوتوں سے بھی اس پتھر دل نوخیز دوشیزہ کو پگھلا سکتا تھا مگر میں نے گریز کیا۔ پریتم لال کے علاوہ نندا نے بھی مجھے منع کیا تھا کہ ماورائی قوتوں کا غلط استعمال انسان کو غلط راہ پر ڈال دیتا ہے۔ انسان، انسان نہیں رہتا نفس کا غلام بن جاتا ہے۔ نفس پرستی اُسے صراطِ مستقیم سے دُور کر دیتی ہے، وہ بھٹک جاتا ہے، گمراہ ہو جاتا ہے، گمراہی اندھیروں کی پیداوار ہے۔ اندھیرے زیادہ پائیدار نہیں ہوتے، بہت جلدی دم گھٹنے لگتا ہے، قوتیں چھن جانے کا خطرہ بھی لاحق ہوتا ہے۔

نندا کہا کرتا تھا۔ ”ضبط سب سے بڑی نیکی ہے، اس کے سوا نیکی کچھ نہیں ہوتی۔ ضبط کرنے کی مشق کر۔ تیرے اندر نئے نئے جوہر پیدا ہوں گے۔ ایثار اور ضبط قائم رکھے گا تو دھرتی کی کوئی شکتی تجھے کشٹ نہیں پہنچا سکے گی، کوئی دُکھ نہیں ہو گا، من شانت رہے گا۔ یہی منش کے لئے سب سے بڑا سکھ ہے۔ میں تجھے انسان بنانا چاہتا ہوں...... انسان جو اس پاپی سنسار میں آ کر جانور بن جاتا ہے۔ میرا کہا مان تو آنکھوں کی کھڑکی بند کر دے، من کے دوار کھول لے۔ تجھے ہر طرف شانتی ہی شانتی نظر آئے گی...... اپنی دنیا میں واپس جانے کے بعد بھی نندا کی باتیں یاد رکھنا، میری باتیں گرہ سے باندھ لے۔ سنسار میں اہنسا، درگزر، تیاگ اور تپسیا کے سوا کچھ اور نہیں رکھا، باقی جو نظر آتا ہے وہ سب دھوکا ہے، فریب ہے۔ میں تجھے جو شکتی دان کر رہا ہوں کبھی اس کا غلط استعمال نہ کرنا، سب کچھ سینت کر رکھنا۔ ہاں...... اگر دشمن تیرے پیچھے لگ جائیں، تیرا سکھ چین زبردستی چھیننے کی کوشش کریں تو اپنے بچاؤ کے کارن قدم اُٹھا سکتا ہے......“

میرے ذہن میں ندا کی نصیحتیں گونجتی رہیں، نظریں سیاہ فام حسینہ کے حسن و جمال کا طواف کرنے میں مشغول تھیں۔ ندا نے جو کچھ کہا وہ سچ تھا لیکن اس کے بعد جو میرے اُوپر بیتی وہ بھی جھوٹ نہیں ہے۔ میں نے اپنے بچاؤ، اپنے تحفظ کی وجہ سے ندا کی باتوں کو فراموش کر دیا۔ درگزر کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ بات حد سے تجاوز کرنے لگے تو زندگی برقرار رکھنے کی خاطر انسان کو اپنا دفاع کرنا پڑتا ہے۔ میں نے بھی بات حد سے گزر جانے کے بعد بدری نرائن کو مارنے کی ٹھانی تھی، جب تک میں صبر و تحمل سے کام لیتا رہا وہ شیر بن کر میرے تعاقب میں لگا رہا۔ جب میں نے مُڑ کر اُس کی آنکھوں سے آنکھیں چار کیں تو گیدڑ بن کر کالی کے مہان سیوک امرلال کی اوٹ میں دبک گیا۔ اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرنے لگا، ہیجڑوں کی طرح دُور کھڑا تالیاں بجا بجا کر میرے ساتھ مذاق کرتا رہا۔ میں نے اُس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ امرلال بھی کلدیپ سے پنجے لڑانے کی حسرت دل میں لئے جہنم رسید ہو گیا۔ آگ بھڑکی تو میری کلدیپ بھی اس کے شعلوں سے دامن نہ بچا سکی۔ کلدیپ کا ساتھ چھوٹا تو میری زندگی اندھیری ہو گئی۔ ندا نے جو چراغ روشن کئے تھے وہ بھی بجھ کر دُھواں دینے لگے۔ اہنسا کی تعلیم، درگزر اور ضبط سے کام لینے کی ساری نصیحتیں دھری کی دھری رہ گئیں...... میں جین کے جذبوں سے ہار کر لندن چلا آیا، کلدیپ کی جدائی مجھے اندر ہی اندر کھوکھلا کرتی رہی۔ میں نے خودکشی کی ٹھان لی، پریتم لال عین وقت پر درمیان میں نہ آ جاتا تو کہانی ختم ہو جاتی۔ اُس نے مجھ سے زندہ رہنے کا وعدہ لیا، کلدیپ کے ادھورے مشن کو پورا کرنے کا احساس دلایا، میری پشت پناہی کا وعدہ کیا، میرا حوصلہ بڑھایا تو میں زندگی کی طرف واپس لوٹ آیا، جین کے فارم ہاؤس میں دو مہینے تک ارتکاز اور مراقبے کی مشق کے بعد میں نے اپنی کھوئی ہوئی قوتیں دوبارہ حاصل کر لیں۔ لیکن ان قوتوں کا غلط استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ میں چاہتا تو بے نیازی کا اظہار کرنے والی سیاہ فام لڑکی کا غرور اور تکبر توڑ دیتا، مخفی قوتوں کو نظروں میں سمیٹ کر اُسے گھورتا، وہ جل کر راکھ ہو جاتی، میرے ہاتھ کچھ نہ آتا۔ انکا پلک جھپکتے میں اُسے میری آغوش کی زینت بنا سکتی تھی۔ میں اُس کی غیر موجودگی میں صرف آنکھیں سینک سکتا تھا، میں نے اسی پر اکتفا کی۔ وہ ناشتہ سرو کر کے چلی گئی۔ میں اُسے ذہن سے جھٹک کر مورینا کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ سیاہ فام حسینہ بھی مجھے پہلی نظر میں اچھی لگی تھی۔ اُس کی نظروں میں، میں نے اپنے لئے

التفات کی جھلکیاں بھی محسوس کی تھیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجے تو اس کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے، زبردستی کے سودے میں نقصان کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ مورینا کے سلسلے میں انکا کی فرمائش بھی مجھ پر قرض ہو چکی تھی، میں نے ایک عرصے سے اُسے انسانی خون فراہم کرنے کا معاہدہ توڑ رکھا تھا۔ اُس نے کبھی تجدیدِ عہد کے لئے تقاضا بھی نہیں کیا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں ہوٹل سے باہر آ گیا۔ لندن کا موسم ہمیشہ خوشگوار رہتا ہے۔ میں دو تین گھنٹوں تک بازاروں کا بے معنی چکر لگاتا رہا، ونڈو شاپنگ سے دل بہلاتا رہا، جین سے وابستہ یادوں کو بھلانے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ لندن سے واپسی کی اطلاع کسی کو نہ دُوں گا، جین کو الوداع کہنے کے بعد کسی اور سے رُخصتی مصافحہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

دوپہر کو تھکا ہارا ہوٹل واپس آیا تو کاؤنٹر کلرک نے بتایا کہ جم کے دفتر سے کئی فون آ چکے ہیں۔ میں نے کمرے میں جا کر کچھ دیر آرام کیا، پھر جم کو کال کیا۔

''دولت علی، تم کہاں چلے گئے تھے؟ میں تمہیں متعدد فون کر چکا ہوں۔'' فون جم ہی نے ریسیو کیا تھا۔ گفتگو کے انداز ہی سے بوکھلاہٹ عیاں تھی۔

''بہت زیادہ پریشان لگ رہے ہو......؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ اس وقت مجھے کسی نائٹ کلب میں جا کر خوشیاں منانی چاہئیں؟''

''مارٹینا کا کیس اُلجھ گیا ہے شاید۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی مشورہ دیا تھا کہ جیکب کو ذہن سے نکال دو۔''

''خاک ڈالو جیکب اور مارٹینا پر۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا۔ ''تمہیں اب میرے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا، اس کے بغیر میں تمہیں لندن سے واپس جانے کی اجازت نہیں دُوں گا۔''

''بات کیا ہے......؟''

''بنجمن نے مجھے انفارم کرنے کے بعد اُوپر کے افسروں کو بھی حالات کی اطلاع دے دی۔ گارڈ کے زخمی ہونے کی وجہ سے وہ بہت نروس ہو گیا تھا۔'' جم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اب اُوپر سے مجھے حکم ملا ہے کہ دس روز کے اندر اندر مارٹینا کے قاتل یا قاتلوں کا سراغ لگاؤں۔ ناکامی کی صورت میں مجھے معطل بھی کیا جا سکتا ہے، سزا کے طور پر

ہیڈکوارٹر میں پوسٹنگ ہوسکتی ہے۔"

"گویا ہڈیوں کے پنجر کی شیطانی قوتوں نے تمہیں پریشان کرنا شروع کردیا۔" میں نے جان بوجھ کر مُبہم انداز اختیار کیا۔

"میں اسی وقت تمہارے پاس آرہا ہوں۔ تفصیل سے بیٹھ کر بات ہوگی۔"

"نہیں......" میں نے سنجیدگی سے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔ "موجودہ حالات میں تمہارا بار بار میرے پاس آنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں......؟"

"ہر بات کی وجہ جاننے کی ضدمت کیا کرو۔ میں نے تمہیں پہلے بھی تنبیہ کی تھی۔" میں نے قدرے درشت آواز میں جواب دیا۔

"دولت علی۔ میری مدد کا وعدہ کرو۔" جم بچوں کی طرح منتیں کرنے لگا۔ "اگر دس روز کے اندر تم نے کوئی حل نہ تلاش کیا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

"ایسا ہوتا ہے جم۔ میں بھی کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہوں۔" میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "ایک جھوٹے کیس میں ملوث ہونے کے بعد اب ہوٹل والوں کے برتاؤ میں بھی زمین آسمان کا فرق پیدا ہوگیا ہے۔"

"کس کی موت آئی ہے جو میرے ہوتے ہوئے تمہاری طرف ٹیڑھی نظروں سے دیکھے۔" میرا تیر ٹھکانے پر بیٹھا۔ جم کو میری مدد درکار تھی، وقت پر انسان گدھے کو باپ بنا لیتا ہے میں تو اُس پر ایک احسانِ عظیم پہلے بھی کرچکا تھا۔ وہ گرجدار آواز میں بولا۔ "دولت علی، مجھے اُس کا نام بتاؤ، صرف دس منٹ کے اندر اندر تمہیں احساس ہوجائے گا کہ جم تمہارے لئے کیا کرسکتا ہے۔"

"میں کسی فردِ واحد کی بات نہیں کررہا۔" اس بار میں نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ "ہوٹل کی پوری انتظامیہ بے اعتنائی کا مظاہرہ کررہی ہے۔ میں نے زمین اور نالی میں رینگنے والے کیڑوں کی طرف نظر نہیں اُٹھائی۔ ورنہ اگر چاہتا تو......"

"میں سمجھ گیا دولت علی۔" جم میرے جملوں کا مفہوم بھانپ گیا۔ "میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ لندن میں تمہیں ہمیشہ میرے مہمان کی حیثیت حاصل رہے گی اور کوئی میرے مہمان کی طرف سے غفلت کا مرتکب ہو۔ ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہوگا۔"

"جم......" میں نے دل ہی دل میں مسکرا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں شاید دس روز تک لندن میں نہ ٹھہر سکوں۔ میری واپسی ضروری ہے۔ لیکن جانے سے پہلے تمہارا کام ہوجائے گا۔ ایک بات اور بھی ذہن نشین کرلو۔ تم میری واپسی والی بات کا تذکرہ کسی اور سے نہیں کروگے، سارا سے بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن......"

میں نے جم کو بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا، ٹھوس لہجے میں بولا۔ "ہڈیوں کے پنجر نے ایک بے گناہ گارڈ کو زخمی کرکے ان پابندیوں کی خلاف ورزی کی ہے جو نادیدہ قوتوں پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ تم تفصیل معلوم کرنے کی ضد نہ کرنا۔ میں اب تمہیں اتنا اور بتا سکتا ہوں کہ ہڈیوں کا فرار ہوجانے والا پنجر بھی کسی خطرناک شخصیت کے اشارے پر عمل کررہا تھا۔"

"دولت علی......" جم نے تھکے تھکے لہجے میں اپنی ضعیف الاعتقادی کا ثبوت دیا۔ "تمہاری پراسرار باتیں میرے سر سے گزر رہی ہیں۔ پہلے تو تم نے کہا تھا کہ وہی بدرُوح اپنا انتقام لینے کی خاطر......"

"صرف آم کھانے سے تعلق رکھو۔" میں نے اُس کا جملہ درمیان سے اُچکتے ہوئے خفگی کا اظہار کیا۔ "پیڑ گننے کی حماقت کروگے تو شاید ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑجائے... میں کوشش کروں گا کہ اصل مجرم سامنے آکر مارٹینا کے قتل کے سلسلے میں اعتراف جرم کرلے۔"

میں نے جملہ مکمل کرنے کے بعد فون کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ جم نے میرے اندازے کے مطابق دوبارہ فون کرنے کی غلطی نہیں کی۔ وہ میری باتوں سے یقیناً خوفزدہ ہوگیا ہوگا۔ اب وہ دو اور دو چار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ انکا نے ہڈیوں کے پنجر کے ساتھ جو خطرناک کھیل کھیلا تھا اُس نے محکمہ سراغرسانی کے اعلیٰ دماغوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سر جوڑے بیٹھے منطقیں بگھار رہے ہوں گے، اپنا قیمتی وقت برباد کرنے میں مصروف ہوں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اُنہوں نے بلیک میجک کرنے والے دو چار شعبدہ بازوں کو بھی جمع کر رکھا ہو۔ میں جانتا تھا وہ تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں کرسکیں گے، ڈور کا کوئی سرا اُن کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ انکارانی کی لازوال قوتیں اُن کی ذہنی رسائی کی پہنچ سے بھی بالاتر تھیں۔ میں نے جم سے پیچھا چھڑانے کی خاطر اُسے بڑی دُور اندیشی سے دُور دُور رہنے کی تاکید کردی تھی۔ وہ میری ذات سے چپک جاتا تو بہت سارے کام ادھورے رہ جاتے۔

میں فون بند کر کے کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے لیٹنا چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی، مجھے علم تھا کہ اس وقت بغیر طلب کیے کون آیا ہوگا؟ میں نے اُٹھ کر اعتماد سے دروازہ کھولا، میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دروازے پر ہوٹل کا وہی منیجر ہاتھ باندھے کھڑا تھا صبح مجھے دیکھ کر جس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی۔ جم نے میری شکایت پر عمل کرنے میں خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے منیجر کو گھور کر دیکھا، پھر نفرت سے منہ پھیر کر دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"سر......" وہ غلاموں کے انداز میں ہاتھ باندھے میرے پیچھے لگا رہا۔ جم نے یقیناً ہوٹل کی انتظامیہ کی کسی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہوگا ورنہ سفید فام لوگوں کی تنی ہوئی گردنیں کم از کم کسی ہندوستانی کے آگے جھکنا گوارا نہیں کرتیں۔

"کیا ہوٹل کی انتظامیہ مجھے دو چار روز اور برداشت نہیں کر سکتی؟" میں نے دیدہ و دانستہ جھلا کر کہا۔ پلٹ کر اُس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھے۔

"آپ کا اندازہ غلط ہے سر۔ میں دراصل کسی اور وجہ سے......"

"میں سمجھ رہا ہوں مسٹر منیجر۔" میرے لہجے کی تلخی کچھ اور سوا ہوگئی۔ "میں نے صبح تمہاری پیشانی پر اُبھرنے والی آڑی ترچھی سلوٹوں سے ایک نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔ تم اور تمہارے کارندے مجھے سکون سے نہیں رہنے دیں گے۔ ٹھیک ہے۔" میں نے اس بار پلٹ کر ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "مجھے صرف آج کی رات اور گزار لینے دو، صبح میں ہوٹل چھوڑ دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"آپ ہوٹل نہیں چھوڑیں گے سر......" اُس نے بدستور دونوں ہاتھ ناف پر باندھ رکھے تھے، گردن جھکائے بڑی لجاجت سے بولا۔ "اگر آپ نے ہوٹل چھوڑ دیا تو ہماری ملازمتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔"

"میرا مذاق اُڑانے کی کوشش کر رہے ہو......؟" میں نے اُس کی بے بسی پر سنجیدگی سے ایک تھپڑ اور رسید کیا۔

"آئی ایم سوری سر۔" اُس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "ہم نے آپ کو پہچاننے میں غلطی کی تھی۔ میں معافی کا خواستگار ہوں۔ مالکان نے بھی معذرت کی درخواست کی ہے، آئندہ آپ کو کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ عملے کے تمام ارکان کو سختی سے ہدایت کر دی گئی ہے......"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس بار زہرخند سے کہا۔ "تم لوگ آئندہ سے میرا بوٹ پالش کرنے سے بھی انکار کی جرأت نہیں کرو گے، کیوں منیجر، میں نے غلط تو نہیں کہا؟"

منیجر نے نظریں جھکا لیں، ہاتھ ملنے لگا۔ میں نے تحکمانہ انداز میں "گٹ آؤٹ" کا فرمان جاری کیا۔ وہ کسی پالتو کتے کے انداز میں دُم ہلاتا واپس چلا گیا، میری رگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ میں چاہتا تو براہِ راست انتظامیہ کے لوگوں کو اپنی قوتوں کے ذریعے تلوے چاٹنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن ایک گندمی رنگت رکھنے والے کے اشارے پر ایک سفید فام دوسرے سفید فام کو جھکنے اور ہاتھ جوڑ کر معافی طلب کرنے پر مجبور کرے، اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے......!!

تین دن گزر گئے...... اس دوران جم اور جین دونوں کے فون آتے رہے۔ جم نے شاید جین کو بھی براہِ راست مجھ سے ملنے کو منع کر دیا تھا۔ انکا میرے سر پر واپس نہیں آئی۔ جین کی طویل باتوں سے مجھے اندازہ ہوتا رہا کہ انکا اپنے کام بڑی تیزی سے نمٹا رہی ہے۔ جین، ولیم کا ذکر کرتی تو میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے۔ میں موضوع بدل دیتا۔ جین کچھ دیر بعد کسی اور بہانے سے پھر ولیم کا تذکرہ چھیڑ دیتی۔ تیسری رات میں میلبا کی کمر میں بانہیں ڈالے، بالکونی میں کھڑا ہر طرف پھیلی گہری دُھند کی لطیف ٹھنڈ سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب ولیم آ گیا۔ میلبا میرا اشارہ پا کر چلی گئی۔ ولیم کے چہرے پر خوشی دمک رہی تھی۔ میلبا کے جاتے ہی وہ بے اختیار مجھ سے گلے لگ گیا۔ اُس کا انداز والہانہ تھا، مجھے خوشی ہوئی۔ انکا نے غالباً مارٹینا کے وکیل کو اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو آج تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کے تم جائز حقدار تھے۔"

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟" اُس کی آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ "اگر میرا کوئی اپنا بزرگ بھی ہوتا تو وہ نہ کرتا جو آپ نے کیا ہے۔ میں آپ کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا، آج آپ کی اُن ماورائی قوتوں کا بھی قائل ہوگیا جن کے قصے جم بیان کرتا تھا۔"

"بھول جاؤ اُن سب باتوں کو۔" میں نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "یہ بتاؤ کہ اب اپنے گھر میں کب منتقل ہو رہے ہو؟"

"کبھی نہیں......" وہ یکلخت جذباتی ہوگیا۔ "اُس گھر کے در و دیوار سے ایسی تلخ یادیں

وابستہ ہیں کہ شاید میں وہاں ایک لمحہ بھی سکون کا سانس نہ لے سکوں۔ ماضی کی باتیں مجھے کچوکے لگاتی رہیں گی۔“

”پھر کیا سوچا ہے......؟“

”میں اُس گھر کو بیچ دُوں گا، ایک نیا گھر آباد کروں گا۔“ وہ مجھے اپنے آئندہ کے منصوبے بتاتا رہا، میں توجہ سے اُس کی باتیں سنتا رہا۔ اُس نے درمیان میں ایک بار بھی جین کا نام نہیں لیا۔ شاید وہ ابھی تک سارا اور جم کی ان باتوں کی نفی نہیں کرسکا تھا جو اُسے میرے اور جین کے بارے میں بتائی گئی تھیں۔ میں اُس کی معصومیت، اُس کے خلوص، اُس کے جذبوں کو محسوس کرتا رہا۔ اچانک وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں، اس شرط پر کہ آپ اسے رد نہیں کریں گے۔“

”مجھے منظور ہے۔ لیکن ایک وعدہ تم بھی کرو۔“ میں نے فرار کے ایک راستے کی گنجائش نکال کر کہا۔ ”تم کوئی ایسی بات نہیں کہو گے جس سے مجھے دُکھ پہنچے۔ خلوص اور محبت انمول ہوتے ہیں، ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔“

ولیم میری بات سن کر کسمسانے لگا، سوچ میں پڑ گیا۔ میں اُس کی ذہنی کشمکش کو محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ”ایک صورت ہے جو تمہاری شرط اور میری بات کا حل نکال سکتی ہے۔“

”وہ کیا......؟“ ولیم نے چونک کر مجھے دیکھا۔

”کچھ نہ کہو......“ میں نے بزرگانہ لہجے میں بڑے پیار سے کہا۔

”آپ بہت گریٹ، بڑے عظیم ہیں مسٹر دولت علی۔“ ولیم نے لاجواب ہو کر کہا۔ ”میں آپ کے احسانوں کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکوں گا۔“

”تم اور جین ساتھ ہو کر خوشگوار زندگی گزارو، میرے لئے یہی سب سے بڑا انعام ہو گا۔“ میں نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔ ”نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ جین سے شادی کے مسئلے پر تمہاری کوئی بات ہوئی؟“

”جین ایک دو روز میں آپ سے ملنے کے بعد کوئی آخری فیصلہ کرے گی۔“

میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی، ولیم کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا، میں اُس کے جملے پر غور کرنے لگا۔ ”جین مجھ سے ملنے کے بعد کوئی آخری فیصلہ کرے گی۔“ میرے ذہن میں

آندھیاں چلنے لگیں، ان گنت سوالات گڈمڈ ہونے لگے۔ کیا جین انکا کی کوششوں کے باوجود مجھے فراموش نہیں کرسکی؟ کیا ابھی تک اس ہنڈولے پر جھول رہی ہے جس پر میں اُس کے ساتھ تھا؟“

میرا ذہن وسوسوں سے دوچار تھا جب میلبا دوبارہ آ گئی۔ وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی مانوس ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا سفید فام عورتیں، گندمی رنگ والے مشرقی شہزادوں کے والہانہ اور پُرزور اندازِ محبت کی شیدائی ہوتی ہیں۔ میں جین کے خیالوں میں بکھرا تھا۔ میلبا نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر لوری دی تو وقتی طور پر سکون آ گیا۔ ایک رات اور گزر گئی۔

صبح میں نے ناشتہ اپنے کمرے میں منگوا لیا، میری پیشی میں صرف دو دن اور رہ گئے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے جین کو فون کیا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی ہے۔ اس کا بھید معلوم کر لینے کے بعد ہی میں بساط کے مُہروں کی چالیں بدلنے پر غور کرسکتا تھا۔ تین گھنٹیاں بجنے کے بعد دوسری جانب سے ماریا کی گنگناتی آواز سنائی دی۔

”کیسی ہو ماریا......؟“

”اوہ، مسٹر دولت علی۔“ اُس کے لہجے میں خوشی کے رنگ چھلک اُٹھے۔ ”میں ابھی آپ کو یاد ہی کر رہی تھی۔“

”کیوں؟“ میں نے شوخی سے دبی زبان میں سوال کیا۔ ”کیا مورگن پھر چلا گیا؟“

”اب وہ مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جائے گا۔“ ماریا کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ”پہلے ہی اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہے۔“

”مجھے کیوں یاد کر رہی تھیں؟“

”آپ میرے محسن جو ہیں۔“ اُس نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ”میں، آپ کو اکثر یاد کرتی ہوں۔“

”جین کہاں ہے......؟“

”لباس تبدیل کر رہی ہیں۔ ویٹ کریں، میں بلاتی ہوں۔“

”ہیلو، دولت علی۔“ ایک منٹ بعد جین کی آواز سنائی دی۔ اُس کے لب و لہجے میں خوشیاں ہمک رہی تھیں۔ ”اس وقت کیسے یاد کرلیا؟“

"تم سے شکوہ کرنا تھا۔" میں نہ چاہنے کے باوجود کہہ گیا۔ "تین روز سے تمہاری صورت نظر نہیں آئی۔"

"جم نے کیس کی پریشانیوں کی وجہ سے روک رکھا تھا، شاید تم نے اُسے دُور رہنے کی تاکید کی تھی؟"

"وہ تاکید صرف جم کے لئے تھی تمہارے لئے تو......" میں کہتے کہتے رُک گیا۔

"تم چپ کیوں ہو گئے؟" جین نے سوال کیا۔ "کیا کہنا چاہتے تھے؟"

"مم...... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں جین۔" میں نے سنجیدگی سے سنبھل کر کہا۔ "کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"تم نے فون کرنے میں جلدی کردی۔ مجھے اچانک دیکھتے تو حیران ہو جاتے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"میں تمہاری ہی طرف آ رہی ہوں، کہیں نکل نہ جانا۔" جین نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے ذہن میں پھر کھلبلی شروع ہوگئی۔ وہ دفتر کے معاملات میں وقت کی بڑی پابند تھی۔ میں نے نظریں گھما کر گھڑی کی سمت دیکھا، آدھے گھنٹے بعد اُسے دفتر پہنچنا تھا اور وہ میری طرف آ رہی تھی۔ میں تھکے تھکے انداز میں راکنگ چیئر پر بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

چالیس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اُٹھ کر دروازہ کھولا، جین میرے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اُس کے انگ انگ سے مسرتیں پھوٹ رہی تھیں۔ سفید لباس میں وہ کوئی حور نظر آ رہی تھی۔ میں بت بن گیا، دل میں اُمنڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کی جدوجہد کرنے لگا، جین کو اندر آنے کا راستہ بھی نہیں دیا۔

"بہت ناراض ہو دولت علی؟ اندر آنے کو بھی نہیں کہو گے؟" جین کی مترنم آواز قوتِ سماعت سے ٹکرائی تو مجھے غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے شاہانہ انداز میں اُس کا استقبال کیا۔ وہ مسکراتی، بل کھاتی اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے جان بوجھ کر اُس کے سامنے والا صوفہ منتخب کیا، درمیان میں شیشے کی گول میز بھی حائل ہوگئی۔ آگ اور پٹرول کا یکجا ہو جانا مناسب نہیں تھا۔ جین نے میری اس حرکت کو محسوس کیا، بس ایک ثانئے کو اُس کی کشادہ پیشانی پر کچھ سلوٹیں اُبھریں، پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں مشرق کی اسی تہذیب اور احتیاط کی دلدادہ ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"تم مجھ سے دُور کیوں بیٹھے، اس کی وجہ میں جانتی ہوں۔" اُس نے لہک کر جواب دیا۔ "مجھے تمہاری دوستی پر ہمیشہ فخر رہا ہے، اس وقت بھی جب ہم برلن میں ایک ساتھ ہوٹل میں ٹھہرے تھے جم کے بعد بھی تم نے ایک اچھے دوست کی طرح میری دلجوئی کی تھی، ہندوستان سے لندن آنے کے لئے بھی تم نے میری بات رد نہیں کی۔ ہم آئندہ بھی ہمیشہ ایک دوسرے کے اچھے دوست ثابت ہوں گے۔"

میں گنگ رہ گیا، حیرت سے جین کو دیکھنے لگا۔ کل تک وہ میرے پہلو میں مچلنے کو مضطرب رہتی تھی، میرے قرب کو اپنے لئے زندگی کی علامت سمجھتی تھی، اُس کے جسم کے بیشتر حصوں پر میرے لبوں کی مُہر ثبت تھی۔ میں نے اُسے ہر رنگ، ہر ڈھنگ، ہر لباس میں بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اس وقت وہی جین مجھے ہمیشہ اپنی دوستی کا یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی، انکا نے اُس کی برین واشنگ میں بڑی مہارت سے کام لیا تھا۔

"جانتے ہو دولت علی۔ میں اس وقت دفتر سے چھٹی لے کر تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟" جین نے میرے چہرے پر اُبھرنے والے نازک احساسات کا نوٹس نہیں لیا، اُس کے معصوم چہرے پر دھنک کے قرمزی رنگ بکھر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا وہ ولیم کے ساتھ شادی کرنے کی خاطر مجھے صرف دوست سمجھ کر مشورہ کرنے آئی تھی، میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں یاد ہے جین۔" میں نے کہا۔ "جب مارٹینا کی ہولناک موت کے بعد میں ہوٹل منتقل ہوا تھا، اُس وقت جیکب کے سلسلے میں تم نے مجھے فون کیا تھا، درمیان میں ولیم کا ذکر بھی آ گیا تھا۔ تم نے اُس وقت شکوہ کیا تھا کہ میں درمیان سے کوئی بات حذف کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ کچھ دنوں بعد چونکا دینے والے انکشاف کروں گا۔"

"لیکن تم نے آج تک مجھے وہ راز کی بات نہیں بتائی......" جین نے مجھے تیکھی نظروں سے گھورا۔ اُس کا انداز محبوبانہ تھا۔

"انکشافات اگر مناسب وقت پر کئے جائیں تو ان کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں جانتا ہوں تم اس وقت مجھ سے کس مقصد سے ملنے آئی ہو۔ میں نے اس

انکشاف والی بات کو بھی آج ہی کے دن کی خاطر بہت سنبھال کر رکھا تھا۔'' میں نے پہلو بدل کر بات جاری رکھی۔ ''تم آج مجھ سے ولیم کے بارے میں مشورہ کرنے آئی ہو اور ولیم نے بھی مجھے دوست سمجھ کر تمہارے بارے میں اپنی پسند اور چاہت کا اظہار کیا تھا۔''

جین کے چہرے پر کہکشاں دمکنے لگی، زندگی کے شوخ رنگ بکھرنے لگے۔ ان رنگوں میں میرا خونِ جگر بھی شامل تھا۔ میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''ولیم ہر لحاظ سے تمہارے لئے مناسب اور بہترین انتخاب ثابت ہوگا۔ صرف ایک دُشواری ہو سکتی ہے۔''

''وہ کیا......؟'' جین نے سہم کر دریافت کیا۔

''اسٹیٹس...... (STATUS)'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ممکن ہے کہ تمہاری بوڑھی ماں کو......''

''اب ایسا نہیں ہوگا دولت علی۔'' جین نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ ''ولیم نے مجھے کل ہی بتایا ہے کہ اُس کی کسی عزیزہ نے مرتے وقت اُس کے نام اپنی ساری جائیداد منتقل کر دی تھی۔ ولیم نے کروڑوں کی رقم کو غلط کاموں میں ضائع نہیں کیا، سنبھال کر رکھا ہے۔ اب وہ میری پسند کا مکان خریدنے کو کہہ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری زندگی خوشگوار گزرے گی۔''

''شادی کب کر رہی ہو......؟'' میں نے بظاہر خوشی کا اظہار کیا۔ میرے دل کے ویرانوں میں دُھول اُڑ رہی تھی، گرم اور تیز آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔

''اسی ضمن میں تم سے مشورہ کرنے آئی ہوں......'' جین اُٹھ کر میرے قریب آ گئی۔ ''تم میرے واحد دوست ہو دولت علی، میں تمہارے پُرخلوص مشوروں سے نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔''

''ولیم کا کیا خیال ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''ایسٹر (EASTER) میں ابھی بیس دن باقی ہیں۔ ولیم کا خیال ہے کہ ایسٹر کا مبارک دن ہمارے لئے مناسب رہے گا۔'' جین نے شرمانے کی کوشش کی تو اور قیامت بن گئی۔ اُس کے قرب کا احساس، اُس کے بدن کی تپش مجھے جھلسانے لگی۔ میں نے ضبط سے کام لیا، جین کو ولیم کے منتخب کردہ دن پر شادی کا مشورہ دیتے وقت مجھ پر کیا گزری، الفاظ ان احساسات و کرب کا احاطہ نہیں کر سکتے......!

دوپہر کا کھانا جین نے میرے ساتھ ہی کھایا۔ وہ چلی گئی تو میری آنکھیں چھلک اُٹھیں۔

کلدیپ کے بعد ایک آخری سہارا ملا تھا وہ بھی چھن رہا تھا۔ پریتم لال کی مرضی بھی یہی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہوں گا، جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکوں گا۔ میں نے اُس سے عہد کیا تھا کہ لگن منڈپ سجا کر کلدیپ کی رُوح کو اذیت نہیں پہنچاؤں گا، میں کلدیپ کے نام پر کئے گئے عہد نہیں توڑ سکتا تھا۔

''صبر سے کام لو جمیل......'' انکا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''میں جین کے سر پر تھی اس لئے تمہارے پاس نہیں آ سکی۔ اُس کے ذہن کو پلٹنے میں مجھے پہلی بار دُشواری کا سامنا کرنا پڑا، تمہارے پیار کے تناور درخت کی جڑیں ابھی تک اُس کے وجود میں باقی ہیں، ولیم سے شادی کے بعد بھی وہ تمہیں فراموش نہیں کر سکے گی۔ لیکن......''

''کوئی اور بات کرو انکا رانی......'' میں نے انکا کو جین کے تذکرے سے روک دیا۔ وہ بھی ملول نظر آ رہی تھی، میرے سر پر اُداس کھڑی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ میں نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔ ''جیکب کی ہڈیوں کے پنجر کے فرار نے جم کے لئے نئی پریشانیاں کھڑی کر دی ہیں۔ اُس نے مجھ سے مدد کی درخواست کی ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔ تم نے اُس سے جو وعدہ کیا ہے وہ بھی میرے علم میں ہے۔'' انکا تھکے تھکے انداز میں بولی۔ ''پانچ دنوں سے ایک لحہ بھی آرام نہیں کر سکی۔ کبھی اس کے، کبھی کسی اور کے سر پر پھدکتی پھر رہی ہوں۔ لیکن تم پریشان نہ ہو، جم کی پریشانی دُور ہو جائے گی، اس کے علاوہ تمہارے لئے ایک خوشخبری بھی ہے میرے پاس، اگلی پیشی پر تمہیں باعزت طور پر رہا کر دیا جائے گا، جیوری کے ممبران اور جج کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تم بے گناہ ہو۔ رقم کا سفری بیگ بھی تمہیں واپس مل جائے گا۔ مورینا نے جیوری کی طرف سے سب سے زیادہ تمہاری حمایت کی ہے، آرتھر کے ستارے گردش میں آ جائیں گے، اُسے ملازمت برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔''

''تم نے رہائی کی خبر سنا کر سینے سے ایک بوجھ ہلکا کر دیا۔'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''میں پہلی فلائٹ سے لندن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کی کوشش کروں گا۔''

انکا نے مجھے نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں میرے لئے ایک سوال مچل رہا تھا۔

''جمیل، کیا تم جین کی شادی میں بھی شریک نہیں ہو گے؟''...... لیکن اُس نے زبان سے کچھ نہیں کہا، میرے چہرے پر اُداسی کے سائے منڈلاتے دیکھے تو زخموں کو کریدنا مناسب

نہیں سمجھا، ایک طویل جماہی لے کر سر پر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد اُس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز میری سماعت سے ٹکرانے لگی۔ میں نے اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھا، پھر خود بھی بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ جین کی جدائی کا تصور، اُس کی رفاقت میں بیتی ہوئی حسین یادیں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔ میں ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہوتا چلا گیا......!

کوئی دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔ میں بوکھلا کر اُٹھا، کمرے میں گھپ اندھیرا طاری تھا۔ شام کے سات بجے تھے، انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا، اندر آنے والا مجھے اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کر دُور تک اندر لے آیا۔ اندھیرے کے سبب میں اُسے شناخت نہ کر سکا۔ ایک لمحے میں سینکڑوں پریشان کن خیالات اُبھرے۔ میں جوابی کارروائی کی خاطر سوچ رہا تھا کہ جم کی چنگھاڑتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

''دولت علی یو آر گریٹسٹ، مائی ڈیئریسٹ فرینڈ، آئی لو یو...... آئی لو یو۔'' جم خوشی میں چیخ رہا تھا۔ ''تم ناقابلِ تسخیر ہو۔ مجھے تم پر فخر ہے، سب کچھ کیسے ہوا؟ میں نہیں جانتا لیکن سارے افسران انگشت بدنداں رہ گئے، سب کی آنکھیں جیرالڈ کو ہتھکڑی میں جکڑا دیکھ کر پٹپٹا رہی ہیں۔ سب حیران ہیں، کسی کو یقین نہیں آ رہا کہ جیرالڈ جیسا خطرناک اشتہاری ملزم جو گزشتہ دس سالوں سے پولیس کے لئے سر درد بنا ہوا تھا، میرے ہاتھوں چوہے کی طرح پکڑا جا سکتا ہے، اُس کی زندہ یا مُردہ گرفتاری پر تین لاکھ پاؤنڈ کا انعام بھی تھا دولت علی، میری جان، مجھے بتاؤ، یہ کیسے ممکن ہوا......؟''

بات میری سمجھ میں آ گئی، انکا کی غیر موجودگی اور جم کی اُچھل کود نے تمام گرہیں کھول دیں۔

''جم، پلیز......'' میں نے اُس کے شکنجے سے آزاد ہونے کی کوشش کی۔ ''اپنی گرفت ڈھیلی کرو، مجھے روشنی کر کے اس بات کا اطمینان کر لینے دو کہ تمہارا ذہنی توازن ٹھیک بھی ہے یا جیرالڈ کی گرفتاری نے تمہیں دیوانہ کر دیا ہے؟''

جم کو اندھیرے کا احساس ہوا، اُس کی گرفت کمزور ہو گئی۔ میں نے کمرے کی لائٹس روشن کیں، جم کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ''میں نے تمہیں سوتے میں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' اُس نے میرے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے تاسف کا اظہار کیا۔

''میں جو عمل تمہارے لئے کر رہا تھا اس کے لئے اندھیرا مشروط تھا۔'' میں نے

انگریزوں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''مجھے تفصیل بتاؤ، جیرالڈ کو گرفتار کرنے میں تمہیں کوئی جدوجہد تو نہیں کرنی پڑی؟''

''اُسے اچانک اپنے آفس میں دیکھ کر میں کچھ پریشان ضرور ہوا تھا۔'' جم نے صوفے پر ڈھیر ہو کر کہنا شروع کیا۔ ''مگر میری حاضر دماغی کام آ گئی، کوئی اشتہاری مجرم جس کے سر کی قیمت تین لاکھ پونڈ مقرر کی گئی ہو، خرگوش نہیں ہوتا جس کی آنکھوں کو تیز روشنی سے چکا چوند کر کے دبوچ لیا جاتا ہے...... جیرالڈ کے ہاتھ میں امریکن کولٹ تھا جس کی گولی دیوار کو بھی چیر پھاڑ کر نکل جاتی ہے۔ ہماری کئی ٹیمیں اُسے متعدد بار گھیر چکی ہیں لیکن وہ ہر بار ایک دو افسران کو موت کے گھاٹ اُتار کر چھلاوے کی طرح نکل جاتا تھا۔'' جم پہلو بدل کر بولا۔ ''جس وقت جیرالڈ نے سرد اور سفاک لہجے میں مجھے ہینڈز اَپ کرنے کو کہا تو میری رُوح بھی فنا ہو گئی۔ میں اپنے آفس میں بالکل تنہا تھا، جس الماری کے قریب میں کھڑا تھا وہاں سے الارم بیل (ALARM BELL) بھی دُور تھی۔ موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر بڑے بڑے سورماؤں کے پتّے پانی ہو جاتے ہیں۔ لیکن مجھے بروقت سوجھ گئی، میں نے جیرالڈ کی پشت کی سمت دیکھ کر ڈونٹ شوٹ (DON'T SHOOT) کے الفاظ ادا کئے تو وہ بھی میری اداکاری سے دھوکا کھا گیا، وہی ایک لمحہ مجھے درکار تھا، میں نے پل بھر میں بازی پلٹ دی۔''

''یہ محض ڈینگیں مار رہا ہے جمیل......'' انکا نے میرے سر پر واپس آتے ہوئے شوخی سے کہا۔ ''جیرالڈ کو دیکھ کر اس کی پتلون تر بتر ہو گئی تھی، میں جیرالڈ کے سر پر نہ ہوتی تو وہ اس کا کچومر بنا کر رکھ دیتا، بڑے ہی مضبوط اعصاب اور قوتِ ارادی کا مالک تھا۔ میں نے دونوں پیروں کے تمام پنجے اس کے سر میں چبھو رکھے تھے لیکن وہ اس طرح مچل رہا تھا جیسے اس کی شریانوں میں خون نہیں، چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ دوڑ رہا ہو...... جم تو اُس کی آواز سن کر ہی کپکپانے لگا تھا۔''

''کیا جیرالڈ نے مارٹینا کو قتل کرنے کا اقرار کر لیا؟'' میں نے انکا کی بات ختم ہوتے ہی جم سے دریافت کیا۔

''ہاں......'' جم نے افسرانہ انداز میں جواب دیا۔ ''اُس نے اس بات کا اقرار بھی کر لیا کہ قتل اُس نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا، بعد میں اُس نے ایک بدرُوح کو وہاں جیکب کی شکل میں اس لئے بھیج دیا کہ جین کا نام درمیان میں لا کر محکمہ سراغرسانی پر کیچڑ اُچھال سکے۔

''میرا ایک مشورہ ذہن نشین کرلو۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''جین اور جیکب کا تذکرہ تمہاری رپورٹ کے درمیان کہیں بھی نہ آنے پائے، ورنہ دوسری بار شاید میں بھی تمہاری کوئی مدد نہ کرسکوں۔''

''او کے باس۔'' جم نے اُٹھ کر مجھے باقاعدہ سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اب اجازت چاہوں گا۔ صرف تمہارا شکریہ ادا کرنے کی خاطر آ گیا تھا، ورنہ دفتر میں اس وقت بھی بڑے بڑے افسران اور اخباری نمائندوں کی بھیڑ لگی ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے جو عزت اور شہرت ملنے والی ہے اس کا پیشگی شکریہ، میں تم سے دوبارہ بہت جلد ملاقات کروں گا۔''

جم چلا گیا تو میں نے انکا کی سمت دیکھا جو ابھی تک جم کی لن ترانی پر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ میں نے رُوم سروس کو کافی کا آرڈر دیا، پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ایک مرحلہ اور طے ہوا......کل صبح میں واپسی کے لئے سیٹ بھی بُک کرالوں گا۔''

''میں سمجھ رہی ہوں جمیل کہ تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ لیکن اپنی انکا کے ہوتے تم کوئی غم نہ کرو، حالات بدلتے رہتے ہیں۔'' انکا نے مجھے ڈھارس دی، پھر مدھم لہجے میں بولی۔ ''جین کے فارم ہاؤس کب چلو گے......؟ جین کے علاوہ اُس کی بوڑھی ماں سے بھی مل لینا، تمہاری ایک قیمتی شے بھی وہاں رکھی ہے......سیّد مجذوب کی لاٹھی، اُسے جلدی میں بھول نہ جانا، ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ مجھ سے زیادہ تمہارے کام آئے۔''

انکا اپنی باتوں سے میرا دل بہلاتی رہی۔ کافی نے میرے اعصاب پر تناؤ کی کیفیت کو کچھ کم کر دیا۔ رات کا کھانا میں نے پکاڈلی اسٹریٹ کے ایک شاندار ہوٹل میں کھایا، انکا ہوٹل میں بھی اپنی شرارتوں سے لوگوں کو حیرت زدہ کرتی رہی۔ میں اُس کی شوخیوں کا مقصد سمجھ رہا تھا، وہ میری خاطر کھیل تماشے کر رہی تھی۔ میں کھانا کھا کر ہوٹل سے نکلا تو انکا نے بڑی رازداری سے میری معلومات میں اضافہ کیا۔

''یہاں سے کچھ فاصلے پر سوھو کا علاقہ ہے، جہاں تہذیب کا عریاں رقص ہوتا ہے، پکاڈلی کا ریڈ لائٹ ایریا بھی قابلِ دید ہے، یہاں برطانوی حسیناؤں کے علاوہ غیر ملکی شکاری لڑکیاں بھی اپنے حسن کا جال لئے شکار کی تلاش میں گھومتی پھرتی ہیں۔'' انکا نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''سنا ہے کہ اُن کے جسم میں کاک ٹیل (COCKTAIL) خون

گردش کرتا ہے۔''

میں کاک ٹیل خون کی اصطلاح پر مسکرا دیا، رات ہماری واپسی دیر سے ہوئی۔ ہوٹل کا عملہ جم کی صرف ایک ''ڈوز'' سے سدھر گیا تھا، میں جتنی بار اُن کے سامنے سے گزرتا، اُن کے سر جھک جاتے، میں گردن اکڑا کر گزر جاتا۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ میں لفٹ کی طرف جانے کی خاطر کاؤنٹر کے قریب سے گزرا تو ایک نوعمر حسینہ مسکراتی بل کھاتی کاؤنٹر سے باہر آ کر بولی۔

''سر......میڈم جین آپ کو دو بار فون کر چکی ہیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، سر کو خفیف انداز میں ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ رات زیادہ ہو چکی تھی، مجھے جین کے روزمرہ کے معمولات کا علم تھا، وہ جلدی سونے کی عادی تھی، میں نے اُسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

دوسری صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں نے ہندوستان واپسی کے لئے سیٹ بُک کرائی پھر جین کی طرف چلا گیا۔ اُس روز اتوار تھا، جین چھٹی والے دن دیر تک سونے کی عادی تھی، انکا راستے بھر شوخیاں کرتی رہی، میں مسکراتا رہا۔ وہ ساتھ نہ ہوتی تو وقت گزارنا مشکل ہو جاتا۔

کیب فارم ہاؤس پر رُکی تو پہلے ماریا سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ کسی کام سے باہر آئی تھی، مجھے ٹیکسی سے اُترتا دیکھ کر قریب آ گئی۔ میں نے اُسے سرتاپا بہت غور سے دیکھا، مورگن کے آجانے کے بعد وہ جسمانی طور پر پہلے سے زیادہ تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔

''کیسی ہو ماریا......؟''

''آپ کی مہربانی سے بہت خوش ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کبھی مجھے بھی یاد کرتی ہو یا مورگن کے آنے کے بعد فراموش کر دیا؟'' میں نے دبی آواز میں سرگوشی کی، وہ میرے جملے کا مفہوم سمجھ کر اور گلنار ہوگئی۔ میں اُس کے ساتھ ساتھ مکان میں داخل ہوا، جین ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس لاؤنج میں بیٹھی کسی میگزین کے اوراق پلٹ رہی تھی۔ قریب ہی اُس کی ماں وہیل چیئر پر موجود تھی۔ جین نے مجھے خلافِ توقع دیکھا تو خوشی سے دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اُس کی ماں نہ ہوتی تو شاید میں اُس کے ہونٹوں کو آخری بار چوم لیتا لیکن یہ حسرت بھی دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ جین نے مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب ہی بٹھا لیا، جین کی ماں مجھے تشکرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''اب تو آپ خیریت سے ہیں؟'' میں نے معنی خیز لہجہ اختیار کیا۔ وہ میرے جملے میں چھپا طنز بھانپ گئی۔

''میں تمہاری شکر گزار ہوں دولت علی۔'' وہ کسمسا کر بولی۔ ''تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گے۔'' اُس کے لہجے میں شرمندگی کا اظہار گھلا ہوا تھا۔

''میرے ساتھ میرے کمرے میں چلو۔'' جین نے اُٹھتے ہوئے مجھے ہاتھ تھام کر گھسیٹا۔ ''مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

میں جین کے ساتھ اُس کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے جیرالڈ کی گرفتاری پر حیرت کا اظہار کیا، میرا شکریہ ادا کرتی رہی۔ پھر اُس نے ولیم کی بات چھیڑ دی، میں دل پر پتھر رکھے مسکراتا رہا۔ اُس کی باتیں ختم ہوئیں تو میں نے اُسے یاد دلایا۔

''کل عدالت میں میری پیشی ہے۔''

''پریشان مت ہو دولت علی۔'' اُس نے پیار سے میرا ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔ ''میرا دل گواہی دیتا ہے کہ کل تم باعزت طور پر رہا کر دیئے جاؤ گے، جم کا بھی یہی خیال ہے۔''

''ہاں......'' میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''مجھے رہائی مل جائے گی، اس کے بعد میں ہندوستان چلا جاؤں گا۔''

''میری شادی میں تو شرکت کرو گے نا؟'' جین نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا، پھر پہلو بدل کر بولی۔ ''یہیں لندن میں کیوں نہیں رہتے؟ ہندوستان میں اب تمہارے لئے کیا رکھا ہے؟''

''تم کہتی ہو تو ضروری کام نمٹا کر واپس آ جاؤں گا۔'' میں نے جین سے آخری جھوٹ بولا۔ انکا کسمسا کر رہ گئی۔

مجھے جین کے اصرار پر دوپہر کے کھانے کے لئے رُکنا پڑا۔ سب ہی میری آؤ بھگت میں لگے رہے، ماریا پیش پیش تھی، مورگن نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جین کی بوڑھی ماں کی نگاہیں بھی بار بار مجھ سے ایک ہی بات کہتی رہیں۔

''مجھے معاف کر دینا دولت علی، میں نے تمہارے بارے میں غلط اندازے لگائے تھے، تم بالکل مختلف ثابت ہوئے......''

میں کھانے سے فارغ ہو کر جانے لگا۔ جین مجھے ٹیکسی تک رُخصت کرنے آئی۔ ماریا اور

مورگن بھی اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔

''دولت علی۔'' جین نے مجھ سے رُخصتی مصافحہ کرتے ہوئے بڑے لاڈ سے کہا۔ ''میری شادی پر تمہیں کوئی ایسا آئٹم پیش کرنا ہوگا جو سارے مہمانوں کو حیرت زدہ کر دے۔''

''میں دوسروں کی بات نہیں کرتا۔'' میں نے دل مسوس کر جواب دیا۔ ''البتہ تم ضرور حیران رہ جاؤ گی۔''

جین کے فارم ہاؤس سے واپسی پر انکا ساتھ نہ ہوتی تو شاید میرا دل پھٹ جاتا، اب صرف وہی میری مونس و غمخوار رہ گئی تھی۔ میرے دُکھ سکھ کی رفیق۔ میں سید مجذوب کی لاٹھی کو سینے سے لگائے بیٹھا رہا، انکا میرے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر معصوم معصوم شرارتیں کرتی رہی، لطیفے سناتی رہی۔ سفر آسانی سے کٹ گیا......!

دوسرے روز میں عدالت میں پیش ہو گیا۔ دو کیس کے بعد میرا نام پکارا گیا۔ میں سینہ تانے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا، آرتھر کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ سرکاری وکیل بھی اپنی نشست پر بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ شاید اُنہیں بھی فیصلے کی بھنک مل گئی تھی۔ جج اپنے سامنے رکھی فائل پر جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ میں نے جیوری کے ممبران کی طرف دیکھا، مورینا سے میری نظریں چار ہوئیں، آج وہ خاص طور پر بن سنور کر آئی تھی۔ میں اُس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ اُس کے انگ انگ سے مستی پھوٹ رہی تھی۔

''دیکھ رہے ہو جمیل؟'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''آج یہ کیسی پٹاخہ لگ رہی ہے۔ تمہیں اپنا وعدہ تو یاد ہے......؟''

''تم جانتی ہو انکا رانی۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''آج رات میری روانگی ہے۔ صبح دو بجے کی فلائٹ سے میں لندن کو گڈ بائی کہہ کر ہندوستان کے لئے پرواز کر جاؤں گا۔ جاتے جاتے مجھے کچھ ضروری کام بھی سرانجام دینے ہیں۔''

''میں تمہارے سارے کام کر دوں گی، تم میری خاطر تھوڑا سا وقت نکال لو۔'' انکا، مورینا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ہم آرتھر کو کوئی سبق دیئے بغیر چلے گئے تو اُسے باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب تم خوب سمجھ رہے ہو جمیل۔'' انکا نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''تم جانتے ہو کہ

خون میری غذا ہے،تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مجھے انسانی خون کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب تم بڑی پابندی سے میری ضرورت کا خیال رکھتے تھے، اب میں تم سے اصرار نہیں کرتی، کسی اور ذریعے سے اپنی غذا کا بندوبست کر لیتی ہوں۔ لیکن آج مورینا کے چہرے کی ملاحت دیکھ کر میری بھوک بھڑک اُٹھی ہے، اُس کا گداز جسم، اُس کے بھرے بھرے گال، میں نے کبھی کسی سیاہ فام عورت کا خون نہیں پیا۔ سنا ہے ان کے خون میں ایک خاص لذت ہوتی ہے۔ سن رہے ہو جمیل؟ میرے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے ہیں، آج تم اپنی انکارانی کی درخواست رد نہ کرنا۔ میں تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

میں نے ایک عرصے بعد انکا کے لب و لہجے میں وہی خوفناک غراہٹ سنی جو پہلے اکثر سنا کرتا تھا۔ مورینا کو وہ ایسی خونخوار بلی کی طرح گھور رہی تھی جو کسی کبوتر کو شکار کرتے وقت ہر خطرے سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔ میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ جج کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''مسٹر دولت علی، تم نے گزشتہ پیشی پر عدالت سے پولیس آفیسر مسٹر لوئیس آرتھر سے تین باتیں دریافت کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ عدالت نے تمہیں اس کا موقع دیا تھا۔ تم دو باتیں دریافت کر چکے ہو، کوئی ایک آخری بات رہ گئی ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہ عدالت تمہیں ایک خاص وجہ سے مسٹر آرتھر سے کوئی مزید سوال کرنے کا موقع فراہم نہیں کر سکتی۔''

''گویا یہ معزز عدالت اپنے وعدے سے منحرف ہونے کا اعتراف کر رہی ہے۔'' میرے لہجے میں طنز تھا۔

''تم جو چاہو سوچو، عدالت کسی کے ذہن پر پہرے نہیں بٹھا سکتی۔'' جج نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ انکا میرے سر پر پہلو بدلنے لگی۔ جیوری کے ممبران ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ مورینا کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر اُداسی کے بادل تیرنے لگے، آرتھر کی نگاہوں میں اُمید کی کرن ٹمٹمانے لگی، سرکاری وکیل چونک کر جج کی طرف دیکھنے لگا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگیں، ایک لمحے کو عدالت کے وسیع ہال میں موت کا سناٹا طاری رہا، پھر جج نے مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''مجھے اس بات کا اعلان کرتے ہوئے کوئی جھجک نہیں محسوس ہو رہی کہ تمہارے کیس کا

فیصلہ لکھا جا چکا ہے۔ قانون کی رُو سے تم اگر چاہو تو اس عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کا حق رکھتے ہو۔'' جج نے تھوڑا توقف کیا، عدالت میں پھر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ انکا کی وحشت قابل دید تھی۔ جج کی آواز دوبارہ گونجی۔

''جیوری کے ممبران کی متفقہ رائے کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اور قانونی دستاویز کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ عدالت تمہیں مسٹر آرتھر سے تیسری بات دریافت کرنے کا موقع دیئے بغیر...... باعزت طور پر بری کرتی ہے اور مسٹر آرتھر کو پابند کرتی ہے کہ وہ دس روز کے اندر اندر تحریری وضاحت پیش کریں کہ انہیں تمہارے خلاف غلط کیس بنانے کے جرم میں ملازمت سے معطل کیوں نہ کر دیا جائے۔ یہ عدالت سرکاری وکیل کو حکم دیتی ہے کہ وہ اپنی موجودگی میں تمہاری رقم فی الفور پولیس سے واپس دلائے۔ تم تفصیلی فیصلے کی نقل ایک ہفتے بعد حاصل کرنے کے مجاز ہو گے۔''

جج فیصلہ سنانے کے بعد اپنے چیمبر میں چلا گیا، انکا نے میرے سر پر دھمال شروع کر دی۔ آرتھر کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی، مورینا کے ہونٹوں پر دوبارہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ جیوری کے دوسرے ممبران جج کے فیصلہ سنانے کے انوکھے انداز پر ہنس ہنس کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔ میں آرتھر کو نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھورنے لگا جو سکتے کی کیفیت سے دوچار تھا۔ سرکاری وکیل نے سفری بیگ اور ننانوے ہزار دو سو پونڈ کی رقم واپس کرنے میں خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا۔ وہ مجھ سے رقم گننے کی درخواست کر رہا تھا۔ میں نے اُس کی تیار کردہ رسید پر رقم گننے بغیر بے پرواہی سے دستخط کئے اور سفری بیگ اُٹھا کر باہر آ گیا...... ہوٹل پہنچنے سے پہلے میں نے مشرقی روایت کے پیش نظر ننانوے ہزار ایک پونڈ کا بینک ڈرافٹ جین کے نام تیار کرا لیا۔ میں نے وہ بینک ڈرافٹ ایک مختصر الوداعی پیغام کے ساتھ ایئرپورٹ سے فارم ہاؤس کے پتے پر بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ انکا نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ اُس نے مورینا کے سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق ہے۔ میں نے اُسے ٹٹولنا مناسب نہیں سمجھا۔

دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد میں سونے کے ارادے سے لیٹ گیا، شام کو میں نے ہوٹل کا حساب چکتا کر دیا۔ اُن سے میں نے یہی کہا کہ میں اپنے ایک مقامی دوست کے گھر منتقل ہو رہا ہوں، یہ تاکید بھی کر دی کہ میرے سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھیں۔ وہ جم سے

خوفزدہ تھے، مجھے یقین تھا کہ میری ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کریں گے......!

ہوٹل سے نکل کر میں نے ایک کیب ڈرائیور کو انگیج کیا اور لندن کی سڑکوں کے بے معنی چکر لگانے لگا۔ جین سے جدائی کا خیال مجھے بری طرح ڈس رہا تھا۔ میں کسی زمانے میں عیاشی کے لئے مے نوشی کرتا تھا۔ اُس روز میں نے ایک بار میں رُک کر غم غلط کرنے کی خاطر تین پیگ حلق میں انڈیل لئے۔ مجھے بار میں جاتا دیکھ کر کیب ڈرائیور نے حساب کرنے کی درخواست کی، عام طور سے لندن میں ایسا نہیں ہوتا لیکن ڈرائیور نے اپنی ایک مجبوری اور وقت کی تنگی کا اظہار کیا تھا اس لئے میں نے اُسے جانے دیا۔ میں نے کافی عرصے بعد پی تھی اس لئے میرے قدم تھوڑے تھوڑے بہکنے لگے۔ لیکن میرے ہوش وحواس پوری طرح کام کر رہے تھے۔ میں فٹ پاتھ پر کھڑا کسی دوسری کیب کا انتظار کر رہا تھا جب ایک میرون رنگ کی لمبی سی گاڑی میرے سامنے آ کر رُک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر مورینا کو دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔

"آپ، مسٹر دولت علی......" اُس نے بڑی بے تکلفی کا اظہار کیا۔ "کہاں جانا ہے؟"

"جہاں آپ لے جانا چاہیں۔" میں روانی میں کہہ گیا۔ شاید نشے کا اثر تھا جس نے مورینا کو دیکھ کر مجھے بے باک بنا دیا تھا۔ اُس نے میری بات کا برا نہیں مانا، ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے اُس کی دعوت رد نہیں کی۔ گاڑی دوبارہ حرکت میں آئی تو میں نے ڈیش بورڈ کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں تفریح کے ارادے سے نکلا تھا لیکن اطلاعاً عرض ہے کہ میں آج رات دو بجے کی فلائٹ سے واپس ہندوستان جا رہا ہوں۔ مجھے گیارہ بجے ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔ آپ کا ایک قرض چکتا کرنا تھا اس لئے ساتھ بیٹھ گیا۔"

"ڈونٹ وری۔ میں آپ کو وقت سے پہلے ایئر پورٹ پہنچا دوں گی۔" اُس نے مترنم آواز میں جواب دیا، پھر مسکرا کر بولی۔ "قرض والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"آپ نے جیوری کی ایک معزز اور معتبر ممبر ہونے کے باوجود جس طرح میرے حق میں رائے دی میں اس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

"حیرت انگیز......" اُس نے ایک خاص ادا سے شانے اچکا کر دریافت کیا۔ "آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں نے آپ کو سپورٹ کیا تھا؟"

"اگر میں صاف گوئی سے کام لوں تو آپ خفا تو نہیں ہوں گی؟" میں نے اُس کے سراپا

کا جائزہ لیا۔ وہ جیتی جاگتی قیامت نظر آ رہی تھی۔

"علم نجوم......؟" اُس نے میری طرف قاتلانہ نظروں سے دیکھا۔

"جی نہیں......آپ کی مخمور اور حسین آنکھیں جو دل کا بھید نہیں چھپاتیں......" میں نے شاعرانہ انداز اختیار کیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" مورینا کا لہجہ معنی خیز تھا۔ وہ اتنی جلدی مجھ سے بے تکلف ہو جائے گی، مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے جسارت سے کام لے کر اُس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ہمارے درمیان سے رسمی تکلف کی عارضی دیوار سرکنے لگی۔ بے تکلفانہ گفتگو کا دور شروع ہوا تو میرے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میرے ہاتھ کی شوخیاں حدود سے تجاوز کرنے لگیں۔ کچھ شراب کا اثر تھا، کچھ مورینا کے مہکتے گداز جسم کا سحر انگیز نشہ، ضبط کے بندھن ٹوٹنے لگے۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ دیر بعد مورینا نے گاڑی ساحلی علاقے میں ایک الگ تھلگ بنے خوبصورت ہٹ کے سامنے روکی۔ ہم نیچے اُترے۔ سرد ہوا کے جھونکوں نے ہمارا استقبال کیا، وہ بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام کے ہٹ کے اندر لے گئی جس کی نفاست اور قیمتی اشیاء قابل دید تھیں لیکن میرے لئے اس وقت سب سے زیادہ قیمتی شے مورینا تھی جو قدم قدم پر میرے جنون کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی، مجھ سے بڑھ چڑھ کر بے باکی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

میں اُس کے گداز وجود کو بانہوں میں سمیٹے بستر پر دراز ہوا تو اچانک مجھے انکا کا خیال آ گیا۔ میں نے اُسے دیکھنے کی کوشش کی، وہ سر پر موجود تھی۔ میں مسکرا دیا، سمجھ گیا کہ اُس نے عدالت میں مورینا کے بارے میں کہی ہوئی اپنی بات منوانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا ہے؟ مورینا کا شراب خانے کے سامنے گاڑی روک کر میرے ساتھ بے تکلفی سے پیش آنا، مجھے لفٹ دینا، ساحلی علاقے کی اس پُرسکون ہٹ تک لانا، میری شوخیوں کو برداشت کرنا، سراہنا، یہ سب یوں ہی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کی پشت پر انکا رانی کا ہاتھ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ مورینا کے سر کو اپنا مورچہ بنا چکی تھی۔ راوی میرے حق میں چین لکھتا تھا۔ میں وقت گزاری کی خاطر ہوٹل سے نکلا تھا، غم غلط کرنے کی خاطر میں نے شراب کا سہارا لیا تھا۔ مجھے سکون کی تلاش تھی۔ جین کا تصور مجھے بے چین کر رہا تھا۔ مورینا نے بانہیں پھیلا کر

میرے نفس کو اُکسایا، میں سب کچھ بھول کر اُس کی بانہوں میں سمٹ گیا، اُس کی ایک ایک حرکت ہیجان انگیز تھی، مجھے وقت کا احساس نہیں رہا۔ مورینا جیسی سیاہ فام حسینہ، اُس کے جسمانی نشیب و فراز اور پُرسکون ماحول میسر ہو تو وقت کا دھیان کس کمبخت کو رہ سکتا ہے؟ میں بھی اُس کے وجود میں تحلیل ہو کر ہر فکر سے بے نیاز ہو گیا۔ وہ سرکش موج کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔ میں ماہر پیراک کی طرح ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ ساحل پر پہنچ کر دونوں نڈھال ہو گئے۔ اُس کی سانسیں بکھرنے لگیں۔ میری طوفانی شدتیں بھی نڈھال ہو گئیں!

''دولت علی۔'' اُس نے میرے کشادہ سینے پر سر رکھ کر بڑی بے حیائی سے اعتراف کیا۔ ''تم گندمی رنگت کے لوگ ہمارے ساتھیوں سے زیادہ وحشی ہوتے ہو، کسی ظالم درندے کی مانند اپنے شکار کو بھنبھوڑ ڈالنے کی خو بو تمہاری فطرت میں رچی بسی ہوتی ہے۔ مجھے تم لوگوں کا یہ انداز اچھا لگتا ہے۔ جہاں کھل کر بات کرنے کی اجازت نہ ہو، وہاں گفتگو کا مزہ نہیں آتا...... یو آر ریئلی ونڈرفل۔''

مورینا ساری رات گزارنے کے موڈ میں تھی۔ انکا نے میرے سر پر آ کر کہا۔

''تم نے کہا تھا کہ گیارہ بجے ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔ اس وقت ساڑھے نو بج رہے ہیں۔ دیر مت کرو، میری خاطر گول میز سے پھل کاٹنے والا چاقو اُٹھا کر مورینا کے اُبلتے ہوئے سینے میں گھونپ کر نکل جاؤ، باہر گاڑی موجود ہے۔ کسی بات کی فکر نہ کرنا، میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔''

میں نے سر پر نگاہ ڈالی۔ انکا کے چہرے پر آدم خور درندوں جیسی تمام علامتیں موجود تھیں۔ میرے لئے یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ میں نے جلدی سے اُٹھ کر انکا کی فرمائش کی تکمیل کی۔ مورینا کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُس کے سینے سے گاڑھا گاڑھا خون بھل بھلانے لگا...... کمرے میں ''سڑپ، سڑپ'' کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ میں سمجھ گیا کہ انکا نے خون پینے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ میرا نشہ ہرن ہو گیا۔ میں نے برق رفتاری سے لباس پہنا، باہر آ کر گاڑی سٹارٹ کی، ہٹ سے ہوٹل اور ہوٹل سے سیٹھ کی لاٹھی اور ایک سفری بیگ اُٹھا کر ایئرپورٹ پہنچتے پہنچتے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ میں نے گاڑی پارکنگ لاٹ میں چھوڑنے سے پہلے تمام ممکنہ فنگر پرنٹس مٹا دیئے تھے۔ مجھے زیادہ فکر بھی نہیں تھی۔ لندن سے میرا تعلق ختم ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہ گئی تھی۔

بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے بعد میں نے بینک ڈرافٹ اور جین کے نام مختصر پیغام والے لفافے کو سپردِ ڈاک کیا، فضائی کمپنی کی خاتون کی مترنم آواز بار بار مائیک پر اُبھر رہی تھی۔ وہ مسافروں سے جہاز میں بیٹھنے کی درخواست کر رہی تھی۔ دو بجنے میں پانچ منٹ باقی رہ گئے تو میں نے جین کے نمبر ڈائل کئے۔ چھ سات گھنٹیوں کے بعد دوسری طرف جین کی نیند میں ڈوبی آواز اُبھری۔

''جین......'' میں نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں شادی کی پیشگی مبارکباد پیش کرتا ہوں، ولیم کے ساتھ خوش رہنے کی کوشش کرنا۔''

''دولت علی، تم...... تم نے اس وقت رات کے دو بجے مجھے شادی کی مبارکباد دینے کی خاطر سوتے سے جگایا ہے؟'' جین نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا، پھر پریشان لہجے میں پوچھا۔ ''تم خیریت سے تو ہو؟...... کہاں سے فون کر رہے ہو؟''

''میں ایئرپورٹ سے بول رہا ہوں۔'' میں نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''آدھے گھنٹے بعد میرا جہاز لندن کی سرزمین چھوڑ کر فضا میں بلند ہو جائے گا۔ اپنا خیال رکھنا، زندگی رہی تو شاید پھر کسی موڑ پر تم سے......''

''دولت علی۔'' جین نے تڑپ کر بے چینی کا اظہار کیا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم نے مجھ سے ملنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور میری شادی......''

''خدا حافظ جین۔'' میں نے ریسیور ہک پر رکھ دیا اور گیٹ نمبر اٹھارہ کی سمت تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ میرے دل کی کیا کیفیت تھی، اس کا صحیح اندازہ کون لگا سکے گا......؟؟

برٹش ایئر لائنز کے دیو پیکر طیارے نے زمین سے فضا کی بلندیوں کی طرف پرواز کی تو جین سے میرا تمام رشتہ جیسے کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ گیا۔ اُس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

’’دولت علی، میری شادی پر تمہیں کوئی ایسا آئٹم پیش کرنا ہوگا جو سارے مہمانوں کو حیرت زدہ کردے‘‘

میں اُس کی شادی پر لندن میں ہوتا تو اُس کی آخری خواہش ضرور پوری کرتا۔ ایسے ہنگامے کرتا کہ سارا انگلستان ششدر رہ جاتا۔ وہ بھی کیا یاد کرتے کہ کسی ہندوستانی سے پالا پڑا ہے۔ لیکن میں نے خاموشی سے واپسی کا پروگرام مرتب کرلیا۔ اب وہاں رُکنے سے فائدہ بھی کیا تھا؟ میں جین کو کسی اور کی بانہوں میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے زندگی کے آخری لمحوں میں مجھے اپنی بھرپور جوانی کی بیساکھی کا سہارا دیا تھا، اُس کے احسان بے شمار تھے۔ میں نے اُسے ولیم کے محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر کچھ حساب بے باق کردیا۔ لیکن اُس کے قرب کے حسین، مہکتے، گنگناتے لمحوں کو اس سے قریب رہ کر یکسر نظر انداز کردینا میرے اختیار میں نہیں تھا، سو میں نے جین ہی سے نہیں، لندن سے بھی منہ موڑ لیا۔

جین کی یاد آئی تو میں نے نشست کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں، میرے ذہن کی اسکرین پر گزرے دنوں کی تلخ و شیریں یادیں رینگنے لگیں، جین سے دُور رہنے کی خاطر میں نے ماریا کو اپنی عارضی دلبستگی کا ذریعہ بنالیا، جین کے فارم ہاؤس سے منتقل ہوکر ہوٹل کی رہائش اختیار کی جہاں میلبا جیسی معصوم مگر تجربہ کار حسینہ میرا دل بہلاتی رہی۔ مجھے سیاہ فام مورینا کی یاد آئی جسے دیکھ کر انکا بھی دیوانی ہوگئی تھی۔ وہ لندن میں میرا آخری شکار تھی۔ اُسے ساحلی علاقے کی ہٹ میں چھوڑ کر میں ایئرپورٹ چلا آیا، انکا ابھی تک اُس کے کھولتے خون کی سرد پڑتی حرارتوں کو اپنے وجود میں منتقل کرنے میں مصروف ہوگی۔

لندن سے میری واپسی کی اطلاع سن کر جین دیوانی ہوگئی ہوگی۔ اُس نے بہت کچھ سوچا ہوگا، مختلف امکانات اُس کے ذہن میں کلبلائے ہوں گے، اُس کی رات کی نیند خراب ہوگئی ہوگی۔ شاید اُس نے سارا کو فون کیا ہو؟ جم کو ٹٹولا ہو؟ جم سے میری اچانک واپسی کی بات کی ہو، پھر تھک ہار کر اپنے دل کی دھڑکنوں میں گم ہوگئی ہو......

وقت آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ میرے برابر کی نشست خالی تھی۔ میں نے جین کو ذہن سے نکال کر ہندوستان کے بارے میں غور کرنا شروع کردیا، پریتم لال نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ جو کام کلدیپ ادھورے چھوڑ گئی وہ مجھے نمٹانے ہوں گے۔ اُسی نے بتایا تھا کہ پنڈتوں اور پجاریوں کی ٹولی پھر میرے خلاف محاذ آراء ہورہی ہے۔ بدری نرائن کے سرپھرے چیلوں نے اُس کی چتا کی راکھ کو ایک لٹیا میں محفوظ کرلیا تھا، دریا برد نہیں کیا، سر جوڑ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ میرے کریا کرم کے بعد ہی وہ اپنے گرو کی راکھ کو تبت کی کسی چوٹی پر بکھیریں گے۔

امرلال کے اکلوتے بیٹے چندرا نے بھی میرے خلاف کچھ ٹھان رکھی تھی، اُس نے اپنے خون سے ماتھے پر تلک لگا کر کالی کے قدموں میں بیٹھ کر قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اپنے باپ کا انتقام چکتا نہیں کرے گا، کسی عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگائے گا، پریتم لال کی اطلاع کے مطابق وہ وندھیا چل کی کسی پہاڑی گپھا میں آسن جمائے بیٹھا مہان شکتی حاصل کرنے کی خاطر جاپ میں مگن تھا۔ انکا نے مجھے پنڈت نول کشور کے بارے میں بتایا تھا کہ ہردوار میں بیٹھا پجاریوں کی فوج تیار کر رہا تھا، کالی کے مندر کا بڑا پروہت ہونے کی وجہ سے اُس کی رسائی دُور دُور تک تھی۔ ہزاروں ناعاقبت اندیش پجاری اُس کے اشارے پر سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار بیٹھے تھے، نول کشور میرے بدترین دشمن بدری نرائن کا ہمنوا تھا۔ پہلے وہ بزدلوں کی طرح دُور بیٹھا بدری نرائن کے بھیانک انجام پر سر پیٹتا رہا، اب اُسے کالی کی خوشنودی حاصل ہوئی تو مجھے ٹھکانے لگانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

لندن میں سکون کی زندگی گزارنے کے بعد مجھے ہندوستان جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کلدیپ نے امرلال کو جس طرح کتوں کی موت مارا تھا اس کا ایک ایک منظر میرے ذہن، میرے دل و دماغ پر نقش تھا، کلدیپ نے پہل نہیں کی تھی۔ امرلال کو کلدیپ کی آشیرباد نے گھمنڈی بنا دیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کلدیپ نے میری خاطر اپنی زندگی

جبینٹ دینے کا وعدہ کرکے کالی کا اعتماد حاصل کیا ہوگا۔ وہ ایک ایک کرکے اپنے ترکش کے سارے تیر آزماتا رہا، کلدیپ اذیتیں برداشت کرتی رہی، چٹان کی طرح کھڑی رہی، کسی موقع پر اُس کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ پھر جواب میں کلدیپ نے پلٹ کر وار کیا تو امرلال جان بچانے کی خاطر اس پرانے مندر کی طرف بھاگا جہاں مالا کو قید کیا گیا تھا۔ کلدیپ نے اُس کی تمنا نہیں پوری ہونے دی۔ امرلال کی موت بڑی عبرتناک تھی۔ بدری نرائن اور امر لال کی موت کے بعد کھیل تماشے ختم ہوگئے تھے۔ کلدیپ کی موت کے بعد میں تنہا رہ گیا، مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ میں نے انکا کو بھی سر سے دُور کردیا، بمبئی کی فٹ پاتھ پر موت کے انتظار میں ایڑیاں رگڑتا رہا۔ اُس وقت بھی کسی نے میری سمت آنکھ اُٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ اُن کے دلوں پر جمیل احمد خان کی دھاک بیٹھی تھی، بدری نرائن اور امرلال کی موت نے اُنہیں خوفزدہ کررکھا تھا، وہ چوہوں کی طرح بلوں میں دبک گئے، کوئی ایک بھی ایسا مرد ثابت نہیں ہوا جو میرے سامنے آتا، مجھ سے آنکھ ملاکر بات کرتا۔ اب چیونٹیوں کے پر نکل رہے تھے......!

پریتم لال نے لندن کے ہسپتال میں عین وقت پر سامنے آکر میرا راستہ نہ کاٹا ہوتا تو کہانی ختم ہوچکی ہوتی۔ کوئی رونے والا نہ ہوتا۔ رکن الدین کو موت کی خبر ملتی تو قل اور فاتحہ کی رسم ادا کرنے کے سوا اور کیا کرسکتا تھا؟ چچا اور اُن کے گھر والے بھی آنسو بہانے کے بعد دوبارہ زندگی کے ہنگاموں میں گم ہوجاتے۔ شبّن خان کف افسوس ملتا رہ جاتا۔ ایک تزئین ایسی تھی جو بڑے دنوں تک میری جدائی کا سوگ مناتی رہتی۔ میں نے اور کلدیپ نے اُسے بیٹیوں کی طرح اپنایا تھا۔

تزئین کی یاد آئی تو میرا دل تڑپ اُٹھا، وہ غریب بھی میری وجہ سے دوبار میرے دشمنوں کی کمینگی کا شکار ہوچکی تھی، وہ بدذات مجھے کمزور کرنے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ اب بھی اُنہیں علم ہوگا کہ میرے واقف کاروں میں سے کون کہاں کہاں ہو گا؟ ہندوستان میں میری واپسی اُن کے لئے پھر وبالِ جان بن سکتی تھی لیکن میں پریتم لال کی بات نہیں ٹال سکا، کلدیپ نے میری خاطر اپنی جوانی کی خوشیوں اور اُمنگوں سے منہ موڑ کر میسور کی پہاڑیوں پر زندگی بتادی۔ منڈل میں بیٹھی مجھے مضبوط کرنے کی خاطر دیوی دیوتاؤں کے لئے جاپ کرتی رہی، امرلال سے مجھے بچانے کی خاطر اُس غریب نے کالی

کے چرنوں میں قربانی پیش کرنے کا عہد کرلیا۔ وہ اپنا فرض پورا کرکے دنیا سے منہ موڑ گئی۔ میں اُس کے ادھورے کام پورے کرنے کی بجائے منہ چھپالیتا تو میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہ کرتا۔ ایک پھانس سینے میں چبھتی رہتی......!

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا جب ایک نسوانی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''مسٹر، یہ لاٹھی سیٹ سے ہٹالیجئے...... پلیز۔''

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، وہ ایک حسین دوشیزہ تھی، اندر کے اکھاڑے کی کوئی اپسرا تھی، پری تھی، حور تھی جو بڑی تمکنت سے کھڑی سیّد مجذوب کی اس لاٹھی کی طرف اشارہ کررہی تھی جو میں نے خالی سیٹ سے ٹکادی تھی۔ مجھے تعجب ہوا، جہاز کو ایئرپورٹ سے روانہ ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا، وہ اچانک کہاں سے نمودار ہوگئی؟

''یہ میری سیٹ ہے......'' اُس نے میری حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بڑے پُروقار لہجے میں کہا۔ ''میں جہاز میں سوار ہونے کے بعد ایئر ہوسٹس کی اجازت سے اپنے ایک واقف کار کے ساتھ کچھ دیر کے لئے فرسٹ کلاس میں چلی گئی تھی، جہاز میں کچھ اور نشستیں بھی خالی ہیں۔'' اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے تکلفی سے بات جاری رکھی۔ ''اگر آپ کہیں تو میں کسی دوسری خالی سیٹ پر......؟''

''جی نہیں......'' میں نے جلدی سے سیّد مجذوب کی لاٹھی اپنی طرف کرلی۔ اُس کے مہکتے وجود سے دُوری اختیار کرنا کفرانِ نعمت سے کم نہیں تھا۔ قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے بیشتر مسافر اُسے حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ صرف دیکھے جانے کے نہیں، چاہے جانے کے قابل تھی۔ میرا بس چلتا تو اُسے اپنی پلکوں پر بٹھالیتا، دل کی گہرائیوں میں چھپالیتا۔

وہ اپنے قیامت جسم کو ہلکا سا بل دے کر خالی نشست پر بیٹھی تو اُس کے بدن کی خوشبو مجھے مسحور کرگئی۔ میری نظریں اُس کے سراپا میں گم ہوگئیں۔ وہ دراز قد اور سیمیں بدن تھی، قدرت نے اُسے بڑی فرصت میں تخلیق کیا ہوگا، اُس کے جسم کے ایک ایک نشیب و فراز اپنی مثال آپ تھے، میری نظریں بہکنے لگیں۔ اُس کی بکھری ہوئی دراز زلفیں شانوں پر ناگنوں کی طرح بل کھارہی تھیں۔ اُس کی شبنمی آنکھیں، اُس کے چہرے پر کھیلتی ہوئی مدھم معصوم مسکراہٹ، اُس کے ہونٹوں کا گداز، اُس کے گلابی گالوں کا نکھار، صراحی دار گردن،

سینے کا زیروبم، لباس کی سرسراہٹ، بھینی بھینی خوشبو جو ذہن کو خوابوں کی دنیا کی سیر کرائے، سب کچھ قابل دید تھا۔ وہ قدرت کی تخلیق کا ایک حسین وجمیل شاہکار تھی۔ متحرک مجسمہ تھی، میں اُس کے حسن کی رعنائیوں میں غرق ہوگیا۔ میں نے اپنی زندگی میں ان گنت حسین چہرے دیکھے تھے، مجھے اُن کے قرب کی لذتوں سے سرشار ہونے کا شرف حاصل تھا، وہ میری آغوش میں کھلی کتاب کی طرح پڑی رہتی تھیں، میں اُنہیں ورق ورق پڑھتا تھا۔ لیکن وہ ان سب سے منفرد تھی۔ میری حسن شناس نگاہوں کے لئے ایک نادر اضافہ تھی۔ مجھے اُس کے ہم سفر ہونے پر فخر محسوس ہوا۔ دوسروں کی نگاہوں میں رقابت کے جذبے مچلنے لگے۔

''آپ تنہا ہیں......؟'' میں نے مہذب لہجے میں دریافت کیا۔

''جی نہیں......'' اُس کے شیریں لبوں کو جنبش ہوئی۔ شوخی سے بولی۔ ''آپ بھی تو ساتھ ہیں۔''

میں لاجواب ہوگیا۔ سینکڑوں مسافروں سے بھرے جہاز میں اُس کی بے باکی کا کیا جواب دیتا؟

''آپ کا شبھ نام......؟'' اُس نے مجھے کسمساتا دیکھ کر مترنم لہجے میں دریافت کیا۔

''جمیل احمد خان......'' میں نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔ اُس کے ماتھے کی بندیا دیکھ کر مجھے اُس کے ہندو ہونے کا شبہ ہوا تھا۔ اُس نے میرا شبھ نام پوچھ کر میرے شبے کی تصدیق کر دی۔

''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' اُس کے لہجے میں تاسف اتر آیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ کسی وچار میں گم تھے جب میں نے......''

''جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''یونہی لندن کے کچھ ساتھیوں کو یاد کر رہا تھا۔''

''آپ لندن کس لئے آئے تھے؟''

''سیر و تفریح کی خاطر......''

''کوئی اور آپ کے ساتھ نہیں آیا......؟''

''نہیں......'' میں نے جان بوجھ کر مختصر جواب دیا۔

''اوہ......'' اُس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔ ''پھر تو آپ بڑا اکیلا محسوس کرتے

ہوں گے۔''

''کرتا تھا......اب نہیں۔''

''اب کیا ہوگیا......؟'' وہ میری بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکی۔

''اب آپ جو ساتھ ہیں۔'' میں نے جسارت سے کام لیا، اُسی کا جملہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ واپس لوٹا دیا۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' وہ مسکرا دی۔ ''سفر اچھا کٹ جائے گا۔''

''میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں؟'' میں نے حسن کی سرکشی کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''امریتا......''

''سندر نام ہے، بالکل آپ ہی کی طرح......'' میں روانی میں کہہ گیا۔ اُس نے برا نہیں منایا، مسکرانے لگی۔

ہمارے درمیان اجنبیت کا احساس ختم ہونے لگا۔ میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا۔

''آپ لندن کس کے پاس گئی تھیں......؟''

''تھا ایک کام......'' اُس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''آپ کو تفصیل نہیں بتا سکتی۔''

''آپ کے پتا جی کیا کرتے ہیں......؟''

''لمبا سفر ہے۔'' اُس نے سرگوشی کی۔ ''آپ اتنی جلدی جلدی سب کچھ پوچھ لیں گے تو باقی کیا رہ جائے گا؟''

جہاز کا عملہ ڈرنکس کی ٹرالی لئے آ گیا تو مسافر کھانے پینے میں مصروف ہوگئے۔ ہمارے درمیان اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ امریتا بہت جلدی مجھ سے کھل مل گئی تھی۔ مجھے اس کی اُمید نہیں تھی۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے، برا تو نہیں منائیں گے؟'' اُس نے جوس کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''آپ ایک نہیں دس باتیں پوچھ سکتی ہیں۔'' میں نے فیاضی کا ثبوت پیش کیا۔

''بھگوان نہ کرے آپ کو ٹانگوں کا کوئی روگ تو نہیں ہے؟''

''یہ اندازہ آپ نے کیسے لگایا......؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔
''آپ کے ساتھ یہ لاٹھی دیکھ کر......'' امریتا نے لاٹھی پر نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔
''یہ......'' میرے ذہن میں سیّد مجذوب اُبھر آیا۔ ''یہ میرے ایک دوست کی نشانی ہے۔ میں اسے کبھی خود سے جدا نہیں کرتا۔''
''دوست......اور......لاٹھی، بڑی حیرت کی بات ہے۔'' اُس نے بڑا لطیف طنز کیا۔
''ہر شخص سے پھول ملنے کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔'' میں نے معنی خیز انداز اختیار کیا۔
''کیوں نہیں کی جاسکتی؟'' وہ بڑے قاتلانہ لہجے میں بولی۔ ''تن اُجلا ہو، من میں میل نہ ہو، بول سچے ہوں تو منش کی منوکامنائیں اوش پوری ہوتی ہیں۔''
''آج کل ایسے دل والوں کو تلاش کرنے کی خاطر پوری دنیا کھنگالنی پڑے گی۔'' میں نے دیدہ ودانستہ افسردگی کا اظہار کیا۔ ''اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔''
''آپ مجھے اندر سے دُکھی نظر آتے ہیں۔'' وہ کھانے سے ہاتھ روک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں مستیاں ناچ رہی تھیں۔
''ہونٹوں کی مسکان کبھی کبھی دھوکہ بھی دے جاتی ہے۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ''دل کا بھید ہر کوئی نہیں جان سکتا۔''
''آپ کا کوئی اپنا بچھڑ گیا ہے شاید۔'' امریتا نے اپنائیت سے پوچھا۔ ''کون تھا......؟''
''آپ جل پانی کرتی رہیں۔ میں نے اُسے اُکسانے کو کہا۔ ''میں اپنی کتھا سنانے بیٹھ گیا تو آپ بور ہوجائیں گی۔ دوسرے کے دُکھ کون بانٹتا ہے؟''
''ایک بات کہوں......؟''
''کہئے......'' میں نے سرد آہ بھری۔
''مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاسکتا۔'' وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے بولی۔ ''زندہ رہنے کے کارن بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، بڑی کٹھنائیاں بھوگنی پڑتی ہیں، لوہا زنگ پکڑ لے تو کسی کام کا نہیں رہتا، یہی حال منش کا ہے، کوئی روگ لگے اور اس کا بروقت علاج نہ کرایا جائے تو وہ اور بگڑ جاتا ہے۔ جیون کھٹارے کو گھسیٹنے کے لئے زور تو لگانا پڑتا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانے سے کام نہیں چلتا، ایک راستہ کھوٹا ہوجائے تو دوسرا کھوجنا پڑتا ہے، جیون پرماتما کی سب سے سندر دین ہے، اس کی سندرتا کو بڑھانے کی

خاطر کانٹوں کی نہیں، مہکتے پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو رُوٹھ جائے اُسے منایا جاسکتا ہے، جو بچھڑ جائے اُسے بھولنا پڑتا ہے، یہی دنیا کی ریت ہے۔ جو اس ریت کو توڑ دے وہ بھیڑ سے الگ ہوجاتا ہے، اکیلا بھٹکتا رہتا ہے، اپنی منزل سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔'' وہ بڑی روانی سے زندگی کا فلسفہ بیان کررہی تھی۔ ''ندی کے دو پاٹ کی مثال لے لیں، وہ آپس میں کبھی نہیں ملتے لیکن پانی کا بہاؤ جاری رہتا ہے، بہاؤ تھمنے لگے تو جیون نیا ڈگمگانے لگتی ہے، اسے کنارہ نہیں مل پاتا، کہیں راستے میں ٹھپ ہوجاتی ہے۔ اسے آگے بڑھانے کے لئے منش کو اپنی شکتی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ وہ نراش ہوجائے تو کہانی آگے نہیں بڑھ سکتی، کہانی کو آگے بڑھانے کی خاطر کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے......'' وہ سانس لینے کو رُکی۔
''آپ نے کہاں سے سیکھ لیں یہ باتیں؟'' میں سوال کر بیٹھا۔
''سنسار کی بھیڑ چال نے سکھا دیں۔'' اُس کے گداز ہونٹوں پر ایک اُداس تبسم مچل کر رہ گیا۔ ''جو چیزیں اُوپر سے سندر نظر آئیں، کومل دکھائی دیں، اندر سے بھی ان کا اتنا ہی سندر ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ کنویں کی گہرائی کا اندازہ لگانے کے کارن نیچے جانا پڑتا ہے، ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی، رسموں کو نبھانے کے لئے، سماج میں پگ کی جھوٹی شان برقرار رکھنے کی خاطر چاندی پر سونے کا پانی چڑھانا پڑتا ہے، ملمع کئے ہوئے زیوروں، گہنوں سے کام چلانا پڑتا ہے، سرخ جوڑے میں لپٹی سہمی سہائی نئی نویلی دُلہن کے ماتھے پر جھلملاتے، جگمگ کرتے ٹیکے کی بھاگیہ (قسمت) میں کیا لکھا ہے؟ یہ کون جان سکتا ہے......؟''
''مت کہئے ایسی باتیں۔'' میں اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو نہ پاسکا۔ اُسے ٹوک کر بولا۔ ''کہیں آپ کو میری نظر نہ لگ جائے۔''
وہ بولتے بولتے رُکی تو مجھے یوں لگا جیسے فضا کی ساری نغمگی ختم ہوگئی ہو، سارے سازوں کی آواز ایک ساتھ خاموش ہوگئی ہو۔ میری بات سن کر اُس کی مخمور نگاہوں میں جگنو چمکنے لگے، ستارے جھلملانے لگے۔ اُس کی سنجیدگی میں مسرتوں کے رنگ گھلے تو وہ اور زیادہ حسین بن گئی، اُس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اُسے شاید خوشی تھی کہ وہ میرا دُکھ بانٹنے میں کامیاب ہوگئی۔ میرے سینے میں ارمان ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ قرب و جوار کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے مسافروں کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے، وہ میری قسمت پر رشک کررہے تھے، میرا سینہ فخر سے اور تن گیا۔ میں حسن و جمال کے اس شاہکار کو والہانہ

نظروں سے دیکھ رہا تھا جو میرے ایک جملے سے خاموش ہو کر کسی حسین مجسمے کی طرح اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی اُس معصوم بیر بہوٹی کی مانند جو ذرا سی آہٹ پا کر اپنے سرخ مخملی جسم کو اپنے وجود میں سمیٹ کر ہر خطرے سے بے نیاز سمجھنے لگتی ہے۔ امریتا بھی میرے جذبات میں اُٹھنے والی طغیانی سے بے خبر تھی۔

''اتنے غور سے میرے چہرے پر کیا تلاش کر رہی ہو......؟'' میں نے بے تکلفی بڑھانے کی خاطر 'تم' کا صیغہ استعمال کیا۔

''میں آپ کو کیا سمجھوں؟'' اُس کے لبوں کو جنبش ہوئی تو دانتوں کے موتی بکھرتے نظر آئے۔ اُس نے بڑی معصومیت سے بات جاری رکھی۔ ''کوئی شاعر، کوئی چتر کار، مصنف، نغمہ نگار، کوئی سنگتراش یا...... جادوگر؟''

''اس کے علاوہ بھی بہت سارے شعبے باقی رہ جاتے ہیں۔'' میں نے دبی زبان میں کہا۔

''وہ آپ بتا دیں......؟'' اُس نے اپنی صراحی دار گردن کو ذرا خم دے کر اپنی تمام تر توجہ میری جانب مبذول کر لی۔

''تم مجھے کوئی دیوانہ بھی کہہ سکتی ہو، کوئی راہ بھٹکا ہوا مسافر جس کی کوئی منزل نہ ہو، کوئی دیوداس، مجذوب، عقل و خرد سے بیگانہ کوئی پاگل، کوئی پجاری جو دیوی کے چرنوں پر سارا جیون بھینٹ کر دینے کے بعد بھی شانت نہیں ہوتا، بیاکل ہی رہتا ہے۔''

''آج اگر میں یہ فلائٹ مس کر دیتی تو مجھے ہمیشہ دُکھ رہتا۔'' امریتا کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''وہ کیوں......؟'' میں انجان بن گیا۔

''آپ جیسا متر نہ مل پاتا......'' اُس کے جملے میں بڑی گہرائی تھی، اُس کی آنکھوں سے چھلکنے والی شراب مجھے مدہوش کر گئی۔

''جانتی ہو امریتا، مسافر ایک دوسرے سے کیوں ملتے ہیں؟'' میں نے اُسے اپنے تجربے کی بھٹی میں پگھلانے کی خاطر ایک طویل سانس لے کر پوچھا۔

''کیوں......؟'' وہ مجسم اضطراب نظر آنے لگی۔

''ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کی خاطر......''

''ضروری تو نہیں......'' اُس نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''ساتھ آٹھ گھنٹے کا سفر کسی مسافر کی آخری منزل نہیں ہوتا۔ لگن سچی ہو، پریم پوتر ہو اور من میں کسی سے ملنے کی آشا ہو تو

جیون کے کسی موڑ پر کبھی بھی، کہیں بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔''

''ہاں، تم شاید ٹھیک کہتی ہو۔ منش کو اتنی جلدی نراش نہیں ہونا چاہئے۔''

''آپ نے ہندی زبان باقاعدہ سیکھی ہے یا مجھے خوش کرنے کی خاطر بول رہے ہیں؟'' اُس کے لہجے میں شوخی تھی، شرارت تھی۔ میں نے موقع ضائع نہیں جانے دیا، اُس کی نیلگوں آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''تمہیں خوش کرنے کی خاطر تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

''سچ......؟'' وہ اور زیادہ بے تکلف ہو گئی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا......''

''آزما کر دیکھ لو۔'' میں نے اُس کی نگاہوں میں چھلکتے ہوئے ساغر میں ڈوب جانے کی جسارت کی، اُس نے خفگی کا اظہار نہیں کیا، بڑی محبوبیت سے ہونٹوں پر تبسم سجا کر بولی۔

''آزمائی ہوئی چیزوں کو دوبارہ پرکھنے کی کیا ضرورت ہے......؟''

''کیا مطلب......؟'' میں چونکا، میرے ذہن میں اُن لاتعداد مہ جبینوں کے چہرے اُبھر کر گڈمڈ ہونے لگے جو کسی نہ کسی انداز مین میرے تصرف میں آ چکی تھیں۔ کبھی کسی سے رات کے اندھیرے میں انکارانی نے ملاقات کرا دی، کبھی سابقہ تجربوں کی روشنی میں، میں نے کسی پر کمند ڈال دی، میں نے ان مہ جبینوں، شعلہ بدن حسیناؤں، زہرہ جبینوں کی کوئی فہرست مرتب نہیں کی تھی۔ کس کس کو یاد رکھتا؟ کسے بھول جاتا؟ کون کہاں ملی تھی؟ کن حالات میں میری سرکشی اور بدنصیبی کا شکار ہوئی تھی؟ کسے یاد تھا......؟

میرے ذہن میں کھلبلی مچ گئی، میں ماضی کی تاریک کوٹھڑی میں دفن چہروں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، شاید کوئی امریتا سے ملتی جلتی صورت نظر آ جاتی تو میں کوئی خوبصورت بہانہ تراش کر اُسے بہلا دیتا...... مجھے مایوسی ہوئی، ماضی کے دُھندلکوں سے کوئی ایسی صورت نہیں اُبھری جس پر امریتا کا گمان کیا جا سکتا۔ وہ اُن سب سے منفرد تھی۔ ٹہنی پر مچلتے مہکتے تازہ گلاب کی مانند۔ اُس کی آنکھوں کی معصومیت، چہرے کا بھولپن، بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ ابھی تک کسی مرد کی آغوش کی تپش کی آنچ نے اس کے کومل جسم تک شرف باریابی کا اعزاز حاصل نہیں کیا۔ یہ میرا مشاہدہ تھا، ایک تجربہ کار شکاری کی سوچ تھی جس میں کسی ترمیم اور اضافے کی گنجائش نہیں تھی۔

'پھر...... وہ کون تھی؟' میں اپنے آپ سے اُلجھنے لگا، کئی وسوسوں نے مجھے گھیرنے کی

کوشش کی۔ ’’ممکن ہے وہ مجھے کسی اور طرح سے جانتی ہو؟ اس نے کہیں کسی کے ساتھ مجھے دیکھ لیا ہو...... میری روندی ہوئی لڑکیوں میں سے کسی نے اسے میری داستان سنا دی ہو...... اسے کہیں سے میری تصویر کے دوسرے رُخ کی بھنک مل گئی ہو......‘‘ بہت سارے امکانات تھے، سچائی کی راہ پر چلنے والوں کو دنیا بہت جلد فراموش کر دیتی ہے، وہ اکثریت میں زیادہ نہیں ہوتے، گناہ کے راستوں پر مسافروں کی بھیڑ بھاڑ زیادہ ہوتی ہے پھر بھی انہیں یاد رکھا جاتا ہے، عنوان سے خاکے بنائے جاتے ہیں، خاکوں سے کہانی اُبھرتی ہے، کہانی میں زیب داستان کے لئے رنگ بھرے جاتے ہیں تاکہ سننے والا متاثر ہو، افسانوں میں اسی طرح جوڑ لگتے جاتے ہیں، بات ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک منتقل ہوتی رہتی ہے، یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا، ہمیشہ جاری رہتا ہے، سینہ بہ سینہ چلتا رہتا ہے۔ نیک پروین کی باتیں ذہنوں میں زیادہ دنوں بسیرا نہیں کرتیں، اُمراؤ جان اداؔ گھنگھرو باندھے دل و دماغ میں تھرکتی رہتی ہے۔

امریتا کا جملہ میرے ذہن میں سیارے کی طرح گردش کرتا رہا۔ میں نے اپنی زندگی کی پوری لغت کھنگال ڈالی، مجھے اس کا کوئی سراغ، کوئی سرا نہیں ملا۔

’’کیا سوچنے لگے......؟‘‘ امریتا کی آواز مندر کی گھنٹیوں کی طرح میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں کسمسا کر رہ گیا، کیا جواب دیتا؟

’’آپ مسلمان ہیں، آواگون پر یقین نہیں رکھتے، اس لئے اُلجھ گئے۔‘‘ اُس نے معصومیت سے کہا۔ ’’میں نے آپ کو چھیڑنے کی خاطر یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔ شاید ہم پچھلے جنم میں کبھی مل چکے ہوں......‘‘

’’آپ وشواس رکھتی ہیں ان باتوں پر......؟‘‘ میں نے اطمینان کا سانس لے کر پوچھا، دل سے ایک بوجھ اُتر گیا۔

’’پہلے نہیں تھا، آج کچھ کچھ ہو رہا ہے۔‘‘ اُس نے پھر ایک مبہم بات کہہ دی۔

’’میں سمجھا نہیں......؟‘‘ میرے دل کا چور پھر خوفزدہ ہو گیا۔

’’اگر میں پچھلے جنم میں آپ سے نہ ملی ہوتی تو اتنی جلدی بے تکلف نہ ہوتی۔‘‘ وہ مسکراتے مسکراتے یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ ’’آپ پہلے پرش ہیں جسے دیکھ کر مجھے یوں جان پڑا جیسے میں آپ کو برسوں سے جانتی ہوں۔‘‘

’’میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں؟‘‘ میں نے اُسے شوخ نظروں سے دیکھا۔ ’’اپنے جسم پر چٹکی بھر کر تصدیق کروں کہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟‘‘

’’میں نے آپ سے ایک جھوٹ بھی بولا ہے۔‘‘ اُس نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے مسکرا کر اعتراف کیا۔ ’’میں فرسٹ کلاس میں کسی واقف کار کے ساتھ نہیں، اپنے گرو کے ساتھ بیٹھی ہوں۔ آپ کو جہاز میں چڑھتا دیکھ کر مجھے ایسا ہی لگا...... جیسے میں آپ کو پہلے سے جانتی ہوں، بہت سوچ وچار کے بعد آپ سے ملنے کی ٹھان لی۔ گرو مہاراج سے ایک سہیلی سے ملاقات کا بہانہ کر کے آئی ہوں۔ اب آگیا (اجازت) دیں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہو گی۔‘‘

وہ مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اُٹھی۔ میں نے اُسے روکنا چاہا، وہ مجسم شراب تھی، حلق کے نیچے اُترنے سے پہلے نشہ کر گئی تھی۔ میرے حلق میں کانٹے چبھنے لگے، جسم پر شہد کی مکھیاں ڈنک مارنے لگیں، پانی سے بھرا گلاس سامنے ہو اور ایک قطرہ بھی پیاسے کے حلق میں نہ ٹپکے تو پیاس کی شدتیں اور بڑھ جاتی ہیں، میں بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ وہ آہستہ سے کمر کو لوچ دے کر سیٹ کے درمیان سے نکل گئی۔ جاتے جاتے اُس نے اپنے کھانے کی ٹرے میرے سامنے رکھ دی۔ میری بے چین نظریں اُس کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ ڈار سے بچھڑی کسی ہرنی کی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی فرسٹ کلاس میں چلی گئی۔ درمیان میں پردہ حائل ہو گیا۔ حسرتیں مچل کر رہ گئیں۔ اُس کے وجود کا مہکتا مسکراتا عکس میرے ذہن میں لہراتا رہا۔

امریتا کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن کمسنی میں ہی اُسے دل کے تاروں کو چھو لینے کا فن آگیا تھا۔ میں بڑی دیر تک اُسی کے بارے میں سوچتا رہا، ایئر ہوسٹس آئی۔ کھانے کی ٹرے دیکھ کر کاروباری مسکراہٹ اُس کے لبوں پر پھیل گئی۔

’’سر...... آپ نے کچھ کھایا نہیں......؟‘‘

خوبصورت یونیفارم میں اُس کا دراز قد بھلا لگ رہا تھا۔ وہ خوش شکل تھی، میک اپ کے کمال نے اُس کے حسن کو اور سجا بنا کر نکھار دیا تھا، تنگ یونیفارم اُس کے جسم سے دھینگا مشتی کرتا نظر آ رہا تھا۔ یہ سب من چلے مسافروں کے دل بہلانے کے ڈھنگ ہوتے ہیں۔ پرانے جال میں نئی مچھلیاں نہیں پھنستیں۔ میں نے بھی کھیل کے میدان میں پہلی بار قدم

نہیں رکھا تھا، اب ریٹائرمنٹ کا وقت قریب آنے کو تھا، میری تجربہ کار نگاہوں میں دُھول نہیں جھونکی جا سکتی تھی۔ ایئر ہوسٹس ایک کاغذی پھول تھی، مہک سے بے نیاز۔ امریتا تروتازہ گلاب تھی جس کی نازک پنکھڑیوں پر کسی بھنورے کی نظر نہیں پڑی تھی۔ بڑا فرق تھا دونوں میں۔

"بھوک نہیں ہے......" میں رسماً مسکرا دیا۔

"آپ کی ساتھی کہاں چلی گئیں؟" اُس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"فرسٹ کلاس میں......" میں سنجیدہ ہو گیا۔ وہ خاموشی سے برتن سمیٹ کر چلی گئی۔ میں نے مسافروں کی سمت دزدیدہ نظروں سے دیکھا، اب کوئی میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ سب کے دل کو قرار آ گیا تھا۔ میں نے آنکھ بند کر کے دوبارہ پشت سے سر ٹکا لیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی کو میں نے ٹانگوں کے درمیان محفوظ کر رکھا تھا، میرے ذہن پر بدستور امریتا کا تصور کلبلا رہا تھا، میں اُسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُس کی معصوم باتیں صدائے بازگشت بن کر میرے کانوں میں گونج رہی تھیں، مجھے کسی کروٹ چین نہیں مل رہا تھا۔ معاً میرے دل میں ایک خیال اُبھرا۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کی بے شمار مشقیں کر رکھی تھیں، میں دُور ہونے کے باوجود امریتا کے قریب پہنچ سکتا تھا، اُس کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر معلوم کر سکتا تھا کہ اُس نے مجھ سے جو باتیں کی تھیں اس میں کیا سچ تھا، کیا جھوٹ تھا؟ میں اُس کے ذہن میں گھس کر اُسے دوبارہ اپنے پاس آنے کا حکم دے سکتا تھا۔ میرے پاس پراسرار طاقتوں کے ذخیرے کی کوئی کمی نہیں تھی، انکا ہوتی تو ایک اشارے میں میری مشکل آسان کر دیتی، امریتا نہ چاہنے کے باوجود میرے قریب آ جاتی۔ میں پھر اُس کی خوبصورت چھیڑ چھاڑ سے محظوظ ہونے لگتا، انکا اُس کے سر پر بیٹھی رہتی، مسافروں کی نگاہیں پھر ہماری طرف اُٹھنے لگتیں۔ اُن کے دلوں پر آرے چلتے، میں مسکراتا رہتا۔ ہم کُھل مل کر باتیں کرتے رہتے۔ مجھے کچھ دریافت کرنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑتی، امریتا ازخود اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیتی، کوئی راز، راز نہ رہتا۔ لیکن انکا اس وقت میرے سر پر نہیں تھی۔ ابھی تک سیاہ فام مورینا کا "کاک ٹیل" خون پینے میں مصروف ہو گی۔ نہ ہوتی تو پلک جھپکتے میں واپس آ جاتی۔

میں نے ارتکاز کا حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اسی وقت میرے سر پر ایک

خوشگوار دھماکہ ہوا...... میں نے عالمِ تصور میں دیکھا، انکارانی میرے سر پر موجود تھی۔ اُس کا چہرہ خون کی طاقت ور غذا حاصل کر لینے کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔ قندھاری انار کی مانند اُس کے ہونٹوں کی لالی بڑھ گئی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں خمار ہی خمار تھا۔ دونوں ہاتھ کولہوں پر جمائے میرے بالوں کے درمیان کھڑی مجھے بڑی خمار آلود نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کاک ٹیل خون کا تجربہ کیسا رہا......؟" میں نے دریافت کیا۔

"ایک دم ایکسیلنٹ...... ونڈر فُل۔" انکا نے نشے میں لڑکھڑاتے ہوئے کسی حسین، کافر ادا فرنگن کی نقل اُتاری۔

"بہت خوش نظر آ رہی ہو...... انکارانی۔"

"نو، نو......" وہ کولہے مٹکانے لگی۔ "انکا نہیں...... صرف رانی کہو جمیل، اپنے دل کی رانی، کوئن آف ہارٹ۔"

"میں نے تمہارے بہت رُوپ دیکھے ہیں، آج ایک نئے رُوپ میں نظر آ رہی ہو......" میں مسکرا دیا۔

"نظر مت لگاؤ مائی سویٹ ہارٹ۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر ایک ادا سے بولی۔ "بہت عرصے بعد میری خواہش کی تکمیل ہوئی ہے، مورینا کے خون کی لذت...... اُف...... آہ......" انکا ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ "میں نے تم سے غلط نہیں کہا تھا، سیاہ فام عورتوں کے خون کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ میرے حسن کے نکھار کو ذرا تنقیدی نظروں سے دیکھو، کیا اس وقت میں کسی مس یونیورس سے کم نظر آ رہی ہوں؟ ایمان سے فیصلہ کرنا، ڈنڈی مارنے کی نہیں ہو گی، تمہیں میری قسم۔"

"تم تو ہمیشہ سے سدا بہار ہو، البتہ آج تمہارے جوبن پر ایک نیا نکھار دیکھ رہا ہوں۔"

"جمیل......" انکا نے محبوبانہ انداز میں سرد آہ بھری۔ "ایسی ہی پیاری پیاری باتیں کیا کرو...... اُداس مت ہوا کرو۔"

"یہ اداکاری کب تک جاری رہے گی؟" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔"

"مجھے تمہیں ستانے میں مزہ آتا ہے۔" جواب میں وہ سر پر اوندھی لیٹ گئی، دونوں کہنیوں کو بالوں پر ٹیک کر اپنا چہرہ ہتھیلیوں پر رکھ کر بڑے مستانہ انداز میں ٹانگیں فضا میں

آگے پیچھے لہراتے ہوئے بولی۔ ''تم قسمت کے بڑے دھنی ہو جمیل، بڑے بڑے پنڈت پجاری مجھے حاصل کرنے کے لئے برسوں منڈل میں بیٹھے جاپ کرتے رہتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔ کوئی کسی مرگھٹ کے ویرانے میں میرے خواب دیکھتے دیکھتے لڑھک جاتا ہے، چیل کوے اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے ہیں، کوئی کسی برف پوش پہاڑی کی گپھا میں بیٹھے بیٹھے سردی سے اکڑ کر جم جاتا ہے، اس کی چتا کو آگ بھی نصیب نہیں ہوتی...... ایک تم ہو، وہ پہلے شخص جس نے انکارانی کا دل موہ لیا۔ میں نے خود سے تمہارے سر پر بسیرا کرلیا۔''

''اور کچھ......؟''

''ہاں......'' انکا نے بڑے جذباتی انداز میں جواب دیا۔ ''آج میں نے پہلی بار تمہیں اپنا دل چیر کر دکھانے کی کوشش کی ہے، آج مجھے مت ٹوکنا جمیل، آج صرف مجھے بولنے دو، تم سنتے رہو۔''

''جلدی جلدی کہہ ڈالو، میرے پاس وقت کم ہے......''

''ایسی بے رُخی سے بات مت کرو۔'' وہ ٹھنک کر بولی۔ ''آج تم نے میرے جوبن کے نکھار کی بات کی ہے، مجھے اچھا لگا۔ یقین جانو، اگر میں حقیقت کا رُوپ اختیار کرسکتی تو تمہاری زندگی میں میرے سوا کوئی دوسری عورت قدم رکھنے کی جرأت نہ کرپاتی۔ میں رُوپ بدل بدل کر تمہارے اندر چھپے ہوئے شیطان کو گدگداتی رہتی، تم سے چہلیں کرتی، تمہارے دل کو گرماتی، تم اپنے داؤ پیچ اختیار کرتے، میں اپنی اداؤں سے تمہیں دیوانہ کر دیتی، مزہ دو آتشہ ہوجاتا۔ کبھی میں رُوٹھ جاتی، تم میری ناز برداریاں کرتے۔ کبھی تم خفا ہو جاتے تو میں تمہارے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول جاتی، میرا قرب تمہاری خفگی کی ساری پول کھول دیتا......''

''باقی آئندہ......'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''تم نے لندن سے روانگی سے قبل آرتھر کو مزہ چکھانے کی بات کی تھی؟''

''ارے ہاں......'' انکا اُٹھ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، سنجیدگی سے بولی۔ ''میں تمہیں بتانا بھول گئی کہ اب پولیس آفیسر لوئیس آرتھر کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔''

''میں سمجھا نہیں......'' میں نے وضاحت طلب کی۔

''ایک طرف اُس غریب کو اپنی ملازمت بچانے کے لئے عدالت میں اس بات کا

تحریری وضاحتی جواز پیش کرنا ہوگا کہ اُس نے تمہارے خلاف جھوٹا کیس بنانے کی غلطی کیوں کی؟ دوسری طرف مورینا کی لاش اُس کے گلے پڑ جائے گی۔''

''مورینا کی لاش سے آرتھر کا کیا تعلق؟'' میں چونکا۔

''وہ تمہیں جس ہٹ میں لے گئی تھی وہ کسی اور کی نہیں...... آرتھر کی ملکیت تھی۔'' انکا کے گلابی ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیلنے لگی، چٹخارہ لیتے ہوئے بولی۔ ''وہ کار بھی آرتھر کے ایک قریبی دوست کی تھی جسے تم ایئرپورٹ پر چھوڑ آئے ہو۔ آرتھر گلے گلے پھنس چکا ہے۔ مورینا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سامنے آئے گی تو پورے لندن میں کہرام مچ جائے گا۔ میں نے اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا...... پولیس آفیسر کا دوسرا خطرناک رُوپ، اُس نے جیوری کی ایک ممبر کو ریپ کرنے کے بعد اُس کا خون پی ڈالا، فلموں کا ڈریکولا انسانی شکل میں...... اخبار کی یہ سرخیاں تہلکہ مچا دیں گی، ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا، خود آرتھر بھی اپنے بارے میں یہ سب کچھ سننے کے بعد غش کھا کر گر پڑے گا، بڑے بڑے دماغ چکرا جائیں گے، لوگ سہم کر راتوں کو گھر سے نکلنا چھوڑ دیں گے۔''

''کچھ کل کے بارے میں بھی غور کرلو......'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ بمبئی ایئرپورٹ پر کچھ لوگ ہمارے سواگت کے لئے تیار بیٹھے ہوں۔''

''میں تمہارا اشارہ سمجھ گئی......'' انکا اُٹھ کر میرے سر پر ٹہلنے لگی۔ اُس کے چہرے کے تاثرات گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے لگے، ایک لمحہ پیشتر وہ موج مستی کی باتیں کررہی تھی، آرتھر کو چوہے دان میں پھنسا کر خوش گپیوں میں مگن تھی اور اب اُس کے چہرے پر بھڑکتی آگ کے شعلوں کی لپٹ کپکپا رہی تھی...... ''تم فکر مت کرو جمیل، میں جو تمہارے ساتھ ہوں......''

''تم اُس وقت بھی میرے ہمراہ تھیں جب اُس حرامزادے امرلال نے اپنے جنتر منتر سے میری معصوم کلدیپ کو بدری نرائن کی موجودگی میں ننگا کردیا تھا، اُس غریب کے ننگے بدن پر بڑے بڑے آبلے اُگ آئے تھے۔ میں بھی ششدر رہ گیا تھا، کلدیپ کا کالی کو دیا ہوا وچن کام نہ آتا تو میری اور تمہاری قوتیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔ لن ترانیوں کا بھرم خاک میں مل جاتا، ترکی تمام ہوجاتی، امرلال کے اشارے پر وہ حرامی بدری نرائن، میرا سب سے بڑا دشمن، میرا سر کاٹ کر کسی بڑے مندر کے دروازے پر لٹکا دیتا...... پجارنیں

اور دیوداسیاں کالی کی شان میں بھجن الاپنے لگتیں، میری کہانی ختم ہو جاتی۔ تم کسی اور کے سر پر چلی جاتیں۔''

''ایسی باتیں مت کرو جمیل۔'' انکا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''اس بار ویسا نہیں ہو گا۔''

''پھر کیا ہوگا......؟'' میں نے جھلا کر پوچھا۔ ''کیا تم جادو کی چھڑی گھماؤ گی اور وہ سب ہیجڑے بن کر ٹھمکنے لگیں گے؟''

''مجھے سوچنے دو۔'' انکا کے چہرے پر طاری سنجیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میں اُس کے تیور دیکھتا رہا، میں جانتا تھا وہ کمزور نہیں ہے، لازوال قوتوں کی مالک تھی، زمین کے اندر گھپ اندھیروں میں جھانک سکتی تھی، سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر سکتی تھی۔ اُس کے پنجوں کی تیز چبھن انسانی ذہن کو ہپناٹائز کر سکتی تھی۔ کسی بھی شخص کو اپنا معمول بنا کر اُس کا بھید جان سکتی تھی، اشاروں پر نچا سکتی تھی۔ پریتم لال کے علاوہ کلدیپ کی آتما نے بھی مجھے انکا کی قوتوں سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اُنہوں نے غلط نہیں کہا ہوگا لیکن میں انکا کی مجبوریوں سے بھی واقف تھا، پراسرار قوت رکھنے والوں پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ کئی موقعوں پر میں نے انکا کو سہم کر نظریں چراتے بھی دیکھا تھا، پریتم لال کو دیکھ کر اُس کے چہرے کا رنگ فق ہو جاتا تھا، کلدیپ کی موجودگی میں وہ میرے سر سے اُتر جاتی ...... سادھو جگدیو بھی اُسے ایک بار جاپ منتر کے ذریعے قابو کر کے میرے حوالے کر چکا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہندوستان کے بڑے بڑے جغادری پنڈت اور پجاری انکا کے حصول کی خاطر جاپ کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انکا ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ لیکن دیوی دیوتاؤں کے معاملے میں وہ بھی ایک خاص حد تک محدود رہنے کی پابند تھی۔

جو میری ماضی کی داستان پڑھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بالشت بھر کی وہ فتنہ میری زندگی میں کیا کیا گل کھلا چکی ہے۔ وہ میرے سر پر نہ آتی تو یہ سارے ہنگامے بھی نہ ہوتے، نہ مجھے اس کی کہانی رقم کرنی پڑتی، نہ آپ کو اس کا انتظار رہتا۔ مگر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انکا ایک حیرت انگیز طلسمی قوت کا نام ہے۔ وہ جب مسکراتی ہے تو فطرت کی تمام رنگینیاں اُس کے ننھے سے وجود میں سمٹ آتی ہیں۔ جب اُس کی آنکھوں سے شعلے لپکتے ہیں تو بڑے بڑے سورما کانپ اُٹھتے ہیں، وہ دشمنوں پر قہر بن کر ٹوٹنے میں اپنا ثانی

نہیں رکھتی۔ اس کے لئے وقت اور فاصلوں کی کوئی قید نہیں، اندھیرے اس کا راستہ نہیں روک سکتے، طوفان کی شدتیں اُسے دیکھ کر اپنا رُخ بدل دیتی ہیں۔ وہ جس پر بجلی بن کر ٹوٹی اُسے جلا کر راکھ کر دیا، میں نے جو چاہا اُس نے پورا کیا۔ وہ میری پابند نہیں تھی۔ میں نے اُسے حاصل کرنے کی خاطر نہ بدن پر بھبھوت ملا، نہ پیشانی پر زردی تھوپی، نہ حصار میں بیٹھ کر کوئی جنتر منتر پڑھے۔ وہ از خود میرے سر پر آ گئی۔ اُس نے مجھے اذیتیں پہنچائیں، ایک ہاتھ سے بھی محروم کر دیا، لیکن ان اذیتوں کے مقابلے میں اُس کے احسانات بے شمار ہیں۔ ہمارے درمیان بس اچانک ایک رشتہ قائم ہو گیا۔ وہ میری زندگی کا ایک اٹوٹ انگ بن گئی...... وقتی جدائی ہم دونوں کے پیروں میں مجبوریوں کی بیڑیاں ڈال دیتی، وہ کسی دوسرے کے قبضے میں چلی جاتی تو غیروں کی طرح نظریں پھیر لیتی۔ جب دوبارہ واپس آتی تو میرے گن گانے لگتی۔ میں اُس کا عاشق تھا، وہ میری محبوبہ تھی۔ میری خوشی کی خاطر اُس نے بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے۔ میں بھی کئی بار اُس کی خاطر موت کے منہ میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

میں انکا کو سر پر ٹہلتے دیکھتا رہا، اُس کی اضطرابی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی وہ ہونٹ چبانے لگتی، کبھی ٹہلتے ٹہلتے رُک کر اس طرح خلاء میں گھورنے لگتی جیسے کسی خطرے کی بو سونگھ رہی ہو۔ کبھی اس طرح ہاتھ ملنے لگتی جیسے کسی غلطی پر کف افسوس مل رہی ہو۔ میں نے اُسے اس قدر بے چین کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''کس غم میں دُبلی ہو رہی ہو انکا رانی؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ......''

''تمہارا اندازہ غلط نہیں تھا۔'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اُنہیں تمہاری واپسی کی خبر ہو گئی ہے۔''

''اچھا ہے......'' میں زہر خند سے بولا۔ ''زندگی میں ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا، ہنگامے دوبارہ شروع ہوں گے تو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوگا۔''

''وہ تمہاری وحشتوں کی کہانی نہیں بھولے۔'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''پنڈت نول کشور نے کالی کے پورے مندر کے گرد منڈل کھینچ رکھا ہے، خود اندر بیٹھا اپنے چیلوں کو پیادوں کی طرح آگے بڑھنے پر اُکسا رہا ہے۔''

''میں جانتا ہوں، تم منڈل میں داخل نہیں ہو سکتیں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں

جواب دیا۔

''جمیل۔'' اُس نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''تم جو کہہ رہے ہو، وہ غلط نہیں ہے۔ میری مجبوریوں کا فائدہ اُٹھا کر دشمن تم پر وار کر جاتے ہیں، لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تمہارے ساتھ مہاراج پریتم لال کا آشیرباد بھی ہے، سیّد مجذوب کی کراماتی لاٹھی بھی ہے، نندا کے خون سے اشنان کر کے تم نے جو شکتیاں حاصل کی تھیں اس کا ذکر کمپالا بھی کر چکا ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں پریتم لال کے سر پر تھی تو تم نے مجھے بھی دھتکار دیا تھا، میں اُس وقت پریتم لال کی غلام تھی، اُس کے قبضے میں تھی۔ میں تمہاری لال پیلی آنکھیں دیکھ کر آگ بگولا ہوگئی، میں نے تمہیں قابو کرنے کی کوشش کی لیکن تم پر میرا کوئی وار کارگر نہ ہوسکا، میں نے تمہیں یہ بات پہلے نہیں بتائی۔''

''آج کیا ضرورت پیش آگئی......؟'' میں نے بیزاری کا اظہار کیا۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم نول کشور کے مقابلے میں زیادہ شکتی کے مالک ہو مگر جوش میں آکر ہوش سے بیگانہ ہوجاتے ہو۔ میری بات بھی نہیں سنتے۔ اس بار ایسا مت کرنا۔'' انکا نے میری سابقہ غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بل کھا کر کہا۔ ''کنجروں کے ساتھ جنگ کرتے وقت تمہیں میرے مشوروں کا خیال رکھنا ہوگا۔ ہم دونوں مل کر ہزاروں پنڈت پجاریوں کا کریا کرم کرسکتے ہیں، میری بات دھیان میں رکھنا، بھول مت جانا۔''

''کل کی فکر چھوڑو انکارانی، میں نے یونہی ایئرپورٹ پر سواگت والی بات کہہ دی تھی۔'' میں نے ذہن پر طاری کسلمندی دُور کرنے کی خاطر بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ ''جو مقدر میں رقم کردیا گیا اسے کوئی نہیں ٹال سکتا، کل کے غم میں گھلنے کی بجائے جو کچھ آج ہاتھ آرہا ہو اُسے سمیٹنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔''

''تم مجھے اندر سے کچھ بے چین نظر آرہے ہو۔'' انکا نے مجھے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''کیا بات ہے؟ مجھے نہیں بتاؤ گے؟''

''ہم جس جہاز میں سفر کررہے ہیں اس میں ایک قیامت بھی ساتھ ہے۔'' میں نے امریتا کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے وہ میرے ساتھ بیٹھی کسی اور دنیا کی سیر کرا رہی تھی، اُس کی نگاہوں میں جادو تھا، بڑی مقناطیسی شخصیت کی مالک تھی، میرے دل میں نقب لگا کر چلی گئی۔ میں مسافروں کی وجہ سے اُس کا ہاتھ نہیں تھام سکا، اس

سے پہلے میں نے اُس جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔''

''کہاں چلی گئی......؟''

''فرسٹ کلاس میں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اپنے گرو کے پاس... چیلا ٹاپتا رہ گیا۔''

''گرو کے پاس......؟'' انکا کی نگاہوں میں تجسّس کا رنگ اُبھرنے لگا۔ اُس نے خلاء میں گھورنا شروع کیا۔ اُس کی آنکھیں حلقوں میں بڑی تیزی سے گردش کررہی تھیں، گرو کا لفظ سن کر وہ نہ جانے کس فکر میں مبتلا ہوگئی تھی۔

''تم اُس کے سر پر چلی جاؤ انکارانی۔'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''وہ ساتھ ہوگی تو سفر آسانی سے کٹ جائے گا۔''

''جمیل۔'' انکا نے میری بات نظرانداز کر کے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''اس جہاز میں بھی ہمارے لئے ایک خطرہ موجود ہے۔ مجھے دیکھنا پڑے گا کہ تم کس گرو کی بات کررہے ہو۔ وہ جو کوئی بھی ہے، میری نگاہوں سے بچ نہیں سکے گا، تم کچھ دیر صبر کرلو۔ میں ابھی اپنا شکار تلاش کر کے واپس آتی ہوں۔''

انکا میرے سر سے اُترنے کو پر تول رہی تھی جب جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ مسافروں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ مائیک سے میزبان خاتون کی آواز اُبھرنے لگی۔

''مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی حفاظتی بیلٹ باندھ لیں۔ جہاز کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے، معمولی سی فنی خرابی پیدا ہوگئی ہے جسے ماہرین کچھ دیر میں ٹھیک کرلیں گے......شکریہ۔''

''یہ جھوٹ ہے......'' انکا تلملا کر بولی۔ ''جہاز فنی خرابی کی وجہ سے نہیں، کسی اور وجہ سے ڈگمگایا ہے۔''

''اور کیا وجہ ہوسکتی ہے......؟''

''ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم نہیں دیکھ سکتے جمیل، لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ دُھوئیں کی ایک چادر میری نظروں کے سامنے پھیل رہی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں......؟'' میں نے سیّد مجذوب کی لاٹھی پر گرفت مضبوط کرلی۔

مسافروں کے ہونٹ متحرک نظر آنے لگے۔ وہ موت سے نجات حاصل کرنے کی خاطر

اپنے اپنے انداز میں دُعائیں مانگ رہے تھے۔ اُن کے چہروں پر خوف طاری تھا۔ کچھ دیر پہلے خوش گپیوں میں مصروف افراد اب سہمے سہمے بیٹھے تھے۔ ایک ہی جھٹکے نے اُن کے سارے حوصلے پست کر دیئے، شکلوں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ مہ جبینیں اپنی اپنی نشستوں پر پہلو بدلنے لگیں، موت کے تصور نے اُنہیں ہراساں کر دیا تھا۔ جہاز نے دوسرا جھٹکا کھایا تو ضبط کا بندھن بھی ٹوٹ گیا۔ متعدد مرد و خواتین گھٹی گھٹی آواز میں چیخ اُٹھے۔ انکا وحشت سے آنکھیں پھاڑے کچھ تلاش کر رہی تھی، مسافروں کی چیخ کی آوازیں سن کر ایک ایئر ہوسٹس قدم بڑھاتے سامنے آگئی۔

''آپ لوگوں نے افراتفری پھیلانے کی کوشش کی تو ہمیں مزید دُشواریوں کا سامنا درپیش ہوگا۔'' اُس نے ہاتھ میں دبے مائیک پر بلند آواز میں کہا۔ ''پلیز، ہمارے ساتھ تعاون کریں، اپنی اپنی نشستوں پر سکون اور اطمینان سے تشریف رکھیں۔ ہمارے فضائی انجینئرز نے فنی خرابی دریافت کر لی ہے، پانچ دس منٹ بعد ہم دوبارہ سکون سے سفر کر رہے ہوں گے......''

انکا کی نظریں کسی دبیز چادر کے اس پار دیکھنے میں مصروف تھیں۔

''تم کیا محسوس کر رہی ہو......؟'' میں نے اس بار اُسے ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا۔

انکا کی آنکھوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا بند کر دیا۔ اُس کی نظریں میری نشست سے دو قطار آگے بیٹھے ہوئے ایک اَدھیڑ عمر کے مسافر پر جم گئیں، اُس کے تیور غضبناک ہونے لگے۔

''میں نے اُسے پالیا ہے۔'' اُس نے ادھیڑ عمر والے مسافر کو قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''جہاز میں کوئی فنی خرابی نہیں ہوئی، یہ سب اُسی پنڈت نول کشور کی حرامزدگی معلوم ہوتی ہے جو دُور بیٹھا کھیل تماشے کر رہا ہے۔''

''تم نے کسے پالیا ہے......؟'' میں نے جھلا کر پوچھا۔ ''مجھے کھل کر بتاؤ، تم کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا محسوس کر رہی ہو......؟''

''اُس نیلے کوٹ والے کو دیکھ رہے ہو جو معصوم بنا بیٹھا بے پرواہی سے میگزین کے ورق اُلٹ پلٹ کر رہا ہے۔'' انکا نے ادھیڑ عمر والے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے تم سے دُھوئیں کی جس دبیز چادر کا ذکر کیا تھا وہ سمٹ کر اُسی نیلے کوٹ والے کے جسم میں داخل ہوئی ہے۔ میں اس کے سر پر جا رہی ہوں۔ جب تک اُسے قابو نہیں کیا جائے گا جہاز معمول کی

پرواز اختیار نہیں کر سکتا۔''

''کون ہے وہ......؟'' میں نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

''وہ خود کچھ بھی نہیں ہے، کسی دوسرے کے اشارے پر درمیان میں آگیا ہے۔'' انکا پُرخیال انداز میں بولی۔ ''تم نے ریموٹ سے چلنے والے کھلونے دیکھے ہیں، نیلے کوٹ والا صرف ایک کھلونا ہے جسے کوئی اور کنٹرول کر رہا ہے۔ وہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں، اُلجھانے کے سپنے دیکھ رہے ہیں، خود کو بچانے کی خاطر بے زبان بکروں کی قربانی پیش کرنے پر تل گئے ہیں۔ تم فکر نہ کرو، میرے پنجوں کی چبھن ابھی دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی کر دے گی، تم دیکھنا اُس چنڈال کی زبان ابھی کیسی فر فر چلتی ہے۔''

میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن انکا رینگ کر سر سے اُتر گئی۔ میں اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا؟ میں کنکھیوں سے نیلے کوٹ والے کو دیکھتا رہا، انکا کے سر سے اُترنے کے کچھ لمحوں بعد وہ بڑے اطمینان سے اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا، کوٹ اُتار کر نشست پر ڈال دیا، پھر قمیض اُتارنے لگا تو کئی مسافروں کی نظروں میں آگیا۔ ایک اسٹیورڈ تیزی سے لپکتا اُس کے قریب پہنچا۔

''آپ آرام سے بیٹھ جائیں جناب۔ ابھی جہاز......''

اسٹیورڈ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا، نیلے کوٹ والے نے بڑے اطمینان سے اسٹیورڈ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُسے پیچھے ہٹانا چاہا، اسٹیورڈ حیرت انگیز طور پر اُچھل کر کئی فٹ دُور جا گرا۔ میرا ماتھا ٹھنکنے لگا، وہ کوئی طاغوتی قوت ہی تھی جس نے اسٹیورڈ کو گیند کی مانند اُچھال دیا تھا۔

''اشوک......'' برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی نوجوان خاتون نے نیلے کوٹ والے کو حیرت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو؟''

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ قمیض اُتار کر خاتون کے چہرے پر ڈال دی، اب وہ پتلون کے بٹن کھول رہا تھا۔ میں سمجھ گیا، انکا کے پنجوں کی تیز چبھن نے اُس کا دماغ اپنے قبضے میں کر لیا ہوگا، وہ اُسی کے اشارے پر عمل کر رہا تھا، شاید انکا اس طرح میرے دشمنوں کو باور کرانا چاہتی تھی کہ انہوں نے جمیل احمد خان کو گھیرنے کی کوشش کر کے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لی ہے۔

''مسٹر......'' جس خاتون کے چہرے پر اشوک نے قمیض پھینکی تھی اُس کے برابر والی

سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص جو ڈیل ڈول میں اشوک سے کہیں زیادہ تندرست و توانا نظر آ رہا تھا چیخ کر بولا۔ ''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا......؟''

اسٹیورڈ کی مدد کو جہاز کے عملے کے ایک دو افراد اور بھی آ گئے۔ اشوک نے پتلون بھی اُتار کر پھینک دی۔ انڈر ویئر اور بنیان میں وہ بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ خواتین مسافروں نے نظریں جھکا لیں۔ عملے کے افراد اُس کی طرف لپکے لیکن اس سے پہلے ہی اشوک نے اُس شخص کے گلے پر ہاتھ ڈال دیا جس نے اُسے للکارنے کی جسارت کی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اُس نے مسافروں کے علاوہ عملے کے افراد کو بھی خوفزدہ کر دیا۔ اشوک نے اپنے سے دو گنے زیادہ ڈیل ڈول والے کو ایک ہاتھ سے اس طرح گردن تھام کر اُٹھا لیا جیسے وہ پلاسٹک کا بنا ہوا ہو۔

''تم......'' اشوک نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ ''تم نے ابھی میرے دماغ کے بارے میں کچھ ریمارکس پاس کئے تھے، میں سن نہیں سکا۔ کیا تم اپنا جملہ دہرا سکتے ہو......؟''

''نن...... نہیں، نہیں۔'' فضا میں جھولتا ہوا شخص گھگھیانے لگا۔ ''میں نے...... کچھ...... کچھ نہیں کہا...... مجھے معاف کر دو۔''

ذرا سی دیر میں جہاز کے اس حصے میں جہاں اشوک موجود تھا مسافروں کی بھیڑ لگ گئی، عملے کے افراد کا حوصلہ بڑھا، اُنہوں نے آگے بڑھ کر اشوک کو دبوچ لیا۔ میں خاموش بیٹھا دل ہی دل میں مسکراتا رہا، جہاز نے ڈگمگانا بند کر دیا۔ اس کی پرواز معمول پر آ گئی۔ باہر کا موسم خوشگوار تھا۔ اندر انکا دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھانے کی خاطر اپنی لازوال قوتوں کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس قسم کے کھیل تماشے میرے لئے نئے نہیں تھے، میرے ذہن میں صرف ایک سوال کلبلا رہا تھا۔ ''اشوک کو کس نے قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کی تھی......؟''

میری نظریں بدستور اشوک پر جمی تھیں جسے عملے کے افراد نے پکڑ رکھا تھا۔ کچھ دیر پیشتر اُس کی طاقت کے کرشمے نے بہتوں کو ششدر کر دیا تھا، اب وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے موقع کی نزاکت کو محسوس کر رہا تھا، حواس باختہ نظر آ رہا تھا، ایک ایک کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک اُس نے واویلا شروع کر دیا۔

''چھوڑ دو...... بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دو، میں نردوش ہوں، میں نے کچھ نہیں کیا۔''

جہاز کے عملے کے افراد نے اُسے گھسیٹ کر کچن کی طرف لے جانے کی کوشش کی۔

اشوک کے اندر پھر شیطانی قوت جاگ اُٹھی۔ اُس نے کچکچا کر دونوں ہاتھ جھٹک دیئے۔ جن افراد نے اُسے مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا وہ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اشوک کی نگاہوں میں پھر وحشت نظر آنے لگی، مسافروں نے سیٹوں سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ اشوک کی نگاہیں شعلے اُگلنے لگیں۔ اُس نے بلند آواز میں گرج کر کہا۔ ''اب کسی نے میرے شریر کو ہاتھ لگایا تو اُسے جلا کر بھسم کر دوں گا، میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔ جیون پیارا ہے تو بھاگ جاؤ۔ میری شکتی اگر جہاز کو جھٹکے دے سکتی ہے تو تم کو بھی ایک ایک کر کے نرک میں جھونک سکتی ہے......''

اشوک واہی تباہی بکتا رہا، عملے کے افراد سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا اُسے دلچسپ نظروں سے دیکھتا رہا، کھیل کی ابتداء ہو چکی تھی۔ نول کشور کے گرگوں نے شاید مجھے خوفزدہ کرنے کی خاطر اشوک کے جسم میں آگ بھر دی تھی۔ انکا نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ پنڈت نول کشور دو چار جنتر منتر سیکھ کر اپنی اوقات بھول گیا ہے، خود منڈل میں چھپا بیٹھا تھا، دوسروں کو میرے خلاف آگے بڑھا رہا تھا۔ اُس ذلیل پنڈت نے میری اور بدری نرائن کی جنگ کا آخری تماشہ نہیں دیکھا تھا، دیکھ لیا ہوتا تو خم ٹھونک کر میدان میں کودنے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔ امرلال بھی کالی کے زعم میں کلدیپ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ اُس کی عبرتناک موت کی کہانی بھی سن لی ہوتی تو نول کشور میرے مقابلے پر آنے کی جسارت کبھی نہ کرتا، اُسے میری وحشتوں کا علم نہیں ہو گا، دوسروں کی زبانی بدری نرائن اور امرلال کی موت کے من گھڑت قصے سن کر اُس کی غیرت نے جوش مارا ہو گا، دیوی دیوتاؤں کے مقابلے پر ایک مسلمان کا جھنڈا بلند دیکھ کر وہ اندر ہی اندر ضرور تلملایا ہو گا۔ پہلے مقابلے پر نہیں آیا، پردوں میں چھپا بیٹھا خوف سے کپکپاتا رہا۔ اب کالی کے مندر کا بڑا پروہت بن جانے کے بعد اُس کی رگِ حمیت پھڑپھڑانے لگی۔ دھرم کے نام پر پنڈت پجاریوں کی فوج جمع کر رہا تھا، جمیل احمد خاں کو للکارنے کی بھول کر رہا تھا۔

میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ انہی پنڈت پجاریوں نے میری زندگی کا سکون لوٹا تھا، ایک ایک کر کے جینے کے سارے سہارے چھین لئے، میں کمپالا کی ہدایت پر اہنسا کی تعلیم پر عمل کرتا رہا، شاکیہ منی کی زندگی کے زریں اصولوں کو اپنا کر سکون سے وقت گزارنے کی کوشش کی تو وہ پھر میرا راستہ کاٹنے لگے۔ میں نے ضبط سے کام لیا۔ نندا نے مرتے

مرتے مجھے جو مہان شکتیاں دان کی تھیں اگر میں اُن میں سے کسی ایک کا مظاہرہ کرتا تو دشمنوں کے سینے جھلس جاتے، اُن کے جسموں پر آبلے پڑ جاتے، پریتم لال کا نام لے کر اُن کی بربادی کا خیال دل میں لاتا تو سب تہس نہس ہو جاتے، میدان صاف ہو جاتا، میں اکیلا دندناتا پھرتا، کوئی مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کرتا، میں جدھر سے گزرتا وہ میرے قدموں پر سر رکھنا اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے، میں ٹھوکریں مارتا آگے گزر جاتا، وہ ہاتھ باندھے گڑگڑاتے رہتے، قصہ پاک ہو جاتا، کوئی اندیشہ، کوئی خطرہ سر اُٹھانے کی کوشش نہ کرتا، میں نے سر جھکا کر کمپالا کے بتائے ہوئے راستوں پر قدم رکھا تو وہ گلی کے کتوں کی طرح بھونکنے لگے...... پریتم لال نے شاید اسی لئے مجھے خودکشی کے ارادے سے روکا تھا، اُس نے مجھے کلدیپ کے چھوڑے ہوئے ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی تلقین کی تھی، اُس کی دُور رس نگاہوں نے میرے اندر جھانکنے کے بعد ہی کچھ فیصلہ کیا ہوگا، اُسے میری طاقت کا علم مجھ سے زیادہ تھا، نہ ہوتا تو مجھے پنڈت پجاریوں کی سرکوبی کی ذمہ داری کبھی نہ سونپتا۔ وہ مہان پجاری تھا، بڑی مہان شکتیوں کا مالک تھا۔

مجھے میسور کا واقعہ یاد آیا۔ میں نے مالا کو چھیڑنے کی کوشش کی تو پریتم لال کے لاغر، کھڑکھڑاتے جسم کی تمام ہڈیاں چٹخنے لگی تھیں، کلدیپ خوفزدہ ہو کر اُس کے قدموں میں گر پڑی، انکا نے کسمسانا شروع کر دیا۔ میں نے اُس کے قدموں میں گر کر اپنی غلطی کی معافی طلب کی۔ اُس نے انکا کو میرا خون پینے کا حکم دیا، انکا بھی انکار کی جرأت نہ کر سکی۔ اسی پریتم لال نے جب لندن کے ہسپتال میں سیّد مجذوب کی لاٹھی دیکھی تو حیرت سے اُس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں، سکتہ کی کیفیت سے دوچار ہو گیا، مجھے اُس کا جملہ یاد آیا، پریتم لال نے بڑی حیرت بھری آواز میں کہا تھا۔

"مجھے مجبور نہ کر...... میں اس پوتر لاٹھی کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا...... کیول اتنا سمجھ لے کر اگر میں اپنی تمام شکتیاں دان کر کے بھی اس لاٹھی کو حاصل کر سکتا تو یہ سودا میرے لئے بہت سستا ہوتا، اسے بہت سنبھال کر رکھنا، کھو مت دینا......"

میرے پاس انکا کی پُراسرار قوت بھی تھی جو اس وقت اشوک کے سر پر بیٹھی دشمنوں کو اپنی قوت کی ایک جھلک دکھانے میں مصروف تھی۔ میں ایک تماشائی کی حیثیت سے خاموش بیٹھا رہا۔

"اس جہاز پر ایک گرو گھنٹال بھی براجمان ہے۔" اشوک نے سینہ ٹھونک کر بلند آواز میں کہا۔ "میں اُسے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں، وہ میرے سامنے آ جائے۔ دوسری شکل میں مجھے کوئی اور اوپائے کرنا ہوگا۔"

اچانک جہاز کو ایک اور شدید جھٹکا لگا، سیٹوں کے درمیان کھڑے ہوئے مسافر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے، ایک دوسرے سے ٹکرا گئے، کچھ اوندھے منہ فرش پر گر پڑے، خود اشوک بھی اپنے آپ کو نہ سنبھال سکا، میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا، مجھے امریتا کی رُسوائی منظور نہیں تھی، گرو سامنے آ جاتا تو مسافروں کی آوارہ نظریں اُس سیمیں بدن کے جسم کو بھی میلا کرنے سے باز نہ آتیں۔ میں نے انکا کو واپس بلانے کی بجائے آگے بڑھ کر سیّد مجذوب کی لاٹھی گھما کر اشوک کو ماری، وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے جانور کی طرح بلبلانے لگا، دوڑ کر میرے قدموں سے لپٹ گیا، رقت بھری آواز میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مجھے شما کر دو مہاراج۔ مجھ سے بڑی بھول ہو گئی، میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔"

مسافروں کی نظریں حیرت سے میری سمت اُٹھنے لگیں۔ انکا میرے سر پر واپس آ گئی، کسمسا کر بولی۔ "تم نے یہ کیا حماقت کی......؟ تمہیں درمیان میں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"اشوک نے گرو کو کیوں للکارا تھا......؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"اُسے میں نے مجبور کیا تھا......"

"کیوں......؟"

"مجھے غلط مت سمجھو۔" انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اشوک صرف ایک کھلونا ہے، اس کا ریموٹ کنٹرول کسی دوسرے کے پاس ہے۔"

"گرو کا نام درمیان میں کیسے آ گیا......؟" میں نے برہمی کا اظہار کیا۔

"تم کچھ نہیں سمجھ رہے ہو۔" انکا تلملانے لگی۔ "کوئی میری آنکھوں کے درمیان دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کر رہا تھا، میں اس دیوار کو توڑنا چاہتی تھی......"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے......" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"تم...... تم اپنی انکارانی پر شبہ کر رہے ہو......؟" انکا کی نگاہوں میں شکوہ تھا۔

"تم نے بہت کھیل تماشے دکھا لئے، اب مجھے بھی کچھ من مانی کر لینے دو۔"

"میرا مشورہ مان لو جمیل۔" اُس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "پہلے بھی تم نے جوش میں آ

کر......"

"ہاں......" میں جذباتی ہوگیا۔ "میں پہلے بھی ہوش گنوا کر بہت کچھ کھو چکا ہوں، بہت کچھ نہیں......سب کچھ۔ اب کیا باقی رہ گیا...... ایک میری ذات ہے، اسے بھی کھو جانے دو، زندگی کی پرواہ کس بدنصیب کو ہے......"

"میں ہاتھ جوڑتی ہوں، میرا کہنا مان لو۔ تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ میں اس دیوار کو نہیں توڑ سکوں گی جو ابھی تک میری نظروں کے سامنے ہے۔" انکا کا اضطراب بڑھنے لگا۔

"نہیں مہاراج، نہیں......" اشوک دیوانوں کی طرح چیخ کر بولا۔ "اس کا کہا نہ ماننا، بڑے گھاٹے میں رہو گے۔"

"تم......" میں نے چونک کر اشوک کو دیکھا۔ "تم کس کی بات کر رہے ہو......؟"

"جب تم سمجھ رہے ہو مہاراج تو میری زبان کیوں کھلواتے ہو؟"

"کون ہو تم......؟" میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا، مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اشوک نے یقیناً انکا کو دیکھ لیا تھا۔ مگر یہ کیسے ممکن ہوا......؟ میرے ذہن میں آندھیوں کے جھکڑ چلنے لگے۔

"اپنا سیوک سمجھ لو مہاراج، میں تمہارے چرنوں میں اپنے جیون کی بھینٹ دے کر اس دیوار کو درمیان سے ہٹا دوں گا، تمہارے سر پر بیٹھی سندری دیوار کے اس پار نہ دیکھ سکے گی، اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"جمیل......" انکا بھی حیرت سے اُچھل پڑی۔ "سن رہے ہو، یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

میں بھی سٹپٹا گیا۔ میں نے ارتکاز میں جا کر اشوک کی اصلیت معلوم کرنے کی ٹھانی، لیکن مجھے اس کا موقع نہیں ملا، اشوک نے دیوانوں کی طرح اپنا سر اِدھر اُدھر مارنا شروع کر دیا، خود کو لہولہان کر ڈالا۔ جو عورت قریب بیٹھی تھی، دوڑ کر اُس کے خون میں لتھڑے جسم سے لپٹ کر دھاڑیں مارنے لگی۔

"پران ناتھ، یہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں کس کے سہارے زندہ رہوں گی؟"

"مجھے آگیا دو مہاراج۔ میرا سمے پورا ہوگیا۔" اشوک نے عورت کے بین کرنے پر دھیان نہیں دیا، میری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر اُس کی گردن ایک طرف

ڈھلک گئی......سب دم بخود رہ گئے۔

میں پلٹ کر اپنی نشست پر ڈھیر ہوگیا۔ اشوک کی بیوہ دھاڑیں مار رہی تھی، لوگوں نے نہ پکڑا ہوتا تو شاید وہ بھی جان دینے سے گریز نہ کرتی۔ جہاز کے عملے کے علاوہ مسافروں کی بڑی تعداد مجھے معنی خیز نظروں سے گھورنے لگی۔ انکا علیحدہ پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

انکا کے بارے میں اشوک کے جملے میرے وجود کے سناٹے میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ میں کوئی نتیجہ نہ اخذ کر سکا......!!

❁❁❁

اشوک میرے ذہن میں کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔
جو حالات پیش آئے تھے وہ میرے لئے حیران کن تھے، انکا نے کہا تھا کہ اُس کے اور اشوک کے درمیان دُھوئیں کی ایک چادر حائل ہے جسے وہ گرانا چاہتی تھی، اشوک انکا کے بیان کے مطابق ایک کھلونا تھا جسے ریموٹ کے ذریعہ کوئی اور کنٹرول کر رہا تھا۔
''کون تھا وہ......؟''
انکا پراسرار قوتوں کی مالک تھی، میرا ماضی اور انکا کا وجود ایک دوسرے سے مربوط تھا۔ میں اُس کی تمام صلاحیتوں کا علم رکھتا تھا، وہ میری رگ رگ سے واقف تھی لیکن اشوک کے سلسلے میں اُس کی بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ کہیں نہ کہیں کوئی سقم ضرور تھا جو میرے ذہن کو اُلجھا رہا تھا، ایک سوال رہ رہ کر میرے وجود میں چکرا رہا تھا۔
''اگر اشوک محض ایک کھلونا تھا جسے کوئی دوسری قوت دُور بیٹھی اپنے اشاروں پر نچا رہی تھی تو اُس نے انکا کو کس طرح دیکھ لیا؟ انکا کی باتیں کس طرح سن لیں؟ وہ میرا دشمن ہوتا تو مجھے انکا کی باتوں پر عمل کرنے سے کیوں روکتا؟''
میرے دل و دماغ میں جنگ جاری تھی۔ میں اشوک کے معمہ کو جتنا حل کرنا چاہتا تھا وہ اتنا ہی اُلجھتا جاتا۔ اُس کی لاش میرے راستے کی دُشواری بن سکتی تھی، مرتے وقت اگر وہ بدبخت مجھے مہاراج کہہ کر مخاطب نہ کرتا تو میرے پاس دامن بچانے کی خاطر کئی جواز موجود تھے، میں سینکڑوں بہانے تراش سکتا تھا، لیکن مرنے والے کی بیوہ گواہ تھی کہ میرے لاٹھی مارنے کے بعد ہی اس حرامزادے نے اچانک کینچلی بدلی تھی، لاٹھی کی کرامت تھی یا کسی نادیدہ قوت کا کرشمہ جس نے انکا کو بے نقاب کر دیا، اس سے پیشتر میرے اور انکا کے درمیان ہونے والے راز و نیاز کو پریتم لال، سادھو جگدیو اور بدری نرائن کے علاوہ کوئی نہیں سن سکتا تھا، مطلب واضح تھا، کسی مہان شکتی کے مالک پنڈت یا پجاری نے انکا اور اشوک

کے درمیان تنا ہوا پردہ سرکا دیا، بھید کھل گیا، پریشانیاں بڑھ گئیں۔
میں نے اُکتا کر آنکھیں کھولیں، جہاز کے عملے نے اشوک کے خون کے دھبے مٹانے میں بڑی عجلت سے کام لیا تھا، اشوک کی لاش کے علاوہ اُس کی بیوہ بھی نظر نہیں آئی۔ مسافروں کے چہرے دُھواں دُھواں نظر آ رہے تھے، جب میں امریتا کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا اس وقت اُن کی آنکھوں میں رقابت کے جذبے کلبلا رہے تھے، اب وہ مجھے بار بار دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا، اشوک کی پشت پر کون تھا؟ میں یہ نہ جان سکا مگر اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس نادیدہ قوت نے بساط کا رُخ اپنے حق میں کر لیا تھا، نہ انکا دیوار پاش پاش کر سکی نہ میرا ارتکاز کسی کام آ سکا، سب کچھ اتنی جلدی پیش آیا کہ عقل حیران رہ گئی۔
میرے دشمنوں نے یقیناً خود کو منظّم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہوگا، وہ میری واپسی کی بھنک پاتے ہی صف آراء ہو گئے۔ ہندوستان کی سرزمین پر قدم ٹکانے کا موقع نہیں دیا، فضا میں ہی پہلا وار کر گئے، میں کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکا۔ وہ دُور بیٹھے میرے اضطراب کا تماشہ دیکھ رہے ہوں گے، انکا کی ناکامی پر ناچ گا رہے ہوں گے، خوشیوں سے اُن کے دل سرشار ہوں گے، پہلی کامیابی حاصل کر لینا بڑی بات ہوتی ہے، انسان کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں، وہ زیادہ منظّم ہو جاتا ہے، اعتماد بڑھ جاتا ہے۔ کامیابی کے سپنے دیکھنا شروع کر دیتا ہے، اپنی صفوں کو نئے انداز سے ترتیب دیتا ہے، منصوبے بناتا ہے، اس پر غور کرتا ہے پھر بڑے یقین سے دوسرا قدم آگے بڑھاتا ہے، پہلی کامیابی اُسے فتح کے راستوں پر گامزن کرنے میں بڑی مؤثر ثابت ہوتی ہے، میرے دشمن ان ہی کیفیتوں سے دوچار ہوں گے۔ انہوں نے پنڈت نول کشور کے سامنے اپنی کامیابی، اپنے کارناموں کا احوال بڑھا چڑھا کر سنایا ہوگا، نول کشور کا سینہ اور تن گیا ہوگا۔ اُس نے اپنے گرگوں کو شاباش دی ہوگی۔ کالی کے قدموں میں قربانیاں پیش کی ہوا، گی، بھنگ اور شراب کے پیالے بھی حرکت میں آئے ہوں گے، کئی دیوداسیاں اپنے کنوار پنا سے ہاتھ دھو بیٹھی ہوں گی۔ ہنگاموں کے درمیان اُن کی چیخوں کی آوازیں پنڈت پجاریوں کے شور شرابے میں دب کر رہ گئی ہوں گی۔ خوشیوں کا جشن بھرپور انداز میں مناتے وقت چھوٹی موٹی بھول چوک کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ میں کئی بار اپنی نظروں سے یہ کھیل تماشے دیکھ

چکا تھا۔ محبت اور جنگ میں کسی حربے کے استعمال کی ممانعت نہیں ہوتی، سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ میں بھی کئی موقعوں پر انکا کے منع کرنے کے باوجود بدری نرائن کی تلاش میں کالی کے مندر میں دندناتا ہوا گھس چکا تھا۔ جن پجاریوں نے میرا راستہ روکنے کی حماقت کی، میرے غضب کا شکار ہو گئے۔ جن پجارنوں نے ہاتھ باندھ کر بنتی کی، میں نے اُن کے سندر شریر پر اپنی وحشتوں کی مُہر لگا دی، روندتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ مجرّد زندگی گزارنا آسان نہیں ہوتا، آگ اور پٹرول کا ساتھ ہو تو ایک چنگاری بھی بڑی تباہ کاریوں کا سبب بن جاتی ہے۔ پجارنیں اور دیوداسیاں بھی کسی چنگاری، کسی شعلے سے کم نہیں ہوتیں، اُن کے اُجلے اور بے داغ دامن کی کہانیاں محض فریب ہیں، ہٹے کٹے پجاری اور سرمنڈے پنڈت امرت رس پی کر بہکتے ہیں تو جانے کتنی معصوم پجارنیں ان کی لپیٹ میں آ کر عزت وعفت کا بھرم کھو بیٹھتی ہیں، انہیں دبا کر رکھا جاتا ہے، زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ کوشش بھی نہیں کرتیں، خون ایک بار منہ کو لگ جائے تو پھر عادت بن جاتا ہے۔ ہوا زیادہ بھر دی جائے تو غبارہ دھماکے سے پھٹ جاتا ہے۔ لاوا زیادہ بھر جائے تو آتش فشاں بھی اپنا منہ کھول دیتا ہے۔ کئی لوگ کام آ جاتے ہیں، کئی بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں، ان کی جگہ نئی آبادیاں اُگ آتی ہیں۔ یہی حال پجارنوں اور دیوداسیوں کا بھی ہے۔ جو زبان کھولنے کی جرأت کرتی ہے یا تو اُس کی زبان کاٹ دی جاتی ہے یا پاپ کا الزام لگا کر دیوی کے چرنوں میں بلی چڑھا دیا جاتا ہے۔ دوسری خوف سے زبان پر تالے ڈال لیتی ہیں...... وقت کا پہیہ گھومتا رہتا ہے۔

میں عجیب ذہنی کرب میں مبتلا تھا، انکا کی پراسرار قوتیں بھی کسی کام نہ آ سکیں۔ میں بھی اشوک کی اصلیت بے نقاب کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ میں خود کو بڑا مجبور محسوس کر رہا تھا۔ اشوک کو دُور بیٹھ کر ذہنی طور پر کنٹرول کرنا ممکن تھا لیکن اُس کی بینائی کو اتنی بصیرت عطا کر دینا کہ وہ انکا کو دیکھ سکے حیرت انگیز بات تھی۔ وہ شخص یقیناً مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تھا جس نے اشوک کے ذریعے مجھے اپنی برتری کا پیغام دیا تھا، طرح طرح کے قیاس میرے ذہن میں گھر کرنے لگے، عجیب عجیب خیالات مجھے اُلجھانے لگے۔ انکا نے کہا تھا کہ اشوک صرف معمول ہے، عامل کہیں اور بیٹھا ہے۔ اُس نے دُھوئیں کی دبیز چادر کو بھی نظروں کے سامنے لہراتا دیکھ لیا تھا۔ لیکن میری مداخلت نے کھیل خراب کر دیا، نادیدہ قوت نے اشوک کو مار کر سارے نشانات مٹا دیئے، میرے لئے پریشانیاں کھڑی کر

دیں۔

میں نے ابھی شکست تسلیم نہیں کی تھی، بلکہ یوں کہا جائے کہ جمیل احمد خان نے اپنی زندگی کی لغت سے شکست اور ناکامی کے الفاظ کاٹ دیئے تھے تو غلط نہ ہوگا۔ میری داستانِ المناک پڑھنے والے جانتے ہیں کہ میں نے تنہا ہونے کے باوجود ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کی ناک میں دم کر رکھا تھا، بدری نرائن جیسا مہان پنڈت بھی مجھ سے دُور بھاگتا تھا، امرلال اُس کی پشت پناہی کو نہ اُٹھ کھڑا ہوتا تو بدری نرائن کا انجام زیادہ بھیانک ثابت ہوتا۔ جب کمپالا سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی، میں نے ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں کے بارے میں صرف سنا تھا، عمل نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی میں نے کبھی قدم پیچھے ہٹانے کی غلطی نہیں کی۔ میں نے کئی موقعوں پر انکا کے مشورے بھی قبول نہیں کیے، مجھے اپنی اس غلطی کے عوض نقصان بھی اُٹھانا پڑا لیکن مایوسی نے بھی کبھی میرے حوصلے پست نہیں کیے، میری وحشتیں اور بڑھ گئیں، اگر میں ڈرپوک ہوتا تو پریتم لال کے لاکھ کہنے کے بعد بھی ہندوستان واپسی کا ارادہ کبھی نہ کرتا، لندن میں میرے لئے کس بات کی کمی تھی؟ انکا میرے ساتھ تھی، میں دل کھول کر عیش کر سکتا تھا، سکون و آرام سے زندگی گزار سکتا تھا۔

نشیب و فراز سے گھبرا جانا بزدلی ہے، زندگی کے گراف میں اگر اُتار چڑھاؤ نہ ہوتا تو کوئی لطف بھی نہیں ہوتا۔ ایک ہی ڈگر پر چلتے چلتے انسان بہت جلد اُکتا جاتا۔ راستوں کے درمیان موڑ نہ آئیں تو سفر زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ جس نے اشوک کو کنٹرول کیا تھا میں اُس سے خائف نہیں تھا، وہ سامنے ہوتا تو میں اُسے مردوں کی طرح للکارتا لیکن وہ چھپ گیا۔ میرا ذہن اُس کو تلاش کرنے کے سلسلے میں اُلجھ رہا تھا، پشت سے چھرا گھونپنے والوں کو مرد نہیں، بزدل کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ آنکھ مچولی کھیلنا بچوں کو زیب دیتا ہے۔ مرد میدان چھپ کر وار نہیں کرتے، سامنے آ کر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک دوسرے کو للکارتے ہیں، زندگی ہتھیلی پر رکھ کر پھرنے والے بدمست لوگ موت سے نہیں ڈرتے، موت اُن سے کتراتی رہتی ہے......

میں نے انکا کی طرف نظر ڈالی، وہ ملی جلی کیفیت میں مبتلا تھی۔ کبھی وہ مضمحل انداز میں سر ڈال دیتی، کبھی اُس کی نگاہوں میں انگارے بھڑک اُٹھتے، چنگاریاں چٹخنے لگتیں، وہ ضرور مجھ سے شاکی ہوگی۔ میں نے اُس کا کہا نہیں مانا، ورنہ شاید وہ اس موذی پنڈت یا پجاری کو

بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جاتی جو سانپ کی طرح ایک بے گناہ کو ڈس کر نکل گیا، ہم لکیر پیٹتے رہ گئے۔

''اب سوگ منانے سے کیا حاصل ہو گا انکارانی؟'' میں نے اُسے سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا۔ ''جو ہونا تھا ہو چکا......''

جواب میں انکا نے مجھے خشمگیں نظروں سے دیکھا، پھر ہونٹ چبانے لگی۔

''میرا خیال ہے مورینا کا، کاک ٹیل خون تمہیں راس نہیں آیا...... آئندہ سیاہ فام عورتوں کے خون سے پرہیز ہی کرنا۔''

انکا میرے طنز پر بپھر گئی۔ اُس کی آنکھوں میں طاغوتی قوتوں کا بھیانک رقص شروع ہو گیا، نگاہوں میں خون اُتر آیا۔ لیکن غیض و غضب کی یہ کیفیت زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی، شاید اُس نے میرے سینے کی گہرائیوں میں جھانک کر میرے کرب کا اندازہ لگا لیا تھا چنانچہ جلد ہی موم کی طرح پگھل کر بولی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ جوش میں مت آنا۔ تم نے میری بات نہیں مانی، وہ جو بھی تھا اُسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔''

''اچھا ہوا......'' میں نے مسکرا کر دل کی بھڑاس نکالنی چاہیے۔ ''پہلے ہی موقع پر غریب تمہارے یا میرے ہاتھوں مارا جاتا تو اُس کی حسرتیں دل کی دل ہی میں گھٹ کر رہ جاتیں۔''

''وہ تمہاری غلطی سے فائدہ اُٹھا کر کوئی ہلاکت خیز وار کر جاتا تو......؟'' انکا نے کسمسا کر سوال کیا۔

''تو کیا ہوتا......؟'' میں نے بے پروائی کا اظہار کیا۔ ''دو فریقوں کی جنگ میں ہمیشہ ایک کو شکست ہوتی ہے۔ وہ کامیاب ہوتا تو میں مارا جاتا۔ مجھے زندگی کی کوئی تمنا بھی نہیں ہے۔''

''جلھ کٹی...... دل جلانے والی باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' انکا تلملا کر بولی۔ ''میں نے تمہیں دُور اندیشی سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا، جلدی میں کوئی قدم اُٹھانے سے پرہیز کی درخواست کی تھی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا۔ ''کیا اشوک کی موت میں پنڈت نول کشور کا ہاتھ نہیں ہو سکتا؟''

''نہیں......''

''تم اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہو؟''

''جمیل......'' انکا نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''میرا تمہارا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ تم میری طاقت سے بخوبی واقف ہو، میرے امکان میں کیا ہے کیا نہیں، تم بارہا اس کا تجربہ کر چکے ہو، آج انجان کیوں بن رہے ہو......؟''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' میں نے رُوکھے لہجے میں کہا۔ انکا کی کہی بات نظرانداز کر گیا۔

''اشوک کے مرتے ہی میں نے سب سے پہلے پنڈت نول کشور کی خبر لی تھی۔'' انکا نے میری بے رُخی کا اثر لیتے ہوئے اُداس آواز میں جواب دیا۔ ''وہ اس وقت کالی کے پجاریوں کو پرشاد بانٹنے میں مصروف ہے۔ میری بات کا یقین کرو، نول کشور کے فرشتوں کو بھی جہاز پر ہونے والے حادثے کا کوئی علم نہیں ہے۔''

''اشوک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر مسکرا کر کہا۔ ''کیا وہ خوش نصیب نہیں تھا جو مرنے سے پیشتر تمہارے حسن کا دیدار کر گیا؟ تمہاری مدھر آواز سن لی اُس نے؟''

''بات مذاق میں مت ٹالو......'' انکا نے اُٹھ کر میرے سرپر ٹہلنا شروع کر دیا۔ ''اشوک نے مجھے دیکھ لیا، میری تمہاری باتیں بھی سن لیں، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اُس کی پشت پر جو بھی تھا مہان شکتی کا مالک تھا۔ اُس نے تمہیں میری صلاح نہ ماننے کو کہا تھا، اس کی بات کا معمہ حل ہو جائے تو میں اس کے پرکھوں کو بھی ڈھونڈ نکالوں گی جس نے مرنے والے کو اتنی شکتی دان کر دی تھی کہ وہ انکا کو دیکھ سکے۔''

''تمہارے حسن کا نظارہ تو مہاراج پریتم لال بھی کر چکا ہے۔ سادھو جگدیو بھی فیضیاب ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کلدیپ نے بھی تمہیں ضرور دیکھا ہو گا۔ اور بھی کئی نام میرے ذہن میں گردش کر رہے ہیں۔ تمہارے وہ آقا جو تمہیں کئی بار مجھ سے چھین چکے ہیں، یاد ہے تمہیں......؟''

انکا کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا، اُسے میری تلخ باتوں سے دُکھ پہنچا تھا، اُس نے اظہار نہیں کیا، بڑی ہمت سے میری کڑوی کسیلی باتوں کا زہر پی گئی، ضبط سے کام لے

کر بولی۔

”میں پورے وشواس سے کہہ سکتی ہوں کہ اشوک کے پیچھے کسی ایسی ہی شکتی کا ہاتھ ہے جو مہاراج پریتم لال، امرلال اور تمہاری کلدیپ سے کم مہاگن نہیں ہو سکتی۔ یہ بدری نرائن، تربینی، شیو چرن، سادھو جگدیو اور پنڈت ہری چرن کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ تمہاری انکارانی کو کسی دوسرے کی نظر میں لاسکیں......“

میں انکا کی بات سن کر چونکا، اگر اس کا اندازہ درست تھا تو میرے لئے احتیاط شرط تھی، میرے اعصاب جھنجھنانے لگے، انکا کی پراسرار قوتیں لازوال تھیں، وہ میری محبوبۂ دلنواز تھی، میری عاشق تھی، پرستار تھی، میری محسنہ تھی، وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی، دغا نہیں کر سکتی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لمحوں لمحوں کے گواہ تھے۔ اُس کا عشق سچا تھا، وہ میرے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتی تھی، اُس نے غلط نہیں کہا تھا۔ اگر وہ کسی اور وجود میں سامنے آنے کا اختیار رکھتی تو شاید میری زندگی میں نرگس، مالا رانی اور کلدیپ کو کبھی نہ آنے دیتی۔ ان سیمیں بدن زہرہ جبینوں کو بھی میرے پاس پھٹکنے کی اجازت نہ دیتی جو میری بانہوں میں مچلتی رہتی تھیں، انکارانی میری وحشتوں کا تماشہ دیکھتی رہتی، پھر بڑی حسرت سے آنکھیں موند کر کروٹ لے لیتی۔ وہ میری دوست تھی، میری صلاح کار تھی، رفیق تھی، آشنا تھی، ہم دونوں ایک جان دو قالب تھے۔ میں ہزاروں موقعوں پر اُس کی وفا کو آزما چکا تھا، وہ مخلص تھی، مہربان تھی، کروٹ کروٹ میری شریک رہ چکی تھی۔ میں اُس کی وفا پر شک نہیں کر سکتا تھا۔

”کیا سوچنے لگے جمیل......؟“ اُس نے مجھے اُلجھتا دیکھ کر بڑے پیار سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ اشوک کی پراسرار موت کے سلسلے میں پولیس مجھے بھی ضرور ٹٹولے گی؟“

”فکر مت کرو، میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔“ اُس نے بڑی لگاوٹ سے کہا، پھر رینگ کر میرے سر سے اُتر گئی۔ اُس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی، میں اُس کے جانے کے بعد پھر اشوک کا معمہ حل کرنے میں اُلجھ گیا تھا جب مجھے اُس کی آمد کا احساس ہوا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا، وہ کسی خیال میں مستغرق تھی، بڑی سنجیدہ سنجیدہ سی نظر آ رہی تھی۔

”کوئی نئی اطلاع......؟“

”ہاں......“ وہ سنجیدگی سے بولی۔ ”اشوک کی لاش کو کچن میں رکھا گیا ہے۔ اُس کی بیوہ کے علاوہ کسی کو اُدھر جانے کی اجازت نہیں ہے، قریب بیٹھے مسافروں کو درخواست کر کے دوسری خالی سیٹوں پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ میں جہاز کے کپتان کے سر پر بھی گئی تھی، اُس نے بمبئی ایئرپورٹ پر اپنے آفس کو حادثے کی اطلاع دے دی ہے، صرف تمہاری نہیں، اشوک کے آس پاس بیٹھے دوسرے مسافروں سے بھی پوچھ گچھ ہوگی۔ ہو سکتا ہے کچھ افراد کو تفتیش کی خاطر بمبئی میں کچھ دنوں کے لئے رُکنے پر بھی مجبور کیا جائے۔“

”اشوک کی بیوہ کی کیا رائے ہے اپنے شوہر کی موت کے بارے میں؟“ میں نے برسبیل تذکرہ دریافت کر لیا۔

”وہ ابھی تک اشوک کی موت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے۔“ انکا تھوڑے توقف سے بولی۔ ”میں نے سب سے پہلے اُسی کے ذہن کو پڑھا ہے، اشوک ایک سلجھا ہوا بردبار اور ذہین شخص تھا، اُس کی پوری زندگی میں کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، میرا مطلب ہے کوئی ایسا واقعہ یا ایسی قابل ذکر بات نہیں ہوئی جو اُسے فاتر العقل ثابت کر سکے۔ جس انداز میں وہ آج نظر آیا اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، وہ اپنی دھرم پتنی رنجنی کو بہت پیار کرتا تھا، اُن کی شادی دس سال پیشتر ہی ہوئی تھی۔ قسمت کی بات ہے کہ اُن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ لیکن آج کل رنجنی کے اندر ایک زندگی کلبلا رہی ہے، دو ماہ بعد وہ ایک بچے کو جنم دے گی۔ ایسے موقع پر اشوک کی موت نے اُس کو ہلا کر رکھ دیا ہے، کبھی وہ سر پیٹنے لگتی ہے کبھی سکتے کی حالت سے دوچار ہو جاتی ہے۔“ انکا نے سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”رنجنی کے من میں تمہارے خلاف کوئی زہر نہیں ہے، لیکن وہ یہ بات ضرور سوچ رہی ہے کہ تم نے اشوک کو لاٹھی کیوں ماری تھی......؟“

”اور کچھ......؟“ میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

میرا خیال ہے کہ تمہیں کچھ دنوں بمبئی میں رُکنا پڑے گا۔“ انکا نے کہا۔ ”اچھا ہی ہے، اسی بہانے تزئین اور سیّد غوث سے بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔“

”تم نے ابھی پنڈت نول کشور کے بارے میں کہا تھا کہ وہ اشوک کی موت کے حادثے سے بے خبر ہے......؟“ میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔ تزئین اور سیّد غوث کا نام سن کر میرا دل مچلا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر موضوع بدل دیا۔

"ہاں، میں نے یہی کہا تھا۔" انکا نے مجھے غور سے دیکھا۔ "تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم نے بتایا تھا کہ اُس مردود پنڈت نے کالی کے مندر کے چاروں طرف منڈل کھینچ رکھا ہے؟"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" انکا کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ "میں کسی منڈل میں داخل نہیں ہوسکتی لیکن کسی کے سر پر پنجے جھو کر اپنے حکم پر نچا سکتی ہوں۔ میں نے پنڈت نول کشور کے ایک چیلے کو اپنا معمول بنا کر مندر میں بھیجا تھا۔ جب وہ باہر آیا تو میں نے اُسی سے ساری بات معلوم کر لی......"

"یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم اب ذہنی طور پر بالغ ہوتی جا رہی ہو......"

"جمیل......" انکا نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں نے تم سے تزئین کا ذکر کیا تھا، تم بات گول کیوں کر گئے......؟"

"میں فی الحال اپنوں سے دُور رہنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "پچھلی بار میرے دشمنوں نے مجھے گھیرنے کی خاطر میرے رفقاء، میرے عزیزوں کو بلاوجہ اذیت سے دوچار کیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس بار بھی وہ اپنے گھٹیاپن کا مظاہرہ کریں۔ میں صورت حال کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہی کوئی قدم اُٹھاؤں گا۔"

"اسی طرح دُور اندیشی سے کام لیا کرو......" وہ چہک کر بولی۔

"طنز کر رہی ہو؟" میں نے انکا کو تیز نظروں سے دیکھا، وہ کوئی جواب دینے کی بجائے ہاتھوں کا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ میں اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔

مسافروں کی نظریں بار بار میری سمت اُٹھ رہی تھیں۔ میں نے نشست سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرے ذہن میں پھر اشوک کے ساتھ پیش آنے والا حادثہ اُبھر آیا۔ انکا نے مجھے اُس کی بیوہ رنجنی کے بارے میں جو کچھ بتایا اُسے جان کر مجھے دُکھ ہوا۔ میں نے طے کر لیا کہ رنجنی کی مدد کرنے سے کبھی غافل نہیں ہوں گا، میں اشوک کی پراسرار موت کا ذمہ دار نہیں تھا لیکن رنجنی کے غم میں ضرور شریک ہوسکتا تھا۔

میں بڑی دیر تک حالات کے تانے بانے سلجھاتا رہا، میرے ذہن میں امریتا کا حسین تصور بھی اُبھرا، میرا دل اُسے ایک نظر اور دیکھنے کو مچلا۔ میں نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ جو حالات پیش آ چکے تھے اس کے تحت امریتا سے ملاقات کا ماحول خوشگوار نہیں تھا، مجھے خوشی

تھی کہ انکا بھی اشوک کے معاملے میں اُلجھ کر اُسے فراموش کر چکی تھی۔ میں امریتا کے حسین تصور سے دل بہلا رہا تھا جب ایک سوال بڑی سرعت سے میرے ذہن میں اُبھرا۔ "انکا نے اشوک کے سر پر مسلط ہونے کے بعد اُس کو گرو کو للکارنے پر کیوں مجبور کیا تھا؟ کیا وہ گرو وہی تھا جس کا ذکر امریتا نے کیا تھا یا انکا کا اشارہ کسی اور گرو کی طرف تھا......؟"

"خواتین و حضرات توجہ فرمائیں۔" مائیک پر اعلان شروع ہوا۔ "میں اس فلائٹ کی سینئر ایئر ہوسٹس اسٹیفی جان آپ سے مخاطب ہوں، آپ سے درخواست ہے کہ اپنی نشستوں کو درست کر لیں اور سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اب سے پندرہ منٹ بعد ہم بمبئی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر لینڈ کریں گے۔ میں کیپٹن کی جانب سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے برٹش ایئر لائنز کے ذریعے سفر کیا اور آئندہ بھی ہمیں خدمت کا موقع دیتے رہیں گے۔

خواتین و حضرات، پرواز کے دوران جو اتفاقیہ حادثہ پیش آیا ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں، آپ سے ایک بار پھر درخواست ہے کہ اپنی اپنی نشستیں درست کر لیں، سیٹ بیلٹ باندھ لیں اور جہاز جب تک رُک نہ جائے اپنی اپنی نشستوں پر اطمینان اور سکون سے بیٹھے رہیں......شکریہ۔"

اعلان کے مطابق ٹھیک پندرہ منٹ بعد طیارے نے لینڈ کیا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا، انکا بھی بیدار ہوگئی۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی بدستور میرے ہاتھ میں تھی، مسافروں کے چہروں پر اب سکون نظر آ رہا تھا۔

جہاز کے رُکنے کے بعد مسافروں نے اپنا اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا۔ پہلے فرسٹ کلاس اور بزنس کلاس کے مسافروں کو اُترنے کی اجازت ملی، میرے اختیار میں ہوتا تو اُڑ کر امریتا تک پہنچ جاتا لیکن حالات نے اجازت نہیں دی۔ کچھ دیر بعد اکانومی کلاس کے مسافروں کی طویل قطار میں بھی حرکت پیدا ہوگئی۔ میں بھی آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔ جہاز کے بعد برج سے گزر کر وسیع ہال میں پہنچا تو وہاں پولیس کی بھاری تعداد پہلے سے موجود تھی۔ ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہاتھ میں بید لئے سینہ تانے کھڑا تھا، مجھے اُس کی شکل کچھ جانی پہچانی لگی۔ اُس کے ساتھ دو انسپکٹر بھی تھے۔

جہاز کے عملے اور رنجنی کی نشاندہی پر چار مسافروں کو روکا گیا، میں بھی اُن میں شامل

تھا۔ باقیوں کو جانے کی اجازت مل گئی۔ رنجنی کی حالت غیر ہو رہی تھی اس لئے اُسے باہر لے جایا گیا۔ ڈپٹی اور اُس کے ساتھ انسپکٹر مجھے اور میرے ساتھ رُکنے والے باقی تین مسافروں کو نگاہوں نگاہوں میں ٹٹولتے رہے۔ ڈپٹی کی نظر بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھی۔ وہ میرے ہاتھ میں دبی لاٹھی کو بغور دیکھ رہا تھا، دبی زبان میں انسپکٹروں کے ساتھ ساتھ کھسر پھسر بھی کر رہا تھا۔

میرے لئے وہ سچویشن نئی نہیں تھی، پہلے بھی متعدد موقعوں پر پولیس سے میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔ میں چاہتا تو اُن کے ذہنوں کو تسخیر کر کے اُن کی نگاہوں کے سامنے سے گزر جاتا، وہ مجھے روکنے کی ہمت نہ کر سکتے۔ لیکن بعد میں میری تلاش شروع ہو جاتی، بات بڑھ جاتی۔ میرے ساتھ ''مفرور'' کا دُم چھلا لگا دیا جاتا۔ چنانچہ میں صبر سے کام لیتا رہا۔ دوسرے تین افراد خاصے مضطرب نظر آ رہے تھے۔ خاص طور پر بھاری ڈیل ڈول والے اُس شخص پر لرزہ سا طاری تھا جس نے پتلون اُتارتے وقت اشوک کو للکارا تھا۔

ہمارے پاسپورٹ پولیس نے قبضے میں لے لئے تھے۔ اُن کی نظریں پاسپورٹ میں درج ضروری کوائف پر بھی منڈلا رہی تھیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے کے بعد ہمیں پولیس کی کار میں کسی تھانے پر لے جایا گیا۔ تھانے پہنچنے تک ڈپٹی یا انسپکٹروں نے ہم سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی، مہذب انداز میں پیش آتے رہے۔ تھانے پہنچ کر ہمیں ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ دو مسلح گارڈ ہماری نگرانی پر تعینات کر دیئے گئے۔ انکا میرے سر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اُس کی بے چینی دیدنی تھی، کبھی وہ کچھ دیر کے لئے میرے سر سے اُتر جاتی، کبھی دوبارہ آ جاتی۔

''کس اضطراب سے دوچار ہو رہی ہو میری جان؟'' میں نے اُکتاہٹ دُور کرنے کی خاطر انکا کو پیار بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم نے ڈپٹی کو پہچانا......؟''

''ہاں، آں......'' میں بے پرواہی سے بولا۔ ''صورت کچھ جانی پہچانی لگ رہی ہے۔''

''تمہاری اس کی ملاقات شبّن خان کے قمار خانے اور اڈے پر ہو چکی ہے، اُس وقت یہ انسپکٹر تھا، بڑا چلتا پرزہ آدمی ہے۔'' انکا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''اس کی ترقی میں اس کی خوبصورت اور نوجوان بیوی سروجنی کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ پہلے یہ ایک چھوٹے سے مکان

میں رہتا تھا، سروجنی سے شادی کرنے کے بعد اس کی قسمت کی لاٹری کھل گئی، کئی حقدار افسروں کو نظر انداز کر کے اسے انسپکٹر سے ڈپٹی بنا دیا گیا۔ اب چوپاٹی کے ایک اپارٹمنٹ میں رہتا ہے جہاں بڑے بڑے کروڑ پتی رہتے ہیں، بڑا کائیاں اور کمینہ خصلت ہے، میٹھی چھری کی طرح...... سروجنی کی وجہ سے اُونچے حلقوں میں بھی دُور دُور تک پہنچ رکھتا ہے۔ اس سے محتاط رہنے کی کوشش کرنا، تھانے میں برف خانے کے چمار کی طرح اکڑتا ہے، افسروں سے بھی نہیں ڈرتا۔ گھر پر سروجنی کو لکشمی سمجھ کر اس کے تلوے چاٹتا رہتا ہے۔''

''تم سروجنی کے سلسلے میں میرا اشتیاق بڑھا رہی ہو۔'' میں نے سرسراتی آواز میں جواب دیا۔

''فکر مت کرو، میں اُسے بھی تمہاری آغوش میں مچلنے پر مجبور کر دُوں گی۔''

میں انکا سے چٹخارے لے لے کر سروجنی کی باتیں کرتا رہا۔ وہ مجھے ڈپٹی اور سروجنی کے بارے میں ایک ایک بات تفصیل سے بتاتی رہی۔ اندر سے بلاوے آنے شروع ہو گئے، باری باری ایک شخص کو ایک وقت میں طلب کیا گیا۔ میرا نمبر سب سے آخر میں آیا، انکا پہلو بدلنے لگی۔ میں اُس کے اضطراب کا مقصد سمجھ رہا تھا، سروجنی کے ذکر کے دوران وہ کئی بار نگاہوں نگاہوں میں درخواست کر چکی تھی کہ میں خود کو قابو میں رکھوں، بے لگام ہونے کی کوشش نہ کروں، جوش سے پرہیز کروں، ہوش سے کام لوں۔ میں نے اسے کھل کر کہنے کا موقع نہیں دیا، سروجنی کا ذکر میرے لئے زیادہ لذت انگیز تھا، پولیس سے میری پرانی شناسائی تھی۔ میں نے جین کے فارم ہاؤس میں دو ماہ تک ارتکاز اور مراقبے کی مشقیں کرنے کے بعد بہت ساری قوتیں دوبارہ حاصل کر لی تھیں۔ مجھے کسی بات کا ڈر یا خوف نہیں تھا۔

ڈپٹی کے کمرے کے باہر مجھے بیس منٹ تک کھڑا رکھا گیا، میں سمجھ رہا تھا کہ نفسیاتی حربوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ میں نے کوئی احتجاج نہیں کیا، دیوار سے ٹیک لگائے انکا سے سروجنی کی باتیں کرتا رہا...... جب دروازے پر کھڑے سنتری نے اشارہ کیا تو میں نے قدم بڑھائے۔

''یہ لاٹھی باہر چھوڑ دو......'' سنتری نے مجھے ٹوکا۔ اُس کا لہجہ توہین آمیز تھا۔

''نہیں......'' میں نے فیصلہ کن لہجہ اختیار کیا۔ ''یہ لاٹھی میرے ساتھ جائے گی۔''

انکا تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی، سنتری کا رویہ یکلخت تبدیل ہو گیا۔ ''ناراض کیوں

ہوتے ہو مہاراج، تم لاٹھی لے جانا چاہتے ہو تو بڑے شوق سے لے جاؤ۔"

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، ڈپٹی ایک میز پر بیٹھا تھا، ایک انسپکٹر اُس کے بائیں ہاتھ پر موجود تھا، کمرے میں اُن دونوں کے سوا مجھے کوئی اور نظر نہیں آیا۔ میں قدم بڑھاتا میز کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ انکا میرے سر پر دوبارہ آ گئی۔ ڈپٹی کی تیز نظریں میرے چہرے پر چبھنے لگیں، انسپکٹر نے ایک نظر لاٹھی پر ڈالی پھر سپاٹ لہجے میں بیٹھنے کو کہا۔ میں خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرا پاسپورٹ سامنے میز پر موجود تھا۔ مجھے بلانے سے پیشتر شاید وہ دوبارہ اس میں درج معلومات کو کھنگال چکے تھے۔

"تمہارا شبھ نام......؟" ڈپٹی نے سنبھل کر میٹھے سروں میں گفتگو کا آغاز کیا۔

"خاکسار کو جمیل احمد خاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

"جمیل احمد خان۔" اُس نے میرے نام کو دُہراتے ہوئے اپنی یادداشت کو کریدا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔ "میں شاید تم سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں۔"

"یہ تم نے کیا غضب کر دیا......؟" انکا نے مجھے غلطی کا احساس دلایا۔ "پاسپورٹ میں تمہارا نام دولت علی درج ہے۔"

مجھے بھی جلد بازی کا احساس ہو گیا، مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا، اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔ میں نے بوکھلانے کی غلطی نہیں کی، ڈپٹی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"میں مصروف آدمی ہوں، دیس بدیس پھرتا رہتا ہوں، روزانہ سینکڑوں افراد سے ملاقات ہوتی ہے، پولیس افسران کی بڑی تعداد بھی مجھ سے واقف ہے، ہو سکتا ہے آپ سے کبھی ملاقات ہوئی ہو۔"

"تم نے اپنا نام جمیل احمد خان بتایا ہے مگر......" انسپکٹر نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ میں اس کا مقصد سمجھ گیا، اُسے مزید کچھ کہنے کا موقع دینا مناسب نہیں تھا، میں نے مسکرا کر خود اقرار کر لیا۔

"پاسپورٹ میں میرا نام دولت علی درج ہے، آپ شاید یہی کہنا چاہتے تھے۔"

"ہاں، لیکن تم نے......"

"یہ میری مجبوری ہے انسپکٹر۔" میں نے لاپرواہی سے شانے اچکاتے ہوئے اُس کی بات پھر کاٹ دی۔ "آپ اسے کوئی بھی رنگ دے سکتے ہیں۔"

انسپکٹر میری صاف گوئی پر ٹپٹا گیا۔ ڈپٹی نے اصل موضوع چھیڑ دیا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ ہم نے تمہیں یہاں تک لانے کی زحمت کیوں گوارا کی ہے؟"

اُس کے لہجے میں رعونت تھی۔

"جی ہاں۔" میں نے اپنے اندازِ گفتگو میں کوئی تبدیلی لانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ "اُس مسافر پر جس کا نام اشوک تھا، اچانک ہی دیوانگی کا دورہ پڑا تھا، تفصیل آپ کو میرے ساتھ آنے والے دوسرے مسافر بھی بتا چکے ہوں گے۔"

"اشوک کی بیوہ کا کہنا ہے کہ تم نے اشوک پر لاٹھی سے حملہ کیا تھا......" ڈپٹی کی تیز نظریں میرے وجود کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں۔

"جہاز میں افراتفری پھیل رہی تھی، عملے کے افراد بھی گواہی دیں گے کہ مرنے والا کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے محض ڈرانے کی خاطر اُس پر لاٹھی کا ایک ہلکا سا وار کیا تھا۔"

"جمیل احمد خان یا دولت علی۔" ڈپٹی نے پہلو بدل کر قدرے درشت لہجے میں سوال کیا۔ "کیا یہ دونوں مسلمانوں کے نام نہیں ہیں؟"

"میں نے کب انکار کیا......؟" میں مسکرا دیا۔ ڈپٹی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"اشوک نے مرتے وقت تمہیں مہاراج کہہ کر مخاطب کیا تھا، کچھ اور باتیں بھی کی تھیں؟"

"جی ہاں، میں پورے وشواس سے نہیں کہہ سکتا۔ پرنتو ایسا ہی جان پڑتا تھا جیسے اُس کی بدھی میں کوئی گڑبڑ اوش پیدا ہو گئی تھی۔" میں نے مہاراج کے حوالے سے ٹھیٹ ہندی میں جواب دیا۔ "سچ کیا ہے، پرماتما جانے......"

"ہندی اچھی خاصی بول لیتے ہو۔" ڈپٹی کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ "کہاں سے سیکھی؟"

"بھارت ورش میں جنم لیا، یہیں پلا بڑھا، پروان چڑھا آپ جیسے مہاپرشوں کی سبھا میں اُٹھا بیٹھا تو بولی بھی آ گئی۔"

"اشوک نے تمہیں مہاراج کیوں کہا تھا......؟" ڈپٹی نے پینترا بدل کر دریافت کیا۔

"مرنے والا تو دھرتی سے سارے سمبندھ توڑ کر بھگوان کو پیارا ہو گیا، اُس کے من میں کیا تھا وہی بتا سکتا تھا۔" میں نے معصومیت سے کہا، ڈپٹی کے علاوہ انسپکٹر بھی تلملا کر رہ گیا۔

"سنبھلو جمیل......" انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ "تمہاری باتیں جلتی پر تیل کا کام کر رہی ہیں۔"

"تم چنتا مت کرو انکا رانی۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "اس وقت اگر میں ڈر گیا تو ان کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے جنہوں نے تمہاری نظروں کے سامنے دُھوئیں کی چادر تان دی تھی، اینٹ کا جواب ہمیشہ پتھر سے دیا جاتا ہے، ڈپٹی کتنے پانی میں ہے یہ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

انکا نے کچھ کہنے کی بجائے ہونٹ بھینچ لئے۔ ڈپٹی نے اپنی ریوالونگ چیئر پیچھے کر کے دونوں ٹانگیں اُٹھا کر میز کے کونے پر رکھ لیں۔ اس طرح وہ مجھے باور کرانا چاہتا تھا کہ میں اس کی تحویل میں ہوں، میں نے زیادہ زبان درازی کی تو وہ اپنے سپاہیوں کو طلب کر کے میری چمڑی اُدھیڑنے کا فرمان بھی جاری کر سکتا تھا۔ اُس کی نگاہوں میں نفرت اور حقارت کے ملے جلے تاثرات اُبھرنے لگے۔ تھوڑے توقف کے بعد اُس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"جس جگہ تم بیٹھے ہو، اسے تھانہ کہتے ہیں۔ اور میں یہاں کا ڈی ایس پی ہوں۔ یہاں کیول میرا حکم چلتا ہے۔ میرے ایک اشارے پر اچھے اچھوں کے کس بل نکال دیئے جاتے ہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا......؟"

ڈپٹی کا آخری جملہ میرے لئے کھلا چیلنج تھا۔ میں کمزوری دکھاتا تو وہ اور سر چڑھنے کی کوشش شروع کر دیتا۔ میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ کس شخص سے دُشمنی مول لے رہا ہے۔ میں نے کوئی جواب دینے کی زحمت نہیں گوارا کی، اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ انکا میرے سر پر کسمسانے لگی، انسپکٹر کی پیشانی پر بھی بل نمایاں ہو گئے۔ وہ ڈپٹی کا چہیتا لگتا تھا اس لئے بول پڑا۔

"شرافت کی زبان نہیں سمجھو گے تو ہمیں مجبوراً تمہارے ساتھ دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

"تم اپنی چونچ بند ہی رکھو انسپکٹر......" میں نے پورے طمطراق سے انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ "جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو بچوں کا درمیان میں بولنا اچھا نہیں لگتا۔"

انسپکٹر کو مجھ سے اتنے تلخ جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ غصے میں کانپتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ انکا ایک وقت میں کسی ایک ہی شخص کو نشانہ بنا سکتی تھی۔ انسپکٹر کو بے قابو ہوتا دیکھ کر تیزی سے

میرے سر سے اُتر گئی۔ جاتے جاتے اُس نے دبی زبان میں پھر مجھ سے ہوش برقرار رکھنے کی درخواست کی، میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"انکا رانی، تم کچھ دیر کے لئے انسپکٹر کی نگاہوں پر پردہ ڈال دو، اس کی قوتِ سماعت معطل کر دو۔ ڈپٹی کو میں سنبھال لوں گا۔"

صورت حال بڑی تیزی سے تبدیل ہونے لگی، انسپکٹر کو غصے میں کھڑا ہوتا دیکھ کر ڈپٹی بھی آپے سے باہر ہو گیا، غرا کر بڑے خونخوار لہجے میں بولا۔

"تم اپنی اوقات سے بڑھ رہے ہو مہاشے، دماغ ٹھنڈا رکھو، ورنہ تمہاری ساری اکڑفوں دوسرے راستے سے نکلوا دوں گا۔"

"ڈپٹی......" میں نے جواب میں اُسے غضبناک نظروں سے گھورا۔ "تم جس کرسی پر بیٹھے اکڑ رہے ہو جانتے ہو یہ تمہیں کس کے کارن ملی ہے؟ وہ سندری میرے کہنے پر تم سے شادی نہ کرتی تو تمہارا بھوش بھی خطرے میں پڑ جاتا، تم چوپاٹی کے اپارٹمنٹ کی بجائے اس سمے فٹ پاتھ کی کسی جھونپڑی میں پڑے ہوتے۔ وہ فائل تمہاری ارتھی میں آخری کیل ثابت ہوتی جس میں تمہاری رشوت خوری کی تمام رام کہانی موجود تھی۔ میں سروجنی کے کہنے پر ریکارڈ رُوم سے وہ فائل غائب نہ کراتا تو اب تک تمہاری پتلون نہ جانے کب کی اُتر چکی ہوتی۔"

میں انکا کی فراہم کردہ اطلاعات سے فائدہ اُٹھاتا رہا، ڈپٹی کی آنکھیں پٹپٹانے لگیں۔ میں نے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا، وہ سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، انسپکٹر بت بنا کھڑا رہا، انکا کے تیز پنجوں نے اُس کو یقیناً قابو کر لیا ہوگا، ڈپٹی نے اپنے پیر میز سے ہٹا لئے، دزدیدہ نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا، شاید یہ بات اُسے کھٹک رہی تھی کہ میں نے ایک ماتحت کے سامنے اُس کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا، اُسے ششدر کر دینے کا ایک اور موقع میرے ہاتھ آ گیا۔

"اس کی چنتا مت کرو......" میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں نے اس کے کانوں پر ہاتھ جما رکھا ہے۔ جب تک میں نہ چاہوں، یہ ہماری باتیں نہیں سن سکتا......"

"تم......تم......" ڈپٹی کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ مخمصے میں گرفتار تھا۔ میں نے اُس کو کمزور پڑتا دیکھ کر ایک اور بھرپور ضرب لگائی، اپنی لاٹھی اُٹھا کر انسپکٹر کی نظروں کے

سامنے لہراتا ہوا بولا۔

''کچھ ٹپائی دے رہا ہے انسپکٹر۔ یا اندھے ہو گئے؟ ابھی بڑے غصے میں سانپ کی طرح بل کھا کر اُٹھے تھے، کیا وہی ناگ سونگھ گیا تمہیں، بت بنے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو؟ ایک ہی جنتر میں چت ہو گئے۔ دیکھ لیا چونچ کھولنے کا انجام۔ وردی کے زعم میں بڑے لال پیلے ہو رہے تھے۔ اب تمہاری حرام خانی کہاں اٹک کر رہ گئی؟''

میں انسپکٹر کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا، ڈپٹی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تم نے مجھ سے شبّن خان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟'' میں نے لاٹھی نیچے رکھ کر ڈپٹی کو بازاری انداز میں آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''میری تمہاری ملاقات وہیں ہوئی تھی۔ تم اُس کے قمار خانے اور اڈوں پر کس لئے جاتے تھے؟ کچھ یاد آ رہا ہے یا میں بتاؤں؟''

''مجھ سے بھول ہو گئی۔'' ڈپٹی نے بزدلوں کی طرح ہتھیار ڈال دیئے۔ شبّن خان کے حوالے پر ممکن ہے اُسے یاد آ گیا ہو کہ وہ وہاں کن لڑکیوں کی تلاش میں گیا تھا، میری اُس کی ملاقات کن حالات میں ہوئی تھی۔ لیکن اُس کے دل میں چور تھا، حرام کی کمائی کا خوف مرتے وقت تک رشوت خوروں کے ذہن سے کن کھجورے کی طرح لپٹا رہتا ہے، ڈپٹی تو ابھی زندہ تھا، سیر کے سامنے سوا سیر آ جائے تو وہ دُم دبا لیتا ہے۔ ڈپٹی بھی انہی کیفیات کا شکار تھا، عاجزی سے کہنے لگا۔

''میں آپ کو پہچان نہیں سکا ورنہ......''

''ورنہ بڑے گھاٹے میں رہتے۔'' میں نے میز سے اپنا پاسپورٹ اُٹھا کر جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ''اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ تم میری چمڑی اُدھیڑنے کا ارمان پورا کرو گے یا......'' میں نے دیدہ دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''میں شما چاہتا ہوں مہاراج۔'' ڈپٹی نے ہاتھ جوڑ لئے۔ ''میں آپ کو بغیر جل پانی کے نہیں جانے دُوں گا، آپ کی سیوا کر کے مجھے خوشی ہو گی۔''

''سیوا کرنے کے مواقع تمہیں ملتے رہیں گے۔'' میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''جب تک سروجنی کا دھیان رکھو گے میرا آشیرباد تمہارے ساتھ رہے گا۔ میں نے جس دن تمہارے سر سے ہاتھ اُٹھا لیا، تمہارا جیون کانٹوں میں اُلجھ جائے گا۔''

''نہیں مہاراج نہیں......'' ڈپٹی ہاتھ باندھ کر گھگیانے لگا۔ ''سیوک تمہاری کسی بات

سے انکار نہیں کرے گا۔ اس بار معاف کر دو، دوبارہ کبھی بھول چوک نہیں ہو گی۔''

''اپنی زبان میں اپنے آدمیوں سے بھی کہہ دینا کہ میرا راستہ کھوٹا کرنے کی کوشش نہ کریں۔'' میں نے سینہ تان کر کہا۔ ''ابھی کچھ دنوں رہوں گا تمہاری بمبئی میں۔ ہو سکتا ہے تمہاری سندری کے درشن کرنے بھی آ جاؤں۔''

''بڑی کرپا ہو گی......'' ڈپٹی نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''آپ کے آنے سے ہمارے بھاگیہ اور کھل جائیں گے۔''

''سروجنی سے ابھی میرا ذکر مت کرنا۔ وہ میرا سنے گی تو ملنے کو بے چین ہو جائے گی۔''

''جو حکم مہاراج......''

میں واپسی کے لئے پلٹا تو ڈپٹی قدم بڑھاتا دروازے تک آ گیا۔ وہ میرا بے دام غلام بن چکا تھا۔ میں نے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ڈپٹی نے بڑی انکساری سے درخواست کی۔

''مہاراج، مجھے شما کر دیا تو میرے انسپکٹر کی گستاخی بھی معاف کر دو، میں اُسے تمہارے بارے میں سمجھا دُوں گا۔''

''دھیرج رکھو۔'' میں نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ ''میرے جانے کے کچھ دیر بعد تمہارا انسپکٹر بھی میرے کشٹ سے مکتی پا جائے گا۔ اسے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں، دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد یہ سب کچھ بھول چکا ہو گا۔''

ڈپٹی ہاتھ باندھے کھڑا رہا، میں مونچھوں پر تاؤ دیتا کمرے سے باہر آ گیا۔ تھانے سے باہر نکل کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی، ڈرائیور کو تاج ہوٹل چلنے کی ہدایت دے کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد انکا بھی سر پر آ گئی۔ بڑی مسرور نظر آ رہی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں میرے لئے پیار ہی پیار بھرا تھا۔ خاموشی سے میرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی مجھے والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں کچھ دیر چپ رہا، پھر میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں تمہاری خوشی کا مطلب۔ لیکن تمہیں نہیں معلوم کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔''

''کیا ہوا جمیل......؟'' انکا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھ سے بھول ہوگئی۔" میں ہاتھ مسلنے لگا۔ "مجھے ڈپٹی کو اُسی وقت مار دینا چاہئے تھا جب اُس نے مجھے ترچھی نظروں سے دیکھا تھا۔"

"تم نے اچھا کیا جو اُسے معاف کر دیا۔" انکا نے مجھے احساس دلانے کی کوشش کی۔ "تم نے جس انداز میں اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا، وہ لاجواب تھا۔ اب وہ تمہارا غلام بن چکا ہے۔ آئندہ بھی تمہارے کام آتا رہے گا۔ جانتے ہو اُس نے انسپکٹر کے ہوش میں آنے کے بعد کیا کہا تھا؟"

"کیا......؟"

"وہ اپنی خوش قسمتی کا اظہار کر رہا تھا کہ اشوک کی موت کی تفتیش کے بہانے تمہارے جیسے دھرماتما سے ملاقات ہوگئی۔"

"مجھے ہموار کرنے کی کوشش مت کرو، میں نے طے کرلیا ہے کہ پہلی فرصت میں ڈپٹی کا کریاکرم کردوں گا۔" میں نے بگڑے ہوئے تیور سے جواب دیا۔

انکا مجھے حیرت سے گھورنے لگی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "تمہاری یہ ادا مجھے پسند آئی۔ اسی طرح شوخ شوخ باتیں کیا کرو۔"

"کیا مطلب......؟" میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

"میں تمہاری انکا رانی ہوں جمیل صاحب، جو دلوں کا بھید بھی جان لیتی ہوں۔" انکا ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر بولی۔ "کیا یہ غلط ہے کہ تم جان بوجھ کر مجھے تنگ کرنے کی کوشش کر رہے ہو......؟"

میں جواب میں مسکرادیا، پھر تھوڑے توقف سے بولا۔

"جانتی ہو اس وقت ہم کہاں جارہے ہیں......؟"

"تم پریشان مت ہو۔" انکا نے پاؤں پسار کر لاپرواہی سے جواب دیا۔ "تاج میں تمہارے نام سے کمرہ بک ہو چکا ہے، ایک نئی جھلملاتی کار تمہارے مصرف میں رہا کرے گی۔ جب تم منیجر سے ملو گے تو تمہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو جائے گا۔"

"میں جانتا ہوں، تم ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہو۔"

"غلط سمجھ رہے ہو۔" اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تاج میں تم ڈپٹی کے مہمان کی حیثیت سے رہو گے۔ اُسی نے منیجر کو فون کر کے تمہارے لئے خاص ہدایات دی ہیں۔ تاج

کا منیجر چھوٹے موٹے افراد کو گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ لیکن اُس کی بھی کچھ کمزوریاں ہیں جو ڈپٹی سے دبتا ہے۔ بڑا چلتا پرزہ آدمی ہے، ڈپٹی کے سامنے دُم بھی ہلاتا رہتا ہے اور اُس کے ذریعے اپنا کام بھی نکالتا رہتا ہے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، تم بھی یہ گر سیکھ لو۔"

"نصیحت کر رہی ہو......؟"

"مشورہ دے رہی ہوں۔ ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار کی بات ہے۔"

میں نے انکا سے یہ نہیں پوچھا کہ ڈپٹی کو میرے تاج ہوٹل میں ٹھہرنے کا علم کس طرح ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا نے اپنے پنجے اُس کے سر میں چبھو کر اپنا غلام بنالیا ہوگا۔ پھر ڈپٹی کے فرشتے بھی اُس کے کسی حکم کی پیروی کرنے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ انکا تھکی تھکی تھی۔ اُس نے میرے سر کے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ جلد ہی اُس کے ہلکے ہلکے خراٹے میرے کان میں گونجنے لگے۔

بمبئی کی جانی پہچانی شاہراہوں سے گزرتے ہوئے مجھے تزئین یاد آگئی۔ ماضی کے دُھندلکوں سے گرد چھٹنے لگی۔ مجھے یاد آیا، میں چچا جان کے ساتھ بنارس جانے کی خاطر فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں سوار تھا، ڈبے میں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا۔ تزئین الہ آباد کے اسٹیشن سے ہوا کے ایک معطر خوشگوار جھونکے کی طرح ہمارے ڈبے میں داخل ہوئی۔ میں اُسے دیکھتا رہ گیا۔ اُس کی عمر بمشکل سترہ اٹھارہ کے درمیان رہی ہوگی لیکن وہ حسن مجسم نظر آرہی تھی، اُس کی ایک ایک ادا کافرانہ تھی۔ عمر اُس کی بالی، قد سرو جیسا، چہرہ شاداب، آنکھیں میخانہ، ادائیں دلربانہ، خدوخال تیکھے، چال مستانہ، زلفیں ناگنوں کی طرح بل کھاتی ہوئیں، آنکھیں ہرنیوں جیسی، انداز میں تمکنت......

وہ قدرت کی تخلیق کا ایک منفرد، معصوم اور حسین شاہکار تھی۔ میں حسن پرست تھا۔ وہ زندگی کی نازک ڈال پر کسی کلی کی مانند کھل اُٹھنے کے مراحل سے گزر رہی تھی، میرے اندر ایک ہلچل سی بپا ہوئی لیکن کوئی بات ضرور تھی کہ میری نظروں میں اُس کے لئے میل نہیں تھا، میرا دل اُس کی طرف کھنچ رہا تھا مگر ہوس کے جذبوں میں ایک معمولی سا ارتعاش بھی نہیں ہوا۔ میں اُس کی معصومیت میں گم ہونے لگا۔ مجھے اپنی نرگس یاد آگئی، نرگس کا سایہ تزئین کے خدوخال اُس کے انگ انگ میں موجود تھا۔ وہ نرگس کا عکس نظر آرہی تھی۔ میرے دل کے زخم ہرے ہونے لگے۔

انکا نے بتایا کہ وہ لکھنؤ کی ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ الہ آباد میں اپنے پہلے مجرے کے سلسلے میں آئی تھی، لاکھوں دلوں کو گھائل کر کے جا رہی تھی۔ لکھنؤ کے بڑے بڑے عزت دار نواب اور رئیس زادے اس کے لئے بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے تھے۔ مجھے انکا کی بات پر یقین نہیں آیا، تزئین کے معصوم، بھولے بھالے چہرے کی پاکیزگی گواہی دے رہی تھی کہ اس جسم کو کسی مرد کا ہاتھ نہیں لگا...... البتہ تزئین کے ساتھ جو ادھیڑ عمر کی عورت ڈبے میں سوار ہوئی تھی وہ بڑی گھاگ اور جہاں دیدہ نظر آ رہی تھی، کھیلی کودی معلوم ہوتی تھی۔ جب تک تزئین میری ہمسفر رہی، میری بے چین نظریں اُس کے چہرے کی معصومیت، اُس کے مہکتے مسکراتے وجود کا طواف کرتی رہیں۔ بعد میں کلدیپ نے بتایا تھا کہ تزئین بھی طوائف زادی ہے، اُس کی ماں نے پیشہ ترک کر کے ایک رئیس کے ساتھ شادی کر لی تھی، تزئین نے دنیا میں جب آنکھ کھولی، اس وقت اس کی ماں کا تعلق کسی بالا خانے سے نہیں تھا لیکن اُس کی خالہ اشرفی بیگم نے بہن سے اپنا انتقام لینے کی خاطر اُس کا گھر اُجاڑ دیا، تزئین کو طوائف بنا دیا۔ مگر اس نے جلد بازی میں تزئین کی سودے بازی نہیں کی، اس کا بھاؤ بڑھانے کی خاطر اپنے تجربوں سے کام لیتی رہی۔ درمیان میں، میں آ گیا۔ میں نے اُسے اپنی نرگس کا پرتو سمجھ کر اشرفی بیگم سے چھین لیا، بڑے ہنگامے ہوئے، بڑے بڑے نوابین نے مجھے درمیان سے ہٹانا چاہا، اشرفی بیگم نے اپنے پرانے آشناؤں کی غیرت کو للکارا، غنڈوں کو پیچھے لگا دیا، میں نے ہار نہیں تسلیم کی، جو بھی سامنے آیا اُسے ٹھوکر مار کر راستے سے ہٹاتا گیا۔ کلدیپ بھی تزئین سے بیٹی کی طرح پیار کرنے لگی۔ پھر میں اُسے سیّد غوث کے محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر دوسرے بکھیڑوں میں اُلجھ گیا۔ اب بمبئی میں آیا تو تزئین اور نرگس کی یادیں پھر تڑپانے لگیں۔

ٹیکسی رُکی تو میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ تاج ہوٹل میں ٹیکسیوں کا داخلہ ممنوع تھا لیکن مجھے نہیں روکا گیا تھا۔ تاج ہوٹل کا منیجر میرے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گیا، وہ میرے استقبال کو پہلے سے باہر موجود تھا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا موجود نہیں تھی۔ میں سمجھ گیا کہ بمبئی جیسے شہر میں تاج جیسے ہوٹل کا منیجر کیوں میرے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو منیجر نے ایک پستہ قد کے آدمی کو میرے سامنے پیش کیا۔ وہ دوہرے جسم کا ایک ہٹا کٹا شخص تھا جس کے چہرے پر گھنی مونچھیں خاصی خطرناک لگ

رہی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں نظر آنے والی خوفناک چمک اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ خطرات سے کھیلنے کا عادی رہ چکا ہے، موت سے ڈر کر بھاگنا اُس کے اصول کے خلاف رہا ہوگا۔ اکیلا کئی آدمیوں پر بھاری پڑ سکتا تھا، اپنے حلیے اور چہرے کے خطرناک تاثرات کے برعکس اُس نے بڑے ڈھنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا، کوٹ کی جیب پر زرد اور سفید رنگ کے ملے جلے ریشمی دھاگوں سے ''P'' کا انگریزی حرف کڑھا ہوا تھا۔

''اس کا نام پرتھوی ہے......'' منیجر نے مہذب لہجے میں پستہ قد والے کا تعارف کرایا۔ ''یہ آپ کی گاڑی کا ڈرائیور ہے۔ ہمارے بھروسے کا آدمی ہے۔ آپ اس پر اعتماد کر سکتے ہیں، جب بھی آپ کو اس کی ضرورت ہو، استقبالیہ کو مطلع کر دیں، یہ آپ کو صدر دروازے پر گاڑی سمیت تیار ملے گا۔''

''ڈپٹی سے میرا شکریہ ادا کر دینا۔'' میں نے شانِ بے نیازی سے منیجر کو مخاطب کیا۔ ''اب میں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

منیجر، پرتھوی کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی الماری میں رکھی، پھر نیم گرم پانی سے غسل کیا تو ذہن کا غبار چھٹنے لگا۔ میں نہا کر باہر نکلا تو انکا سر پر آ گئی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ الماری میں میرے سائز کے بے شمار لباس موجود ہیں۔ میں نے ایک ہلکے لباس کا انتخاب کیا۔

''اب کیا ارادے ہیں......؟'' میں بالکونی میں آرام کرسی پر بیٹھا تو انکا نے مسکرا کر پوچھا۔ ''کچھ شغل کرو گے؟ تاج میں آج کل ایک روسی طائفہ مقیم ہے، ایک سے بڑھ کر ایک ہوش اُڑا دینے والی گداز جسم کی حسینائیں موجود ہیں۔''

''پرتھوی کیسا آدمی ہے......؟'' میں نے انکا کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔ ''کیا ایک ہندو پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟''

''غنڈوں، بدمعاشوں اور دہشت گردوں کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔'' انکا بولی۔ ''پرتھوی بڑی خوبیوں کا مالک ہے، جوڈو کراٹے کا ماہر ہے، ہر قسم کے اسلحہ کے استعمال سے بھی واقف ہے۔ خنجر زنی کی وارداتوں میں بڑے بڑے اُستادوں کے کان کتر سکتا ہے، دست بدست لڑائی کے فن سے بھی واقف ہے۔ دو سال کی قید مشقت کی سزا بھی کاٹ چکا ہے، کسی سدھائے ہوئے شکاری کتے کی طرح مالک کے ایک اشارے پر کسی کا بھی ٹینٹوا

دبوچ سکتا ہے۔“

”مالک کون ہے......؟“

”ہوٹل کا مینجر اور ڈپٹی مل جل کر پرتھوی کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ لیکن جس کی ڈیوٹی سونپ دی جائے اس سے بھی غداری نہیں کرتا۔“ انکا نے بڑے یقین سے کہا۔ پھر ٹھنک کر بولی۔ ”جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم کسی اور کی بات کیوں کرتے ہو......؟“

”انکا رانی......“ میں سنجیدہ ہو گیا۔ ”تم واقف ہو کہ میں نے جین جیسی وفادار حسینہ سے کیوں منہ موڑ لیا، میرے ہندوستان واپس آنے کی وجہ بھی جانتی ہو۔ تم ہی نے بتایا تھا کہ میرے دشمنوں کو میری واپسی کی اطلاع مل چکی ہے، وہ حرکت میں آنے کے لئے منصوبے بنا رہے ہوں گے، خود کو منظّم کرنے میں مصروف ہوں گے، صلاح مشورے کر رہے ہوں گے۔ دشمنوں کو سنبھلنے کا موقع دینا دانشمندی کے خلاف ہے۔ تم گواہ ہو، میں بدری نرائن کو ڈھیل نہ دیتا، گربہ کشتن روزِ اوّل کے اصول پر عمل کرتا، شروع شروع میں اُس کا سر کچل دیتا تو آج اس قدر تنہا نہ ہوتا۔“

”پھر تم نے کیا سوچا ہے......؟“

”ہردوار چلتے ہیں......“ میں نے ٹھوس اور سرد لہجہ اختیار کیا۔ ”پنڈت نول کشور بھی کیا یاد کرے گا کہ اُس کا واسطہ کس سرپھرے سے پڑا ہے، وہاں اُس کے چیلے اور حاشیہ بردار بھی اکٹھے ہوں گے۔ میں اُسے مردوں کی طرح للکاروں گا، پھر جو بھی ہو۔ اچھا ہے کہ قصہ جلدی ختم ہو جائے، وہ تتر بتر ہو گئے تو مجھے پھر اُن حرامزادوں کے پیچھے مارا مارا پھرنا پڑے گا۔ جنگ ایک محاذ پر ہو تو فیصلہ بھی جلدی ہو جاتا ہے، کئی محاذ کھل جائیں تو توجہ بٹ جاتی ہے۔“

”میں ابھی تمہیں ہردوار جانے کا مشورہ نہیں دُوں گی۔“ انکا کسمسانے لگی۔

”کیوں......؟“ میں مسکرا دیا۔ ”میری موت کے تصور سے ڈرتی ہو......؟“

”ایسی منحوس باتیں زبان پر مت لایا کرو جمیل۔“ اُس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ”تمہاری طرح میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ پہلے اس درخت کو جڑ سے کاٹ دیا جائے جس کے نیچے تمہارے دشمن سر جوڑ کر مشورہ کرتے ہیں۔ لیکن تم نہیں جانتے، پنڈت نول کشور بڑا کمینہ خصلت دشمن ہے، وہ کھل کر سامنے نہیں آئے گا، منڈل میں بیٹھا دوسروں کو آگ میں

جھونکتا رہے گا۔ کچھ عرصہ انتظار کر لو، میں کوئی نہ کوئی ایسا راستہ ضرور ڈھونڈ نکالوں گی کہ وہ خود بوکھلا کر منڈل سے باہر آ جائے۔“ انکا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”تم پہلے بھی منڈل توڑنے کا تماشہ دیکھ چکے ہو۔ اس بار ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہو گا۔ نول کشور نے تمہارے آنے کی اطلاع پا کر اپنے کچھ ہرکارے وندھیا چل کی طرف دوڑائے ہیں جہاں امرلال کا سنپولا چندرا، ایک برفانی گپھا میں دُھونی رمائے بیٹھا مہان شکتی حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“

”چندرا......“ میں نے مٹھیاں بھینچ کر غضبناک لہجے میں کہا۔ ”تیرے باپ نے بدری نرائن کی حمایت میں کھڑا ہو کر میری کلدیپ کو میسور کی پہاڑیوں سے نیچے اُترنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ درمیان میں نہ آتا تو کلدیپ کو کالی کا آشیرباد حاصل کرنے کی خاطر اپنی زندگی کا نذرانہ کبھی نہ پیش کرنا پڑتا۔ تیرا گھمنڈی باپ کلدیپ اور کالی کے معاہدے کی بھنک نہ پا سکا، کلدیپ نے ہاتھ کے اشاروں سے اُس بدبخت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اُس کی موت اذیتناک ثابت ہوئی۔ لیکن میں تجھ سے اپنی کلدیپ کا اتنا بھیانک اور خوفناک انتقام لوں گا کہ تیری پلید آتما بھی کبھی شانت نہ ہو سکے گی۔ میں تیری بوٹیاں چیل کوّوں کو کھلاؤں گا، تجھے چتا کی آگ بھی نصیب نہیں ہو گی۔“

میں عالمِ تصور میں چندرا سے مخاطب تھا۔ میرے جنون میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ میں بے قابو ہو رہا تھا، میری وحشتیں بڑھتی جا رہی تھیں، کلدیپ کی یاد نے مجھے دیوانہ کر دیا، میں پاگل ہو گیا، عقل و خرد سے بیگانہ ہونے لگا۔

”ہوش میں آؤ جمیل۔“ انکا کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔ ”اپنے آپ کو سنبھالو، ورنہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھو گے۔“

”دفع ہو جاؤ میرے سر سے۔ کوئی اور ٹھکانہ تلاش کر لو، مجھے نصیحتیں مت کرو۔“ میں پوری قوت سے چیخا۔ ”چلی جاؤ...... میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں، سنا تم نے، مجھے تمہاری کوئی ضرور......رو......ر......رت......“

میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ انکا میرے سر پر تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے باریک پنجوں کی تیز چبھن ہر لمحہ شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، میرے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں ماؤف ہو گئیں، میرا ذہن گھپ اندھیروں

میں ڈوبتا چلا گیا۔

وقت کی رفتار تھم گئی، میں ہر بات سے بے نیاز ہو گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو میں بالکونی میں اپنے بستر پر تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے ہلکی ہلکی دُھند طاری تھی۔ تاج ہوٹل کے کمرے میں دُھند کا ہونا تعجب خیز بات تھی۔ شاید انکا کے باریک پنجوں کی تیز چبھن نے میری بصیرت پر اثر ڈالا ہو، مجھے کم نظر آنے لگا ہو، میں جسے دُھند سمجھ رہا تھا وہ میری نظروں کی کمزوری بھی ہو سکتی تھی جس نے ہر شے کو دُھندلا دیا ہو، انکا کی وجہ سے میں ایک بار اپنی سیدھی آنکھ سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ انکا اُن دنوں تربینی کے سر پر تھی۔ میں نے اُس کی غیر موجودگی میں تربینی کی زندگی کا منحوس چراغ گل کرنے کی کوشش کی، انکا نے مجھے ایک آنکھ سے محروم کر دیا۔ میں بعد میں تربینی کے اشاروں پر ناچنے کو آمادہ ہوا تو اُس نے انکا کے ذریعے میری بے نور آنکھوں کو دوبارہ روشن کرا دیا۔ مگر اُس وقت اور بات تھی، اُس وقت تک میں صرف انکا کا محتاج تھا۔ اب میرے اندر نندا کی بخشی ہوئی ماورائی قوتیں موجود تھیں، پریتم لال کا آشیرباد حاصل تھا، ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں نے مجھے حیرت انگیز طاقتوں سے مالا مال کر رکھا تھا۔

''نہیں......'' میرے نیم بیہوش ذہن نے کہا۔ ''انکارانی ایسا کوئی عمل نہیں کر سکتی جو میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔'' خود انکا نے مجھے بتایا تھا کہ پریتم لال نے اُسے میرے پاس لانے سے پیشتر کہا تھا کہ اب وہ صرف اُس کی آتما کے دائرہ اختیار میں ہے، جب تک اُس کی آتما انکا سے دستبردار نہیں ہوگی کوئی دوسرا پنڈت یا پجاری اس کو قابو نہیں کر سکے گا۔ ایسی صورت میں انکا سے کسی جارحانہ رویئے کی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی، وہ جانتی تھی کہ پریتم لال کی آتما میری پشت پر تھی۔

''پھر وہ دُھند کیسی تھی......؟'' میں نے غور کرنے کی کوشش کی لیکن ذہن نے ساتھ نہیں دیا، میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہونے لگیں۔ ایک لمحے کو مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم اور ذہن کی ساری قوتیں مجھ سے چھین لی گئی ہوں، میں مفلوج ہو کر رہ گیا تھا، میری آنکھیں دیکھ سکتی تھیں، میرے کان سن سکتے تھے لیکن میرا جسم حرکت کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے زور لگا کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کر سکا، میں نے سر پر نظر ڈالی، دُھند کی چادر اتنی دبیز نہیں تھی کہ میں قریب کی چیز بھی دیکھنے سے قاصر رہتا۔ انکا میرے سر

پر نہیں تھی، وہ میرے ذہن کو وقتی طور پر معطل کر کے کہیں چلی گئی تھی...... ''کہاں...؟'' میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے بیہوشی سے قبل پنڈت نول کشور کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ پیش قدمی کرتا، اُس پر جھپٹ پڑنے کی سوچ رہا تھا۔ انکا نے مجھے میرے ارادے سے روکنے کی کوشش کی۔ میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ مچان پر بیٹھ کر جنگل کے بادشاہ کا شکار کھیلنے والے مرد نہیں ہوتے۔ جو شیر کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر گولی داغنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتے ہیں وہی شکاری کہلانے کے مستحق بھی ہوتے ہیں۔ لیکن انکا نے میری بات نہیں سنی، بات امرلال کے بیٹے چندرا کی آئی تو میرے ماضی کے در کھل گئے، مجھے اپنی کلدیپ یاد آ گئی۔ میں بے قابو ہو گیا، میری وحشتیں حد سے گزرنے لگیں تو انکا نے مجھے پُرسکون رکھنے کی خاطر اپنے باریک اور تیز پنجوں کا نشتر لگا کر مجھے بیہوش کر دیا۔ پھر......

شاید میری بیہوشی اور انکا کی غیر موجودگی میں میرے دشمنوں کو وار کرنے کا موقع مل گیا، وہ غافل نہیں ہوں گے، گھات لگائے بیٹھے ہوں گے، ایک ایک لمحے کی خبر رکھتے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اُنہیں میرے تاج میں ٹھہرنے کی اطلاع مل گئی ہو۔ اُن کا کوئی بھیدی بھی کہیں آس پاس منڈلا رہا ہو، اُسے کسی پہنچے ہوئے پنڈت یا پجاری سے بھنک مل گئی ہو کہ میدان صاف ہے، اُس نے پھرتی سے کام کیا ہو، کوئی زہریلا انجکشن لگا کر مجھے مفلوج کر کے نکل گیا ہو۔ میرے خشک ہونٹوں پر مایوسی کی زرد مسکراہٹ اُبھر آئی۔

''جمیل احمد خان، اب تمہارا وقت پورا ہوا، بہت دنوں سینہ تان کر دندناتے پھرے، کلدیپ کی شکتی اور پریتم لال کی پرارتھنا تمہیں بچاتی رہیں، انکا کے پراسرار وجود نے تمہیں بڑے عیش کرائے، تم نے جو مانگا وہ ملا، جو چاہا وہ پورا ہوا۔ لیکن کب تک؟ کبھی نہ کبھی تو تمہاری زندگی کے چڑھتے سورج کو بھی ڈوبنا تھا، گہن لگنا تھا۔ جو پیدا ہوتا ہے اُسے ایک دن موت کا ذائقہ بھی ضرور چکھنا پڑتا ہے۔ انکا، کلدیپ اور پریتم لال سے بھی بڑی ایک قوت ہے جو پوری کائنات کی مالک ہے، جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے، جو تم دیکھ نہیں سکتے وہ سب کچھ اُس کی نظروں میں ہوتا ہے۔ وہ خود مختار ہے، موت اور زندگی دونوں اُس کے اختیار میں ہیں۔ اُس سے کہاں تک بھاگ سکتے ہو؟ ایک نہ ایک دن تو تمہیں مرنا تھا، پچھتانے سے کیا حاصل ہوگا؟ اب بھی کچھ سانسیں تمہارے پاس امانت رہ گئی ہیں، فائدہ

اُٹھا لو، اُس کے سامنے جھک جاؤ، ہاتھ جوڑ لو، گڑگڑا کر معافی مانگو۔ یہ وقت بھی گزر گیا تو ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔"

میرا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا، مجھے پریتم لال یاد آیا، اُس نے کہا تھا کہ مجھے کلدیپ کے ادھورے کام پورے کرنے ہیں۔ وہ مہان شکتیوں کا مالک تھا، زمین کی تہوں اور سمندر کی گہرائیوں میں بھی جھانک سکتا تھا۔ دیوی دیوتاؤں نے اُسے لازوال قوتوں سے نواز رکھا تھا۔ وہ مرنے کے بعد بھی ہڈیوں کے پنجر کے رُوپ میں میرے سامنے آ گیا تھا مگر شاید وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ میری زندگی کا سفر پورا ہونے کا وقت قریب آ چکا ہے۔

موت کا تصور بڑا اذیتناک تھا...... میں نے زور لگا کر پھر اُٹھنے کی کوشش کی، مجھے اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے عالم تصور میں چیخ چیخ کر انکا کو آوازیں دیں، پریتم لال کی آتما کو مدد کے لئے پکارا، کلدیپ کو یاد کیا۔ میری نگاہوں تلے اندھیرے لپکنے لگے، دل کی دھک دھک تیز ہو گئی، پیشانی پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دُھند کو چیرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دم گھٹنے سے پیشتر شاید ایسا ہی کرب، ایسی ہی وحشتیں طاری ہوتی ہیں، ڈوبنے والا شخص ہاتھ پیر چلانے سے باز نہیں آتا، آخری سانس تک جدوجہد جاری رکھتا ہے، ڈوبتا ہے، اُبھرتا ہے، پھر ڈوبنے لگتا ہے، زندگی کی آس دم اُکھڑنے تک قائم رہتی ہے، اُمیدیں سہارا دیتی ہیں، جینے کی آرزو ختم نہیں ہوتی، زندہ رہنے کو اُکساتی رہتی ہے۔ میری حالت غیر ہو رہی تھی...... میں اُس مچھلی کی طرح پھڑپھڑانے لگا جو پانی سے نکل کر خشکی میں آ گئی ہو۔ مجھے اپنا وجود بیچ منجدھار میں غرق ہوتا نظر آ رہا تھا جب ایک من موہ لینے والی سریلی نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی......

یکلخت مجھے یوں لگا جیسے میں تپتے ہوئے ریگستانوں میں بھٹکتا بھٹکتا کسی نخلستان میں پہنچ گیا ہوں، اُس آواز میں سحر تھا، جادو تھا، کشش تھی، زندگی کی حرارت کا احساس تھا، زندہ رہنے کی نوید تھی۔ میں چونکا، مجھے ایسا لگا جیسے میرے جسم کی تمام بندشیں ایک ایک کر کے ٹوٹ گئی ہوں۔ میری نظروں کے سامنے سے دُھند کی چادر سرک گئی، میری بینائی پوری طرح بحال ہو گئی۔ میں حرکت کرنے کے قابل ہو گیا...... میں نے کروٹ بدلی، آواز کی سمت دیکھا تو زندہ رہنے کی آرزوؤں میں اُبال آنے لگا، دل کی ڈوبتی حرکتوں کو قرار آ گیا۔

میں اُسے آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا، وہ کسی مندر کی کمسن پجارن نظر آ رہی تھی۔

پجارنوں کے لباس میں سمٹی سمٹائی میری نگاہوں کے سامنے کھڑی تھی، اُس کے معصوم چہرے کا تقدس اُس کی پاکیزگی کا گواہ تھا، اُس کی نگاہوں میں بھولپن تھا، اُس کے ہونٹوں کے گداز میں زندگی ہی زندگی تھی، اُس کے خدوخال، اُس کا حسن، اُس کے چہرے پر کھیلتی حیا کی شرمیلی مسکان، لچک کر کھڑا ہونے کا انوکھا انداز، بدن کی خوشبو، لباس کی سادگی میں پرکاری، گھنیری دراز پلکیں، ایک ایک ادا قیامت تھی۔ بادامی آنکھوں میں کاجل کی ڈورنے اُس کے حسن کو دوآتشہ بنا دیا تھا۔

"کون ہو تم......؟" میں نے پوچھا۔

"پجارن۔" وہ مدھم سُروں میں بولی۔ "تم بیاکل تھے، میں تمہارا من بہلانے کو آ گئی۔"

"تمہارا نام......؟" میں نے پلکیں جھپکائے بغیر دریافت کیا۔ ڈر تھا کہ کہیں وہ خواب ٹوٹ نہ جائے۔

"کجرا...... پجارن کجرا۔" اُس نے لجا کر جواب دیا۔

"تمہیں میری بے چینی، میری وحشتوں کا علم کیسے ہو گیا......؟"

"دیوتا کی سیوا کرنا تو پجارن کا دھرم ہوتا ہے مہاراج۔" اُس کی نگاہوں میں کنول تیرنے لگے۔ "تم نے من سے مجھے آواز دی میں آ گئی۔ میرے بڑے بھاگ یہ کہ اسی بہانے تمہارے درشن ہو گئے۔"

"تم نے میری پکار سن لی تھی؟"

"ہاں مہاراج...... ایک من دھڑکتا ہے تو دوسرے کو بھی اس کی خبر مل جاتی ہے، اسی کو سنجوگ کہتے ہیں۔" وہ پھولوں سے لدی شاخ کی مانند لچکنے لگی، نظریں جھکا کر مدھم لہجے میں بولی۔ "جوت سے جوت ہوتی ہے، پرکھوں نے یہی کہا ہے۔"

"تم آ گئیں، میرے من کو قرار آ گیا......" میں نے کے مخملی جسم کو بغور دیکھا۔

"گرو دیو بھی یہی بھاشن دیتے ہیں۔" اُس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "کوئی بیاکل ہو، کوئی کشٹ بھوگ رہا ہو تو اُس کی سیوا کرنا بڑے پن کا کام ہے۔"

"تم رہتی کہاں ہو......؟" میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

"مندر میں۔" وہ معصومیت سے بولی۔ "دیوی کے چرنوں میں۔"

"اگر میں تمہیں اپنے من مندر میں چھپا لوں؟"

''نہیں مہاراج۔'' وہ لجا گئی۔ ''ایسی باتیں پجارن کو شوبھا نہیں دیتیں۔ شریر کا شریر میں گھل جانا پاپ ہوتا ہے۔ منش ایسے راستے پر چلے تو بھٹک جاتا ہے، اس کی منوکامنائیں کبھی پوری نہیں ہوتیں، سارا جیون گھور اندھیرے میں بیت جاتا ہے، مرنے کے بعد نرک میں جاتا ہے۔''

''تم کس مندر میں رہتی ہو......؟'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''یہاں سے پچھّم کی اور چلو تو چار پانچ کوس دُور دُرگا مائی کا ایک مندر آتا ہے، اُسی مندر کی ایک کٹی میں رہتی ہوں۔'' اُس نے بھولپن سے جواب دیا۔ ''پنڈت اوم پرکاش نے دیا کھا کر مجھے شرن دے رکھی ہے۔''

''وہاں تمہارے ساتھ اور پجارنیں اور پجاری بھی رہتے ہوں گے؟''

''ہاں......'' اُس نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''تمہیں کسی پجاری سے پریم نہیں ہوا......؟'' میں نے نشیلی آواز میں سوال کیا، وہ شرما گئی۔ لاجونتی کی مانند خود اپنے ہی وجود میں سمٹنے لگی۔

''کیسی مورکھوں جیسی باتیں کر رہے ہو مہاراج، پریم تو کیول دیوی دیوتاؤں کے ساتھ ہوتا ہے، منش تو بھٹکتا رہتا ہے۔ بھٹکنے والوں سے کیا پیار کرنا......؟''

''کبھی کسی پجاری نے تمہارا ہاتھ نہیں تھاما؟'' میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کجرا کی معصوم باتیں میرے دل پر اثر کر رہی تھیں۔ میں سب کچھ بھول کر اُس کے حسین وجود میں گم ہونے لگا۔

''ہٹے کٹے پجاری کبھی بھنگ چڑھا کر شیطان بھی بن جاتے ہیں۔''

''پھول تو کانٹوں کے بیچ ہی کھلتے ہیں مہاراج......'' وہ بڑی حسرت سے بولی۔ ''کوئی توڑ لیا جاتا ہے، کوئی ڈالی پر ہی سوکھ کر مرجھا جاتا ہے، جس کے بھوش میں جو لکھ دیا گیا، وہ اوش پورا ہوتا ہے، پنڈت اوم پرکاش مہاراج بھی یہی کہتے ہیں۔''

''اوم پرکاش نے تمہیں کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا؟'' میں نے سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔

''کئی بار دیکھ چکے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''مندر میں اور بھی پجارنیں ہیں، پرنتو وہ مجھے سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ میرا من اُداس ہوتا ہے تو میں اُن کے چرنوں میں ڈنڈوت کرنے چلی جاتی ہوں۔ اُن کی بڑی کرپا ہے میرے اُوپر۔'' وہ پلکیں تیز تیز

جھپکاتے ہوئے بولی۔ ''میں زیادہ اُداس ہوتی ہوں تو وہ میرا من شانت کرنے کے لئے مدھ کا پیالہ بھی دیتے ہیں، اُسے پی کر میرے من کو شانتی مل جاتی ہے، میں سارے دُکھ درد بھول جاتی ہوں، کبھی کبھی میری آنکھ بھی لگ جاتی ہے۔ جب دوبارہ اُٹھتی ہوں تو اپنی کٹی میں ہوتی ہوں۔''

میرے اندر ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی۔ میں جان گیا کہ پنڈت اوم پرکاش اُسے مدھ (شراب) کا پیالہ دے کر مدہوش کر دیتا ہوگا۔ بے ہوشی کے عالم میں کجرا کے سندر شریر سے کھیلتا ہوگا، اپنی پیاس بجھاتا ہوگا، پھر کسی پجاری کے ذریعہ اسے اس کی کٹی میں بھیج دیا جاتا ہوگا۔ پجاری اپنا خراج الگ وصول کرتے ہوں گے۔ مندر اور پاٹھ شالاؤں میں اس قسم کی کہانیاں بڑی عام ہوتی ہیں، دیوی دیوتاؤں کے نام پر وقف کر دی جانے والی معصوم، کم عمر اور بھولی بھالی لڑکیاں جس ماحول میں پرورش پاتی ہیں اسی کو زندگی سمجھ کر قبول کر لیتی ہیں۔'' کجرا نے جس معصومیت سے اپنی بربادی کی کہانی سنائی اسے سن کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون کھول اُٹھا۔ وہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں سے بے خبر تھی، لٹیروں کو اپنا محافظ سمجھ رہی تھی۔

''تمہارے ماتا پتا...... دوسرے بڑے کہاں رہتے ہیں؟'' میں نے اُسے کریدنے کی خاطر سوال کیا۔

''بھگوان جانے......'' وہ اُداس ہو گئی۔ ''جب میں بہت چھوٹی تھی اسی سمے میری ماں مجھے دیوی کے چرنوں میں ڈال گئی تھی۔ اوم پرکاش مہاراج نے یہی بتایا ہے۔''

''میں تمہیں کیسا لگتا ہوں......؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''تم...... تم تو مہاراج ہو، مہان شکتیوں کے مالک۔'' کجرا بڑی عقیدت سے بولی۔ ''تمہارے سائے تلے بیٹھ کر ستانے کو من کرتا ہے، جیون کا سارا سواد تمہارے چرنوں میں ہی تو ہے۔ اوم پرکاش مہاراج نے یہی کہا تھا۔''

''اور اگر میں کہوں کہ تم میرے چرنوں میں جیون بِتا دو...... تو؟''

''بات میرے بس میں ہوتی تو میں کبھی انکار نہ کرتی، سارا جیون تمہارے چرنوں میں بِتا دیتی، ایک پل کے لئے بھی تمہاری گھنیری چھایا سے دُور نہ جاتی لیکن......''

''لیکن کیا کجرا؟'' میں نے تڑپ کر اُس کے چہرے پر اُبھرنے والی مایوسی کا سبب

پوچھا۔ ''تم چپ کیوں ہو گئیں......؟''

''اوم پرکاش مہاراج نے کہا تھا کہ میں گھڑی دو گھڑی تمہارا دل بہلا کر واپس آ جاؤں۔ میں اُن کا کہا نہیں ٹال سکتی۔''

''پنڈت اوم پرکاش نے میرے بارے میں تم سے اور کیا کہا تھا......؟'' میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ کجرا کی بات سن کر معاً میرے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ وہ کسی اور کے دھوکے میں بھٹک کر میرے کمرے میں آ گئی ہے۔ میں مسلمان تھا، وہ ایک مندر کی پجارن تھی، تربیت کے دوران اُسے یہ بات بھی ضرور سکھائی گئی ہوگی کہ مسلمانوں سے دُور رہے، اُن کے سائے سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرے، نفرتوں کا درس دیا گیا ہوگا، اور نہ جانے کیا کیا زہر گھٹی میں گھول کر پلایا گیا ہوگا۔ اُس کا جسم چندن تھا، اُس کی آنکھوں میں شراب مچلتی تھی، وہ کمسن تھی، گداز جسم کی مالک تھی، پنڈت اوم پرکاش اُس جیسی خوبصورت پجارن سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ جانے کتنے پجاری اور دیوداس بھی اس پر دانت جمائے بیٹھے ہوں گے۔ وہ اُسے ایک مسلمان کی خدمت پر مامور کرنے پر کیسے آمادہ ہو سکتے تھے؟ کہیں نہ کہیں کوئی خلاء ضرور موجود تھا۔

''وہ تمہارے مِتر ہیں، تم اُنہیں جانتے ہو۔ پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو......؟'' وہ معصومیت سے بولی۔ اُس کی آواز میں ترنم تھا، اُس کے لہجے میں راگنی تھی۔

''کجرا......'' میں نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پیار سے کہا۔ ''مجھے بتاؤ، پنڈت اوم پرکاش نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ کیا بتایا تھا میرے بارے میں؟''

''مہاراج نے مجھے بتایا تھا کہ تم بھی پنڈت نول کشور مہاراج کے جتھے میں شامل ہو، تمہاری شکتی اپرم پار ہے، تم نے بڑی کٹھن تپسیا کے بعد وہ استھان حاصل کیا ہے جو دوسروں کو نہیں ملتا۔'' کجرا نے میری تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے، میں نول کشور کا نام اُس کی زبان سے سن کر پہلو بدلنے لگا، کجرا کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اُسے زندہ نہ چھوڑتا، اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نول کشور کو بطور تحفہ روانہ کر دیتا۔ لیکن وہ ایک حسین پجارن تھی، حسن میری کمزوری تھی، نول کشور میری نفرت کی انتہا تھا۔ میں کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ کجرا کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی۔

''وہ دشٹ جو سات سمندر پار سے ہمارا بیری بن کر آیا ہے وہ اپنے ناپاک ارادوں میں

کبھی کامیاب نہ ہوگا، اُس کی موت، اُس کا انت تمہارے ہاتھوں ہوگا، تم اُسے اپنے چرنوں تلے روندو گے، اُس کے شریر کو آگ لگا دو گے، اُس کے نرک میں جانے کے بعد پھر کوئی مُسلا ہماری طرف آنکھیں اُٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا، اُن کا سارا گھمنڈ ٹوٹ جائے گا اور......اور اس کے بعد......''

کجرا نے شرما کر پلکیں جھکا لیں، میری نگاہیں اُس کے حسن کے نکھار کا جائزہ لے رہی تھیں، میرے اندر الاؤ بھڑک رہا تھا، لاوا اُبل رہا تھا، وہ معصوم فتنہ جو میرے سامنے کھڑی تھی، جمیل احمد خان کا دل بہلانے نہیں آئی تھی، میرے کسی دشمن کی آغوش کو گرمانے کو بھیجی گئی تھی، میرا ماتھا ٹھنکا، مطلب صاف تھا، تاج میں میرے علاوہ پنڈت نول کشور کا کوئی ایسا چیلا بھی ضرور موجود تھا جس پر پنڈت اوم پرکاش بھی مان کر رہا تھا۔ میرے اندر کھلبلی شروع ہو گئی۔ میں نے جلد بازی نہیں کی، احتیاط سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

''تم کچھ کہتے کہتے چپ کیوں ہو گئیں؟...... جو کچھ من میں ہے کھل کر کہہ ڈالو۔''

''مہاراج اوم پرکاش نے کہا تھا کہ وجے تمہاری ہوگی۔'' کجرا اپنی اوڑھنی کا کونہ دانتوں میں دبا کر بل دیتے ہوئے مدھر آواز میں بولی۔ ''دشمن کو چتا کی آگ میں جھونکنے کے بعد تم اگر مجھے اپنی سیوا کے لئے مانگو گے تو مہاراج انکار نہیں کریں گے۔''

''میرا نام جانتی ہو......؟'' میں نے مسکرا کر سوال کیا۔

''تمہارا شبھ نام بھی تمہاری ہی طرح سندر ہے......'' وہ شرما کر مدھم آواز میں بولی۔

''مہاراج کالی داس......''

مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہو گئی۔ میں نے کجرا کو زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا، بات بگڑ جاتی تو ایک شکار میرے ہاتھ سے نکل جاتا۔ میرے خون کی گردش تیز ہونے لگی، میں سوچنے لگا، کجرا میرے سامنے موجود ہے، کیوں نہ اسے ہاتھ بڑھا کر دبوچ لوں، اس کے نازک جسم کو پھول کی طرح مسل کر رکھ دُوں، ایک ایک پنکھڑی کو نوچ کھسوٹ کر ہوا میں منتشر کر دُوں، خاک میں ملا دُوں۔ لیکن میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ میری نظروں میں کھب گئی تھی۔ میں اسے بعد میں بھی حاصل کر سکتا تھا، پہلے اُس زہریلے ناگ کالی داس کا سر کچلنا ضروری تھا جو تاج ہی کے کسی کمرے میں کنڈلی مارے، میری موت کی گھات لگائے بیٹھا تھا۔

''کس وچار میں گم ہو گئے مہاراج......؟'' کجرا کی آواز کا ترنم جاگا۔ میں خیالوں کی دنیا سے ہوش میں آ گیا۔

''اب جاؤ کجرا......'' میں نے سنجیدگی سے قدرے بدلے ہوئے انداز میں اُسے مخاطب کیا۔ ''تمہارے آنے سے میرے من کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ پنڈت اوم پرکاش سے میرا پرنام کہنا، مجھے ایک ضروری جاپ یاد آ گیا، دشمن کو نشٹ کرنے کے کارن اس جاپ کو ترنت کرنا ضروری ہے، تم سندر ہو، میری نظروں کو بھا گئی ہو۔ میں پھر کبھی اطمینان سے تمہیں سیوا کا موقع دُوں گا۔''

''بھول نہ جانا مہاراج......'' وہ روانی میں کہہ گئی۔ پھر ہاتھ باندھ کر سنجیدگی سے بولی۔ ''میں چلتی ہوں، مجھے آگیا دو۔''

میں نے پنڈت پجاریوں کی طرح سیدھا ہاتھ بلند کر کے اُسے آشیرباد دیا، وہ پھول کی شاخ کی طرح لچکی، پھر اُلٹے قدموں چلتی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا، انکا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ حالات کی سن گن لینے گئی ہو گی۔ میں پوری طرح ہوش وحواس میں تھا۔ کجرا کے آ جانے سے میرے اُوپر طاری کسلمندی کی تمام کیفیتیں چھٹ چکی تھیں، میں تر و تازہ ہو گیا تھا، میں نے انکا کی واپسی کا انتظار ضروری نہیں سمجھا، بستر پر ہی یوگا کی مشق کرنے کے انداز میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا، آنکھیں بند کر کے ارتکاز میں مستغرق ہو گیا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا، میری نگاہوں کے سامنے سے در و دیوار کی رُکاوٹیں سرکنے لگیں، میرے اندر کی روشنی بڑھتی گئی، مجھے ایک دروازہ نظر آیا جس پر پیتل کے ہندسوں سے چار سو اٹھائیس درج تھا، میرے اندر نندا کی بخشی ہوئی قوتیں بیدار ہو کر کروٹیں لینے لگیں، میری نظریں دروازے سے گزر کر اندر کمرے میں پہنچ گئیں۔ ہر شے صاف نظر آنے لگی۔

دراز قد کا ایک ہٹا کٹا شخص جسم پر لنگوٹی باندھے فرش پر آسن جمائے بیٹھا تھا، اُس کی آنکھیں بند تھیں، ہونٹ متحرک تھے، کسی جاپ میں مگن تھا۔ میری نظریں اُس کے چہرے سے ٹکرائیں تو اُس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں، اُس کی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں کے درمیان تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ شاید اُس نے بھی میری بھنک پا لی تھی۔ کسی ربڑ کی گیند کی طرح تیزی سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا، پھٹی پھٹی نظروں سے کمرے میں چاروں

طرف دیکھنے لگا۔ وہ خطرے کی بو سونگھ چکا تھا، میں نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میں پریتم لال کی سونپی ہوئی قوت کو ایک بار پہلے بھی آزما چکا تھا، میں نے اُس وقت بھی اُس کا نام سچے دل سے لے کر سوچا۔

''کجرا کے بیان کے مطابق پنڈت کالی داس، پنڈت نول کشور کی بساط کا ایک مہرہ اور میرا دشمن ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو اسے خود اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کر لینی چاہئے......''

پریتم لال نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ میں جب بھی کسی جائز کام کے لئے سچے دل سے اُس کا نام لے کر کسی خواہش کا اظہار کروں گا، وہ ضرور پوری ہو گی۔ میں پنڈت کالی داس کو گھورتا رہا۔ میری سوچ مکمل ہونے کے بعد اُس کے چہرے کے تاثرات بڑی سرعت سے تبدیل ہونے لگے، اُس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا، اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے، اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن سنبھل نہ سکا، لڑکھڑا کر زمین پر گرا...... اُس کے ہاتھ مشینی انداز میں گردن کی طرف بڑھنے لگے، پھر اچانک وہ اس طرح فرش پر ہاتھ پاؤں چلانے لگا جیسے اُس کو اپنے انجام کی خبر مل گئی ہو۔ اُس کے جسم کے جوڑ پٹھوں میں کھنچاؤ کی شدت صاف نظر آ رہی تھی، وہ پوری جدوجہد کر رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ گردن سے دُور رہیں۔ موت اور زندگی کا بھیانک ناٹک کچھ دیر جاری رہا، مگر وہی ہوا جو میں نے دل میں سوچا تھا۔ کالی داس کی تمام تر کوششوں کے باوجود اُس کے ہاتھوں کا شکنجہ گردن میں پڑ گیا۔ پریتم لال کی آتما کی مہان شکتی کہیں دُور بیٹھی میری خواہش کو پورا کر رہی تھی، کالی داس تڑپتا رہا، موت کے چنگل سے نجات پانے کی خاطر آخری وقت تک اُس نے اپنی کوشش ترک نہیں کی لیکن وہ پریتم لال کی شکتی کا توڑ کرنے میں ناکام رہا۔ اُس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل کر باہر آ گئیں، جسم تڑپ تڑپ کر ساکت ہو گیا تو میں نے آنکھیں کھول لیں۔

میرے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ پجارن کجرا کی بھول نے میرے ایک دشمن کو جہنم رسید کر دیا۔ میں سوچنے لگا کالی داس کی موت کی اطلاع پنڈت اوم پرکاش اور نول کشور کو ملے گی تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے۔ وہ پراسرار طاقت بھی ششدر رہ جائے گی جس نے جہاز پر اشوک کو انکا کو دیکھنے اور سننے کی قوت بخشی تھی، میرے دشمنوں کی صفوں میں کہرام مچ جائے گا، وہ میری طرف سے غافل نہیں ہوں گے،

ممکن ہے پنڈت کالی داس کے علاوہ کوئی اور بھی میری نقل و حرکت پر نظر رکھنے پر مامور ہو۔ جب نول کشور کو علم ہوگا کہ میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا اور کالی داس کا کریا کرم ہوگیا تو اُن کے ذہنوں پر بجلی ٹوٹ پڑے گی، عقل دنگ رہ جائے گی، وہ خود کو اور منظم کرنے کی تدابیر اختیار کریں گے، زیادہ محتاط ہو کر مجھے پھانسنے کے لئے نئے جال بنیں گے۔ دوسرا وار بہت سوچ سمجھ کر کریں گے لیکن...... کجرا کا کیا بنے گا؟...... میرے ذہن میں یہ خیال تیزی سے اُبھرا۔ وہ غلطی سے میری ذات پر ایک احسان کر گئی تھی مگر پنڈت کالی داس کی بھیانک موت کی خبر سن کر اسے ضرور کریدا جائے گا، وہ وضاحتیں کرے گی تو نگاہوں میں آ جائے گی، دشمن بھانپ لیں گے کہ اسی کی غلطی سے ایک قیمتی مہرہ پٹ گیا، پھر......

”پجارن کجرا کا انجام کیا ہوگا؟ کیا وہ اُسے اپنے عتاب کا نشانہ بنانے کی خاطر روند ڈالیں گے؟ کوئی بھیانک سزا دیں گے؟ معاف کر دیں گے یا کالی کے چرنوں پر بھینٹ چڑھا دیں گے؟“

میں ابھی کجرا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ انکا سر پر آ گئی، وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔ پہلے اُس نے مجھے بیہوش کر دینے پر معذرت پیش کی، پھر چہک کر بولی۔ ”تمہارے لئے میرے پاس کئی اہم خبریں ہیں۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، انکا نے کہنا شروع کیا۔

”نول کشور نے جو آدمی چندرا کے پاس روانہ کئے تھے وہ واپس آ گئے، چندرا نے منڈل کے اندر بیٹھے بیٹھے ایک اُنگلی اُٹھا کر کچھ اشارہ کیا تھا، خیال ہے کہ چندرا ایک ماہ تک منڈل سے باہر آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ جب تک وہ وندھیا چل سے واپس نہیں آتا نول کشور بھی کوئی قدم نہیں اُٹھائے گا۔“

”اور کچھ......؟“

”میں ایک اور پنڈت کا بھی پتہ کر کے آئی ہوں، پنڈت اوم پرکاش، یہاں سے پانچ کوس کی دُوری پر دُرگا دیوی کا ایک شاندار مندر ہے، اوم پرکاش وہاں کا بڑا پجاری ہے، نول کشور کا خاص آدمی ہے۔ بازو سمجھ لو۔“

”کوئی اور اطلاع......؟“ میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

”ہاں......“ انکا چہک کر بولی۔ ”تمہارا ایک اور دشمن کام آ گیا۔ کالی داس نام تھا اُس

کا، اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔“

”اُس نے خودکشی کر لی ہوگی......؟“ میں نے بے پرواہی سے کہا۔ ”اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لیا ہوگا۔“

”کیا مطلب؟“ انکا نے چونک کر مجھے دیکھا، کچھ توقف سے بولی۔ ”جمیل، تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟“

”مجھے کالی داس کی بھنک مل گئی تھی انکا رانی۔“ میں نے اعتراف کر لیا۔ ”اُسے میں نے ٹھکانے لگا دیا۔“

”تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟“ وہ سٹپٹانے لگی۔

”نہیں، مجھے اپنے کمرے سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔“

”سمجھ گئی، تم نے پریتم لال یا نندا کی کسی شکتی کو آزمایا ہوگا۔“ انکا نے مسرت کا اظہار کیا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ تم نے سمجھداری سے کام لینا شروع کر دیا...... آئندہ بھی دُور اندیشی سے کام لینا۔“

”تمہیں میرا ایک ضروری کام کرنا ہوگا......“ میں نے سنجیدگی سے کہا، پھر اُسے کجرا پجارن کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ انکا تیزی سے رینگتی ہوئی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں نے اُٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا، انکا جلدی واپس آ گئی۔ اس بار اُس کے چہرے پر اُلجھن کے گہرے تاثرات مسلط تھے، اس طرح ہونٹ چبا رہی تھی جیسے کسی معمے کا حل تلاش کر رہی ہو۔

”کیا ہوا......؟“ میں نے تیزی سے دریافت کیا۔ ”کیا اُن درندوں نے اُس معصوم، بھولی بھالی پجارن کو روند ڈالا، مار دیا اُسے؟“

”یہ بات نہیں ہے......“ انکا نے خلاؤں میں جھانکتے ہوئے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”کوئی شکتی تمہیں گھیرنے کے لئے لمبے داؤ پیچ کر رہی ہے، اشوک کے بعد پنڈت کالی داس، دونوں مجھے ایک ہی سلسلے کی کڑی نظر آ رہے ہیں۔ کوئی پردے کی آڑ میں بیٹھا کٹھ پتلی کے کھیل تماشے دکھا رہا ہے۔“

”کیا مطلب......؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”میں پجارن کجرا کو پوری طرح کھنگال کر آ رہی ہوں...... کیا تم یقین کرو گے کہ وہ

ہفتہ دس دنوں سے ایک لمحے کے لئے بھی دُرگا دیوی کے مندر سے باہر نہیں نکلی۔ نول کشور کی طرح پنڈت اوم پرکاش نے بھی مندر کے چاروں طرف حصار کھینچ رکھا ہے، اُس کے حکم کے بغیر کوئی پجاری بھی باہر نہیں نکلتا......''

''پھر وہ کجرا کون تھی جس نے مجھے پنڈت کالی داس کے بارے میں بتایا تھا؟'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ انکا بھی کسی سوچ میں مستغرق ہوگئی......!!

میرے قدم لفٹ سے باہر آئے تو کئی نگاہیں میری جانب اُٹھ گئیں۔ وہ میرے حلیے کو تاج میں ٹھہرنے والوں کی حیثیت سے پیائش کر رہے تھے۔ اُن کے چہروں پر معنی خیز سنجیدگی مسلط تھی، آنکھیں عقاب کی مانند ہجوم میں گردش کر رہی تھیں۔ میں پرتھوی کو تیار رہنے کا حکم دے کر نیچے آیا تھا، بیرونی ہال میں مہکتے جسم منڈلا رہے تھے، تاج کی گہما گہمی اور وہاں کے رومانٹک ماحول کو دُور بیٹھ کر محسوس نہیں کیا جا سکتا، وہاں کے ٹھاٹھ باٹھ وہی بہتر جانتا ہے جو وہاں کبھی مقیم رہ چکا ہو۔ چھوٹے موٹے افراد دُور ہی سے نظریں سینک کر دل کو تسلی دے لیتے ہیں۔

میں جلدی میں تھا، میرے ذہن میں ابھی تک کجرا پجارن کے معمے کے کئی ممکنہ اشارے گڈمڈ ہو رہے تھے، انکا نے جو کہا تھا وہ غلط نہیں ہو سکتا تھا، وہ بھی گہری سنجیدگی سے دوچار تھی، میں لوگوں کے درمیان سے قدم بڑھاتا بیرونی دروازے کی سمت جا رہا تھا جب ایک لمبا تڑنگا شخص میرے سامنے آ گیا۔ اُس کے جسم پر بڑا قیمتی سوٹ موجود تھا۔ میں نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، وہ ایس پی روی شنکر تھا۔ کملا کے قتل کے کیس میں کئی بار میرا اُس کا آمنا سامنا ہو چکا تھا۔ پہلے اُس کے بال گہرے سیاہ تھے، اب ان میں کہیں کہیں سفیدی بھی جھلک رہی تھی۔

''محتاط رہنا جمیل۔'' انکا نے تیزی سے کہا۔ ''یہ کبھی ایس پی روی شنکر ہوا کرتا تھا، آج کل ڈی آئی جی ہے، کالی داس کے سلسلے میں بہت سارے سادہ لباس والے آس پاس موجود ہیں، ایک ایک کو نظروں میں کھنگال رہے ہیں۔''

''جناب کا شبہ نام دریافت کر سکتا ہوں؟'' روی شنکر نے مہذب لہجے میں دریافت کیا، نگاہوں کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ وہ اپنی یادداشت کو کرید رہا ہے، اُس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ میں نے رُوکھے لہجے میں کہا۔ ”میں آپ کو نہیں جانتا۔“

”لیکن میں صرف......“ اُس نے کچھ کہنا چاہا۔

”پلیز......“ میں اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”میں بلاوجہ سرِ راہ عام لوگوں سے اس انداز میں بے تکلف ہونے کا عادی نہیں ہوں۔“

”نام بتانے میں کیا حرج ہے؟“ اُس نے دوبارہ اصرار کیا۔ انکا تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی۔ اسی لمحے ایک اور سادہ لباس والا تیزی سے قدم اُٹھاتا قریب آیا۔ اُس نے مدھم لہجے میں روی شنکر سے کچھ کہا۔ بات یقیناً اہم ہوگی۔ روی شنکر اُس کے ساتھ چلا گیا، انکا میرے سر پر واپس آگئی۔

”روی شنکر تمہیں پہچان نہیں سکا۔ میں نے اُس کے ذہن کو بھٹکا دیا ہے۔“

میں قدم بڑھاتا باہر آگیا۔ منیجر نے غلط نہیں کہا تھا، پرتھوی ایک لمبی جھلملاتی کار کے قریب کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس نے بڑی مستعدی سے آگے بڑھ کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔

”کہاں چلنا ہے سر......؟“ پرتھوی نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دریافت کیا۔

”یہاں سے مغرب کی جانب تقریباً نو دس میل کے فاصلے پر دُرگا دیوی کا ایک مندر ہے، میں وہیں جانا ہے۔“

پرتھوی نے اثبات میں سر کو جنبش دی، پھر بڑی پھرتی اور مہارت سے گاڑی کھلی سڑک پر لے آیا۔

”تم اس وقت دُرگا دیوی کے مندر کیوں جا رہے ہو......؟“ انکا نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے......؟“

”یہ مناسب نہیں ہوگا جمیل۔“ انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”تم نہیں جانتے کہ کالی داس کس شہرت کا مالک تھا، عام آدمی کا معاملہ ہوتا تو ڈی آئی جی روی شنکر کبھی سامنے نہ آتا، کسی ماتحت کی ڈیوٹی لگا دیتا۔ اس وقت کالی داس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل چکی ہے۔ بڑے بڑے سیٹھ اور ساہوکار، پولیس اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو فون کھڑکھڑا رہے ہیں، پنڈت پجاریوں نے پولیس ہیڈ آفس کے آس پاس جمع ہونا شروع کر دیا ہے، اُن میں اشتعال پھیل رہا ہے۔ بڑے پیمانے پر احتجاج کیا جائے

گا۔ جلسے جلوس نکالنے کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ پنڈت اوم پرکاش بھی جھلایا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تم نے......“

”بوکھلایا ہوا آدمی بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔“ میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”تم کیا کرنا چاہتے ہو......؟“ انکا کسمسانے لگی۔

”کالی داس کی آتما تنہا ہوگی انکارانی۔“ میں زہرخند سے بولا۔ ”تنہائی انسان کو ڈسنے لگتی ہے، ایک سے دو ہوں تو وقت آسانی سے گزر جاتا ہے۔“

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اوم پرکاش نے بھی مندر کے چاروں طرف حصار کھینچ رکھا ہے۔“ انکا نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

”یہ بات تم نے اُس وقت بھی بتائی تھی جب بدری نرائن نے کالی کے مندر میں پناہ لے رکھی تھی لیکن میں ساری رُکاوٹیں توڑ کر وہاں گیا تھا۔“ میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ”تمہیں تو میرے ماضی کی سطر سطر یاد ہوگی۔“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“ انکا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔“

”دوست ہو تو پھر دوستی نبھاؤ...... مجھے روکنے کی کوشش فضول ہوگی۔“ میرا جواب فیصلہ کن تھا۔

”کالی داس کے بعد پنڈت اوم پرکاش......“ انکا نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ”ہر طرف آگ بھڑک اُٹھے گی، ابھی پنڈت نول کشور نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے، اُس کی زبان پر تمہارا نام آ گیا تو پورے ہندوستان کی پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے گی، طوفان اُٹھ کھڑے ہوں گے۔“

”خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو......؟“ میری پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”ایسی جلی کٹی باتیں مت کرو جمیل۔“ انکا بے چینی سے پہلو بدل کر بولی۔ ”تم میری قوتوں سے ناواقف نہیں ہو، میں ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتی ہوں۔ لیکن جہاں پراسرار قوتوں کے ٹکراؤ کا معاملہ درپیش ہو وہاں مجھے کچھ پابندیوں کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے۔“

”میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم کیا کر سکتی ہو، کیا نہیں میں یہ بھی جانتا ہوں۔ لیکن میرا فیصلہ اٹل ہے۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”تم اگر خطرہ محسوس کر رہی ہو

تو میں تمہیں کسی بات کے لئے......''

''اس کے آگے کچھ نہ کہنا......'' انکا نے احتجاج کیا، پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''اگر تم نے دل میں پنڈت اوم پرکاش کے کریا کرم کی ٹھان لی ہے تو پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن میرے مشوروں کو ٹھکرانا مت۔'' اُس کے آخری جملے میں عاجزی تھی، انکسار تھا۔

میں نے حامی بھر لی۔ انکا کو قرار آ گیا، وہ پھر کسی سوچ میں گم ہونے لگی۔ میں نے ٹوک کر نرمی سے پوچھا۔

''میں پہلی بار تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں، وہ کون سی طاقت ہے جو تمہارے راستے میں دیوار بن رہی ہے؟''

''وہ کوئی غیر معمولی طاقت ہی ہو سکتی ہے جسے دیوی دیوتاؤں کی حمایت بھی ضرور حاصل ہوگی۔ ایسا نہ ہوتا تو اشوک کے فرشتے بھی نہ مجھے دیکھ سکتے نہ میری آواز سن سکتے۔'' انکا نے بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں اس پراسرار قوت کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ جب بھی روشنی کی ایک کرن اُبھرتی ہے، گھپ اندھیرے لپک کر اسے اپنی اوٹ میں چھپا لیتے ہیں، پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ یہ پنڈت اور پجاری میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اگر خوفزدہ نہ ہوتے تو منڈل میں بیٹھ کر میرے سپنے دیکھنے کی بجائے سینہ ٹھونک کر سامنے آتے۔ لیکن آج تک ایسا کوئی مہاپرش جنم نہیں لے سکا۔''

''میرے بارے میں بھی کچھ کہہ ڈالو......'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''تمہاری بات اور ہے جمیل۔'' وہ اُچھل کر میرے کندھے پر آ گئی، توبہ شکن انگڑائی لے کر بولی۔ ''تمہاری محبت نے تو انکا کو بے دام غلام بنا لیا ہے۔ لیکن جب تم اُلجھ کر باتیں کرتے ہو تو ذرا اچھے نہیں لگتے۔''

ہمارے درمیان اسی پراسرار قوت کی بات ہوتی رہی جس نے اشوک اور انکا کے درمیان سے تمام پردے سرکا دیئے تھے، جس نے پجارن کجرا کو میرے سامنے لا کھڑا کیا تھا جبکہ انکا کا کہنا تھا کہ کجرا نے ہفتہ دس دن سے دُرگا دیوی کے مندر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ یہ باتیں غور طلب تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی بوٹی دے کر بکرا حاصل کرنے والا لمبا داؤ کھیل رہا ہو، مجھے اندھیرے میں رکھنے کی خاطر، خوش فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے دو چار پنڈت پجاریوں کی قربانی پیش کر کے مغرور کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ آدم خور شیر کو شکار

کرنے کی خاطر بھی بکروں اور بھیڑوں کو رسّی سے باندھ کر بطور چارا پیش کیا جاتا ہے، شکاری دُور چھپا بیٹھا رہتا ہے، موقع ملتے ہی گولی داغ دیتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی انسان کو بھی غلطیاں کرنے پر اُکساتی ہے، کوئی ایک ذرا سی بھول اُس کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ شاید وہ میرے ساتھ بھی کوئی ایسا ہی سانپ اور سیڑھی والا کھیل، کھیل رہے ہوں۔ ممکن ہے ماضی کے تلخ تجربوں نے اُنہیں ہوشیار کر دیا ہو، بازی مات کرنے کے لئے اُنہوں نے نئی چالیں سوچ رکھی ہوں۔ وہ بدری نرائن اور امر لال کا بھیانک اور عبرتناک انجام دیکھ چکے تھے۔ سابقہ تجربوں کی روشنی میں اُنہوں نے مجھے غلط فہمی کا شکار کرنے کی خاطر نئے جال بن لئے ہوں گے، اشوک اور کالی داس کی بھینٹ پیش کرنے کے بعد وہ مجھے اور ڈھیل بھی دے سکتے تھے، کسی ایسے موقع کا انتظار کر رہے ہوں کہ جب وہ اچانک جال کی ڈور بھرپور انداز میں کھینچیں تو میں نکل نہ سکوں، اُن کے جال میں پھنس کر بے بس شکار کی طرح پھڑپھڑاتا رہ جاؤں۔ اور بھی بہت کچھ ممکن ہو سکتا تھا......!!

پرتھوی، اسٹیئرنگ پر بیٹھا بڑی مستعدی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ نہ میں نے اُسے مخاطب کیا نہ اُس نے از خود بات کرنے کی کوشش کی، تجربہ کار اور کھیلا کودا بند نظر آتا تھا۔ معاً میرے ذہن میں ایک نکتہ تیزی سے اُبھرا...... پرتھوی ذات کا ہندو تھا، غلط راستے کے مسافر بھی مذہب اور دھرم کے معاملے میں سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ بہکے ہوئے شرابیوں کو بھی میں نے اکثر مندر اور مسجد کے سامنے سے گزرتے وقت ہاتھ جوڑ کر بندگی کرتے دیکھا ہے۔ دُرگا دیوی کے مندر کے بڑے پجاری پنڈت اوم پرکاش کی موت کا کھیل دیکھ کر پرتھوی بھی جذباتی ہو سکتا تھا۔

''پرتھوی......'' میں نے کچھ سوچ کر اُسے ٹٹولنا شروع کیا۔ ''تاج کے منیجر اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ تم بڑے کارآمد اور قابلِ بھروسہ آدمی ہو......''

''اپنی زبان سے ڈینگیں مارنا اور خود کو پھنے خان بتانا مردوں کی شان نہیں ہوتی سر۔'' پرتھوی نے سلجھے ہوئے معصوم انداز میں کہا۔ ''جو عین وقت پر بازی پلٹ دے وہی مہرہ سب سے کارآمد ہوتا ہے، کون کتنے پانی میں ہے، اس کا اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب گوٹ پھنس جائے۔''

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں مسلمان ہو کر دُرگا دیوی کے مندر کس لئے جا رہا ہوں؟" میں اصل موضوع کی طرف آگیا۔

"مجھے آپ کی سیوا کرنے کا حکم دیا گیا ہے سر۔ میں صرف اپنے کام سے کام رکھنے کا عادی ہوں۔"

"اور اگر کسی وقت مجھے تمہاری ضرورت پیش آجائے تو......؟"

"پرتھوی کو صرف اشارہ کر کے دُور کھڑے ہو جائیے گا، میں خود اپنا سر کاٹ کر آپ کے چرنوں میں رکھ دُوں گا۔" اُس نے بڑے اعتماد اور اطمینان سے جواب دیا۔ انکا خاموش بیٹھی پرتھوی کو نگاہوں نگاہوں میں تولتی رہی۔ شاید وہ میرا مقصد بھانپ چکی تھی۔

"ایک پنڈت سے مجھے کچھ پرانا حساب بیباق کرنا ہے۔" میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ میں اُسے......"

"میں سمجھ گیا سر، آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔" پرتھوی میری بات کاٹ کر بولا۔ "ہم جیسے لوگوں کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔ جو سمے پر کام آجائے اُسی کو دیوتا سمجھتے ہیں، آپ مجھے پنڈت مہاراج کا نام بتا کر خود دُور رہیں، بڑی کرپا ہو گی سیوک پر...... آپ کے لین دین کا سارا معاملہ میں چکتا کر دُوں گا، آئندہ کے لئے آپ کو وشواس بھی ہو جائے گا۔"

"پکڑے گئے تو......؟" میں نے کہا۔ "تھرڈ ڈگری اور پولیس کے ڈرائنگ رُوم ٹریٹمنٹ کے آگے بڑے بڑے تُرّم خان بھی چیں بول دیتے ہیں...... سارا کھایا پیا باہر آجاتا ہے، زبان قینچی کی طرح فر فر چلنے لگتی ہے۔"

پرتھوی کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ اُبھری، بے پرواہی سے بولا۔ "میں جب بھی پولیس کے نرغے میں پھنسا، ہمیشہ خم ٹھونک کر مقابلے پر جما رہا، کبھی اسٹیل دکھا کر نامردوں کی طرح بھاگنے کی کوشش نہیں کی، آپ مجھ پر وشواس کریں سر۔ سرکاری مہمان خانے میں بھی دونوں وقت بڑی پابندی سے بھوجن پانی ملتا ہے۔ ڈپٹی صاحب کی کرپا سے سنتری جھک جھک کر پرنام کرتے ہیں۔ سویٹ ڈش بھی ملتی رہتی ہے، آج تک کبھی کسی دشمن کے ساتھ دھوکا نہیں کیا، آپ تو مالک ہیں۔"

"یہ پرتھوی بڑے کام کا آدمی ہے جمیل۔" انکا نے کہا۔ "جتنا اُوپر نظر آرہا ہے اس سے دوگنا نیچے بھی ہے، تم اس پر آنکھ بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو، یہ مر جائے گا لیکن تمہارے

خلاف زبان نہیں کھولے گا۔ بڑا انڈر، بے خوف اور خطرناک آدمی ہے۔ تمہاری طرح یہ بھی خوبصورت لڑکیوں اور حسین عورتوں کا شیدائی ہے، اپنی اصطلاح میں اُنہیں سویٹ ڈش کہتا ہے۔"

دُرگا دیوی کے مندر کے گنبد کا کلس دُور سے نظر آنے لگا تو میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ انکا بھی سنجیدہ نظر آنے لگی۔ میں نے پرتھوی سے گاڑی سو گز دُور ہی روکنے کو کہا۔ اُس نے میرے حکم کی تعمیل میں ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں سے پورا مندر صاف دکھائی دے سکے۔ میں گاڑی سے اُترنے لگا تو اچانک مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ میں تاج سے جلدی میں روانہ ہوتے وقت سیّد مجذوب کی لاٹھی اپنے کمرے میں ہی بھول آیا تھا۔ پرتھوی دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ میں گاڑی سے باہر آیا تو اُس نے دبی زبان میں پوچھا۔

"سیوک کے لئے کیا حکم ہے......؟" اُس کا لہجہ بے حد ٹھوس اور معنی خیز تھا۔

"تم گاڑی میں بیٹھ کر آرام کرو۔" میں نے بھاری بھرکم لہجے میں جواب دیا۔ "ضرورت ہوئی تو تمہیں پھر کبھی خدمت کا موقع دیں گے۔"

میں نے جواب کا انتظار کئے بغیر دُرگا دیوی کے مندر کی طرف قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔ انکا کسمسانے لگی، میں اُس کی مجبوری سمجھ رہا تھا، مجھے اُس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جو قارئین میری داستان المناک پڑھ چکے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میں نے کلکتے میں بھی کالی کے سب سے بڑے مندر میں گھس کر اپنے جنون کا اظہار کیا تھا۔ کئی چھوٹے موٹے پنڈت اور پجاری میری وحشتوں کا شکار ہو گئے تھے۔

میں مندر سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر رُک گیا۔ میں نے کچھ چیزیں پڑھ کر خود پر دم کیا، اپنے گرد حصار باندھا پھر دوبارہ قدم بڑھانے لگا۔ دُرگا دیوی کا وہ مندر اس وقت باہر سے خالی نظر آرہا تھا۔ اِکا دُکا لوگ آجا رہے تھے، کچھ گاڑیاں اِدھر اُدھر پارک تھیں، یہ سب وہاں پوجا پاٹھ یا پھر اپنی کوئی منت پوری ہو جانے کے بعد چڑھاوا چڑھانے کے لئے آنے والوں کی تھیں۔ مندر جوں جوں قریب آتا گیا، میرے اندر کلدیپ کے انتقام کا جذبہ آگ پکڑتا گیا۔ میں نے قریب پہنچ کر مندر کی سیڑھیوں پر پہلا قدم رکھا تو انکا نے کہا۔

"جمیل، تم میری مجبوری جانتے ہو، میں مندر میں نہیں جا سکتی۔"

"تم باہر انتظار کرو انکارانی۔" میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔ "میں جلدی واپس آنے کی

کوشش کروں گا۔"

"جو قدم بھی اُٹھانا محتاط ہو کر اُٹھانا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انکا رینگ کر سر سے اُتر گئی۔ میں نے سیڑھیاں چڑھنی شروع کر دیں۔ مندر میں آنے جانے والے پجاری اور پجارنیں مجھے غور سے دیکھنے لگے۔ وہ میرے حلیئے اور چال ڈھال سے میری ذات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے کسی کو اہمیت نہیں دی، سیڑھیاں عبور کر کے مندر میں داخل ہو گیا جہاں ایک وسیع و عریض چبوترہ نظر آ رہا تھا۔ میرے بائیں جانب دُرگا دیوی کا وہ بڑا دروازہ تھا جس میں داخل ہو کر لوگ دیوی کے درشن کرتے تھے۔ داہنی جانب خوبصورت لان تھا جہاں کئی پجاری بیٹھے رام نام جپ رہے تھے۔ لان اور مندر کی اندرونی عمارت کے درمیان سے ایک روش بل کھاتی ہوئی پچھلی سمت جاتی نظر آ رہی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس طرف رہائشی کمرے اور مہمان خانے موجود ہو سکتے تھے۔ مندر خاصا بڑا تھا، وہاں کسی اجنبی کا کسی کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر روش کی طرف قدم اُٹھانے شروع کیے تو لان میں بیٹھے اکثر پجاری میری طرف متوجہ ہو گئے۔ شاید اُس حصے کی طرف جانے کی عام اجازت نہیں تھی۔ میں اُن کی نگاہیں پڑھ رہا تھا لیکن قدم اُٹھا کر پیچھے لوٹنا دانشمندی کے منافی تھا، اُن کا شک یقین میں بدل جاتا، میری پریشانیاں بڑھ جاتیں۔ پنڈت اوم پرکاش تک پہنچنے سے پہلے ہی میں دنگا فساد شروع کر دیتا تو وہاں موجود پجاری بھوکے بھیڑیوں کی طرح مجھ سے لپٹ جاتے، بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کرتے، میں اُن سے اُلجھ جاتا تو پنڈت اوم پرکاش کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ بھی لاحق تھا۔ میں ایسا کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔

میں نے اپنی رفتار قدرے مدھم کر دی، میرے ذہن میں مختلف خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ انکا نے کہا تھا کہ اوم پرکاش نے مندر کے چاروں طرف حصار باندھ رکھا ہے، میں نے بھی خود کو محفوظ کر لیا تھا۔ دو مختلف قوتیں جب ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو دھماکا ضرور ہوتا ہے۔ دوسروں کو اس کی آواز سنائی نہیں دیتی لیکن متعلقہ افراد ضرور آگاہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن مجھے کوئی جھٹکا نہیں لگا نہ ہی کوئی ایسا احساس ہوا کہ میں کسی نادیدہ رُکاوٹ سے ٹکرا کر گزر رہا ہوں۔ چبوترا ختم ہو رہا تھا، روش قریب آ رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہا تھا کہ

اچانک دو ہٹے کٹے پجاری میرے دائیں بائیں سے نکل کر سامنے آ گئے۔ وہ اتنے دبے قدموں سے آئے تھے کہ مجھے اُن کی آہٹ بھی سنائی نہیں دی۔ دونوں کے سر گھٹے ہوئے تھے جن پر لمبی لمبی چٹیاں لہرا رہی تھیں...... وہ مجھے مشکوک نظروں سے گھور رہے تھے۔ اُن کا مجھے یوں نفرت بھری نظروں سے ٹکر ٹکر گھورنا خالی از علّت نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کالی داس کی موت کی خبر نے اُنہیں محتاط رہنے پر مجبور کر دیا ہو، میں اُن کی بھیڑ میں اجنبی تھا۔ وہ مجھے صرف کھنگالنے کی خاطر آنکھیں لال پیلی کر رہے ہوں، میں نے اپنے قدم روک لئے۔

"منہ اُٹھائے کدھر بڑھتے جا رہے ہو مہاشے؟" ایک نے مجھے تلخ لہجے میں مخاطب کیا۔ اُس کی پیشانی پر داہنی جانب کسی گہرے زخم کا نشان موجود تھا۔ اپنے ساتھی کے مقابلے میں وہ زیادہ ٹیڑھی کھیر دکھائی دے رہا تھا۔

"مایا کی تلاش میں آیا ہوں پجاری مہاراج۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مایا کی تلاش؟" اُس نے مجھے یوں گھورا جیسے دیوانہ سمجھ رہا ہو۔ اکڑ کر بولا۔ "کیا بکتا ہے مورکھ؟ یہ دُرگا دیوی کا مندر ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے سادگی سے کام لیا۔ "مایا نے مجھے یہی کہا تھا کہ وہ دُرگا دیوی کے مندر میں ملے گی۔"

"تمہارا نام......؟" دوسرے نے اکڑ کر سوال کیا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو......" میں نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں دھن دولت کی نہیں، اپنی استری کرن مایا کو کھوجنے آیا ہوں، ایک بالک کی آشا نے اُس کے جیون کی ساری خوشیاں چھین لی ہیں۔ بہت علاج کرائے، بڑے جتن کیے پرنتو اُس کی منوکامنا پوری نہیں ہوئی، کسی دیالو پجاری نے اُسے پنڈت اوم پرکاش مہاراج کے چرنوں میں ڈنڈوت کر کے اپنی بپتا سنانے کو کہا تھا۔ وہ یہیں کہیں ہو گی۔ تم مجھے مہاراج کا پتہ بتا دو، ہو سکتا ہے وہ مجھے جانتے ہوں۔"

"مندر میں کبھی پہلے نہیں آئے؟" اوم پرکاش کا نام سن کر اُن کے لہجے میں تبدیلی آ گئی۔

"تم نے صحیح پہچانا پجاری مہاراج۔" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "دوسرے دھندوں سے کبھی اتنی فرصت نہیں ملی کہ دیوی درشن کو آتا۔ اب آ گیا ہوں تو آئندہ بھی آتا رہوں گا۔"

"مہاراج سے ملنا ہو تو اُترتے چندرما کے آخری منگل وار کو آنا۔" زخم کے نشان والے

نے خشک انداز میں کہا۔ ”مہاراج اُسی دن ملتے ہیں۔“

”مجھے نراش مت کرو۔“ میں نے ایک اور بہانہ تراشا۔ ”میں بمبئی کا باسی نہیں ہوں، کلکتہ سے آیا ہوں، کرن مایا کو لے کر واپس نہ گیا تو میری بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی۔“

لان میں بیٹھے ہوئے پجاریوں کی نظریں بھی مجھ پر جمی تھیں۔ جن ہٹے کٹے پجاریوں نے میرا راستہ روکا تھا وہ کسی قیمت پر مجھے آگے بڑھنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھے، بات اُلجھتی جارہی تھی۔ میں نے کرن مایا کا نام لے کر اُنہیں اپنی فرضی مظلومیت کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اُن کے دو چار ساتھی اور آجاتے تو بات خراب ہو جاتی۔ میں نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کی ٹھان کر ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔ اپنی تمام تر قوتیں ایک مرکز پر جمادیں، وہ ایک نقطہ وہ ایک مقصد جہاں تک ارتکاز کے ذریعہ پہنچنے کا درس مجھے نندا اور کمپالا نے دیا تھا، اُسی ایک لمحے میں مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا، میری نگاہوں میں وہ برقی رو، وہ پراسرار قوتیں جمع ہوگئیں جو دوسرے پر عمل تنویم کرسکتی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دونوں کو باری باری تیز نظروں سے دیکھا، اُن کے کس بل نکلنے لگے۔ میرے ارتکاز کا کمال تھا کہ وہ پل بھر میں میری نظروں کے سحر کا شکار ہوگئے۔ میں نے لان پر بیٹھے ہوئے پجاریوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر مسکرا کر زخمی پیشانی والے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹھوس مگر مدھم آواز میں کہا۔

”تمہارے من میں میرے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے، تم دونوں میرے پرانے مِتر ہو۔ مجھے پہلے سے جانتے ہو۔“

”ہاں مہاراج......“ جواب میں اُس نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ ”ہم تمہیں بہت عرصے سے جانتے ہیں۔ اس بار تم نے بہت دنوں بعد چکر لگایا، کہاں رہے اتنے دنوں......؟“ اُس کی آواز میرے عمل کے مطابق اتنی اُونچی تھی کہ لان پر بیٹھے ہوئے پجاریوں تک پہنچ گئی۔ وہ اپنی باتوں میں مصروف ہوگئے۔

”تم مجھے پنڈت اوم پرکاش تک پہنچاؤ گے۔ لیکن اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کروگے۔“ میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

”تم کہتے ہو تو نہیں کریں گے۔“ اُس نے بڑی فرمانبرداری سے جواب دیا، پھر اپنے

ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”جا شمبھو، تو مہاراج کو کٹی تک چھوڑ آ، میں باہر کا دھیان رکھتا ہوں۔“

میں نے اُس پجاری کا ہاتھ بے تکلفی سے تھام لیا جسے شمبھو کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ ہم دونوں روش سے گزر کر پچھلے حصے کی طرف آ گئے۔ راستے میں کئی پجاری اور پجارنیں ملیں، وہ سب شمبھو سے رام رام کرتے رہے، میں آرام سے قدم اُٹھاتا رہا۔ مندر کے عقب میں بھی ایک لان تھا جس کے بیچ و بیچ سنگ مرمر کا خوبصورت فوارہ بنا ہوا تھا۔ فوارے کے احاطے کی منڈیر پر کئی پجارنیں ہیجان انگیز لباس پہنے بیٹھی نازک ہاتھ بڑھا کر فوارے سے پھوار کی شکل میں نکلتے پانی سے اٹکھیلیاں کررہی تھیں، قہقہے لگا رہی تھیں، ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھیں۔ میں نے دزدیدہ نظروں سے اُن حسیناؤں کے جھرمٹ میں پجارن کجرا کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئی۔ میں نے شمبھو کو کجرا کے سلسلے میں ٹٹولنے کا ارادہ کیا، پھر کچھ سوچ کر اس پر عمل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

مندر کے عقبی حصے کے لان کو عبور کرنے کے بعد ایک دوراہا نظر آیا۔ شمبھو بائیں جانب گھومنے کے بعد رُک گیا۔ سامنے ایک محراب نما دروازہ بنا تھا جس کے بعد وہ سیڑھیاں صاف نظر آرہی تھیں جو غالباً زمین دوز حصے کی طرف جاتی تھیں۔ میں کسی حیرت سے دوچار نہیں ہوا، بڑے مندروں میں راستوں کی بھول بھلیوں کا جال کچھ اسی طرح بنا جاتا ہے کہ عام آدمی اس میں بھٹک کر گم ہو جائے۔ مجھے اس کا تجربہ دو تین بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔

”ان سیڑھیوں سے اُتر کر اُلٹے ہاتھ کو گھوم جانا۔“ شمبھو نے میری رہنمائی کی۔ ”دونوں طرف پجارنوں کے کمرے بنے ہوں گے، تم راستے کے ساتھ ساتھ آگے چلے جانا، جہاں راستہ بند ہوگا وہیں پنڈت اوم پرکاش مہاراج کا خاص سیوک تمہیں نظر آجائے گا، وہ تمہیں مہاراج تک پہنچا دے گا۔ پرنتو ایک بات کا دھیان رکھنا، مہاراج کے خاص سیوک سے زیادہ باتیں کرنے یا اُلجھنے کی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا، وہ اندر جانے کی آگیا (اجازت) نہ دے تو اُلٹے قدموں واپس آجانا۔“

”میں تمہارا یہ اپکار کبھی نہ بھولوں گا۔“ میں نے شمبھو سے ہاتھ ملاتے وقت ایک بار پھر اُس کے ذہن میں یہ بات بٹھادی کہ وہ میرا ذکر کسی اور سے نہیں کرے گا۔ وہ اثبات میں گردن کو جنبش دیتا اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔

آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے قدم بڑھا کر نیچے اُترنے والی سیڑھیوں کو طے کرنا شروع کیا۔ راستے میں کوئی نہیں ملا، سیڑھیوں کے اختتام پر بھی دو راستے نظر آئے، شمبھو نے رہنمائی نہ کی ہوتی تو شاید میں بھٹک جاتا۔ میں اُس کے کہنے کے مطابق بائیں ہاتھ والے راستے پر آگے بڑھنے لگا۔ دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ کسی کمرے سے بھجن کی آواز اُبھر رہی تھیں، کہیں سے نسوانی قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا کہ اچانک ایک دروازہ کھلا، ایک پجارن اتنی تیزی سے قلانچیں بھرتی باہر نکلی کہ سنبھلتے سنبھلتے بھی مجھ سے ٹکرا گئی۔ میں نے اُس کا چہرہ دیکھا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ کجرا کے سوا اور کوئی نہیں تھی......!

''شما کرنا مہاراج......'' اُس نے بڑی اجنبیت سے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''میں تمہیں دیکھ نہیں سکی تھی۔''

وہ کترا کر جانے کے لئے گھومی، میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی کلائی تھام لی۔ وہ پلٹ کر مجھے سوالیہ نظروں سے گھورنے لگی۔ میں اسے اداکاری نہیں کہہ سکتا۔ کجرا کی نگاہوں میں اُبھرنے والے تاثرات گواہی دے رہے تھے کہ اُسے میری جسارت گراں گزری تھی۔ مجھ سے پہلے ملی ہوتی تو اتنی کامیاب اداکاری کبھی نہ کر سکتی۔ اُس کی عمر میں ابھی وہ پختگی نہیں آئی تھی جو دوسروں کو غلط فہمی کا شکار کر دیتی ہے، عورتوں کے سلسلے میں میرا تجربہ بھی کم نہیں تھا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ انکا نے بھی بڑے یقین سے کہا تھا کہ پجارن کجرا ہفتہ دس دن سے ایک پل کے لئے بھی مندر سے باہر نہیں نکلی۔ حقیقت کیا تھی؟ میں یہ جاننے کے لئے مضطرب ہو گیا۔

''تم نے داسی کا ہاتھ تھام کر اچھا نہیں کیا۔'' اُس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مہاراج کو خبر ہو گئی تو دونوں دیوی کے چرنوں پر بھینٹ چڑھا دیئے جائیں گے۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔'' اُس نے ہاتھ جھٹک کر چھڑانا چاہا، میری گرفت اور سخت ہو گئی۔ خوف کے احساس سے اُس کا حسن اور نکھر گیا...... سینہ دھونکنی کی طرح حرکت کرنے لگا۔ وہ کسی ایسی ہرنی کی طرح غصے میں پیچ و تاب کھا رہی تھی جس کا پاؤں کلیلیں بھرتے ہوئے کسی آہنی شکنجے میں آ گیا ہو۔

''تم کجرا ہو......؟'' میں نے دبی آواز میں پوچھا۔

''نہیں......'' وہ تلملا کر بولی۔ ''کس کجرا کی بات کر رہے ہو......؟''

''پجارن کجرا کی......'' میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ ''اُس نے مجھ سے یہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اُس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہاں کجرا نام کی کوئی پجارن نہیں رہتی...... چھوڑو میرا ہاتھ۔''

''تمہارا کیا نام ہے......؟'' میں نے اپنی قوتوں کو سمیٹ کر اُس کے وجود کے اندر جھانکا، وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہی تھی۔ اُس کی شکل ہو بہو پجارن کجرا سے ملتی تھی۔ دونوں کو ساتھ کھڑا کیا جاتا تو شاید میری تجربہ کار نظریں بھی کوئی فرق نہ تلاش کر سکتیں، مگر وہ کجرا نہیں تھی۔

''تمہیں میرے نام سے کیا کام؟'' وہ اچانک شیرنی کی طرح بپھر کر بولی۔ ''چھوڑ دو میری کلائی۔ نہیں تو شور مچا دوں گی۔''

''شما کر دینا سندری......'' اُس کی شور مچانے والی دھمکی کارگر ثابت ہوئی، میں اس وقت پنڈت اوم پرکاش سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا معذرت طلب لہجے میں بولا۔ ''مجھ سے تمہیں پہچاننے میں بھول ہو گئی۔'' میں نے اُس کی کلائی چھوڑ دی۔

''دشت......'' اُس نے کلائی مسلتے ہوئے اپنے غصے کا اظہار کیا، پھر تیزی سے پلٹ کر بھاگ گئی۔

میرے پاس وقت کم تھا، میں نے پجارن کجرا کے معاملے کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ میں پہلی فرصت میں پنڈت اوم پرکاش کو ٹھکانے لگا دینے کا خواہشمند تھا، کالی داس کے بعد اوم پرکاش کی موت کی خبر سن کر پنڈت نول کشور کو اندازہ ہو جاتا کہ اُس نے جمیل احمد خان کے خلاف محاذ بنا کر اپنی موت ہی کو دعوت دی ہے۔ ایک ہی دن میں دو بڑے پنڈتوں کی چتاؤں کو آگ لگائی جاتی تو اس کا دُھواں بھی زیادہ دُور تک پھیل جاتا، جو پجاری نول کشور کے جھنڈے تلے صف آراء ہو رہے تھے اُن میں کھلبلی مچ جاتی۔ محبت اور جنگ میں کسی حربے کا استعمال ناجائز نہیں سمجھا جاتا، دھرم کرم کے نام پر لوگ جذباتی ہو جاتے ہیں، لیکن وہ جنگ کی صورت حال سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اُنہیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں، ایک بم

پھٹتا ہے۔ ان گنت افراد بڑی گیند کی طرح فضا میں اُچھلتے ہیں، ان کے جسم کے اعضاء دُور دُور تک بکھر جاتے ہیں، کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ جو جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں جاتے ہیں، وہ اپنے اپنے مورچوں میں آہنی چٹان کی طرح قدم جمائے رہتے ہیں، جو بزدل اور کمزور دل کے مالک ہوتے ہیں وہ ہتھیار چھوڑ کر بھاگ لیتے ہیں، اس طرح لڑنے والوں کی نفری کم ہوتی رہتی ہے، دشمن پر خوف و ہراس کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ میرے دشمنوں کی صف میں انتشار پیدا ہو، مورچہ چھوڑنے والوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی پنڈت نول کشور کی پیشانی پر اتنی ہی زیادہ غور وفکر کی شکنیں اُبھریں گی، وہ جتنا غور کرے گا اتنا ہی اُلجھتا جائے گا، اُلجھن اور فکر انسان کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیتی ہے، وہ اندر سے کھوکھلا ہونے لگتا ہے، بدری نرائن کے سلسلے میں نرم پالیسی اختیار کر کے میں نے جو تلخ تجربے حاصل کیے تھے اب ان کی تلافی ضروری تھی۔ پنڈت نول کشور کے ذہن پر تابڑ توڑ کئی ضربیں لگتیں تو اُس کا ڈگمگا جانا یقینی تھا۔ ایک بار منصوبے ناکام ہو جائیں تو نئی راہیں تلاش کرنے میں تھوڑا وقت لگتا ہے، شطرنج کے عالمی ماہرین اور چیمپئن بھی ایک مہرہ پٹ جانے کے بعد کسمسانے لگتے ہیں، دوسری چال چلنے سے پیشتر نئے سرے سے بازی کا نقشہ جمانا پڑتا ہے۔

اشوک کو سامنے لا کر میرے دشمنوں نے اعلانِ جنگ کر دیا تھا، وہ کسی پیادے کی طرح بلاوجہ پٹ گیا۔ اب میری باری تھی، میں اُنہیں سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ گجرا پجارن کون تھی؟ میں نہیں جانتا تھا لیکن اُس نے سامنے آ کر میرے لئے ایک آسان محاذ کھول دیا تھا، وہ نہ آتی تو مجھے اپنے بغل میں چھپے ہوئے کالی داس کا شبہ بھی نہ ہوتا۔ میں نے کالی داس کو موت کے گھاٹ اُتار کر اُنہیں باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں اُن کی گھٹیا چالوں سے بے خبر نہیں ہوں، میرے جسم پر دو نہیں، کئی آنکھیں ہیں جو چاروں طرف دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اس کا دوسرا ثبوت پنڈت اوم پرکاش کی موت ہوتی۔ اُنہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں مچان پر بیٹھ کر شکار کھیلنے کا عادی نہیں ہوں۔ شیر کی کچھار میں گھس کر بھی گولی چلانے سے دریغ نہیں کرتا۔ مجھے یقین تھا کہ اوم پرکاش کی موت کی اطلاع اُن کے ذہنوں پر بجلی بن کر ٹوٹے گی، ایک لمحے کو اُن کے ذہن معطل ہو جائیں گے۔ دھرم کرم کا پرچار کرنے والوں کی جدائی اُنہیں کمزور کر دے گی، اُن کے کریا کرم کی خبر جنگل کی آگ کی طرح

پھیلے گی، بہتوں کو سانپ سونگھ جائیں گے۔ وہ میرے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کریں گے، اپنی اپنی پناہ گاہوں میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ میں ان پر یکے بعد دیگرے چرکے لگاتا رہوں گا......!

میرے ذہن میں گرم آندھی کے تیز جھکڑ چل رہے تھے، میں نے رفتار تیز کر دی۔ شمبھو نے میری غلط رہنمائی نہیں کی تھی، راستہ آگے جا کر ختم ہو گیا تھا، سامنے ایک لکڑی کا مرصع دروازہ نظر آ رہا تھا جس پر دیوی اور دیوتاؤں کی اشکال بھی بڑی مہارت اور چابکدستی سے اُبھاری گئی تھیں۔ دروازے پر ایک دیو قامت پجاری کھڑا مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس جیسے تن و توش کا پجاری میری نظروں سے پہلے کبھی نہیں گزرا۔ مجھے شمبھو کی بات یاد آئی، اُس نے مجھے نصیحت کی تھی کہ اگر پجاری مجھے اندر جانے کی اجازت نہ دے تو میں اُلٹے قدموں واپس لوٹ آؤں۔ میں لوٹ جانے کے لئے وہاں نہیں پہنچا تھا، میرا ارادہ اٹل تھا، اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش یا لچک نہیں تھی۔ البتہ مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس ضرور ہو رہا تھا، میں نے راہداری میں ملنے والی پجارن کو چھوڑ کر کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ وہ مجھے ''دشٹ'' کے خطاب سے نواز کر لچکتی بل کھاتی چلی گئی، بڑے غصے میں تھی۔ ممکن ہے اُس نے اُوپر جا کر اپنی کسی سہیلی سے بھی ذکر کیا ہو، بات سے بات نکل کر پھیل چکی ہو، ہو سکتا ہے کسی پجارن نے مندر کے بڑے کرتا دھرتا تک پہنچا دی ہو، وہ حرکت میں آ چکے ہوں یا آنے والے ہوں...... دیو قامت پجاری مجھے پلکیں جھپکائے بغیر گھور رہا تھا میں نے پل بھر میں ارتکاز اور مراقبے کی ایک مشق کی، پھر ٹھوس لہجے میں بولا۔

''مجھے پنڈت اوم پرکاش جی سے ملاقات کرنی ہے۔''

''تمہارا نام......؟'' اس نے کھردرے لہجے میں سوال کیا۔

''دولت رام......'' میں نے دولت علی کی مناسبت سے دولت رام کہہ دیا۔

''کہاں سے آئے ہو؟'' پجاری نے اپنا شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''ادھر کے نہیں معلوم ہوتے، میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

''میرے پاس سے کم ہے۔'' میں نے اپنی اہمیت کا اندازہ دلانے کی خاطر اُس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔ ''مجھے مہاراج سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' اُس نے میری بات سے مرعوب ہوئے بغیر

سرد لہجے میں کہا۔

''مہاراج سے جا کر میرا نام بتا دو، اُنہوں نے درشن دینے سے انکار کیا تو میں واپس لوٹ جاؤں گا۔'' میں نے کچھ سوچ کر محتاط انداز میں جواب دیا۔

''مہاراج نے انکار کر دیا تو ضروری بات کا کیا بنے گا......؟'' اُس کے لہجے میں شکوک وشبہات کلبلانے لگے، آنکھوں میں نظر آنے والی سرخی کا رنگ کچھ اور گہرا ہو گیا۔ میں نے ضبط سے کام لیا۔

''کرنا کیا ہے، جس نے سندیس بھیجا اُسے جا کر بتا دُوں گا کہ مہاراج تک پہنچ نہیں ہو سکی۔''

''تمہیں نیچے تک کون لایا تھا......؟'' اُس نے توقف سے دریافت کیا۔

''شمبھو......'' میں نے جواب دینے میں عجلت سے کام لیا۔

''اُس نے میرے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا؟'' پجاری کے لہجے میں تکبر اُتر آیا۔

''کیول اتنا کہا تھا کہ اگر تم مہاراج تک جانے کی آ گیا نہ دو تو میں پگ موڑ کر واپس چلا جاؤں۔''

''تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟'' اس بار پجاری نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔ ''کیا میں تمہیں مہاراج تک جانے دُوں گا؟''

''تمہارے من کا حال میں کیسے جان سکتا ہوں؟'' میں نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔

''لیکن میں تمہارے من کا بھید جان چکا ہوں۔'' وہ زہر خند سے بولا۔ ''تم کون ہو؟ ......کہاں سے آئے ہو؟ مہاراج تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اتنے بیاکل کیوں نظر آ رہے ہو......؟''

''یہ جھوٹ کہہ رہا ہے، تمہیں بے نقاب کرنے کے کارن بے پر کی چھوڑ رہا ہے، اس کی باتوں میں مت آ جانا۔'' ایک نسوانی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ میں نے وہ آواز پہلے نہیں سنی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھی میری رہنمائی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر کیوں؟ وہ مجھے کیسے جانتی تھی؟ ایک پجاری کے مقابلے میں میری حمایت کا کیا مقصد تھا؟ میرے ذہن میں وسوسے جاگ رہے تھے جب وہی آواز دوبارہ اُبھری۔ اس بار میں

نے پہچان لیا، وہ میری کلدیپ کی آواز تھی...... میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

''سے گزر گیا تو پچھتاوؤں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''کلدیپ، میری زندگی، میری جان، تم......''

''باتوں میں سے برباد مت کرو جمیل، میری آتما پر جو پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، میں اُنہیں نہیں توڑ سکتی۔ تم مہاراج پریتم لال کو کیوں بھول رہے ہو؟ اُن کا شبھ نام کیوں نہیں لیتے......؟'' کلدیپ کی آواز میں تڑپ تھی، اُس کی رُوح کے کرب کا اندازہ کر کے میں بھی تڑپ اُٹھا۔ اُس غریب نے میری خاطر پوری جوانی سنسان اور ویران پہاڑیوں میں بتا دی، اُس کی موت بڑی دردناک تھی، اب مرنے کے بعد اُس کی بے چین رُوح بھی مجھے راستہ دکھا رہی تھی۔

''کلدیپ......'' میں دل ہی دل میں چیخ اُٹھا۔ ''تمہارے بنا زندگی بھی موت سے کم اذیتناک نہیں ہے، میرا گلا گھونٹ دو، مار ڈالو مجھے، اپنے ساتھ لے چلو، اب زندگی کی کوئی تمنا نہیں رہی۔''

ہوا کا ایک جھونکا میرے چہرے سے ٹکرا کر گزرا تو میں ہوش میں آ گیا۔ میں اس علامت کو بھانپ گیا کلدیپ کی رُوح مجھے ایک اشارہ دے کر رخصت ہو گئی تھی، ہٹا کٹا پجاری مجھے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا، میری خاموشی نے اُس کے شبہے کو اور ہوا دے دی۔

''کہاں گم ہو گئے بھولے رام......'' اُس نے حقارت سے کہا۔ ''تم یہاں زندہ سلامت آ تو گئے ہو، واپس کیسے جاؤ گے؟''

میں نے کلدیپ کی آتما کے اشارے پر پریتم لال کے تصور کو ذہن میں اُجاگر کر کے کہا۔

''مہاراج، اس سمے مجھے تمہاری سہایتا کی ضرورت ہے، تمہاری مہان شکتی اپرم پار ہے، اس ہٹے کٹے پجاری کو میرے راستے سے ہٹا دو۔''

''مورکھ، یہ دُرگا دیوی کا پوتر استھان ہے۔'' پجاری نے مجھے کرخت لہجے میں للکارا۔ ''یہاں کیول دیوی کا راج ہے، تیرے من میں کھوٹ نہ ہوتا تو اس طرح ہونٹ بند کئے نہ کھڑا رہتا۔ میں مہاراج کا سیوک ہوں، میں تجھے بتاؤں گا کہ کتنے بیسی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ تیرا انت بھیانک ہو گا، میں سمجھ گیا پاپی، تو اندر سے وہ نہیں جو اُوپر سے نظر آ رہا ہے۔ ٹھہر جا، میں ابھی تجھے مزہ چکھاتا ہوں۔''

پجاری کے ہاتھ فضا میں بلند ہوئے، میں نے بھی تیور بدل کر اُسے گھورا۔ پینترا بدل کر حملہ کرنے کی ٹھان لی، لیکن دوسرے ہی لمحے میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا، پریتم لال کی آتما نے میری آواز سن لی تھی۔ پجاری کے تیور یکلخت بدل گئے، اُس نے ہاتھ نیچے گرا لیے، بڑی عاجزی سے بولا۔

"مجھے شما کر دینا مہاراج، میری آنکھیں تمہیں پہچاننے میں دھوکا کھا گئیں، مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔"

وہ ہاتھ باندھ کر راستے سے ہٹ گیا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ایک دراز قد پجاری مرگ چھالے پر بیٹھا صندل کی لکڑی کی مالا جپ رہا تھا، مجھے دیکھ کر اُس کی اُنگلیاں تھم گئیں، اُس کے چہرے پر سکون ہی سکون نظر آ رہا تھا، مجھے دیکھ کر اُس نے مالا ایک طرف رکھ دی، مرگ چھالے سے اُٹھ کر قالین پر آ گیا۔ اُس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ....." اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ "کہو، کیسے آنا ہوا....؟ کس نے بھیجا ہے....؟ میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"میرے بڑے بھاگیہ مہاراج کہ تمہارے درشن ہو گئے۔" میں نے دل ہی دل میں مسکرا کر کہا۔ "میں نراش ہو کر واپس چلا جاتا تو ایک کانٹا من میں کھٹکتا رہتا۔"

"بیاکل نظر آتے ہو......؟"

"پہلے تھا، اب نہیں ہوں، تم جو مل گئے۔" میرا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ اوم پرکاش نے مجھے اس بار بڑی توجہ سے دیکھا، پھر کسمسا کر بولا۔

"تم نے ابھی تک اپنا پریچے (تعارف) نہیں کرایا۔"

مجھے حیرت تھی کہ رام پرکاش میری اصلیت نہیں جان سکا، اگر جان چکا تھا تو اس قدر مطمئن کیوں دکھائی دے رہا تھا؟ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم تو دُرگا دیوی کے مندر کے بڑے رکھوالے ہو، میرا خیال تھا کہ تم مجھے پہلی ہی نظر میں پہچان لو گے، مجھے اپنا تعارف نہیں کرانا پڑے گا۔ لیکن اگر تم میری زبان سے میرا نام جاننا چاہتے ہو تو سنو، میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ یہ بھی جان لو، کہ کالی داس کے بعد اب دوسرا نمبر تمہارا ہے۔" میں نے اُسے حقارت سے گھورا۔ "کوئی آخری خواہش ہو تو کہہ ڈالو، دوبارہ موقع نہیں ملے گا۔"

پنڈت اوم پرکاش میرا نام سن کر آنکھیں پٹپٹانے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں

اتنی آسانی سے دندناتا ہوا اُس کے کمرۂ خاص تک پہنچ جاؤں گا۔ ایک لمحے تک وہ خاموش رہا، پھر حیرت انگیز پھرتی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں شعلے مچلنے لگے، بڑے سرد لہجے میں بولا۔ "پاپی، دیوی دیوتاؤں اور پنڈت کے پجاریوں سے زیادہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہوتی۔ میں جانتا ہوں کہ کس کی شکتی نے تجھے اتنا نڈر اور بے خوف بنا دیا ہے، اسی مہان شکتی کے کارن تو ابھی تک اس دھرتی پر سانس لے رہا ہے۔ میرا کہا مان، دُم دبا کر اُلٹے قدموں واپس لوٹ جا، اسی میں تیری مکتی ہے۔"

"مجھے تمہاری یہ باتیں سن کر کوئی تعجب نہیں ہو رہا۔" میں نے زہرخند سے کہا۔ "اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہوتا ہے۔"

"تو......تو پنڈت اوم پرکاش کا اپمان کر رہا ہے۔" وہ غصے سے لرزنے لگا۔ اُس کے تیور خطرناک ہو گئے، کسی زہریلے سانپ کی طرح بل کھا کر بولا۔ "میری خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھ مورکھ، میں اس پوتر استھان کو تیرے گندے خون سے پلید نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بھی جان لے کہ میں دُرگا دیوی کی شرن میں ہوں، تو دُرگا کی شکتی سے زیادہ مہان نہیں ہو سکتا...... چلا جا، میں کہتا ہوں میری نظروں سے دُور ہو جا......" وہ چیخنے چلانے لگا، منہ سے جھاگ اُڑانے لگا۔ "میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔"

"امر لال نے بھی ایسے ہی دعوے کیے تھے، نتیجہ کیا نکلا؟ میری کلدیپ نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مندر کی سیڑھیوں پر بکھیر دیا۔ بدری نرائن کو میں نے لتھاڑ لتھاڑ کر خارش زدہ کتوں کی موت مارا، تمہارا انجام بھی بھیانک ہو گا۔"

میں نے اچانک فضا میں اُچھل کر بھرپور ٹھوکر اُس کے ننگے پیٹ پر ماری۔ وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے سنبھل گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، اُس نے ہاتھ اُٹھا کر زور سے جھٹکا...... بھڑکتے ہوئے شعلے میری طرف لپکنے لگے۔ میں نے پھرتی سے فرش پر لیٹ کر پیروں کی قینچی بنائی، اوم پرکاش نے بچنا چاہا لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی، میں نے اُس کے قدموں کے درمیان قینچی پھنسا کر قلابازی کھائی تو وہ بھی منہ کے بل زمین پر گرا۔ میں نے مرگ چھالا کے قریب رکھی ہوئی پیتل کی وزنی لٹیا اُٹھا کر اُس کے سر پر دے ماری، وہ بلبلانے لگا۔ میں نے سنبھل کر دوسری ضرب زیادہ شدت سے لگائی، اُس کے سر سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ میں نے لٹیا ایک طرف پھینک کر اُسے دبوچنے کی کوشش کی لیکن وہ تڑپ کر

میری گرفت سے نکل گیا۔ بڑا سخت جان وقع ہوا تھا، دست بدست جنگ میں ایک لمحے کی مہلت بھی ایک حریف کو دوسرے پر حاوی کر دیتی ہے۔ اوم پرکاش میری گرفت سے آزاد ہوا تو اُسے جوابی کارروائی کا موقع مل گیا۔ اُس نے کوئی جنتر پڑھ کر پھونک ماری، میرے سارے جسم میں سوئیاں چبھنے لگیں۔ میں نے سنبھلنا چاہا، اُس نے موقع نہیں دیا، دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے اُنگلیاں جھٹکنے لگا۔ میرے جسم پر دہکتے ہوئے انگاروں کی بارش شروع ہو گئی، میں کرب سے چیخ اُٹھا۔ اوم پرکاش کا بھیانک قہقہہ میری قوتِ سماعت سے ٹکرایا۔

”بڑے پر نکل آئے تھے تیرے، بڑا گھمنڈی ہو گیا تھا......“ اُس نے حقارت سے کہا۔ ”اُونچے سُروں میں بول رہا تھا۔ دو ہی جھٹکوں میں چیں بول گیا پاپی، نکل گئی ساری اکڑفوں۔“

میرے اُوپر آگ برس رہی تھی، جسم پر آبلے نمودار ہونے لگے، میں نے ہمت نہیں ہاری۔ زندگی کی آرزو ہوتی تو شاید میں کمزور پڑ جاتا، لیکن میں سر ہتھیلی پر رکھ کر آیا تھا، میں نے ڈوبتے ہوئے ذہن پر قابو پا کر نندا کے بتائے ہوئے ایک عمل کو آزمایا، اوم پرکاش کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، اُس کے جنتر منتر کے بیر میرے اُوپر آگ برسا رہے تھے لیکن اب وہ انگارے میرے جسم کو نہیں چھو رہے تھے، میرے بدن کے قریب آ کر اِدھر اُدھر بکھر جاتے تھے۔

”آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہا ہے حرام کے تخم......“ میں نے اوم پرکاش کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی خاطر للکار کر کہا۔ ”تیرے پاس دُرگا کی شکتی ہے، اسے بھی اپنی مدد کے لئے بلا لے۔ جو منتر باقی رہ گئے ہوں وہ بھی آزما لے، سارے کھیل تماشے کر لے، پھر میں تیری کھاٹ کھڑی کروں گا۔“

اوم پرکاش میری گالی برداشت نہ کر سکا، پاگل ہو گیا۔ پینترے بدل بدل کر اپنے جنتر منتر آزمانے لگا۔ میں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی، اپنی جگہ اطمینان سے لیٹا رہا، اوم پرکاش نے شروع میں کہا تھا کہ وہ اُس شکتی سے واقف ہے جو میری پشت پناہی کر رہی ہے، اُس کا اشارہ پریتم لال کی طرف تھا، نندا کی بخشی ہوئی قوتیں اُس کے علم میں نہیں تھیں۔ میں اپنے گرد حصار باندھ چکا تھا، اس حصار سے باہر نکلنے کی حماقت کرتا تو مارا جاتا۔ دوسری طرف اوم پرکاش دیوانگی کی کیفیت سے دوچار تھا، وہ یکے بعد دیگرے مجھے تہس نہس کر ڈالنے کی حسرت دل میں لئے اپنی جھولی کے جنتر منتر خرچ کر رہا تھا۔ کبھی میرے

چاروں طرف زمین سے زہریلے سانپ بلبلاتے ہوئے نکل آتے، مجھے ڈسنے کی خاطر بار بار پھن کاڑھ کر حملہ آور ہوتے مگر حصار سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتے، کبھی چھت سے اُبلتا ہوا پانی برسنے لگتا، در و دیوار ٹوٹ کر میرے اُوپر گرتے نظر آتے۔ وہ بھانپ گیا تھا کہ میں نے منڈل کھینچ رکھا ہے۔ اس منڈل کو توڑنے کی خاطر وہ زور لگاتا رہا۔ پھر اُس نے کچھ سوچ کر ہاتھ روک لئے، گرج کر بولا۔

”حرامزادے، منڈل میں چھپ کر جان بچا رہا ہے۔ مرد ہے تو باہر نکل کر مقابلہ کر۔ کب تک اپاہجوں کی طرح پڑا رہے گا؟“

”تو نے بھی مندر کے چاروں طرف حصار قائم کر رکھا تھا۔“ میں نے اُسے غصہ دلانے کی خاطر کہا۔ ”خود ہیجڑوں کی طرح اندر چھپا بیٹھا رہا، میں نے تیرے منڈل کو توڑ دیا، تیرے سارے دیوی دیوتا مل کر بھی میرا راستہ نہیں روک سکے۔ میں سب کی نظروں میں دُھول جھونک کر تجھ تک پہنچ گیا۔ اب تو بھی اپنی شکتی آزما لے...... نطفۂ ناتحقیق۔“

اوم پرکاش نے تلملا کر پاؤں زمین پر مارے، زلزلہ آ گیا۔ چھت ٹوٹ کر میرے اُوپر گرنے لگی۔ زمین پھٹ گئی، ہر طرف سے چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو دھوکا کھا جاتا، میں کلدیپ اور امر لال کے درمیان ہونے والی خوفناک جنگ دیکھ چکا تھا۔ امر لال کو کالی کی حمایت حاصل تھی لیکن وہ کلدیپ کے عزم کے سامنے زیادہ دیر قدم نہ جما سکا، مجھے وہ وقت یاد آیا جب بدری نرائن نے مجھے کلدیپ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے میسور کی پہاڑیوں پر پنڈت پجاریوں کی ٹولی بٹھا دی تھی، وشنو داس اُن کی کمان کر رہا تھا، وہ تعداد میں بے شمار تھے، میں تنہا تھا۔ اُن کے روکے بھی نہیں رُکا، انکا میری رہنمائی کرتی رہی، میں اپنی قوتوں کے بل پر سب کا قلع قمع کرتا ہوا کلدیپ تک پہنچ گیا...... وہ بغلیں جھانکتے رہ گئے۔ اُن کی ترکش کا کوئی تیر کارگر ثابت نہ ہوا۔ اب اوم پرکاش اکیلے چنے کی طرح بھاڑ پھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میری زبان سے پنڈت پجاریوں اور دیوی دیوتاؤں کے بارے میں نازیبا الفاظ سن کر اوم پرکاش پھر آپے سے باہر ہونے لگا۔ اُس نے اپنا انگوٹھا زخمی کر کے خون کے قطرے میری سمت اُچھالے، میری نظروں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ میں نے ارتکاز کا عمل کیا تو تاریکی کے بادل چھٹنے لگے۔ میں نے مسکرا کر اوم پرکاش کو دیکھا تو وہ بے قابو ہو کر میری

طرف بڑھا، غصے اور جھلاہٹ کی انتہا انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ اوم پرکاش بھی غیض و غضب کے عالم میں یہ بھول گیا کہ میں نے حصار کھینچ رکھا ہے۔ اُس نے قریب آ کر مجھے ٹھوکر مارنے کی حماقت کی، وہی ایک لمحے مجھے درکار تھا۔ حصار سے ٹکرا کر وہ لڑکھڑایا تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا، مرگ چھالے پر اوندھے منہ گرا۔ میں نے جھپٹ کر اُسے دبوچ لیا۔ اُس کے گلے پر میری اُنگلیوں کا شکنجہ اتنی تیزی سے تنگ ہونا شروع ہوا کہ اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ کچھ دیر میرے بوجھ تلے دبا پھڑ پھڑاتا رہا، پھر اُس کا جسم اکڑنے لگا، اُس کی آتما اور شریر کا بندھن ٹوٹ رہا تھا جب مندر کی گھنٹیوں کی آواز کا شور میرے کانوں میں گونجنے لگا۔ شاید اُوپر والوں کو بھنک مل گئی تھی کہ نیچے کیا ہو رہا ہے؟ وہ گھنٹیاں بجا کر خطرے کا اعلان کر رہے تھے۔ میں اوم پرکاش کے اکڑتے ہوئے جسم کو نفرت سے ٹھوکر مار کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ باہر نکلنے کے ارادے سے دروازے کی سمت لپکا لیکن دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہو گیا...... میں چوہے دان میں پھنس کر رہ گیا۔ وہ میرے لئے فرار کے تمام راستے مسدود کر رہے تھے۔ شاید وہ میری طاقت سے ناواقف تھے۔ میں نے نندا کے خون سے نہا کر جو قوتیں حاصل کی تھیں اُن کے سامنے لوہے کی دیوار بھی ہیچ تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا، وہ ایک ہی جھٹکے میں ٹوٹ کر دُور جا پڑا۔

''رُک جاؤ جمیل احمد خاں......'' ایک نسوانی آواز کی گھن گرج در و دیوار سے پھوٹتی ہوئی میرے کانوں میں گونجی۔ ''آج تم نے دُرگا کی مہان شکتی کو للکارنے کی بھول کی ہے، آج دھرتی کی ساری قوتیں مل کر بھی تمہیں نہیں بچا سکیں گی، تمہارے اُچھل کود کرنے کا سمے سماپت ہو گیا، آج کلدیپ کی بھگتی تمہارے کسی کام نہیں آئے گی، پریتم لال کی آتما بھی تمہاری سہائتا کرنے کی بھول نہیں کرے گی، تمہارا انت بھیانک ہو گا۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ......''

میں نے اُس آواز کو کوئی اہمیت نہیں دی، اس قسم کی گیدڑ بھبکیاں میرا راستہ نہیں روک سکتی تھیں، وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے میں نے وہاں سے جلد از جلد نکل بھاگنے کی سوچی۔ مجھے اپنی طاقت پر اعتماد تھا، پنڈت پجاری میرا راستہ نہیں روک سکتے تھے، دس بارہ مارے جاتے، باقی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ میں نے قدم بڑھانے کی کوشش کی

لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی، زمین نے جیسے میرے قدم جکڑ لئے تھے، کسی غیر مرئی طاقت نے مجھے پوری طرح اپنے شکنجوں میں دبوچ رکھا تھا...... میں نے ایک ایک کر کے ساری قوتوں کو آزمایا لیکن کسی میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شاید اُس نسوانی آواز نے غلط نہیں کہا تھا، میرا وقت پورا ہو چکا تھا...... وقت پورا ہو جائے تو ساری مدافعتی قوتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، بے بسی مقدر بن جاتی ہے، ایک آخری سانس باقی رہ جاتی ہے جس کے خارج ہونے کے بعد جسم اور رُوح کا تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اچانک مجھے اپنے اطراف اندھیرا پھیلتا محسوس ہوا۔ میں نے دیکھا، دُھوئیں کے بادل چاروں طرف سے نمودار ہو کر میری جانب یلغار کر رہے تھے، میں ابھی زندہ تھا، سانس کا تسلسل قائم تھا، میں دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا مگر اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ کثیف دُھوئیں کا حجم میرے گرد بڑھتا جا رہا تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا، سانس لینا دُشوار ہو گیا...... میں نے آنکھیں بند کر لیں، اپنی آنکھوں سے اپنی موت کا تماشہ کون دیکھتا ہے......؟

زندگی کے ایوان میں میرے وجود کے ستون ڈگمگانے لگے۔ کھیل ختم ہونے کا وقت تیزی سے قریب آ رہا تھا جب مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرا بازو مضبوطی سے تھام لیا ہو...... مجھے ہنسی آ گئی، موت کا تصور شدت اختیار کر جائے تو اس قسم کے واہمے سنبھالا دینے کی خاطر ڈوبتے ذہن کے گھپ اندھیروں میں بجھتے ہوئے دیے کی لو کی مانند ٹمٹمانے لگتے ہیں۔ میں بھی کسی حسین فریب کا شکار ہو رہا تھا، ایسا لگا جیسے میرے قدم زمین چھوڑ کر فضا میں بلند ہو رہے ہیں۔ شاید رُوح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی، میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولنا چاہیں لیکن کامیاب نہ ہو سکا، میرے احساسات بڑی سرعت سے منجمد ہو رہے تھے۔ میں ہر احساس سے بے نیاز ہو کر کسی بحر ذخار میں ڈوبتا چلا گیا۔

وقت کی رفتار تھم گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں زندہ تھا یا مر گیا۔ مرنے کے بعد لمحوں کا شمار کون کرتا ہے؟ بیہوشی کی کیفیت میں بھی سود و زیاں کا خیال نہیں رکھا جا سکتا۔ مجھے مطلق یاد نہیں کہ میرے اوپر کیا گزری؟ بس اتنا یاد ہے کہ میرے ذہن پر جمی برف آہستہ آہستہ پگھلنی شروع ہو چکی تھی، مجھے کہیں دُور سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، کوئی میرے سر پر نشتر چبھا رہا تھا۔ میرے حواس آہستہ آہستہ بحال ہو رہے تھے۔ میں جہاں بھی تھا کھلے آسمان کے نیچے تھا۔ میں نے اپنی یادداشت کو کریدنا شروع کیا، گزری

باتیں ذہن میں تازہ ہوئیں تو میں کراہتا ہوا اُٹھ بیٹھا، آنکھیں پھاڑ کر اپنے اطراف کا جائزہ
لینے لگا۔ وہ کوئی لق و دق میدان تھا جہاں میں گیلی زمین پر پڑا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ میں
اُٹھنے لگا تو انکا کی آواز سنائی دی۔

''لیٹے رہو...... تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا کسی بیوہ کی طرح بڑی اُجڑی اُجڑی اور اُداس نظر آ رہی تھی۔

''میں کہاں ہوں؟'' میں نے مدھم لہجے میں سوال کیا۔

''پونا کے ریس کورس میں۔'' انکا نے رُوکھے انداز میں جواب دیا۔ اُس کے لہجے میں
تلخی تھی۔

''تم شاید مذاق کر رہی ہو......'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''میں بمبئی میں
دُرگا دیوی کے مندر میں پنڈت اوم پرکاش کا کریا کرم کرنے گیا تھا، پونا کس طرح آ گیا؟''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ مندر کے چاروں طرف منڈل کھینچ دیا گیا ہے، تم نے میری
بات نہیں سنی۔'' انکا نے کسمسا کر مجھے شکایتی نظروں سے گھورا۔ ''تم نے پھر اپنی من مانی
شروع کر دی ہے۔''

''کیا بات ہے انکا رانی؟'' میں نے اُسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔ ''تمہارا
لہجہ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا ہے۔''

''ایک نظر اپنے حلیئے پر بھی ڈال لو، تمہیں میری جھلاہٹ کا اندازہ ہو جائے گا۔''

میں نے اندھیرے میں اپنے جسم پر نظر ڈالی، ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھا، مجھے ہنسی آ گئی۔
میرے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی، میں کھلے آسمان کے نیچے مٹی میں لتھڑا مادر زاد ننگا
پڑا تھا۔ شاید اوم پرکاش کے بیروں نے میرے کپڑے جلا دیئے تھے۔ مجھے ایک ایک بات
یاد آنے لگی۔ میں نے اپنے حریف کے مُردہ جسم کو ٹھوکر مار کر فرار ہونے کی کوشش کی تو لکڑی
کا مضبوط اور مرصع دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہو گیا تھا۔ میں نے دروازے کو اپنی قوت سے
اُکھاڑ پھینکا لیکن کسی نے میرے قدم جکڑ لئے، کوشش بسیار کے باوجود میں خود کو اُس نادیدہ
نسوانی آواز کی قید سے آزاد نہ کرا سکا، دُھوئیں کے بادلوں نے مجھے دم گھٹ کر مرنے پر مجبور
کیا۔ میں اذیت میں مبتلا تھا جب کسی نے میرا بازو تھام لیا، مجھے اپنے قدم زمین سے اُٹھتے
ہوئے محسوس ہوئے۔ میں نے ان باتوں کو وہم سمجھا تھا لیکن وہ حقیقت تھی۔ حقیقت نہ ہوتی

تو میں اس وقت زندہ کس طرح ہوتا......؟

''میں پونا کے ریس کورس میں کیا کر رہا ہوں؟'' میں نے انکا سے صورتِ حال معلوم
کرنے کی کوشش کی۔

''تم نے میرے منع کرنے کے باوجود ایک غلط گھوڑے پر داؤ لگا دیا تھا، نتیجہ تمہارے
سامنے ہے، کپڑے تک اُتر گئے۔'' انکا نے جلے کٹے انداز میں جواب دیا۔

''پرتھوی کہاں ہے؟'' میں نے اُس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

''ابھی تک مندر کے باہر کھڑا تمہاری واپسی کی راہ دیکھ رہا ہوگا۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''میرے لئے کیا حکم ہے......؟'' مجھے انکا کے غصے پر جھلاہٹ نہیں ہوئی، پیار آنے
لگا۔ وہ میری مونس و غمخوار تھی، میری ہمدرد تھی، میرے ساتھ تھی، نہ ہوتی تو میں کیا کر لیتا؟

''اب ہوش میں آ گئے ہو تو کچھ دیر انتظار کرو، میں ابھی آتی ہوں۔'' اُس نے مجھے گھور
کر کہا، پھر رینگ کر سر سے اُتر گئی۔

میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انکا نے غلط نہیں کہا تھا، میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا تو اندازہ
ہوا کہ میں پونا کے ریس کورس میں گھوڑوں کے اصطبل کے قریب موجود تھا۔ غالباً کچھ دیر قبل
بارش بھی ہوئی تھی جو زمین گیلی محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے ماضی کے گزرے دن یاد آ گئے، کبھی
میں پونا کے اسی ریس کورس میں بڑی شان سے مہ جبینوں کے ساتھ آیا کرتا تھا، انکا میرے
سر پر بیٹھی جیتنے والے گھوڑوں کی نشاندہی کرتی رہتی، میں نازنینوں کو ٹپ دیتا، وہ جیت
جاتیں، میرے اور اُن کے درمیان فاصلے گھٹنے لگتے۔ دولت میں بڑی قوت ہوتی ہے،
بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار میرے آگے پیچھے منڈلاتے رہتے، میں جدھر سے گزرتا ہجوم
میرے ساتھ ساتھ ہوتا، وہ اس بات کی ٹوہ میں لگے رہتے کہ میں کس گھوڑے پر بازی لگاتا
ہوں، وہ بھی اندھا دھند اسی نمبر پر دولت کی بارش کر دیتے۔ میں اُن کے درمیان فخر سے
سینہ تانے کسی خوبرو حسینہ کی کمر میں ہاتھ ڈالے گھومتا رہتا۔ دن بھر یہی مشغلہ رہتا۔ رات کو
وہ حسن کی دیوی میری بغل میں ہوتی، انکا میرے سر پر بیٹھی فرضی حسن و عشق کے تماشے
دیکھا کرتی، کبھی اُس کی فرمائش پر میں کسی لڑکی کا جسم زخمی کر کے اُس کے حوالے کر دیتا، وہ
خوش ہو جاتی۔ خون اُس کی غذا تھی، غذا سے پیٹ بھر لینے کے بعد وہ بھی تر و تازہ نظر آنے
لگتی۔ میرے اور انکا کے درمیان راز و نیاز شروع ہو جاتے، وہ مجھ سے اٹکھیلیاں کرتی۔ میں

اُس کے ناز اُٹھاتا، کبھی میں رُوٹھ جاتا وہ مناتی، کبھی وہ کسی دوسرے پنڈت پجاری کے قبضے میں چلی جاتی تو میرے برے دن آجاتے......!

ایک دن اسی ریس کورس کے باہر پنڈت تربینی داس نے مجھے فقیر سمجھ کر بھیک دی تھی، اُن دنوں انکا اُس کے سر پر تھی۔ میں بھکاریوں کی زندگی بسر کر رہا تھا میری اور انکا کی رفاقت جنم جنم کی تھی، اُس کی وجہ سے میری زندگی میں نشیب و فراز آتے رہے۔ اب میں نے جو قوتیں حاصل کر لی تھیں اس کے بعد انکا کی برتری ختم ہوگئی تھی۔ لیکن پریتم لال اور کلدیپ نے کہا تھا کہ میں انکا سے خود کو علیحدہ نہ کروں، وہ ہمیشہ میرے لئے کارآمد ثابت ہوگی۔ آڑے وقتوں میں کام آئے گی۔ وہ میری محبوبہ تھی، اُس نے مجھے فرش سے اُٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا، اُس کی ذات سے میری حیات کی کئی تلخ و شیریں یادیں وابستہ تھیں۔ وہ میرے خون میں رچ بس گئی تھی۔ میں اُسے اپنے وجود سے علیحدہ نہیں کر سکتا تھا۔

میں انکا کے خیال سے اپنے ذہن کو بہلاتا رہا، ایک بار مجھے بے اختیار ہنسی بھی آگئی۔ میں نے سوچا اگر اسی وقت رات کا گھپ اندھیرا نہ ہوتا، دن کا اُجالا ہوتا، پونا کے ریس کورس میں لوگوں کا ہجوم ہوتا، حسینوں کے قہقہے گونج رہے ہوتے، اُن کے بدن کی خوشبو سے فضا لہک رہی ہوتی اور میں اچانک اُن کے رُوبرو اسی حالت میں نمودار ہو جاتا تو لوگوں کی کیا کیفیت ہوتی؟...... میرے ذہن میں مختلف خیالات اُبھر رہے تھے لیکن ایک سوال بار بار کلبلا رہا تھا، وہ ہاتھ کس کا تھا جس نے مجھے موت کے چنگل سے نجات دلائی تھی؟ گھنٹیوں کی گونج کے درمیان اُبھرنے والی نسوانی آواز نے کہا تھا کہ میں موت سے نہیں بچ سکتا، اُس نے واشگاف الفاظ میں دعویٰ کیا تھا میں جس شکنجے میں جکڑا گیا تھا اس سے کلدیپ کی بھگتی بھی نجات نہیں دلا سکتی، پریتم لال کی مہان شکتی بھی میری کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اُس آواز نے جو کچھ کہا، کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا۔ اُسے مکمل یقین ہوگا کہ پریتم لال یا کلدیپ کی آتما اُس کے مقابلے پر سامنے آنے کی غلطی نہیں کرے گی.... وہ نسوانی آواز کس کی تھی جو در و دیوار سے اُبھر رہی تھی؟ جس کے اُبھرتے ہی میری تمام قوتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں....؟

میں نادیدہ ہاتھ کے بارے میں سوچ رہا تھا جب انکا دوبارہ میرے سر پر آگئی۔

"جلدی کرو جمیل...... میں ایک بڑے سیٹھ کے ڈرائیور کو ساتھ لے آئی ہوں، وہ اصطبل کے عقبی حصے کی جانب گاڑی لئے کھڑا ہے، تم اُس کا لباس پہن کر گاڑی میں بیٹھ کر

نکل چلو، ہمیں پو پھٹنے سے پیشتر بمبئی پہنچنا ہے، ورنہ کھیل خراب ہو جائے گا۔"

میں نے انکا کی ہدایت پر عمل کرنے میں دیر نہیں کی۔ وہ میری رہبری کرنے لگی۔ میں قدم مارتا اصطبل کے عقبی حصے کی سمت اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں سیاہ رنگ کی ایک قیمتی کار کھڑی تھی۔ کار کا ڈرائیور اسٹیئرنگ پر سر رکھے بیٹھا تھا۔ دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں جھجکا تو انکا نے کہا۔

"ڈرومت...... میں نے اُسے بے ہوش کر دیا ہے۔ وہ تین گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔"

میں نے عجلت سے کام لیا۔ ڈرائیور کا لباس اُتار کر پہن لیا، اُسے اُٹھا کر ایک طرف آڑ میں ڈال دیا کہ دُور سے نظر نہ آسکے، پھر ایک طویل عرصے بعد میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اُس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ فاصلہ تیزی سے طے ہونے لگا۔ انکا میرے سر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ اُس کی آنکھیں رہ رہ کر اس انداز میں چمکنے لگتیں جیسے وہ کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں اُس کی اضطرابی کیفیت دیکھتا رہا۔ اُس کی بے چینی بلاوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ میں خاموش بیٹھا کار ڈرائیو کرتا رہا، انکا نے کسمسانا شروع کیا تو میں نے پوچھا۔

"تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو، کیا بات ہے؟"

"آگے رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں، وہ تمہیں پھانسنے کی کوشش کریں گے؟"

"کس جرم کی پاداش میں؟"

"تاج ہوٹل میں پجاری کالی داس مارا گیا، دُرگا دیوی کے مندر میں پنڈت اوم پرکاش کی لاش ابھی تک نگاہوں کا مرکز بنی پڑی ہے۔ مندر میں داخل ہونے کے بعد تمہیں بہت سارے پجاریوں نے دیکھا ہوگا، تمہاری نظریں بھی دو چار پجارنوں کے گدرائے ہوئے جسموں کی طرف ضرور اُٹھی ہوں گی۔ تاج میں ڈی آئی جی روی شنکر نے تمہارا نام جاننے کی کوشش کی تھی، اُس کا ماتحت بلانے نہ آتا تو وہ کریدنے سے کبھی باز نہ آتا۔" انکا نے سپاٹ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ "پرتھوی گاڑی لئے دُرگا مندر کے باہر تمہاری راہ تک رہا ہے۔ تم اس وقت بمبئی میں ہونے کی بجائے پونا سے واپس لوٹ رہے ہو، کیا یہ تمام باتیں پولیس کو تمہارے خلاف ہوا دینے کے لئے ناکافی ہیں؟"

مجھے انکا کا کھردرا لہجہ پسند نہیں آیا۔ ’’تم جمیل احمد خاں سے مخاطب ہو انکارانی۔‘‘ میں نے تیوری پر بل ڈال کر سرد آواز میں کہا۔ ’’وقت نے مجھے ابھی اتنا بے بس نہیں کیا کہ میں خود کو کسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دُوں، کچھ قوتیں میری اپنی بھی ہیں۔‘‘

’’قوتوں کا غلط استعمال ہی تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔‘‘ وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ اُس کی نظریں اس وقت بھی دُور منڈلاتے کسی خطرے کو دیکھ رہی تھیں۔

’’تم طنز کر رہی ہو......؟‘‘ میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

’’نہیں...... تمہارے گن گا رہی ہوں۔‘‘ اُس نے عجیب لہجے میں کہا۔

میں برداشت نہ کر سکا۔ میں نے جھلا کر گاڑی روک دی۔ انکا کا جواب دہکتے ہوئے سرخ توے پر پانی کا چھینٹا ثابت ہوا، میرا دماغ گھوم گیا۔

’’میرے سر سے اُتر جاؤ۔‘‘ میں نے جھلا کر کہا۔ ’’میں تمہارے بغیر بھی حالات کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔‘‘

’’گاڑی چلاتے رہو......‘‘ انکا نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ’’تمہیں ہر حالت میں صبح ہونے سے پیشتر بمبئی پہنچنا ہے۔‘‘

’’میں تمہیں ہندوستان میں چھوڑ کر لندن گیا تھا۔‘‘ میں پہلو بدل کر بولا۔ ’’میں نے کہا تھا، تم سر پر رہو گی تو زندگی سکون سے نہیں گزرے گی، ہنگامے جنم لیتے رہیں گے، اپنے ذہن پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کرو، میں نے رام دیال کے فلیٹ پر بھی اُس وقت تمہارے حصول سے انکار کر دیا تھا جب پنڈت پجاری اور رام دیال کی ماں بھی مجھے مستقبل کے حسین خواب دکھا کر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی...... تمہاری یادداشت میں یہ بات بھی ضرور محفوظ ہو گی کہ پریتم لال مہاراج کی سفارش پر میں نے تمہاری رفاقت قبول کی تھی۔ اُس کی آتما تمہیں اپنے ساتھ لندن نہ لائی ہوتی تو تم اس وقت اپنی اہمیت جتانے کی کوشش کبھی نہ کر پاتیں......‘‘

’’جمیل......‘‘ انکا نے جواب میں کچھ کہنا چاہا۔

’’نہیں......‘‘ میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ’’مجھے بول لینے دو۔ مواد اندر رہ جائے تو ناسور بن جاتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ تم نہ ہوتیں تو جمیل احمد خاں کو وہ شہرت نہ نصیب ہوتی جو آج حاصل ہے۔ میں نے کیا کھویا کیا پایا، اس کی کہانی ایک چوتھائی صدی سے زیادہ

طویل عرصے پر محیط ہے۔ میں گڑے مُردے نہیں اُکھاڑوں گا، زندگی کا بہی کھاتہ کھول کر لمحوں لمحوں کا حساب بھی بے سود ہے۔ تم نے مجھ پر بڑے احسان کئے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں، زندگی کے سفر میں قدم قدم پر نشیب و فراز آتے جاتے ہیں۔ سنگ میل احساس دلاتے رہتے ہیں کہ کتنی مسافت طے ہو گئی، کتنی باقی رہ گئی، کل کیا ہو گا، کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن آج کا یہ لمحہ، یہ ساعت ہمارے اختیار میں ہے، آج ہمیں آخری بار ایک فیصلہ کر لینا چاہئے، ہمیشہ کے لئے علیحدگی کا فیصلہ۔‘‘ میں نے دل پر جبر کر کے آخری جملہ ادا کیا۔

’’گاڑی چلاؤ جمیل۔‘‘ انکا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ’’وقت گزر رہا ہے۔ خطرات بڑھ رہے ہیں۔‘‘

’’خطرات بڑھتے ہیں تو بڑھنے دو۔‘‘ میں جذبات کی رو میں بہنے لگا۔ ’’چت یا پٹ کا کھیل تو سدا سے جاری ہے۔ پانسہ صحیح پڑ جائے تو پو بارہ ہو جاتا ہے، نصیب چمک اُٹھتا ہے، قسمت کی دیوی مہربان ہو جاتی ہے، پیادے کی ایک چال غلط ہو تو بازی مات ہو جاتی ہے۔ تم کو مجھ سے زیادہ میرے جنون اور وحشتوں کا اندازہ ہو گا۔ زندگی کی تمنا کس بھڑوے کو ہے۔ تم میری فکر مت کرو۔ چھوڑ دو میرا ساتھ، کسی اور کے سر پر ٹھکانا کر لو، چندرا کے سر پر چلی جاؤ۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہو جائے گا، پنڈت نول کشور کو درشن دو، وہ کپڑے پھاڑ کر پاگلوں کی طرح ناچنے لگے گا، دنیا میں تمہارے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔‘‘

’’تم اس وقت شاید ہوش میں نہیں ہو......‘‘ انکا سپاٹ لہجے میں بولی۔ ’’میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔‘‘

’’اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دُوں تو......؟‘‘ میں نے جھلا کر سوال کیا۔

’’مجھے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔‘‘ اُس کے اندازِ تخاطب کا رنگ تبدیل ہونے لگا۔ درشت لہجے میں بولی۔ ’’مجھے مجبور نہ کرو......‘‘

’’تم نے کہا تھا کہ پریتم لال کی آتما نے تمہیں پابند کیا تھا کہ تمہیں میرا ہر حکم تسلیم کرنا ہو گا۔‘‘ میں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ ’’میرے سر پر تمہارا قیام اب اسی فیصلے سے مشروط ہو گا، سنا تم نے؟‘‘

’’مہاراج نے ایک حکم اور بھی دیا تھا۔‘‘ وہ تلملا اُٹھی۔ ’’مجھے ہر حال میں تمہاری حفاظت کا خیال رکھنا ہو گا۔ تم اس وقت خطرے میں ہو، میں ایسی حالت میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ

سکتی۔"

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم......"

"معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" اُس نے میرا جملہ کاٹ دیا۔ سٹپٹا کر بولی۔ "جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں تمہیں نظر نہیں آ رہا۔"

"ایسی کیا چیز نظر آ گئی جو تمہاری لازوال قوتیں بھی سہمی سہمی نظر آ رہی ہیں؟" میں نے اُس کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔ "کلدیپ کی آتما نے تو کہا تھا کہ تم اپنی مہان شکتی سے پہاڑوں کو بھی دُھول کی طرح اُڑا سکتی ہو۔"

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا، مجھے حیرت سے گھورنے لگی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اُسے میری باتوں سے دُکھ پہنچ رہا ہے۔ میں نے بھی اُسے سر سے اُتر جانے والی بات جھلا کر کہی تھی۔ اس میں مرضی کو کوئی دخل نہیں تھا، غصے کی شدت میں جو میرے منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ پُراسرار قوتوں کے معاملے میں ہم دونوں میں سے کس کا پلڑا بھاری تھا لیکن ایک بات طے تھی، ہم دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر خوش نہیں رہ سکتے تھے۔ میرا اُس کا ساتھ گوشت اور ناخن جیسا تھا، جدا ہوتے تو اذیت کا احساس ضرور ہوتا۔

"کسی فیصلے میں دُشواری پیش آ رہی ہے انکارانی؟" میں نے اپنے رویئے میں ہلکی سی لچک پیدا کی۔ "گوٹ کہاں پھنس گئی؟"

"ایسی باتیں مت کرو جمیل، میرا دل پھٹ جائے گا۔" اُس کے چہرے پر کرب کے بادل منڈلانے لگے۔ زندگی میں پہلی بار وہ مجھے بڑی افسردہ نظر آ رہی تھی۔

"ایک درخواست کروں......؟" میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر سنجیدگی برقرار رکھی۔

"جو باقی رہ گیا ہے وہ بھی کہہ ڈالو۔" اُس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"میرے سر پر رہنا چاہتی ہو تو بڑے شوق سے رہو مگر اپنا حکم مسلط کرنے کی بھول دوبارہ کبھی نہ کرنا۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "میں اپنے فیصلے خود بھی کر سکتا ہوں۔ تم شہر کے اندیشے سے دُبلا ہونا چھوڑ دو۔"

"اور کچھ......؟" اُس نے سرد آہ بھری۔ بڑی مضطرب نظر آ رہی تھی۔

"نہیں......" میں نے اُسے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "جو کہنا تھا کہہ چکا، اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔"

انکا میرے آخری جملے کی تلخی بھی زہر کا گھونٹ سمجھ کر پی گئی۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیرنے لگی۔ اُس نے بڑی حسرت سے میری آنکھوں میں جھانکا پھر تیزی سے رینگتی سر سے اُتر گئی۔ میں اُسے روک بھی نہ سکا، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مجھے اُس کے ساتھ اتنی بے رُخی سے نہیں پیش آنا چاہئے تھا، میرے ذہن میں کلدیپ کی آتما کے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے...... "بدری نرائن اور امر لال سے جنگ لڑتے وقت اگر تم نے انکا کا کہا مان لیا ہوتا تو شاید مجھے پریتم لال کا استھان نہ چھوڑنا پڑتا۔ تم منڈل سے باہر نہ نکلتے تو امر لال تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا...... انکا کے مقابلے میں تم نے زیادہ شکتیاں پراپت کر لی ہیں، مجھے خوشی ہے۔ لیکن میری ایک بات گرہ سے باندھ لو، انکا کی باتوں کو ہمیشہ دھیان سے سننا، سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا، وہ بڑی عظیم اور حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے۔ اگر چاہے تو پہاڑوں کو بھی دُھول کی طرح اُڑا سکتی ہے...... سیّد مجذوب کی لاٹھی بھی سنبھال کر رکھنا۔ ہو سکتا ہے کبھی وہی تمہارا آخری سہارا ثابت ہو......"

انکا نے مجھے دُرگا دیوی کے مندر میں بھی جانے سے منع کیا تھا۔ میں نے اُس کا کہا نہیں مانا، پنڈت اوم پرکاش میرے جنون کا شکار ہو گیا۔ اُسے مارنے کی آرزو پوری ہو گئی۔ پھر کسی نادیدہ قوت نے میرے پاؤں زمین سے جکڑ دیئے، میری ساری قوتیں سلب ہو گئیں، میں موت اور زندگی کے درمیان اپاہجوں کی طرح اپنے حسرت ناک انجام پر غور کر رہا تھا جب ایک ہاتھ نے میرا بازو تھام کر اُٹھا لیا، میرا ذہن منجمد ہو گیا۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں پونا کے ریس کورس کے میدان میں پڑا تھا۔

"اگر اس وقت انکا نے میری مدد نہ کی ہوتی؟ لباس اور کار فراہم نہ کی ہوتی......؟" میں نے سوچا۔ پھر خود اپنے آپ پر جھلا کر رہ گیا۔ اُس نے اگر میری غلطی پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تھا تو غلط نہیں کیا تھا، وہ حق بجانب تھی، میں ہی اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا۔

انکا کی اضطرابی کیفیت بلاوجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ آگے میری راہ میں رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں، میرے دشمن مجھے پھانسنے کی گھات لگائے بیٹھے تھے، انکا نے کہا تھا کہ پو پھٹنے سے پیشتر میرا بمبئی واپس پہنچنا ضروری تھا۔ وہ بار بار گاڑی چلانے پر اصرار کرتی رہی، میں اُس کے خلوص پر تیر و نشتر چلاتا رہا، وہ کب تک برداشت کرتی......؟

میری وحشت، میرے جنون نے ایک بار پھر میرا راستہ کھوٹا کر دیا، سیّد مجذوب کی

متبرک لاٹھی میں پہلے ہی تاج ہوٹل میں بھول آیا تھا، اب انکا بھی اُلجھ کر میرے سر سے اُتر گئی...... پریتم لال کی آتما نے لندن کے ہسپتال میں کہا تھا...... ''تیرے بھاگیہ میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اوش پورا ہوگا...... خود کو چٹان بنالے...... پتھر کی اتنی ٹھوس مورتی بن جا جس پر آندھی، برکھا اور سرد و گرم کا بس نہیں چلتا، پرنتو میری نظریں تیرے بھوش کو ٹٹول چکی ہیں...... تو جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہے گا، جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکے گا...... جو کام ادھورے رہ گئے ہیں وہ تجھے پورے کرنے ہوں گے...... اس کام کے لئے تجھے بڑے پاپڑ بیلنے ہوں گے، بڑا کشٹ اُٹھانا پڑے گا......''

وقت کسی برق رفتار پرندے کی مانند پر پھیلائے اُڑا جا رہا تھا، میں نے بکھرے ہوئے ذہن کو سمیٹا، گاڑی کو دوبارہ گیئر میں ڈالا، ہیڈ لائٹس آن کیں تو گھپ اندھیرا اچھٹ گیا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، سڑک ویران تھی۔ ہر سمت سناٹے کا راج تھا۔ میرے پیر کا دباؤ ایکسلیٹر پر بڑھتا گیا، گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی......!!

جیسے جیسے فاصلہ گھٹتا جا رہا تھا، میرے اندر اعتماد کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔

انکا میرے سر پر نہیں تھی، میں اُس کے بغیر بھی زندگی گزار چکا تھا۔ وہ ہوتی تو کچھ آسانیاں ضرور مل جاتیں، مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذہن میں بھرے بارود میں کوئی چنگاری اپنا کام کر جاتی ہے، دھماکے ہونے لگتے ہیں، انسان سوچنے سمجھنے کے باوجود بہکنے لگتا ہے، شعور اور لاشعور کی کشمکش میں اپنی بڑائی کا احساس ہمیشہ غالب آتا ہے، کسی حادثے سے بچنے کی خاطر کوئی جان بوجھ کر ایکسلیٹر پر دباؤ نہیں ڈالتا...... اس کے ذہن میں یہی خیال کلبلاتا ہے کہ بریک دبا کر گاڑی روک دی جائے، لیکن اعصاب پر اگر کوئی اُلجھن، کوئی پریشانی مسلط ہو تو وہ لاشعوری طور پر بریک پر پاؤں رکھنے کی بجائے ایکسلیٹر ہی دباتا چلا جاتا ہے، انکا کے ایک جملے نے بھی میرے ذہن میں بھرے بارود پر چنگاری کا کام کیا۔ میں اُس وقت ذہنی طور پر پریشان تھا، وہ مجھے میری کوتاہیوں کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ میں ہتھے سے اُکھڑ گیا، زبان کو بریک نہیں لگا سکا، جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔ وہ کسی خطرے کی بو سونگھ رہی تھی، بار بار مجھے گاڑی چلانے کی ہدایت کر رہی تھی۔ میں نے اُس کا کہا ماننے سے انکار کر دیا، وہ میرے سر سے اُتر گئی، میں تنہا رہ گیا۔

میرے ذہن میں اس وقت بھی دُرگا دیوی کے مندر سے پونا کے ریس کلب تک کے واقعات گڈمڈ ہو رہے تھے، کئی سوال، جواب طلب تھے، وہ کس کی قوت تھی جس نے فرار ہوتے وقت میرے پیر زمین سے جکڑ لئے تھے؟ وہ کس کی آواز تھی جس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کلدیپ کی بھگتی اور پریتم لال کی مہان شکتی بھی میرے کام نہ آ سکے گی؟ وہ نادیدہ ہاتھ کس کا تھا جس نے مجھے موت کے چنگل سے نجات دلائی تھی......؟

میں بڑی سنجیدگی سے حالات پر غور کر رہا تھا جب اچانک مجھے یوں لگا جیسے میں گاڑی میں تنہا نہیں، کوئی اور بھی میرے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا، ممکن ہے انکا

واپس آ گئی ہو، کسی کونے میں منہ پھلائے رُوٹھی بیٹھی ہو۔ اس بات کی منتظر ہو کہ میں اُسے مخاطب کروں، مناؤں، اپنی غلطی کا اعتراف کروں۔ میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ مجھے اپنے ذہن کو سمیٹ کر اُن خطروں کے لئے بھی تیاری کرنی تھی جن کی نشاندہی انکا نے کی تھی۔ آگے رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں، میرے دشمن مجھے پھانسنے کے لئے جال ڈالے بیٹھے میرے منتظر ہوں گے! میں چاہتا تو گاڑی واپس موڑ کر بمبئی جانے کی بجائے پونا کے راستے کسی اور طرف نکل جاتا، وہ گھات لگائے بیٹھے رہ جاتے۔ صبح ہوتی تو میری تلاش شروع ہوتی، اس وقت تک میں اُن کی دسترس سے بہت دُور نکل چکا ہوتا۔ جب دوبارہ آمنا سامنا ہوتا تب دیکھا جاتا۔ پہلے بھی کئی بار میرے اور اُن کے درمیان آنکھ مچولی ہو چکی تھی، لیکن میں نے بھاگنا مناسب نہیں سمجھا، بھاگنا ہی ہوتا تو لندن سے واپس کیوں آتا......؟

انکا نے صبح سے پہلے میرا بمبئی واپس پہنچنا ضروری سمجھا تھا، اُس کے پشت پر یقیناً کوئی مصلحت ہو گی، میری بھلائی ہو گی۔ میں نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی، ذہن کو سمیٹ کر ارتکاز کے عمل میں ڈوبنے کی کوشش کی تو یکلخت کسی کے سانس لینے کی آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے وہ آواز بہت واضح طور پر سنی تھی۔ میرا واہمہ نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے رفتار کم کی، گردن گھما کر پچھلی نشست اور درمیانی خلاء کا جائزہ لیا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھرا......"دُرگا کے مندر میں جو نسوانی آواز در و دیوار سے اُبھری تھی وہ دُرگا دیوی کی آواز ہی رہی ہو گی تبھی اُس نے بڑے اعتماد سے کلدیپ اور پریتم لال کی مہان شکتی کے بارے میں کہا تھا کہ وہ میرے کسی کام نہیں آ سکیں گی۔ ممکن ہے اس وقت بھی دُرگا کی شکتی سانس کی آواز سنا کر مجھے ارتکاز اور مراقبے کے عمل سے روکنا چاہتی ہو......"

میں سنبھل کر بیٹھ گیا، خود کو یکسو کر کے میں نے تمام تر توجہ ایک نقطے پر جمع کی، وہ ایک نقطہ جس کے سوا کچھ اور نظر نہ آئے، اسی ایک آسودہ مرکز تک پہنچنا ارتکاز کا کمال ہے، میری کوششیں بار آور ہونے کو تھیں جب میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا...... کوئی نادیدہ قوت میرے آڑے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں سے اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں خوشی سے اُچھل پڑا، وہ میری کلدیپ کی آواز تھی......

اُس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "تم نے انکا کی بات نہ مان کر اچھا نہیں کیا جمیل، اُس نے غلط نہیں کہا تھا۔ جو وہ دیکھ رہی تھی تم نہیں دیکھ سکتے تھے......"

"کلدیپ......" میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔ "تمہارے بنا دل نہیں لگتا۔ کوئی ایسا راستہ بتاؤ جو درمیان کے اندھیروں کو دُور کر سکے۔"

"میرے پاس سمے کم ہے......" اُس نے اُداس لہجے میں جواب دیا۔ "سمے سے پہلے اور بھاگیہ سے زیادہ کسی منش کو نہ کچھ ملا ہے، نہ ملے گا۔"

"پھر...... میں کیا کروں......؟" میرا اضطراب بڑھنے لگا۔

"دھیرج سے کام لو، خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔" اس بار اُس نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ "منزل تک پہنچنے کے کارن تمہیں کئی موڑ کاٹنے ہوں گے۔ جو لکھا جا چکا ہے، وہ اٹل ہے، باقی سب دھوکا ہے۔"

"کجرا پجارن کون ہے......؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ مجھے یکلخت کلپنا یاد آ گئی جو کلدیپ کا دوسرا روپ تھی۔ میں ایک عرصے تک اُسے نہ پہچان سکا، ساتھ ساتھ قدم ملا کر چلنے کے باوجود اجنبیت کی دیوار حائل رہی۔

"دُرگا دیوی کے مندر میں تم جس سے ملے اُس کا نام نندنی تھا......"

"لیکن کجرا اور اُس میں......"

"ہاں...... میں نے تاج ہوٹل میں اُس کے شریر کو کچھ سمے کے لئے اپنا لیا تھا۔ اگر وہ کالی داس تک پہنچ جاتی تو وہ پنڈت تمہارے لئے خطرناک ثابت ہوتا۔" کلدیپ نے وضاحت کی۔ "نندنی کو کجرا کا نام دے کر میں نے تمہیں کالی داس کے خطرے سے خبردار کیا تھا۔ میں یہی چاہتی تھی کہ اُس کا کانٹا تمہارے راستے سے نکل جائے...... تم نے اوم پرکاش تک جانے میں بہت جلدی کی، انکا نے تمہیں سمجھایا بھی تھا۔"

"وہ آواز کس کی تھی جو مجھے مندر میں سنائی دی تھی......؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کلدیپ کی آتما واپس نہ چلی جائے۔

"وہ...... وہ دیوی کی آواز تھی۔ اُسی کی مہان شکتی نے تمہیں بے بس کر دیا تھا۔ میری آتما بھی تڑپی، پرنتو میں اُس سے تمہاری کوئی سہائتا نہیں کر سکی، دھرتی کی ساری شکتیاں مل کر بھی تمہیں دیوی کے کشٹ سے مکتی نہیں دلا سکتی تھیں۔"

”مگر میں......“

”تم قسمت کے دھنی ہو جو تمہاری کوئی نیکی کام آ گئی۔“ کلدیپ میری بات کاٹ کر بولی۔ ”میری بات دھیان سے سنو جمیل، اب کسی جلد بازی سے کام نہ لینا، بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا، انکا کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ وہ تمہارے بہت کام آئے گی۔“

”وہ ہاتھ کس کا تھا جس نے......“

”میں جا رہی ہوں۔“ جواب میں کلدیپ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ”گاڑی کو کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کرو اور......“

اور کے بعد کلدیپ نے کچھ بھی نہیں کہا...... کہا بھی ہو گا تو مجھے سنائی نہیں دیا، ساٹھ ستر میل کی رفتار سے بھاگتی ہوئی کار کے اگلے دونوں ٹائر ایک ہولناک دھماکے کی آواز سے پھٹے...... اسٹیئرنگ پر میرے ہاتھ کی گرفت اس اچانک افتاد سے ڈھیلی پڑ گئی۔ میں اُچھل کر چھت سے ٹکرایا، پھر جیسے بھونچال آ گیا...... گاڑی کئی قلابازیاں کھاتی ہوئی دُور جا کر رُکی۔ میرا وجود بھی گردش میں آ کر گاڑی کے اندر ہی اندر اُوپر نیچے ہوتا رہا...... میرا جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا تھا۔ میں بڑی مشکل سے گاڑی کا شیشہ توڑ کر باہر نکلا، میرے بدن کا ایک ایک جوڑ ہل گیا تھا۔ میں نے باہر نکل کر ذرا دم لینے کی کوشش کی، گاڑی سڑک کے کنارے ڈھلان کے قریب رُکی تھی، میں اندھیرے میں اندازہ نہ لگا سکا، اپنے ہوش بحال کرنے کی خاطر لیٹنے کی کوشش کی مگر توازن برقرار نہ رکھ سکا، نشیب کی سمت لڑھکتا چلا گیا۔ درد کی شدت سے میری چیخ نکل گئی، پھر سکتہ طاری ہو گیا...... تباہ شدہ گاڑی کا پٹرول ٹینک پُرشور دھماکے سے پھٹا، آگ اور دُھوئیں کے مرغولے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اگر میں نشیب میں نہ لڑھکتا، ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو شاید میرا وجود بھی خوفناک آگ کی بھٹی کی لپیٹ میں آ کر چرمرا جاتا...... ہڈیوں کا سراغ بھی نہ ملتا، دیوی دیوتاؤں کی مہان شکتیاں بھی ٹاپتی رہ جاتیں۔

میں کچی زمین پر پڑا بھڑکتی آگ کے شعلوں کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر میرے ذہن میں خطرے کا احساس کلبلایا تو اُٹھ کر واپسی کے راستے کی طرف دوڑنے لگا۔ میرا جوڑ جوڑ احتجاج کر رہا تھا، اندھیرے میں کئی بار ٹھوکر کھا کر گرا لیکن ہمت نہیں ہاری۔ میں نے جلد از جلد اُس مقام سے دُور نکل جانا چاہا۔ آگ کے شعلوں نے پیش آنے والے حادثے کی مخبری دُور تک کی ہو گی۔ میرے دشمن بھی چونک سکتے تھے...... وہ صورت احوال

معلوم کرنے کے لئے قریب آتے تو اُنہیں میرا سراغ مل جاتا۔ مجھے چوہے کی طرح پکڑا جانا منظور نہیں تھا، میں کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا کسی محفوظ مقام تک پہنچنا چاہتا تھا۔

جسم کی ساری توانائیاں خرچ کر کے میں کبھی دوڑنے لگتا، کبھی طاقت جواب دینے لگتی تو دوڑنا موقوف کر کے لمبے لمبے قدم بڑھانے لگتا۔ لیکن کب تک؟ آدھے گھنٹے بعد ہی میری ہمت جواب دے گئی۔ میں جائے حادثے سے بمشکل چھ سات فرلانگ دُور جا سکا۔ خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا، آگ کے شعلے ابھی تک میرے سہمے ہوئے وجود پر کپکپا رہے تھے، میں بار بار پلٹ کر اُن شعلوں کو دیکھنے لگتا۔ کلدیپ کی بے چین رُوح مجھے اسی حادثے سے باخبر کرنے کو آئی تھی۔ میں نے اُسے باتوں میں اُلجھا لیا۔ اُسے اطلاع دینے میں دیر ہو گئی لیکن قسمت کی دیوی مہربان تھی جو میں بچ گیا۔

میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا، پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے پڑنے لگے، میرے جسم میں اتنی سکت نہیں تھی کہ مزید دوڑ بھاگ کر سکتا۔ سڑک پر دُور دُور تک کوئی ٹریفک نظر نہیں آ رہا تھا، میں نے سوچا۔ ”اگر سڑک عبور کر کے دوسری سمت نکل جاؤں تو اندھیرے میں کچھ دیر بیٹھ کر سستایا جا سکتا ہے......“ اپنے ارادے کی تکمیل کی خاطر میں نے زور لگا کر قدم بڑھانے کی کوشش کی، اُسی لمحے کسی نے مجھے گھپ اندھیرے میں لڑکھڑاتا دیکھ کر اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا...... میرا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ جو بھی تھا، مضبوط جثے کا مالک تھا۔ اُس نے میرے بوجھ کو بڑی آسانی سے سنبھال لیا تھا۔ اُس کی گرفت میں بلا کی قوت تھی، میرے دل کی حرکت تیز ہو گئی، میرے ذہن میں وسوسے جاگ اُٹھے۔ اتنی رات گئے اس ویرانے میں کون تھا جس نے مجھے گرتے ہوئے تھام لیا؟ کوئی نیک بندہ مجھے اذیت میں دیکھ کر میری مدد کو آ گیا؟ قریب کسی جھونپڑی میں رہنے والا کوئی شخص جو بھڑکتی آگ کے شعلے دیکھ کر صورتحال معلوم کرنے کی خاطر نکل پڑا؟ ڈاکوؤں کے گروہ کا کوئی فرد جو کار میں گزرتے ہوئے لوگوں کو لوٹنے کے ارادے سے چھپا بیٹھا ہو؟ مجھے بھی کوئی بڑا شکار سمجھ کر جھپٹ پڑا...... یا میرا کوئی دشمن جسے میری تلاش تھی......؟

”کون ہو تم......؟“ میں نے نقاہت بھری آواز میں دریافت کیا۔

”اپنا متر سمجھ لے۔“ اُس نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ ”ادھر سے گزر رہا تھا، آگ کے شعلے دیکھ کر رُک گیا، تجھے دیکھا تو ادھر چلا آیا۔“

بولنے والے کے لہجے میں دشمنی کا کوئی عنصر شامل نہیں تھا، میں نے خود کو سنبھال کر اُسے دیکھا، وہ کوئی پنڈت یا پجاری تھا جس کے جسم پر صرف گیروے رنگ کی ایک دھوتی نظر آ رہی تھی، سینے پر بڑے بڑے سیاہ بالوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا، سر گھٹا ہوا تھا، کشادہ پیشانی پر صندل اور سیندور کی آڑی ترچھی بل کھاتی لکیریں نظر آ رہی تھیں، گلے میں موٹے دانوں اور سوکھے پھولوں کی کئی مالائیں جھول رہی تھیں، وہ خاصا بھاری بھرکم شخص نظر آ رہا تھا، اندھیرے کے باوجود اُس کی بڑی بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میں اُس کے تن و توش کو سہمی سہمی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُس نے مجھے دوست کہا تھا، لیکن کوئی پنڈت یا پجاری میرا دوست نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید اُسے میری ہی تلاش تھی، اندھیرے کے سبب مجھے پہچان نہیں سکا، میری اصلیت کو بے نقاب کرنے کی خاطر چرب زبانی کا حربہ استعمال کر رہا تھا۔

"من ہی من میں کیا وچار کر رہا ہے بالک؟" اُس نے مجھے مخاطب کیا۔ "اس دھرتی پر کون ایسا بھاگوان ہے جس پر کوئی بپتا نہ پڑی ہو، پرنتو مہا پرش وہی ہے جو کٹھنائیوں کو بھوگنے کی شکتی رکھتا ہو۔ میرا من کہتا ہے کہ تجھ پر بھی کوئی بپتا آن پڑی ہے۔"

"ہاں......" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں بمبئی جا رہا تھا، جلدی میں تھا، لیکن گاڑی کے ٹائر پھٹ گئے۔ رفتار تیز تھی، میں گاڑی کو سنبھال نہ سکا، وہ اُلٹ پلٹ کر بھسم ہو گئی، میں زندہ بچ گیا۔"

"اب کس دِشا (سمت) میں جانے کی سوچ رہا ہے، پورب یا پچھم؟"

"تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا......؟" میں نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا، مکمل اعتماد کئے بغیر میں اُسے اپنے من کا بھید نہیں بتا سکتا تھا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ میری پشت شعلوں کی طرف تھی، میں اُس کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ پس منظر میں بھڑکتی ہوئی آگ کے سبب میرے خدوخال کو پوری طرح جانچنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"سیوک کو پرتاپ کہتے ہیں۔" اُس نے نام بتا کر پھر اپنا سوال دہرایا۔ "تو نے بتایا نہیں، کدھر جانے کا دھیان ہے؟ بمبئی یا واپس پونا؟"

میں نے نظر گھما کر سڑک کی سمت دیکھا، مجھے اُس کی گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔

"کس دبدھا میں پڑ گیا مورکھ؟" اس بار پرتاپ نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ترنت کوئی فیصلہ کر لے، مجھے بھی دُور جانا ہے۔"

"میں چلا جاؤں گا مہاراج، تم میری وجہ سے پریشان مت ہو۔" میں نے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔ "تمہاری بڑی کرپا جو تم نے مجھے گرتے سے سنبھال لیا۔ میں تمہارا یہ احسان یاد رکھوں گا۔"

"من میں کچھ، زبان پر کچھ......" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "میں تیری دبدھا کا کارن سمجھ رہا ہوں۔"

"تم کیا سمجھ رہے ہو......؟" میں نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ میری خود اعتمادی آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھی۔

"پرتاپ کے مطلب سمجھتا ہے؟" اُس نے سنبھل کر جواب دیا۔ "جس کے اندر گرمی بھری ہو۔ جو اُونچے وچار رکھتا ہو، گیانی ہو، جس کے من کا اُجالا اندھیروں کو دُور کر سکے، کسی اُونچے استھان پر براجمان ہو، دوسروں کی سیوا کرنا اپنا دھرم سمجھتا ہو اور کسی دُکھیارے کے کام آ سکے۔ تو بھی مجھے بیاکل نظر آ رہا ہے، جو کچھ تیرے من میں ہے کھل کر بتا دے...... بیراگیوں سے کیا پردہ؟"

"میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا مہاراج۔" میں نے جھوٹ بولا۔ "تم اپنا راستہ سنبھالو، میں کوئی اور سواری پکڑ لوں گا۔"

میرا جواب سن کر پرتاپ کے چہرے پر بیزاری اور جھلاہٹ کے ملے جلے تاثرات اُبھرے۔ وہ میرے طرزِ عمل سے اُکتا کر واپس جانے کے لئے پر تول رہا تھا جب میں منہ پھیر کر جائے حادثہ کی طرف دیکھنے کی حماقت کر بیٹھا۔ میرا چہرہ روشنی میں آیا تو پرتاپ کی نگاہیں چمک اُٹھیں۔ وہ جاتے جاتے رُک کر مجھے پوری توجہ سے دیکھنے لگا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات یکلخت تبدیل ہو گئے۔ میں اپنی حماقت پر ٹپٹا کر رہ گیا۔ شاید اُس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اُس کی عمر مجھ سے کہیں زیادہ تھی، لیکن اُس کے قویٰ میرے مقابلے میں بہت زیادہ مضبوط نظر آ رہے تھے۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"میری بات مان لو مہاراج۔" میں نے دیدہ و دانستہ بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ "میرے پیچھے میرے کچھ اور واقف کار بھی چلے ہوں گے، مجھے جلدی تھی اس لئے اُنہیں چھوڑ کر نکل پڑا۔ وہ کچھ دیر میں آ جائیں گے، میں اُن کے ساتھ نکل جاؤں گا۔"

''نہیں بالک، نہیں......'' پرتاپ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر میں بھی تجھے چھوڑ کر چلا گیا تو تیرے لئے سارے دوار بند ہو جائیں گے۔ تجھے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ کھیروا اکیلا ہو تو جال نہیں توڑ سکتا......''

میں پرتاپ کی باتیں سن کر چونکا، اُس کے لب و لہجے کی تبدیلی بلا مقصد نہیں تھی۔ اُس کی نظروں میں اُبھرنے والی چمک غمازی کر رہی تھی کہ وہ میری اصلیت جان چکا ہے، معنی خیز گفتگو کا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا......مگر کیسے......؟ کون تھا وہ؟...... مجھے کیسے جانتا تھا؟ کیا چاہتا تھا......؟

''میں تیری بات مان کر چلا جاتا بالک تو بڑا اندھیر ہو جاتا۔ سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا۔''

''میرا خیال ہے تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہو۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ''میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔''

''تیری نظریں بھی دھوکہ کھا رہی ہیں بالک۔'' اُس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''میں بھی اُوپر سے جو نظر آ رہا ہوں، اندر سے وہ نہیں ہوں۔ خاص طور پر تیرے لئے......''

''تم میری ذات پر کس کا شبہ کر رہے ہو......؟'' میں نے بے رُخی کا اظہار کیا۔

''کس کو ہانکنے کی غلطی کر رہا ہے......؟'' پرتاپ نے مجھے دلچسپ نظروں سے گھورا۔ ''وہ ٹھیک ہی کہا کرتا تھا، تو نے اگر تن کو اُجلا کر کے من کو مار لیا ہوتا تو امر ہو جاتا، آکاش کی بلندیوں پر تیرتا پھرتا، دھرتی کے گورکھ دھندوں سے تیرا کوئی سمبندھ، کوئی رشتہ ناتا نہ ہوتا، پرنتو قسمت کا لکھا اٹل ہوتا ہے، کوئی شکتی اس پر سیاہی نہیں پھیر سکتی۔''

میں گڑبڑا گیا۔ پرتاپ جس زبان میں بات کر رہا تھا وہ میری جانی پہچانی تھی۔ وہ معمولی پنڈت پجاری نہیں تھا، اُس کی نظریں میرے ذہن کی گہرائیوں میں غوطہ لگا رہی تھیں، میرے دل کی گہرائیوں میں جھانک رہی تھیں۔ میرے لئے ضروری ہو گیا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دُوں، موقع کی نزاکت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں پنڈت اوم پرکاش کے بعد کسی اور پجاری کے خون سے ہاتھ رنگوں، لیکن پرتاب میرے راستے کی دیوار بن کر جما کھڑا تھا، اُس کے قدم زمین سے اُکھاڑنے کی خاطر میرے لئے پراسرار قوت کا استعمال ناگزیر ہو گیا۔ میں نے پریتم لال کا نام لے کر پرتاپ کو راستے سے

ہٹانے کی کوشش کی، مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے ارتکاز کا عمل کرنے کو سوچا لیکن اپنے بکھرے ہوئے ذہن کو سمیٹ کر یکسوئی نہ حاصل کر سکا۔ میرے اُوپر پھر جنون طاری ہونے لگا، وحشتیں بڑھنے لگیں۔

''من کو شانت رکھ بالک۔'' پرتاپ نے مجھے بڑی سنجیدگی سے ٹوکا۔ ''زیادہ پھڑپھڑانے کا وچار من سے نکال دے۔ ہر ایک سے پنجہ لڑانے کی مت سوچا کر۔ سیاہ و سفید کی پرکھ کرنا سیکھ لے۔''

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔'' میں نے اُکتاہٹ کا اظہار کیا۔

''وہ سندری ہوتی تو تیری مشکل آسان کر دیتی۔'' پرتاپ نے میرے سر کی سمت دیکھا۔ ''کہاں چھوڑ آیا اُس پھلجھڑی کو؟ آج میں بھی اُس کے درشن کر لیتا، جنم جنم کی آشا پوری ہو جاتی۔''

''تم......'' میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ ''تم کس سندری کی بات کر رہے ہو......؟''

''وہی جس کے بارے میں کیول سنا ہی سنا ہے، دیکھنے کی آشا پوری نہیں ہوئی۔'' اُس نے حیرت بھری آواز میں کہا۔ ''وہ کہا کرتا تھا کہ ڈیڑھ بالشت کی وہ سندری بڑی نٹ کھٹ، بڑی شوخ، بڑی چنچل ہے، نت نئے کھیل تماشے کرتی ہے، ایسے ایسے ناٹک رچاتی ہے کہ منش دانتوں تلے اُنگلی دینے پر مجبور ہو جاتا ہے......کہاں چھپا رکھا ہے اُسے بالک؟''

پرتاپ، انکا کی بات کر رہا تھا۔ اُس نے کبھی انکا کے درشن نہیں کئے تھے، کسی نے اُسے انکا کی شوخیوں اور شرارتوں کے بارے میں تفصیل سے بتا رکھا تھا۔ میں سٹپٹانے لگا۔

''پھر وچاروں میں ڈبکی کھانے لگا۔'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''کھرے اور کھوٹے کی پہچان کیا کر۔''

''تم......مجھ سے کیا چاہتے ہو......؟'' میں نے جھلا کر سوال کیا۔

''میرا ہاتھ پکڑ لے......میرے ساتھ نکل چل، کہیں آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ میرا کہا مان لے، سمے بیت رہا ہے۔''

''تمہاری باتیں مجھے اُلجھا رہی ہیں مہاراج۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں بات کی۔

''کیا جانتے ہو تم میرے بارے میں؟''

''کہاں سے شروع کروں؟'' پرتاپ نے ہاتھ ملتے ہوئے خشک آواز میں کہنا شروع

کیا۔ ''میسور کی پہاڑیوں پر لے چلوں جہاں ایک بھولی بھالی سندری کو اشنان کرتا دیکھ کر
تیرے من میں پاپ مچلنے لگا تھا...... اُس مہان پریتم لال کی بات کروں جس کی مہان شکتی
کے سہارے تیری انکارانی بھی بے بس ہوگئی تھی...... تیری کلدیپ نے جس کے چرنوں
میں گر کر تیرے جیون کی بھکشا مانگی تھی...... تیری ایک بھول کی کارن اُس من موہنی صورت
والی سندر نار کو پریتم لال کی کٹیا سنبھالنی پڑی، آخری سانس تک وہ اُسی استھان پر بیٹھی
تیرے پریم کی خاطر، تجھے مضبوط کرنے کے کارن دیوی دیوتاؤں کا جاپ کرتی رہی، پورا
جیون بِتا دیا، نیچے اُتری تو تیرے اُوپر جان کی بھینٹ دے کر اپنا پیار امر کر گئی...... تو شہروں
شہروں گھومتا رہا، رنگ رلیاں مناتا رہا، وہ تیرے نام کی مالا جپتی رہی......'' پرتاپ بڑی
روانی سے میری کتابِ زندگی کی ورق گردانی کرتا رہا، میں تصویرِ حیرت بنا خاموش کھڑا اُس
کی باتیں سنتا رہا، اُس کی زبان چلتی رہی۔

''کیا کیا یاد دلاؤں تجھے؟ کون سا دوار کھولوں، کون سا بند کروں؟ تجھے نرگس کی قبر پر
لے چلوں جہاں اب کیول دُھول اُڑتی ہے...... مالا رانی کی بھگتی کی کہانی سناؤں، تربینی کا
راگ الاپوں جس نے تجھے اپنے در کا بھکاری بنا لیا تھا؟ تو اُس کے اشاروں پر ناچتا تھا......
بدری نرائن اور تیری مہا بھارت کے قصے چھیڑوں یا کلدیپ اور امر لال کے یدھ کا نقشہ
کھینچوں؟ اُس گوری چمڑی والی میم کی رام کہانی سناؤں جس نے تجھے سہارا نہ دیا ہوتا تو
کب کا مر کھپ گیا ہوتا؟''

پرتاپ سانس لئے بغیر بولتا رہا۔

''اُن مہان شکتیوں کے گن گاؤں جو ابھی تک تجھے سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ تو بڑا
بھاگوان ہے بالک، سورگ باشی پریتم کی آتما ابھی تک تیری پچھاڑی پر ہاتھ رکھے ہوئے
ہے، کلدیپ کو بھی بار بار دیوی دیوتاؤں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، وہ مر کر بھی تیرے پریم
میں دیوانی ہو رہی ہے، تجھے راستہ دکھانے کی خاطر بار بار تیرے پاس آتی ہے۔ اُسے کیا کیا
کشٹ بھوگنا پڑتا ہے اور تو...... تو بار بار اُس کا کہا ٹال دیتا ہے، اُسے سکھ نہیں دے سکا تو
اُس کی بیاکل آتما کو چین سے رہنے دے۔ کب تک اُسے تڑپاتا رہے گا......؟''

''بس کرو مہاراج، بس کرو......'' میں چیخ اُٹھا۔ ''میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔''

''سندر ناریوں کے کندن جیسے شریر پر تیری پاپی نظریں بھٹکتی رہیں گی تو کسی دوسرے کو

کیا پہچان سکے گا؟'' پرتاپ نے بل کھا کر کہا۔ ''کب تک لقا کبوتر کی طرح دُم اور گردن کو
ساتھ ملائے رکھے گا، کتنی قلابازیاں کھائے گا مورکھ، کبھی جمیل احمد خان، کبھی دولت علی......
اور کوئی سندر سا نام کھوج لے، کوئی نیا رُوپ دھار لے۔''

میں پرتاپ کی کڑوی کسیلی باتیں سنتا رہا، اُس کے چہرے کو گھورتا رہا۔ معاً مجھے یاد آ گیا
کہ میں نے اُسے پہلے کہاں دیکھا تھا؟ لندن سے روانگی کے وقت ایئرپورٹ پر مسافروں
کی بھیڑ میں ایک بار وہ میرے سامنے آیا تھا، پھر کترا کر نکل گیا۔ لندن کے حوالے سے مجھے
امریتا بھی یاد آئی، اُس کی میری ملاقات جہاز پر ہوئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ فرسٹ کلاس
میں اپنے کسی گرو کے پاس بیٹھی تھی...... ''تو کیا...... کیا وہ گرو پرتاپ ہی تھا؟'' میرے ذہن
میں یہ خیال اُبھرا تو پرتاپ مسکرانے لگا۔

''میرے متر پریتم لال نے بھی تجھ سے یہی کہا تھا بالک...... من کی آنکھیں کھلی رکھا کر۔''

''میں نے تمہیں مہاراج کے ساتھ نہیں دیکھا۔ کبھی مہاراج نے بھی تمہارا ذکر نہیں کیا
...... کیا ہوتا تو میں تمہیں ضرور یاد رکھتا گرو پرتاپ۔''

''پرتاپ نہیں...... کیول گرو کے نام سے یاد رکھ۔'' اُس نے نرمی سے کہا۔ ''میرے
دوسرے جان کار بھی مجھے گرو کے نام سے جانتے ہیں۔''

''میرے لئے اب کیا حکم ہے......؟'' میں نے اُس پر اعتماد کر لیا۔

''سندری نے غلط نہیں کہا تھا۔'' گرو نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''بھور ہونے سے
پہلے تیرا بمبئی پہنچنا ضروری ہے، چل میرے ساتھ، میں تیری مشکل آسان کر دوں گا......''

''لیکن وہ راستے میں جال ڈالے بیٹھے ہوں گے؟'' میں ہچکچانے لگا۔ ''آسانی سے میرا
پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''جب گرو کہا ہے تو پھر گرو کی آگیا کا پالن بھی کر......''

میرے پاس گرو کے حکم کی تعمیل کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا، وہ سڑک کی
جانب قدم بڑھا چکا تھا۔ میں بھی اُس کے پیچھے ہولیا۔ انکا نے کہا تھا میرے دشمن مجھے
گھیرنے کی کوشش کریں گے، دُرگا کی آواز نے مندر کے پجاریوں کو پنڈت اوم پرکاش کی
موت سے باخبر کر دیا تھا۔ وہ مندر کے سب سے بڑے پروہت کی لاش دیکھ کر دیوانے ہو
گئے ہوں گے، کالی داس کی چتا کو آگ لگنے سے پہلے پنڈت اوم پرکاش کے انجام کی خبر

نکل اُٹھے ہوں گے۔ میری تلاش میں
پورے شہر میں پھیل چکی ہوگی۔ سارے پنڈت پجاری میری تلاش میں نکل اُٹھے ہوں گے۔ بڑے
پنڈت نول کشور کو اطلاع دی گئی ہوگی، اُس کے انتقام کی آگ اور بھڑک اُٹھی ہوگی۔ ہر طرف کھلبلی مچی
بڑے دھر ماتماؤں نے پولیس کے اعلیٰ حکام کو فون کھڑکھڑائے ہوں گے، میری تلاش کر رہے ہوں
ہوگی، وہ سب میری تکہ بوٹی کرنے کی خاطر کونے کھدروں میں میری تلاش کر رہے ہوں
گے۔ گواہی شہادت کے رجسٹر کھلے ہوں گے، عینی شاہدوں کے بیانات قلمبند کئے جا چکے
ہوں گے، نندنی پجارن نے بھی اُنہیں اپنی کتھا سنائی ہوگی، کچھ لوگوں نے مجھے مندر میں
داخل ہوتے دیکھا تھا، ممکن ہے ان کے اشارے پر پرتھوی کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہو۔ پولیس کا
ایک ڈپٹی بھی پیچ و تاب کھا رہا ہوگا، تاج ہوٹل کے مینجر کو بھی گھیرا جا سکتا تھا۔ گاڑی اور پرتھوی
دونوں کو اُسی نے میرے حوالے کیا تھا، اُس کے لئے بھی جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔
انکا چاہتی تھی کہ میں پوپھٹنے سے پہلے بمبئی پہنچ جاؤں۔ اُس کے مشورے کے پیچھے کیا
مصلحت تھی؟ میں نہیں معلوم کر سکا۔ وہ میری تلخ ترش باتیں سن کر سر سے اُتر گئی تھی۔ میں
نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے، بمبئی میں میرے لئے سب سے قیمتی
شے سیّد مجذوب کی لاٹھی تھی، میں کسی طرح پولیس کی گرفت میں آنے سے پیشتر تاج ہوٹل
پہنچ جاتا تو پھر سینکڑوں بہانے تراشے جا سکتے تھے، دُرگا کی آواز کو پنڈت پجاریوں کا وہم
بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔ قانون میں بڑی گنجائش ہوتی ہے، گھاگ وکیلوں کے پیچیدہ
سوالات بڑے بڑے دانشوروں کی عقل خبط کر دیتے ہیں...... میں صاف انکار کر دیتا کہ
میں نے پنڈت اوم پرکاش کو نہیں مارا، وہ مندر کی کسی اندرونی سازش کا شکار ہوا ہوگا، میرا
وکیل سوال کرتا...... ''می لارڈ، جب مندر میں سینکڑوں پنڈت پجاری اور محافظ موجود تھے تو
اُنہوں نے ایک اکیلے قاتل کو پکڑنے کی کوشش سے کیوں گریز کیا؟ وہ کس بات سے خوفزدہ
تھے؟ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ جب مفروضہ قاتل کے ہاتھ میں کوئی مہلک ہتھیار بھی
نہیں تھا؟'' استغاثہ داخل کرنے والے کے پاس کوئی معقول جواب نہ ہوتا، پجارن نندنی اپنا
خوبصورت بدن سمیٹتی، اوڑھنی میں جسمانی نشیب و فراز کو چھپاتی شہادت دینے کے لئے
کٹہرے میں قدم رکھتی تو بے شمار حریص نظریں اُس کے حسین وجود سے لپٹ جاتیں، وکیل
سوالوں کی بوچھاڑ کرتے تو نندنی ننگی ہو جاتی۔ اُس پر بے شمار جھوٹے الزامات اس صفائی
سے تراشے جاتے کہ وہ خود بھی فیصلہ نہ کر پاتی کہ کس بات سے انکار کرے؟ مندر کے

پجاریوں کے ساتھ اُسے رات کی تاریکیوں میں کسی ویران گوشے میں اس طرح گڈمڈ کر دیا
جاتا کہ وہ شرم سے پیلی پڑ جاتی، آنکھیں چرانا بھی مشکل ہو جاتا۔ ممکن ہے فاضل جج بھی
اُس کے درشن کی خاطر بار بار تاریخیں دینا شروع کر دیتا۔ دوسرے کارندے بھی بھوکے
بھیڑیوں کی طرح نندنی کے کومل شریر کو بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر دانت تیز کرنا شروع کر دیتے۔
کسی کو قاتل قرار دے کر پھانسی کے پھندے پر لٹکا دینا کوئی مذاق نہیں ہے۔ استغاثہ کو
ثابت کرنا پڑتا کہ میری تحویل میں کوئی طلسمی چراغ، کوئی جادوئی انگوٹھی تھی جس کے جن نے
مجھے فرار ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ میرا وکیل دُرگا دیوی کو عدالت میں پیش ہونے کا
مطالبہ کر بیٹھتا تو عدالت اور قانون دونوں بغلیں جھانکنے لگتے۔
بچ نکلنے کے بہت سارے راستے تھے لیکن میرا بروقت بمبئی پہنچنا ضروری تھا۔ میں سیّد
مجذوب کی لاٹھی پکڑ کر گھماتا، سارے تتر بتر ہو کر رہ جاتے، کسی کو بھاگنے کا راستہ نہ ملتا۔
شکاریوں کے سارے جال پھندے ٹوٹ جاتے، پولیس کے اعلیٰ افسران بھی ششدر رہ
جاتے، میں سینہ تانے دندناتا پھرتا، پہلے بھی کئی موقعوں میں ایسے کھیل تماشے ہو چکے تھے۔
سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کی تو بڑی بات تھی، میری انکارانی ہی نے برطانوی عدالت میں
پولیس آفیسر آرتھر کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ وہ حق پر تھا لیکن جج اور جیوری کے متفقہ فیصلے
نے اُسے اختیارات کے ناجائز استعمال اور اپنی حدود سے تجاوز کرنے کا مجرم قرار دے دیا۔
سچا کیس جھوٹا ثابت ہو گیا، میں سینہ تانے آزادی کے ساتھ سب کی نظروں میں دُھول
جھونک کر عدالت سے باہر آ گیا۔
''سمے ہمیشہ ایک سمان نہیں ہوتا بالک۔'' گرو کی ٹھوس آواز میرے کانوں میں گونجی تو
میں چونکا۔ وہ میرے دل کی باتیں کھلی کتاب کی طرح خاموشی سے پڑھتا رہا، مجھے خبر تک نہ
ہوئی۔ اُس نے خود کو سورگ باشی پریتم لال کا متر کہا تھا تو شاید غلط نہیں کہا تھا، میں محتاط ہو
گیا۔ اُس نے سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ ''تو بڑا بھاگی (خوش قسمت) ہے جو ڈھیر
ساری شکتیاں تیرے ساتھ ہیں، تجھ پر چھایا کئے ہوئے ہیں۔ لیکن تو نے دُرگا کو للکار کر
ٹھیک نہیں کیا، دیوی دیوتاؤں کی شکتی اپرم پار ہوتی ہے۔ پرماتما اُن کی رکھشا (حفاظت)
کرتے ہیں، اُن کی پلکوں کا اشارہ بھی مہاپرشوں کے لئے بہت ہوتا ہے...... تو پہلے بھی کئی
بار یہی بھول کر چکا ہے جس کی سزا بھوگتا ہے۔ اب دوبارہ ایسی بھول مت کرنا ورنہ......''

گرو کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

''ورنہ کیا......؟'' میں نے وضاحت چاہی۔ ''تم بولتے بولتے خاموش کیوں ہو گئے؟''

''پریتم لال نے تجھے موج میلہ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے تو اُس کی آتما جانے۔'' گرو نے مُبہم انداز میں کہا۔ ''پرنتو میرا ایک اپدیش دھیان سے سن لے، چکور کی طرح چندر ما تک اُڑنے کی نہ سوچا کر، ساگر کی لہروں کی شکتی بڑے بڑے مہان پیراکوں کو بھی بیچ منجدھار میں غرق کر دیتی ہے...... دھرتی اور آکاش کے بیچ ایک استھان ایسا ہے جس سے اُونچا اُڑنے کی اجازت میرے تیرے پرشوں کو نہیں ہے، تو بھی ایک ریکھا کھینچ لے، اس سے آگے جانے کا وچار من سے نکال دے، اسی میں تیری مُکتی ہے۔''

''ایک بات پوچھوں گرو؟'' میں نے اُس کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''کیا پوچھے گا......؟''

''جو کچھ بیت چکی ہے اس کا انجام کیا ہو گا......؟'' میں نے جان بوجھ کر کالی داس یا اوم پرکاش کا نام لئے بغیر گول مول انداز میں پوچھا۔ ''کیا میرے دشمن مجھے گھیرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟''

''جے بجرنگ بلی...... جے کالی...... جے بھولے ناتھ۔'' گرو نے نعرہ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''تیرے من میں ابھی تک بھونچال سر مار رہا ہے، بھوش میں کیا لکھا ہے بھگوان کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ ہم کیول اپائے کر سکتے ہیں۔''

''تم شاید بتانا نہیں چاہتے......'' میں نے شکوہ کیا۔

''دھیرج سے کام لے بالک، ابھی سے بیاکل ہونے لگا، ابھی تو پورا جیون تیرے سامنے پڑا ہے، اتنی جلدی کیا ہے تجھے......؟''

میں تاڑ گیا گرو اپنے دل کا بھید نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے مجبور بھی نہیں کیا، اپنی خود اعتمادی کو سمیٹنے لگا۔ ہم سڑک پر آ کر پیچھے کی جانب واپس لوٹ رہے تھے۔ کچھ دُور جانے کے بعد مجھے ایک گاڑی نظر آنے لگی۔ وہ گرو کی ملکیت تھی۔ میں کچھ سوال کرنا چاہتا تھا کہ اچانک پوری سڑک پر تیز تیز روشنیاں اِدھر اُدھر تیرنے لگیں...... گرو نے پلٹ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ میرے دشمنوں نے دُور سے بھڑکتے شعلوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ صورت حال کا جائزہ لینے آئے تھے۔ اُنہوں نے اپنی گاڑیوں کی لائٹس بجھا رکھی تھیں،

مجھے دھوکے میں رکھ کر پکڑنا چاہتے تھے۔ میں اُنہیں سڑک پر چلتا نظر آیا تو اُنہوں نے ساری روشنیاں جلا دیں۔ پولیس کی مخصوص گاڑیوں پر سرچ لائٹس بھی ہوتی ہیں، ایسی ہی ایک تیز روشنی کا دائرہ ہمارے اُوپر آ کر تھم گیا۔ گرو کے بڑھتے ہوئے قدم تھم گئے، وہ پلٹ کر روشنی سے آنکھیں لڑانے لگا، بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ مجھے اُس کے چہرے پر اُلجھن یا پریشانی کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ میرے لئے فرار کے راستے مسدود ہو گئے، وہ کئی گاڑیاں تھیں جو ہمارے قریب آ کر آگے پیچھے رُک گئیں، سرچ لائٹ کی تیز روشنی ہمارے چہروں پر مرکوز تھی، کئی گاڑیوں کے دروازے کھلنے کی آوازیں گونجیں۔ بہت سارے قدموں کی آوازیں اُبھریں، شاید وہ ہمارے خلاف مورچہ بنا رہے تھے۔ گرو کے چہرے پر آہستہ آہستہ ناگواری کے تاثرات اُبھرنے لگے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر سینہ تانے کھڑا بھاگ دوڑ کی آواز سن رہا تھا۔

''خبردار......'' ایک بھاری بھرکم آواز اُبھری۔ ''جہاں کھڑے ہو وہاں سے ہلنے کی کوشش بھی نہ کرنا، ورنہ بھون دیئے جاؤ گے۔''

گرو ہونٹ کاٹنے لگا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔

''تم نے سوانگ بھرنے کی کوشش کی ہے مگر ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم پوری طرح گھیرے جا چکے ہو۔''

میں نے کوئی بات نہیں کی، گرو کی طرح بت بنا کھڑا رہا۔ اور کر بھی کیا سکتا تھا......؟

''اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دو...... ہینڈز اپ۔'' ایک اور آواز گرجتی ہوئی سنائی دی۔

گرو نے سنی ان سنی کر دی، اُس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ میں دم سادھے کھڑا رہا۔

''تم نے سنا نہیں...... اپنے ہاتھ......''

''پنڈت پجاریوں سے ٹھٹھول کر رہا ہے پاپی......'' اچانک گرو نے بڑے خوفناک انداز میں گرج کر کہا۔ ''اپنے کسی بڑے کو سامنے کر، اُسے میرا نام بتا دے...... میں گرو ہوں۔ گرو پرتاپ۔''

اس بار دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ ایک شخص روشنی میں نہایا ہماری طرف بڑھنے لگا۔ وہ قریب آیا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں...... میں نے اُسے پہچان لیا، وہ ڈی آئی جی روی شنکر تھا جس نے مجھے ہوٹل سے نکلتے وقت بھی روکنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک ماتحت کے آ جانے سے اُسے مجھے کریدنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اب وہ

پورے لاؤلشکر کے ساتھ آیا تھا، اُس کے پاس وقت کی کمی نہیں تھی۔ میں نے ذہن کو یکسو کر کے نندا کے بتائے ہوئے ایک عمل کو آزمانا چاہا، گرو نے میرا ہاتھ زور سے دبا کر میری توجہ منتشر کردی۔ اُس نے پوری قوت سے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

''تم...... گرو پرتاپ......'' روی شنکر نے قریب پہنچ کر گرو کو پہچانتے ہوئے بڑی عقیدت سے پوچھا۔ ''تم اس سمے یہاں کیا کر رہے ہو مہاراج؟''

''ایک ضرورت کے کارن رُکنا پڑا۔'' گرو نے سرد لہجے میں جواب دیا، پھر تیکھے انداز میں بولا۔ ''اپنے نادان چھوکروں کو باندھ کر رکھا کر، ان کی پلید زبان سے اچھے شبد نہیں نکلتے، اُونچے سُروں میں اپنا راگ الاپنے لگتے ہیں۔ کسی دن میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو ساری بولتی بند ہو جائے گی...... سن رہا ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''شما کر دو مہاراج۔'' روی شنکر نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''وہ تمہیں پہچان نہیں سکے۔ ہمیں کسی اور کی کھوج تھی۔''

مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، میری آنکھیں پٹپٹانے لگیں...... میں روی شنکر کے سامنے کھڑا تھا، وہ مجھے کھوجنے کی بات کر رہا تھا۔ شاید گرو کے ہاتھوں کے گرفت کا چمتکار تھا جس نے مجھے دوسروں کی نظروں سے اوجھل کر رکھا تھا، میرے اور دشمنوں کے درمیان پردہ تان دیا تھا۔ گرو ہنگامہ نہیں چاہتا تھا اسی لئے اُس نے ہاتھ دبا کر مجھے کسی مشق سے روکنے کا اشارہ دیا تھا۔ ڈی آئی جی روی شنکر اس طرح بے پرواہ بنا کھڑا تھا جیسے میری موجودگی سے مطلق بے خبر ہو۔ میں نے بہت دیر بعد سکون کا سانس لیا۔

''کس کی کھوج میں سمے برباد کر رہے ہو؟ کون گم ہو گیا ہے روی جی......؟'' گرو نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''ہے ایک منش۔'' روی شنکر نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''ایک منش کے لئے اتنی ساری گاڑیاں، اتنے ڈھیر سارے لوگ۔'' گرو مسکرانے لگا۔ ''تم بھی کہیں گرو سے مذاق تو نہیں کر رہے؟''

''نہیں مہاراج......'' روی نے سٹپٹا کر کہا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں، تم اُسے نہیں جانتے۔''

''کس کی بات کر رہا ہے؟'' گرو نے یکلخت سنجیدگی اختیار کر لی، بڑی رازداری سے مدھم آواز میں بولا۔ ''میں کوئی سہایتا کروں؟''

''بڑی کرپا گرو دیو......'' روی شنکر نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''تمہارے درشن ہو گئے، یہ بھی ہمارے لئے بڑا نیک شگون ہے۔ اسٹاف سے بھول چوک ہو گئی، میں اس کے لئے شما چاہتا ہوں۔ اب آگیا دو......''

''جانے سے پہلے گرو کی ایک بات مان لے۔'' پرتاپ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''خود راستے سے ہٹ جا۔ جس کی کھوج میں ہے اُس کے لئے کسی اور کی بلی چڑھا دے۔ اپنے کسی دشمن افسر کو آگے بڑھا دے، تیرا راستہ صاف ہو جائے گا، بات بھی بنی رہے گی۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج؟'' روی شنکر نے ہونٹ چباتے ہوئے گرو کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''تم کس کی بات کر رہے ہو......؟''

''وہی جس کی تیری مڈبھیڑ پہلے بھی ہو چکی ہے۔'' گرو نے ٹھوس آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''سندری کملا اور کلن خان تو یاد ہوں گے تجھے؟ کملا کو قتل کرنے کی گواہی سیوک رحمت علی نے دی تھی، بعد میں وہ بھی مارا گیا، تیرے آدمیوں نے اُس مُسلے کو ہتھکڑی پہنا دی، پھر وہ اٹھائی گیرا کلن خان بیچ میں کود پڑا۔ اُس نے کہا تھا کہ اسی منشے نے دس ہزار روپے دے کر اسے رحمت علی کو ٹھکانے لگانے پر مجبور کیا تھا، کلن خان بھی دھر لیا گیا اس کے بعد کیا ہوا...... کچھ یاد ہے تجھے؟'' گرو نے سرسراتے لہجے میں روی شنکر سے پوچھا جو اپنی جگہ بت بنا کھڑا حیرت سے اُس کی ایک ایک بات سن رہا تھا، میں اُس کی بوکھلاہٹ پر مسکرا دیا۔

''باقی لوگوں کے نام لوں گا تو کہانی بڑی لمبی ہو جائے گی......'' گرو نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ''تجھے تو یاد ہوگا؟ بات عدالت تک گئی تھی، کیس چلتا رہا، کئی موڑ آئے...... پر نتیجہ کیا نکلا؟'' جمیل احمد خان کو نردوش جان کر آزاد کر دیا گیا، ساری فائلیں بھری کی بھری رہ گئیں، سب منہ دیکھتے رہ گئے......''

''تم...... تم کیا کہنا چاہتے ہو مہاراج؟ کیا وہ اب بھی دوشی نہیں ہے؟'' روی شنکر نے کسمسا کر سوال کیا، میرا نام سن کر وہ سٹپٹانے لگا تھا۔

''مجھے کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کی موت میں کسی اور کا ہاتھ نظر آ رہا ہے۔ گرو کی وِدّیا غلط نہیں ہو سکتی۔ میری بات گانٹھ سے باندھ لے۔'' گرو نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''جس نے بھی اُسے گھیرنے کی بھول کی، اُس کی کھاٹ کھڑی ہو جائے گی۔ میں اس سے تجھے کیول اتنا ہی بتا سکتا ہوں۔''

"مہاراج...... کیا تم جانتے ہو کہ اس سے وہ کہاں ہوگا......؟" روی شنکر نے پہلو بدل کر پوچھا۔

"ہاں...... وہ ہوٹل سے نکل کر جہاں گیا تھا، اب بھی وہیں ہے، اُس کا وہاں ہونا ہی اُس کے نردوش ہونے کا ثبوت بھی ہے۔"

"تم مجھے اُس کا پتہ......"

"نہیں......" گرو نے تیزی سے روی شنکر کی بات کاٹ دی۔ "دیوتا جس کی سہائتا کر رہے ہوں، جو نردوش ہو، میں اُس کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتا...ادھیکار نہیں ہے مجھے۔"

گرو نے بلند آواز میں کئی نعرے لگائے، پھر اپنی گاڑی کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔ میں نے اُس کا ہاتھ اور مضبوطی سے تھام لیا۔ روی شنکر ہونٹ چباتا رہ گیا، بڑے طمطراق سے آیا تھا، بڑی مایوسی سے واپس چلا گیا۔ راستہ صاف ہو گیا تو گرو نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں اُس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا تو میرے ذہن میں کئی سوال گونجنے لگے...... وہ خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔

پنڈت کالی داس اور اوم پرکاش کو میں نے جہنم رسید کیا تھا لیکن گرو نے روی شنکر سے کہا تھا کہ اس میں کسی اور کا ہاتھ ہے، وہ مجھے نردوش قرار دے رہا تھا تو پھر دوشی کون تھا......؟ گرو نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ میں ہوٹل سے نکل کر جہاں گیا تھا، اب بھی وہیں موجود ہوں۔ جبکہ میں گرو کے ساتھ تھا۔ اُس نے روی شنکر کو باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ جس نے بھی مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اُس کی کھاٹ کھڑی ہو جائے گی۔ گرو نے ایسا کیوں کہا تھا؟ کیا اُسے علم تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے یا محض اپنی شخصیت سے اُس نے روی شنکر کو مرعوب کرنے کی کوشش کی تھی......؟ اصلیت کیا تھی......؟

"کیا ساری باتیں آج ہی سوچ لے گا......؟" گرو نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کچھ کل کے لئے بھی چھوڑ دے، اتنی جلدی کیا پڑی ہے؟ ابھی تو تجھے بڑے پاپڑ بیلنے ہیں، کچھ دیر ستا لے۔ آج ہی تھک گیا تو کل کیا کرے گا......؟"

"گرو......" میں نے دبی زبان میں پوچھا۔ "تم اس وقت مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"میں نے کہا تھا...... کچھ دیر آرام کر لے۔" گرو نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔

"تو نے دُرگا کی شکتی کو للکار کر اچھا نہیں کیا۔ میری ایک بات دھیان سے سن...... دُرگا کی آواز کے جادو نے تیری تمام شکتی چھین لی ہے، تیرا کوئی جنتر منتر اکیس روز تک تیرے کسی

کام نہیں آئے گا، اکیس دن اور اکیس راتیں تیرے اُوپر بہت بھاری ہیں۔ سمے پورا ہونے تک کسی ایک استھان پر دم سادھ کر بیٹھ جا...... اُچھل کود کرے گا تو بڑے جنجال میں پھنس جائے گا، میں بھی تیری کوئی سہائتا نہیں کر سکوں گا۔"

"تم جہاں لے جا رہے ہو کیا دُرگا کی شکتی وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکتی......؟"

"چپ ہو جا مورکھ......" گرو نے اُلجھتے ہوئے کہا۔ "زبان کو تالا لگا لے ورنہ بڑے گھاٹے میں رہے گا۔ پریتم لال کا دھیان نہ ہوتا تو میں آج بھی تیرے راستے میں نہ آتا...... دُور ہی دُور سے روشنی دکھاتا رہتا۔"

"اب آ گئے ہو گرو تو میری رہنمائی بھی کرو۔" میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔ "تم جانتے ہو، میں اپنی مرضی سے اس آگ میں نہیں کودا، مجھے زبردستی دھکیلا گیا ہے۔ وہ مجھے سکھ سے نہیں رہنے دیتے، ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے رہتے ہیں، بدری نرائن، امر لال اور کلدیپ کے بعد ساری کہانی ختم ہو گئی تھی۔ میں دیس چھوڑ کر بدیس چلا گیا، میں نے مرنے کی ٹھان لی تھی لیکن مہاراج پریتم لال کی آتما نے سامنے آ کر میرا راستہ روک لیا اور......"

"گرو سب دیکھ رہا ہے، سب جانتا ہے۔" اُس نے میری بات کاٹ دی، پہلو بدل کر ٹھوس آواز میں بولا۔ "اکیس روز تک کوئی راگ نہ الاپ، کان میں رُوئی ڈال کر ایک جگہ ٹکا بیٹھا رہ، دُرگا کے سراپ کا سمے بیت جانے دے، اس کے بعد پھر اُچھل کود شروع کر دینا۔"

میں نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا، گرو کی بات سمجھ میں آ رہی تھی، پنڈت اوم پرکاش کے مرنے کے بعد ہی دُرگا کی آواز سنائی دی تھی، اس کے بعد میری قوتیں مفلوج ہو گئی تھیں، نہ پریتم لال کا نام لینے کے بعد کوئی خواہش پوری ہوئی، نہ نندا کا سکھایا ہوا کوئی عمل کارآمد ہوا۔ کلدیپ کی بے چین رُوح بھی شاید مجھے یہی باور کرانے کی خاطر آئی تھی کہ ارتکاز اور مراقبے کا عمل میرے کسی کام نہیں آئے گا۔ اس نے بھی یہی کہا تھا کہ دُرگا کی آواز نے میرے ہاتھ پیر جکڑ دیئے ہیں، دنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی مجھے نہیں بچا سکتی تھیں...... لیکن میں زندہ تھا، کسی نے میرا ہاتھ تھام کر مندر سے نکال کر دُور ویرانے میں پھینک دیا تھا......

"وہ ہاتھ کس کا تھا؟ وہ کس کی عظیم قوت تھی جس پر دُرگا کی آواز کا جادو بے اثر ہو گیا......؟"

اچانک میرے ذہن میں سیّد مجذوب کا تصور اُبھرا۔ برکاتی شاہ کی یاد آئی، اُس کراماتی لاٹھی کا خیال جاگا جسے میں ہوٹل میں چھوڑ آیا تھا، پریتم لال کی آتما بھی اُس لاٹھی کو دیکھ کر چل

اُٹھی تھی، اُس نے کہا تھا کہ اگر اپنی زندگی بھر کی تمام ریاضتیں اور پراسرار قوتوں کے عوض بھی وہ اس متبرک لاٹھی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو بھی اُسے یہ سودا مہنگا نہ پڑتا...... کلدیپ نے بھی اس لاٹھی کو بہت سنبھال کر رکھنے کی تاکید کی تھی۔

"چنتا مت کر بالک....." گرو نے دبی آواز میں کہا۔ "وہ پوتر لاٹھی بھی تجھے مل جائے گی۔ تیرے سوا وہ کسی اور کے کام نہیں آسکتی۔ تو بڑا بھاگوان ہے جو کسی دیوانے کو تجھ پر دیا آ گئی۔"

گرو کی بات سن کر میرے ذہن میں پھر وہ ہاتھ کلبلانے لگا جس کے آگے دُرگا کی تمام مہان شکتیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ میں نے گرو کو ٹٹولنا چاہا۔

"زیادہ وچار کرے گا تو پاگل ہو جائے گا۔" گرو میرے سوال کرنے سے پہلے ہی کسمسانے لگا۔ "میں نے کہا تھا، ایک ریکھا کھینچ لے، اس سے اُونچی اُڑان لگانا چھوڑ دے...... سن رہا ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں......؟ قلابازیاں کھانا بند کر دے، جو کچھ پراپت کر لیا ہے اسی پر ٹکا رہ، زیادہ پھڑ پھڑائے گا تو بھٹک جائے گا۔ شانت ہو جا، اسی میں مکتی ہے۔" گرو نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا، گلے میں پڑی سوکھے پھولوں کی مالا سے ایک پھول توڑ کر میری طرف بڑھا کر کہا۔ "لے...... اسے چبا لے۔"

مجھے پریتم لال یاد آ گیا، ایک بار اُس نے بھی مجھے اپنے تھیلے سے کھریا مٹی جیسی کوئی چیز نکال کر اُس پر جنتر منتر پھونک کر مجھے کھانے کو کہا تھا، اُسے کھانے کے بعد میں نے عجیب قوتیں حاصل کر لی تھیں۔ میں سچے دل سے پریتم لال کا نام لے کر جو مانگتا مجھے مل جاتا۔ اب گرو پرتاپ مجھے اپنی مالا کا سوکھا پھول چبانے کو کہہ رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر پھول منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ اُس کا ذائقہ بے حد کڑوا تھا۔

"گرو کی بات ایک بار پھر دھیان سے سن لے۔" اُس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اکیس روز تک سارے پنکھ سمیٹ کر رکھنا۔ آسمان میں تھگلی لگانے کی بھول نہ کرنا......" میں نے جواب میں کچھ پوچھنا چاہا لیکن پھول کی کڑواہٹ بڑی تیزی سے میرے وجود میں سرایت کر گئی، میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا...... میں ہر احساس سے بے نیاز ہو گیا......!!

❁❁❁

جمیل احمد خان کی خوں چکاں داستان ابھی جاری ہے۔

بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کیجئے۔
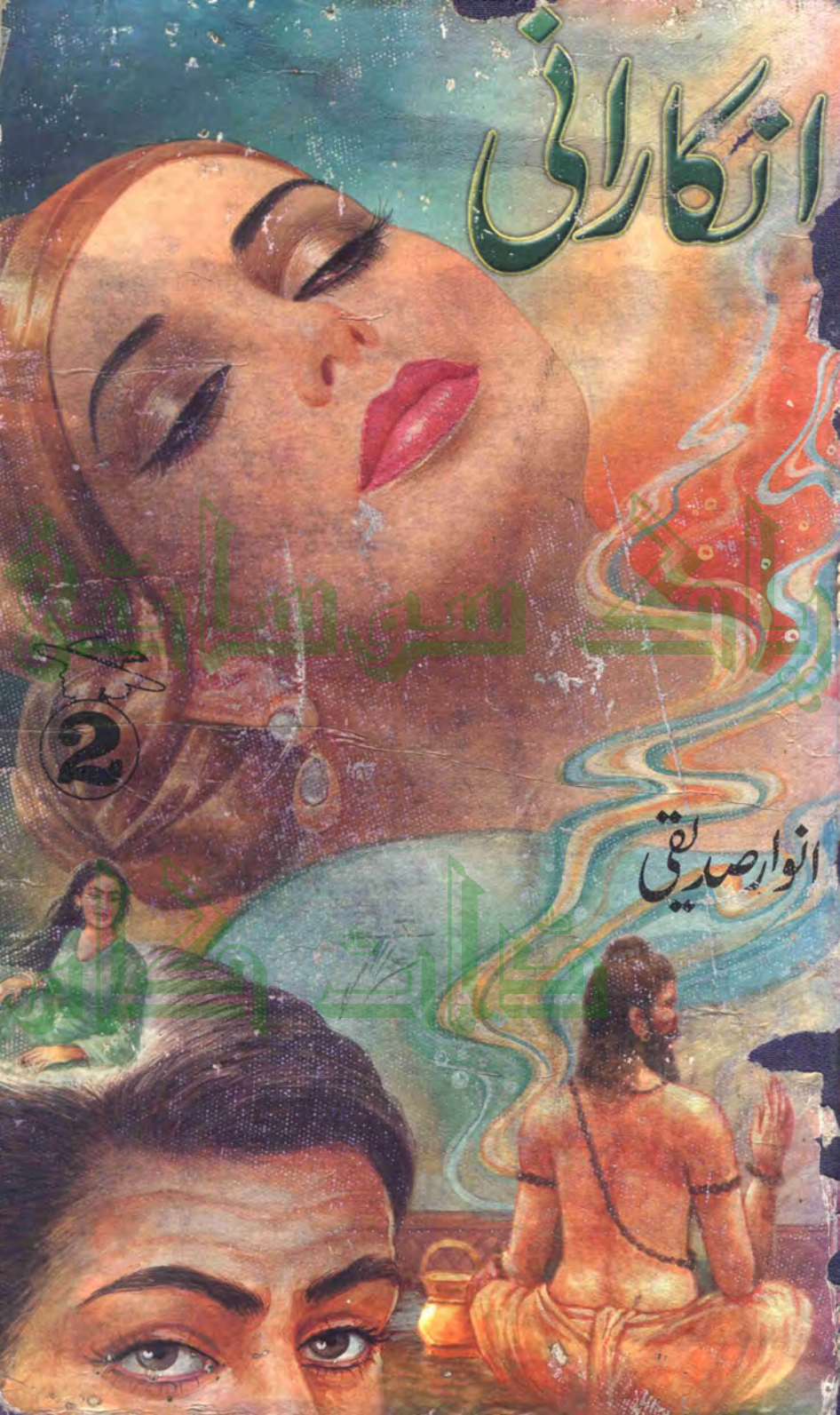
وقت تھم کر رہ گیا، ہر شے منجمد ہوگئی، کتنا طویل سفر طے ہوا؟ مجھے کن کن راہوں سے گزرنا پڑا، کہاں روکا گیا؟ کتنے موڑ کاٹنے پڑے؟ میرے بارے میں جن لوگوں نے رُکاوٹیں کھڑی کی تھیں، جال بچھائے تھے وہ خاموش تو نہیں رہے ہوں گے۔ روی شنکر نے گرو کے ساتھ اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا، خاموشی سے لوٹ گیا۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ دوسرے بھی گرو کو دیکھ کر سر جھکا لیتے، کچھ سرپھرے افسروں نے گرو کی بھی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی ہوگی، پنڈت پجاریوں کا ایک غول بھی میری تلاش میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا، وہ دُرگا دیوی کے پرستار تھے۔ دیوی کے مقابلے پر انہوں نے گرو کو گھاس نہیں ڈالی ہوگی۔ گرو مہان شکتی رکھتا تھا، وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔ میری خاطر اُس نے روی شنکر کو بھی دھتکار دیا تھا، چھوٹے موٹے پنڈت پجاری اُس کے راستے کی دُھول سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ پریتم لال کا دوست تھا اسی لئے عین وقت پر میری مدد کو آگیا تھا۔ وہ نہ آیا ہوتا تو روی شنکر اور اُس کے گرگے میری تکہ بوٹی کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ دُرگا کے مندر میں میرے داخلے کے بہت سارے گواہ تھے۔ مجھے شکنجوں میں جکڑ دیا جاتا، پنڈت نول کشور کو خبر ملتی تو وہ بھی ہردوار چھوڑ کر بمبئی آجاتا۔ اُس کے دوسرے ساتھی بھی اکٹھا ہو جاتے۔ بمبئی کی شاہراہوں پر ٹریفک جام ہو جاتا، دُرگا کے چہیتے سڑکوں پر دھرنا جما کر بیٹھ جاتے۔ اُن کا ایک ہی نعرہ ہوتا۔ ''جمیل احمد خان کو سرِعام پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔'' عدالت بھی پجاریوں کے سیلابی ریلے کے آگے قدم نہ جما سکتی وہی ہوتا جو دُرگا کو منظور ہوتا۔

گرو نے مجھے واشگاف لفظوں میں سمجھا دیا تھا کہ دُرگا کی آواز نے مجھے اکیس روز کے لئے بے دست و پا کر دیا تھا۔ کوئی قوت میری مدد نہیں کر سکتی تھی، کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ دُرگا دیوی کے سامنے سر اُٹھاتا۔ پریتم لال کی آتما نے لندن کے ہسپتال میں مجھ سے عہد کیا تھا کہ کلدیپ کے نامکمل مشن کو پورا کرنے کے سلسلے میں وہ قدم بہ قدم میرا ساتھ

دے گا۔ لیکن دُرگا کے سراپ نے اُسے بھی سامنے آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ میری ساری قوتیں بھی چھن گئی تھیں، انکا پہلے ہی رُوٹھ کر سر سے اُتر گئی تھی، گرو بھی نہ آتا تو کہانی ختم ہوجاتی، سارے جھگڑے نمٹ جاتے۔

میرا ذہن تاریکی میں ڈوبا رہا، گرو کی مالا کے سوکھے پھول کی کڑواہٹ کا چمتکار تھا جس نے مجھے ہر فکر سے بے نیاز کر دیا۔ میں کتنی دیر بیہوشی کی کیفیت سے دوچار رہا؟ اس عرصے میں میرے اُوپر کیا بیتی؟ اس کے بارے میں شاید گرو ہی بہتر جانتا تھا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ایک نسوانی آواز نے مجھے دوبارہ ہوش میں آنے کا احساس دلایا تھا، میں اس آواز سے ناواقف تھا، مجھے وہ آواز کہیں دُور سے آتی محسوس ہورہی تھی۔

''مرلی سے بات ہوئی......؟'' زندگی کا احساس دلانے والی اس کھنکتی آواز نے کسی کو مخاطب کیا تھا۔

''یس میڈم......'' جواب میں ایک اور نسوانی آواز اُبھری۔ ''بات ہوگئی، لیکن وہ بہت زیادہ مصروف ہیں۔ واپسی میں سمے لگے گا۔''

''تم نے اُسے بتایا تھا کہ میں بات کرنا چاہتی ہوں؟'' اس بار سوال کرنے والی کے لہجے میں غرورِ حسن بھی شامل تھا، اُس کی آواز میں تمکنت تھی، برتری کا احساس جھلک رہا تھا۔

''میں نے کہا تھا میڈم، لیکن......''

''کیا جواب دیا مرلی نے؟'' اُس نے پوری بات سنے بغیر جھلا کر دریافت کیا۔

''وہ ایک ضروری کام میں مصروف ہیں۔''

''کیا......؟'' اُس کی آواز میں تکبر تھا۔ ''کیا وہ کام مجھ سے زیادہ ضروری ہے......؟''

''میں دوبارہ کال کرتی ہوں میڈم۔''

''نہیں......'' اُس نے پھنکارتے ہوئے تحکمانہ لہجہ اختیار کیا۔ ''کوئی ضرورت نہیں ہے اُسے کال کرنے کی...... اور سنو۔'' اُس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''اگر مرلی کا فون آئے، میرا پوچھے تو کہہ دینا کہ میں مصروف ہوں، بات نہیں کرسکتی۔''

''اور اگر سر آپ کی مصروفیت......''

''شٹ اپ......'' وہ جھلا گئی۔ ''سادھنا۔ میں محسوس کررہی ہوں کہ تم اپنی اوقات بھولتی جارہی ہو۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم میرے مقابلے میں مرلی کو......''

''آئی ایم سوری میڈم۔''

''گٹ لاسٹ......'' جواب میں نفرت کا اظہار کیا گیا...... پھر قدموں کی آواز اُبھر کر دُور ہوتی چلی گئی۔ دروازہ بند ہونے کی مدھم آواز بھی سنائی دی۔

میرا ذہن آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا، میری حس بیدار ہورہی تھی، گرو کا ایک جملہ میرے کانوں میں گونجا۔ اُس نے روی شنکر کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ میں ہوٹل سے نکل کر جہاں گیا تھا وہیں موجود ہوں اور وہاں موجود ہونا ہی میری بے گناہی کا ثبوت بھی ہے۔ اس وقت میں شاید اسی جگہ موجود تھا جس کا اشارہ گرو نے دیا تھا۔ وہی مجھے چھوڑ گیا ہو گا، لیکن وہ ایسی کون سی جگہ تھی جو میرے لئے اتنی محفوظ ہوسکتی تھی؟

میرے ذہن میں گزری ہوئی باتیں ترتیب وار اُبھرنے لگیں۔ میں ذہنی جمناسٹک میں مصروف تھا جب بھینی بھینی خوشبو کا ایک معطر جھونکا میرے وجود کو گنگنانے لگا، مجھے احساس ہوا جیسے کوئی میرے بہت نزدیک موجود ہے...... زندگی کے نشیب و فراز نے میری چھٹی حس کو بڑا احساس بنا دیا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں لیکن میں عالمِ تصور میں دیکھ رہا تھا کہ ایک مغرور حسینہ میرے آس پاس کہیں منڈلا رہی ہے۔ وہ میرے ہوش میں آنے کی منتظر تھی۔ اُس کی بے چین نگاہیں میرے بند پپوٹوں کی ایک ایک جنبش کا جائزہ لے رہی ہوں گی۔ میں جہاں تھا وہاں میرے اور اُس کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ ہوتا تو اُس کی آواز بھی ضرور سنائی دیتی۔ لیکن وہ کون تھی؟...... میں کہاں تھا......؟ مرلی کون تھا......؟

کئی سوالات میرے ذہن میں چکرانے لگے۔ میں نے آہستہ آہستہ کسمسانا شروع کیا۔ کسی کی نرم گرم اُنگلیاں میری پیشانی پر حرکت کرنے لگیں۔ وہ انداز نفرت کا نہیں تھا، میرے چہرے پر گرم گرم سانسوں کی مسحور کن تپش اس بات کی دلالت کررہی تھی کہ ایک چہرہ میرے چہرے کے اُوپر جھکا ہوا ہے...... اُس کے بدن کی سوندھی خوشبو مجھے گدگدا رہی تھی، اُس کی اُنگلیوں کا لمس مجھے بے چین کررہا تھا۔

میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، پھر پلکیں جھپکا کر اُس چاند چہرے کو حیرت سے تکنے لگا جو میری دسترس سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ میں ذرا ہاتھ بڑھا کر شوخی کرتا تو سارے فاصلے پل بھر میں دُور ہوجاتے۔ وہ اس انداز میں جھکی کھڑی تھی کہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکتی، میری آغوش میں ڈھیر ہوجاتی۔

حالات کے پیش نظر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ گرو نے بھی یہی تلقین کی تھی کہ اکیس روز تک میں اپنے پنکھ سمیٹ کر رکھوں، اُونچی اُڑان سے گریز کروں۔ میں نے نگاہوں کا زاویہ بدل دیا، میرے لئے وہ ماحول کسی طلسم خانے سے کم نہیں تھا۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُس حسین خوابگاہ کو دیکھنے لگا جس کی ایک ایک شے اپنا جواب آپ تھی۔ وہ کسی چھوٹے موٹے آدمی کی خوابگاہ نہیں ہوسکتی تھی، کسی راج محل کا ایک حصہ، ایک پُرسکون آرام گاہ محسوس ہو رہی تھی جسے قیمتی اشیاء، خوبصورت پینٹنگز، دبیز قالین اور حسین ساز و سامان سے آرائش دیا گیا تھا۔ میں جس مسہری پر لیٹا تھا وہ بھی بے حد آرام دہ تھی۔ لندن اور ہندوستان کے بڑے بڑے عالیشان ہوٹلوں کے کمروں کی سجاوٹ اور طلسمی ماحول نے بھی مجھے کبھی اتنا متاثر نہیں کیا تھا، میرے لئے لفظوں اور جملوں میں اس کا بیان ناممکن ہے..... رنگوں کا امتزاج، روشنیوں کے زاویئے، ہر شے کا اُس کی مخصوص جگہ پر ہونا، سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا تھا۔

''اتنے اچنبھے سے کیا دیکھ رہے ہو مہاراج......؟''

میں اُس کی آواز سن کر چونکا، وہ اپنے بدن کو لوچ دیتی، لہراتی بل کھاتی میرے سامنے آ کر رُک گئی، میری پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا، میں اُس کے حسن کی رعنائیوں میں گم ہونے لگا۔ وہ کسی مصور کا خواب نظر آ رہی تھی، کسی ماہر سنگ تراش کی ساری زندگی کا نچوڑ لگ رہی تھی جس میں قدرت نے رُوح پھونک دی تھی، اُسے اندر کے اکھاڑے کی اپسرائیں دیکھ لیتیں تو شرما کر سرنگوں ہو جاتیں، وہ کوئی حور تھی، کوئی پری تھی جو غلطی سے زمین پر اُتر آئی تھی۔ اُس کے شریر کے ایک ایک انگ سے نغمگی پھوٹ رہی تھی۔ اُس نے جسم کی رنگت کی مناسبت سے لباس کا انتخاب بھی کیا تھا، لباس میں ہونے کے باوجود بے لباس بھی نظر آ رہی تھی۔ زلفوں کی گھنیری لٹیں اُس کے شانوں پر ناگنوں کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ مجھے بے اختیار مالا رانی یاد آ گئی...... وہ ہوشربا منظر دوبارہ آنکھوں میں گھوم گیا جب میں نے اُسے میسور کی پہاڑیوں میں ایک جھرنے پر سرتاپا عریاں غسل کرتے دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا وہ منظر میری زندگی کا حاصل تھا، میں دوبارہ کبھی اتنے حسین حادثے سے دوچار نہیں ہوں گا۔ لیکن مجھے اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ خواب گاہ میں موجود وہ کافر ادا حسینہ بھی مالا رانی سے کم نہیں تھی۔ میں محو ہو کر رہ گیا۔

''مہاراج، تم نے اپنی داسی کو پہچانا نہیں......؟'' اُس کی آواز کا ترنم دوبارہ سنائی دیا تو میں سنبھل گیا۔

''تم......؟'' میں نے کچھ کہنا چاہا، میری آواز کپکپا کر رہ گئی۔

''میں سروجنی ہوں مہاراج...... تمہارے چرنوں کی دُھول۔''

میں سروجنی کا نام سن کر چونکا۔ مجھے وہ سرپھرا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس یاد آ گیا جو مجھے جہاز پر مرنے والے اشوک نامی مسافر کے سلسلے میں مشکوک سمجھ کر تفتیش کی خاطر دوسرے افراد کے ساتھ اپنے دفتر لے گیا تھا۔ انکا نے وہیں مجھے پہلی بار سروجنی اور ڈپٹی کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتایا تھا۔ میں نے انکا کی فراہم کردہ معلومات سے فائدہ اُٹھا کر ڈپٹی کو حیران کر دیا، وہ میرا بے دام غلام بن گیا تھا۔ اس وقت میں شاید چوپاٹی میں اُسی کے اپارٹمنٹ میں تھا جس کا ذکر انکا نے کیا تھا۔

میں سروجنی کو زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا التفات، اُس کی گفتگو کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھے برسوں سے جانتی ہے۔ معاً میرے ذہن میں انکا رانی کا تصور اُبھرا۔ میں دل ہی میں مسکرا دیا۔ وہ ذہنوں کو پلٹ دینے کی حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک تھی لیکن اُس کے لئے اُس کا مطلوبہ شخص کے سر پر ہونا لازم تھا۔ میں سمجھ گیا کہ سروجنی کے سر پر اس وقت میری انکا رانی مسلط تھی۔ سروجنی کی زبان سے وہی الفاظ ادا ہو رہے تھے جو انکا چاہ رہی تھی۔ گرو نے اگر مجھے سروجنی کے اپارٹمنٹ پر پہنچا دیا تھا تو اس میں بھی اُس کی کوئی خاص مصلحت ضرور کارفرما ہوگی۔ انکا مجھے بتا چکی تھی کہ ڈپٹی کی پہنچ سروجنی کی وجہ سے بہت اُوپر تک تھی۔ وہ اپنے تعلقات کے بل بوتے پر اپنے افسروں کو بھی کسی قطار شمار میں نہیں گردانتا تھا۔ آفس میں شیر بنا رہتا تھا لیکن گھر پر سروجنی کو لکشمی سمجھ کر اُس کے تلوے چاٹنے کو بھی اپنے لئے اعزاز سمجھتا تھا۔

''سروجنی، ڈپٹی کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔'' انکا رانی نے مجھے یہی بتایا تھا۔

میں سروجنی کو سرتاپا دیکھتا رہا۔ وہ حقیقتاً پرستش کے قابل تھی۔ نہ ہوتی تب بھی اس وقت اس کی خوابگاہ میرے لئے سب سے زیادہ محفوظ ترین پناہ گاہ تھی۔ گرو نے تمام اُونچ نیچ سوچنے سمجھنے کے بعد ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ کیا ہوگا، ممکن ہے انکا بھی یہی چاہتی ہو، میرے لئے بھی حالات کے پیش نظر تاج ہوٹل واپس جانا مناسب نہیں تھا۔ میرے ذہن

میں بہت سارے سوالات اُبھر رہے تھے۔ سروجنی میری مشکل حل کرسکتی تھی۔

''مرلی کہاں ہے......؟'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر اندھیرے میں تیر چلایا۔

''تم شاید بھول گئے مہاراج......'' سروجنی کرسی کھینچ کر میرے قریب بیٹھ گئی۔ ''رمیش کا یہ نام تم ہی نے پیار سے رکھا تھا۔''

مجھے وہ نیم پلیٹ یاد آگئی جو ڈپٹی کے کمرے کے باہر لگی تھی، اُس پر رمیش کھنا لکھا تھا۔ سروجنی گھر پر اُسے مرلی کے نام سے یاد کرتی تھی، میں نے مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی، اگر رمیش ہی کا نام مرلی تھا تو پھر سروجنی کو اُس کی لے پر ناچنا چاہئے تھا، جبکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔

''وہ گھر پر نہیں شاید......؟'' میں نے سنجیدگی برقرار رکھی۔

''میں نے اُسے فون کیا تھا لیکن وہ کسی اہم کام میں مصروف ہے......'' سروجنی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''اہم کام......'' میں نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا۔ ''دوسروں کی طرح وہ بھی بھٹکتا پھر رہا ہے۔''

''میں سمجھی نہیں مہاراج......؟'' سروجنی نے یکلخت پہلو بدل کر مجھے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''وہ گھر سے کب گیا تھا......؟'' میں نے سروجنی کو کریدنا شروع کیا۔

''ساڑھے آٹھ بجے۔'' اُس نے کہا۔ ''سادھنا بتا رہی تھی کہ دفتر سے کوئی ضروری فون آیا تھا۔''

''سادھنا......؟''

''میری سیکرٹری کا نام ہے۔''

''کیا مرلی کو میرے آنے کی خبر نہیں ہے؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''آپ رات کو تھکے ماندے آئے تھے مہاراج، ٹھیک سے بھوجن بھی نہیں کیا تھا۔'' سروجنی کہتی رہی۔ ''مرلی دیر سے واپس آیا تھا، میں نے آپ کی نیند خراب کرنے کی غلطی نہیں کی، میں نے سوچا تھا کہ صبح جب وہ آپ کو اچانک دیکھے گا تو خوشی سے اُچھل پڑے گا لیکن اس کا موقع ہی نہیں ملا۔ صبح میں آپ کے کمرے میں تھی جب مرلی دفتر چلا گیا۔''

''صبح سے ابھی تک اُس کا کوئی فون نہیں آیا......؟''

''نہیں مہاراج، لیکن آپ......''

''تم نے برا کیا......'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''تمہیں مرلی کو رات ہی میرے آنے کی خبر کردینی چاہئے تھی۔''

''بات کیا ہے......؟'' سروجنی نے میرے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوئے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''آپ کچھ بیاکل معلوم ہوتے ہیں۔''

''تو نہیں سمجھ سکے گی۔'' میں گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''مرلی اور تیری بھلائی کی خاطر مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے مہاراج؟'' اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''اتنے عرصے بعد تو آپ کے درشن ہوئے ہیں، ابھی تو ہم نے آپ کی کوئی سیوا بھی نہیں کی اور آپ جانے کی بات کر رہے ہیں۔ ہم سے غلطی میں کوئی بھول ہوگئی ہو تو شما کر دیجئے۔''

میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، سروجنی نے کہا تھا کہ میں رات سے اُس کا مہمان تھا، یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔ لیکن رمیش کھنا یا مرلی کو اس کی خبر نہیں تھی۔ میرے ذہن میں اتھل پتھل شروع ہوگئی۔ اگر مرلی بھی روی شنکر کی اس ٹیم میں شامل تھا جو مجھے تلاش کرتی پھر رہی تھی تو پھر اس کی بات میں کوئی وزن باقی نہ رہتا، اس کی گواہی کو اور بھی بہت سارے نام دیئے جاسکتے تھے۔ بات اگر کسی عام آدمی کے قتل کی ہوتی تو شاید معاملہ اتنا سنگین نہ سمجھا جاتا، مرلی کا بیان تسلیم کرلیا جاتا۔ لیکن دو بڑے دھرماتماؤں کا خون معمولی بات نہیں تھی، کالی داس اور اوم پرکاش کا شمار چھوٹے موٹے پنڈت پجاریوں میں نہیں ہوتا تھا، اس کے علاوہ دُرگا کی آواز مندر میں موجود تمام دیوداسیوں، پجارنوں اور دیگر لوگوں نے بھی ضرور سنی ہوگی، گرو نے بھی دبی زبان میں یہی کہا تھا کہ میں نے دُرگا کو للکار کر غلطی کی تھی۔ لیکن اُس نے روی شنکر سے میری موجودگی میں یہ بات بھی بڑے ٹھوس لہجے میں کہی تھی کہ میں جہاں ہوں، وہاں میرا ہونا ہی میرے بےقصور ہونے کا ثبوت ہے۔

میں ابھی اسی شش و پنج میں گرفتار تھا کہ ایک اور حسینہ کمرے میں داخل ہوئی، اُس کے ہاتھ میں فون دیکھ کر میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ سادھنا ہوسکتی ہے۔ میرا قیاس غلط نہیں تھا، سروجنی کے چہرے پر اُبھرنے والے ناخوشگوار تاثرات اس بات کی غمازی کر

رہے تھے کہ اُسے سادھنا کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔

''میڈم....'' سادھنا نے سچویشن بھانپ کر بڑی کمزور آواز میں کہا۔''سر کی کال ہے۔''

''میں نے تمہیں کوئی حکم دیا تھا......؟'' سروجنی اپنے غصے کے اظہار پر قابو نہ رکھ سکی، وہ قہر آلود نظروں سے سادھنا کو گھور رہی تھی۔

''آئی ایم سوری میڈم، لیکن......'' سادھنا نے بڑی معصومیت سے اپنی حیثیت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

''اچھا ہوا جو اُس کا فون آ گیا......'' میں نے سادھنا کی مشکل حل کرنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا تو سروجنی بل کھا کر رہ گئی۔ اُس نے سادھنا کو قریب بلا کر فون اُس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا، پھر ہاتھ کے اشارے سے اُسے واپس جانے کا حکم صادر کرتے ہوئے بڑے رُوکھے انداز میں گفتگو کی ابتداء کی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی پالتو کتے کو اس کی غلطی پر سرزنش کر رہی ہو۔

میں سروجنی کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کا اندازہ لگاتا رہا۔ میری موجودگی کے سبب وہ بڑی رعایت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اُس کی باتوں سے ظاہر تھا کہ دوسری طرف سے بولنے والا مرلی کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اُس نے گفتگو کے دوران میری موجودگی کی اطلاع بھی دی، پھر دوسری جانب سے جو کچھ کہا گیا اسے بہت غور سے سنتی رہی۔ اُس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مرلی......'' اچانک وہ بل کھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے بڑے سرد مگر ٹھوس لہجے میں کہا۔''تم ابھی روی سے رابطہ قائم کرو۔ اُسے کہو کہ مہاراج کل رات سے ہمارے مہمان ہیں......تم اگر روی کی ٹیم میں شامل ہوتے تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں جانتی ہوں کہ اُس ڈی آئی جی کے بچے کی کیا اوقات ہے، اُسے میرا نام لے کر کہو کہ زیادہ ہیرو بننے کا دھیان من سے نکال دے ورنہ سڑکوں پر بھیک مانگتا نظر آئے گا......فون پر بحث مت کرو، گھر آ کر بات کرنا...... ہاں، میں مہاراج کے پاس ہوں۔''

سروجنی نے فون بند کر کے نفرت سے ایک طرف پھینک دیا۔ میں اُس کے تیور دیکھ رہا تھا، روی شنکر کا نام درمیان میں آنے کے بعد مجھے یہ اندازہ لگانے میں دُشواری نہیں ہوئی

کہ مرلی کو بھی حالات کا علم ہو چکا ہے۔ انکارانی نے سروجنی کے بارے میں جو معلومات فراہم کی تھیں وہ حرف بہ حرف درست تھیں۔ اُس کی پہنچ دُور تک نہ ہوتی تو شاید وہ کسی برسر اقتدار ڈی آئی جی کے لئے وہ الفاظ کبھی استعمال نہ کرتی جو میں اپنے کانوں سے سن چکا تھا۔

میں نے کچھ سوچ کر اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اُس کا غصہ کافور ہو گیا، ہنستی مسکراتی میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اُس کے گداز جسم کا لمس میری قوت برداشت کو آزمانے لگا۔ میرے ذہن میں کن کھجورے کلبلانے لگے۔ یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ وہ ایک آبرو باختہ حسینہ تھی، جس نے اپنے جوان جسم کی گرمی سے بڑے بڑے کارآمد لوگوں کے دلوں کو پگھلایا ہوگا، اپنی کافر اداؤں کے سحر میں مبتلا کر کے اپنا غلام بنایا ہوگا، اُس کی پہنچ دُور دُور تک ہوگی، اُس کی باتوں سے مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اُس نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوں گی۔ اُس نے جن بڑے لوگوں کو نوازا ہوگا، اُن کی کمزوریاں بھی ضرور اپنی مٹھی میں رکھی ہوں گی۔ روی شنکر کیا بیچتا تھا، سروجنی کے ترکش کا ایک تیر حکومت کے اہم ستونوں کو بھی لرزہ براندام کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا، وہ ایک طاقتور مقناطیس تھی جس کی کشش کے سامنے بڑے بڑے سورما بھی پانی بھرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے، اُس کی آنکھوں میں جادو تھا، اداؤں میں بانکپن تھا، اُس کے قرب میں وہ نشہ تھا جو انسان کو عقل و خرد سے بیگانہ کر دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اُس کی نگاہ غلط انداز میں وہ میٹھا زہر تھا جو جنس مخالف کو مفلوج کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ حشر بداماں اس وقت میری دسترس میں تھی، انکارانی کی لازوال قوتوں نے اُسے میرے حق میں موم بنا دیا تھا۔

میں نے سروجنی کا ہاتھ تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے میں اپنی رُوحانی قوتوں کے ذریعے عرش پر پرواز کر رہا ہوں۔ حقیقت اس کے برعکس تھی، میں اپنے پریشان ذہن کو اُس کے جسمانی رابطے کے ذریعے پُرسکون رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ مجھے اپنے ارادے میں ناکامی نہیں ہوئی، سروجنی کے پُرکشش ہاتھوں کی لذت انگیز تپش میرے اعصاب کو سکون پہنچانے میں بڑی مؤثر ثابت ہو رہی تھی۔ میں تادیر خوابوں میں گم رہا تو سروجنی کی مترنم آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''کہاں گم ہو گئے مہاراج......؟'' شاید اُس کے تجربے نے میری محویت کا راز بھانپ لیا تھا۔

"تو......تو چنتا مت کر......" میں نے سنبھل کر اُسے فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی۔ "میرے من کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ وہ سر پھرے مجھے کھوجنے کی خاطر اِدھر اُدھر کی خاک اُڑاتے پھر رہے ہیں، مجھے پھانسنے کی خاطر سڑکوں پر جال ڈالے بیٹھے ہیں۔ میں چاہوں تو اُنہیں اندھا کر سکتا ہوں۔ وہ تمام زندگی ہاتھ ملتے رہیں تب بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتے۔ لیکن میں نے کچھ اور سوچا ہے......"

"تم نے کیا سوچا ہے مہاراج......؟" سروجنی نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

"میں خود چل کر اُن کے پاس جاؤں گا۔" میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ "اپنی وجہ سے میں تمہیں اور مرلی کو کسی مصیبت میں نہیں گرفتار ہونے دُوں گا، اپنے ہاتھوں سے لگائے پودوں کو کون برباد کرتا ہے؟"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟" وہ تڑپ کر بولی۔ "ہمارے ہوتے ہوئے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم نے جو بیج بویا تھا وہ اب تناور درخت کا رُوپ دھار چکا ہے، مجھے سیوا کا سوقع دو مہاراج۔ پجارن کے ہوتے دیوتا پر کوئی آنچ آئے، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اپنی داسی پر وشواس کرو، پوری بمبئی کی پولیس مل کر بھی تمہارے اوپر ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہیں کر سکتی......"

"مرلی گھبرا جائے گا......" میں نے سروجنی کو اور پکا کرنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔

"میں اُس کی راہ میں کانٹے نہیں بکھیرنا چاہتا۔ تو میری فکر مت کر، ابھی وہ مورکھ لوگ میری قوت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ ذات پات کے چکر میں اُلجھ کر مجھے نیچا دکھانے کے سپنے دکھا رہے ہیں، ان کا انجام خطرناک ہوگا، میں ڈھیل دے رہا ہوں، وہ اسے میری کمزوری سمجھ کر غرّا رہے ہیں۔ جس دن میں نے دُھول کی ایک چٹکی بھر کر اُن کی سمت اُچھال دی اُس دن اُنہیں بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔ سب ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔"

"میں جانتی ہوں مہاراج، پرنتو تمہیں میری بنتی ماننی پڑے گی۔" وہ کافر ادا حسینہ مجسم التجا بن گئی۔ "جیون میں کیول ایک بار اپنی داسی کو بھی سیوا کرنے کا موقع دو، میں تمہیں نراش نہیں کروں گی۔"

"مرلی کو آ لینے دے......" میں نے تھوڑے توقف سے کہا۔ "دیکھیں، وہ کیا کہتا ہے؟"

"وہ میرے ہوتے کیا کہے گا......" سروجنی مسکرا کر بولی۔ "تم میری بنتی سویکار کر لو، میں وچن دیتی ہوں کہ تمہارے دشمنوں کو تم تک پہنچنے سے پیشتر میری لاش سے ہو کر گزرنا ہوگا۔"

میں نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ میرے لئے گرو کی بات پر عمل کرنا ضروری تھا، اُس نے کہا تھا کہ دُرگا کا عتاب اکیس روز تک میرے اُوپر بھاری رہے گا، میری اپنی قوتیں بھی پراسرار طور پر میرا ساتھ چھوڑ چکی تھیں، پریتم لال کی آتما نے بھی دُرگا کی شکتی سے ٹکرانے کا خیال دل سے نکال دیا ہوگا، اسی لئے سامنے نہیں آیا تھا۔ مجھے اکیس روز تک صبر سے کام لینا ضروری تھا۔ ماضی میں جلد بازی کا مظاہرہ کر کے میں بہت کچھ گنوا چکا تھا۔ حماقتوں کو دہرانا دانشمندی کے منافی ہوتا۔ میرے لئے گرو نے جس ٹھکانے کا انتخاب کیا تھا میں اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اسی میں میری بہتری تھی۔

"تمہیں میری سوگند......" سروجنی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "کسی دبدھا میں من کو بے چین مت کرو، مجھے وچن دو مہاراج کہ تم داسی کو نراش نہیں کرو گے، ایک بار مجھے بھی سیوا کا ادھیکار بھیک دے دو۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں، سروجنی کی آنکھیں نمناک دیکھ کر میں تڑپ اُٹھا۔ میں نے اس حسن مجسم کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لینے کا ارادہ کیا۔ وہ اگر داسی تھی تو پھر دیوتا کو اُس پر پورا پورا حق حاصل تھا، جذبات طوفان کی شکل اختیار کر لیں تو پھر پاپ اور پن کے بکھیڑوں میں کون پڑتا ہے؟ میں نے بھی اپنے ارادے کی تکمیل کی خاطر پیش قدمی میں پہل کرنے کی ٹھان لی۔ انکا سروجنی کے سر پر تھی، سروجنی میرے قدموں میں اپنی جوانی کی بھینٹ چڑھانے میں کسی پس و پیش کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن میری حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی......

مرلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ میں نے بپھرے ہوئے جذبات پر قابو پانے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا، سروجنی بدستور مسہری پر میرے قریب بیٹھی رہی۔ کچھ دیر تک مرلی میری آمد پر اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا، پھر اُس نے میرے استفسار پر جو کہانی سنائی وہ میرے اندازے سے مختلف نہیں تھی۔

"بات اب پولیس کی حد سے بھی تجاوز کر چکی ہے، پنڈت پجاری اور سادھوؤں نے تھانوں کا گھیراؤ شروع کر دیا ہے، وہ ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں کہ مجرم کو گرفتار کر کے سب کے سامنے پھانسی پر لٹکایا جائے۔ دوسری کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہیں......"

"وہ کسے مجرم سمجھ رہے ہیں......؟" میرے بجائے سروجنی نے ہونٹ چباتے ہوئے

سوال کیا۔

مرلی نے ڈرتے ڈرتے میری طرف اشارہ کیا، زبان سے میرا نام لینے کی ہمت نہ کر سکا۔

''اُن کے پاس کیا ثبوت ہے کہ مہاراج دوشی ہیں؟'' سروجنی تلملا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم نے روی شنکر سے بات کی؟ کیا تم نے اُسے بتایا کہ مہاراج کل رات سے ہمارے مہمان ہیں؟ کیا جواب دیا روی نے؟''

''اُس نے میری بات سننے سے انکار نہیں کیا، لیکن کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کی لاشوں نے پنڈت پجاریوں کو دیوانہ کر دیا ہے۔ باہر نکل کر دیکھو، زندگی کے سارے کاروبار ٹھپ ہو گئے ہیں۔ ہر طرف آگ بھڑک رہی ہے، حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔'' مرلی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''دُرگا کے مندر میں اوم پرکاش کی موت کے بعد ایک آواز اُبھری تھی جس نے جمیل احمد خان مہاراج کا نام لے کر کہا تھا کہ مہاراج نے دُرگا دیوی کی مہان شکتی کو للکار کر اچھا نہیں کیا، وہ آواز دُور دُور تک سنائی دی تھی۔ پنڈت پجاریوں کا کہنا ہے کہ دُرگا کی آواز ہی سب سے بڑا ثبوت ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا دُرگا دیوی اتنا بڑا جھوٹ بول سکتی ہے؟'' سروجنی نے مرلی سے مخاطب ہو کر کہا۔ پھر وہ میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ''تاج ہوٹل کے مینیجر نے کل رات مہاراج کے آنے سے پہلے مجھے فون کیا تھا۔ اس کے علاوہ پرتھوی بھی گواہ ہے جو مہاراج کو ہوٹل سے یہاں لایا تھا۔ کیا یہ دونوں ثبوت مہاراج کو نردوش ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟''

''مجھے تمہاری باتوں پر وشواس ہے، میں بھی مہاراج کو دوشی نہیں سمجھ رہا۔ لیکن اس سے کسی سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔'' مرلی نے بے بسی کا اظہار کیا۔ ''روی شنکر نے وچن دیا ہے کہ وہ اس طرف آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ لیکن وہ اور اُس کے ساتھی ابھی تک مہاراج کو کونے کھدروں میں کھوجتے پھر رہے ہیں۔''

''پرتھوی کہاں ہے.....؟'' میں نے پورے حالات سننے کے بعد مرلی سے دریافت کیا۔

''تم پریشان مت ہو مہاراج.....'' سروجنی نے جواب دیا۔ ''پرتھوی تمہیں چھوڑ کر واپس ہوٹل چلا گیا تھا، وہ اپنا آدمی ہے۔ پرکھا ہوا بندہ ہے۔ مر جائے گا لیکن اپنے بیان سے نہیں پھرے گا۔''

''میرے سوا وہ کچھ اور بھی لایا ہو گا.....؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔ میرے ذہن میں سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کا خیال کلبلایا تھا۔ گرو نے یقین دلایا تھا کہ وہ لاٹھی مجھے مل جائے گی، میرے علاوہ کسی اور کے کام نہیں آ سکے گی۔

میرے سوال کے جواب میں سروجنی نے سیّد مجذوب کی لاٹھی لا کر مجھے پیش کی تو میرا دل ایک انجانی مسرت سے سرشار ہو گیا۔ میری آنکھوں میں اُمید کی کرنیں چمکنے لگیں۔

''کیا بات ہے مہاراج؟'' سروجنی نے میری خوشی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ لاٹھی تمہیں بہت پیاری ہے.....؟''

''تو ان بھیدوں کو نہیں سمجھ سکے گی۔'' میں نے اُسے ٹالنے کی خاطر جواب دیا۔ پھر مرلی سے بولا۔ ''تیرا کیا خیال ہے؟ کیا پنڈت اور پجاری میری گرفتاری کے بنا اپنی ہٹ سے باز آ جائیں گے؟''

''میں وشواس سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' مرلی نے پہلو بدل کر کہا۔ ''ابھی کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہو گا۔ جہاں دھرم کی بات آ جائے وہاں قانون کی شکتی بھی بے بس ہو جاتی ہے۔''

''اگر پولیس کے کارندے یہاں تک پہنچ گئے تو.....؟'' میں نے لاٹھی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے سوال کیا۔

مرلی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی اس سوال پر ٹپٹا جاتا۔

''وہ اگر یہاں تک آ بھی گئے تو اُنہیں خالی ہاتھ واپس جانا ہو گا۔'' سروجنی نے بڑے یقین سے کہا۔ ''میں نے تمہیں وچن دیا ہے مہاراج، وہ میری زندگی میں تمہارے اُوپر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ سروجنی کی زبان سے انکارانی کے جملے ادا ہو رہے ہیں۔ لیکن میں اس بات سے بھی واقف تھا کہ دیوی دیوتاؤں کے معاملے میں انکا بھی میری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔ مجھے پریتم لال یاد آ گیا، اُس نے لندن کے ہسپتال میں سیّد مجذوب کی لاٹھی دیکھ کر کہا تھا اس میں طاقت کے ہزاروں خزانے پوشیدہ ہیں مگر میرے استفسار کے باوجود اُس نے کچھ بتانے سے گریز کیا تھا۔ میں بدری نرائن کے سلسلے میں لاٹھی کی کچھ کرامات دیکھ چکا تھا۔ اس متبرک لاٹھی نے امر لال کا منڈل توڑ دیا تھا۔ بدری نرائن بھی اس لاٹھی کے وار

کے بعد بلبلانے لگا تھا۔ اور بھی کئی واقعات میرے ذہن میں اُبھر رہے تھے۔

گرو نے سروجنی کے اپارٹمنٹ کو میرے لئے محفوظ سمجھا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ میں اکیس روز تک اپنے کانپ ٹھنڈے قابو میں رکھوں ورنہ کسی جنجال میں پھنس جاؤں گا۔ لیکن اگر پنڈت پجاریوں کا ریلا وہاں آجاتا تو وہی اپارٹمنٹ میرے لئے چوہے دان بھی بن سکتا تھا۔

میں مختلف زاویوں سے درپیش صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ گرو نے خلاف توقع عین وقت پر آکر مجھے پولیس ٹریپ سے بچالیا تھا، اُس نے میرا ہاتھ پکڑا تو پولیس والے اندھے ہوگئے۔ سرچ لائٹ کی تیز روشنیاں بھی میری تلاش میں ناکام ہوگئیں۔ وہ بے خبر ہوتا تو سامنے کیوں آتا؟ ’’عین ممکن ہے کہ اس وقت بھی وہ کہیں اطمینان سے بیٹھا میری بوکھلاہٹ کا تماشہ دیکھ رہا ہو......‘‘ میں نے سوچا۔ ’’وہ پریتم لال کا دوست ہونے کے ناطے میری مدد کر رہا تھا، مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا، میری حفاظت کے لئے اُس نے یقیناً کچھ انتظامات ضرور کئے ہوں گے۔ اگر وہ مجھے ہاتھ تھام کر دوسروں کی نظروں سے اوجھل کر سکتا تھا تو سروجنی کے اپارٹمنٹ کے راستے میں ایسی رُکاوٹیں بھی کھڑی کر سکتا تھا جن کا عبور کرنا میرے دشمنوں کے لئے آسان نہ ہوتا۔‘‘

میں خیالات میں غرق تھا کہ معاً ایک سوال بجلی بن کر میرے ذہن میں کوندا...... ’’دُرگا کی آواز نے اگر اکیس روز تک مجھے مفلوج رکھنے کی خاطر تمام راستے بند کر دیئے تھے تو پھر گرو پر اس کا اطلاق کیوں نہیں ہوا؟ کیا گرو کو کسی خاص وجہ سے چھوٹ دی گئی تھی؟ اس رعایت کی پشت پر کیا مصلحت کارفرما تھی......؟‘‘

’’تم کیا سوچ رہے ہو مہاراج......؟‘‘ مرلی نے پوچھا۔ ’’کس بات کی چنتا تمہیں پریشان کر رہی ہے......؟‘‘

’’میری ایک بات مانے گا بالک......؟‘‘ میں نے مرلی کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میں نے پوری مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔

’’تم حکم دو مہاراج......‘‘

’’تو اپنے کسی واقف کار پولیس آفیسر کو فون کر کے یہاں بلالے۔‘‘ میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

’’یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو مہاراج......؟‘‘ سروجنی نے احتجاج کیا۔ ’’کیا تمہیں مجھ پر

یا مرلی پر بھروسا نہیں ہے......؟‘‘

’’بھروسا نہ ہوتا تو اس وقت میں یہاں نہ ہوتا......‘‘

’’پھر...... تم پولیس کو بلانے کی بات کیوں کر رہے ہو......؟‘‘

’’تو نہیں سمجھ سکے گی سروجنی......‘‘ میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ’’میرا کہا مان لے، اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔‘‘

’’دو چار دن اور رُک جاؤ مہاراج، اس کے بعد کوئی آخری فیصلہ کرنا۔‘‘ مرلی نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ’’اس سمے دُرگا کی آواز نے پنڈت پجاریوں کو اشتعال دلا رکھا ہے، وہ پاگل ہو رہے ہیں۔ تمہاری ایک جھلک دیکھ کر اُن کا جنون اور بھڑک اُٹھے گا۔ وہ مارنے اور مرجانے پر تلے بیٹھے ہیں، کسی کی بات نہیں سنیں گے، ذرا آگ سرد ہو جائے، پھر کچھ سوچنا......‘‘

’’مجھے اپنے سے زیادہ تم دونوں کا خیال ہے۔‘‘ میں نے اُنہیں ایک امکانی پہلو سے آگاہ کرنا چاہا۔ ’’جہاں سوال زندگی اور موت کا آجائے وہاں انسان زندگی کو موت پر ترجیح دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، یہی مجبوری اُسے زبان کھولنے پر آمادہ کرتی ہے۔ فرض کرو، وہ پرتھوی پر یلغار کر دیں؟ اُس کے گلے پر خنجر رکھ کر سچ اُگلنے کو کہیں؟ تاج ہوٹل کا منیجر بھی میری یا تمہاری خاطر دیدہ و دانستہ موت کے کنوئیں میں چھلانگ نہیں لگائے گا، سچ جان لینے کے بعد وہ اور بپھر جائیں گے، تمہارے اس پُرسکون آشیانے کی ایک ایک تیلی اُن کی دیوانگی سے جل کر راکھ ہو جائے گی۔ وہ پوری عمارت کو کھنڈر بنا دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ تم نے اگر مجھے حوالات تک پہنچا دیا تو تمہاری وفاداری پر کوئی حرف بھی نہیں آئے گا، میں بھی محفوظ ہو جاؤں گا۔ لیکن...... تمہیں میری ایک شرط ماننی ہوگی۔‘‘

’’وہ کیا......؟‘‘ مرلی نے بڑی مُردہ آواز میں دریافت کیا۔

’’یہ لاٹھی میرے ساتھ رہنے دی جائے......‘‘

’’کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے......؟‘‘ مرلی کسمسانے لگا۔

’’تم ایک طرف ہو جاؤ مرلی......‘‘ سروجنی بپھر کر بولی۔ ’’یہ اپارٹمنٹ میرے نام ہے، میری راج سبھا میں کیول میرا حکم چلے گا، تمہیں میرے اور مہاراج کے درمیان بولنے کا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔‘‘

''شانت رہو سروجنی......'' میں نے اُس کے بگڑتے تیور دیکھ کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے اندر سمندر کی بپھری ہوئی لہریں سر اُبھار رہی ہیں۔ لیکن تو ابھی نادان ہے، کل کیا ہونے والا ہے؟ تو نہیں جانتی۔ میری بات مان لے، مجھے یہاں سے چلا جانے دے۔''

''میں جانتی ہوں مہاراج کہ تم مہان شکتیوں کے مالک ہو، میرے مقابلے میں تمہارا تجربہ بھی زیادہ ہے۔ تم بھوش میں جھانک سکتے ہو، تمہاری آگیا کا پالن کرنا میرا دھرم ہے۔ میں وچن دیتی ہوں کہ جیون میں پھر کبھی تم سے کوئی بنتی نہیں کروں گی۔ لیکن آج تمہیں اپنی پجارن کا کہا ماننا ہوگا۔ آج تم نے نراش کر دیا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا......''

''سروجنی......'' میں نے کچھ کہنا چاہا، اُس نے میری بات کاٹ دی۔

''نہیں مہاراج......نہیں۔'' اُس نے ہاتھ جوڑ لئے، میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔ ''آج اپنی داسی کو کوئی حکم نہ دو، مجھے میرے من کی آشا پوری کر لینے دو۔ میں جی بھر کر تمہاری بھگتی کر لوں، تمہاری آرتی اُتار لوں، پھر تم جو کہو گے میں مان لوں گی۔''

''سروجنی کی بات مان لو مہاراج، میں بھی تم سے یہی پرارتھنا کروں گا۔'' مرلی کے لہجے میں بھی التجا تھی۔

میں شش و پنج میں گرفتار ہو گیا۔ انکا کے علاوہ میری کلدیپ نے بھی بارہا یہی کہا تھا کہ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کیا کروں۔ گرو نے بھی تاکید کی تھی کہ اکیس روز تک ہاتھ پیر مارنے کی غلطی نہ کروں، سیّد مجذوب بھی اشاروں کنایوں میں مجھے زندگی کے باریک فلسفوں اور معارفت کی باتیں سمجھانے کی کوشش کرتا، اُس کی دقیق باتیں میرے سر سے گزر جاتیں، میں وضاحتوں کی درخواست کرتا تو وہ معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو جاتا، میں ہاتھ ملتا رہ جاتا۔

سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی مل جانے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا تھا، بڑے غور و خوض کے بعد مرلی کے فلیٹ سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ سروجنی میرے پیروں کی زنجیر بن رہی تھی، کوئی اور موقع ہوتا تو میں اُس کی درخواست کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتا، اُس کے جسم کے گداز میں، نشیب و فراز میں گم ہو جاتا۔

''اپنا ارادہ بدل دو مہاراج......میری خاطر۔'' سروجنی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا، پھر

میرے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔ مرلی بھی اُس کی دیکھا دیکھی قریب آ گیا...... مجھے وقتی طور پر سروجنی کا فیصلہ قبول کرنا پڑا۔

''ٹھیک ہے......'' میں نے اُس کی گھنیری زلفوں میں اُنگلیاں پھنسا کر کہا۔ ''میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں......''

سروجنی نے اپنا چہرہ اُٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکا، پھر دوبارہ بے اختیار میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ مرلی کے چہرے پر بھی اطمینان جھلکنے لگا......!

❁ ❁ ❁

ایک ہفتہ گزر گیا......

میں سروجنی کے اپارٹمنٹ تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ ہر وقت میری پذیرائی میں لگی رہتی۔ مرلی کی زبانی مجھے حالات کا علم ہوتا رہتا، بمبئی کا سارا کاروبار دو روز تک ٹھپ رہا۔ پھر پولیس کمشنر اور کچھ پنڈت پجاریوں کے سمجھانے بجھانے پر سادھوؤں اور پجاریوں نے سڑکوں سے اپنا دھرنا اُٹھا لیا، زندگی کے کاروبار معمول پر آنے لگے۔ لیکن مرلی کی اطلاع کے مطابق پولیس نے میری تلاش جاری رکھی تھی، جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔

تاج ہوٹل کے منیجر نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ میں نے ہوٹل چھوڑتے وقت اپنے سارے واجبات ادا کر دیئے تھے، میں ہوٹل چھوڑ کر کہاں گیا......؟ اس کے بارے میں اُسے کوئی علم نہیں تھا۔ پرتھوی کے کسی بیان دینے کی نوبت نہیں آئی، روی شنکر کے مشورے پر مرلی نے اُس کچھ دنوں کے لئے بمبئی سے باہر بھیج دیا تھا۔

خطرہ بظاہر ٹل گیا تھا لیکن بہت ساری باتیں وضاحت طلب رہ گئیں تھیں۔ مجھے بڑی شدت سے انکارانی کی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ اُس نے ابھی تک پلٹ کر میری خبر نہیں لی تھی۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی مل جانے کے بعد مجھے اپنے تحفظ کا یقین آ گیا تھا۔ میں اس اعتماد کی کوئی وضاحت نہیں کر سکتا مگر کوئی بات ایسی ضرور تھی جس نے مجھے ہر فکر سے بے نیاز کر دیا تھا۔ شاید سیّد کی رُوحانی قوتوں کا فیض تھا جس نے مجھے سنبھال رکھا تھا۔

سروجنی شب و روز میری دلجوئی میں لگی رہتی۔ ہر طرح سے میرا خیال رکھتی، رات گئے تک میرے بستر سے لگی دبیز قالین پر بیٹھی رہتی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اُس نے سادھنا کو میرے کمرے میں آنے جانے سے منع کر رکھا تھا۔ میں نے ایک بار دبی زبان میں سروجنی سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ کہیں سادھنا کی زبان دوسروں کے سامنے پھسل نہ جائے، جواب میں سروجنی نے مجھے یقین دلایا تھا کہ سادھنا میرے بارے میں

زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ میں نے اس یقین کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔

اُس روز بھی سروجنی نصف رات گئے تک میرے پاس بیٹھی دنیا جہان کی باتیں کرتی رہی۔ مرلی بھی قریب ہی بیٹھا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ فون مرلی نے اُٹھا لیا، پھر ایک دو جملے ادا کرنے کے بعد اُس نے رانگ نمبر کہہ کر ریسیور واپس رکھ دیا۔ اُس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات اُبھرتے دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ اُس کی اضطرابی کیفیت بلاوجہ نہیں ہو سکتی تھی۔

"کس کا فون تھا......؟" میں نے لاپرواہی سے دریافت کیا۔

"مہاراج......" مرلی نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے کسمسا کر پوچھا۔ "کیا آپ کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو میرے اپارٹمنٹ میں آپ کی موجودگی کے راز سے واقف ہو......؟"

"کیا مطلب......؟" سروجنی چونک اُٹھی۔ "فون کرنے والے نے کیا کہا تھا؟" اُس نے مرلی سے پوچھا۔ میرے ذہن میں بھی خدشات سرسرانے لگے۔

"اُس نے کیول اتنا کہا تھا کہ اپنے مہمان کا پوری طرح دھیان رکھنا۔ سیوا میں کوئی کمی نہ ہونے پائے۔ اُس سے کہنا کہ پنکھ سمیٹے رکھے۔"

"کوئی نام نہیں بتایا تھا......؟" سروجنی کسی ناگن کی طرح بل کھانے لگی۔

"نہیں......" مرلی نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے رانگ نمبر کہنے کے بعد اُس نے قہقہہ لگا کر لائن منقطع کر دی تھی۔"

"کون ہو سکتا ہے......؟" سروجنی نے خود کلامی کا انداز اختیار کیا، اُس کی کشادہ پیشانی پر اُبھرنے والی سلوٹیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔

"گرو......" میرے ذہن میں پرتاپ کا تصور اُبھرا۔ مرلی نے جو جملے ادا کئے تھے اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ گرو میری طرف سے بے خبر نہیں ہے۔

"اگر ایسا ہوا تو میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" سروجنی نے مٹھیاں بھینچ کر بڑے زہریلے انداز میں کہا۔ "اُس کے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈال دوں گی۔"

''تمہارے ذہن میں کس کا نام اُبھر رہا ہے؟'' مرلی نے چونک کر پوچھا۔

''لنکا ڈھانے والا کوئی گھر کا بھیدی ہی ہوسکتا ہے۔'' سروجنی کے تیور خطرناک ہونے لگے۔

''نہیں سروجنی...... نہیں۔'' میں نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بے قابو ہونے سے باز رہنے کا اشارہ کیا۔ ''تیرے من میں جس کا نام اُبھر رہا ہے وہ نردوش ہے، میں سمجھ گیا کہ فون کس نے کیا تھا......''

''وہ کون ہے مہاراج؟'' مرلی اور سروجنی نے یک زبان ہوکر سوال کیا۔

''میں اُس کا شبھ نام نہیں لے سکتا، صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ بڑی مہان شکتیوں کا مالک ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ آنکھ بند کرکے دھرتی کے کسی کونے میں بھی پہنچ سکتا ہے۔ ساگر کی گہرائیوں میں غوطہ لگا سکتا ہے۔ وہ میرا دوست بھی ہے۔ نہ ہوتا تو میرا اتنا دھیان کبھی نہ رکھتا......''

میں نے وہ وضاحت سادھنا کو سروجنی کے ممکنہ عتاب سے بچانے کی خاطر ضروری سمجھی۔ ''گھر کے بھیدی'' کے اشارے پر میں سمجھ گیا تھا کہ سادھنا کو شبہ کی نظروں سے شناخت کیا جا رہا ہے۔ میری بات سن کر سروجنی کا غصہ ختم ہوگیا، مرلی نے بھی مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلے گئے تو میں نے روشنیاں بجھا کر آنکھیں بند کرلیں۔ میں تھکا ہوا تھا اس لئے جلدی سوگیا۔

رات کے دو پہر گزر جانے کے بعد میں واش رُوم جانے کی ضرورت کے پیش نظر بیدار ہوا تو میرے کانوں میں کسی کے ہلکے ہلکے خراٹے لینے کی آواز گونجی...... وہ آواز میرے لئے غیر مانوس نہیں تھی۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی، میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا، انکارانی میرے سر پر اپنا نازک بدن سمیٹے، ہاتھوں کے تکیے پر سر رکھے بائیں کروٹ لیٹی چھوٹے چھوٹے خراٹے نشر کررہی تھی، اُس کے چہرے پر تھکن کے گہرے تاثرات موجود تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے کئی راتیں جاگنے کے بعد دو گھڑی سونے کی فرصت ملی ہو۔ وہ کسی نوجوان بیوہ کی طرح لٹی لٹی اور سوگوار سی نظر آرہی تھی۔ اُس کے پتلے پتلے نرم و نازک سے تراشیدہ ہونٹ جو ہمیشہ مسکراتے رہنے کے عادی تھے اس وقت بڑے پھیکے پھیکے سے دکھائی دے رہے تھے۔ میں اُسے پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ شاید میرے ناروا سلوک

نے اُس پر کوئی گہرا اثر چھوڑا تھا، بڑی بجھی بجھی لگ رہی تھی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انکارانی میرے دُکھ درد کی ساتھی تھی، میری ہم راز تھی، میری محبوبہ دلنواز تھی۔ مجھے بڑی شدت سے اُس کی واپسی کا انتظار تھا، وہ آگئی تھی لیکن بے سدھ پڑی سو رہی تھی، میں نے اُسے جگانا مناسب نہیں سمجھا، والہانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

مجھے یقین تھا کہ میری خاطر انکا کے شب و روز کتنی مصروفیت میں گزرے ہوں گے۔ میرے تحفظ کی خاطر وہ ادھر اُدھر چکراتی پھری ہوگی۔ کبھی کسی پجاری کے سر پر کبھی روی شنکر کا ذہن پلٹنے کی خاطر اُسے زور لگانا پڑا ہوگا، کبھی ان فیصلوں کو تبدیل کرانے کی خاطر جدوجہد کرنی پڑی ہوگی جو میرے خلاف صادر ہوئے ہوں گے۔ وہ سروجنی کے سر سے بھی دُور نہیں رہ سکتی تھی، میری خاطر اُس نے سادھنا کے دل و دماغ کو بھی ضرور کریدا ہوگا۔ جوکھی لڑتے وقت ایک ذرا سی غفلت بازی پلٹ دیتی ہے۔ انکا نے یقیناً کئی راتوں تک اپنی پلکیں نہیں جھپکی ہوں گی، اُسے پریتم لال نے میرے حوالے کیا تھا۔ پریتم لال نے مجھے خودکشی سے روک کر کلدیپ کے مشن کو پورا کرنے کا وعدہ لیا تھا۔ اُس نے انکارانی کو بھی میرے مستقبل کے بارے میں بہت ساری باتیں سمجھائی ہوں گی، مشورے دیئے ہوں گے، ساری اُونچ نیچ سے آگاہ کیا ہوگا۔

میں انکا کے معصوم اور سوگوار چہرے پر نظریں جمائے اپنے خیالات میں مستغرق تھا جب اُس نے اچانک ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ شاید نیند میں بھی وہ میرے خیال سے غافل نہیں تھی، کسی خدشے کے معمولی سے احساس نے اُس کی نیند اچاٹ کردی۔ اُس نے تھکن دُور کرنے کی خاطر بدن اکڑا کر طویل انگڑائی لی، پھر آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔

''تم آگئیں......؟'' میں نے اُسے بڑے پیار سے مخاطب کیا۔ ''میں کئی دنوں سے تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ تمہارے بغیر دل نہیں لگ رہا تھا۔''

جواب میں انکارانی کے ہونٹوں پر ایک اُداس تبسم مچل اُٹھا، وہ ابھی تک مجھ سے شاکی تھی۔ اُس کی خفگی بجا تھی۔

''بہت زیادہ ناراض ہو......؟'' میں بڑے لاڈ سے بولا۔ ''معافی کی کوئی گنجائش ہے؟''

''جمیل......'' وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ ''کبھی کبھی تمہاری باتیں میرے وجود میں نشتر بن کر اُتر جاتی ہیں۔''

"مجھے احساس ہے۔ لیکن غصے اور دیوانگی میں زبان پر قابو نہیں رہتا......" میں نے اعتراف کرلیا۔

"دل سے کہہ رہے ہو......؟" اُس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

"تمہاری آنکھوں میں ابھی تک نیند کا خمار مچل رہا ہے۔" میں نے اصرار کیا۔ "کچھ دیر اور آرام کرلو۔"

"اتنی محبت کا اظہار مت کرو جمیل، تمہاری یہی باتیں مجھے تڑپا دیتی ہیں۔"

"اتنے دنوں کہاں رہیں......؟" میں نے پیار سے پوچھا۔

"کہاں ہوسکتی تھی......؟" اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تمہارے دشمنوں کے راستے کاٹنے میں مصروف تھی۔"

"گرو پرتاپ کو جانتی ہو......؟"

"تم بڑے خوش قسمت ہو جمیل کہ گرو پرتاپ تمہاری مدد پر آمادہ ہوگیا۔ پریتم لال مہاراج کے بہت سارے احسانات ہیں اُس پر، شاید وہ اُنہی احسانوں کا بدلا چکا رہا ہے۔ ورنہ......"

"ورنہ کیا......؟" میں نے انکا کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے وضاحت چاہی۔

"بڑا دوغلا اور کمینہ خصلت آدمی ہے۔ اُس کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا۔" انکا نے کسمسا کر کہا۔ "وہ درمیان میں نہ آجاتا تو روی شنکر کے آدمی تمہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔"

"کیا تمہاری ساری قوتیں بھی دُرگا نے چھین لی ہیں؟"

"نہیں......" انکا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "میں براہِ راست کسی دیوی دیوتا کے تابع نہیں ہوں، لیکن پراسرار قوتوں کے درمیان بھی کچھ درجہ بندی ہوتی ہے، ایک دوسرے کے مرتبے کا خیال ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ مجھے بھی دُرگا دیوی کی آواز کا پاس ہے، میں براہِ راست تمہارے کسی کام نہیں آسکتی لیکن اتنی بے بس بھی نہیں ہوں کہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان سینہ تان کر دیوار نہ بن سکوں۔"

جواب میں، میں نے اُس کے کنچوں کے برابر سینے پر نظر ڈالی تو شوخی سے پہلو بدل کر بولی۔

"تمہیں اس وقت بھی بدمعاشی کی باتیں سوجھ رہی ہیں۔"

"تمہارا سب سے پرانا اور سچا عاشق ہوں میری جان۔" انکا کی شوخی کو محسوس کر کے میں بھی ترنگ میں آگیا۔ بڑے ظلم سہے ہیں تمہارے۔ کیا مجھے اتنا حق بھی نہیں دوگی کہ میں تمہارے نشیلے اعضاء سے ہی دل بہلا سکوں؟"

"حالات ابھی سازگار نہیں ہوئے ہیں جمیل صاحب۔" انکا سنجیدگی سے بولی۔ "پنڈت نول کشور نے چندرا کی طرف پھر اپنے ہرکارے دوڑا دیئے ہیں۔ کالی داس اور اوم پرکاش کی موت اُن کے لئے بہت بڑا حادثہ ہے، میرا خیال ہے کہ اب چندرا بھی پہاڑیوں سے نیچے اُترنے سے انکار نہیں کرے گا، میں اُس کی طرف سے بھی غافل نہیں ہوں۔"

"کیا دُرگا کو اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ گرو پرتاپ نے میری مدد کی ہے......؟" میں چندرا کا نام سن کر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"دیوی دیوتاؤں کی نظروں سے کوئی بات اوجھل نہیں ہوتی۔ دُرگا کو معلوم ہے کہ گرو پرتاپ نے تمہیں اُس کے عتاب سے بچانے کی غلطی کی ہے۔" انکا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"کیا مطلب......؟"

"کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں تمہیں قبل از وقت نہیں بتا سکتی لیکن ایک بات طے ہے۔ گرو کو اس کی نافرمانی کی سزا ضرور ملے گی۔"

"تم نے کبھی چندرا کو دیکھا ہے......؟"

"تمہارے دل میں پھر کھد بد شروع ہوگئی؟" انکا نے میری کیفیت بھانپ کر کہا۔ "فی الحال اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔ گرو پرتاپ نے اکیس روز والی بات غلط نہیں کہی تھی۔ دو ہفتے اور گزر لینے دو، پھر دل کی ساری بھڑاس نکال لینا۔"

"میرا دل ایک ہی ماحول میں رہتے رہتے گھٹنے لگا ہے۔" میں نے اپنے اضطراب کا اظہار کیا۔ "چندرا اور پنڈت نول کشور کھلے میدان میں اپنے اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے ہیں، میں یہاں ایک اپارٹمنٹ میں بند بیٹھا ہوں۔"

"تم یہاں بھی اپنی دل بستگی کا سامان تلاش کر سکتے ہو......" انکا سر سے پھدک کر میرے کندھے پر آگئی۔ بڑی لگاوٹ سے بولی۔ "سروجنی تمہاری داسی ہے، پجارن ہے، مندر میں تو چھوٹے موٹے پجاری بھی کسی سندر پجارن کو اپنی بانہوں میں دبوچ کر پیاس

بجھا لیتے ہیں، تم تو سروجنی کے لئے دیوتا ہو، ایک بار بھولے سے اشارہ کر کے دیکھو، وہ تمہیں خوش کرنے کی خاطر تمہارے قدموں میں بچھ جائے گی۔''

''تم میرا ذہن بٹانے کی کوشش کر رہی ہو......؟'' میں نے انکا کا مفہوم سمجھ کر کہا تو اُس نے جھک کر میرے کانوں میں سرگوشی کی۔

''ایک راز کی بات بتاؤں تمہیں، سروجنی سادھنا سے جلتی ہے۔ اُس نے سادھنا کو تمہارے قریب پھٹکنے سے بھی منع کر رکھا ہے، کبھی ایک نظر بھر سادھنا کو دیکھو...... وہ زندگی کی لچکتی شاخ پر ایک بند کلی کی مانند مچل رہی ہے، ابھی کسی بھنورے کی پیاسی نظر اُس تک نہیں پہنچی...... تم اشارہ کرو، میں اُسے پکے پھل کی طرح تمہاری آغوش میں ڈال دُوں گی۔''

''کیا پنڈت نول کشور بمبئی نہیں آیا......؟'' میں نے انکا کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ چندرا کا نام درمیان میں آجانے سے میرے تن بدن میں ایک آگ سی بھڑک اُٹھی تھی، کلدیپ کے زخم پھر سے ہرے ہونے لگے۔ میں نے سوچا تھا کہ چندرا کو وندھیاچل کی پہاڑیوں سے نیچے اُترنے کی زحمت نہیں دُوں گا، خود سینہ تان کر اُس کے سر پر پہنچ کر للکاروں گا، ایک بار تو اُس کی نگاہیں بھی مجھے خلافِ توقع دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔ وہ حرامزادہ آخری سانس تک جمیل احمد خان کو فراموش نہ کر سکتا۔ مرنے کے بعد میرا تصور بھی اُس کی آتما کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا۔ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ جس کے خلاف صف آراء ہونے کی خاطر وہ دنیا کے ہنگاموں سے دُور برفانی گپھا میں بیٹھا دیوتاؤں سے لازوال قوتوں کی بھیک مانگ رہا ہے وہ سامنے آکر اُسے منڈل سے باہر نکل کر مقابلے کی دعوت دے گا۔ اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے، ممکن ہے اُس کی حرکت قلب بند ہو جاتی، سکتے کے عالم میں اپنی جگہ ہمیشہ کے لئے منجمد ہو کر رہ جاتا۔ مگر میری حسرت دل کی دل میں ہی رہ گئی۔ لندن سے روانگی کے بعد مجھے ہوائی سفر کے دوران اشوک سے اُلجھا دیا گیا، مرلی سے چھٹکارا پا کر میں تاج ہوٹل پہنچا تو کلدیپ کی آتما نے پجارن نندنی کا جسم اپنا کر، کجرا کا نام اختیار کر کے میری توجہ پنڈت کالی داس کی طرف مبذول کرا دی۔ میں کالی داس سے بے خبر رہتا تو وہ اندھیرے میں وار کر جاتا۔ میں نے نندا کے علم اور اپنی قوتوں کو بروئے کار لا کر کالی داس کو اس طرح جہنم رسید کیا کہ سارے ہندوستان کی پولیس مل کر بھی قاتل کا سراغ نہیں تلاش کر سکتی تھی۔ کالی داس کے بعد میرے

اُلجھے ہوئے ذہن میں پنڈت اوم پرکاش کا نام کلبلانے لگا۔ میں نے اُسے بھی راستے سے ہٹانے کی ٹھان لی۔ چندرا میرے ذہن سے نکل گیا۔ اب میں دُرگا کے اکیس روز کے عتاب میں گرفتار تھا...... انکا میری توجہ بٹانے کی کوشش کر رہی تھی، میں نے کچھ اور ٹھان رکھی تھی۔

''نہیں......'' انکا نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''پنڈت نول کشور بڑا گھاگ اور دُور اندیش آدمی ہے، جب تک چندرا واپس نہیں آجاتا وہ کالی کے مندر میں ہی اپنے منڈل میں دبکا بیٹھا رہے گا۔ کالی داس اور اوم پرکاش کے انجام نے اُسے اور محتاط کر دیا ہے...... وہ اوچھا وار نہیں کرے گا، سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھائے گا۔''

''بدری نرائن نے بھی امرلال کی چھاؤں میں پناہ لینے کی کوشش کی تھی۔'' میں ہونٹ کاٹنے لگا۔ ''تم اُن دونوں کا انجام دیکھ چکی ہو، چندرا اور نول کشور کا انجام اُن دونوں سے زیادہ بھیانک اور ہولناک ہوگا۔''

''مجھے اپنی ذات سے الگ مت سمجھو جمیل......'' انکا نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ ایک ایک کر کے تمہارے راستے کی تمام رُکاوٹیں دُور ہو جائیں۔ لیکن اس کے لئے ہمیں ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کرنا ہوگا، جلد بازی میں غلط قدم اُٹھا کر ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا...... تم نے جہاز پر بھی اشوک کے سلسلے میں جذباتی فیصلہ نہ کیا ہوتا تو وہ شکتی میری نظروں سے اوجھل نہ رہتی جس نے میری نگاہوں کے سامنے دُھند کی چادر تان دی تھی۔''

میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، شاید وہ ابھی تک اس بات سے ناواقف تھی کہ جہاز پر گرو کی حیثیت سے کون سفر کر رہا تھا...... جہاز کے حوالے پر مجھے امریتا یاد آگئی۔ اُس نے گرو کے ساتھ سفر کرنے کا ذکر کیا تھا لیکن میں گرو پرتاپ سے امریتا کے بارے میں بھی کچھ دریافت نہیں کر سکا۔ پے در پے پیش آنے والے واقعات نے اتنی مہلت ہی کہاں دی تھی؟

''ایک بات کہوں جمیل......؟''

''کہو......''

''اب تم بھی اپنی انکارانی سے اپنے دل کا بھید چھپانے لگے ہو۔''

''تم نے کیسے اندازہ لگالیا......؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''تم اس وقت کیا سوچ رہے تھے، میں نہیں جان سکی۔'' انکا کے لہجے میں شکوہ تھا
''پہلے میں تمہارے اندر جھانک لیتی تھی، لیکن اب تم نے بھی درمیان میں رُکاوٹیں کھڑ
کرنی شروع کر دی ہیں۔''

میں انکا کی بات سن کر چونکا، میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھ
''گرو پرتاپ نہیں چاہتا ہوگا کہ انکا ہوائی سفر کے دوران امریتا اور اُس کے ہم سفر ہو
کے راز سے واقف ہو۔ اُس کی اپنی کوئی مصلحت ہوگی۔ شاید اُسی نے درمیان میں کوئی پ
حائل کر دیا ہو......''

''اب کیا سوچ رہے ہو جمیل......؟''

''میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ایک
جگہ بیٹھے بیٹھے میرا دم گھٹنے لگا ہے۔''

''کہاں جاؤ گے......؟''

''جہاں بھی قسمت لے جائے۔'' میں نے لمبی سانس بھری۔

''ایسی غلطی بھول کر بھی مت کرنا۔ بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔''

''مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہی ہو......؟''

''میری مصروفیات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں سروجنی کے سر سے زیادہ دیر تک دُور نہ
رہ سکتی۔ اُسے غافل کر کے مجھے باہر کی سن گن بھی لینی پڑتی ہے، تم نہیں جانتے۔ روی شنکر
کچھ کمزوریاں سروجنی کی مٹھی میں ہیں، اسی لئے اُس نے مرلی کی بات مان لی، لیکن وہ مو
کی تاک میں ہے، تم نے اگر اُسے موقع فراہم کر دیا تو بات بہت بگڑ جائے گی۔'' انکا
بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میری بات غور سے سنو جمیل۔ گرو پرتاپ تمہیں یہاں پہنچانے
بعد اب دُرگا کے عتاب سے بچنے کی فکر میں مصروف ہے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی
میرا خیال ہے کہ اگر اکیس دن پورے ہونے سے پیشتر تمہارے اُوپر دوبارہ کوئی آفت آ
وہ بھی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔''

''تم تو میرے ساتھ رہو گی......؟'' میں نے پوچھا۔

''اپنے دل سے جواب مانگو، وہ کیا کہتا ہے؟'' اُس نے بڑی حسرت سے مجھے دیکھا

''انکا رانی....'' میں نے کچھ یاد کرتے ہوئے موضوع بدل دیا۔ ''رنجنی یاد ہے تمہیں....
شوک کی بیوہ۔''

''اس وقت تمہیں اچانک رنجنی کی یاد کیسے آ گئی؟'' انکا نے مجھے گہری نظروں سے گھورا۔

''تم نے مجھے بتایا تھا کہ اشوک سے اُس کی شادی کو دس سال ہو چکے تھے، دو ماہ بعد رنجنی
کے ہاں وہ خوشی ہونے والی ہے جس کی حسرت دل میں لئے اشوک دنیا سے منہ موڑ گیا۔''

''قسمت کی بات ہے جمیل۔'' انکا اُداس ہو گئی۔ ''تمہیں یہ سن کر اور دُکھ ہوگا کہ اشوک
کے بعد اُس کے رشتے داروں نے رنجنی کو منحوس سمجھ کر اُس سے منہ پھیر لیا ہے۔ آج کل وہ
پنی بہن کے ساتھ ہے۔''

''میں اشوک کی موت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ لیکن رنجنی کی ہر ممکن مدد کرنا چاہتا ہوں۔''
میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''مجھے حکم دو، تم اُس کی کیا مدد کرنا چاہتے ہو......؟''

''کچھ ایسے حالات پیدا کر دو کہ اُس غریب کو سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا مل جائے، اُسے
کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، کسی کے دست نگر اور محتاج نہ رہے، سکون سے زندگی
گزار سکے۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں، تم فکر مت کرو، میں رنجنی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور
کروں گی۔''

میں انکا سے بڑی دیر تک باتیں کرتا رہا، وہ مجھے سروجنی، سادھنا اور روی شنکر کے
رے میں بڑی تفصیل سے بتاتی رہی۔ چندرا اور پنڈت نول کشور کے علاوہ کچھ اور
سرپھرے پنڈت اور پجاری بھی جنہوں نے دو چار جنتر منتر سیکھ لئے تھے، میری گھات
گائے بیٹھے تھے، اُن کے بارے میں بھی انکا نے کئی اہم اور کارآمد باتیں بتائیں۔ میں غور
سے اُس کی ایک ایک بات ذہن نشین کرتا رہا۔

وہ دوبارہ میرے سر پر پاؤں پسار کر لیٹ گئی۔ مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ میرا خیال
تھا کہ جب وہ مجھ سے ملے گی تو رُوٹھی ہوگی، مجھ سے میری سرد مہری کی شکایت کرے گی،
شکوے کرے گی۔ لیکن اُس نے مجھے معاف کر دیا تھا، میری باتوں نے اُس کی تمام شکایتیں
دور کر دی تھیں، وہ کسی بلبل کی طرح چہک رہی تھی، میں اُس کی باتیں سن رہا تھا، اُس کی

ایک ایک ادا پر نثار ہو رہا تھا۔ بڑے دنوں بعد ہمارے درمیان خوشگوار ماحول میں چھیڑ چھ
ہو رہی تھی۔ انکا نے کروٹ لے کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے سادھنا کے بارے میں کیا سوچا......؟''

''بڑی سفارش کر رہی ہو سادھنا کی۔'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''کہیں اُ
کے کنوارے بدن میں چھلکتا ہوا خون تو پسند نہیں آ گیا؟''

''اُسے دیکھ کر دل تو للچاتا ہے لیکن ابھی اُس کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔'' انکا شو
سے بولی۔ ''ابھی تو غریب نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔''

''تم اُسے کیا دکھانا چاہتی ہو......؟'' میرے لہجے میں شرارت اُتر آئی۔

''ہر بڑے کاروبار کا افتتاح کسی بڑے آدمی سے کرایا جاتا ہے۔ میں چاہتی ہوں ک
سادھنا کو جس کاروبار میں جھونکا جانے والا ہے اس کی ابتدا تمہارے مبارک ہاتھوں سے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''سروجنی کسی آکٹوپس سے بھی زیادہ خطرناک اور دُور اندیش ہے، بڑی گھاگ عور
ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے نواب اور راج منتری بھی اُس کی کسی بات کو ٹالنے سے
پیشتر اپنا آگا پیچھا ضرور دیکھ لیتے ہیں، سروجنی نے اپنی جڑیں دُور دُور تک پھیلا رکھی ہیں
کاروبار جتنا بڑا ہو اس کے لئے خام مال کی بھی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے۔'' انکا
سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''سروجنی کا خام مال وہ حسین اور نوخیز کلیاں ہیں جو صرف کارآ
آدمیوں کی آغوش میں ہی چٹکتی ہیں، سادھنا کو سروجنی نے بلاوجہ اتنا سنبھال کر نہیں رکھا
ہے، ایک راج منتری کو جال میں پھانسنے کی خاطر سادھنا کو چارا بنایا جائے گا، جس راج
منتری کے لئے جال تیار کیا جا رہا ہے وہ پردھان منتری سے بھی زیادہ طاقتور ہے، تمہیں
سن کر دُکھ ہوگا کہ اُس کی جوان بیٹی کی عمر بھی سادھنا کے برابر ہے۔ پورے بھارت میں
اُس کا حکم کھرے سونے کے سکے سے زیادہ چلتا ہے۔''

انکا مجھے سادھنا کے بارے میں اُکساتی رہی۔ راج منتری کی بابت تفصیل بتاتی رہی
میں خاموشی سے سنتا رہا۔ سادھنا ایسا تراشیدہ ہیرا تھا قدردان جوہری جس کے لئے اپ
تجوریوں کے منہ کھولنے سے بھی دریغ نہ کرتے، پہلی بار دیکھنے کے بعد میرے دل میں بھی
شیطان سے کروٹیں بدلنی شروع کر دی تھیں لیکن چندرا کا ذکر درمیان میں آ جانے کے بعد

میرے ذہن میں شعلے بھڑک اُٹھے۔ شاید انکا اُنہی شعلوں کو بجھانے کی خاطر مجھے سادھنا کی
زلفوں میں اُلجھانا چاہتی تھی۔

''کیا بات ہے جمیل؟ تم نے سادھنا کے سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا۔'' انکا نے مجھے
سوالیہ نظروں سے گھورا۔ ''پہلے تو تمہاری رال بڑی جلدی ٹپکنے لگتی تھی......''

''آج میں کسی اور کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''وہ ایک بار قابو آ جائے تو سادھنا جیسی ہزاروں حسینائیں میری بانہوں میں مچلنا اپنے لئے
کسی اعزاز سے کم نہ سمجھیں گی۔''

''سروجنی کی بات کر رہے ہو......؟'' انکا کے لہجے میں تعجب تھا۔

''نہیں......'' میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''کچھ دنوں پیشتر وہ مجھے رات گئے پونا
کے ریس کلب میں ملی تھی، بڑی رس بھری تھی۔ غصے میں قیامت لگ رہی تھی۔ شعلہ بدن،
غنچہ دہن، رشکِ چمن، حورِ یمن...... میں نے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔''

''پھر کیا ہوا...... دال گلی یا نہیں......؟'' انکا نے شوخی سے پوچھا۔

''میرے اندر ایک اُبال آیا تھا...... وہ بام مچھلی کی طرح تڑپ کر ہاتھ سے نکل گئی۔''

''تم اتنے سیانے تو کبھی نہیں تھے جتنے بالغ اب ہو گئے ہو۔'' انکا نے پہلو بدل کر
جواب دیا۔ ''پہلے تم مجھ سے اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپاتے تھے، اب تم نے کترانا سیکھ
لیا ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں جمیل صاحب کہ تم سادھنا کی بات کیوں ٹال رہے ہو؟''

''اچ...... چھا۔'' میں نے قدرے محتاط ہو کر بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''اب تم نے بھی
قد نکالنا شروع کر دیا......''

''پریتم لال مہاراج کی کچھ باتوں نے مجبور کر دیا ہے۔'' وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''ورنہ
میں اب بھی وہی انکا ہوں تم جس کے اشارے پر ناچا کرتے تھے، یاد ہے نا......؟''

انکا کے لہجے میں طنز تھا، سمندر جیسی گہرائی تھی۔ میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اُس
کے اور پریتم لال کے درمیان میرے سلسلے میں کوئی معاہدہ ضرور ہو چکا تھا جسے وہ مجھ سے
مخفی رکھنا چاہتی تھی۔

انکا نے جو کہا وہ غلط نہیں تھا، ایک زمانہ تھا جب میں اُس کی پلکوں کی جنبش پر تھرکنے کو
مجبور تھا، اُس کی کسی بات کو رد کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھ پر حکم چلانے کی

عادی تھی۔ اُس نے میری نرگس کی ایک ذرا سی غلطی پر اُسے بھی معاف نہیں کیا۔ نرگس میری زندگی کے احاطے میں خوشبو بکھیرنے والا سب سے مہکتا پھول تھی۔ میرے پیار کی خاطر اُس نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، اپنے والد اصفہانی صاحب کی دولت اور شہرت کو ٹھکرا کر میری ہم سفر بن گئی تھی۔ وہ میرے دُکھ درد کی شریک تھی، میری غمگسار تھی، انکا کے شکنجوں سے نجات دلانے کی خاطر اُس نے بزرگانِ دین کے مزاروں پر جا کر جھولی پھیلانے کی ٹھان لی۔ انکا کو اُس کے ارادوں کی بھنک مل گئی، میں نے انکا کو جوابی انتقامی کارروائی سے باز رکھنے کی خاطر منت سماجت کی مگر اُس نے سبق دینے کی خاطر مجھے ایک ہاتھ سے محروم کر دیا۔ نرگس کی عصمت بھی داغدار ہوگئی...... میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔

ماضی کا بھیانک تصور اُبھرا تو میں کسمسانے لگا، میرے اندر چھپے آتش فشاں کا لاوا کھدکھدانے لگا۔ میری داستانِ حیات پڑھنے والے گواہ ہیں کہ میں نے واقعات کو من وعن بیان کرنے میں کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ جو گزری، وہ قلمبند کرتا چلا گیا۔ میرے بھیانک واقعات کا طویل سلسلہ کبھی ڈھکا چھپا نہیں رہا، میں چاہتا تو بہت سے واقعات حذف کر جاتا، کوئی میری ذات کی پرچھائیں کے ساتھ ساتھ نہیں چل رہا تھا، کوئی گواہ نہیں تھا میں کیسے کیسے عجیب وغریب حالات سے دوچار ہوتا رہا، میں نے اپنی زندگی کے کچھ لمحے بڑے عذاب میں گزارے تھے۔ سڑکوں پر بھیک مانگتا پھرا تھا، تربینی مجھے ٹھوکریں مارتا، میں اُس کے حکم پر روندے ہوئے خوبصورت جسموں کو ٹھکانے لگانے کا مذموم کام انجام دیتا رہا۔ میں نے کبھی کوئی پہلو چھپانے کی کوشش نہیں کی، کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا، خود کو پھنے خان بنا کر بھی نہیں پیش کیا۔ لیکن میرے اندر آگے بڑھنے کی ایک لگن ضرور موجود تھی۔ میں اپنے اندر شاہین کا دماغ، عقاب کی نظریں، لومڑی کی سی چال اور آدم خور شیر کا عزم اور حوصلہ پیدا کرنے کی تگ ودو میں لگا رہا۔ دشمنوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر زندہ رہنے کی آرزو میرے کمزور وجود میں ایک ننھے پودے کی طرح پروان چڑھتی رہی، مجھے ناکامی نہیں ہوئی، قسمت نے یاوری کی، میں چٹان بن گیا، انکا بھی ششدر رہ گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب انکا پنڈت ہرچرن کے سر پر تھی، وہ اپنے کسی آقا کے حکم کی سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتی تھی، اُس نے مجھے ہرچرن کے آگے جھکنے پر مجبور کیا، میں نے انکار کر دیا۔ وہ تلملانے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکی۔ اُس کی دُور بین نظروں نے میرے اندر چھپے ہوئے

طاقت کے خزانوں کو دیکھ لیا تھا، میں نے غصے میں آ کر پنڈت ہرچرن کو ٹھکانے لگا دیا۔ انکا دوبارہ میرے سر پر بسیرا کرنے واپس لوٹ آئی۔

بڑی طویل کہانی ہے، بڑے المناک اور ناقابل یقین واقعات ہیں۔ انکا سے کئی بار میری رفاقت کا سلسلہ ٹوٹا، کئی بار جڑا۔ وہ میرے سر کو چھوڑ کر کہیں اور جانے کو آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ ہم نے متعدد بار سمجھوتا کیا، کئی بار وہ تنگ کر رُوٹھ جاتی، کبھی میں بھڑک کر اُسے نظر انداز کر دیتا، لیکن ان تمام تلخ وشیریں واقعات اور حادثات کے باوجود میں تسلیم کرتا ہوں کہ برسوں پر محیط ہماری طویل رفاقت نے ہمیں ایک دوسرے کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ہمارے وجود گندھ کر رہ گئے تھے، ہم زیادہ دنوں جدا نہیں رہ سکتے تھے......!

سانپ کے کاٹے کا ملال نہیں ہوتا لیکن کسی اپنے کی ایک بات نشتر بن کر دل میں اُتر جاتی ہے۔ چندرا اور پنڈت نول کشور کے خلاف میرے وجود میں بارود بھرا تھا، انکا نے ایسے میں ماضی کے زخم کریدنے کی غلطی کی تو بارود میں آگ لگ گئی۔ میں اُسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگا، وہ میرے خیالات پڑھ رہی تھی۔ میں نے کچھ کہنا چاہا۔ وہ مجسم التجا بن گئی۔

''تم جو سمجھ رہے ہو میرا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا، اپنی انکا رانی کو غلط مت سمجھو۔ میں جانتی ہوں کہ تم یہاں سے نکلنے کی سوچ رہے ہو، سادھنا کا ذکر چھیڑ کر میں تمہاری توجہ بٹانا چاہتی تھی۔ زندگی بچانے کی خاطر کبھی کبھی مارفیا کا انجکشن بھی دینا ضروری ہوتا ہے...... میری بات کا یقین کرو جمیل...... میں نے تم سے صرف ایک شکوہ کیا تھا کہ تم نے میری بات ماننی چھوڑ دی ہے، میں پریتم لال مہاراج کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے تمہاری بیتی زندگی پر کوئی نشتر لگانے کی جسارت نہیں کی تھی۔ میں تو تمہیں صرف یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ گرو پرتاپ نے جو کہا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ ایکس روز تمہارے اُوپر بھاری ہیں، مقررہ مدت پوری ہوئے بغیر تمہارا سروجنی کے اپارٹمنٹ سے باہر جانا ٹھیک نہیں ہوگا...... پھر بھی اگر تمہیں میری بات ناگوار گزری ہے تو میں......''

''مجھے اس وقت تنہا چھوڑ دو......'' میں نے جھلا کر اُس کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ ''اس وقت تمہاری وضاحتیں میرے اعصاب کو سکون پہنچانے کی بجائے اور مشتعل کر دیں گی۔ میں سن چکا ہوں کہ پریتم لال نے تمہیں ہر قیمت پر میرا خیال رکھنے پر مامور کیا ہے۔ لیکن اس معاہدے میں میری کوئی مرضی شامل نہیں تھی۔ گرو پرتاپ نے جو کہا وہ بھی میرے

کان سن چکے ہیں۔لیکن میں اپنے اُوپر کسی کے حکم کا اطلاق ضروری نہیں سمجھتا۔کل کیا ہونے والا ہے تم بھی یقین سے نہیں کہہ سکتیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو،لیکن ہمیں محتاط رہ کر ہی کوئی قدم......''

''بس کرو انکارانی......بس کرو۔'' میں نے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں۔''اس وقت تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو،میری اُنگلی پکڑ کر چلنے پر مجبور نہ کرو۔''

انکا کی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ مجھے یقین آگیا کہ اُس نے میرے ماضی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی،زندگی میں پہلی بار میں نے اُس کی آنکھوں کو برستے دیکھا تھا۔کوئی اور موقع ہوتا تو میں ان آنسوؤں کو پی جاتا،انکا کے احسانات بہرحال بے شمار تھے،میں اُنہیں یکسر فراموش نہیں کرسکتا تھا۔مگر اس وقت میری ذہنی رو بہک چکی تھی،میں اپنے رویے میں تبدیلی نہ کرسکا،انکا روتی بسورتی مجھے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں پھر خیالات کے سمندر میں غوطے لگانے لگا۔

انکا ایک ہفتے بعد میرے سر پر آئی تھی، مجھے اُس کا انتظار تھا، مجھے اُس کی ضرورت تھی۔ لیکن ہمارے درمیان پھر دُوری ہوگئی، وہ قصور وار نہیں تھی، میں نے اُس کی بات کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی تھی، ایک ہی جگہ پڑے پڑے انسان اُکتاہٹ کا شکار ہوجاتا ہے۔ مجھ پر اکیس روز کی پابندی کا ذہنی دباؤ نہ ہوتا تو سروجنی اور سادھنا کی رفاقت میں اکیس مہینے بھی گزارے جاسکتے تھے۔ وہاں مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی، سروجنی پجارنوں کی طرح مجھے دیوتا سمجھ کر خدمت کررہی تھی۔ میں اُسے کوئی بھی حکم دیتا وہ انکار کی جرأت نہیں کرسکتی تھی۔ انکا کا خیال تھا کہ اُس نے سادھنا کو میرے پاس آنے سے اس لئے روک دیا ہے کہ کہیں میرے اندر کی آگ اُس کی دوشیزگی کو نہ جھلسا دے۔ میرا خیال اس کے برعکس تھا۔ میں سات روز سے سروجنی کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا، میری خاطر اُس نے بھی خود کو اپارٹمنٹ کی چہار دیواریوں میں قید کر رکھا تھا، پہلے وہ ڈال ڈال پات پات اُڑتی پھرتی ہوگی، پنجرے میں بند ہوکر پرندہ بھی پھڑ پھڑانے لگتا ہے، سروجنی بھی تڑپ رہی ہوگی۔ مے خوار کو ایک روز پینے کو نہ ملے تو اُس کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگتے ہیں، سروجنی تو بلانوش تھی۔ اُس کی اپنی ذات بھی کسی بھری بوتل سے کم نہیں تھی، اُس کا پورا وجود نشہ تھا، وہ سیل بند بھی

نہیں تھی کہ مجھے اُس کے حصول میں دُشواری ہوتی، میں ایک اشارہ کرتا بوتل کی کاک خودبخود کھل جاتی، وہ گھر کی مالکہ تھی، پہلا حق بلاشبہ اُسی کا تھا، بعد میں وہ سادھنا کو بھی خدمت کا موقع دے سکتی تھی،لیکن جب ذہن اُلجھا ہو، گھٹن کی شدت وحشتوں اور جنون کو ہوا دے رہی ہو اُس وقت انسان کو ہری ہری نہیں سوجھتی۔ میں جس خوبصورت پنجرے میں قید تھا وہاں کے دروازے بھی بند نہیں تھے لیکن مجھے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی، اسی احساس نے میرے اندر جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا کردی تھی، صبر کی برداشت نہیں تھی مجھ میں۔ میں ساری پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلنے کی سوچ رہا تھا، میرے دشمن آزاد فضا میں سانس لے رہے تھے، اپنی مرضی سے جی رہے تھے۔ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش دم سادھے ایک گوشے تک محدود رہوں، یہ مجھے منظور نہیں تھا۔

پہلے بھی کئی بار میں نے مصلحتوں کو نظرانداز کیا تھا، دل کے کہنے پر عمل کیا تھا، مجھے اپنی غلطیوں کی پاداش میں اذیتناک حالات سے دوچار ہونا پڑا، میری حماقت سے میرے اپنوں کو بھی نقصان ہوا لیکن مجھے کبھی اس کا ملال نہیں ہوا۔ دو فریق لڑتے ہیں تو فتح صرف ایک کی ہوتی ہے، دوسرے کو جھکنا پڑتا ہے۔ جو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، کسی پناہ گاہ میں چھپ کر بیٹھ جائے اُسے بزدل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنے وجود پر کبھی بزدلی کی چھاپ نہیں لگنے دی۔ بدری نرائن جیسا کمینہ خصلت پنڈت بھی میری وحشتوں سے ڈر کر بھاگنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ کئی بار اُس نے خود کو کالی کے مندر میں محفوظ کرنا چاہا، انکا نے مجھے مندر میں جانے سے روکا، برے نتائج سے آگاہ کیا، میں نے اُس کی نہیں سنی، دندناتا ہوا مندر میں داخل ہوگیا، پتھر کے بت اور اُن سے منسوب روایتی ہولناک اور پراسرار باتیں میرا راستہ نہیں روک سکیں۔ میں ان فرسودہ باتوں کو فکشن، پراسرار اور خوفناک کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ بدری نرائن سے آخری معرکے کے وقت اگر میری کلدیپ میری مدد کو نہ آجاتی تو میں بدری نرائن کے بعد امر لال کو بھی ڈنکے کی چوٹ پر ضرور للکارتا۔ موت سے ڈر کر بھاگنے والے دانشمند نہیں کہلاتے، خود کو فریب دینے سے موت ٹل نہیں جاتی۔ جو لمحہ، جو وقت، جو جگہ لوحِ محفوظ پر رقم کی جاچکی ہے اُسے دنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی نہیں ٹال سکتیں۔ پھر موت سے کیا ڈرنا......؟

میں ایک مسلمان گھرانے کا چشم و چراغ ہوں۔ مجھے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے

شرم بھی محسوس ہوتی ہے، میں نے کبھی مسجد میں جا کر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ زندگی اُس رب کریم کا گرانقدر عطیہ ہے، میں نے کبھی مالک دو جہاں کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ میں اسے اپنی بدبختی کہوں گا، خودغرضی کا نام دُوں گا، جو بھٹک جائے، گمراہ ہوجائے، سیاہ وسپید کے درمیان امتیاز نہ کرسکے وہ انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں، مسلمان کہلانا تو بڑی بات ہے۔ میں اس نازک فلسفے پر قلم اُٹھانے سے گریز کروں گا، میں کیا ہوں؟ مجھے کیا ہونا چاہئے تھا؟ میں کیا بن گیا؟ میں اس ضمن میں حالات اور تقدیر کے لکھے کی بہانہ بازی کرکے، کوئی عذر لنگ تلاش کرکے، کوئی دقیق فلسفہ تراش کر پہلو تہی کی کوشش نہیں کروں گا...... ''من آنم کہ من دانم'' پر بات ختم ہوئی۔ منطق بگھارنے سے کوئی بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ میں گناہگار ہوں، بھٹکا ہوا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں لیکن ایک بات یہ بھی سچ ہے کہ میں خدا کی ذات سے کبھی منکر نہیں ہوا۔ میں اُس کے اوّل وآخر ہونے پر یقین رکھتا ہوں۔ مجھے بھی یقین ہے کہ موت برحق ہے، اس کا ایک وقت معین ہے...... موت سے پردہ پوشی کون کرسکے گا......؟

گروپرتاپ نے مجھے ہاتھ تھام کر روی شنکر اور اُس کے آدمیوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا، انکا کا مشورہ تھا کہ مجھے اکیس روز تک سروجنی کے اپارٹمنٹ سے باہر قدم نہیں نکالنا چاہئے۔ دُرگا کی آواز کا عتاب میری قوتوں کو مفلوج کرچکا تھا، میں نے متعدد بار ارتکاز اور مراقبے کی مشق کرنے کی کوشش کی، ہر بار مجھے ناکامی کا سامنا ہوا...... دُرگا دیوی کی وجہ سے پریتم لال کی آتما بھی میری مدد سے قاصر تھی۔ انکا بھی براہِ راست میری مدد سے گریز کرنے کی مجبوری کا اظہار کرچکی تھی۔ میرے پاس صرف سیّد مجذوب کی لاٹھی رہ گئی تھی جسے میں نے سینے سے لگا رکھا تھا، میں اس لاٹھی کے کرشموں سے بھی ناواقف تھا۔

سیّد کی لاٹھی کا خیال آیا تو میں نے لپک کر اُسے اپنی گرفت میں لے لیا، اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا......

سیّد مجذوب سے میری پہلی ملاقات گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی میں ہوئی تھی۔ اس کا سلسلہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ جیسے جلیل القدر بزرگ سے ملتا تھا۔ حضرت گیسو درازؒ کا مزار ہونے کے سبب گلبرگہ کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ لوگ دُور دراز سے جوق در جوق اُن کے مزار پر حاضری دینے آتے تھے جہاں فیض عام کا سلسلہ جاری تھا۔

سیّد کے حوالے سے مجھے شاردا یاد آئی، وہ ایک پنڈت کی لڑکی تھی، میں نے اُسے اغواء کرکے بدری نرائن کو اُس کی کمینگی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔ بعد میں وہ مجھ سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنے گھر جانے سے انکار کردیا، میں شاردا اور شبن خان کو ناگپور سے لے کر گلبرگہ کی طرف جارہا تھا جب سیّد ایک اسٹیشن پر ڈبے میں آگیا۔ میں اُس سے کئی بار متبرک لاٹھی مانگ چکا تھا، ہر بار اُس مردقلندر نے مجھے دھتکار دیا۔ لیکن اُس روز شاردا کے عوض اُس نے وہ لاٹھی مجھے دے دی۔ پریتم لال نے کہا تھا کہ اگر وہ اپنی زندگی کی تمام ریاضتوں اور اپنی کمائی ہوئی ساری قوتوں کے بدلے وہ لاٹھی حاصل کرسکتا تو بھی سودا مہنگا نہ ہوتا۔

میں سیّد مجذوب کے خیال میں گم لاٹھی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا جب مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں خوابگاہ میں تنہا نہیں ہوں، کوئی اور بھی ہے۔ مجھے سروجنی کا شبہ ہوا۔ وہ اکثر راتوں میں اُٹھ کر میری خیریت دریافت کرنے آجاتی تھی۔ میری خوابگاہ میں دو دروازے تھے، ایک باہر لاؤنج میں کھلتا تھا، دوسرا سروجنی کے ڈریسنگ رُوم میں کھلتا تھا۔ لاؤنج کا دروازہ سروجنی خود اپنے ہاتھ سے بند کرکے دوسرے دروازے سے جاتی تھی۔ یہ اُس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ میں نے نظریں گھما کر اطراف کا جائزہ لیا لیکن وہاں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ خوابگاہ میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی موجود تھی، میرا خیال انکارانی کی طرف گیا۔ شاید وہ کہیں آس پاس موجود ہو، میرے سر پر آنے سے ہچکچا رہی ہو۔ میرے سر سے اُترتے وقت اُس کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ میرا دل پسیجنے لگا۔

''انکارانی......'' میں نے سرگوشی کی۔ ''جو کچھ ہوا اُسے فراموش کردو، جہاں محبت شدت اختیار کرجائے وہاں چھوٹی موٹی غلط فہمیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ یہ رنجشیں ایک دوسرے کی چاہت کا ثبوت ہوتی ہیں۔ تم اگر کہیں قریب ہوتو میرے سر پر آجاؤ۔ میں تم سے کھل کر کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، مجھے زیادہ دیر کے لئے تنہا مت چھوڑو، تنہائی کا احساس انسان کو ڈسنے لگتا ہے، وہ بھٹک جاتا ہے، میری بات غور سے سن لو، میں یہاں خود کو نظربند محسوس کررہا ہوں، اب نکل چلو یہاں سے، جو ہونا ہے اسے میں یا تم کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تم نے کہا تھا کہ گروپرتاپ کو بھی اُس کے کئے کی سزا بھگتنی ہوگی، وہ بھی ضرور واقف ہوگا کہ دُرگا اُسے میری مدد کرنے کے جرم کی پاداش میں معاف نہیں کرے گی، پھر بھی وہ میری آگ میں کود

پڑا۔ اُس نے دُرگا کا پجاری ہونے کے باوجود اس کی پرواہ نہیں کی، پریتم لال کی دوستی کی خاطر خطروں کے سمندر میں چھلانگ مار دی۔ میں کیوں چوروں کی طرح چھپا بیٹھا رہوں......؟ میری بات سن رہی ہو؟ سمجھ رہی ہو میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں......؟''

دوسری سمت سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں تلملا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں پہلے ہی مضطرب ہوں، مجھے اور پریشان مت کرو۔'' میں نے اس بار قدرے اُونچی آواز میں کہا۔ ''میری وحشتوں کا چھپ چھپ کر تماشہ مت دیکھو۔ میرے اعصاب چٹخنے لگے ہیں، سن رہی ہو انکارانی، میں اب زیادہ دنوں برداشت نہیں کرسکتا۔ پریتم لال نے تمہیں ہر قیمت پر میری حفاظت کرنے کی ہدایت کی ہے، تم اس کی پابند ہو۔ لیکن میرے اُوپر ایسی کوئی بندش نہیں ہے، تمہیں پریتم لال کی پراسرار شکتیوں کا واسطہ، اپنے زہریلے پنجوں کو میرے سر میں چبھونے کی کوشش مت کرنا، اگر تم بھی دُرگا کے عتاب سے خوفزدہ ہو تو بے شک مجھ سے دُور رہو۔ لیکن میری ایک بات کان کھول کر سن لو، اگر تم نے میرا راستہ روکنے کی غلطی کی تو پھر ہمارے درمیان برسوں کی رفاقت ختم ہو جائے گی۔ مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ میں کئی بار موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کی سوچ چکا ہوں۔ کبھی کلدیپ نے اپنی قسم دے کر میرے پیروں میں زنجیر پہنا دی، کبھی تم نے اپنے پنجوں کی کربناک چبھن سے مجھے گھپ اندھیروں میں دھکیل دیا، کبھی پریتم لال نے درمیان میں آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ لیکن آتش فشاں کے اُبلتے لاوے کو زیادہ عرصہ نہیں روکا جاسکتا، اس پر بند نہیں باندھے جاسکتے۔ میری دیوانگی حد کو پہنچ رہی ہے، تم میرے قدموں میں سادھنا کی دوشیزگی کی بیڑیاں ڈالنے کے خواب دیکھ رہی ہو۔ سروجنی میرے راستے کا پتھر نہیں بن سکتی۔ اگر تم کو آنا ہے تو میرے سر پر واپس آجاؤ ورنہ آج رشتے کی تمام بندشیں ہمیشہ کے لئے ختم کردو......''

''کس کو آوازیں دے رہا ہے؟ کیوں ریگستانی اُونٹ کی طرح پانی کے لئے بلبلا رہا ہے......؟ بھونکنا بند کردے بدبخت......''

کمرے میں ایک مانوس آواز گونجی۔ میں پاگل ہوگیا۔ میں نے جنونی انداز میں پلٹ کر دیکھا، وہ لاؤنج میں کھلنے والے دروازے سے ٹیک لگائے بڑی بے نیازی سے پاؤں پھیلائے بیٹھا مجھے گھور رہا تھا۔ وہ وہم نہیں ہوسکتا تھا...... میری نظروں نے سیّد مجذوب کو

پہچاننے میں دھوکہ نہیں کھایا تھا......!

اُس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی، کپڑے پھٹے ہوئے اور گرد آلود تھے۔ سر کے بال خودرو جھاڑیوں کی طرح بکھرے بکھرے تھے، انہیں برسوں سے کنگھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اُس کے تلوؤں میں مٹی کی تہیں جمی نظر آرہی تھیں، ایڑیوں کی دراڑیں بھی بہت واضح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ جسم کا لباس بھی خستہ تھا جس میں لگے مختلف رنگوں کے پیوند اپنا رنگ پھیکا کر چکے تھے۔ لیکن اُس چہرے پر ایک جلال موجود تھا۔ اُس کی نگاہیں اُجلے، نادر و نایاب ہیروں کی مانند چمک رہی تھیں۔ بظاہر اپنی اُجڑی کیفیت میں بھی وہ بادشاہ لگ رہا تھا، ایک عجیب سی پُروقار بے نیازی سے سرشار نظر آرہا تھا۔

سیّد مجذوب کو سامنے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنوں میں اُبال آنے لگے، میری پلکوں نے جھپکنا بند کردیا، بڑی مدتوں کے بعد اُس کی دید کی لذتوں سے فیض یاب ہوا تھا، اندیشہ تھا کہ کہیں میں آنکھیں بند کروں، وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوجائے۔

''کتنے میں خریدا یہ عالیشان کاٹیک؟'' سیّد نے دیدے نچا کر خوابگاہ پر ایک اچٹتی نظر ڈالی۔ ''بڑے ٹھاٹھ نظر آرہے ہیں۔''

''پیرومرشد......'' میں نے ہاتھ جوڑ لئے۔ ''میری رہبری کرو، میں اُلجھ گیا ہوں۔''

''سر پر کنگھی کیا کر، غٹرغوں کی آواز سے پیٹ نہیں بھرتا۔''

''تم میرے محسن ہو سیّد......'' میں نے بسورتے ہوئے کہا۔ ''میں دُرگا کی قوتوں کے شکنجے میں جکڑ گیا تھا، تم نے ہاتھ تھام کر اُس دلدل سے نہ نکالا ہوتا تو میں......''

''نکاح پڑھوا رہا ہے؟'' سیّد دیدے نچاتے ہوئے بولا۔ ''ایجاب وقبول کے چکر میں پڑا تو گھن چکر بن جائے گا، نظر لگ جائے گی۔''

''آج مجھے مایوس مت کرنا...... مجھے راستہ نہیں مل رہا، تم میرا ہاتھ تھام لو......''

''آنکھ مچولی کھیلنا بند کردے، اوندھا ہوجا۔''

''تم نے پھر اشارے کنایوں میں باتیں شروع کردیں۔'' میں نے گڑگڑا کر کہا۔ ''میرا دم گھٹ رہا ہے سیّد...... میری اُنگلی پکڑ کر کسی راستے پر لگادو۔''

''آج تیری بلبل نہیں دکھائی دی......'' سیّد نے معنی خیز انداز میں گردن کو جنبش دی۔ ''ہوگئی پھُر......''

"وہ بھی اب بات بات پر مجھ سے رُوٹھنے لگی ہے......" میں نے شکوہ کیا۔

سیّد نے میرا جواب سن کر قہقہہ لگایا۔ اُس کے قہقہے میں طنز تھا، نفرت تھی، حقارت تھی۔ وہ دیر تک پیٹ پکڑے قہقہہ لگاتا رہا۔ پھر یکلخت خاموش ہو کر اس طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے کوئی آہٹ سن رہا ہو۔ پھر ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر بڑی مدھم آواز میں بولا۔

"شش...... شش...... کوئل سو رہی ہے، جاگ گئی تو لٹو گھومنے لگے گا۔ اسی کے قدموں میں پڑا رہ، باقی سب بھول جا......"

"تمہیں خدا کا واسطہ سیّد، آج مجھے مایوس مت کرنا......" میں نے انکساری سے کہا۔

"نقب لگا...... ڈبکی مار دے...... ناک دبی رکھنا" وہ سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "کوئی جگنو پکڑ لے، اُس سے آنکھیں لڑایا کر......"

"میں اس قید سے رہائی کا خواہشمند ہوں۔" میں نے کھل کر بات کرنی چاہی۔

"رُوئی کو دھنکی لگ جانے دے...... گھانٹھیں کھل جائیں گی۔" اُس نے بڑی رازداری سے جواب دیا، پھر داڑھی کھجلانے لگا۔

"میں تمہاری باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں، مجھ سے کھل کر بات کرو پیر و مرشد۔" میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔

"لوٹن کبوتر کی طرح قلابازی کھانی شروع کر دے...... لاٹھی چلانا سیکھ لے۔"

"سیّد۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "پریتم لال کہتا تھا کہ تمہاری لاٹھی میں طاقت کے ہزاروں خزانے پوشیدہ ہیں۔ میرے لئے اور کچھ نہیں کر سکتے تو مجھے اس لاٹھی کے تمام راز سے ہی آگاہ کر دو۔" میں نے منت کی۔

"پھر سٹہ کھیلنا شروع کر دیا......؟" اُس کی آنکھیں پٹپٹانے لگیں۔ "جواری، شرابی، کبابی......"

"میں اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا چراغ گل کر دوں گا۔" میں نے اُلجھ کر کہا۔

"دھواں بن کر اُڑ جائے گا......" سیّد نے مجھے چبھتی نظروں سے گھورا۔

"پھر کیا کروں......؟" میں جزبز ہونے لگا۔

"اُلٹا کھڑا ہو جا...... ٹھمکے لگانا بند کر دے۔"

"سیّد، تمہیں حضرت گیسو دراز کی قسم۔" میں نے تنگ آ کر کہا۔ "میری رہنمائی کر دو۔"

جواب میں سیّد کی آنکھوں میں شعلے رقص کرنے لگے، حضرت گیسو دراز کا نام سن کر اُس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا، پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا پھیل گیا۔ وہ مجھے مایوس کر گیا...... لیکن نہیں۔ اُس نے اپنے ڈھکے چھپے جملوں میں میری رہنمائی کرنے کی کوشش ضرور کی ہو گی، میری بہتری منظور نہ ہوتی تو وہ آنے کی زحمت کیوں گوارا کرتا؟ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ تھا، شاید اُسے کھل کر کہنے کا اختیار نہیں تھا۔ میں ہی نا سمجھ تھا جو اُس کے رمزو اشاروں کی تہہ تک غوطہ لگانے سے قاصر تھا، اُس کی باتوں کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

میں بڑی دیر تک سیّد کی باتوں پر غور کرتا رہا، میری وحشتیں جنون کی سرحدوں کو چھونے لگیں۔ میں نے سروجنی کے اپارٹمنٹ سے جانے کی ٹھان لی۔ سروجنی والے دروازے پر دستک دینا بیکار تھا۔ وہ میرے راستے کی دیوار بن جاتی۔ میں کچھ سوچ کر آگے بڑھا، لاؤنج والے دروازے کی کنڈی کھول کر باہر آ گیا۔ سیّد کی لاٹھی میرے ساتھ تھی۔ میں باہر جانے والے راستے کی سمت قدم اُٹھانے لگا...... مجھے معلوم تھا کہ باہر کی کھلی فضا میرے لئے کس قدر زہر آلود تھی، پولیس کے شکاری کتے گلی کوچوں میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ وہ کہیں نہ کہیں، کسی گلی میں، کسی کوچے میں، کسی بازار میں مجھے ضرور دبوچ لیتے، مجھے پھر اذیتوں سے گزرنا پڑتا۔ اُن کے پاس بظاہر میرے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا لیکن اس کے باوجود وہ مجھے آزاد فضا میں سانس لینے کی اجازت کبھی نہ دیتے۔ انکا نے بھی کہا تھا کہ میں باہر قدم نکالنے سے گریز کروں۔ اُس نے بتایا تھا کہ روی شنکر نے وقتی طور پر اپنی کچھ نجی کمزوریوں کے سبب مرلی کی بات مان لی تھی، لیکن وہ بھی کسی موقع کی تلاش میں تھا۔ میں مرلی کے گھر سے باہر کہیں پکڑا جاتا تو روی شنکر کہہ سکتا تھا کہ اس نے صرف مرلی کے اپارٹمنٹ کی حدود تک چشم پوشی کی ضمانت دی تھی۔ میں بھی حالات کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ گرو پرتاپ کوئی چھوٹا موٹا پنڈت نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ دُرگا کی آواز کو نظر انداز کرنے کی جسارت کبھی نہ کرتا، انکا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ گرو پرتاپ کو بھی اس کی نافرمانی کی سزا ضرور ملے گی۔

پولیس کمشنر اور بڑے پنڈتوں نے دُرگا کے پجاریوں کو نہ سمجھا ہوتا تو شاید ابھی تک وہ بمبئی کی شاہراہوں پر دھرنا جمائے بیٹھے ہوتے۔ کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کی اوپر

تلے موت کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔ اخباروں نے بڑ
ضرور بڑے بڑے اداریئے تحریر کیئے ہوں گے، پولیس اور قانون کی ناکامی کی دھجیاں بکھیر
ہوں گی، ابھی تک میری گرفتاری کے مطالبے پر زور دیا جارہا ہوگا۔ حکومت کی جانب
وضاحتی بیانات بھی شائع ہو رہے ہوں گے، انکا کی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ روی شنکر اگ
موقع کی تلاش میں تھا تو اُس نے اپنے اعتماد کے آدمیوں کو چوپاٹی کے ایک ایک چپے
نگرانی پر مامور کر رکھا ہوگا۔ عین ممکن تھا کہ میں عمارت سے باہر قدم نکالتے ہی دھر لیا جاتا
میری گرفتاری کے بعد سروجنی بھی سوائے پھڑ پھڑانے کے اور کیا کر سکتی تھی۔ بات کسی ایک
آدمی کی ہوتی تو شاید اُس کے گداز بدن کے نشیب و فراز میری سفارش کے کام آ جا
لیکن وہ جمیل احمد خان کے سلسلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ہندوستان کے تما
پنڈت پجاریوں کو جمیل احمد خان کی تلاش تھی، وہ ایک عرصے سے میری گھات لگائے بیٹھ
تھے۔ پنڈت نول کشور ہردوار میں بیٹھا اپنے چیلوں کے ذہنوں میں میرے خلاف زہر بھر
تھا۔ بدری نرائن اور امر لال کی موت کا فسانہ ابھی تک اُن کے خیالوں میں گونج رہا ہوگا
چندرا نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ مجھ سے اپنے باپ کا انتقام نہیں لے گا کسی صنف
نازک کے بدن کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ بدری نرائن کے واقف کاروں نے بھی اُس کی چتا کی
راکھ ایک لٹیا میں محفوظ کر رکھی تھی۔ اُنہوں نے بھی کالی کے مندروں میں بیٹھ کر دیو
دیوتاؤں کو وچن دیا تھا کہ میرا جنازہ قبر میں اُتارنے کے بعد ہی بدری نرائن کی راکھ
آخری رسومات کی ادائیگی کے فرض سے سبکدوش ہوں گے۔

سروجنی، انکارانی کے زیرِ اثر تھی۔ اُسی کی فراہم کردہ معلومات کی وجہ سے میں نے مر
کو بے دام غلام بنالیا تھا۔ ورنہ بات کب کی بگڑ چکی ہوتی۔

میں بچہ نہیں تھا کہ وقت کی نزاکت اور حالات کی سنگینی کو نہ سمجھ پاتا۔ لیکن مقدر کے لکھ
کو مٹانا بھی میرے اختیار میں نہیں تھا، میں تمام مصلحتوں سے واقف تھا لیکن کسی اندرو
وحشت نے مجھے بیٹھے بٹھائے ورغلا دیا تھا...... یہ وحشتیں، جنون کی یہ باتیں نہ ہوتیں تو لم
چوڑی کہانیاں اور افسانوی سلسلے کبھی جنم نہ لیتے، بات ایک لائن میں ختم ہو جاتی...... ''ایک
تھا راجہ، ایک تھی رانی، دونوں مر گئے ختم کہانی'' ...... آگے تمام شد لکھ دیا جاتا۔ کیا ضرورت
تھی یہ بتانے کی کہ راجہ کون تھا؟ کہاں پلا بڑھا تھا؟ کیسے پروان چڑھا تھا؟ راج گدی تک

پہنچنے کی خاطر اُسے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے تھے؟ رانی کس ماحول کی پروردہ تھی؟ راجہ کے دل میں اُترنے کی خاطر کن حالات اور واقعات نے اُس کی قسمت کی یاوری کی تھی؟ دونوں کی شادی کے سلسلے میں کیا کیا پیچیدگیاں اور دُشواریاں پیش آئی تھیں؟ پھر راجہ کا من موہ لینے کے بعد رانی نے سارے راج پاٹ اور سنگھاسن پر کس طرح قبضہ جمایا تھا......؟ وہ نور جہاں کس طرح بن گئی......؟ اکبر نے راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے کی خاطر جودھا بائی سے شادی کرلی لیکن جہانگیر کی محبت پر پہرے بٹھا دیئے گئے، انارکلی کو دیوار میں کیوں چنوا دیا گیا تھا؟ کوئی نہ کوئی راز تو ہوگا؟ وہ راز کھل جاتا تو ایک اور کہانی وجود میں آ جاتی، یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوتا، بات سے بات نکلتی رہتی، فسانوں میں جوڑ و پیوند لگتے چلے جاتے۔ لیکن جب قدرت کا اشارہ ہو جاتا تو تمام ادیبوں اور مصنفوں کے قلم رُک جاتے، سارے کلی پھندنوں کا ذخیرہ ختم ہو جاتا...... ترکی تمام ہو جاتی......!!

میرے سلسلے میں بھی مقدر کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ میں اس اشارے کو کس طرح ٹال سکتا تھا......؟

میں سینہ تانے قدم بڑھاتا اپارٹمنٹ کے خارجی دروازے پر پہنچا تو مضبوط اور مقفل دروازے نے مزاحمت کی کوشش کی۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو دروازے پر ٹکا کر آہستہ سے دباؤ ڈالا تو دروازہ اپنی جگہ سے ہل گیا، قفل ایک کھٹکے کی آواز سے کھل گیا۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر قدم نکالنے کی کوشش کی۔

''ہینڈز اپ......'' کسی نے پشت سے للکارا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا، مرلی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس ریوالور تانے کھڑا تھا۔ شاید دروازے کی چرچراہٹ اور قفل کے کھٹکے کی آواز نے اُسے بیدار کر دیا تھا۔ مجھے پہچان کر اُس نے ریوالور نیچا کر لیا، تیزی سے میرے قریب آ کر حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''مہاراج...... تم اس سمے کہاں جا رہے ہو......؟''

''مرلی......'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میں نے تم سے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ مجھے جیل پہنچا دو۔ تم نہیں سمجھ سکو گے، لیکن میں جانتا ہوں اب تمہارا اپارٹمنٹ بھی میرے لئے محفوظ نہیں رہا، گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے، میں ایسا نہیں چاہتا۔''

''مجھے بتاؤ مہاراج، تم کو کس بات کا خطرہ ہے......؟''

"وقت مت ضائع کرو، میری بات مان لو۔ اسی میں سب کی بھلائی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن سروجنی......"

"میں اُسے بعد میں سمجھا لوں گا...... جلدی کرو، میرے پاس سے کم ہے۔"

"ایک منٹ ٹھہرو مہاراج، میں لباس بدل لوں۔" مرلی نے درخواست کی۔ لیکن م
نے اُسے منع کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ لباس بعد میں تبدیل کرے گا، پہلے سروجنی کو بیدا
کے میرے جانے کی اطلاع دے گا۔ سروجنی کے علاوہ انکا کو بھی میرے جانے کی بھنک
جاتی تو بات بگڑ جاتی۔ وہ میرے سر پر آ کر اپنے پنجوں کے نشتر لگاتی، میں پھر سے بے
ہو جاتا۔

"لباس کی فکر مت کرو۔" میں نے کہا۔ "تم اسی لباس میں باہر کا راؤنڈ لینے نکلے
اتفاق سے تم نے مجھے مشتبہ حالت میں دیکھ کر پیچھا کیا۔ میں نے فرار ہونے کی کوشش کی
کامیاب نہ ہو سکا۔ سمجھ رہے ہو میری بات؟ یہ کہانی زیادہ موثر ثابت ہوگی...... جلدی کرو"

مرلی ہچکچا رہا تھا۔ پھر اُس کی نظریں دروازے کی ہلی ہوئی چولوں پر پڑیں تو اُس
آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تم سامنے نہ آجاتے تو میں پورا دروازہ اُکھاڑ کر ایک طرف رکھ دیتا۔" میں جھلا
بولا۔ "میری بات مان لو ورنہ وقت گزرنے کے بعد ایک بھاگے ہوئے مجرم کو ا
اپارٹمنٹ میں پناہ دینے کے جرم میں تمہاری وردی بھی اُتر جائے گی۔"

مرلی نے بالآخر میری بات مان لی۔ میں نے اُسے خوابگاہ میں جانے کا موقع نہیں
وہ بھی دروازے کا انجام دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا، اسی لباس میں میرے ساتھ نیچے آ
گیراج سے گاڑی نکالی، مجھے لے کر تھانے کی سمت روانہ ہو گیا۔ لیکن اُس کے چہر
ابھی تک اُلجھن اور پریشانی کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ اُسے مجھ سے زیادہ سروجنی کا
لاحق تھا۔

"ایک بات کا دھیان رکھنا۔" میں نے اُسے یاد دلایا۔ "میری لاٹھی مجھ سے
جائے، تم کوئی بھی بہانہ کر سکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ماتحت تمہارا حکم ماننے سے
نہیں کرے گا۔"

"حالات بدل چکے ہیں مہاراج......" مرلی نے کسمسا کر جواب دیا۔ "ماتحت سا

ہوتے ہیں تو دُم ہلاتے رہتے ہیں، اکیلے میں افسروں کی ماں بہن ایک کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے......"

"انہیں کسی طرح سمجھا دینا۔" میں نے دوبارہ زور دے کر کہا۔ "لاٹھی مجھ سے لے لی گئی تو میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے سکون سے نہیں رہ سکوں گا۔"

"اس لاٹھی میں ایسی کیا بات ہے؟" اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"واپسی میں ایک بار پھر اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے کو غور سے دیکھنا۔" میں نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ "تمہیں خود ہی اپنے سوال کا جواب مل جائے گا۔"

رات سنسان اور ویران تھی، سڑکوں پر برائے نام گاڑیاں نظر آ رہی تھیں، پولیس کی ایک سائرن کار دُور سے شور مچاتی ہماری جانب لپکی لیکن قریب آ کر انہوں نے مرلی کی گاڑی شناخت کی تو خاموشی سے آگے نکل گئی۔

"دیکھ رہے ہو مرلی؟" میں سپاٹ لہجے میں بولا۔ "ایک ہفتہ گزر گیا، لیکن ابھی میری تلاش جاری ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا اندازہ درست ہو۔ لیکن رات کے وقت جرائم پیشہ افراد کی وجہ سے پولیس زیادہ چوکس رہتی ہے، آج کل دہشت گردی کی وارداتوں میں بھی اضافہ ہونے لگا ہے۔"

"روی شنکر سے بگاڑ مت کرنا۔ لیکن اُسے اپنے من کے کسی بھید سے بھی آگاہ مت کرنا۔" میں نے اُس کی بات نظر انداز کر کے کہا تو وہ چونکا۔

"میں سمجھا نہیں مہاراج......؟"

"وہ اوپر سے جتنا شانت نظر آتا ہے، اندر سے اتنا ہی کھوٹا بھی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "میں دیکھ چکا ہوں کہ اُس کے سادہ لباس والے روز بروز اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے، کسی نہ کسی بہانے اُس کے آدمی تمہارے گھر میں آجاتے۔ میں تمہارے اپارٹمنٹ میں گرفتار ہوتا تو تم بھی لپیٹ میں آجاتے۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔"

تھانہ قریب آنے لگا تو مرلی نے میری ہدایت پر میرے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے باندھ دیئے۔ ایسا کرتے ہوئے اُس کی حالت قابل دید تھی۔ میں اُس کے دل کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔

''میری کوئی چنتا مت کرنا بالک......'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔ ''میں دو ہفتے ے
زیادہ پولیس کا مہمان نہیں رہوں گا، ابھی ستارے گردش میں ہیں، لیکن سے گزرتے د
بھی نہیں لگتی۔''

مرلی اثبات میں گردن ہلاتا رہا، تھانے کے دروازے پر کھڑے سپاہی نے جھپٹ
پھاٹک کھول دیا۔ مرلی ڈریسنگ گاؤن میں نیچے اُترا تو کئی سپاہی موقع کی نزاکت بھانپ
اندر کی طرف بھاگے، تھانے کا انچارج انسپکٹر بلبیر وردی ٹھیک کرتا ہوا باہر آ گیا۔ اُسے شا
سوتے سے بیدار کیا گیا تھا، نیند کا خمار ابھی تک اُس کی نظروں سے جھانک رہا تھا۔ مر
کے قریب آ کر اُس نے بڑا زوردار سیلوٹ مارا، پھر حیرت سے بولا۔

''سر...... آپ اس سمے...... اس لباس میں......؟''

میں ابھی تک گاڑی میں بیٹھا تھا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میری گود میں پڑی تھی۔ مرلی۔
بلبیر سے کچھ کہا تو وہ اُچھل پڑا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا، پل بھر میں مسلح سپاہیو
نے گاڑی کو گھیرے میں لے لیا۔ مرلی، بلبیر کو دکھانے کی خاطر سینہ تان کر آگے بڑھا، گاڑ
کا دروازہ کھول کر اُس نے مجھے نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ اُس کی کیفیت بتا رہی تھی کہ ا
وقت وہ بڑے مشکل مراحل طے کر رہا تھا۔ میں آہستہ سے نیچے اُترا اور دانستہ طور پر لڑکھڑا
گرتے گرتے بچا۔ سیّد کی لاٹھی گود سے پھسل کر زمین پر جا گری۔

''خبردار......'' بلبیر نے اپنا سروس ریوالور مجھ پر تان لیا۔ ''اگر چالاکی دکھانے کی حما
کی تو پورا شریر چھلنی کر دوں گا۔''

''جب میں نے اسے للکارا تو یہ بھاگا تھا، لیکن پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے لنگڑا رہا ہ
اسی لئے مجھے زیادہ دُشواری نہیں ہوئی۔'' مرلی نے میرے لڑکھڑانے کا مقصد سمجھ کر کہا۔ ''
لاٹھی شاید اس نے......''

''یو ڈونٹ وری سر......'' بلبیر درمیان میں بول پڑا۔ ''میں اس کو اسی لاٹھی کا ایسا جلا
دُوں گا کہ سارا کھایا پیا اُگل دے گا۔''

جواب میں مرلی نے مسلح سپاہیوں کو میری طرف سے ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا، پھر بلب
کو ساتھ لے کر تھوڑے فاصلے پر چلا گیا۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ بلب
ایک سخت گیر طبیعت کا خبیث پولیس آفیسر ہے۔ مرلی شاید اُسے میرے سلسلے میں

سمجھانے کی خاطر ایک طرف لے گیا تھا۔ میں پولیس کے درمیان گھرا خاموش کھڑا رہا۔
مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مرلی اور بلبیر دونوں بات کرتے ہوئے میرے قریب آ
گئے۔ بلبیر مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

''میری ایک بات دھیان سے سن لو جمیل احمد خان......'' مرلی نے مجھے سرد لہجے میں
مخاطب کیا۔ ''جب تک تمہیں جیل کسٹڈی میں نہ دیا جائے زیادہ اُچھل کود دکھانے کی
حماقت نہ کرنا۔ میں نے انسپکٹر بلبیر کو تمہارے بارے میں ضروری ہدایت کر دی ہے۔ تم نے
ذرا چالاک بننے کی غلطی کی تو ہم تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنانے میں دیر نہیں لگائیں گے......
سمجھ رہے ہو میری بات......؟''

میں نے جواب میں ہونٹ چبانا شروع کر دیئے۔ مرلی زیادہ دیر نہیں رُکا، اُس کے
جانے کے بعد پولیس کے ارکان بلبیر کے اشارے پر مجھے گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے۔ مجھے
آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل کر قفل لگا دیا گیا۔ دو رائفل بردار پوزیشن لے کر کھڑے ہو
گئے۔ بلبیر، سیّد کی لاٹھی ہاتھ میں لئے اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، پھر بڑی حقارت سے بولا۔

''مرلی کہہ رہا تھا کہ میں یہ لاٹھی تیرے پاس رہنے دُوں۔ کیا کرے گا اس لاٹھی سے؟''

''میرے گھٹنوں میں تکلیف ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ ''یہ لاٹھی میری
ضرورت ہے۔''

''فکر مت کر...... ہم تیری ساری ضرورتیں پوری کر دیں گے، لیکن ایک شرط پر۔'' بلبیر
کی خوفناک نظروں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ ''تو ہمیں سب کچھ بتا دے...... سو فیصدی
سچ سچ...... ہیر پھیر کرے گا تو یہی لاٹھی......'' وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر بیہودہ اشارے کرنے لگا۔
اُس کے تیور خطرناک تھے، مرلی نے یقیناً اُس سے میرے سلسلے میں نرم رویہ اختیار کرنے
کی بات کی ہوگی، اُسے کسی طرح رضامند کر لیا ہوگا کہ سیّد کی لاٹھی کو میرے پاس رہنے دیا
جائے۔ لیکن مرلی کے جاتے ہی بلبیر نے اپنا اصلی رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے
فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، خاموش کھڑا بلبیر کو نگاہوں نگاہوں میں تولتا رہا۔

''کیا دیکھ رہا ہے؟'' اُس نے بڑے بازاری انداز میں پوچھا۔ ''کیا پہلے اپنے باپ کو
کبھی نہیں دیکھا تھا؟''

''تم......'' میں نے برداشت کا مظاہرہ کیا۔ ''تم مجھ سے کیا اُگلوانا چاہتے ہو......؟''

"پنڈت کالی داس کیسے مرا تھا......؟"

"مجھے نہیں معلوم......" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"پنڈت اوم پرکاش کا نام سنا ہے کبھی......؟"

"نہیں......" میں بولا۔ "میں مسلمان ہوں، پنڈت پجاریوں سے میرا کیا لین دین؟"

"ایک ہفتے سے کہاں چھپا بیٹھا تھا......؟" بلبیر نے پھنکارتے ہوئے دریافت کیا۔
"بمبئی کی ساری پولیس مل کر بھی تجھے نہیں تلاش کر سکی اور ڈپٹی مرلی نے تجھے چوہے
طرح پکڑ لیا...... اصل چکر کیا ہے؟ سیدھی طرح اُگل دے ورنہ تیری کھاٹ کھڑی کر دُوں
گا۔ صبح تک تیرا حلیہ اتنا بگڑ چکا ہوگا کہ مرلی بھی نہ پہچان سکے گا۔"

"مجھے ایک سادہ کاغذ اور قلم لا دو......" میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں
دستخط کے ساتھ ساتھ انگوٹھا بھی لگا دُوں گا، تم جو چاہے لکھ لینا......"

بلبیر اس طرح بھڑک اُٹھا جیسے پٹرول کے کنوئیں میں کسی نے جلتی ہوئی تیلی اُچھال
دی ہو۔

"بھڑوے...... حرامی...... سور کی اولاد......" وہ حلق کے بل چلایا۔ "انسپکٹر بلبیر کا مذاق
اُڑانے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"آپ اپنی زبان کیوں خراب کرتے ہو صاحب؟" ایک ہٹے کٹے سنتری نے بلبیر سے
کہا۔ "مجھے ایک موقع دو، میں ابھی اس مُسلے کو ٹھونک بجا کر لکڑی کی طرح سیدھا کر دُوں
اس کی زبان فرفر چلنے لگے گی...... یہ کیکر کے بیج آسانی سے زبان نہیں کھولتے......"

بلبیر نے کوئی جواب نہیں دیا، غضبناک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔

"میں تجھے دو منٹ کی مہلت دیتا ہوں...... سچ سچ بتا دے کہ تیری اور ڈپٹی مرلی کی
سانٹھ گانٹھ ہے؟"

"تم بار بار کس ڈپٹی کی بات کر رہے ہو......؟" میں نے انجان بننے کی کوشش کی
"میں مرلی کا نام تمہاری زبان سے پہلی بار سن رہا ہوں۔"

بلبیر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔

"نرائن...... پرشوتم...... جوکھیا...... شیکھر، تم چاروں مل کر اس حرامی کی دھنائی شروع
دو۔" اُس نے اپنے اِردگرد موجود سپاہیوں میں سے چار کا انتخاب کیا۔ "اتنا مارو سالے کو

ٹی نکل پڑے کنجر کے اولاد کی......"

بلبیر، سیّد کی لاٹھی ہاتھ میں لئے کھڑا غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ اُس کے حکم کی
پیروی میں لاک اپ کا قفل کھول دیا گیا۔ چار سپاہی اندر گھس کر مجھ پر ٹوٹ پڑے، انہوں
نے مجھے زمین پر گرانے میں دیر نہیں لگائی، میں نے مزاحمت کی کوشش نہیں کی، البتہ سر
بچانے کی خاطر دونوں ہاتھ چلانے لگا۔ وہ میرے جسم پر جوتوں سے ٹھوکریں مار رہے تھے،
سب تجربہ کار تھے، انسان کی ایک ایک رگ، ایک ایک جوڑ سے واقفیت رکھتے تھے۔ میں
زمین پر پڑا بلبلاتا رہا۔ پچھاڑیں کھاتا رہا، بلبیر دُور کھڑا مجھے مغلظات اور فحش گالیوں سے
نوازتا رہا۔ میری حالت غیر ہونے لگی۔ ایک سپاہی کی ٹھوکر میرے بائیں ہاتھ کی کہنی پر لگی تو
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پریتم لال کی پُراسرار شکتی سے جڑا ہوا مصنوعی ہاتھ پھر ٹوٹ گیا،
میری چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ چاروں سپاہی مشینی انداز میں مجھے لاتوں اور
گھونسوں سے نواز رہے تھے...... میں ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہا تھا۔

"شیکھر......" بلبیر نے چیخ کر اُس ہٹے کٹے سپاہی کو مخاطب کیا جس نے میری کہنی پر
شدید ضرب لگائی تھی۔ "بہت آوازیں نکال رہا ہے یہ مُسلا...... اس حرامی کے منہ پر پیشاب
کر دے، پھر بھی آواز نکالے تو گلا دبا دینا...... مر جائے تو اس کی لاش اُٹھا کر ڈپٹی کے
اپارٹمنٹ کے باہر چھوڑ آنا۔ اُس ماں کے خصم نے بھی میرا حق مار کر ترقی حاصل کی تھی۔"

بلبیر نے غصے کے عالم میں مرلی کے ساتھ ساتھ سروجنی کی آوارگی کے قصے بھی بڑے
فحش انداز میں سنانے شروع کر دیئے۔ سپاہی اُس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے جب فون
کی گھنٹی بجی۔ بلبیر نے پلٹ کر میز پر رکھے فون سیٹ کی جانب دیکھا، پھر ہاتھ اُٹھا کر اشارہ
کیا تو ایک سپاہی نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر اتنی شدت سے دبایا کہ آواز کے ساتھ ساتھ
میرا دم بھی گھٹنے لگا۔ بلبیر نے آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھا لیا، اُس نے بڑی دبنگ آواز میں
"ہیلو" کہا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتے ہی ہکلانے لگا۔

"جی...... یس سر...... میں انسپکٹر بلبیر بول رہا ہوں...... جی سر...... جی سر...... آپ کی
انفارمیشن ٹھیک ہے سر...... جی سر...... میں سن رہا ہوں...... جی سر...... اوکے سر، میں حکم کی
تعمیل میں دیر نہیں لگاؤں گا...... مم، میں سمجھ رہا ہوں سر...... کسی کو کان و کان خبر نہیں ہوگی
...... رائٹ...... رائٹ سر......"

ریسیور رکھ کر وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا لاک اپ کے قریب آیا۔ شیکھر بدستور میرے منہ پر پورا زور دیئے چڑھا بیٹھا تھا۔

''شیکھر......'' اُس نے سرد لہجے میں حکم دیا۔ ''اس حرامی کو زیور پہنا کر میری پرائیویٹ کار میں لے جاکر بٹھا دے۔ سالے کا تھوڑا سا میک اپ بھی ٹھیک ٹھاک کر دے۔ اس کی بہن کے سسرال سے بلاوا آیا ہے......''

وقتی طور پر مجھے بے رحم جلادوں سے نجات مل گئی، مجھے ہتھکڑی پہنا کر لاک اپ سے نکالا گیا۔ چار سنگین بردار مسلح سپاہی میرے اِردگرد پوری طرح چوکس نظر آ رہے تھے۔ مجھے تھانے کے عقبی حصے میں کھڑی ایک کار میں پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ شیکھر نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر مجھ پر ریوالور تان لیا۔ وہ مجھے کہیں اور لے جا رہے تھے۔ کہاں......؟ مجھے علم نہیں تھا۔ دومنٹ بعد بلبیر نے آ کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا......!

شیکھر شاید بلبیر کے اعتماد کا آدمی تھا، اس کے سوا کسی اور کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ممکن ہے مسلح سپاہی کسی اور گاڑی میں بیٹھے ساتھ ساتھ چل رہے ہوں، مجھے اس کا بھی علم نہیں تھا۔ میرے ذہن میں بلبیر کی غلیظ گالیاں گونج رہی تھیں۔ مجھے انکارانی بڑی شدت سے یاد آ رہی تھی۔ وہ میرے سر پر ہوتی تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔ وہ بھی دُرگا کی آواز کی وجہ سے اکیس روز تک براہِ راست میری مدد نہیں کر سکتی تھی، لیکن دوسروں کو تگنی کا ناچ ضرور نچا سکتی تھی۔ میں نے اُسے سروجنی کے گھر سے رخصت ہونے کی اطلاع بھی نہیں دی، وہ اس وقت سروجنی کے بالوں کی سیج پر لیٹی خراٹے لے رہی ہوگی اور میں جلد بازی میں اُٹھائے ہوئے قدم کی سزا بھگت رہا تھا۔ دُرگا کے عتاب سے رہائی میں ابھی دو ہفتے باقی تھے۔ میں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ بلبیر کا حساب چکتا کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لوں گا۔

گاڑی کا سفر بیس منٹ تک جاری رہا۔ راستے میں بلبیر اور شیکھر کے درمیان مختصر سے دو ایک جملوں کا تبادلہ ہوا۔ بلبیر نے اُس سے کہا تھا کہ وہ اُس کے اعتماد کو کبھی دھوکہ دینے کی غلطی نہ کرے، جواب میں شیکھر نے اُسے یقین دلایا کہ وہ مرتے دم تک اُس کا وفادار رہے گا، گردن کٹوا دے گا لیکن زبان نہیں کھولے گا۔

بیس منٹ بعد گاڑی روک دی گئی، شیکھر نے پچھلا دروازہ کھول کر مجھے باہر نکالا، وہ

ایک پرانے طرز کی دومنزلہ عمارت تھی، میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ جان سکا۔ شیکھر نے ایک کر میری نظروں پر پٹی باندھ دی۔ میرے بائیں ہاتھ کی کہنی میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ شیکھر نے اُسی بازو کو تھام کر مجھے دھکا دے کر آگے بڑھایا۔ میں نے کئی جگہ ٹھوکریں کھائیں، گرتے گرتے بچا۔ اس کیفیت میں بھی میں لنگڑا لنگڑا کر چلتا رہا۔ میں اُنہیں باور کرانا چاہتا تھا کہ مرلی نے لاٹھی کی ضرورت کو میرے لنگڑے پن سے غلط منسوب نہیں کیا تھا۔

کئی موڑ درمیان میں آئے، مجھے سیڑھیاں بھی طے کرنی پڑیں۔ میری سیدھی کہنی کئی جگہ چکنی دیوار اور لکڑی کے دروازوں سے بھی ٹکرائی۔ پھر ایک جگہ مجھے روک دیا گیا، ہاتھوں کو پشت پر کر کے مجھے ہتھکڑیاں پہنائی گئی تھیں اس لئے مجھے زیادہ اُلجھن ہو رہی تھی۔

''تم اب باہر جا کر گاڑی میں میرا انتظار کرو۔'' بلبیر کی مدھم آواز اُبھری۔ ''ایک بار پھر تنبیہ کر رہا ہوں کہ اپنی زبان بند ہی رکھنا۔''

قدموں کی آواز اُبھر کر دُور ہوتی چلی گئی۔ شیکھر نے شاید اشارے میں جواب دیا تھا، مجھے اُس کی آواز نہیں سنائی دی۔

''جمیل احمد خان......'' ایک لمحہ بعد بلبیر نے میرا بازو تھام کر سرد لہجے میں کہا۔ ''تمہاری زندگی کے آخری لمحے قریب آ رہے ہیں۔ تم چاہو تو اپنی زبان سے سچ اُگل کر بچ بھی سکتے ہو......''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، بلبیر نے بھی دوبارہ کوئی بات نہیں کی، میرا ہاتھ تھامے خاموش کھڑا رہا۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چاروں طرف روشنیاں پھیل گئی ہوں۔ میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا، بلبیر نے دوسرے ہاتھ سے میری آنکھوں کی پٹی ایک جھٹکے سے ہٹا دی تھی۔

میں ایک مختصر سے کمرے میں کھڑا تھا جہاں ایک کرسی کے علاوہ فرنیچر نام کی کوئی دوسری شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ پہلی نظر میں مجھے وہ کمرہ کوئی ٹارچر سیل ہی محسوس ہوا جسے خطرناک مجرموں کی زبان کھلوانے کی خاطر کام میں لایا جاتا ہوگا۔ میں ابھی ماحول کا جائزہ لے رہا تھا کہ سامنے کا بند دروازہ کھلا اور میں حیرت بھری نظروں سے اُس شخص کو دیکھنے لگا جو شب خوابی کے لباس کے اُوپر ایک قیمتی گاؤن پہنے میرے سامنے کھڑا تھا...... وہ ڈی آئی جی روی

شنکر کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

بلبیر نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا، اٹینشن پوزیشن میں آ کر زوردار سیلوٹ کیا، پھر اشارہ پا کر اسی برق رفتاری سے اباؤٹ ٹرن ہوا اور لفٹ رائٹ کرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔ کمرے میں روی شنکر اور میں رہ گئے، کچھ دیر تک اُس کی عقابی نظریں میرے چہرے پر منڈلاتی رہیں، پھر اُس نے بڑے سلجھے ہوئے لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''تمہاری گرفتاری کس طرح عمل میں آئی......؟''

''مجرم اور قانون کی آنکھ مچولی کا سلسلہ ازل سے قائم ہے، ابد تک یوں ہی چلتا رہے گا۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''کبھی مجرم قانون کی نظروں میں دُھول جھونک کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، کبھی قانون حاوی ہو کر مجرم کی گردن دبوچ لیتا ہے۔ آج قانون کی خوش قسمتی اور میری بدنصیبی کا دن تھا۔ میں فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا، تمہارے ایک آفیسر نے ریوالور تان کر گرفتار کر لیا۔''

''تم شاید مرلی کی بات کر رہے ہو......؟'' ڈی آئی جی نے نفسیاتی انداز میں میری زبان کھلوانی چاہی، میں اُس کی ریاکاری تاڑ گیا۔ انکارانی بتا چکی تھی کہ روی شنکر نے مصلحتاً آنکھیں بند کر لی تھیں، وہ کسی موقع کی تلاش میں تھا۔

''میں اس......نام سے واقف نہیں ہوں۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''مجھے اپنا دشمن مت سمجھو۔'' اُس نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔ ''دشمن ہوتا تو ملاقات کے لئے تم کو اپنے دفتر بھی طلب کر سکتا تھا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، روی شنکر کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا۔

''انسپکٹر بلبیر نے تمہارے ساتھ غالباً کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا۔'' اُس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''جرم ثابت ہوئے بغیر کسی مشتبہ یا مشکوک آدمی پر تشدد کرنا پولیس کے ضابطہ اختیار میں نہیں آتا۔''

''مسٹر روی شنکر......'' میں نے زہرخند سے پوچھا۔ ''تم کو میری گرفتاری کی اطلاع کیسے مل گئی؟''

''میں ڈی آئی جی ہوں......'' اُس نے پینترا بدل کر جواب دیا۔ ''ہمارے اپنے بھی کچھ ذرائع ہوتے ہیں۔''

''مجھے اس وقت یہاں کس مقصد سے بلایا گیا ہے......؟''

''تم جانتے ہو کہ پنڈت کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کے قتل نے پنڈت پجاریوں کو آپے سے باہر کر دیا ہے۔ اگر پولیس کمشنر اور......''

''میں کسی پنڈت اور پجاری کو نہیں جانتا۔'' میں نے اُس کا جملہ کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔

''ہو سکتا ہے تم درست کہہ رہے ہو۔ لیکن پولیس کو بہرحال تمہاری ذات پر شبہ ہے۔'' روی شنکر کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ اُبھری، دبی زبان میں بولا۔ ''ابھی تم اعتراف کر چکے ہو کہ تمہیں فرار ہوتے ہوئے کسی نے گرفتار کیا تھا......''

''اب اگر میں یہ کہہ دُوں کہ میں بے گناہ ہوں، پولیس بلاوجہ مجھے پریشان کر رہی ہے، تو کیا تم یقین کر لو گے؟'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''تم مجھے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ اور مہذب شخص معلوم ہوتے ہو۔ پھر تم نے جرم کا راستہ کیوں اختیار کیا......؟'' اُس کے تیور میں نمایاں تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی۔

''میں کھل کر ایک بات کہوں......سنو گے؟''

''کہو......''

''تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو......'' میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ روی شنکر کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''کسی کی باتوں نے شاید تمہیں بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔'' اُس کے لہجے میں ترشی اُتر آئی۔ ''میرے پاس تمہارا پرانا ریکارڈ بھی موجود ہے، نہ ہوتا تب بھی میرا ایک اشارہ تمہارے لئے بہت کافی ہے......سمجھ رہے ہو میری بات؟''

''کیا قبول کرانا چاہتے ہو تم......؟'' اُس نے خشک آواز میں دریافت کیا۔

''تم پہلی فلائٹ سے لندن واپس چلے جاؤ۔'' وہ مٹھی بھینچ کر بولا۔ ''یہ سنہری موقع تمہیں دوبارہ نہیں ملے گا، شرط یہ ہے کہ تم اس ملک میں کبھی واپس نہیں آؤ گے۔''

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دُوں تو......؟''

''وقت ہاتھ سے نکل گیا تو زندگی بھر پچھتاؤ گے جمیل احمد خان۔'' اُس نے جھلا کر کہا۔ ''زندگی چاہتے ہو تو میری بات مان لو۔''

''پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے......؟''

اس بار روی شنکر نے جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہوں میں چنگاریاں چٹخنے لگیں، مجھ
حقارت سے گھورتے ہوئے اُس نے جھلا کر اپنا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کیا، دوسرے ہی
لمحے انسپکٹر بلبیر لفٹ رائٹ کرتا سامنے آ گیا۔

''سر......'' اُس نے قدم جوڑ کر روی شنکر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا حکم ہے؟''

''اسے انڈر گراؤنڈ کر دو......'' روی شنکر کے لہجے میں سفاکی تھی۔ ''کوشش کرو کہ یہ تی
روز کے اندر میری بات مان لے، انکار کی صورت میں تمہیں میری طرف سے مکمل اختیار ہ
گا...... ایک بات اور...... کسی سے خوفزدہ یا مرعوب ہونے کی کوشش مت کرنا، میں تمہار
ساتھ ہوں۔''

روی شنکر جس دروازے سے آیا تھا، اُسی سے واپس چلا گیا۔ میری آنکھوں پر پھر پ
باندھ دی گئی......!!

۞۞۞

وہ رات میرے لئے بڑی اذیت ناک تھی۔ روی شنکر کے حکم کے بعد انسپکٹر بلبیر کو گویا میری موت کا پروانہ حاصل ہو گیا تھا۔ مجھے بمبئی کے کسی دُور دراز علاقے میں لے جا کر ایک زمین دوز تہہ خانے میں ڈال دیا گیا جہاں ایذا رسانی کے تمام جدید سامان موجود تھے۔ جس کمرے میں مجھے رکھا گیا، وہاں صرف شیکھر میری نگرانی پر موجود تھا۔ کمانڈ بلبیر کے ہاتھ میں تھی۔ اس عقوبت خانے کے باہر یقیناً سخت پہرہ رہا ہوگا......!!

میرے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ ایک ہاتھ میں ہتھکڑی پہنائی گئی۔ اس کا دوسرا حصہ دیوار میں لگے مضبوط کنڈے میں ڈال دیا گیا۔ میں پختہ فرش پر پڑا تھا، اپنی جگہ سے بمشکل ایک دو فٹ تک حرکت کر سکتا تھا۔ کمرے کی چھت سے مدھم پاور کا ایک بلب لٹک رہا تھا۔ در و دیوار پر جا بجا خون کے چھینٹے سیاہی اختیار کر کے زبانِ حال سے اس ظلم و ستم کی کہانی سناتے نظر آ رہے تھے جو مجھ سے پہلے دوسروں کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ ماحول گھٹا گھٹا اور وحشت ناک تھا۔ نہ جانے کتنی بدنصیب رُوحیں اب بھی وہاں اپنے ادھڑے ہوئے جسم کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں گی۔ میں ابھی گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک کربناک چیخ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ اس کے ساتھ ایک گرج دار آواز اُبھری۔

''دس منٹ اور باقی رہ گئے ہیں مادر بہ خطا۔ اب بھی زبان کھول دے۔ ورنہ ہم تجھے بھی بغیر ٹکٹ کے لمبے سفر پر روانہ کر دیں گے۔ اس کے بعد تیری جوان لگائی کو اُٹھا لائیں گے۔ کچھ دن اُس کے ساتھ موج مستی کریں گے۔ پھر......''

''مم...... میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔'' کوئی دردناک آواز میں رحم کی درخواست کرنے لگا۔ ''میں نردوش ہوں۔ بھگوان کے لئے......''

''کھال ادھیڑ دو حرامی کی۔'' کوئی تحکمانہ انداز میں چیخا۔ ''اپنی گندی زبان سے بھگوان کا نام لے رہا ہے۔''

کربناک چیخوں کی آوازیں اور تیز ہو گئیں...... بلبیر سینہ تانے کھڑا میرے چہرے کے

تاثرات دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اشارہ کیا تو شیکھر نے کمرے کے واحد دروازے کو بند کر دیا۔ چیخوں کی آوازیں آنا بھی بند ہوگئیں۔

''سنا تو نے؟ برابر کے ڈرائنگ رُوم میں ہمارے کارندے اپنے مہمان کا کیسا سواگت کر رہے ہیں؟'' بلبیر کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''بڑے صاحب نے صرف تین روز کی مہلت دی ہے تجھے۔'' اُس نے حقارت سے کہا۔ ''کیا ارادے ہیں؟ سیدھی طرح جائے گا لندن یا مالش کرانے کا ارادہ ہے؟''

''میں لندن نہیں جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ''تم اپنے ارمان پورے کرلو...... لیکن میری ایک بات کان کھول کر سن لو بلبیر، تم اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہو۔ تم نے صرف میرا نام سنا ہے، میرے بارے میں تفصیل سے آگاہ ہوتے تو اس وقت میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے۔''

''ابھی تک مرلی کے کھونٹے پر اکڑ رہا ہے......؟'' بلبیر نے فحش کلامی شروع کر دی۔ ''سروجنی اب وہ نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اُس کا سارا جوس نکل چکا ہے۔ اب صرف پھوک باقی رہ گیا ہے سالی میں۔ مرلی کب تک اُس کتیا کے بل بوتے پر چلے گا...... اور تو......'' اُس نے مجھے قہر آلود نظروں سے گھورا۔ ''تو مجھے تڑی لگا رہا ہے، بلبیر کو...... اپنے اصلی باپ کو؟''

''بلبیر......'' میں پوری قوت سے چیخا۔ ''تم اپنی اوقات سے بڑھ رہے ہو۔ میرے ماں باپ کی شان میں گستاخی کرنے سے باز آجاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ صرف رات رات کی بات ہے۔ صبح ہونے کے بعد تم......''

''مالک پر بھونک رہا ہے...... کتے......'' بلبیر نے اچانک بھرپور ٹھوکر میرے منہ پر ماری، میرے دانت ہل گئے۔ ہونٹ پھٹ گیا۔ خون کے قطرے میرے لباس کو رنگین کرنے لگے۔ میں تڑپ کر رہ گیا۔

شیکھر کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ برابر والے کمرے سے تشدد کی آوازیں پھر سنائی دینے لگیں۔ بلبیر نے دوسری ٹھوکر ماری۔ میں نے بچنے کی کوشش کی لیکن بلبلا کر رہ گیا۔

''صبح کیا ہوگا......؟ بول......'' بلبیر نے تیسری ٹھوکر میرے سینے پر مارنے کی کوشش کی۔ میں جھک گیا، اُس کے جوتے کی ٹو میرے سیدھے بازو سے ٹکرائی، درد کی لہر پورے

جسم میں دوڑ گئی۔ وہ بدستور گرجتا رہا۔ ''کیا ہوگا صبح؟...... اب چپ کیوں ہوگیا......''

''تم......'' میرے اندر جنون نے سر اُبھارنا شروع کر دیا۔ یہی جنون مجھے مرلی اور سروجنی کے اپارٹمنٹ سے باہر کھینچ لایا تھا۔ میں شاید پاگل ہوگیا تھا جو میں نے کسی کا مشورہ قبول نہیں کیا، ایک محفوظ پناہ گاہ سے باہر آگیا اور انجام کار کسی زیرزمین عقوبت خانے میں زنجیروں میں بندھا بلبیر کی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ لیکن میرے خون کا رنگ، اس کی سرخی اور گرمی ابھی باقی تھی۔ میں نے بلبیر کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم میرے جسم پر نہیں، اپنی چتا کی بھڑکتی آگ کو ٹھوکریں مار رہے ہو۔ تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔ رات رات تم اپنے دل کی بھڑاس نکال لو، صبح میری باری ہوگی۔''

''پاگل بننے کی اداکاری کر رہا ہے۔'' اُس نے غضبناک ہو کر اپنی بیلٹ کھول لی اور بے تحاشہ میری چمڑی اُدھیڑنے لگا۔ میں نے نچلا ہونٹ پوری شدت سے دانتوں تلے بھینچ لیا۔ وہ متواتر میرے جسم پر ضربیں لگاتا رہا، میرے اندر کا آتش فشاں کھولتا رہا۔ میں نے حلق سے کوئی آواز نہیں نکالی، جسم کو گٹھڑی بنا کر لوٹنے لگا۔

شیکھر واپس آیا تو سیّد کی لاٹھی اُس کے ہاتھ میں دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے میری کوئی مراد پوری ہوگئی۔ میں ساری تکلیف بھول کر اُس متبرک لاٹھی کو عقیدت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

''تم ایک طرف ہو جاؤ صاحب......'' شیکھر نے آستین چڑھالی۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ یہ سالا کتنے پانی میں ہے۔''

''جب تک یہ...... تھوک کر نہ چاٹے، زمین پر ناک رگڑ کر ڈی آئی جی صاحب کی بات ماننے کا اقرار نہ کرے اس پر لاٹھی برساتے رہنا۔ تھک جانا تو اُوپر سے کسی اور کو بلا لینا۔ میں کچھ دیر آرام کر کے واپس آتا ہوں۔''

بلبیر حکم دے کر غصے میں تلملاتا چلا گیا۔ شیکھر نے دروازہ بند کر لیا۔ اُس کے تیور بلبیر سے زیادہ خطرناک نظر آرہے تھے۔

''کیا فیصلہ کیا نواب صاحب؟'' شیکھر نے لاٹھی فضا میں بلند کرتے ہوئے زہرخند سے دریافت کیا۔ ''ہماری درخواست منظور کرو گے یا تمہارا یہ سیوک تمہاری بخیہ ادھیڑنی شروع کر دے۔''

میں نے شیکھر کی بات کا جواب نہیں دیا، حسرت بھری نظروں سے سیّد کی لاٹھی کو دیکھا
دل ہی دل میں کہا۔ ”یہ بھی میرے لئے اعزاز ہوگا سیّد کہ تم اپنی لاٹھی سے مجھے رُوئی کی
طرح دھنکی لگا دو۔ میں اُف نہیں کروں گا۔“

”دیدے پھاڑے کیا گھور رہا ہے لِید کے بھُنگے؟“ شیکھر اپنی اصلیت پر اُتر آیا
”سیدھی طرح جواب دے۔ نہیں تو یہی لاٹھی نیچے سے چڑھا کر اُوپر سے نکال دُوں گا۔“

”تم میرے اوپر ہاتھ اُٹھا کر اچھا نہیں کرو گے۔“ میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا
”تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں...... بہتر ہے کہ مجھ سے دُور رہو......“

شیکھر یکلخت آپے سے باہر ہوگیا۔ وہ شاید لٹھ بازی کے فن سے واقف تھا۔ اُس نے
پینترا بدل کر پہلا وار میرے کولہے پر کیا۔ میری ہڈیاں کڑکڑانے لگیں۔ میں نے دوبارہ
ہونٹ بھینچ لئے۔ اُس نے ہوا میں لہرا کر میرے سر کا نشانہ لیا، میں نے آنکھیں بند کرلیں
مجھے یقین تھا کہ میرا سر پھٹ جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مجھے ہلکا سا احساس ہوا کہ جیسے
کوئی ہلکی پھلکی شے میرے سر کو چھو کر گزر گئی ہو۔ اسی لمحے خوشبو کا ایک جھونکا میری ناک سے
ٹکرایا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

شیکھر کسی ماہر لٹھ باز کی طرح اُچھل اُچھل کر، پینترے بدل بدل کر مجھ پر لاٹھی کے وار
کر رہا تھا۔ ہر بار مجھے ایسا لگتا جیسے پھولوں سے لدی کوئی نرم شاخ میرے جسم سے اٹھکیلیاں
کر رہی ہو۔ میں ہونٹ بھینچے پڑا رہا، میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ سیّد مجذوب
کہیں آس پاس موجود تھا، یا پھر اُس نے کہیں دُور رہ کر بھی میری آواز سن لی تھی۔ مجھ
لاٹھی کی صرف ایک کاری ضرب لگی تھی، پھر قدرت کا معجزہ میرا محافظ بن گیا۔

”نہیں سیّد...... نہیں۔“ میں نے دل کی گہرائیوں سے سیّد کو آواز دی۔ ”تم نے رُوئی
دھنکی لگانے کی بات کی تھی۔ صرف ایک ضرب کافی نہیں ہے۔ تم میرا پورا جسم ادھیڑنے
بات کرو۔ میں اُف نہیں کروں گا۔ میرے دل میں زندہ رہنے کی کوئی آرزو بھی نہیں ہے
میرے دل کی کیفیت، میرے حالات سے واقف ہو۔ تم سے زیادہ کون سمجھ سکے گا، میں
نندا کے کہنے پر اہنسا کا راستہ اختیار کیا۔ کترا کر گزرنے کو زندگی کا شعار بنانے کی کوشش
لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ بدری نرائن اور اُس کے سر پھرے چیلے مجھے بار بار گھیرتے رہے، اُنہوں
نے میرے اُوپر سکون کا ایک ایک لمحہ تنگ کر دیا۔ مجھے زبردستی دوبارہ میدان میں گھسیٹ

لائے۔ میں نے تم سے بھی کئی بار درخواست کی کہ میرا ہاتھ تھام لو۔ تم اشاروں میں
مجھے نہ جانے کیا کیا سمجھاتے رہے۔ میں نے تمہارے قریب آنے کی کوشش کی، تم بار بار
نزدیک آ کر دُور چلے گئے۔ تمہاری کوئی مصلحت رہی ہوگی۔ اب بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں
مرنے کو تیار ہوں۔ تم خدا کے نیک بندے ہو۔ ہوسکے تو میری مشکل آسان کر دو۔“

میں سیّد کو اپنی رُوداد سناتا رہا، شیکھر مجھ پر لاٹھی برساتا رہا۔ کچھ دیر بعد اُس نے اچانک
ہاتھ روک لئے۔ شاید اُس پر یکلخت حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ دُور کھڑا مجھے
آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔ اُس نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی، لیکن نہ میرا سر پھٹا، نہ میں
نے احتجاج کیا، نہ میرے چیخنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ یہ سب کچھ اُس کے لئے یقیناً
حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین رہا ہوگا۔

”تم...... تم کیا بلا ہو......؟“ اُس نے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔ اُس کے لہجے میں پہلے
جیسی گھن گرج نہیں تھی۔

”رُک کیوں گئے......؟“ میں نے اُسے حقارت سے گھورا۔ ”مجھ پر لاٹھی برساتے
رہو۔ بلبیر تم کو یہی حکم دے کر گیا ہے۔ تم نے بھی میرے جسم کی ایک ایک بخیہ ادھیڑنے کی
بات کی تھی۔ ہاتھ کیوں کھینچ لئے؟ اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔ تم
نے یہی دعویٰ کیا تھا، اور بھی کچھ لغو باتیں کی تھیں۔ میرے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے ہیں، میں
بے بس ہوں، تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔ تم نے تو بڑوں بڑوں کے کس بل نکالے ہوں
گے۔ میرے سلسلے میں اتنی جلدی ہمت ہار گئے......؟“

”نہیں......“ شیکھر نے کچھ توقف سے کہا۔ ”تم وہ نہیں جو نظر آتے ہو۔“

”پھر...... کون ہوں میں؟“ مجھے اُس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ کچھ دیر پیشتر وہ بڑی ڈینگیں
مار رہا تھا، اب سہما سہما کھڑا تھا۔

”مجھے بچا لو مہاراج......“ شیکھر ہاتھ باندھ کر گڑگڑانے لگا۔ ”انسپکٹر بلبیر بڑا ظالم افسر
ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میں نے جان بوجھ کر تمہارے ساتھ رعایت کی ہے۔ لیکن تم جانتے
ہو کہ میں نمک حرام نہیں ہوں۔“

”ریوالور نکال کر مجھے گولی مارنے کی حسرت اور پوری کرلو...... بلبیر کے عتاب سے بھی
محفوظ رہو گے۔“ میں نے مشورہ دیا۔

"میں ایسا نہیں کرسکتا۔" اُس نے کسمسا کر کہا۔ "بڑے صاحب نے تمہیں تین دن مہلت دی ہے......"

"ٹھیک ہے......" میں نے شیکھر سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ "بلبیر آئے تو اُس سے کہہ دینا کہ میں نے لندن جانے پر آمادگی کا اظہار کردیا ہے۔"

"تم...... تم سچ کہہ رہے ہو......؟" شیکھر کے چہرے پر زندگی کے آثار دو... نمایاں ہونے لگے۔

"سچ اور جھوٹ کے چکر میں مت پڑو۔" میں نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا۔ "زندگی بچانے کی فکر کرو۔"

اُس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا، پھر اپنا ارادہ ترک کردیا، دُور بیٹھ کر مجھے دیکھتا......

...... دو گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی تو شیکھر بڑی پھرتی سے اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اُس نے لپک کر دروازہ کھولا، آنے والا انسپکٹر بلبیر کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اُس نے سادہ لباس پہن رکھا تھا، کچھ دیر خاموش کھڑا مجھے نفرت بھری نظروں سے گھورتا رہا، پھر شیکھر سے بولا۔

"کیا رہا......؟"

"شیکھر نے جیون میں کبھی ہار ماننی نہیں سیکھی صاحب۔" اُس نے میری طرف مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بلبیر کو بڑے دبنگ لہجے میں جواب دیا۔ "لاٹھی سے صرف اس کمر اور کولہے سہلائے تھے کہ چیں بول گیا۔ لندن تو کیا اب یہ آپ کے حکم سے نرک میں بھی چھلانگ لگانے سے انکار نہیں کرے گا۔"

"کیوں مہاشے...؟" بلبیر نے فاتحانہ نظروں سے مجھے گھورا۔ "نکل گئی نا ساری ہیکڑی... پہلے تو مجھے صبح ہونے کی تڑی دے رہا تھا۔ بڑے اُونچے سُروں میں بول رہا تھا...... جلدی نانی مرگئی۔"

میں نے خاموشی اختیار رکھی۔ مجھے صبح ہونے کے بعد انکارانی کی واپسی کا انتظار تھا۔

"چپ کیوں ہے؟ کیا سروجنی کی یاد ستا رہی ہے؟" اُس نے حقارت سے کہا۔ "لندن جائے گا تو اس ویشیا کو بھول جائے گا۔ وہاں تیری بہت ساری بہنیں تیرا سواگت کرنے کو......"

"بلبیر......" میں اس بار ضبط نہ کرسکا، چیخ اُٹھا۔ "اپنی گندی زبان بند کرلے۔ دُور ہ...

...بھری نظروں سے۔"

"ارے......" بلبیر نے بڑے سفاک لہجے میں اپنے غصے کا اظہار کیا۔ "شیکھر، سن رہا ہے تو...... یہ حرام کا جنا پھر بولنے لگا۔ اس کے بعد انسپکٹر دیوانہ ہوگیا۔ اُس نے پھر میرے اوپر گھونسوں اور جوتوں کی ٹھوکروں کی بارش شروع کردی۔ میرے سینے پر چڑھ کر وحشیوں کی طرح اُچھلنے لگا۔ میں نے حلق سے کوئی آواز نہیں نکالی لیکن میرا جوڑ جوڑ چیخ رہا تھا۔ بلبیر کی زبان سے میرے بزرگوں کی شان میں بڑے نازیبا جملے ادا ہورہے تھے۔ میں خون کے گھونٹ پی کر برداشت کرتا رہا۔ پھر اچانک جوتے کی ایک شدید ضرب میری کنپٹی پر ایسی لگی کہ میری نگاہوں کے سامنے کئی سورج طلوع ہوکر غروب ہوتے چلے گئے۔ میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا......!

صبح میری آنکھ کھلی تو سارا جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا تھا۔ میں نے ذرا کروٹ لینی چاہی تو کراہ اُٹھا۔ اسی لمحے ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی......

"جمیل، تمہاری یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جارہی۔ تم اگر ہر قیمت پر سروجنی کے اپارٹمنٹ سے نکلنا چاہتے تھے تو کم از کم مجھ کو تو آگاہ کردیا ہوتا۔"

میری انکارانی میرے سر پر موجود تھی۔ اُس کا چہرہ غصے کی شدت سے تمتما رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ مجھے جس کا انتظار تھا، وہ آگئی تھی۔ اُس کے لہجے میں تاسف تھا۔ میں نے نظریں گھما کر دیکھا، کمرے میں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ بلبیر اور شیکھر شاید مجھے مُردہ سمجھ کر چلے گئے تھے۔

"تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو......؟" میں نے عالمِ تصور میں اُسے مخاطب کیا۔

"یہ وقت شکوہ شکایت کا نہیں ہے۔" اُس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "بلبیر نے تمہارے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے، اس کی سزا اُسے ضرور ملے گی۔" "مگر تم بھی تو میرا کہا نہیں مانتے۔ من مانی کرنے لگتے ہو۔"

"جو ہوچکا اُسے بھول جاؤ۔" میں نے بحث ختم کرنے کی خاطر کہا۔ "قسمت میں جو لکھا ہے اُسے ٹالا نہیں جاسکتا۔"

"تم اتنی جلدی مایوسی کی بات کیوں شروع کردیتے ہو؟ کیا اب تمہیں اپنی انکا پر بھی اعتماد نہیں رہا؟"

''زخموں کو مت کریدو انکا رانی......'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تم میری مجبوریوں سے واقف ہو۔ اس سے زیادہ بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ میں اتنے دنوں سے بمبئی میں ہوں اور ابھی تک اپنی ترزئین کی صورت بھی نہیں دیکھ سکا۔ چہرہ گرد آلود ہو، دل میں طوفان اُٹھ رہے ہوں، زخم رِس رہا ہو تو محفلیں سجانا اچھا نہیں لگتا۔ اور......کل وہ بھی آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ رُوئی کو ایک بار دھنکی لگ جانے دے، سب گرہیں کھل جائیں گی۔ اُس نے نقب لگانے کی بات بھی کی تھی۔ میں اُسی کے اشارے پر وہاں سے چلا آیا۔ میں سیّد کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے گھٹی گھٹی آواز میں انکا کو بیہوشی سے قبل تک کی تفصیل سناتے ہوئے کہا۔ ''ان کا فیصلہ ہے کہ میں تین روز کے اندر اندر لندن واپس چلا جاؤں۔ انکار کی صورت میں رودر شنکر ہندوستان میں میرا وجود گوارا نہیں کرے گا۔ اُس نے انسپکٹر بلبیر کو حکم دے رکھا ہے کہ مجھے مار کر میری لاش کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دیا جائے۔''

''تم اپنے ذہن پر کوئی بوجھ مت ڈالو۔'' انکا نے میرے بالوں پر ٹہلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اب آگئی ہوں۔ سب کچھ میرے اوپر چھوڑ دو۔''

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، بلبیر اور شیکھر کے علاوہ دو سادہ لباس والے اور بھی نظر آئے۔ دونوں چہرے بشرے سے بے حد خطرناک نظر آ رہے تھے۔ انسپکٹر بلبیر کے ہاتھوں میں ہنٹر موجود تھا، میری آنکھیں کھلی دیکھ کر بڑی نفرت سے بولا۔

''حرامی......تو ابھی تک مرا نہیں؟''

''اسے اب شما کر دو صاحب......'' شیکھر دبی زبان میں بولا۔ ''میں اسے سمجھا تا ہوں۔ یہ لندن جانے پر تیار ہو جائے گا۔''

''نہیں......'' بلبیر دھاڑنے لگا۔ ''اب یہ نہیں، اس کی ارتھی لندن جائے گی۔''

''تم خاموش کیوں ہو جمیل......؟'' انکا تلملانے لگی۔ ''اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ اسے سزا ضرور ملے گی۔ اس کے پرلوک سدھارنے سے پیشتر اپنے دل کی حسرت پوری کرلو......''

''انسپکٹر......'' انکا کے اُکسانے پر میں نے بلبیر کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''بہت ہو چکا اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ ورنہ تمہارا انجام خطرناک ہوگا۔''

بلبیر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس نے ہنٹر کھول کر ہوا میں لہرایا، انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ اس کے بعد جو ہوا وہ خود بلبیر کے لئے بھی تعجب خیز تھا۔ نئے آنے والے سادہ لباس والوں میں سے ایک نے ریوالور نکال کر بلبیر پر تان لیا، سفاک لہجے میں بولا۔

''اس کا فیصلہ بعد میں کرنا انسپکٹر، پہلے میری ایک بات سن لو۔''

''تم......'' بلبیر نے پلٹ کر اُسے غور سے دیکھا۔ ''کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہاری زندگی کے دن بھی اب پورے ہو چکے ہیں......''

شیکھر اور دوسرے سادہ لباس والے کی نظریں بھی ریوالور والے کی جانب اُٹھ گئیں۔ میں جانتا تھا، انکا ایک وقت میں صرف ایک ذہن کو کنٹرول کر سکتی تھی۔ وہ اس وقت ریوالور والے کے سر پر تھی جس کی نگاہوں میں شعلے لپک رہے تھے۔

''تمہارے پاس اب زیادہ سوچنے اور سمجھنے کا سمے باقی نہیں رہا انسپکٹر۔'' اُس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''تم نے شاید مجھے ابھی تک پہچانا نہیں۔ میرا نام اجیت نہیں جتندر ہے۔ بات آٹھ سال پرانی ہے۔ تمہیں شاید یاد بھی نہ رہی ہو، میں بتاتا ہوں۔ تم میری تلاش میں میرے گاؤں گئے تھے، تمہارے پاس میری گرفتاری کا وارنٹ تھا، تمہارے کالے قانون کا مجرم میں تھا۔ میری جوان بہن رادھیکا نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا لیکن تم اُسے زبردستی اُٹھا لائے۔ دو سال تک تم اور تمہارے ساتھی اُس مجبور کی عزت سے کھیلتے رہے۔ پھر ایک رات وہ تمہاری ہی تحویل میں قتل کر دی گئی۔ تمہارا شک اپنے ساتھی ونود پر تھا، لیکن ایسا نہیں تھا۔'' ریوالور والے نے مٹھیاں بھینچ کر بڑے کرب سے کہا۔ ''اُس غریب کو میری گولی کا نشانہ بننا پڑا۔ میں اُسے نہ مارتا تو تم لوگ اُسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہتے۔ اس کے بعد میں تمہارا اعتماد جیتنے کی خاطر بھیس بدل کر اجیت کے رُوپ میں تمہارے قریب ہوتا گیا۔ مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی۔ میں رادھیکا کا انتقام تمہاری بہن سے لینا چاہتا تھا۔ مگر مجھے معلوم ہوا کہ تمہاری کوئی بہن نہیں۔ تم نے شادی بھی نہیں کی ورنہ کچھ آنسو تمہاری دھرم پتنی کے شریر سے پونچھ لیتا......آج مجھے وہ موقع مل گیا جس کی تلاش تھی۔ تم سمجھ گئے میں کیا کہہ رہا ہوں......؟''

''بلبیر موت سے نہیں ڈرتا کمینے......'' انسپکٹر آپے سے باہر ہونے لگا۔ ''تو مجھے مارنے کے بعد خود بھی زندہ نہیں رہے گا۔ میرے آدمی تیرے جسم کو ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں گے۔ جیون پیارا ہے تو ریوالور پھینک کر میرے پیر پکڑ لے۔ میں تجھے آخری موقع دے رہا

ہوں۔“

جواب میں ریوالور نے ایک شعلہ اُگلا اور بلبیر کی اُلٹی ران سے خون بھل بھل بہنے لگا۔ شیکھر نے دروازے کی طرف بھاگنے کی حماقت کی، وہ بھی مارا گیا۔ دوسرا سادہ لباس خاموش کھڑا رہا۔ انسپکٹر پاؤں پکڑ کر لڑکھڑاتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا۔

”گھبراؤ مت انسپکٹر، میں تمہیں آسان موت نہیں ماروں گا۔“ جتندر نے زہر خند کہا۔ پھر دوسرا فائر کیا، بلبیر کی سیدھی ٹانگ کے گھٹنے کی ہڈی چٹخ کر کرچیوں میں تقسیم گئی۔ وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی مانند زمین پر پچھاڑیں کھانے لگا۔ اُس کی چیخ آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔

”اب یہاں سے نکل چلو، ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔“ دوسرے سا لباس والے نے جتندر سے کہا۔

”گھبراؤ مت، ہم ساتھ ساتھ ہی چلیں گے۔ پہلے تم، بعد میں، میں۔“ جتندر نے کے اختتام کے ساتھ ہی تیسرا فائر کیا، اُس کا ساتھی بھی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ مر کے بعد بھی اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی نظر آ رہی تھی۔ چوتھی گولی نے خود جتن کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا...... کمرے میں تین لاشیں پڑی تھیں۔ انسپکٹر ڈوبتی ہ آواز میں اپنے آدمیوں کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ بازی پل بھر میں پلٹ گئی۔ انکا دو میرے سر پر آ گئی۔

”تم نے میری خاطر تین آدمیوں کو لڑھکا دیا......“ میں نے انکارانی کو پیار بھری نظر سے دیکھا۔

”کھیل تو اب شروع ہو گا جمیل صاحب۔“ اُس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ”تمہیں انداز جائے گا کہ پریتم لال مہاراج کے سر پر رہ کر میرا سے برباد نہیں ہوا، اُس مہان منش تمہارے کارن مجھے بھی کچھ شکتیاں دان کی تھیں۔ یہ بھی کہا تھا کہ جب تک گھٹا ٹوپ اند نہ پھیل جائے میں ان شکتیوں کا استعمال نہ کروں۔ بلبیر، روی شنکر کا خاص آدمی ہے بلبیر کے زخمی ہونے اور تین آدمیوں کے قتل کی خبر سن کر پاگل ہو جائے گا۔ بات پہلے طوفان اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ پنڈت پجاریوں کے دلوں میں سلگنے والی چنگاریاں بھڑکیں گی۔ ہر طرف آگ لگ جائے گی۔“

میں بات کو طول نہیں دُوں گا۔ تفصیل لکھنے بیٹھ گیا تو زندگی کی ساری نقدی خرچ ہو جائے گی، کہانی ادھوری رہ جائے گی۔ بہرحال انکا نے جو کہا وہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ عقوبت خانے کے محافظ مشورہ کرنے کی خاطر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ بلبیر کو زخمی حالت میں ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ پھر مجھے اُسی حوالات میں ڈال دیا گیا جہاں پہلے بند کیا گیا تھا۔ انسپکٹر بلبیر کی جگہ نیا انسپکٹر آ گیا۔ میری گرفتاری کے کیس کو باقاعدگی کی شکل دینے کی خاطر عدالت میں پیش کر کے دس روز کا ریمانڈ حاصل کیا گیا تو بات ڈھکی چھپی نہ رہ سکی۔ میرے دشمنوں کو بھنک مل گئی۔ سینکڑوں پنڈت پجاریوں نے اُس حوالات کو گھیر لیا جہاں مجھے سرکاری مہمان بنایا گیا تھا۔ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا، مجھے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ قانون میں ایسی کوئی شق موجود نہیں تھی کہ کسی مجرم کو عوام کے سیلاب میں دھکیل دیا جائے۔ روی شنکر کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس بات پر عمل کرنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ لیکن مرلی اُس کے راستے کی دیوار بن کر درمیان میں حائل ہو گیا۔ بڑے بڑے سرکاری افسران اور راج منتری سر جوڑ کے بیٹھے، مندروں سے جوان پجارنیں بھی چیونٹیوں کی طرح نکل نکل کر دھرنا دینے والوں کے ساتھ شامل ہونے لگیں تو تماش بینوں کا ہجوم بھی بڑھنے لگا۔ حکومت کو مجبوراً فوج طلب کرنی پڑی۔ پنڈت پجاریوں پر لاٹھی چارج ہوا، آنسو گیس کے گولے داغے گئے، تب کہیں جا کر حالات کچھ قابو میں آئے۔ تھانے کے علاقے میں باقاعدہ کرفیو لگا دیا گیا، کسی کو بھی بغیر تحریری حکم نامے کے تھانے میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔

انکارانی کی مصروفیات بھی بڑھ گئیں۔ وہ دن بھر میری خاطر جوڑ توڑ میں لگی رہتی۔ رات کو تھکی ماندی واپس آتی تو مجھے دن بھر کی رُوداد سنانے بیٹھ جاتی۔ میں تھانے میں بڑے سکون سے تھا۔ نئے انسپکٹر یا اُس کے عملے کے افراد نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی کرنے کی غلطی نہیں دہرائی۔ ابھی تک وہ عقوبت خانے میں ہونے والے تین قتل کی اصل وجہ بھی دریافت نہیں کر سکے تھے۔ جو بیان انسپکٹر بلبیر نے دیا، اس میں کئی جھول تھے۔ انسپکٹر نے جتندر کی کہانی توڑ مروڑ کر صرف یہ کہا کہ اُس کا ذہن بس اچانک ہی پلٹ گیا۔ اُس نے زبان سے کوئی جملہ ادا کئے بغیر ہی ریوالور نکال کر فائرنگ شروع کر دی، بعد میں خود کو بھی گولی مار لی۔ ممکن ہے روی شنکر کے سامنے اکیلے میں اُس نے حقیقت اُگل دی ہو۔ لیکن ریکارڈ پر جو بیان موجود تھا وہ ناکافی سمجھا گیا۔ روی شنکر بڑے مضبوط اعصاب کا مالک

ثابت ہوا۔ اُس نے عقوبت خانے کا ذکر کہیں بھی درمیان میں نہیں آنے دیا بلکہ دُور اندیشی
سے کام لیتے ہوئے مرلی کو انکوائری آفیسر بنا دیا۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا
تھا۔ ایک طرف وہ مرلی کو باور کرانا چاہتا تھا کہ ساری شرارت انسپکٹر بلبیر کی تھی۔ دوسری
طرف وہ مرلی ہی کے ہاتھوں مجھے مروانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اتنی گہری چال چلی تھی
اُس نے کہ خود مرلی بھی گھبرایا گھبرایا اِدھر سے اُدھر پھر رہا تھا۔ اُس نے اپنے ذرائع سے
کوشش بھی کی کہ انکوائری کا کام کسی اور کو سونپ دیا جائے لیکن روی شنکر نے اپنی سفارش
میں جس انداز میں مرلی کی ذہانت اور کارکردگی کا اظہار کیا تھا وہ مرلی کے آڑے آ گئی۔
چار روز افراتفری اور ہنگاموں میں گزر گئے۔ پانچویں رات انکارانی واپس آئی تو اُس
کے چہرے پر بڑی گہری سنجیدگی مسلط تھی۔

"خیریت......؟" میں نے پوچھا۔ "تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو۔"

"آج میرے پاس تمہارے لئے کچھ اچھی خبریں نہیں ہیں۔" اُس نے خلاء میں
گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"جو بھی ہے کہہ ڈالو......" میں زہرخند سے بولا۔ "وقت نے مجھے ڈھیٹ بنا دیا ہے،
میں ہمت نہیں ہاروں گا۔"

"روی شنکر بڑی گھٹیا حرکتوں کے بارے میں غور کر رہا ہے۔ اُس نے کئی منصوبے
بنانے شروع کر دیئے ہیں۔"

"اُس کی جگہ تم ہوتیں تو کیا کرتیں؟" میں نے انکا کو لاجواب کرنے کی کوشش کی۔
"کیا مجھے باعزت طور پر رہا کر کے خود کو پنڈت پجاریوں کے حوالے کر دیتیں؟ دُرگا کے
چرنوں میں اپنی بھینٹ پیش کرنے پر آمادہ ہو جاتیں؟"

انکا پیچ و تاب کھانے لگی۔ میرا جواب اُسے پسند نہیں آیا تھا۔

"پھر رُوٹھ گئیں......؟"

"تم دل جلانے والی بات ہی کیوں کرتے ہو......؟"

"کیوں؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا اب مجھے تمہیں چھیڑنے کا اختیار نہیں رہا؟"

"سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے۔" وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ "کچھ دن اور رہ
گئے ہیں، اس کے بعد تمہاری چھنی ہوئی قوتیں تمہیں دوبارہ مل جائیں گی۔ تم دُرگا کے مندر

جانے کی غلطی نہ کرتے تو......"

"تم روی شنکر کے منصوبوں کی بات کر رہی تھیں۔" میں نے اُس کا جملہ کاٹا۔

"ہاں......" وہ میرے تیور بھانپ کر بولی۔ "روی شنکر تم کو کسی قیمت پر بھی موت کے
گھاٹ اُتارنے کا خواہشمند ہے۔ اُس نے خاص طور پر اجودھیا کے ایک نامی گرامی پنڈت
کو بھی تمہاری خاطر بمبئی آنے کی دعوت دی ہے، ایک منصوبہ یہ بھی اُس کے ذہن میں ہے
کہ عدالت جاتے ہوئے تمہاری گاڑی کو بم کے دھماکے سے اُڑا دیا جائے۔ اس کا الزام
اُن انتہا پسند پنڈت پجاریوں کے سر بڑی آسانی سے تھویا جا سکتا ہے جو بار بار تمہاری
سرِ عام پھانسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ تمہیں خوراک میں زہر بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس کی ذمہ
داری بھی کسی اور کے سر ڈالی جا سکتی ہے، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" انکا نے بات جاری رکھی۔
"مرلی کا کانٹا بھی نکالنے کی بات ہو رہی ہے۔ مرلی نے سروجنی کی وجہ سے ترقی حاصل
کرنے میں جن افسران کا حق مارا تھا، روی شنکر اُن کے ساتھ بھی گٹھ جوڑ کر رہا ہے۔ ایک
اہم خبر اور ہے...... چندرا اپنا جاپ ختم کر کے منڈل سے باہر آ گیا۔ پنڈت نول کشور نے
اُسے ہردوار بلایا ہے، وہیں بیٹھ کر صلاح مشورے ہوں گے۔"

چندرا کا نام سن کر میرے اندر پھر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ زخم ہرے ہونے لگے۔
کھرنڈ اُکھڑنے لگے۔ مجھے موت سے خوف نہیں تھا۔ پہلے بھی متعدد بار میں نے دنیا سے
منہ موڑنے کی کوشش کی تھی، کبھی کلدیپ کی باتوں نے راستہ روک لیا، کبھی انکا نے اپنے
پنجوں کے نشتر چبھو کر میرے ذہن کو ماؤف کر دیا، کبھی پریتم لال آڑے آ گیا۔ موت برحق
ہے، کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ لیکن چندرا اور پنڈت نول کشور کو کیفرِ کردار تک پہنچائے بغیر
مجھے موت گوارا نہیں تھی۔ اُنہوں نے بجھتی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے کر بھڑکانے کی غلطی کی
تھی۔ میں اُنہیں اسی بھڑکتی ہوئی آگ میں زندہ جلانے کا خواہشمند تھا۔ ایسی اذیت ناک
موت مارنا چاہتا تھا کہ پھر کوئی دوسرا پنڈت یا پجاری جمیل احمد خان کا نام بھی زبان تک
لانے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔ میں نے اُٹھنے کی کوشش کی تو پاؤں میں پڑی زنجیریں مجھے بے
بسی کا احساس دلانے لگیں۔ وہ مجھ سے خوفزدہ تھے۔ وہ کم ظرف لوگ تھے جنہوں نے مجھے
حوالات کی آہنی سلاخوں کے اندر ڈالنے کے باوجود زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ مرد ہوتے تو
للکار کر سامنا کرتے، کنجروں کی طرح پشت سے چھرا گھونپنے کا منصوبہ کبھی نہ بناتے۔

"جمیل......" انکا میرے تاثرات بھانپ کر کسمسانے لگی۔ "میں آئندہ اپنی زبان بن رکھوں گی۔ پھر مجھ سے کوئی شکوہ یا گلہ نہ کرنا۔"

"تم صرف ایک قوت ہو، علامت ہو، کردار ہو...... تم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہو اپنے کسی آقا کے اشارے پر اس کے دشمن کو تہس نہس کر سکتی ہو، خود کسی کا خون نہیں سکتیں۔ تمہیں جانوروں یا چرند پرند میں بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تمہارے اعضاء انسانو سے ضرور ملتے جلتے ہیں لیکن تم انسانی احساسات اور جذبات کی قدر و قیمت سے ناواقف ہو...... واقف ہوتیں تو مجھے اُسی دن مر جانے دیا ہوتا جب میں اپنی کلدیپ کی لاش ہاتھو میں اُٹھائے میسور کی کسی بلند پہاڑی سے چھلانگ لگانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ وہ موت کلدیپ سے میرے عشق کی معراج ہوتی۔ لیکن تم نے میرا ذہن معطل کر دیا۔ میں اپ حسرتیں پوری نہ کر سکا۔ کلدیپ کی رُوح آج بھی میرے انتظار میں بھٹک رہی ہے۔ پر لال نے تمہیں نئی شکتیاں دان کر دیں، تمہارا قد پہلے سے زیادہ بلند ہو گیا۔ لیکن میں بڑ خسارے میں رہا۔ اب تم زبان بند رکھنے کی بات کر رہی ہو، مجھے منظور ہے۔ میں تاریکی مہ رہ کر بھی ناساعد حالات کا......"

"بس کرو جمیل...... خاموش ہو جاؤ۔" انکا رانی تڑپ اُٹھی۔ "اپنی انکا رانی کو غلط مت سمجھو۔ میں نے تم سے روی شنکر کی خباثتوں کی بات کی تھی، تمہیں حالات سے باخبر کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں نے ہار تسلیم کر لی ہے، تم نے میرے بارے میں ج کچھ کہا میں اس پر بحث نہیں کروں گی لیکن ایک بات کا یقین کر لو...... اگر میں مجسم عورت رُوپ اختیار کر سکتی تو تم صرف میرے ہوتے...... کوئی دوسری عورت تمہاری سمت نظر بھی نہ اُٹھا سکتی۔ ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں، مجھ سے احساسات اور جذبات کی باتیں مت کرو مجھے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر انسانی خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ خون پینے وا ان نازک باتوں کو نہیں سمجھ سکتے جو تم مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں صرف اتنا جا ہوں کہ تمہارے سر سے دُور رہ کر میں مضطرب رہتی ہوں۔ مجھے کہیں سکون و آرام نہیں ملتا تمہارے بغیر میں بڑی بے چین رہتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ آج بھی ہندوستان کے کو کونے میں بڑے بڑے گیانی دھیانی پنڈت اور پجاری میرے حصول کے لئے زندگی دا پر لگانے کو فخر سمجھتے ہیں۔ لیکن میں نے خود تمہارے سر کا انتخاب کیا تھا۔ تم مجھے اچھے لگتے تھے

...... کیوں؟ میں اس جذبے کو کوئی خوبصورت نام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ میں پریتم لال مہاراج کی شکر گزار ہوں، اُس مہان پنڈت نے مجھے وشواس دلایا ہے کہ جب تک اس کی آتما مجھ سے منہ نہ موڑ لے، کوئی دوسرا مجھے حاصل نہیں کر سکے گا۔" انکا جذباتی انداز میں بولتی رہی...... "تم مجھے آج بھی کمزور مت سمجھو...... میں دُرگا کی پابند نہیں ہوں، روی شنکر جیسے ہزاروں کمینے مل کر بھی لاکھوں منصوبے بنائیں لیکن میری زندگی میں وہ اپنے سپنے کبھی پورے نہیں کر سکتے۔ میں جانتی ہوں کل کیا ہونے والا ہے۔ کچھ بندشوں کے سبب زبان کھولنے سے قاصر ہوں، مگر اتنا جان لو...... میری زندگی میں وہ تمہارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"

"جبھی اُنہوں نے مجھے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔" میری زبان سے روانی میں نکل گیا۔ انکا کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"تم ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتے جو میں سمجھ رہی ہوں۔ میں نے ان زنجیروں کو توڑ دیا تو وہ بھڑوں کی طرح تم سے لپٹ جائیں گے، تمہیں بھنبھوڑ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ میں ایک وقت میں کس کس کو قابو کروں گی؟ کچھ دن اور صبر کر لو، اس کے بعد گن گن کر دل کے ارمان پورے کر لینا۔"

میں خاموش رہا۔ مرلی نے تھانے میں قدم رکھا تو سپاہی بھی محتاط ہو گئے۔ مرلی نے کسی سے بات نہیں کی۔ سیلوٹ کے جواب میں سر کو جنبش دیتا سیدھا میری طرف چلا آیا۔ اُس کے اشارے پر لاک اپ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ بلبیر کی جگہ جس انسپکٹر کو سونپی گئی تھی وہ بھی دُور کھڑا مجھے کینہ توز نظروں سے گھورتا رہا۔ حوالات کا دروازہ کھلتے ہی دو مسلح سپاہیوں نے رائفلوں کا رُخ میری طرف کر کے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے اپنی بڑائی کا احساس گدگدانے لگا۔ وہ میرے پابہ زنجیر ہونے کے باوجود مجھ سے خائف تھے۔ انکا مرلی کو دیکھ کر کچھ دیر سستانے کی خاطر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"مہاراج......" مرلی نے قریب آ کر بڑی مدھم آواز میں کہا۔ "حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کمرے میں موجود تمام افراد کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں اُنہیں یہی تاثر دیتا رہا جیسے مجھے پولیس کی کارروائی کا کوئی خوف لاحق نہیں

ہے۔''

''تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں انسپکٹر بلبیر پر بھروسہ نہ کروں۔'' مرلی نے بدستور دبی زبان میں کہا۔ ''وہ ڈی آئی جی سے مل گیا ہے۔ لاٹھی والی بات بھی بتا دی۔''

لاٹھی کا ذکر نکلا تو میں کلبلانے لگا۔ عقوبت خانے سے نکلنے کے بعد مجھے علم نہیں تھا کہ سیّد کی لاٹھی کس کی تحویل میں ہے۔ مرلی نے میری بے چینی کو بھانپ لیا۔

''تم چنتا مت کرو، میں کوشش کروں گا کہ تمہاری لاٹھی تمہیں واپس مل جائے۔ وہ اسی تھانے میں رکھی ہے۔''

میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ دل ہی دل میں سیّد مجذوب کو یاد کرنے لگا۔

''میں تمہارا بیان لینے کی خاطر آیا ہوں۔'' اس بار مرلی نے بلند آواز میں کہا۔

''تم بھی پوچھو.....'' میں نے سرد رویہ اختیار کیا۔ ''کیا جاننا چاہتے ہو.....؟''

''انسپکٹر بلبیر پر کس نے گولیاں چلائی تھیں؟ باقی تین قتل کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''تم سب مل کر مجھے پھانسنا چاہتے ہو؟'' میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''کاغذات میں لکھ دو کہ میں نے پولیس کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر ایک ریوالور جھپٹ لیا تھا۔ تین کتے مارے گئے، ایک سور زندہ بچ گیا..... زبردستی میرا انگوٹھا بھی لگوا لو۔ اس کے سوا اور کیا چاہتے ہو؟''

مرلی میری ہیجانی باتوں سے کسمسانے لگا۔ نیا انسپکٹر تیزی سے قدم مارتا حوالات کے اندر آ گیا۔ میرے جملوں کے شعلوں کی تپش اُس کے چہرے پر کپکپا رہی تھی۔

''سر.....'' اُس نے مرلی کو مخاطب کیا۔ ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ مجھے دس منٹ کا موقع دیں۔ اس کی زبان ابھی فرفر چلنے لگے گی۔''

''نہیں.....'' مرلی نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''حالات کے پیش نظر ہم فی الحال تھرڈ ڈگری کا فارمولا نہیں آزما سکتے۔''

''لیکن یہ جو بکواس کر رہا ہے۔'' انسپکٹر نے دبی زبان میں احتجاج کیا۔ اُس کی خونخوار نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''تو بھی اوقات سے بڑھنے لگا۔'' میں نے انسپکٹر کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''میری لاٹھی واپس کر دے۔ ورنہ وردی اُتارنے کو تیار ہو جا۔''

''شٹ اَپ.....'' انسپکٹر اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ اندر کے سارے افراد ہماری طرف متوجہ ہو جائیں۔ مرلی کے تیور بدلنے لگے۔ وہ انسپکٹر کو کچھ سخت الفاظ کہنے کے لئے پلٹا، میں نے اُسے موقع نہیں دیا۔

''اچ..... چھا۔'' میں نے انسپکٹر کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''تو نے بھی بلبیر کی طرح بھونکنا شروع کر دیا۔ تماشہ دیکھنا چاہتا ہے تو پھر دھیان سے سن۔'' میں نے گرجدار آواز میں حکم دیا۔ ''یہیں کھڑے کھڑے اپنی وردی اُتار کر پھینک دے۔ لنگوٹی میں بھاگتا ہوا جا، میری لاٹھی اُٹھا لا۔ انکار کرے گا تو جلا کر خاک کر دوں گا.....''

انکا رانی میرے سر سے رینگ گئی۔ سب ہی کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ مرلی بھی ششدر رہ گیا۔ انسپکٹر نے میرے حکم کی تعمیل میں کسی سعادت مند شاگرد کی طرح اپنی وردی اُتارنی شروع کر دی۔ جسم پر لنگوٹی اور بنیان رہ گئی تو وہ دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ لوہے کی الماری کھول کر اُس نے سیّد کی لاٹھی نکالی، پھر تیزی سے بھاگتا ہوا میرے سامنے آ گیا۔ لاٹھی میرے قدموں میں رکھنے کے بعد ہاتھ باندھ کر بڑی انکساری سے بولا۔

''کوئی اور حکم دو مہاراج، میں اب تمہاری کسی آگیا کا پالن کرنے میں دیر نہیں کروں گا۔ مجھے شما کر دو، میری پاپی نظریں تمہیں پہچاننے میں دھوکہ کھا گئی تھیں۔''

مرلی نے پہلی بار اپنی نظروں سے میرا شعبدہ دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کمرے میں باقی عملے کے افراد بھی بُت بن کر رہ گئے۔ میں نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ روی شنکر کے جاسوس اُسے بھی اپنے چشم دید اور حیرت انگیز تجربے سے گزرنے کی رُوداد سنا دیں۔ مجھے مرلی کی مجبوریوں کو بھی تحفظ دینا مقصود تھا۔ تفتیشی افسر بن جانے کے بعد وہ غریب بلاوجہ مخمصے میں گرفتار ہو گیا تھا۔ میں نے اُسے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مخاطب کیا۔

''جا بالک..... واپس چلا جا، اوپر والوں کو بتا دے کہ میرے ساتھ کھیل تماشے نہ کریں۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو کسی کو بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔ سب کی پتلونیں گندی ہو جائیں گی.....''

''ٹھیک ہے مہاراج..... میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ بڑے افسروں کو ضرور بتاؤں گا۔'' مرلی نے ڈرتے ڈرتے کہا، پھر فائل ہاتھ میں دبائے قدم اُٹھاتا واپس چلا گیا۔

"مہاراج، زنجیروں کے کارن تمہارے ہاتھ پیر میں تکلیف ہو رہی ہو گی۔ میں انہیں کھولے دیتا ہوں۔" مرلی کے جانے کے بعد انسپکٹر نے انکساری سے کہا۔ پھر وہ آگے بڑھا، میں نے ہاتھ اُٹھا کر دھتکار دیا۔

"میّا مرتی نظر آئی تو اب ٹٹول کر رہا ہے۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "وردی پہن لے، جنگلے کو تالا لگا کر چوکیدار کی کرسی سنبھال لے۔"

وہ وردی پہن کر لاک اپ کو تالا لگا کر چلا گیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر سینے سے لگا لی۔ انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔ اُس کے چہرے سے بشاشت ٹپک رہی تھی، مسکرا کر بولی۔

"اسی طرح دُور اندیشی سے کام لینے کی عادت ڈالو...... یہاں بھی روی شنکر کے ایک اعتماد کے آدمی ضرور ہوں گے۔ انسپکٹر کی کہانی سن کر اُسے بھی سوچنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کل ہی اُس کی طرف سے تمہارا بلاوا آ جائے، وہ سودے بازی کی کوشش کرنا چاہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس پنڈت کی قوت بھی آزما کر دیکھ لے جو جودھیا سے ایک دو روز میں بمبئی پہنچنے والا ہے۔"

"تم نے اشوک کی بیوہ کے لئے کیا، کیا......؟" میں نے اُس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

میں نے اُس کے لئے رہائش اور پیسوں کا بندوبست کر دیا ہے۔ اب اُسے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔"

"تزئین اور سید غوث کی کیا خبر ہے......؟" میں نے سرد آہ بھر کر سوال کیا۔

"دونوں خوش ہیں...... کہو تو اُن کو تمہاری خبر کر دُوں؟"

"نہیں انکارانی......" میں تڑپ کر بولا۔ "ذرا حالات سازگار ہو لینے دو، میں خود ہی وہاں جا کر اپنی تزئین کو گلے لگاؤں گا۔"

"تم آرام کرو جمیل، میں ذرا روی شنکر اور ایک دو دوسرے افسروں کے دل کا بھید لے کر واپس آتی ہوں۔"

انکا سر سے اُتر گئی۔ میں کچھ دیر سیّد کی لاٹھی سینے سے لگائے بیٹھا رہا، پھر اسی کو تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ کمرے میں انسپکٹر کے علاوہ عملے کے دوسرے تمام افراد بھی سہمے سہمے نظر آ رہے

تھے۔ انکا کے ایک ہی کرشمے نے اُن کے کس بل نکال دیئے...... سب ہی کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا......!!

دوسرے دن مرلی نہیں آیا۔ تھانے کا عملہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی محتاط رہا۔ بلبیر کی جگہ تعینات ہونے والے انسپکٹر کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ انکا مجھے مزے لے لے کر سناتی رہی کہ نئے انسپکٹر کی وردی اُتروانے والے قصے نے روی شنکر کو بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مرلی نے خاص طور پر ڈی آئی جی سے مل کر ان حالات کا چشم دید قصہ سنایا تھا۔

"ہر طرف کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ روی شنکر نے خاص طور پر اجودھیا والے پنڈت کو آج شام تک بمبئی پہنچنے کی درخواست کی ہے۔" انکا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "جمیل، میری درخواست ہے کہ تم اُس پنڈت کے سامنے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا۔ وہ کئی شاستروں کا ماہر اور ہندو دھرم کا مانا ہوا عالم ہے۔ پہلے اُس نے پنڈت نول کشور کے شیطانی ٹولے میں شمولیت سے انکار کر دیا تھا لیکن دُرگا کی آواز کے بعد شاید وہ بھی تمہارے خلاف محاذ آرا ہو جائے۔ گرو پرتاپ بھی اس پنڈت کی عزت کرتا ہے۔ ہمیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا ہوگا۔"

"پریشان مت ہو انکارانی۔" میں نے پہلو بدل کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ پھر سیّد مجذوب کی لاٹھی دیکھ کر بولا۔ "جب تک یہ میرے پاس ہے دشمن میرے خلاف کوئی بڑی کامیابی نہیں حاصل کر سکیں گے۔ مجھے اس بات کا یقین نہ ہوتا تو شاید میں مرلی کے اپارٹمنٹ سے باہر نہ آتا۔ اب میں نے خود کو آگ اور خون کے حوالے کر دیا ہے۔ میں بدترین حالات میں بھی حوصلہ نہیں ہاروں گا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سیّد مجذوب میرے اضطراب سے بے خبر نہیں ہوگا۔ وہ بھی دیکھ رہا ہوگا کہ ہندوستان کی وسیع و عریض زمین پر میرے لئے سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا نہیں رہ گیا۔ ہر طرف آگ کے الاؤ بھڑک رہے ہیں، دُشمنوں کے بس میں ہوتا تو میں کب کا جل کر راکھ ہو چکا ہوتا۔ وہ مجھے اذیت ناک سزا دینے کے خواہشمند ہیں۔ بڑے نادان لوگ ہیں، یہ بھی نہیں جانتے کہ انسان کے لئے سب سے بڑی سزا موت ہے۔ جو موت کو ہر دم گلے لگانے کو تیار ہو وہ پنڈت پجاریوں سے کیا ڈرے گا؟ سیّد کی نظر عنایت کے علاوہ تم بھی تو میرے ساتھ ہو۔"

"مجھے تمہارے ارادے کچھ زیادہ اچھے نظر نہیں آتے۔" انکا نے بے چینی کا اظہار کیا۔

''ابھی تم سمجھداری کی بات کر رہے ہو، وہ سامنے ہوتے ہیں تو ایک دم بھڑک اُٹھتے ہو
میری بھی نہیں سنتے......''

انکا سے میری چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ اُس روز کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں
رات کا کھانا کھانے کے بعد جلدی سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔ تھانے کا عملہ مجھ سے
دُور دُور ہی رہا۔ اب اُنہوں نے میرے اُوپر رائفل تاننے یا حقارت کی نظروں سے گھورنے
کی حماقتیں ترک کر دی تھیں۔ بھیگی بلی بنے اِدھر اُدھر بیٹھے رہتے۔ وہ میری وحشت اور
طاقت کا تماشہ دیکھنے کے بعد خائف ہو گئے تھے۔ کیسی عجیب اور مضحکہ خیز بات تھی۔ قانون
کے مسلح محافظ ایک قیدی سے نظریں چرا رہے تھے جو حوالات میں زنجیروں سے جکڑا پڑا تھا۔
رات کے پچھلے پہر میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے ہاتھ پکڑ کر
سوتے سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہو۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو گرو پرتاپ میرے برابر
پختہ فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا موجود نہیں تھی۔

''وہ راجکماری چلی گئی۔'' گرو نے لہراتے ہوئے کہا۔ ''میرے بڑے بھاگیہ جو آج اُس
سندری کے درشن ہو گئے۔ بڑی آشا تھی اُسے دیکھنے کی۔''

میں نے گھوم کر دیکھا، نائٹ ڈیوٹی کا عملہ جاگ رہا تھا۔ حوالات کے بیرونی دروازے
پر وزنی تالا بھی موجود تھا...... گرو کو اندر آنے کی اجازت کس نے دی......؟

''کوئی چنتا مت کر......'' گرو بے پروائی سے بولا۔ ''میں نے اُن کی نگاہوں کے
سامنے پردے ڈال دیئے ہیں۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ میں ایک ضروری بات کرنے
آیا ہوں۔ دو گھڑی بیٹھ کر چلا جاؤں گا۔ میرا کہا سنا معاف کر دینا۔''

''کیا مطلب......'' میں چونکا۔ ''تم کہا سنا معاف کرنے کی بات کیوں کر رہے ہو؟''

''تیری سندری نے تجھے بتایا تو تھا کہ میں بھی دُرگا کے سراپ سے نہیں بچ سکوں گا۔''
وہ زہرخند سے بولا۔ ''میرا سمے پورا ہو چکا بالک، دیوی کا بلاوا آ گیا ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔
پرنتو تو بیاکل نہ ہو...... آخر میں وجے تیری ہی ہو گی۔''

''درمیان میں کیا ہوگا......؟'' میں نے اُسے کریدنے کی کوشش کی۔

''وہ تجھے گھیرنے کے کارن اُچھل کود سے باز نہیں آئیں گے۔'' گرو بڑی سنجیدگی سے
بولا۔ ''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ روی شنکر نے پنڈت پربھو دیال کو تجھے قابو کرنے کے لئے

بلایا ہے۔ وہ بڑا مہان پنڈت ہے۔ کالی کا بڑا چہیتا بھی ہے لیکن......'' گرو پرتاپ کچھ کہتے
کہتے رُک گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے اُس کی زبان پکڑ لی ہو۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے گرو......؟ پنڈت پربھو دیال کے بارے میں کیا بتانا چاہتے
تھے......؟''

''میرے پاس سمے کم ہے بالک، کیول اتنا سمجھ لے کہ دنیا دکھاوے کے لئے زمین پر
متھا مارنے والے کچھ پراپت نہیں کر پاتے۔ من اُجلا ہو، جیون دان کرنے والے پر وشواش
ہو تو شریر پر نظر آنے والی گند سے بڑے بڑے بلوان بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں گرو؟ تم کس کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''اُس مہاپرش کی جس کی شکتی اپرم پار ہے۔'' گرو نے جھومتے ہوئے کہا۔ پھر کسمسا کر
بولا۔ ''میں اب چلوں گا۔ تجھے آخری بار دیکھنے کو من چاہا تو چلا آیا۔ ورنہ میں دُور رہ کر بھی
تجھ سے غافل نہیں تھا۔''

''گرو......'' میں نے مدھم آواز میں پوچھا۔ ''کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں؟''

''اپنا دھیان رکھنا......'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''اُس سندری کی بات غور سے سنا کر جو
تیرے سر پر ڈیرا ڈال چکی ہے۔ بڑی نٹ کھٹ، بڑی چنچل ہے......''

''ایک بات پوچھوں گرو؟'' میرے دل میں امریتا کا خیال اُبھرا۔ میں معلوم کرنا چاہتا
تھا کہ گرو اور اُس کا کیا رشتہ تھا؟ ''وہ کون تھی؟ لندن سے واپسی پر اچانک اپنی سیٹ چھوڑ کر
میرے پاس کیوں آ گئی؟ کیا چاہتی تھی؟''

''امریتا کے بارے میں جاننا چاہتا ہے؟'' گرو نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اُس نے تجھ
سے غلط نہیں کہا تھا کہ آزمائی ہوئی چیزوں کو بار بار نہیں آزمایا جاتا۔''

''لیکن...... میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا......'' میں نے پورے یقین سے جواب دیا۔

''میں تیری نہیں...... امریتا کی بات کر رہا ہوں......'' گرو کا لہجہ معنی خیز تھا۔ میں نے
اُس کی مبہم بات کی وضاحت طلب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
اُس کے جانے کے بعد انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

''یہ گرو تم سے کیا کہنے آیا تھا......؟'' انکا نے پوچھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ میرے اور
گرو کے درمیان ہونے والی بات نہیں سن سکی۔ شاید گرو نے میرے اور انکا کے درمیان بھی

وقتی طور پر کوئی دیوار حائل کر دی تھی۔

''وہ...... مجھ سے آخری بار ملنے آیا تھا۔'' میں نے لمبی سانس لے کر افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''کہہ رہا تھا کہ دیوی کا بلاوا آ گیا ہے۔''

انکا مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے گھورنے لگی۔ میں نے جماہی لے کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں......!

رات سکون سے بیت گئی۔ صبح انکا پھر حالات کی سن گن لینے چلی گئی۔ میں ناشتہ کرنے کے بعد فارغ ہوا تو مرلی آ گیا۔ اُس کے چہرے پر نظر آنے والے تاثرات اُس کے اندر کی پریشانی کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آیا تو میں نے مسکرا کر کہا۔

''میرے بیان کے بغیر تمہاری انکوائری مکمل نہیں ہو گی۔ تم جو چاہو لکھ لو، میں دستخط کر دُوں گا۔ تمہارے اور سروجنی کے کچھ احسانات ہیں مجھ پر۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم دونوں کو کوئی پریشانی لاحق ہو۔''

''میں اس وقت بیان نہیں، آپ کو لینے آیا ہوں......'' اُس کے لہجے میں کوئی اُلجھن کھٹک رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو......؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

''روی شنکر نے آپ کو ہیڈ آفس بلوایا ہے۔'' مرلی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ ''اجودھیا سے ایک بڑے پنڈت کو بھی بلایا گیا ہے۔ روی شنکر کو میں نے انسپکٹر کی وردی اُترنے والی بات بتا دی۔ اُس کے مخبروں نے پہلے ہی سے تفصیل سنا رکھی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ سے پھر سودے بازی کرنا چاہے گا۔''

''پنڈت پربھو دیال کو کیوں بلایا گیا ہے......؟'' میں نے زہر خند سے دریافت کیا۔ مرلی کسمسانے لگا۔

''آپ کو اُس کا نام کیسے معلوم ہوا......؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے اور بھی بہت کچھ معلوم ہے۔'' میں نے گول مول انداز اختیار کیا۔ ''روی شنکر اگر خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں......''

میں مرلی کے ساتھ جانے کو تیار ہوا تو انکا سر پر واپس آ گئی۔ اُس کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ میں نے فوری طور پر اُسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا، مرلی کے ساتھ

حوالات سے باہر قدم نکالا تو چار سنتری رائفل تانے فرائض کی خانہ پُری کی خاطر آگے بڑھے۔ مرلی نے اُنہیں اشارے سے روک دیا۔ ڈیوٹی آفیسر بھی دُور دُور ہی رہا۔ مجھے مرلی کے بے حد اصرار پر سیّد کی لاٹھی تھانے میں ہی چھوڑنی پڑی۔

تھانے کے باہر ایک بکتر بند گاڑی موجود تھی، اس کے پیچھے مسلح سپاہیوں کی ٹولی ایک ٹرک نما بڑی وین میں موجود تھی۔ مرلی مجھے لے کر بکتر بند گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ پولیس کمانڈو بھی موجود تھے۔ مرلی نے ان دونوں کو نیچے اُترنے کا حکم دیا تو ایک ثانیے کے لئے وہ ہچکچائے، لیکن مرلی کے حکم سے انکار نہیں کر سکے۔

گاڑی حرکت میں آئی تو مرلی نے انگریزی زبان میں بات شروع کر دی۔ اُس نے اپنی آواز کو اتنا بلند نہیں ہونے دیا کہ ڈرائیور کے کانوں تک پہنچ جائے۔

''مہاراج...... مجھے زہر کے گھونٹ پی کر روی شنکر کے حکم کی پیروی کرنی پڑ رہی ہے۔ سروجنی بھی آپ کے لئے پریشان ہے۔ صبح کہہ رہی تھی کہ میں استعفیٰ لکھ کر ڈی آئی جی کے منہ پر مار دُوں۔ لیکن موجود حالات میں......''

''میں تمہاری مجبوری سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ ''سکون سے تماشہ دیکھتے رہو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

ہمارے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ انکا پشت پر ہاتھ باندھے میرے سر پر ٹہل رہی تھی۔ بار بار نظریں اُٹھا کر کچھ دیکھنے لگتی، پھر دوبارہ چہل قدمی شروع کر دیتی۔ میں مرلی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ انکا سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ تھانے سے روانگی کے پندرہ منٹ بعد انکا نے مجھے پہلی بار مخاطب کیا۔

''جمیل، مرلی سے کہو کہ ڈرائیور کو راستہ بدلنے کی ہدایت کرے۔ اگلے چوراستے سے گاڑی سیدھے کی بجائے اُلٹے ہاتھ موڑ لی جائے۔ سیدھے ہاتھ پر خطرہ ہے۔ میں پولیس وین کے ڈرائیور کے سر پر جا رہی ہوں۔ روی شنکر بھی کیا یاد کرے گا کہ اُس کا پالا کس سے پڑا ہے۔''

انکا اپنا جملہ مکمل کر کے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں نے فوری طور پر مرلی کی بات کاٹ کر اُسے گاڑی اُلٹے ہاتھ مڑوانے کا مشورہ دیا تو وہ چونکا۔

''مہاراج......'' اُس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن میں نے اُس کی بات پھر کاٹ دی۔

''سے کم ہے مرلی......ڈرائیور کو حکم دو کہ چورستے سے گاڑی بائیں ہاتھ موڑ لے۔'' مر
نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''سیدھے ہاتھ والے راستے پر موت کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ رو
شنکر میرے علاوہ تمہاری بھی جان کا دشمن ہے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی آنکھیں کھلی رکھنے
مشورہ دیا تھا۔''

مرلی نے ڈرائیور کو گاڑی کا راستہ بدلنے کی ہدایت کی تو وہ اپنی نشست پر کسمسانے لگا
لیکن مرلی کے حکم کی خلاف ورزی کی ہمت نہ کر سکا۔ بکتر بند گاڑی نے طے شدہ راستہ بدلا
وائرلیس سسٹم جاگ اُٹھا۔ کسی کی کھرکھراتی ہوئی آواز اُبھری...... ''نمبر ون، تم نے گاڑ
لیفٹ ہینڈ پر کیوں موڑ دی؟ سیدھے ہاتھ کی طرف واپس جاؤ......''

''ڈپٹی صاحب نے لیفٹ ہینڈ چلنے کا حکم دیا ہے......'' ڈرائیور نے سپاٹ لہجے میں
جواب دیا۔ ''میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔''

''بحث مت کرو......'' تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ ''جو روٹ بڑے صاحب نے طے کر
ہے اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ گاڑی واپس موڑو۔''

''تم اسی راستے پر چلتے رہو۔'' مرلی نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ پھر اپنا واکی ٹاکی آن کرتے
ہوئے بولا۔ ''میں ڈی ایس پی رمیش کھنا بول رہا ہوں۔ مجھے انفارمیشن ملی ہے کہ سیدھے
ہاتھ پر جانا خطرناک ہے۔ اس لئے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے......اوور۔''

''سر......'' دوسری جانب سے احتراماً کہا گیا۔ پھر بولنے والے نے مرلی کو اطلاع د
کہ پولیس وین طے شدہ راستے پر ہی نکل گئی ہے۔

''اُس سے فوراً رابطہ قائم کر کے میرے پیچھے پیچھے آنے کا حکم دو۔'' مرلی نے جھلا کر
کہا۔ ''کیا وین کا ڈرائیور اندھا تھا جو اُسے بکتر بند گاڑی نظر نہیں آئی؟ اُسے کنٹیکٹ کر کے
مجھے انفارم کرو......اوور اینڈ آل۔''

مرلی کے چہرے پر تشویش کے تاثرات پھیل کر گہرے ہونے لگے۔ بدلتی ہوئی سچویشن
نے اُس کے اضطراب میں اضافہ کر دیا۔ میں جانتا تھا اُس نے واکی ٹاکی پر جو ہدایت جاری
کی تھی اس کی تعمیل ممکن نہیں ہوگی۔ انکا کی سر پر موجودگی کے سبب پولیس وین کا ڈرائیور
دوسرے کے احکامات پر عمل کرنے سے قاصر تھا۔ مرلی نے بے چینی سے رہ رہ کر پہلو بد
شروع کر دیا۔ بکتر بند گاڑی کا ڈرائیور بھی بار بار عقب نما شیشے کی طرف دیکھنے لگا۔

خاموش بیٹھا دل ہی دل میں مسکراتا رہا......سات آٹھ منٹ گزر گے، دوسری جانب سے
کوئی اطلاع نہیں ملی۔ مرلی نے دوبارہ واکی ٹاکی آن کرنے کی کوشش کی لیکن اسی لمحے کہیں
دُور سے اتنے خوفناک دھماکے کی آواز اُبھری کہ بکتر بند گاڑی بھی لہرا کر رہ گئی۔ باہر یقیناً
افراتفری پھیل گئی ہوگی۔ قرب و جوار کی عمارتیں بھی ہل کر رہ گئی ہوں گی۔ شیشے ٹوٹ کر ریزہ
ریزہ ہو گئے ہوں گے۔ کئی بے گناہ افراد بھی زندگی سے ہاتھ دھو چکے ہوں گے۔ پولیس
وین کے تو پرخچے اُڑ گئے ہوں گے، قرب و جوار کی اور بہت ساری گاڑیاں بھی ضرور لپیٹ
میں آئی ہوں گی۔ روی شنکر تک خبر پہنچے گی تو وہ بھی بلبلانے لگے گا۔ اجودھیا سے خاص طور
پر بلائے جانے والا پنڈت پربھودیال بھی سوچ وچار میں پڑ جائے گا۔

''سر......'' بکتر بند گاڑی کے ڈرائیور نے سہمی سہمی آواز میں مرلی سے کہا۔ ''بھگوان کی
دیا سے ہم بال بال بچ گئے۔ آپ کی انفارمیشن نے مجھ غریب کی جان بھی بچالی......''

مرلی کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ وائرلیس سسٹم پھر جاگ اُٹھا۔ ایک کھرکھراتی ہوئی
آواز اُبھری۔ ''نمبر ون......تم تیزی سے ہیڈ آفس پہنچنے کی کوشش کرو۔ ڈی آئی جی کا حکم
ہے......ڈپٹی صاحب تو خیریت سے ہیں......؟''

''ہاں......'' ڈرائیور نے مُردہ آواز میں پوچھا۔ ''ہماری وین کا کیا بنا......؟''

''صاحب سے کہو کہ بڑے صاحب سے واکی ٹاکی پر بات کریں......'' دوسری طرف
سے کہا گیا۔ پھر رابطہ ختم کر دیا گیا۔ مرلی نے واکی ٹاکی پر روی شنکر سے رابطہ قائم کرنے میں
دیر نہیں لگائی۔ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''میں نے پنڈت پربھودیال کا شگون خراب کر دیا۔'' وہ سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے
ہوئے بولی۔ ''حادثے کی خبر سن کر وہ بھی ضرور تلملائے گا، غصے میں اپنا گنجا سر کھجلا رہا ہوگا۔
روی شنکر کی پتلون بھی ڈھیلی پڑ گئی ہوگی......''

''سڑک پر ہر طرف خون ہی خون ہوگا۔'' میں نے انکا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
چھیڑ خانی کی۔ ''تم اتنی جلدی کیسے واپس لوٹ آئیں؟''

''مجھے سسکتے کراہتے لوگوں کا خون پینے کی عادت نہیں ہے۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔
''تم ذرا اطمینان کا سانس لو تو ہم دونوں مل جل کر جشن منائیں گے۔''

میں نے روی شنکر اور مرلی کے درمیان ہونے والی گفتگو پر توجہ نہیں دی، انکا سے چھیڑ

چھاڑ کرتا رہا۔ وہ بھی میرا دل بہلاتی رہی۔ کچھ دیر بعد مرلی نے واکی ٹاکی بند کر کے مجھ
بڑی انکساری سے مخاطب کیا۔

''مہاراج، تم نے آج میرے اُوپر جو اُپکار کیا ہے وہ میں سارا جیون نہیں بھولوں گا۔''

''تم بھول رہے ہو مرلی، اس گاڑی میں تم تنہا نہیں ہو، میں بھی تمہارے ساتھ ہو
ہوں۔'' میں سنجیدگی سے بولا۔ ''میں نے اگر بروقت خطرے کی بو نہ سونگھی ہوتی تو تمہار
ساتھ ساتھ میں بھی پرلوک سدھار جاتا۔''

''ایک بات پوچھوں مہاراج......؟''

''پوچھو......''

''یہ دھماکے والی سازش کس نے کی تھی؟''

''ہم دونوں کے متر (دوست) روی شنکر مہاراج کی۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں
کہا، پھر خلاء میں گھورتے ہوئے بولا۔ ''اب اُس کا برا وقت بھی قریب آ رہا ہے۔''

میں مرلی پر اپنی پراسرار قوتوں کی دھاک جماتا رہا، وہ مسمسی صورت بنائے بیٹھا با
سعادت مندی سے میری باتیں سنتا رہا۔ کچھ دیر بعد بکتر بند گاڑی پولیس ہیڈ آفس پہنچ
رُکی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں دروازہ کھلنے پر گاڑی سے نیچے اُترا تو پولیس کے مسلح سپاہیوں
نے لپک کر مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مرلی میرے ساتھ ساتھ تھا۔ میں ابھی تک
زنجیروں کی قید سے آزاد نہیں کیا گیا تھا پھر بھی دشمن مجھے کوئی موقع نہیں دینا چاہتے تھے
پولیس ہیڈ آفس کے احاطے میں کئی افسران بھی موجود تھے۔ سبھی کے چہرے دُھواں دُھوا
ہو رہے تھے۔ پولیس وین کی تباہی اور دھماکے کے سبب رواں دواں زندگی میں جو خلل پڑ
آ گیا تھا اس نے سب کو بوکھلا دیا تھا۔

مجھے مرلی کے ساتھ ہی اُس کمرۂ خاص میں قدم رکھنا پڑا جہاں روی شنکر کے علاوہ
قد کا ایک ہٹا کٹا پنڈت بھی موجود تھا۔ اُس کے تیور مجھے دیکھتے ہی خطرناک ہو گئے۔ اُ
کی نگاہوں میں بلا کا اعتماد موجود تھا۔ ہاتھوں میں موٹے موٹے دانوں کی مالا لئے کوئی
جپ رہا تھا، کمرے میں میرے داخل ہوتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ روی
نے بھی اُس کی پیروی کی۔ میں نے محسوس کیا کہ انکا پنڈت کو دیکھ کر میرے بالوں
دبک گئی تھی۔

میں پا بہ زنجیر ہونے کے باوجود سینہ تان کر آگے بڑھتا رہا۔ پھر مرلی نے مجھے رُکنے کا
اشارہ کیا تو میں پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا۔ روی شنکر کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت کا
احساس جھلک رہا تھا۔ ایک لمحے تک وہ مجھے تیز نظروں سے گھورتا رہا، پھر اُس نے میرے
بجائے مرلی کو مخاطب کیا۔

''تمہیں خطرے کی اطلاع کب ہوئی تھی؟'' ڈی آئی جی نے سرسراتے لہجے میں
دریافت کیا۔

''اسے میں نے بتایا تھا۔'' مرلی کو سٹپٹاتا دیکھ کر میں نے روی شنکر کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال دیں۔ ''میری نظروں نے تمہاری بکتر بند گاڑی میں ہونے کے باوجود دیکھ لیا
تھا کہ سیدھے ہاتھ پر خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں۔''

''تمہاری انکوائری رپورٹ کہاں تک پہنچی؟'' روی شنکر نے میری بات نظر انداز کر کے
پھر مرلی کی طرف دیکھا۔

''میں نے کوئی بیان دینے سے انکار کر دیا ہے۔'' میں نے دوبارہ مداخلت کی۔ ''انسپکٹر
بلبیر اُس وقت زندہ تھا جب عقوبت خانے میں تین لاشیں ڈھیر ہوئی تھیں۔ اُس سے یہ
پوچھو کہ وہ کیسے بچ گیا......؟'' میرے لہجے میں تلخی تھی۔ میں روی شنکر اور پنڈت پربھو دیال
دونوں کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں ان سے خائف نہیں ہوں۔ پنڈت کی اُنگلیاں مالا کے
دانوں پر تیز تیز چلنے لگیں۔ وہ گرگٹ کی طرح رہ رہ کر رنگ بدل رہا تھا۔

''انسپکٹر بلبیر ابھی تک پرانے بیان پر اڑا ہوا ہے۔'' مرلی نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔
''میرا خیال ہے کہ وہ کوئی اہم بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں دوسرے ذرائع سے
معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ ایک ہفتے بعد اپنی رپورٹ پیش کر دوں گا۔''

''اوکے......'' روی شنکر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم باہر بیٹھو، ہمیں جمیل احمد خان سے
کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

مرلی نے ایڑیاں جوڑ کر سیلوٹ کیا، پلٹ کر میری طرف دیکھا پھر قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا۔

''جمیل......'' مجھے انکا کی سرگوشی سنائی دی۔ ''صبر سے کام لینا۔'' درگا کی بددُعا کا وقت
پورا ہونے میں کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔ میں نے پنڈت پربھو دیال کو پہلی بار دیکھا ہے، یہ
بدری نرائن کے مقابلے میں زیادہ پہنچا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس سے اُلجھنے کی غلطی نہ کرنا۔''

"لک چھپ کر کیوں بیٹھی ہے سندری؟" پنڈت نے پہلی بار زبان کھولی۔ اُس کے لہجے میں تلوار کی کاٹ تھی۔ سانپ کا زہر گھلا ہوا تھا۔ وہ انکا۔ سے مخاطب تھا۔ "سامنے آجا، میں بھی آج تیرے درشن کرلوں۔"

"تم...... کس سے باتیں کررہے ہو مہاراج؟" روی شنکر نے حیرت کا اظہار کیا۔

"پنڈت پجاریوں کے گیان دھیان کی باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔" پربھو دیال نے سیدھا ہاتھ اُٹھا کر روی شنکر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میرے سر پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "میں تیری سندرتا، تیری مہان شکتی اور تیرے کھیل تماشوں کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ آ...... سامنے آجا، مجھے بھی اپنی چھب دکھا دے۔ میری اچھا پوری کردے، پھر بھلے چلی جانا۔"

"یہ مکروفریب کی باتیں کررہا ہے۔" انکا کی مدھم آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "اُس نے مجھے دیکھ لیا تو پھر اس پر میرا کوئی داؤ اثر نہیں کرے گا۔ میں جارہی ہوں۔ تم احتیاط سے کام لینا۔"

انکا میرے سر سے رینگ کر اُتر گئی۔ پنڈت بل کھانے لگا۔ میں نے پہل نہیں کی، خاموش کھڑا روی شنکر اور پنڈت کو باری باری دیکھتا رہا۔ کمرے میں کچھ دیر گہرا سکوت طاری رہا، پھر روی شنکر مجھ سے مخاطب ہوا۔

"میں ایک بار پھر تم کو بھارت کی سرحدوں سے نکل جانے کی پیش کش کررہا ہوں......"

اُس کا لہجہ بڑا اسرار اور کھردرا تھا۔

"میں اپنے فیصلوں میں ترمیم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

"نیچے واپس آجا مورکھ......" پنڈت پربھو دیال نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ اُس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی۔ مجھے اپنا وجود لرزتا محسوس ہوا۔ میں نے جلدی سے اپنی توجہ دوسری طرف کرلی۔ ایک لمحے کی دیر ہوجاتی تو پنڈت کی پراسرار قوتیں مجھے اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب ہوجاتیں۔ مجھے سیّد کی لاٹھی کا خیال آیا، وہ میرے پاس ہوتی تو شاید پربھو دیال بھی اُسے دیکھ کر مجھے زیر کرنے سے پہلے دس بار غور کرنا ضروری سمجھتا۔ مجھے نظریں بچاتا دیکھ کر پنڈت نے "جے کالی" کا نعرہ بلند کیا، پھر الفاظ چباتے ہوئے بولا۔

"سنا ہے تو نے تھانے میں کسی انسپکٹر کی وردی اُتروادی تھی، ہمیں بھی کوئی چمتکار دکھادے۔ زمین پر ٹھوکر مار کر شعلے بھڑکا، میرے شریر کے کپڑے بھی اُتروانے کے لئے کوئی داؤ پیچ کر...... نظریں ملا کر بات کر......"

پنڈت مجھے بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ انکارانی کہیں آس پاس ہی موجود ایک ایک بات سن رہی ہوگی۔ اُس نے کہا تھا کہ پربھو دیال، بدری نرائن سے زیادہ قوتوں کا مالک ہے۔ میں بدری نرائن کو کتوں کی موت مار چکا تھا۔ کلدیپ نے امرلال کے جسم کے کئی ٹکڑے کردیئے تھے۔ تب اور بات تھی، کلدیپ میرے ساتھ تھی۔ اس وقت میں تنہا کھڑا تھا۔ دُرگا نے اکیس دنوں کے لئے میری قوتیں سلب کرلی تھیں۔ انکا کا مشورہ تھا کہ میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دُوں۔ پنڈت مجھے اشتعال دلانے کی کوشش کررہا تھا۔

"چپ کیوں ہے......؟" پربھو دیال نے حقارت سے کہا۔ "اُونچے سُروں میں بات کر، نوجوان چھوکریوں کی طرح نظریں کیوں چرا رہا ہے......؟"

"پنڈت......" میں چپ نہ رہ سکا۔ "میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تم درمیان میں نہ آؤ تو بہتر ہوگا۔"

"کیوں؟" وہ کمینگی پر اُتر آیا۔ "مجھے دیکھ کر ٹٹی خشک ہوگئی؟ ڈیڑھ بالشت کی چھمیا سر سے اُتر گئی تو نامرد بن گیا۔ اُس کی موجودگی میں دوسروں کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا ہے...... پہاڑ کے نیچے آیا تو بلبلانے لگا؟"

"زبان کو لگام دو پربھو دیال......" میں نے تلملا کر جواب دیا۔ "تم بھی دُرگا کے دیئے ہوئے سراپ کی وجہ سے اُونچی آواز میں بول رہے ہو۔ میرے ہاتھ پیر بندھے ہیں اور تم اپنی مردانگی کی ڈینگیں مار رہے ہو۔ میری وحشتوں اور جنون کے قصے تم نے بھی ضرور سنے ہوں گے۔ نہیں سنے تو گروپرتاپ سے جا کر پوچھ لو......"

"بھول جا اُس مورکھ کو جس نے تیرے کارن اپنا جیون بھینٹ کردیا۔" پنڈت جھلا کر بولا۔ "وہ مہان شکتی کا مالک تھا لیکن بھول سے دُرگا سے پنجہ لڑانے کی غلطی کر بیٹھا۔ تو نے نہیں دیکھا، میں جانتا ہوں کہ اُس کا انت کتنا بھیانک ہوا۔ اُسے دُرگا کے چرنوں میں پجاریوں نے بوٹیاں نوچ نوچ کر ختم کردیا۔ اُس کی آتما اور شریر کا بندھن ٹوٹ گیا۔ آخری سانس تک اُس مہاپرش نے جیون کی بھکشا بھی نہیں مانگی۔ بڑا مورکھ تھا، تجھ جیسے پاپی کے

لئے جان دے دی.....''

''پنڈت.......'' میں نے استہزائیہ انداز اختیار کیا۔ ''تم نہیں جانتے کہ گرو نے میری خاطر قربانی کیوں دی........ جان لیتے تو اجودھیا سے چل کر یہاں تک آنے کی غلطی بھی نہ کرتے۔''

میرا جواب سن کر روی شنکر کسمسانے لگا۔ پربھو دیال کی آنکھوں میں بھی شعلے بھڑکنے لگے۔ اُس نے اپنے سینے کا ایک بال توڑ کر بڑی قوت سے میری جانب اُچھالا۔ میں توازن برقرار نہ رکھ سکا، تیورا کر زمین پر گر پڑا۔ زنجیریں چبھیں تو اذیت سے کراہ کر رہ گیا۔ روی شنکر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''روی کی بات مان لے پاپی......'' پنڈت نے نفرت سے کہا۔ ''اس دیش سے دفع ہو جا......سن رہا ہے میری بات، اسی میں تیری مکتی ہے۔''

''میرے فیصلے میں لچک پیدا کرنے میں تمہیں کبھی کامیابی نہیں ہوگی پربھو دیال......'' میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم نے تھوڑی بہت قوتیں حاصل کر رکھی ہیں مگر شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ تم سے پہلے تمہارے جیسے بہت سارے پنڈت پجاری میرا راستہ کھوٹا کرنے کی حماقت کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے بھی جذبات اور دھرم کے نام پر اندھے ہو کر اپنی اوقات سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ ایک ایک کر کے سب پرلوک سدھار گئے۔ تمہاری دُرگا بھی صرف پندرہ بیس روز کے لئے میرے اوپر حاوی ہو سکی، اُس کے اختیار میں ہوتا تو گرو پرتاپ سے پہلے مجھے نرک میں جھونکنے کی......''

''چپ ہو جا مورکھ، پاپی......اپنی زبان کو تالا لگا لے۔'' پنڈت آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس نے دوسرا وار کیا۔ اُلٹا پاؤں اُٹھا کر زمین پر مارا، میرے چاروں طرف آگ بھڑکنے لگی۔ شعلے مجھے جلا کر خاک کر دینے کی خاطر میری سمت بڑھ رہے تھے جب کسی نے میرا بازو تھام لیا۔ میں نے بوکھلا کر نگاہوں کا زاویہ بدلا۔ میں سمجھا کہ پنڈت کے جنتر منتر کے بیر میرا ہاتھ تھام کر آگ میں جھونکنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن میری نظر سیّد مجذوب پر پڑی تو میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔

''مجھے یقین تھا پیر و مرشد......'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''میرے صبر کی انتہا تمہیں میری

جانب ضرور متوجہ کر لے گی۔ تمہارے اشارے پر رُوئی کو دھنکی بھی لگ چکی، میں نے اُس وقت بھی اُف نہیں کی، اب کہو تو اپنے وجود کو شعلوں میں جھونک دُوں۔''

''دولتی جھاڑ کر کھڑا ہو جا......آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر رینکنا شروع کر دے۔'' سیّد نے اپنے جسم کا تھوڑا سا میل اُتار کر میرے ہونٹوں پر رکھتے ہوئے کہا، پھر یکلخت نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

بھڑکتے ہوئے شعلے تیزی سے بلند ہو کر میری طرف لپک رہے تھے۔ پنڈت پربھو دیال کے ہونٹ بدستور متحرک تھے۔ وہ مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کی خاطر کسی خطرناک جان لیوا منتر کا جاپ کر رہا تھا۔ روی شنکر بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ میں نے سیّد مجذوب کے میل کو زبان کے ذریعے حلق کے نیچے اُتار لیا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کا رقص پلک جھپکتے میں ختم ہو گیا۔ پنڈت اور روی شنکر کی آنکھیں پھٹ پڑنے لگیں۔ مجھے اپنے اندر پرانی توانائی کروٹ لیتی محسوس ہوئی۔ میں نے ہاتھوں کو جھٹکا دیا، ہتھکڑیاں کانچ کی چوڑیوں کی طرح ٹوٹ کر ایک طرف جا پڑیں۔ میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ دُرگا کا عتاب سیّد کے جسم کے میل سے ختم ہو گیا تھا......میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پیروں کی زنجیروں کو کچے دھاگوں کی طرح توڑ کر ایک طرف اُچھال دیا۔ مسکراتا ہوا کھڑا ہوا تو روی شنکر دم بخود رہ گیا۔ پنڈت نے غصے میں بپھر کر اپنا اُلٹا ہاتھ فضا میں بلند کیا، میں نے دم سادھ لیا۔ مجھے سیّد کی ذات پر اعتماد تھا۔ پربھو دیال پینترا بدل بدل کر حملے کرتا رہا، اپنے ترکش کے سارے تیر ایک ایک کر کے آزماتا رہا۔ اُسے ناکامی ہوئی تو بل کھانے لگا۔

''میں نے تم سے کہا تھا پنڈت کہ اپنی وِدّیا سے میرے بارے میں جان لیتے تو میرے مقابلے پر آنے کی غلطی کبھی نہ کرتے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نے اپنے دل کے سارے ارمان نکال لئے۔ اب میری باری ہے۔ کہو تو تمہیں بھی آنکھ کے ایک اشارے سے گرو پرتاپ کے پاس بھیج دُوں، لیکن نہیں......'' میں زہرخند سے بولا۔ ''میں تمہیں ماروں گا نہیں۔ تم زندہ رہو گے تاکہ اپنی زبان سے چندرا اور نول کشور کو بتا سکو کہ انہوں نے میرے خلاف پنڈت پجاریوں کے دلوں میں زہر گھول کر ٹھیک نہیں کیا۔''

پنڈت پربھو دیال اپنی جگہ کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا، نگاہوں نگاہوں میں مجھے تولتا رہا۔ میں نے روی شنکر کی سمت دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''تمہیں یاد ہے روی شنکر؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو.....''

''مم...... میں قانون کی خانہ پُری کرنے پر مجبور ہوں۔'' اُس نے بڑی مُردہ آواز م
جواب دیا۔

''ضرور کرو خانہ پُری۔'' میں نے حقارت سے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''میں تمہیں منع نہ
کرتا۔ لیکن اپنے کارندوں کو اب اپنی ہی زبان میں سمجھا دینا کہ مجھ سے چھیڑ خانی نہ کری
ایک بات اور دھیان سے سن لو، ڈی ایس پی رمیش کھنا (مرلی) یا سروجنی نے اپنی خوشی
مجھے اپنے گھر میں پناہ نہیں دی تھی۔ وہ بھی میری طاقت کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور
گئے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت تم بے بس نظر آ رہے ہو۔ اُن دونوں
خلاف کوئی گھٹیا قدم اُٹھانے کا ارادہ بھول کر بھی مت کرنا..... سنا تم نے؟ میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

روی شنکر کچھ جواب دینا چاہتا تھا، لیکن اُسے موقع نہیں ملا۔ پنڈت پربھو دیال کو
شکست منظور نہیں تھی۔ اُس نے آخری حربے کے طور پر اپنے گلے میں پڑی ہوئی مالا اُتار
زور سے میری طرف پھینکی۔ میں ایک طرف ہٹ گیا۔ مالا کے دانے دیوار سے ٹکرا کر اِد
اُدھر بکھر گئے۔ پنڈت نے میرے سمجھانے کے باوجود کمینگی کا ثبوت دیا تھا۔ میں اپنے غ
پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے نندا کا سکھایا ہوا عمل شروع کر دیا۔

''مجھے شما کر دو جمیل احمد خاں......'' پنڈت گڑگڑانے لگا۔ ''میں تمہاری شکتی کا اند
نہیں کر سکا تھا۔ بھول ہو گئی مجھ سے۔''

میں نے جواب میں اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ پھر یہ میری تیز نگاہوں کا اثر تھا، مہ
مدتوں کی شب و روز ریاضتوں کا کرشمہ تھا، میرے ارتکاز اور مراقبوں کی مسلسل مشقتو
نتیجہ تھا کہ پنڈت پربھو دیال کے قدم اُکھڑ گئے۔ وہ چکرا کر نیچے گرا، پھر دیکھتے ہی دی
اُس کا جسم جھلس کر کوئلے کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ روی شنکر نے پنڈت کا بھیانک انج
دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگا۔

انکارانی میرے سر پر واپس آ کر خوشی میں دیوانہ وار رقص کرنے لگی......!!

۞ ۞ ۞

بازی پلٹ گئی۔ سیّد مجذوب جیت گیا۔ دُرگا کی شکتی کا سراپ پل بھر میں دم توڑ گیا۔ روی شنکر نے میری طاقت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ وہ کمینگی سے انکساری پر اُتر آیا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو محتاط رہنے کا اشارہ کر دیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ انکا بھی حیران رہ گئی۔ مجھے دوبارہ تھانے کے لاک اپ میں پہنچا دیا گیا۔ اس بار اُنہوں نے مجھے زنجیروں میں جکڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میرے پاس ہی رہی۔ انکا بار بار ایک ہی رٹ لگا رہی تھی۔

''جمیل، میں نے زمانے کی کئی کروٹوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ بڑے بڑے سورماؤں سے پالا پڑا ہے، پراسرار قوتوں کے بارے میں اتنا تم نہیں جانتے جتنا میں جانتی ہوں۔ دنیا میں آج بھی ایسی آبادیاں موجود ہیں جہاں تک تمہارے سائنس دان اور کھوجیوں کی رسائی نہیں ہو سکی۔ وہاں دیوتاؤں نے اپنے ماننے والوں کے لئے ایک منڈل کھینچ دیا ہے جس کے اندر اُن کے پجاریوں کے سوا کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکتا۔ زمین سے آسمان تک اس حصار کے اندر جو شے بھی داخل ہوتی ہے وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ تمہاری مہذب دنیا کے لوگ اس بات کو نہیں مانتے لیکن آئے دن ان مخصوص علاقوں سے گزرنے والے طیاروں کی تباہی کی کوئی وجہ بھی دریافت نہیں کر سکے۔ کئی سر پھرے سیاحوں نے ان غیر مہذب علاقوں کو کھوجنے میں جان گنوا دی۔ جو کامیاب نہیں ہو سکے اُنہوں نے اپنی معلومات کا ذخیرہ کتابوں میں جمع کر کے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں مہماتی، پراسرار اور ہولناک کہانیوں کا نام دے کر الماریوں میں سجا دیا گیا۔ تم چاہو تو میں تمہیں وہاں کے بارے میں بہت کارآمد باتیں بتا سکتی ہوں۔ مثلاً یہ کہ ان آبادیوں میں لکڑی اور گھاس پھوس سے بنائے گئے دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی ہے، انہیں پوجا جاتا تھا، ان کی رسمیں بھی عجیب و غریب اور بڑی ہولناک ہوتی ہیں۔ تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

گھاس پھوس کے دیوتاؤں سے شگون لیا جاتا ہے۔ چھوٹے بڑے سب ان پر آنکھ بند
کے اعتماد کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندو دھرم میں بھی دیوی دیوتاؤں کو ایک خاص مقام حاصل
ہے۔ ان کی طاقت کے کرشموں سے کوئی انکار نہیں کرتا۔ ان کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں
انکا بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ''دُرگا کی شکتی بھی اپرم پار ہے۔ میں نے بھی تم سے یہی
تھا کہ ایکس روز کے لئے تمہاری قوتیں تمہارے کسی کام نہیں آسکیں گی۔ تم گرو پرتاپ
مل چکے ہو۔ وہ بھی پریتم لال مہاراج کے ٹکر کا پجاری تھا۔ تم گواہ ہو کہ اُس نے تمہارا ہا
تھام کر تمہیں روی شنکر اور اُس کے بہت سارے آدمیوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا تو
سرچ لائٹس کی تیز روشنیاں بھی بیکار ہو گئی تھیں۔ لیکن دُرگا کے سامنے وہ بھی گھٹنے ٹیکنے
مجبور ہو گیا۔ بھینٹ کی رسم کی ادائیگی کے وقت ننگ دھڑنگ پجارنیں مدھ کے پیالے پی
وحشیانہ رقص کر رہی تھیں۔ پنڈت پجاریوں کا ہجوم دُرگا کی شان میں بھجن الاپ رہا تھا۔
کی شکتی چھین لی گئی، اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دُرگا کے چرنوں میں ڈال دیا گیا۔ میں
بھی تم سے یہی کہا تھا، گرو کو اُس کے کئے کی سزا ضرور ملے گی۔'' انکا ایک لمحے کو سانس
کی خاطر رُکی پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ ''جمیل...... مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا
تمہارے ساتھ ایک انہونی بات کس طرح ہو گئی؟ دُرگا کے عتاب کی مدت ابھی پوری نہ
ہوئی تھی لیکن تم نے سب کو حیران کر دیا...... مجھے بتاؤ، یہ کیسے ہو گیا......؟''

''وہ بروقت آ گیا تھا انکارانی۔'' میں نے سیّد کی لاٹھی چوم کر جواب دیا۔ ''ایک لمحے
دیر ہو جاتی تو پنڈت پربھو دیال کی بھڑکائی ہوئی آگ مجھے جلا کر خاک کر دیتی۔ اُس
کر اپنے جسم کا میل میرے منہ میں ڈال دیا۔ دُرگا کی طاقت کے جال کچے دھاگوں
طرح ٹوٹ گئے۔''

''تم قسمت کے دھنی ہو جو وہ بار بار تمہیں درشن دیتا رہتا ہے۔''

انکا میرے ساتھ باتوں میں مصروف رہتی، میرا وقت سکون سے گزر جاتا۔ میں محسوس
کر رہا تھا کہ اس نے اب چندرا اور پنڈت نول کشور کی باتیں کرنا چھوڑ دی تھیں۔ میں ان
نام سن کر بھڑک اُٹھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میرے دشمنوں کی طرف سے غافل نہیں
گی۔ جب وہ سر پر نہیں ہوتی تھی تو میں بھی چندرا اور نول کشور کے انجام کے بارے
منصوبے بناتا رہتا تھا۔

مرلی پہلے ہی میرا غلام بن چکا تھا، پنڈت پربھو دیال کا انجام دیکھ کر اور بھی مرید بن
گیا۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ پنڈت کی لاش کو خاموشی سے ایک چرمی تھیلے میں بند کر کے
بڑی رازداری سے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ یہ کام روی شنکر کے خاص آدمیوں نے سرانجام دیا
تھا۔ مرلی صرف پنڈت کی کوئلہ بنی لاش ہی دیکھ سکا۔ روی شنکر نے اُسے سخت الفاظ میں
زبان بند رکھنے کی تاکید کی تھی۔ مرلی کو یہ ہدایت نہ کی جاتی تب بھی وہ زبان نہیں کھول سکتا
تھا۔ پنڈت نول کشور یا دوسرے پنڈت پجاریوں کو پربھو دیال کے سلسلے میں بھنک مل جاتی
تو وہ پھر بے قابو ہو جاتے۔ مرلی کو بھی جان بچانی مشکل ہو جاتی۔

میں اُس روز بھی سیّد کی لاٹھی کو سینے سے لگائے بیٹھا نول کشور کے بارے میں سوچ رہا
تھا جب مرلی آ گیا۔ وہ کچھ بوکھلایا بوکھلایا نظر آ رہا تھا۔ میں نے وجہ دریافت کی تو مدھم آواز
میں بولا۔

''کل رات انسپکٹر بلبیر بھی مر گیا۔ اُس کے جسم میں زہر پھیل گیا تھا۔ روی شنکر نے بھی
اُس کی آخری رسومات میں بطور خاص حصہ لیا تھا۔ اُس نے بلبیر کے گھر والوں کو دبی زبان
میں سمجھا دیا ہے کہ وہ صبر سے کام لیں، بات پھیلنے نہ پائے۔''

''اچھا ہوا......'' میں نے ایک لمبی سانس لے کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''اپاہج بن
کر زندہ رہنے سے تو بلبیر کا مر جانا ہی بہتر تھا۔''

''مہاراج، کل تم کو دوبارہ عدالت کے روبرو پیش کیا جائے گا۔'' مرلی کسمسانے لگا۔
''ریمانڈ کی مدت پوری ہو چکی ہے۔''

''مرلی......'' میں نے اُسے غور سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے؟ تم کچھ نروس دکھائی دے
رہے ہو......؟''

''کل کے لئے بڑے سخت انتظامات کئے جا رہے ہیں۔'' اُس نے متفکر انداز میں
جواب دیا۔ ''کچھ پنڈت پجاری باہر سے بھی آئے ہیں، دُرگا کے مندر میں سر جوڑے
مشورے کر رہے ہیں۔ ڈی آئی جی کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ اُسے اندیشہ ہے کہ کوئی نہ
کوئی ہنگامہ ضرور ہو گا۔ میری انکوائری رپورٹ سے بھی وہ خوش نہیں ہے۔''

''تم نے ایسا کیا لکھ دیا جو روی شنکر کو پسند نہیں آیا؟'' میں نے بے پرواہی سے سوال کیا۔

''میں نے جو لکھا وہ غلط نہیں ہے۔ پنڈت کالی داس اور اوم پرکاش کی موت میں مجھے

تمہارا کوئی عمل دخل نظر نہیں آیا۔'' مرلی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میں نے رپورٹ میں بھی یہی لکھا ہے۔ روی شنکر کی توقعات اس کے برعکس تھیں۔ اُس نے فی الحال تو کچھ نہیں کہا۔ لیکن میرے خلاف اوپر والوں کے کان ضرور بھرے گا۔''

''تم ابھی باہر سے آنے والے کچھ پنڈت پجاریوں کا ذکر کر رہے تھے۔'' میں نے اُس کی کہی ہوئی بات نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''کیا تم اُن کے ناموں سے بھی واقف ہو......؟''

''تم کس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو مہاراج؟'' وہ میری بات کا مقصد بھانپ گیا۔

''میں ہردوار کے پنڈت نول کشور کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' میرے لہجے میں نفرت اُتر آئی۔ ''وہ کالی کے بڑے مندر کا بڑا پروہت ہے۔ تم نے بھی یہ نام ضرور سنا ہوگا۔''

''وہ خود نہیں آیا......'' مرلی نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔ ''اُس کے کچھ کارندے ضرور آئے ہیں۔''

''چندرا کا نام سنا ہے کبھی......؟'' میں نے پہلو بدل کر حقارت سے پوچھا۔

''تم......تم شاید سورگ باشی امرلال مہاراج......''

''میرے سامنے اُسے سورگ باشی اور مہاراج کہنے کی غلطی دوبارہ کبھی مت کرنا۔'' میں آپے سے باہر ہوگیا۔ ''وہ بدبخت میرے سکون کا دشمن ہے۔ وہ درمیان میں نہ آتا تو بات یہاں تک نہ بڑھتی۔ اُس نے انسانیت کے نہیں کالی کے نام پر میرے دشمن بدری نرائن کی پشت پناہی کی تھی۔ ہندوستان کے سارے پنڈت پجاری مل کر بھی میرا راستہ نہیں روک سکتے تھے۔ پہلے بدری بھی دیوتاؤں کے کھونٹے پر بڑی اُچھل کود کرتا تھا، میں نے طاقت حاصل کی تو وہ حرامزادہ آنکھ مچولی کھیلنے لگا، چھپ چھپ کر وار کرنے لگا۔ میں اُسے للکارتا تو وہ دُم دبا کر بھاگ نکلتا۔ پھر امرلال نے اُس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُسی سور کی وجہ سے میری کلدیپ کو میسور کی پہاڑیوں سے نیچے آنا پڑا۔ وہ غریب پریتم لال کے استھان پر گیان دھیان میں مصروف تھی، امرلال نے اُس کی زندگی میں بھی ہلچل مچا دی، زہر گھول دیا۔'' میں ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ ''تم نہیں جانتے، بڑی لمبی کہانی ہے۔ بڑی دل گداز داستان ہے۔ تم تفصیل سنو گے تو تمہارا کلیجہ بھی پھٹ جائے گا۔ صرف اتنا جان لو کہ امرلال کے قدم بھی میری کلدیپ کے مقابلے میں اُکھڑ گئے تھے۔ وہ جان بچانے کی خاطر مندر میں چھپنے کے لئے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔ کلدیپ نے ہاتھ کے اشارے سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ بعد میں وہ بھی کالی کو دیئے ہوئے وچن کے پالن کی خاطر بھینٹ چڑھ گئی۔ میں ہندوستان چھوڑ کر لندن چلا گیا۔ مجھے تمہارے دیس سے نفرت ہوگئی۔ تمہاری مٹی نے میری بہت ساری خوشیاں چھین لیں، ایک ایک کر کے مجھ سے میرے جینے کے تمام سہارے بچھڑتے چلے گئے۔ میں لعنت بھیج کر یہاں سے چلا گیا۔ میں اپنی مرضی سے کبھی واپس نہ آتا، لیکن ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کو میرے خلاف بھڑکا دیا گیا۔ پنڈت نول کشور جو بزدلوں کی طرح ہردوار میں کالی کے مندر میں چھپا بیٹھا ہے اُس نے دلوں میں زہر گھولنے کا کام شروع کر دیا۔ سور مر چکا تھا لیکن اُس کی اولاد زندہ تھی...... میں چندرا کی بات کر رہا ہوں۔'' میں بے وضاحت کرتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''وہ اٹھارہ سال کا حرامی کا پلہ بھی پر نکال رہا ہے۔ مجھے پریتم لال کی آتما نے واپس ہندوستان آنے پر مجبور کیا۔ میں یہاں گل چھرّے اُڑانے کے ارادے سے نہیں آیا، نول کشور کو سمجھانے آیا ہوں کہ اس نے مجھے چھیڑ کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ میں چندرا کو بھی ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اُس کی سات پشتیں بھی کبھی جمیل احمد خاں کا نام زبان پر لانے کی غلطی نہیں کریں گی......''

مرلی حیرت سے میری باتیں سنتا رہا، میرے جنون میں کمی نہیں آئی۔ میں نے سینہ ٹھونک کر کہا۔

''تم قانون کے نگہبان ہو۔ چاہو تو تم بھی نول کشور اور چندرا کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ پورے ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کو آگاہ کر دو کہ میں سر سے کفن باندھ کر آیا ہوں، میری کلدیپ کی رُوح ابھی تک بے چین ہے۔ اُسے تب سکون ملے گا جب میں اپنے باقی دشمنوں کو جہنم رسید کر دُوں گا، پنڈت نول کشور اور چندرا کو موت کے گھاٹ اُتاروں گا۔ تمہارا ڈی آئی جی صرف کالی داس اور اوم پرکاش کی موت سے بوکھلا گیا۔ وہ مجھ سے شرطیں باندھ رہا ہے۔ کہتا ہے میں ہندوستان چھوڑ کر واپس لندن چلا جاؤں۔ لیکن اب اُس کی زبان کو بھی میں نے تالا لگا دیا ہے۔ پربھو دیال کو اُس نے اجودھیا سے بلایا تھا، بڑا مان تھا

اُسے پنڈت کی طاقت پر...... نتیجہ کیا نکلا؟ تم بھی اپنی نظروں سے اس کا بھیانک انجام
چکے ہو۔ میں نے تمہارے گھر پر گرو پرتاپ کے کہنے پر بسیرا کیا تھا۔ دُرگا کی مہان شکتی
اُس کی بھی بھینٹ لے لی۔ وہ بڑا عظیم پنڈت تھا، مہان شکتیوں کا مالک تھا۔ وہ دنگا
نہیں چاہتا تھا۔ مجھے بھی جنگ وجدل کا شوق نہیں ہے۔ لیکن وہ بار بار مجھے ٹانگ پکڑ کر
لیتے ہیں، سکون سے نہیں رہنے دیتے۔ میری موت کے خواب دیکھتے ہیں۔ اب ا
آنکھیں بھی ضرور کھل گئی ہوں گی۔ انہوں نے دیکھ لیا ہوگا کہ دُرگا کا سراپ بھی
وحشتوں کے آگے بند نہیں باندھ سکا۔ گرو پرتاپ نے کہا تھا کہ دُرگا کی بلند ہونے والی
نے میری ساری قوتیں سلب کر دی ہیں۔ اکیس دن اور اکیس راتیں میرے اوپر
ہوں گی۔ گرو نے مشورہ دیا تھا کہ میں اکیس روز تک اپنے پنکھ سمیٹے ایک جگہ خاموش
رہوں۔ میں نے سروجنی کی وجہ سے تمہارے گھر کا انتخاب کر لیا۔ میں اکیس روز تک
بازو سمیٹے بیٹھا رہتا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ روی شنکر اور اُس کے گرگے تمہارے گر
ڈال رہے ہیں۔ میں اپنی جان بچانے کی خاطر تمہیں اور سروجنی کو مصیبت میں نہیں ڈال
تھا...... تم گواہ ہو، میں تمہارے گھر سے چوروں کی طرح نکل بھاگنا چاہتا تھا لیکن تم
آنکھ کھل گئی۔ میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا، تمہیں مجبور کر کے تمہارے ذریعے اپنی گر
پیش کر دی۔ میں جیل میں بھی خاموش رہا مگر روی شنکر کے پالتو کتے اور زیادہ بھونکنے
وہ میری خاموشی کو بزدلی سمجھ رہے تھے۔ مجھے مجبوراً جواب دینا پڑا...... انسپکٹر بلبیر
زمین عقوبت خانے میں میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تم واقف نہیں ہو۔ مگر جب پانی
اونچا ہو گیا تو مجھے اپنی پلکوں کو جنبش دینی پڑی، تین آدمی مارے گئے۔ گولیاں میں
چلائی تھیں...... اُن کے دماغ پلٹ دیئے تھے۔ بلبیر کا انجام بھی خطرناک ہوا۔" م
وحشت پر قابو نہ پا سکا۔ مرلی نے امرلال کو سورگ باشی اور مہاراج کہہ کر میرے تن
میں آگ لگا دی تھی۔ میں دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ "روی شنکر نے کمینگی کی چالیں
شروع کر دیں۔ میں گاڑی کا رُخ تبدیل نہ کراتا تو میرے ساتھ ساتھ تمہارے ج
چیتھڑے بھی بکھر جاتے۔ دشمن جشن مناتے، میری لاش پر رونے والا کوئی نہ ہوتا۔ ڈی
نے پھر حماقت کا ثبوت دیا، پنڈت پربھودیال کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔ اُس کا خیال تھا
کے عتاب کی مدت پوری ہونے سے پہلے میں ہاتھ پیر نہیں چلا سکوں گا۔ وہ بھول گیا

دُرگا کی شکتی حرفِ آخر نہیں ہے، ایک ایسی قوت بھی ہے جس کے آگے ساری قوتیں ہیچ
ہیں۔ ساری دھرتی کی مہان شکتیاں سر جوڑ کر بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس کا ایک
اشارہ ہی بہت ہے، تمام کائنات رُوئی کے گالوں کی طرح فضا میں اُڑتی نظر آئے گی۔
میں سانس لینے کے ارادے سے رُکا۔ مرلی دم بخود بیٹھا اپنے ایک نامکمل جملے کی غلطی
پر پچھتا رہا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی۔
"روی شنکر کی آنکھیں اب کھل چکی ہوں گی۔ وہ دوبارہ کوئی غلطی نہیں کرے گا۔ میری
طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھنے کی گستاخی کے تصور سے بھی کانپ کر رہ جائے گا۔ تم بھی ایک
ذمہ دار آفیسر ہو مرلی، حالات تم سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ تمہیں سمجھ لینا چاہئے تھا کہ میں
کس منزل کا مسافر ہوں...... تم نے امرلال کو سورگ باشی اور مہاراج کہہ کر اچھا نہیں
کیا...... آگ لگا دی میرے سینے میں۔"
"مجھ سے بھول ہو گئی مہاراج......" مرلی میری خون اُگلتی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا،
ہاتھ باندھ کر بولا۔ "اس بار اور شما کر دو، پھر ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سیّد کی لاٹھی پر اُنگلیاں رگڑنے میں مصروف رہا۔
"میرا خیال ہے عدالت میری انکوائری رپورٹ کے بعد تمہارے خلاف کوئی فیصلہ نہیں
کر سکے گی۔" اُس نے میرا غصہ فرو کرنے کی کوشش کی۔ "جب کوئی جرم ہی سرزد نہیں ہوا تو
پھر سزا کس بات کی......؟"
میں کوئی تلخ جواب دینا چاہتا تھا کہ انکا رانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں
چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ بڑی متفکر نظر آ رہی تھی۔
"کوئی نئی اطلاع؟" میں نے اُسے عالم تصور میں مخاطب کیا۔
"جمیل......" انکا ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ "مرلی سے کہو کہ جتنی جلدی ممکن ہو گھر
پہنچنے کی کوشش کرے۔ ہردوار سے آنے والے ایک پجاری نے اس کے گھر کو آگ لگا دی
ہے۔ اس میں پنڈت نول کشور کی شرارت ہے۔ اُسے بھنک مل گئی ہے کہ مرلی تمہارا ساتھ
دے رہا ہے۔"
"سروجنی اور سادھنا کا کیا بنا؟" میں نے بڑی عجلت سے پوچھا۔ "کیا وہ بھی......"
"پریشان مت ہو۔" انکا نے کہا۔ "مجھے اس پجاری کے من کا بھید ذرا دیر میں معلوم

ہوا۔ لیکن میں نے سروجنی اور سادھنا کو بچا لیا۔ وہ دونوں پجاری کے ہاتھ نہیں لگیں ور
اُس کا ارادہ یہی تھا کہ انہیں بھی زندہ جلا دے۔ میں نے اُنہیں حفاظت سے مرلی ے
پڑوس میں رہنے والے ڈاکٹر کے گھر پہنچا دیا ہے۔ فائر بریگیڈ والے آگ بجھانے
کوششوں میں مصروف ہیں۔''

''پجاری اس وقت کہاں ہے؟'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''کیا تم نے اُسے بھڑ
ہوئی آگ کا ایندھن نہیں بنایا؟''

''نہیں...... میں نے اُسے زندہ چھوڑ دیا ہے۔ کل عدالت میں وہ بھی موجود ہوگا۔'' ا
کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''اُس کا فیصلہ تم بھری عدالت میں کر دینا۔''

''کیا سوچ رہے ہو مہاراج......؟'' مرلی نے میری خاموشی اور چہرے کے بدلے
تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ سروجنی بھی تمہ
دیوتاؤں سمان پوجتی ہے۔ اُس نے وقتی طور پر چپ سادھ لی ہے لیکن اندر ہی اندر سلگ ر
ہے۔ ذرا سے کچھ اور بیت جائے، پھر دیکھنا۔ روی شنکر میرے آگے پیچھے ہاتھ باندھے
گھومتا پھرے تو نام بدل دینا......''

''کب تک ساتھ دے سکو گے......؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جب تک شریر اور آتما کا سمبندھ قائم ہے، میں قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا۔'' مرلی
ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''سوچ لو...... میرا ساتھ دینا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ بڑے خسارے میں رہو گے

''تم کوئی حکم دے کر آزما لو، میں ہر امتحان میں پورا اُتروں گا۔''

میں نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ مرلی کے نقصان پر غور کرنے لگا۔ میری
سے وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔

''تم دیر کیوں کر رہے ہو جمیل؟'' انکا نے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

میں نے انکا کو جواب دینے کی بجائے آنکھیں کھول کر مرلی کو دیکھا، مدھم مگر ٹھوس
میں بولا۔

''شانت رہ کر میری بات سنو مرلی، میرے پاس تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہیں
...... وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، میرے دشمن اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں۔ وہ نہیں چا

کہ تم میرا ساتھ دو۔''

''میں سمجھا نہیں......'' مرلی کسمسانے لگا۔

''اُنہوں نے تمہارے اپارٹمنٹ کو آگ لگا دی ہے۔'' میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''فائر بریگیڈ والے بھڑکتے شعلوں کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہت کچھ جل چکا، جو باقی بچے گا وہ بھی کسی کام کا نہیں رہے گا۔''

''سروجنی کا کیا بنا مہاراج......؟'' مرلی نے ساز و سامان کی بجائے اپنی لکشمی کے بارے میں بے چینی سے دریافت کیا۔

''وہ اور سادھنا دونوں خیریت سے ہیں۔ تمہارے پڑوسی ڈاکٹر کے گھر میں محفوظ ہیں۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے......؟'' مرلی نے بڑے حوصلے سے سوال کیا۔

''جلد بازی سے کام نہ لینا، ورنہ دشمنوں کو ہنسنے کا موقع مل جائے گا۔'' میں نے اُسے تسلی دی۔ ''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا سارا نقصان پورا کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔''

''ایک بات اور بتا دو مہاراج......'' مرلی نے بڑی عقیدت سے کہا۔ ''جب تم نے آنکھیں بند کر کے اتنی دُور سے میرے اپارٹمنٹ کو جلتے دیکھ لیا تو تمہیں یہ بھی ضرور معلوم ہو گا کہ اس کا ذمہ دار کون ہے......؟''

''میں نے تمہیں شانت رہنے کو کہا تھا۔ ایک دن اور صبر کر لو، وہ دشٹ بھی سامنے آ جائے گا جس نے تمہارے نشیمن کو آگ لگانے کی بھول کی ہے۔''

مرلی نے اصرار نہیں کیا۔ جھک کر پرنام کیا، پھر تیزی سے واپس چلا گیا۔ دروازے کو پھر تالا لگا دیا گیا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ تھانے کے سارے عملے کو انسپکٹر کی وردی اُترنے کی کہانی معلوم ہو چکی تھی۔ پھر بھی وہ احمق بار بار لاک اپ کا تالا کھولنے اور بند کرنے کی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔

''جمیل......'' مرلی کے جانے کے بعد انکا نے مجھے مخاطب کیا۔ ''اب تم نے کیا سوچا ہے؟ کل عدالت عدم ثبوت کی روشنی میں تمہیں آزاد کرنے کا فیصلہ سنا دے گی۔ یہ صرف عدالت کا فیصلہ ہوگا۔ دُرگا کے مندر میں کچھ اور فیصلہ کیا گیا ہے...... وہ تمہیں گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ ہر دوار سے پنڈت پجاریوں کی جو ٹولی آئی ہے وہ بڑے اُونچے سپنے

دیکھ رہی ہے۔"

"کجرا یا نندنی جیسی کوئی پجارن نہیں بھیجی نول کشور نے؟" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔"میرا دل بھی بہل جاتا، تمہاری من پسند غذا بھی میسر آ جاتی۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو جمیل...... تم؟" انکا نے بڑی خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔"مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔"

میں نے جواب میں مسکرا کر انکا رانی کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق دیکھی۔ وہ اِتراتی، بل کھاتی میرے کندھے پر آ گئی، بڑی لگاوٹ سے بولی۔

"اسی طرح خوش رہا کرو...... اچھے لگتے ہو......"

"جو پنڈت پجاری مجھ پر جال ڈالنے آئے ہیں، اُن کی تعداد کیا ہے......؟" میں نے قدرے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟" انکا اٹھلا کر بولی۔"پریتم لال مہاراج نے اپنی کر سے تمہاری داسی کو جو شکتیاں دان کی ہیں وہ کس دن کام آئیں گی؟ تم صرف تماشہ دیکھتے رہنا۔ تمہارے دشمنوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔"

"اب بمبئی سے نکلنے کی بات کرو۔" میں نے سنجیدگی اختیار کی۔"یہ میری منزل نہیں ہے، تم بھی جانتی ہو۔"

"تزئین اور سید غوث سے ملے بغیر چلے جاؤ گے......؟"

"ہندوستان میں میرے اور بھی بہت سارے واقف کار ہیں۔ مجھے حیدر آباد بھی جا ہے۔ رکن الدین کی حویلی میں بھی کچھ جانے پہچانے چہرے میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ گلبرگہ پہنچ کر حضرت گیسو دراز کے مزار پر بھی حاضری دینی ہے۔ سید مجذوب سے مل کر ا کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے۔ کس کس کا ذکر کروں......؟" میرے لہجے میں اُداسی اُتر آئی۔ "میسور کی پہاڑیاں یاد ہیں تمہیں؟ وہیں پریتم لال کی کٹیا میں کلدیپ نے اپنی جوانی دن اور اُمنگوں کی راتیں قربان کر دی تھیں۔ اب تو وہ جھونپڑی بھی اُجڑ چکی ہو گی۔ خاک اور دُھول اُڑ رہی ہو گی ہر سمت۔ میں وہاں بھی جانا چاہتا ہوں۔ شاید کلدیپ کی بے رُوح وہاں ابھی تک میرا انتظار کر رہی ہو۔ وہی میری آخری منزل، میرا آخری ٹھکانا ہو گا۔ پریتم لال کی آتما نے لندن کے ہسپتال میں مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس کا ایک ایک لفظ میرے

دل و دماغ میں محفوظ ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہا ہوں گا۔ جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکوں گا۔ مجھے کٹھن منزلیں سر کرنی ہوں گی۔ میں پتھر کی اتنی ٹھوس مورتی یا کوئی ایسی آہنی چٹان نہیں بن سکوں گا جس پر زمانے کے سرد و گرم کا زیادہ اثر نہیں ہوتا۔ اُس نے جو کچھ کہا تھا ممکن ہے ٹھیک ہی کہا ہو۔ مجھے اپنے بارے میں زیادہ خوش فہمی بھی نہیں ہے۔ لیکن میں اب تنگ آ چکا ہوں، جو کام جتنی جلدی پورا ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے...... میں اپنی تزئین سے ضرور ملوں گا۔ اُس کے رُوپ میں مجھے اپنی نرگس بھی نظر آ جاتی ہے۔ کلدیپ کا پیار بھی چھلکتا نظر آتا ہے۔ مجھے سید غوث کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جس نے تزئین کا بوجھ میرے کاندھوں سے اُتار دیا تھا۔ مگر ان تمام کاموں سے پہلے مجھے پنڈت نول کشور کے تناور درخت کو جڑ سے اُکھاڑنا ہے۔ وہ بچ گیا تو ہندوستان کے سرپھرے پنڈت پجاری اُس کے وجود سے میرے خلاف زہر کشید کرتے رہیں گے۔ امر لال جیسے زہریلے سانپ کے اُس سنپولے چندرا کو بھی ٹھکانے لگانا ہے جس نے پیدا ہوتے ہی بغیر سوچے سمجھے مجھ سے دشمنی مول لے لی۔"

"چندرا کو بھڑکانے کی ذمہ داری بھی نول کشور پر عائد ہوتی ہے۔" انکا نے حقارت سے کہا۔"وہی سب کی ڈور تھامے انہیں اپنے اشارے پر کٹھ پتلیوں کی طرح نچا رہا ہے۔"

"سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں انکا رانی۔" میں سرد لہجے میں بولا۔"کوئی کم، کوئی زیادہ......"

"تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" انکا نے بڑے پیار سے میرے گال پر نرم نرم اُنگلیاں پھیرتے ہوئے تسلی دی۔"تم بس خوش رہا کرو۔ ہنستے بولتے رہا کرو۔ سنجیدہ ہو کر جذباتی باتیں شروع کر دیتے ہو تو ذرا اچھے نہیں لگتے۔"

"سادھنا کی بات کروں......؟" میں نے یوں ہی اُس کی خوشنودی کی خاطر پوچھ لیا۔

"ہائے جمیل، تم نے کس قیامت کا نام لے لیا۔ پیاس بھڑک اُٹھی میری۔" انکا ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ میں سمجھ رہا تھا، وہ میری توجہ ہٹانے کی خاطر موضوع بدلنے کی خواہشمند تھی۔ میں اُس کی اداکاری پر مسکرا دیا...... وہ اور شوخیاں کرنے لگی......!!

دوسرے دن مجھے عدالت میں پیش کیا گیا۔ مرلی حسب وعدہ میرے ساتھ تھا۔ اپنی جگہ وہ حالات کے پیش نظر کسی دوسرے افسر کو بھی تعینات کر سکتا تھا۔ اُس کے گھر کو نذرِ آتش کر

دیا گیا تھا، اُس کا عذر قابل قبول ہوتا۔ لیکن اُس نے بڑے حوصلے اور ہمت کا ثبوت دیا۔ ٹھیک وقت پر مجھے لینے آگیا۔ میں نے اُس کو بغور دیکھا۔ اُس کے چہرے پر گھر جل جانے کا کوئی ملال نہیں تھا۔

''مرلی......'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔ ''سروجنی اور سادھنا کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟''

''وہ دونوں محفوظ ہیں۔ بڑی کرپا کر دی بھگوان نے۔'' مرلی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''سروجنی بتا رہی تھی کہ اگر ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو اس کا آگ کے شعلوں سے بچ نکلنا مشکل ہو جاتا۔''

''سامان کا کیا بنا......؟'' میں نے آہستہ سے دریافت کیا۔

''سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔'' مرلی بے پرواہی سے بولا۔ ''سروجنی کو بھی کوئی پرواہ نہیں ہے، مجھے بھی ملال نہیں ہوا۔ سامان کا کیا ہے، بازار سے دوسرا آ جائے گا۔ سروجنی کو بھگوان نہ کرے کچھ ہو جاتا تو......'' مرلی کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔

''دھیرج سے کام لو......'' میں نے اُسے سمجھایا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ایک بات اور بتاؤں آپ کو......'' اُس نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آتشزدگی کی رپورٹ بھی نہیں لکھوائی۔''

''کیوں......؟'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے بارے میں طے کر لیا جائے تو پھر تھانہ کچہری کی دردسری مول نہیں لینی چاہئے۔'' مرلی کے لہجے میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ''سروجنی نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔''

''سن رہے ہو جمیل اس ڈی ایس پی کی باتیں؟'' انکا چپ نہ رہ سکی۔ ''کس دیدہ دلیری سے نقصان برداشت کرنے کی باتیں کر رہا ہے۔ جتنی مالیت کا سامان کوئلہ بنا ہے اس سے دوگنی رقم تو یہ ہر مہینے بطور رشوت ہڑپ کر جاتا ہے۔ تعلقات بڑھانے کی خاطر آئے دن دعوتوں پر جو خرچ ہوتا ہے وہ الگ ہے۔ اس کے علاوہ سروجنی خود بھی کسی ٹکسال سے کم نہیں ہے۔ اُس کے چاہنے والے......''

''چپ ہو جاؤ انکا رانی۔'' میں نے اُسے ٹوک دیا۔ ''جہاں گنگا کھلے عام بہہ رہی ہو

وہاں کوئی بھی ہاتھ دھو سکتا ہے۔''

''مجھے گنگا سے زیادہ جمنا کے بچ جانے کی خوشی ہے۔'' انکا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''بمبئی سے روانگی سے قبل تم بھی اپنی تھکن اور بدن کی کثافتیں اُتار لینا۔ میں بھی تازہ دم ہو لوں گی۔''

''تم نے اتنی خوبصورت باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟'' میں اُس کے برجستہ جملے کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

''تمہاری صحبت کا نتیجہ ہے......'' انکا نے جھک کر سلام کیا۔

''صحبت کا مطلب سمجھتی ہو؟'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ میرا مفہوم سمجھ کر شرما گئی۔

عدالت کے راستے میں میرے اور مرلی کے درمیان اُس کے اپارٹمنٹ میں لگنے والی آگ کی بات ہوتی رہی۔ مرلی مجھے تفصیل بتاتا رہا، انکا اُس کے جملوں پر منہ بناتی رہی۔

گاڑی عدالت کے احاطے میں جا کر رکی تو پولیس کے جو دستے وہاں تعینات تھے یکدم چوکس نظر آنے لگے۔ میں نے گاڑی سے باہر آ کر اطراف کا جائزہ لیا، دُور دُور تک کوئی پنڈت یا پجاری نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے تعجب ہوا۔ انکا نے کہا تھا کہ دُرگا کے مندر میں ہردوار سے آنے والوں نے میرے سلسلے میں عدالت کے برعکس فیصلے کئے تھے۔ میں نے سر پر نظر ڈالی۔ انکا بھی موجود نہیں تھی۔ شاید وہ حالات کی سن گن لینے کی خاطر چلی گئی تھی۔

پولیس کے کمانڈوز نے گاڑی سے باہر نکلتے ہی مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مرلی نے اشارہ کیا، میں عدالت کی سمت قدم بڑھانے لگا۔ آج مجھے صرف ہتھکڑی لگائی گئی، بیڑیاں ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ وہ میری وحشت اور جنون کا تماشہ دیکھ چکے تھے اس لئے نرمی پر اُتر آئے تھے۔

میں نے عدالت میں قدم رکھا تو سرکاری اہلکاروں کی نظریں میری جانب اُٹھ گئیں۔ میں نے طمانیت محسوس کی۔ اپنا سینہ اور کشادہ کر لیا۔ میں اُنہیں بتانا چاہتا تھا کہ اُن کی بھاری نفری کے مقابلے میں میری تنہا ذات زیادہ اہم تھی۔ مرلی نے مجھے ایک طرف بٹھا دیا۔ سنگین بردار، چوکیداروں کی طرح میری حفاظت پر تعینات ہو گئے۔ کچھ دیر بعد میرا نام بلند آواز میں پکارا گیا۔ میں اُٹھ کر عدالت کے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔ عدالت کی مشینری

حرکت میں آ گئی۔ استغاثے کے وکیل اور اُس وکیل میں دلچسپ مکالمے بازی شروع ہو گئی جو میری طرف سے مرلی نے کھڑا کیا تھا۔ میں نے ان کی بحث اور تکرار پر کوئی توجہ نہ دی، میں عدالت میں کھچا کھچ بھرے ہوئے افراد کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی، میری نظریں ایک دراز قد شخص پر پہنچ کر رُک گئیں جو داخلی دروازے کے قریب کھڑا کسمسا رہا تھا۔ اُس نے سیدھا سادھا لباس پہن رکھا تھا لیکن چہرے پر نظر آنے والی گھنی اور اُلجھی اُلجھی داڑھی نے اُس کی پول کھول دی۔ وہ کوئی عام انسان ہوتا تو لباس کی طرح داڑھی کی نفاست کا بھی ضرور خیال رکھتا۔ میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ مجھے اپنی قیافہ شناسی پر اعتماد تھا۔ انکارانی نے بھی بڑے یقین سے کہا تھا کہ جس سادھو نے مرلی کے اپارٹمنٹ میں ماچس کی تیلی دکھائی تھی وہ عدالت میں موجود ہوگا۔ انکا نے مجھے بھری عدالت میں اُس کی تقدیر کا فیصلہ سنانے کی اجازت بھی دی تھی۔

وکیلوں کے درمیان گرما گرم بحث کا سلسلہ ختم ہوا تو فاضل جج نے بطورِ خاص روی شنکر کو کٹہرے میں طلب کیا۔ میں اُسے پہلے نہیں دیکھ سکا تھا، اُس کا نام سن کر چونکا۔ وہ تیسری قطار سے نمودار ہوا تو مجھے شرارت سوجھ گئی۔ میں نے ایک آزمودہ عمل کا مظاہرہ کیا، روی شنکر نشستوں کے درمیان سے آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ میں نے اُس کی طرف دیکھ کر پھونک ماری تو وہ ایک خوبصورت مرہٹی جوان عورت سے گتھم گتھا ہو گیا۔ عورت کے شوہر نے تاڑ لیا کہ وہ حرکت اتفاقیہ نہیں تھی۔ بات عدالت سے باہر کی ہوتی تو وہ یقیناً ڈی آئی جی سے اُلجھ پڑتا۔ پھر بھی اُس نے بڑی حقارت سے روی شنکر کو شانوں سے پکڑ کر آگے کی جانب دھکیل دیا۔ قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے من چلے لوگوں نے جملے کسے۔ لیکن جج نے آرڈر آرڈر کی آواز بلند کی تو سب محتاط ہو گئے۔ روی شنکر جھینپا جھینپا سا نظر آ رہا تھا، بڑی مشکل سے کٹہرے تک پہنچا۔

''کیا آپ کو جمیل احمد خاں کے بارے میں کچھ کہنا ہے......؟'' جج نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''جی نہیں......'' روی شنکر کا جواب بڑا مختصر تھا۔ میں سمجھ گیا کہ جج نے اُسے انکا کے اُکسانے پر کٹہرے میں طلب کیا ہوگا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ مجرم کو کیوں گرفتار کیا گیا تھا......؟''

''اس پر پنڈت اوم پرکاش کو قتل کرنے کا شبہ کیا جا رہا تھا۔'' روی شنکر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ اُس کی آواز میں گرمجوشی نام کو بھی نہیں تھی۔

''لیکن استغاثہ جرم ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' جج نے روی شنکر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں فیصلہ لکھ چکا ہوں۔ لیکن اس کو سنانے سے پیشتر میں مجرم کے سلسلے میں آپ کی ذاتی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ کیا مجرم کے کردار کے بارے میں آپ کے ذہن میں کوئی ایسی بات ہے جسے آپ عدالت کے ریکارڈ پر لانا پسند کریں گے؟''

''جی نہیں......''

''مسٹر روی شنکر......'' جج نے اس بار ٹھوس آواز میں پہلو بدل کر سوال کیا۔ ''کیا آپ نے اجودھیا کے جانے مانے پنڈت پربھودیال کا نام کبھی سنا ہے......؟''

''جی......جی ہاں۔'' روی شنکر کسمسانے لگا۔ مرلی کے علاوہ میں بھی چونکا۔

''مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پنڈت مہاراج دو روز پہلے بمبئی میں موجود تھے۔'' جج نے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ ''میں اُنہیں تلاش کرنے اور ایک ہفتے کے اندر اندر عدالت کے رُوبرو پیش کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپتا ہوں۔ کارن یہ ہے کہ مجھے ابھی کچھ دیر پہلے فون پر ایک ایسی اطلاع ملی ہے جس کے بعد پربھودیال کا کھوج لگانا ضروری ہو گیا ہے۔''

''میں پوری پوری کوشش کروں گا یور آنر......'' روی شنکر نے سنبھل کر کہا۔ لیکن میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے چہرے پر ماتمی تاثرات بڑی سرعت سے طاری ہو رہے تھے۔ کچھ اور وردی والوں نے بھی سٹپٹانا شروع کر دیا۔

''کیا آپ کو کبھی پنڈت مہاراج کے درشن ہوئے ہیں......؟''

''جی......جی نہیں۔'' روی شنکر نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

روی شنکر کو کٹہرے سے جانے کی اجازت مل گئی۔ میں نے دوبارہ ہلکی سی پھونک ماری، اس بار وہ لڑکھڑا کر مرلی سے ٹکرا گیا۔ لوگوں کے لبوں پر دوبارہ تبسم جاگ اُٹھا۔ مرلی نے سہارا دے کر اُسے ایک خالی کرسی تک پہنچا دیا۔

عدالت نے اپنا فیصلہ سنایا۔ انکارانی نے غلط پیش گوئی نہیں کی تھی۔ عدم ثبوت اور پھس پھسے گواہوں کی بے ربط گواہیوں میں کوئی وزن نہ ہونے کے سبب مجھے باعزت طور

پر رہا کر دیا گیا۔ مرلی کے چہرے پر فتح کی علامتیں جاگ اُٹھیں۔ اُس نے آگے بڑ
میری ہتھکڑی کھول دی۔ انکا میرے سر پر آ کر خوشی سے تھرکنے لگی۔

''جس نے تمہارے گھونسلے کو تیلی دکھائی تھی وہ بھی اس وقت عدالت میں موجود ہے'' میں نے مرلی سے سرگوشی کی۔

''کہاں......؟'' مرلی کی نگاہوں میں چنگاریاں سلگنے لگیں۔

''تم اجازت دو تو میں اس کا کریا کرم کر دُوں؟'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

''آپ مالک ہیں مہاراج، لیکن......''

میں نے مرلی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ جج دوسرے کیس کی فائل اُٹھا چکا تھا۔ میں ایک نظر مشتبہ سادھو پر ڈالی، میری رہائی کا فیصلہ سن کر اُس کی پیشانی پر متعدد سلوٹیں اُبھر آئی تھیں۔ میں نے نظر گھما کر جج کو دیکھا، پھر بڑے ادب سے اُسے مخاطب کیا۔

''یور آنر...... ابھی آپ نے پنڈت پربھودیال کے بارے میں ڈی آئی جی صاحب کو دیا تھا کہ کھوج لگا کر اُسے عدالت کے رُوبرو پیش کیا جائے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو......؟'' جج نے مجھے غور سے دیکھا۔ اُس کی نگاہوں میں کئی سوال گڈمڈ ہوتے نظر آئے۔

''عدالت میں اس وقت ایک ایسا سادھو موجود ہے جو پربھودیال کے بارے میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہے۔'' میں نے 'بہت کچھ' پر خاص طور سے زور دیا۔

''تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا......؟''

''عدالت میں داخل ہوتے وقت وہ ایک پل کو میرے قریب آیا تھا۔ اُس درخواست کی تھی کہ میں اس کا پیغام آپ تک پہنچا دُوں۔'' میں نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔ انکا میرا اشارہ سمجھ کر سر سے رینگ گئی۔ میں نے مسمسی صورت بنا کر اپنی بات جاری رکھی۔ ''اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا یور آنر۔''

مرلی حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ روی شنکر کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ میں نے جس شخص پر سادھو ہونے کا شبہ کیا تھا وہ کسی روبوٹ کی طرح قدم اُٹھاتا عدالت کے سامنے آ گیا۔

''تم کچھ کہنا چاہتے ہو پنڈت پربھودیال کے سلسلے میں؟'' جج نے اُسے سر سے پاؤں

تک گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

''ہاں سرکار۔'' پجاری ہاتھ باندھ کر بولا۔ ''اگر آپ مجھے پنڈت مہاراج کے سلسلے میں بولنے کا موقع دیں تو میں آپ کا اپکار کبھی نہیں بھولوں گا۔''

''جو کچھ کہنا ہے کٹہرے میں آ کر کہو......'' جج نے سپاٹ لہجے میں حکم دیا۔ پجاری جو انکا رانی کے تیز پنجوں کی چبھن کے بعد اُس کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور تھا، قدم بڑھاتا کٹہرے میں داخل ہو گیا۔

''سرکار، میرا نام منوہر ہے۔ کئی ورشوں سے سورگ باشی پربھودیال مہاراج کی سیوا کر رہا تھا۔'' سادھو نے بسورتے ہوئے کہا۔

''سورگ باشی (جنت نصیب) کے حوالے پر جج اپنی کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ روی شنکر کے چہرے کا رنگ بھی فق ہو گیا۔

''یہ...... یہ سب کیا ہے مہاراج......؟'' مرلی نے مجھ سے سرگوشی کی۔ ''اسے پربھودیال کے بارے میں......''

''تماشہ دیکھتے رہو۔'' میں نے دبی زبان میں کہا۔ ''تالیاں بجانے کی کوشش مت کرو ورنہ بلاوجہ لپیٹے میں آ جاؤ گے۔ روی شنکر کو صرف مجھ پر شبہ کرنے دو۔ وہ میرے سامنے قدم نہیں جما سکتا۔ تم نے غلطی کی تو اس کے گرگے تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''تم جانتے ہو کہ اس وقت عدالت کے روبرو کیا بیان دے رہے ہو؟'' جج نے پجاری منوہر کو غور سے دیکھا۔

جواب میں منوہر انکارانی کے اشارے پر ریکارڈ کی طرح بجنے لگا۔ اُس نے میرا نام درمیان سے نکال کر پنڈت پربھودیال کی موت کی بھیانک کہانی سنا دی۔ رو رو کر عدالت کو بتایا کہ روی شنکر نے پنڈت کو اجودھیا سے کسی کام سے بلایا تھا۔ وہ پنڈت سے کوئی ناجائز کام لینا چاہتا تھا۔ پربھودیال نے انکار کیا تو اسے بھڑکتی آگ میں جھونک کر کوئلہ بنا دیا گیا۔ اس کے جسم کو خاموشی سے گڑھا کھود کر دبا دیا گیا۔ منوہر نے ان لوگوں کے نام بھی بتائے جنھوں نے پنڈت کی لاش کو ٹھکانے لگایا تھا۔ جگہ کی نشاندہی بھی کر دی۔ عدالت میں موجود افراد مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگے۔ سب ہی کی نظریں بار بار روی شنکر اور منوہر کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ میں خاموش کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔

''تمہیں اس قدر تفصیل سے تمام باتوں کا علم کس طرح ہوا......؟'' جج نے پجاری منوہر کو تیز نظروں سے گھورا۔

''کل رات مہاراج نے سپنے میں درشن دیا تھا۔'' منوہر بڑی عقیدت سے جھومتا ہوا بولا۔ ''سب کچھ مہاراج ہی نے بتایا ہے۔ یہ حکم بھی دیا تھا کہ سرکار کے سامنے پیش ہو کر سارا کچا چٹھا بیان کر دوں، پھر جو سرکار کو منظور ہو......''

عدالت نے مختلف زاویوں سے منوہر کو ٹٹولنے اور کریدنے کی کوشش کی، وہ ایک ہی بیان پر ڈٹا رہا تو عدالت کے حکم پر اُسے اور روی شنکر دونوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ میں مرلی کا ہاتھ تھام کر باہر آ گیا۔

''میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے مہاراج۔'' مرلی نے باہر آ کر کہا۔ ''یہ اچنبھا کیسے ہو گیا؟ اگر منوہر ہی نے روی شنکر کے اشارے پر میرے گھر کو پھونکا تھا تو پھر اُس کے خلاف کیوں ہو گیا؟ پنڈت پربھو دیال کی جلی ہوئی لاش کو کہاں دبایا گیا؟...... یہ بات تو میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم۔ مجھے سمجھاؤ مہاراج...... یہ کیا کہانی ہے؟''

''یہ چمتکار تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔'' میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''تم نے اور سروجنی نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی۔ تم گواہ ہو کہ میں نے خاموشی سے نکل جانا چاہا، نے میرا راستہ روک لیا۔ روی شنکر اور اُس کے نادان چیلے ہم دونوں کے خلاف ہو گئے۔ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے تو تمہارا گھر جلا دیا۔ پربھو دیال نے بھی مجھے پہچاننے میں غلطی کی۔ وہ مجھ اپنی شکتی کے بل پر ٹھکانے لگانے کی خاطر حملے کرتا رہا، میں خاموش کھڑا اُسے سمجھاتا رہا۔ اُس نے میری بات نہیں مانی۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا۔ وہ جل کر کوئلہ بن گیا......'' میں زہر خند سے بولا۔ ''میری خاطر آج عدالت سجائی گئی۔ روی شنکر اور پجاری منوہر دونوں موجود تھے۔ میں نے تم سے کل کہا تھا نا کہ ایک دن اور انتظار کر لو، جس نے آگ لگائی ہے وہ بھی سامنے آ جائے گا۔ سو وہ آ گیا۔ میں نے ایک تیر سے تمہارے دونوں دشمنوں کا بندوبست کر دیا۔ لیکن کھیل ابھی ختم نہیں ہوا۔'' میں نے انکا کی بات یاد کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''عدالت نے میری رہائی کا فیصلہ سنا دیا ہے لیکن پنڈت پجاریوں کی ایک ٹولی ہردوار سے بھی بھیجی گئی ہے۔ پنڈت نول کشور نے اُن کے دلوں میں زہر بو کر میرے مقابلے پر آمادہ کیا ہے۔ وہ کہیں آس پاس ہی مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کی خاطر گھات لگائے بیٹھے

ہوں گے۔ موقع پاتے ہی ٹوٹ پڑیں گے۔ تم چاہو تو خاموشی سے اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔ میں اُن سے نمٹ لوں گا۔''

''نہیں مہاراج...... نہیں۔'' مرلی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ''میں کائر نہیں ہوں جو ڈر کر بھاگ جاؤں۔ تمہارے ساتھ ہی رہوں گا۔''

میں اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے کوئی پنڈت یا پجاری نظر نہیں آیا لیکن انکا نے جو کہا تھا وہ غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ لازوال قوتوں کی مالک تھی۔ ''میرے دشمن ضرور کہیں قریب چھپے ہوں گے۔'' میں نے سوچا۔ انہوں نے عدالت کے باہر چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں سمجھی ہو گی۔ وہ دُور سے چل کر آئے تھے، ہردوار سے روانگی سے قبل پنڈت نول کشور نے انہیں میرے بارے میں تفصیل سے بتایا ہو گا۔ محتاط رہ کر بھرپور وار کرنے کی تلقین کی ہو گی۔ ممکن ہے عدالت میں بھی اُن کے ایک دو مخبر موجود رہے ہوں۔ جج کا فیصلہ سن لینے اور اپنے ایک ساتھی کا انجام دیکھ لینے کے بعد وہ اور زیادہ محتاط ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت بھی باہمی مشورے میں مصروف ہوں۔ اُنہوں نے اپنے پروگرام میں فوری طور پر کوئی تبدیلی کر لی ہو......اور بھی کئی امکانات ہو سکتے تھے۔

''کس وچار میں گم ہو مہاراج......؟'' مرلی نے کہا۔ ''میری ایک گاڑی مع ڈرائیور باہر موجود ہے۔ اس سے پیشتر کہ ہمیں کوئی نئی رُکاوٹ درپیش ہو، یہاں سے نکل چلو۔ عدالت کے آس پاس کوئی ہنگامہ مناسب نہیں ہو گا۔''

مرلی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ میں کھلی جگہ میں کھڑا تھا، کسی عمارت کے فلیٹ سے چھپ کر چلائی جانے والی کوئی گولی بڑی آسانی سے میرے وجود کو چاٹ سکتی تھی۔ میں نے فوری طور پر ارتکاز اور مراقبے کی ایک مشق کی، اپنے گرد حصار باندھا، پھر مرلی کے ساتھ قدم بڑھاتا عدالت کے احاطے سے باہر آ گیا جہاں ایک جھلملاتی کار پہلے سے موجود تھی۔ ڈرائیور نے دُور سے مرلی کو دیکھ لیا تھا۔ اُس نے باہر نکل کر ہمارا استقبال کیا۔ میں اور مرلی پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سنبھالا۔

''کہاں چلنا ہے سر......؟'' اُس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے مرلی سے دریافت کیا۔

''چوپاٹی......'' مرلی کا جواب مختصر تھا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی۔ میں آنے والے حالات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ انکا واپس نہیں آئی تھی۔ شاید ابھی تک وہ سادھو منوہر

کے سر پر سوار ہوگی۔ ممکن ہے جج نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا ہو۔ ڈی آئی جی کو حراست میں لینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اُس نے یقیناً احتجاج کیا ہوگا۔ وہاں اُس کے گرگے موجود تھے، وہ بھی شور کر سکتے تھے۔ وکیلوں نے بھی احتجاج کیا ہوگا۔ حالات کے پیشِ نظر بھی ممکن تھا کہ فاضل جج نے حراست کے احکامات کو ہاؤس اریسٹ میں تبدیل کر دیا۔ روی شنکر کوئی معمولی آدمی نہیں تھا، اپنے میدان کا منجھا ہوا کھلاڑی ہوگا۔ نہ ہوتا تو لمبے فیصلے کرنے کی بجائے حد میں رہ کر بھی اپنے فرائض انجام دے سکتا تھا، مجھے مروانے کا کبھی نہ اُٹھاتا...... معاً میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھرا...... ہو سکتا روی شنکر کے کسی جاں نثار نے پجاری منوہر ہی کو ٹھکانے لگا دیا ہو۔

''یہ تم نے لمبا راستہ کیوں اختیار کیا......؟'' مرلی نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ میری بٹ گئی۔

''دوسری روڈ بلاک ہے سر۔'' ڈرائیور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کچھ دیر پیشتر ایک حادثہ گیا تھا۔ پولیس نے ٹریفک کا رُخ متبادل راستوں کی جانب موڑنا شروع کر دیا ہے۔''

میرے ذہن میں ایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ مرلی کا ڈرائیور تھا تو قابل اعتماد بھی رہا ہوگا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے اُس نے جان بوجھ کر حادثے کا بہانہ تراشا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے نندا کے بتائے ہوئے ایک عمل کو پڑھنا شروع کیا۔ میری نگاہوں آگے سے اندھیرے چھٹنے لگے۔ اصل صورت حال میرے اوپر اشاروں کنایوں منکشف ہوگئی۔ میں نے نظریں کھول کر ڈرائیور کو دیکھا، وہ بڑے اطمینان سے گا چلانے میں مصروف تھا۔

''تمہارا شبھ نام......؟'' میں نے اُسے مخاطب کیا۔

''سیوک کو لجپت رام کہتے ہیں۔''

میں کوئی دوسرا سوال کرنا چاہتا تھا کہ انکارانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی مانوس میرے کانوں میں گونجی۔

''یہ جس راستے پر چل رہا ہے، اسی پر چلنے دو......''

''لیکن میں نے......''

''تم نے جو کچھ محسوس کیا وہ بھی غلط نہیں ہے۔'' انکا نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے

بات کاٹ کر کہا۔ ''لجپت رام کی جیب میں اس وقت وہ لمبی رقم بھی موجود ہے جو اسے بطور پیشگی ادا کی گئی ہے۔ کام ہو جانے کے بعد اتنی ہی رقم اور دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔''

''گویا یہ ہمیں موت کے منہ میں لے جا رہا ہے......؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''ہمیں نہیں...... صرف اپنے آپ کو۔'' انکا زہرخند سے بولی۔ ''یہ مہکتے ہوئے نوٹوں کی گڈی بھی بڑی عجیب شے ہوتی ہے۔ انسان کو پلک جھپکتے میں غداری پر آمادہ کر دیتی ہے...... سیدھے راستے سے بھٹکا دیتی ہے، اندھا کر دیتی ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، سنبھل کر بیٹھ گیا۔ مرلی ابھی تک سادھو منوہر کے سلسلے میں اُلجھ رہا تھا۔ کئی بار اُس نے مجھ سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ روی شنکر اور منوہر کا انجام کیا ہوگا؟ میں اُسے بار بار ٹالتا رہا۔

''مہاراج......'' کچھ توقف کے بعد اُس کے پیٹ میں پھر مروڑ شروع ہوگئی۔ ''کیا پنڈت پربھو دیال کی لاش برآمد ہو جائے گی؟''

''تم کیوں پریشان ہو رہے ہو......؟''

''میری بات کا مطلب کچھ اور تھا......'' اُس نے پہلو بدل کر وضاحت کی۔ ''روی شنکر نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں، وہ بڑا گھاگ آدمی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس کے ہاتھ کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جرائم پیشہ افراد سے بھی اُس کے گہرے مراسم ہیں۔ اُس کے آدمی بجلی کی رفتار سے زیادہ پھرتیلے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عدالت کے کارندوں کی رسائی سے پہلے ہی وہ لاش کو کسی دُور دراز کے علاقے میں لے جا کر ٹھکانے لگا دیں۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے جمیل......'' انکا نے مجھے بتایا۔ ''روی شنکر نے حراست کے احکامات سنتے ہی عدالت میں موجود اپنے ایک خاص آدمی کو کچھ ایسا ہی اشارہ کیا تھا کہ وہ لاش کو کہیں اور منتقل کر دے۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے اس شخص کے ذہن کو بالکل ہی معطل کر دیا ہے۔ وہ اس وقت خودکشی کے ارادے سے کسی ریلوے کراسنگ کی طرف جا رہا ہوگا۔''

''لجپت رام اس وقت ہمیں کہاں لے جا رہا ہے......؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہاں سے دو میل کے فاصلے پر کالی کا ایک پرانا مندر ہے۔ مندر کے ساتھ ہی کھیل کا میدان ہے جو اس وقت عام طور سے سنسان رہتا ہے۔ مندر کے قریب ہی ہردوار سے آنے والی پنڈت پجاریوں کی ٹولی موجود ہے۔ کسی زمانے میں لجپت رام بھی ہردوار میں رہا

کرتا تھا اسی لئے آسانی سے بِک گیا۔''

''اُن کی تعداد کیا ہوگی......؟''

''تم یہ سوال پہلے بھی کر چکے ہو۔'' انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اس بار تم کچھ نہ
بولو گے، صرف تماشہ دیکھو گے۔''

''پریتم لال نے کیا گھول کر پلا دیا ہے......؟'' میں نے اُسے معنی خیز نظروں سے گھو

''کچھ دیر اور صبر کرلو، اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔''

گاڑی کچھ دیر بعد انکا کے بتائے ہوئے پلے گراؤنڈ میں داخل ہوئی تو مرلی بھی چو
اُس کے چونکنے کی وجہ بھی پنڈت پجاریوں کی وہ چنڈال چوکڑی تھی جو کالی کے پرا
مندر کے قریب موجود تھی۔ اُن کی تعداد پندرہ بیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن اُن کے چہر
سے عیاں تھا کہ وہ مارنے یا مرجانے کا فیصلہ کر کے آئے تھے۔ گاڑی دیکھتے ہی وہ ایک سا
اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی آنکھوں سے خون اُبلنے لگا۔ لجپت رام نے گاڑی روک دی۔

''گاڑی کیوں روک دی تم نے......؟'' مرلی چیخا۔ وہ موقع کی نزاکت محسوس کر
بوکھلا گیا تھا۔

''گاڑی اس نے نہیں، نوٹوں کی اس گڈی نے روکی ہے جو اس کی جیب میں پڑ
ہے۔ یہ حرام خور بھی بِک گیا......'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ لجپت رام نے جیب
ریوالور نکال کر میرے اور مرلی پر تان لیا۔

''یو باسٹرڈ......'' مرلی تلملانے لگا۔

لجپت رام گالی سن کر بھنا گیا۔ اُس نے فائر کرنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے اِ
اندازہ نہیں تھا کہ وہ کوئی حماقت کا ثبوت دے گا۔ لیکن انکارانی کی دُور رس نظریں اُس
دل کا بھید تاڑ چکی تھیں۔ فائر کی یکے بعد دیگرے چار آوازیں سنائی دیں لیکن ریوالور
ہوئی گولیاں پچھلی نشست تک فاصلہ بھی نہ طے کر سکیں، درمیان میں ہی بے اثر ہو کر ہمار
قدموں پر گر گئیں۔ خود لجپت رام بھی دم بخود رہ گیا۔ انکا میرے سر پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔
مرلی کی حالت فائر کی آواز سن کر غیر ہوگئی تھی۔ لیکن اُس نے لجپت رام کو پانچویں
چلانے کا موقع نہیں دیا، برق رفتاری سے اُٹھ کر سیدھے ہاتھ کا پھندا اُس کے گلے
ڈال کر اتنی تیزی سے دو تین شدید جھٹکے دیئے کہ لجپت رام اگلی سیٹوں پر ہی ڈھیر ہو گیا۔

اُس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا تھا۔ انکا میرے سر پر کھڑی کولہوں پر ہاتھ رکھے مسکراتی رہی۔
پجاریوں نے گاڑی گھیر لی۔ مرلی پیچ و تاب کھانے لگا۔ میں نے اسے خاموش رہنے کی
تاکید کی، خود دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ میرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا، میں ارتکاز اور
مراقبے کا عمل کر چکا تھا، ایک اشارہ کرتا وہ سب اوندھے منہ زمین پر ڈھیر ہو جاتے۔ لیکن
میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ انکارانی کو پریتم لال نے کیا کیا
شکتیاں دان کی تھیں؟ مجھے سامنے دیکھ کر ایک بھاری ڈیل ڈول کا پجاری سینہ تانے آگے
بڑھا۔ اُس کی نگاہوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ مجھے حقارت سے گھورتا ہوا بولا۔

''تو تم ہو جمیل احمد خاں؟ پنڈت مہاراج کی زبانی سنا تھا کہ تم نے بڑی دھوم مچا رکھی
ہے۔ تمہاری وجہ سے ہمارے کئی دھرماتما پرلوک سدھار گئے۔ پرنتو میری نظریں تو کچھ اور
دیکھ رہی ہیں......''

''تم شاید نول کشور کی بات کر رہے ہو......؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ انکا
بدستور میرے سر پر کھڑی رہی۔

''زبان کو قابو میں رکھ پاپی، تیرے گندے منہ سے مہاراج کا پوتر نام دوبارہ نکلا تو جلا
کر خاک کر دوں گا۔'' اُس کے تیور خطرناک ہو گئے۔ اُس کے باقی ساتھی بھی بل کھانے
لگے۔ مجھے اُس کی جوانی پر رحم آنے لگا۔ دو چار جنتر منتر سیکھ کر وہ بڑا گھمنڈی بن گیا تھا،
جمیل احمد خاں کے سامنے سینہ تانے کھڑا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی
حماقت کر رہا تھا۔ شاید نول کشور نے اپنے آدمیوں سے میرا مکمل تعارف نہیں کرایا تھا۔ وہ
اگر میرے ماضی کی داستان کے ایک حصے سے بھی واقف ہو جاتے تو شاید کبھی میرے
سامنے آنے کی غلطی نہ کرتے۔ میرے سینے میں نول کشور کے خلاف طوفان کروٹیں لینے
لگا۔ وہ بدبخت کالی کے مندر میں چھپا بیٹھا تھا، میرے مقابلے میں نوجوان اور ناسمجھ
پجاریوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ شاید مجھے قتل و غارت گری میں اُلجھا کر کوئی نئی چال چلنے کے
خواب دیکھ رہا تھا۔

''میری بات دھیان سے سنو بالک......'' میں نے اُس گبرو جوان کو سمجھانے کی کوشش
کی۔ ''میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں خون خرابے سے بچنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بار بار
مجھے کیوں اُکساتے ہو؟ تم سے جو کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے، جو کہانیاں سنائی گئی ہیں ان میں

کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تم نے سن لیا ہوگا کہ سرکاری عدالت نے مجھے کالی داس اور
پرکاش کے قتل کے سلسلے میں بری کر دیا ہے، تم مجھے کس بات کی سزا دینے کی خاطر گھیر رہے
ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے......؟ پولیس بھی بار بار مجھے شبہے کے طور پر پکڑ لیتی ہے، پھر
دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ عدالت کے فیصلے کے علاوہ یہ بات بھی تمہارے علم
میں آ گئی ہو گی کہ پنڈت پربھو دیال کی بھیانک موت میں روی شنکر کا ہاتھ شامل ہے
پجاری منوہر میرا نہیں، تمہارے ہی جتھے کا آدمی ہے۔ اُس نے عدالت کے رُوبرو جو بیان
دیا ہے وہ سچ ہی ہو گا۔ روی شنکر کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ تفتیش ہو گی تو نتیجہ بھی
تمہارے سامنے آ جائے گا......تم لوگ بلاوجہ میری ایک جان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟''

''تم ہمیں کیا سمجھانا چاہتے ہو بگلا بھگت؟'' اُس نے مجھے حقارت بھری نظروں سے
دیکھا۔''کیا مہاراج نول کشور نے جو کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے؟''

''ہوسکتا ہے مخبروں نے اُسے بھی غلط بات بتائی ہو۔'' میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے
ہوئے کہا۔''تم نوجوان ہو، سمجھدار معلوم ہوتے ہو۔ تم نے جو دیکھا، جو سنا وہ بھی واپس جا
کر پنڈت نول کشور کو بتا دو۔''

''ضرور بتا دیں گے۔'' اُس نے تیکھے انداز میں جواب دیا، پھر سینہ پھلا کر بولا۔''ایک
شرط ہے......تمہیں بھی ہمارے ساتھ ہی ہر دوار چلنا ہوگا۔''

''مجھے وہاں لے جا کر کیا کرو گے......؟''

''وہاں تمہاری آؤ بھگت دُھوم دھام سے کریں گے۔ تم سے یہ بھی معلوم کریں گے کہ
بدری نرائن مہاراج کو کس دشٹ نے مارا تھا؟ یہ بھی جاننے کی کوشش کریں گے، مہاراج امر
لال کو جس سندری نے مندر کی سیڑھیوں پر ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا، اس کا اصل کارن کیا تھا؟
اُس سندر نار اور مہاراج کے درمیان کیا سمبندھ تھا؟''

''چپ ہو جاؤ......'' میں کلدیپ کی شان میں اُس کی گستاخی برداشت نہ کر سکا تو چیخ
پڑا۔''اپنی گندی زبان پر تالے لگا لو۔ میں سمجھ گیا تمہارے ذہنوں، تمہارے دلوں میں جو زہر
بویا گیا ہے اس سے سیتا پھل کا درخت نہیں اُگ سکتا، ببول کے کانٹے ہی پیدا ہوں گے۔
میری بات مان لو، میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔ مجھے مت چھیڑو، تم نہیں جانتے کہ میں
کون ہوں؟ مجھ سے اُلجھنے کی حماقت نہ کرو، اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''اور کوئی بھاشن دینا چاہتے ہو تو وہ بھی دے ڈالو۔ اس کے بعد ہماری باری ہوگی۔''
اُس نے بدستور میری حیثیت کو نظر انداز کرتے ہوئے طفلانہ انداز میں بات کی۔''یہ بھی
جان لو کہ جب ہم بولنا شروع کریں گے تو تمہیں بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا......کیا سمجھے؟''
میں غصے کے باوجود مسکرا دیا۔ پنڈت نول کشور نے اُن کے خمیر میں جو زہر گھول دیا تھا
وہ اُن کے وجود سے علیحدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مرلی میری ہدایت کے مطابق ابھی تک کار کے
اندر ہی بیٹھا سب کچھ سن رہا تھا۔ ایک دو بار اُس نے بغلی ہولسٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا،
میں نے اشارے سے روک دیا۔ انکا بدستور میرے سر پر کولہے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔
میرے ہونٹوں پر زہر میں بجھی مسکراہٹ اُبھرتے دیکھ کر بولی۔

''اب کیا خیال ہے جمیل صاحب؟ کچھ اور سننا چاہتے ہو ان لوگوں سے یا میں اپنا کام
شروع کروں......؟''

''چپ کیوں ہو گئے خاں صاحب؟'' گبرو جوان کی موت اُس کے سر پر منڈلانے
لگی۔ وہ بدبخت میرا مذاق اُڑانے کی غلطی کر رہا تھا۔ اُس کا لہجہ بڑا تحقیر آمیز تھا۔''ابھی تو
تمہاری زبان فرفر چل رہی تھی۔ بڑے لال پیلے ہو رہے تھے۔ اب مسکرا کر کیا ثابت کرنا
چاہتے ہو......؟''

میرے جسم سے چیونٹیاں لپٹ گئیں۔ میں اُنہیں موت کے جہنم میں نہیں دھکیلنا چاہتا
تھا، پندرہ بیس پجاری اور مُردہ پائے جاتے تو بات ڈھکی چھپی نہ رہ سکتی، پورے ہندوستان
میں تہلکہ مچ جاتا۔ میرے دشمن پھر دو اور دو چار کرنے بیٹھ جاتے۔ اُن کے ذہنوں میں یہ
خیال ضرور سر اُبھارتا کہ میری رہائی کے فوراً بعد ہی پجاری کس طرح جہنم رسید ہو گئے؟ وہ
پجاریوں کے قتل سے پھر میرا رشتہ جوڑ لیتے۔ پھر مجھے آہنی زیور پہنا دیئے جاتے۔ میری
طاقت مجھے مل چکی تھی، دُرگا کا عتاب سیّد کے جسم کی میل سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ میں چپ نہ
رہتا۔ میری وحشتوں میں پھر اُبال آ جاتا۔ میں جنون کی حالت سے دوچار ہو کر پھر دیوانگی کی
حرکتیں شروع کر دیتا۔ بات بڑھ جاتی۔ انکارانی کی نصیحتیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔ پریتم
لال کا کہا سچ ہو جاتا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہوں گا۔ میں ابھی نوجوان کی آنکھوں
میں آنکھیں ڈالے کھڑا کوئی جواب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ انکا پھر بول پڑی۔

''اب تم خاموش ہی رہنا جمیل۔'' اُس کے تیور یکلخت خطرناک ہو گئے۔''یہ لاتوں کے

بھوت ہیں، باتوں سے نہیں مانیں گے۔ پریتم لال مہاراج نے بھی شکتیاں دان کر
وقت یہی کہا تھا کہ جب چاروں سمت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے، کچھ اور نہ سجھائی د
پھر میں اس کے بتائے ہوئے نسخے استعمال کرسکتی ہوں۔''

''سوچ لو انکارانی......'' میں نے کہا۔''خون خرابے پھر میری راہ میں رُکاوٹیں کھڑ
دیں گے۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا......تم فکر مت کرو، خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہو۔''

''کیا کالی کے پوتر کندھوں پر نظر آنے والا کوئی ناگ دیوتا تمہیں سونگھ گیا؟'' نوج
کے حوصلے میری خاموشی سے بڑھنے لگے۔ اُس کے ساتھی بھی شیر ہونے لگے۔ وہ نا
اپنے انجام سے بے خبر تھے۔ نوجوان اپنے گھمنڈ میں بکواس کرتا رہا۔''کچھ بولو جمیل
خاں، چڑیوں کی طرح چہکو۔ بلبل کی طرح پھدکو۔ مینڈک کی طرح چھلانگیں مارو۔
آخری اِچھا ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو۔ من میں کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے۔''

انکارانی انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔ نوجوان کی لنترانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اچانک
کی پلکوں نے تیز تیز جھپکنا شروع کر دیا۔ پھر جو کچھ ہوا اس نے مرلی کے علاوہ مجھے
ششدر کر دیا۔ نوجوان کھڑے کھڑے چکرا کر گرا، پھر قلابازیاں کھاتا ہوا کالی کے پرا
مندر تک چلا گیا۔ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کئی پراسرار قوتیں مل کر اُسے ٹھوکریں مار رہی ہو
اُس کی حالت دیکھ کر باقی پجاری بھی آنکھیں پٹ پٹانے لگے۔ مرلی کار کا دروازہ کھول
باہر نکل آیا۔ انکا کی نظریں بدستور اُسی نوجوان پجاری پر مرکوز تھیں جو مندر کے پاس چا
شانے چت پڑا تھا۔ وہ اُسے ایک لمحے غضبناک نظروں سے گھورتی رہی، پھر اُس نے ا
گلابی ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر زور سے پھونک ماری تو نوجوان پجاری کا جسم
طرح شدید جھٹکے کھانے لگا جیسے بجلی کے ننگے تاروں میں اُلجھ گیا ہو۔ اذیتوں کی انتہا
دوچار ہونے کے باوجود اُس کے حلق سے کوئی چیخ نہیں نکل رہی تھی۔ چند لمحوں میں وہ
جان ہوگیا تو انکا نے دونوں ہاتھ آسمان کی سمت بلند کر دیے، سیاہ آندھی کا بگولا بھن
صورت میں آسمان سے برق رفتاری سے نیچے آیا، پل بھر میں نوجوان کو لپیٹ کر غائب
گیا۔ نوجوان پجاریوں کی ٹولی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اپنے گرو کا انجا
کر اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

''مہاراج......'' مرلی نے میرا بازو تھام لیا، خوفزدہ آواز میں پوچھا۔''یہ سب کیا ہے؟
یہ ممکن ہوگیا؟''

''اپنی زبان بند ہی رکھنا۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔''کسی اور نے سنا تو تمہیں پاگل
ہی سمجھے گا۔''

''جو آگیا (حکم) مہاراج......''

''جمیل......'' انکا نے بھاگتے ہوئے پجاریوں کے بارے میں سوال کیا۔''کہو تو ان کو
بھی سیاہ آندھی کی چکی میں پیس کر رکھ دوں؟ ان کے گندے وجود بھی ذرات بن کر فضا میں
بکھر جائیں گے۔''

''نہیں......انہیں جانے دو۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔''نول کشور شاید ان کی
زبان سمجھ لے۔''

''خیال ہے تمہارا......'' اُس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔''وہ کیکر کا بیج شرافت کی
زبان نہیں سمجھے گا۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے تمہیں اُلجھانے کی خاطر کر رہا ہے۔ تم دیکھنا، میں اُسے
کیسی سزا دوں گی۔ ایک بار منڈل سے باہر آلینے دو۔''

''مہاراج......'' مرلی نے ڈرائیور کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔''مجھے اس کے سلسلے میں
پولیس کو اطلاع دینی ہوگی۔''

میں نے مرلی کو جواب دینے کی بجائے انکا کی طرف دیکھا، وہ میرا اشارہ سمجھ گئی۔ میں
نے مرلی کو باتوں میں لگا لیا، انکارانی کی پراسرار قوت نے لجپت رام کی لاش بھی غائب کر
دی۔ میں نے میدان صاف دیکھ کر مرلی کو مخاطب کیا۔

''کیا ڈرائیور کے سلسلے میں پولیس میں رپورٹ درج کرانی ضروری ہے؟''

''اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔'' وہ سنبھل کر بولا۔''میں دشمنوں کو کوئی
موقع نہیں دینا چاہتا۔''

''لجپت رام کہاں کا رہنے والا تھا......؟''

''جونپور سے تعلق ہے اُس کا۔ اُس کے گھر والوں کو بھی اطلاع دینی ہوگی۔''

''پریشان مت ہو۔'' میں نے بے پرواہی سے کہا۔''لجپت رام خود ہی اپنے گھر چلا گیا
ہے۔ تم چاہو تو اُس کے اچانک غائب ہو جانے کی اطلاع کر دینا۔ خانہ پُری ہو جائے گی۔''

مرلی نے میرا جواب سن کر اسٹیئرنگ سیٹ کی سمت دیکھا تو آنکھیں پٹ پٹانے لگا
اُس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ سمجھدار تھا اس لئے جان گیا کہ اس کا ڈرائیور بھی ماورائی قوتوں کا
شکار ہو گیا۔

''ذہن پر زور مت دو مرلی، جو دیکھا ہے اسے بھلا دو۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔
''جب تک میرا ہاتھ تمہاری پشت پر ہے، کسی بات کی فکر مت کرو۔''

''مہاراج ......'' اُس نے بڑی عقیدت سے میرے سامنے ہاتھ جوڑ لئے، رندھی ہوئی
آواز میں بولا۔ ''مجھے بھول مت جانا۔ سیوک کو اپنی پرارتھنا میں ضرور یاد رکھنا۔ تمہاری بڑی
کرپا ہو گی۔''

میں جواب میں مسکرا دیا۔ مرلی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا، گاڑی پھر چل پڑی۔ انکا
میرے سر پر بائیں کروٹ لیٹ گئی۔ اُس نے اپنا سر کہنی پر ٹکا رکھا تھا۔ اُس کے ہونٹ مسکرا
رہے تھے، نشیلی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے انکارانی ......؟'' میں نے اُس کی مخمور نگاہوں کے شوخ رنگوں میں ڈوب
کر سرسراتی آواز میں پوچھا۔ ''اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''سوچ رہی ہوں کہ تم کچھ کچھ کنجوس ہوتے جا رہے ہو۔'' اُس کا انداز دلبرانہ تھا۔

''میں سمجھا نہیں ......'' میں نے معنی خیز انداز اختیار کیا۔

''پریتم لال مہاراج نے مجھے جو شکتیاں دان کی ہیں تم نے اس کی کوئی تعریف نہیں
کی۔'' اُس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''تم اس کا موقع کہاں دے رہی ہو ......؟'' میں نے اُس کے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے
بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''تمہاری کافر ادائیں دیکھوں یا پریتم لال کی قوتوں کی تعریف
کروں ......؟''

میری بات سن کر وہ بڑے محبوبانہ انداز میں آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھی۔ کانوں میں
اُنگلیاں گھما کر قاتلانہ انداز میں بولی۔

''ایک بار پھر کہنا جمیل، میں پوری توجہ سے تمہاری بات نہیں سن سکی۔ کیا کہہ رہے
تم ......؟''

''مہاراج، ایک درخواست کروں، مانو گے ......؟'' مرلی نے مجھے مخاطب کیا تو انکا

جل کر کہا۔

''اس وقت یہ کباب میں ہڈی بن کر ہمارے درمیان کہاں سے آ گیا ...... زہر لگ رہا ہے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو ......؟'' میں نے انکا کے چہرے پر نظریں جمائے جمائے مرلی سے
پوچھا۔

''جب تک بمبئی میں رہنا، مجھے اور سروجنی کو سیوا کرنے کے حق سے محروم نہ کرنا۔'' وہ
لجاجت سے بولا۔ ''ہمارے دوار چھوڑ کر کہیں اور جانے کی بات نہ کرنا ......''

''بمبئی میں اب میرا قیام بڑا مختصر ہو گا۔'' میں سنجیدہ ہو گیا۔ ''ہو سکتا ہے ایک رات ستا
کر کل ہی کسی اور طرف نکل جاؤں۔''

''مجھے اپنے ساتھ نہیں لے چلو گے ......؟'' اُس نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''تمہارا ہاتھ
بٹاتا رہوں گا۔''

''میری وحشتوں میں کہاں اُلجھتے پھرو گے مرلی، مجھے بہت سارے ادھورے کام
پورے کرنے ہیں۔ کسی سے کیا ہوا وعدہ نبھانا ہے، کسی کی بے چین رُوح کو قرار پہنچانے کی
خاطر کٹھن مرحلوں سے گزرنا ہے۔ میری کوئی منزل نہیں، کوئی ٹھکانا نہیں۔'' میں نے سرد آہ
بھر کر جواب دیا۔ ''تم دیکھ چکے ہو میرے دشمن سائے کی طرح میری زندگی کے ساتھ ساتھ
لگے ہوئے ہیں۔ تمہارے دیس کے پنڈت پجاری میری جان کے لاگو ہیں۔ وہ برسوں
سے اپنے دانت تیز کر رہے ہیں۔ اُن کا بس نہیں چلتا ورنہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح میرے
جسم سے لپٹ جائیں، مجھے بھنبھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ دو گز زمین کا ٹکڑا بھی نصیب نہ
ہونے دیں۔ میں جتنا دُور بھاگنا چاہتا ہوں وہ اتنا ہی میری ٹانگوں سے لپٹ کر اپنے
درمیان کھینچ لاتے ہیں۔ مجھے اپنے بچاؤ کی خاطر پھر ہاتھ پاؤں چلانا پڑتا ہے۔ میری
زندگی کی داستان بڑی طویل، بڑی دردناک ہے۔ کبھی موت سے فرصت ملی تو اطمینان سے
سناؤں گا۔''

مرلی خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ گاڑی مختلف شاہراہوں سے گزرتی رہی۔ چوپاٹی
کی وہ عالیشان عمارت قریب آ گئی جس میں مرلی کا اپارٹمنٹ تھا۔ گاڑی پارکنگ لاٹ میں
جا کر رکی، مرلی نے تیزی سے نیچے اُتر کر میرے لئے دروازہ کھولا۔

''جمیل ......'' انکا نے مجھے مخاطب کیا۔ ''یاد ہے تمہیں؟ ...... تم نے مرلی سے کوئی وعدہ

کیا تھا۔"

"کیسا وعدہ.....؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے مرلی کے اپارٹمنٹ میں آتشزدگی سے ہونے والے تمام نقصانات کو پورا کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔"

"ابھی مجھے پرانے حساب کتاب چکتا کر لینے دو، مرلی سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کر دوں گا۔"

"ایک نظر اس جلے ہوئے اپارٹمنٹ کو بھی دیکھ لو جسے پجاری منوہر نے کھنڈر بنا دیا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مرلی مجھے ساتھ لئے لفٹ کی سمت قدم اُٹھانے لگا۔ وہ مجھے بتا رہا تھا کہ اُس نے ڈاکٹر کے اپارٹمنٹ میں محض ایک رات گزاری تھی سروجنی کے اصرار پر صبح ہوتے ہی ڈیکوریٹڈ (DECORATED) اپارٹمنٹ کرائے پر حاصل کر لیا تھا۔

"اپارٹمنٹ جل جانے سے تو تمہیں لاکھوں کا نقصان ہوا ہوگا۔" میں نے مرلی کو کریدا۔

"اس کی چنتا مت کرو مہاراج....." مرلی نے میری بات کا مفہوم بھانپ لیا۔ "تمہاری کرپا سے بھگوان کا دیا بہت سارا دھن موجود ہے۔"

"میں تمہارے جلے ہوئے اپارٹمنٹ کو دیکھنا چاہوں گا۔" میں نے دبی زبان میں کہا۔

"خوابوں کی اس جنت کو ظالموں نے کس طرح پھونک ڈالا۔"

"جمیل..... میں ابھی آتی ہوں۔" انکا نے کہا پھر میرے سر سے اُتر گئی۔ شاید اُس نے آس پاس منڈلاتے ہوئے کسی خطرے کو دیکھ لیا تھا۔

"میں نے ٹھیکیدار سے بات کر لی ہے۔" مرلی نے لاپرواہی سے بتایا۔ "بس ایک مہینے کی بات ہے، سب کچھ ویسا ہی ہو جائے گا جیسا پہلے تھا۔"

میرے اصرار پر مرلی مجھے اس منزل پر لے گیا جہاں اُس کا اپنا اپارٹمنٹ تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے قدم اُٹھا رہا تھا۔ لیکن اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ کر چونک اُٹھا۔ مجھے بھی اس دروازے کو دیکھ کر دُکھ ہوا جس کا رنگ برباد ہو چکا تھا۔ آگ کی تپش اور دُھوئیں کی کلونس نے اس کی ساری شان و شوکت اُجاڑ دی تھی۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگ رہا تھا۔

"یہ..... یہ آج صبح تک نہیں تھا۔" مرلی نے مجھے آگاہ کیا۔ "شاید ٹھیکیدار نے کام شروع کر دیا ہے۔ پرانا دروازہ اس لئے لگا دیا ہوگا کہ کسی چوکیدار کی ضرورت نہ پڑے۔"

مرلی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا چاہا، میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں انکا رانی کا تصور کلبلانے لگا۔ میرا اُس کا ساتھ چوتھائی صدی سے زیادہ پر محیط تھا۔ میں اُس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ وہ لفٹ میں میرے سر سے اُتر گئی تھی، اُس نے مجھے مرلی کا نقصان پورا کرنے کا وعدہ یاد دلایا تھا۔ اس کا مشورہ تھا کہ میں جلے ہوئے فلیٹ کو بھی ایک نظر دیکھ لوں، اور مرلی پرانے دروازے کو لگا دیکھ کر کہہ رہا تھا کہ شاید ٹھیکیدار نے کام شروع کر دیا ہے۔ مجھے دروازے کی دوسری طرف بھی انکا اور پریتم لال کی پراسرار اور ناقابلِ یقین قوتوں کا ہاتھ محسوس ہوا۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کے مختصر عمل سے گزر کر آنکھیں بند کر لیں۔ راستے کی رُکاوٹیں ایک ایک کر کے سرکنے لگیں۔ میں اپارٹمنٹ کے باہر کھڑے ہونے کے باوجود دروازے سے گزر کر اندر پہنچ گیا۔ وہاں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ ہر شے اپنی اصلی حالت میں موجود تھی۔ مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا۔ پریتم لال ناممکن کو ممکن بنا دینے کی قوتوں کا مالک تھا۔ میری خاطر اُس نے انکا کو کچھ طاقتیں سونپ دی تھیں۔ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا، وہ خواب نہیں تھا۔ انکا رانی نے مجھے بھی تاریکی میں رکھ کر حیرت زدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔

"تم رُک کیوں گئے مہاراج.....؟" مرلی نے پوچھا۔ "آنکھیں بند کئے کیا سوچ رہے تھے؟"

"اب کسی ٹھیکیدار کی ضرورت نہیں رہی۔" میں نے ٹھوس آواز میں کہا۔ "صرف باہر کا یہ دروازہ بدلوا دینا..... ایک دو مہینے بعد..... جلدی نہ کرنا۔ ورنہ تمہارے جاننے والے تمہیں بھگوان کا اوتار سمجھ کر تمہاری پوجا شروع کر دیں گے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" مرلی پلکیں جھپکانے لگا۔ "میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔"

"سروجنی اور سادھنا کو بھی سمجھا دینا کہ اپنی زبان بند رکھیں....."

"کس سلسلے میں؟" مرلی کی حیرت عروج پر پہنچ گئی۔ "مجھے بھی بتا دو مہاراج، تمہاری نظروں نے کیا دیکھ لیا ہے؟"

انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ بڑی سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"انکا رانی....." میں نے اُسے عالم تصور میں مخاطب کیا۔ "آج تم سے کچھ کہنے کو دل

چاہتا ہے۔ میری بات سے انکار تو نہیں کرو گی؟''

''تم حکم دو جمیل......'' اُس نے بڑی سعادت مندی کا اظہار کیا۔

''بڑے عرصے بعد مجھے تمہاری ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔'' میں ایک سرد آہ بھر کر جذباتی لہجے میں بولا۔ ''تم جس قد و قامت کی ہو، جہاں ہو، جیسی بھی ہو، کی بنیادوں پر ایک رات کے لئے میری آغوش کی زینت بننے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کر دو۔''

''بے شرمی کی باتیں مت کرو۔'' اُس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخی سے کہا۔ ''میں سمجھ رہی ہوں کہ تم نیلام کے اشتہاروں والی زبان کیوں استعمال کر رہے ہو...... تم نے شاید اندر کی حالت دیکھ لی ہے، تبھی چہک رہے ہو۔''

''تم کہاں کھو گئے مہاراج؟'' مرلی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''میری بات کا جواب بھی نہیں دیا۔''

''تمہیں یاد ہوگا، میں نے اپارٹمنٹ میں لگنے والی آگ کی خبر سناتے وقت کہا تھا کہ تمہارا نقصان پورا کرنے کی ذمہ داری میری ہوگی۔''

''کیوں شرمندہ کر رہے ہو؟'' مرلی نے میری بات سے خوش ہو کر انکساری سے کہا۔ ''میں اب اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں کہ تیس چالیس لاکھ کا دھچکا نہ برداشت کر سکوں۔ مایا تو آنی جانی شے ہے، تمہاری دُعا ہوگی تو کروڑوں کما لوں گا۔''

میں نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولنے سے پیشتر سروجنی کو بھی بلوایا۔ سادھنا بھی اُس کے ساتھ ساتھ تھی۔ انکا کی نظریں سادھنا کے گدرائے ہوئے جسم پر مچلنے لگیں۔ مرلی نے میرے کہنے پر دروازہ کھولا تو ہکا بکا رہ گیا۔ میں نے اندر پہنچ کر دروازہ بند کر دیا۔ مرلی کے علاوہ سادھنا بھی پھٹی پھٹی نظروں سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔ سروجنی کی کیفیت سب سے مختلف تھی۔ اُسے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اپارٹمنٹ کا سارا ساز و سامان، مکمل سیٹ اپ بالکل ویسا ہی تھا جیسے ہوا کرتا تھا۔ سروجنی پھرکی کی طرح ایک ایک کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ ہر شے کو ہاتھ لگا کر دیکھ رہی تھی، بار بار حیرت کا اظہار کر رہی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں جگنو چمک رہے تھے۔ خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

''دیکھ رہے ہو جمیل...... دولت کی چمک دمک انسان کی نگاہوں کو کس طرح خیرہ کر دیتی ہے۔'' انکا نے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سروجنی پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے کر آئی تو اُسے احساس ہوا کہ میں بھی وہاں موجود ہوں۔ وہ بے اختیار دوڑ کر میرے قدموں میں گر گئی۔ میں نے اُس کو بازو تھام کر اُٹھایا۔ وہ ہاتھ باندھ کر بولی۔

''مہاراج، میں نے پہلے بھانپ لیا تھا کہ تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔ ہم تمہارا شکریہ کس زبان میں ادا کریں؟ تم نے جو احسان کیا ہے وہ ہم سارا جیون نہیں بھلا سکیں گے۔''

سروجنی کی دیکھا دیکھی مرلی نے بھی میرے پیروں کو چھو کر اپنا فرض پورا کر دیا۔ سادھنا الگ تھلگ کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اُس کی تنہائی کا احساس ہوا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے قریب بلا کر اُسے گلے لگا لیا۔ اُس کی کنول جیسی نظروں میں آنسوؤں کے شبنمی قطرے جھلملانے لگے۔ سروجنی کی آنکھیں سلگ اُٹھیں۔ اُس کا بس چلتا تو شاید سادھنا کو اسی وقت گولی مار دیتی۔ میں اُس کی نظروں میں رقابت کے جذبوں کو کروٹیں بدلتا دیکھ رہا تھا۔ میں نے سادھنا کو اپنی بانہوں کے حلقے سے آزاد کیا تو سروجنی نے سکون کا سانس لیا۔

''میں آج رات اسی اپارٹمنٹ میں گزاروں گا۔'' میں نے سروجنی سے کہا۔ ''کل صبح کہیں اور چلا جاؤں گا۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گے مہاراج......'' سروجنی نے قریب آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''اب آئے ہو تو کچھ دن ہمیں سیوا کرنے کا موقع دو۔''

''ابھی مجھے دُور جانا ہے۔ پھر کبھی آیا تو کچھ دن ضرور آرام کروں گا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

سروجنی اور سادھنا نے مل کر میرے کھانے کا اہتمام کیا۔ میں اسی کمرے میں آ گیا جہاں پہلے مقیم تھا۔ مرلی میرے ساتھ ساتھ تھا، دوپہر کا کھانا اور شام کی چائے ہم نے ساتھ ہی بیٹھ کر پی۔ سادھنا سامنے نہیں آئی۔ شاید سروجنی نے پھر اُس پر پابندی لگا دی تھی۔ میں چائے پی کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ مرلی کسی ضروری کام سے چلا گیا تھا۔ سروجنی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی میری آؤ بھگت میں لگی تھی۔ انکا میرے سر پر لیٹی سروجنی کو گھور رہی تھی۔

''کیا بات ہے انکارانی؟'' میں نے پوچھا۔ ''آج تم سروجنی کو اتنی توجہ سے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''آج اس کے ارادے تمہارے حق میں نیک نظر نہیں آ رہے۔'' اُس نے بڑی سے جواب دیا۔ ''تم نے اس کا اتنا بڑا نقصان پورا کر دیا۔ یہ اس کی ادائیگی کے طور تمہاری آغوش میں بکھیرنا چاہتی ہے..... بڑی چالاک عورت ہے۔ سادھنا کو تم بانہوں میں دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔ اُس غریب پر دوبارہ تم سے رہنے کی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔''

انکا کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ سروجنی مجھ پر زیادہ ہی مہربان ہو رہی تھی۔ رات گئے واپس آیا تو اُسے مجبوراً اُٹھ کر جانا پڑا۔ میری سرد مہری نے اُسے مایوس کر دیا تھا ورنہ مرلی کی پرواہ نہیں تھی۔ مرلی اور سروجنی کے جانے کے بعد ہم اپارٹمنٹ میں تنہا رہ گئے مرلی نے کہا تھا کہ وہ صبح دوبارہ اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو جائے گا۔

میں خوابگاہ میں تنہا رہ گیا تو میں نے آئندہ کے بارے میں سوچا۔ میرے ذہن ہر دوار کلبلا رہا تھا۔ پنڈت نول کشور کی سرکوبی ضروری ہو گئی تھی۔ وہ بار بار مجھے اُلجھانے کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت موقع غنیمت تھا، انکا کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق چندرا کالی کے مندر میں نول کشور کے ساتھ تھا۔ میں دونوں سے ایک ساتھ نمٹ لیتا تو چھٹی جاتی۔ میرے ذہن میں ماضی کی المناک داستان سر اُبھارنے لگی۔ وقت کی گردشوں مجھے کہیں ٹک کر آرام کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جین لنڈا کے ساتھ لندن کی آزاد فضا میں دن سکون سے ضرور گزر رہے تھے، وہ میری منزل نہ بن سکی۔ پریتم لال کی آتما نے سا کر میرے زخموں پر جمتی ہوئی کھرنڈ کو دوبارہ کھرچ دیا۔ میرے زخم پھر تازہ ہو گئے۔ امرلال کے کسی لڑکے کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پریتم لال نے مجھے چندرا بارے میں بتایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ بدری نرائن اور امرلال کا انتقام لینے کی خاطر میر دشمن پھر سر جوڑ کر مشورہ کر رہے ہیں۔ امرلال کا نام سن کر میرا سکون برباد ہو گیا۔ وہ کلدیپ کا قاتل تھا۔ میں لندن چھوڑ کر واپس ہندوستان آ گیا۔ پنڈت پجاریوں نے میرے اطراف گھیرا ڈالنا شروع کر دیا۔ درخت کو ایک بار جڑ سے اُکھاڑ دیا جائے تو کے دوبارہ اُگنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ میں بھی انہی خطوط پر غور کر رہا تھا۔ انکارانی میر پر چت لیٹی کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔ میں تادیر اپنی وحشتوں سے سر مارتا رہا، پھر کا احساس معدوم ہونے لگا۔ غنودگی میرے جنون کو تھپکیاں دینے لگی۔

رات کا پچھلا پہر تھا جب مجھے احساس ہوا کہ میں کمرے میں تنہا نہیں ہوں۔ میں نے پلکوں کے درمیان جھری کر کے دیکھا تو مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ وہ سادھنا تھی جس کے کندن جیسے دمکتے جسم پر باریک نائٹ گاؤن قیامت ڈھا رہا تھا۔ وہ خود بھی کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ اُس کے لباس سے دھینگا مشتی کرتے ہوئے جسمانی نشیب و فراز دیکھ کر میرے جسم سے بچھو لپٹ گئے۔ جذبات کو ڈنک مارنے لگے۔ وہ میرے بستر پر بیٹھی بڑی نشیلی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے شبہ ہوا، سروجنی نے اُسے میرے قریب آنے سے روک دیا تھا۔ انکا نے بتایا تھا کہ سادھنا کی جوانی کو کسی راج منتری کے قدموں میں بھینٹ چڑھانے کی خاطر سنبھال کر رکھا گیا ہے۔ سروجنی کو خطرہ تھا کہ سادھنا کے جسم کی تپش میرے وجود کو پگھلا دے گی۔ اُس نے خود اپنے آپ کو میری خدمت میں پیش کر دیا تھا، سادھنا کو سینت کر علیحدہ رکھا تھا۔ پھر سادھنا کا اتنی رات گئے، اتنے ہیجان انگیز لباس میں میرے بستر پر موجود ہونا، بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ وہ شاید میرے پریشان ذہن کی پیداوار تھی۔ سادھنا نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے دوسری کروٹ لینے کی کوشش کی تو میرے بازو پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ اس ہاتھ کے لمس نے میرے خون کی گردش تیز کر دی۔ میرے دل و دماغ میں کن کھجورے رینگنے لگے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں..... وہ میرا واہمہ نہیں تھی، سادھنا ہی تھی۔ میں اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میرے وجود میں گرم آندھی کے جھکڑ چلنے لگے۔ سادھنا کی موجودگی میرے تپتے ہوئے لق و دق صحرا میں کسی نخلستان سے کم نہیں تھی۔ میری آنکھیں جلنے لگیں، حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔

''مہاراج.....'' سادھنا کی مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔ ''داسی کو شما کر دو۔ میں نے تمہاری نیند میں خلل ڈال دیا۔''

''سروجنی کہاں ہے.....؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''تمہیں میرا آنا برا لگا تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔'' اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی کلائی تھام لی۔

''تم نے میری بات کا غلط مطلب سمجھا۔'' میں نے اُسے دوبارہ اپنے بستر پر بٹھا لیا۔ ''دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ.....''

''میں سمجھتی ہوں مہاراج۔'' اُس نے بڑی معصومیت سے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''میڈم

کومیرے یہاں آنے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ مجھے شکاری کتوں کے آگے ڈال دے گی۔

''پھر......تم یہاں کیوں آ گئیں......؟'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر
لہجے میں سوال کیا۔

''تمہاری سیوا کرنے۔'' اُس نے بے اختیار اپنا سر میرے کشادہ سینے پر رکھ دیا۔ ''تم
سا پیار مجھ پجارن کی جھولی میں بھی ڈال دو۔''

میرے جذبات میں طغیانی آ گئی۔ ایک اُونچی لہر آئی، ہم دونوں کو بہا کر لے گئی۔ میرے اعصاب کا تناؤ دُور ہو گیا۔ سادھنا میری آغوش میں بکھری پڑی تھی، اُس کا عریاں جسم اور بے ترتیب لباس مجھے کسی اور دنیا کی سیر کرا رہا تھا جب انکا کی مانوس آ
میرے کانوں میں گونجی۔

''سادھنا تمہیں کیسی لگی؟''

میں نے چونک کر سر پر نظر ڈالی، انکا کی شوخ نگاہوں سے مستی چھلک رہی تھی۔ سا
بات میری سمجھ میں آ گئی۔ سادھنا میرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئی تھی، انکا رانی
پراسرار قوتوں نے اُسے بنا سنوار کر میری ہوس کا نشانہ بنا دیا تھا...... اب اُس کی
نظریں سادھنا کے جسم پر مچل رہی تھیں۔

''تمہارا دل بھر گیا ہو تو میں بھی اپنی غذا حاصل کر لوں۔'' انکا نے جماہی لیتے ہوئے
پھر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''اگر سروجنی کو علم ہو گیا تو......؟'' میں نے ایک ممکنہ خطرے کا اظہار کیا۔

''تم فکر مت کرو جمیل۔'' اُس نے بے پرواہی سے کہا۔ ''میری خاطر ساد
دوسرے کمرے میں پہنچا دو۔ گلا گھونٹ کر اس کا سر پھاڑ دو، میں اس کے جسم میں
ہوئے خون سے اپنے وجود کو سیراب کرنے کے بعد اسے بھی چھو منتر کر دُوں گی۔'' انکا
بڑے یقین سے کہا۔ ''سروجنی اور مرلی کے فرشتے بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکیں
سادھنا سے پہلے بھی کچھ لڑکیاں سروجنی کے قبضے سے نکل کر راہِ فرار اختیار کر چکی ہیں
دونوں تمہارے اوپر شبہ نہیں کریں گے۔''

میرے اور انکا کے درمیان خون کی فراہمی کے سارے معاہدے ختم ہو چکے تھے۔
اُس کے کسی حکم کا پابند بھی نہیں تھا، پراسرار قوتوں کے حصول کے بعد ہم دونوں کا پلڑا

ہو گیا تھا۔ میں چاہتا تو انکا کی درخواست رد بھی کر سکتا تھا۔

''جمیل......'' وہ مجھے ہچکچاتا دیکھ کر عاجزی کرنے لگی۔ ''تم واقف ہو کہ انسانی خون میری غذا ہے۔ میں تمہیں حکم نہیں دے رہی، تم سے درخواست کر رہی ہوں۔ میری درخواست رد نہ کرنا......آج مجھے بھی جشن منا لینے دو......''

میں نے سادھنا کے سراپا پر ایک آخری نظر ڈالی۔ اُس گل بدن پر مجھے ترس آ رہا تھا۔ لیکن میں نے انکا کی درخواست رد نہیں کی، سادھنا کو اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گیا، اُس کی صراحی دار گردن پر میرے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہوئی تو وہ کسمسانے لگی۔

''مہاراج......یہ تم کیا......''

میں نے اُسے جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا، ہاتھوں کے شکنجے کو تنگ کیا تو سادھنا کا کندن جسم پھڑپھڑانے لگا۔ وہ زیادہ دیر مدافعت نہ کر سکی، اُس کی آنکھیں اُبل کر حلقوں سے باہر آ گئیں۔ اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔ میں نے اُٹھ کر اُس کے سر پر بھرپور ٹھوکر ماری، خون کا فوارہ جاری ہوا تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ میں نظریں پھیر کر واپس اپنی خواب گاہ میں آ گیا......!!

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ انکا میرے سر پر ٹانگیں پسارے گہری نیند سے دوچار تھی۔ اُس کا چہرہ کسی تازہ گلاب کی مانند کھلا کھلا نظر آ رہا تھا۔ میں اُٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا۔ سادھنا کا جسم غائب تھا۔ قالین پر خون کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں دوبارہ اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا......!

ناشتے کی میز پر سروجنی کی بے چینی میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ ایک سونے کی چڑیا اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی، اُس کی فکر بے جا نہیں تھی۔

''کیا بات ہے سروجنی......؟'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر پوچھ لیا۔ ''تو مجھے کچھ پریشان دکھائی دیتی ہے......''

''کوئی خاص بات نہیں ہے مہاراج۔'' اُس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ''سر میں ہلکا ہلکا درد سا ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اپنا دھیان رکھا کر۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''مرلی کو ابھی تیری ضرورت ہے۔''

ناشتے کے بعد مرلی تیار ہو کر دفتر جانے لگا تو میں بھی سیّد کی لاٹھی سنبھال کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کہاں جارہے ہو مہاراج......؟" سروجنی نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"اب یہاں سے دانہ پانی اُٹھ گیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "کچھ حساب کرنے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔"

سروجنی نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔ مرلی نے بھی اصرار کیا۔ لیکن میں نے آنے کا وعدہ کر کے جان چھڑالی۔ سروجنی کے سر پر ہاتھ پھیر کر مرلی کے ساتھ نیچے آ

"کہاں جانے کا ارادہ ہے مہاراج؟" مرلی نے کار میں بیٹھنے کے بعد سوال کیا۔

"ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ دو۔ کسی بھی گاڑی میں بیٹھ جاؤں گا۔" میں نے سرد آہ جواب دیا۔ "ابھی تو بہت سفر کرنا ہے۔ میری کوئی ایک منزل نہیں ہے، جہاں رات وہیں پڑاؤ ڈال دوں گا۔"

راستے میں مرلی بڑی عقیدت سے گفتگو کرتا رہا۔ میں ہوں ہاں کر کے جواب دیتا انکا، سادھنا کے خون کے نشے میں ابھی تک بے سدھ پڑی ہلکے ہلکے خراٹے نشر کر رہی میں آنے والے کل کے بارے میں سوچنے لگا......!!

مرلی مجھے ریلوے اسٹیشن پر چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ میرے پاس سیّد کی لاٹھی کے علاوہ کوئی دوسرا سامان نہیں تھا۔ مجھے سامان کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جہاں جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ انکا فراہم کر دیتی تھی۔ جن قارئین نے میری داستانِ المناک کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی واقف ہوں گے کہ میرے لئے دولت کا حصول کس قدر آسان تھا۔ دولت میرے ہاتھ کے میل سے بھی کم حقیقت تھی۔ اسی دولت کی خاطر میں بھی انکارانی کے عشق میں مبتلا ہوتا چلا گیا تھا۔ دولت انسان کی بینائی روشن کرنے کے لئے سب سے موثر ذریعہ ہے۔ اس کی جھلک دیکھ کر انسان کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ دل کی دھڑکنوں کو بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ حسین خوابوں اور خواہشات کی تکمیل کے لئے بھی انسان کو دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دولت ہی کے بل بوتے پر ایک کمزور حریف بھی اپنے سے دُگنے قد و قامت کے دشمن پر جھپٹ پڑتا ہے۔ دولت ایک ضرورت ہے، نشہ ہے، طاقت ہے۔ یہی دولت انسان کو بینا سے نابینا بھی کر دیتی ہے۔ دولت کی خاطر وہ دوسروں کے قتل پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے۔ چوری کرتا ہے، ڈاکے مارتا ہے، اسی سے ضمیر کے سودے بھی برملا کئے جاتے ہیں۔ اس کا ایندھن نفس کو ورغلاتا ہے۔ یہی فساد کی جڑ ہے، یہی جسم فروشی کے کام آتی ہے، اسی کی خاطر انسان اپنی ڈگر سے بھٹک جاتا ہے، منزل سے دُور ہو جاتا ہے، سراب کے پیچھے وحشی گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگنے لگتا ہے۔ اسی کو امیری اور غریبی کا میزان سمجھا جاتا ہے۔ یہی ہاتھ کا کنگن ہے، یہی پیروں کی بیڑی بھی بن جاتی ہے۔ میری آنکھیں بھی دولت کی ریل پیل دیکھ کر خیرہ ہو گئی تھیں۔ آپ واقف ہیں، میں بڑا قناعت پسند تھا، والدین سے دُور ایک کمرے کے فلیٹ میں زندگی کے دن بڑے سکون سے گزار رہا تھا۔ صبح اُٹھنا، اپنے ہاتھ سے ناشتہ بنانا، دن بھر خون پسینہ بہا کر روزی کمانا، رات کا کھانا کسی ادنیٰ درجے کے ہوٹل میں کھا کر ایک جھلنگے پلنگ پر سکون کی نیند سو جانا، دوسرے دن

پھر کولہو کے بیل کی طرح روزمرہ کے معمولات میں جُت جاتا۔ زندگی بڑے سکون سے گزر رہی تھی جب انکا نے میرے سر کو اپنے آشیانے کے لئے منتخب کیا تھا۔ ہر شخص کی طرح میں بھی شروع شروع میں گھبرایا، انکا مجھے اپنے پنجوں کی تیز چبھن سے اپنا معمول بنالیتی۔ میں اُس کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ میری زندگی میں طوفان کی شدتیں کبھی نہ ہوتیں اگر انکا نے میرے سر پر بسیرا نہ کیا ہوتا۔

میں اختصار سے کام لوں گا۔ قارئین جانتے ہیں کہ میں حالات کے ساتھ سمجھوتا کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر انکا نے میرے لئے دولت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ میں بھٹکتا گیا...... آج میں کلدیپ کی بے چین رُوح کو سکون پہنچانے کی خاطر زندگی داؤ پر لگانے پر آمادہ تھا۔ وہ میری رُوح تھی، میری زندگی تھی، میرے جینے کا آخری سہارا تھی جسے امرلال کی مداخلت نے مجھ سے چھین لیا...... کلدیپ سے میری ملاقات بھی دولت کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ وہ بذاتِ خود پونا کے ایک معروف دولت مند تاجر کی بیٹی تھی۔ قدرت نے اُسے حسن کی دولت سے نواز کر اُس کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ وہ بڑی مہذب تھی، تعلیم کے زیور سے پوری طرح آراستہ تھی۔ اُس کی گفتگو میں شائستگی کا رنگ جھلکتا تھا۔ اُس کی نگاہیں جدھر اُٹھتی تھیں، ایک رشتہ قائم کر لیتی تھیں۔ میری اُس کی پہلی ملاقات پونا کے ریس کلب میں ہوئی۔ دولت کے بل بوتے پر وہ من پسند گھوڑوں پر بے دریغ داؤ لگاتی رہی۔ قیمت نے یاوری نہیں کی، وہ ہارتی چلی گئی۔ اُس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ لیکن اُسے اپنی ہار بھی منظور نہیں تھی۔ پھر میں نے انکا کی پراسرار قوتوں کے ذریعے اُسے جیت کی طرف گامزن کر دیا۔ فتح کا احساس اور میرے قرب کی تپش اُسے پگھلاتی رہی۔ وہ ایک الٹرا ماڈرن لڑکی تھی، حسن کی دیوی تھی، دولت میں کھیلتی تھی۔ بڑے بڑے دولت مند تاجر اُس کی ایک نگاہِ غلط اناز کے منتظر رہتے۔ اُسے رجھانے اور اپنانے کے سنہرے خواب دیکھتے لیکن قرعۂ فال میرے نام نکلا۔ انکا کی صورت میں میرے پاس ''جادو کی چھڑی'' موجود تھی۔ میرا اُس کا ربط بڑھتا گیا۔ وہ میری پجارن بن گئی۔ میری خاطر اُس نے پجارنوں کا لباس پہن لیا، دنیا کی رنگینیوں سے منہ موڑ کر صرف مجھے سربلند رکھنے اور سر بلند دیکھنے کی خاطر پریتم لال کی کٹیا میں مرگ چھالا پر بیٹھی شب و روز دیوی اور دیوتاؤں کی خوشنودی کی خاطر جاپ کرتی رہی...... سارا کھیل دولت کی بنیاد پر شروع ہوا تھا۔ اُس

سلسلہ ختم نہیں ہوا، جاری تھا......

میں بمبئی کے پُر رونق اسٹیشن پر ٹرین کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں تنہا بیٹھا تھا اپنی تسبیح روز و شب کے دانے شمار کر رہا تھا جب گارڈ کی تیسری سیٹی کی آواز اُبھری، اسی کے ساتھ گاڑی چل پڑی۔ میرے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا رانی بیدار ہونے کے لئے توبہ شکن انگڑائیاں لے رہی تھی۔ سادھنا کے گداز جسم کا سارا خون اپنے وجود میں منتقل کر لینے کے بعد اُس کے حسن میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ اُس کے گالوں کی سرخی کندن کی طرح دمک رہی تھی۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے تراشیدہ ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ دو چار بار اپنے جسم کو بھرپور انداز میں دائیں بائیں حرکت دینے کے بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں، پھر ہڑبڑا کر اُٹھی، بڑی سنجیدگی سے مجھے مخاطب کیا۔

''ہم اس وقت کہاں ہیں جمیل......؟'' اُس نے نظریں گھما کر ماحول کا جائزہ لیا۔

''ریل کے فرسٹ کلاس میں......'' میں نے شوخی سے کہا۔ ''اس وقت کمپارٹمنٹ میں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور نہیں ہے۔''

''تم نے کہاں جانے کا ارادہ کیا ہے؟'' وہ میری بات کا جواب دینے کی بجائے میری نگاہوں میں جھانکنے لگی۔ اُسے پھر میری فکر لاحق ہو گئی۔

''فی الحال دہلی جانے کا ارادہ ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ پر حاضری دینے کے بعد اگلی منزل ہردوار ہو گی......''

''پہلے تو تم نے حیدر آباد جانے کا خیال ظاہر کیا تھا۔'' ہردوار کا نام سن کر اُس کے چہرے پر اضطرابی کیفیتیں نمودار ہونے لگیں۔ کیا اب رکن الدین کی حویلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا؟ گلبرگہ چلتے تو ایک پنتھ دو کاج ہو جاتا۔ سیّد مجذوب سے ملاقات بھی ہو جاتی، بزرگ کی چوکھٹ پر حاضری بھی دے لیتے۔''

''سفر بہت لمبا ہو جاتا۔ دو مختلف سمتوں کا راستہ طے کرنے میں خاصا وقت ضائع ہو جاتا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''زندگی رہی تو اپنوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔''

''سیّد کو کیوں فراموش کر رہے ہو؟ اُس نے تمہیں دُرگا کے عتاب سے نجات دلا کر وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو میری قوت سے بھی باہر تھا۔''

''اُس کی لاٹھی میرے پاس ہے۔'' میں نے لاٹھی کو عقیدت سے چوم لیا۔ ''مجھے یقین ہے، سیّد مجذوب مجھے کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ میں جہاں بھی رہوں، اُس کا سایہ میرے ساتھ ساتھ ہوگا۔''

انکا نے جواب نہیں دیا، کسمسانے لگی۔ میں اُس کی نگاہوں میں اُلجھن کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''چپ کیوں ہوگئیں؟'' میں نے اُسے چھیڑا۔ ''کیا سادھنا کا خون مارٹینا کے کاک ٹیل خون سے زیادہ لذت آمیز نہیں ثابت ہوا......؟''

''تمہیں اس وقت مارٹینا کیوں یاد آگئی......؟''

''اور کسے یاد کروں......؟'' مجھے کلدیپ یاد آگئی۔ نرگس کا تصور ذہن میں کلبلانے لگا۔ مالا رانی کا خیال کروٹیں لینے لگا۔ میں نے آہ بھر کر کہا۔ ''میری زندگی میں اب یادوں کے سوا اور کیا رہ گیا ہے......؟''

''میری ایک بات مانو گے......؟'' اُس نے بڑے لاڈ سے کہا۔

''میں جانتا ہوں تم کیا مشورہ دو گی۔'' میں اُس کا اشارہ سمجھ گیا۔ ''تم مجھے ہردوار جانے سے روکنا چاہتی ہو۔ لیکن کب تک؟'' میرے جنون نے پھر سر اُبھارنا شروع کیا۔ ''پنڈت نول کشور منڈل سے باہر آنے میں جلد بازی نہیں کرے گا۔ مجھے دُور بٹھا کر دوسرے معاملات میں اُلجھاتا رہے گا۔ تم نے ہی بتایا تھا۔ میں انتظار بھی کرلوں۔ لیکن زندگی کی ضمانت کون دے گا؟ بلاوے کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ کسی وقت بھی جسم اور رُوح کا رشتہ اُس کے حکم سے ختم ہوسکتا ہے۔ میں حسرتیں دل میں لئے دنیا سے رخصت ہوگیا تو میری رُوح کو کبھی سکون نہیں ملے گا۔ ایک طرف میری لاوارث لاش کو کوئی خیراتی ادارہ قبر میں اُتارنے کی تیاری کررہا ہوگا، دوسری طرف نول کشور بھنگ چڑھا کر کسی کم عمر پجارن کی برہنہ کمر میں ہاتھ ڈالے دُھوم دھڑکا کرنے میں مگن ہوگا، جیورام...... چھیورام اور جے بجرنگ بلی کے نعرے لگائے گا۔ چندرا کی کسی سندر نار کے شریر کو ہاتھ لگانے کی قسم بھی ٹوٹ جائے گی۔ بھی کسی معصوم کو زبردستی گابھن کرنے میں جُٹ جائے گا۔ میں نے پریتم لال مہاراج سے جو وعدے کئے تھے، وہ ادھورے رہ جائیں گے۔ کلدیپ کی رُوح ہمیشہ شاکی رہے گی۔''

میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''نہیں انکا رانی...... نہیں۔ میں ان دونوں چنکوں، منگلو، موہن سوہن کی ناجائز اولادوں کو خوشیاں منانے کا موقع نہیں دُوں گا۔ جب تک جہنم رسید نہ کرلوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا...... پنڈت پجاریوں کو تالیاں بجانے کا موقع مل گیا تو وہ پھر اوقات سے تجاوز کرنے لگیں گے۔''

''میں تمہارے دل کی کیفیت سمجھ رہی ہوں۔ لیکن......''

''بہت وقت گزر گیا، بڑے درگزر سے کام لیتا رہا۔ اب لیکن ویکن کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔''

''ٹھیک ہے جمیل......'' انکا نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر میں تمہیں روکوں گی نہیں۔ مگر ایک وعدہ کرو، تم جذبات میں بے قابو ہوکر کوئی قدم نہیں اُٹھاؤ گے۔''

''تم اس قسم کے مشورے پہلے بھی دیتی رہی ہو۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''انسان جان بوجھ کر نادانی نہیں کرتا۔ اپنی خوشی سے کوئی بھڑکتی آگ میں چھلانگ لگانے کی حماقت نہیں کرتا۔ وقت، حالات، گھٹن، محرومیاں اور اندر ہی اندر پکنے والا آتش گیر مادہ جب لاوے کی شکل میں اُبلتا ہے تو ساری مصلحتیں، تمام دُور اندیشیاں اور سود و زیاں کا حساب کتاب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ جنون کی شدت انسان کو اندھا کردیتی ہے۔ وہ آدم خور بن جاتا ہے۔ اپنے حریف کو پھاڑ کھانے کی خواہش کے علاوہ اُسے اور کچھ نہیں سجھائی دیتا...... کملا نام کی وہ ٹھوس جسم والی مرہٹی لڑکی یاد ہے تمہیں؟ لالہ موتی رام کی ناجائز اولاد جسے لاڈ پیار نے بربادی کی روش پر ڈال دیا تھا۔ تمہارے ایک اشارے پر وہ پکے ہوئے آم کی طرح میرے قدموں میں آگری تھی۔ تم نے سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا تھا۔ اُس کی رگوں میں دوڑتے ہوئے گاڑھے خون نے تمہیں بھی جنون کی حالت میں مبتلا کردیا تھا۔ یاد ہے تمہیں؟ تم نے کس قدر وحشیانہ انداز میں حلق سے خوفناک غراہٹ کی آوازیں نکال کر مجھے اُسے مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ کتنے جنونی انداز میں میرے سر پر اپنے باریک پنجے چبھوئے تھے۔ برا مت ماننا انکا رانی، اگر اس وقت میں انکار کردیتا تو شاید تم مجھے بھی زندہ چبا ڈالنے سے گریز نہ کرتیں...... کہو، کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟ کملا کی بات یاد نہ آرہی ہو تو سادھنا کو یاد کرو...... کل رات ہی کی بات ہے جب اپنی خواہش کی تکمیل کی خاطر تم نے اُس تر و تازہ کلی کو کس بیدردی سے جوانی کی لہلہاتی شاخ

سے نوچ کر مسل ڈالا......''

انکا کوئی جواب نہ دے سکی، خاموش بیٹھی مجھے ٹکٹکی باندھے گھورتی رہی۔

''اس انداز میں کیوں گھور رہی ہو جانِ من؟'' میں اُس کے لاجواب ہو جانے پر ترنگ میں آ گیا۔ ''اشتعال اور بارود میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی جلتی ہوئی تیلی نہ دکھائے دونوں میں دھماکے نہیں ہوتے۔'' میں نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ''اور کچھ یاد دلاؤں؟ کوئی اور مثال دُوں؟ مثلاً جب دہلی کا نام آتا ہے تو مجھے اپنی نرگس یاد آ جاتی ہے۔ وہ میرے پیار کی خاطر، مجھے پریشانیوں سے چھٹکارا دلانے کی خاطر ایک بزرگ کے مزار کی طرف جا رہی تھی جب تم نے......''

''بس کرو جمیل...... چپ ہو جاؤ۔'' انکا، نرگس کا نام سن کر کسمسانے لگی۔ ''نرگس کے سلسلے میں کئی بار میں تم سے معذرت کر چکی ہوں۔''

''میں مانتا ہوں۔ لیکن پنڈت نول کشور نے ابھی تک کوئی معذرت نہیں کی۔ مفاہمت کا کوئی پہلو اختیار نہیں کیا۔ بار بار بارود کو دُور بیٹھا آگ دکھا رہا ہے۔ ایک بار کھل کر دھماکے ہو لینے دو، اب چھوٹی موٹی دھائیں، دھوئیں سے کام نہیں چلے گا۔''

''تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' انکا نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''میں کوشش کروں گی کہ تمہارے دشمنوں کو منڈل سے باہر نکلنے پر مجبور کر دُوں۔ پھر تم اپنی حسرتیں بھی پوری کر لینا۔''

''اب ہوئی نا بات......'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''پہلی بار تم نے میرے دل کی بات پر صاد کیا ہے۔ دل چاہتا ہے تمہارا منہ چوم لوں۔''

''ہمیشہ جھوٹے وعدوں پر ٹرخاتے رہتے ہو، کبھی عمل کر کے دکھاؤ تو جانوں۔'' اُس نے سیدھا پاؤں سر پر مسلتے ہوئے ایک خاص ادا سے کہا۔ مجھے لکھنؤ کے کوٹھوں کی طرح دار طوائفیں یاد آ گئیں۔

ہمارے درمیان خوشگوار ماحول میں باتیں شروع ہو گئیں۔ انکا مجھے لبھاتی رہی۔ میں چھیڑ خانی کی باتیں کرتا رہا۔ کئی اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ ایک اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ مجھے دیکھ کر یوں چونکا جیسے پہلے سے جانتا ہو۔ میں نے اپنے ذہن پر زور دینے کی زحمت نہیں کی۔ البتہ یہ فکر ایک لمحے کو ضرور لاحق ہوئی کہ میں بے ٹکٹ سفر کر رہا تھا۔

''اے مسٹر، تم اس ڈبے میں کیسے آ گئے......؟'' ٹکٹ چیکر نے میرے قریب آ کر

ناخوشگوار انداز میں سوال کیا۔

''کیوں......؟'' میں نے بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا یہ فرسٹ کلاس نہیں ہے؟''

''صورت شکل سے تو پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ لاٹھی......''

''بھونکنے والے کتوں کو بھگانے کے لئے استعمال کرتا ہوں۔'' میں نے اُس کا جملہ مکمل کیا تو وہ پیچ و تاب کھا کر بولا۔

''تمہیں اگلے اسٹیشن پر یہ ڈبہ خالی کرنا ہو گا۔ یہ کسی کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ کیا تمہیں باہر ریزروڈ (RESERVED) کی تختی نظر نہیں آئی......؟''

''اتنا پڑھا لکھا ہوتا تو فرسٹ کلاس میں کیوں سفر کرتا......؟'' میں نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔

''ٹکٹ ہے تمہارے پاس......؟'' اُس نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''کیا خیال ہے جمیل......؟'' انکا نے ٹکٹ چیکر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''اس کو اُٹھا کر باہر نہ پھینک دُوں؟''

میں نے جواب دینے کی بجائے ٹکٹ چیکر کو غصے سے دیکھتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میرا نفسیاتی حربہ کام آ گیا، انکا کی موجودگی میں مجھے زیادہ فکر بھی نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے مسٹر......'' اُس نے میرے غصے سے مرعوب ہو کر جواب دیا۔ ''ٹکٹ ہو گا آپ کے پاس۔ لیکن یہ ڈبہ آپ کو بہرحال اگلے اسٹیشن پر خالی کرنا ہو گا۔'' وہ اپنا آخری فیصلہ سنا کر ستانے کی خاطر دُور جا کر بیٹھ گیا۔

''انکا رانی......'' میں نے بھی فیصلہ کن لہجے میں انکا کو مخاطب کیا۔ ''میں یہ ڈبہ خالی نہیں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہو گا......''

اگلا اسٹیشن آنے سے پہلے گاڑی کی رفتار مدھم ہونی شروع ہوئی تو انکا میرے سر سے رینگ کر اُتر گئی۔ ٹکٹ چیکر کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہونا شروع ہو گئے۔ گاڑی رُکی تو اُس نے بڑی تہذیب سے کہا۔

''ڈبہ گوالیار سے دہلی تک کے لئے مخصوص ہے۔ آپ ایک اسٹیشن پہلے اُتر جائیے گا۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ خاموشی سے نیچے اُتر گیا۔ انکا کچھ دیر بعد دوبارہ

واپس آ گئی۔

''تمہیں یاد ہے جمیل؟ میں نے سادھنا کے سلسلے میں ہندوستان کے ایک منتری سے
سلسلے میں بات کی تھی۔'' انکا نے مجھے اپنی معلومات سے آگاہ کیا۔ ''اُسی کی اکلوتی لڑکی
گوالیار سے ہماری ہم سفر ہو گی۔ اُس کے ساتھ حفاظتی عملہ بھی ہو گا۔ اُن کے لئے برابر کے
ڈبے میں نشستیں محفوظ کرائی گئی ہیں۔''

''کچھ بھی ہو، میں اپنی نشست خالی نہیں کروں گا۔'' میں نے کسی ضدی بچے کی طرح
کہا۔ انکا مسکرانے لگی۔

''کیا تم ہمیشہ اسی انداز میں بات نہیں کر سکتے؟''

''حالات لگام کھینچ کر مجھے طیش دلاتے ہیں۔ بات میرے بس میں نہیں رہتی۔'' میں
نے وضاحت پیش کی۔

''تمہیں اب اپنے آپ پر قابو رکھنا ہو گا جمیل۔'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔ ''پنڈت نول کشور
جب تک منڈل سے باہر نہیں آجاتا میں اس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتی۔ اُس مردود
نے یونہی اتنی لمبی چوڑی بساط نہیں بچھائی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ ابھی وہ صرف اپنے
پیادے آگے بڑھا رہا ہے، اہم مہرے اُس نے سنبھال کر رکھے ہوں گے۔''

''کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے سپاٹ آواز مین پوچھا۔

''میری بات کا غلط مطلب مت نکالو۔'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میرا
مقصد یہ تھا کہ ہم جو قدم بھی اُٹھائیں سوچ سمجھ کر اُٹھائیں۔ دشمنوں کو بھاگنے کا موقع نہ مل
سکے۔ وہ بکھر کر اِدھر اُدھر ہو گئے تو کہانی پھر طول پکڑ لے گی۔ تم میری مجبوری سے واقف
ہو۔ میں کالی کے مندر یا کسی پجاری کے منڈل میں نہیں داخل ہو سکتی۔''

''فکر مت کرو۔ مجھے مندروں میں گھسنے اور حالات سے نمٹنے کا تجربہ ہے۔'' میں
حقارت سے بولا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ نول کشور، پنڈت بدری نرائن یا امرلال سے زیادہ
قوتوں کا مالک ہو گا۔''

انکا کچھ سوچنے لگی۔

''تم نے چندرا کے بارے میں کوئی کھوج لگایا؟'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔
''وہ اتنی کم عمری میں موت کی تمنا کیوں کر رہا ہے؟''

''اُسے بھی کم مت سمجھنا۔'' انکا نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''سانپ کا بچہ بھی سنپولا کہلاتا
ہے۔ چندرا میں بھی سانپوں جیسی خاصیت ضرور ہو گی۔ وہ امرلال کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اُس کی
رگوں میں باپ کا خون موجود ہے، اسی خون کی گرمی نے اُس کے انتقامی جذبوں کو ہوا دی
ہو گی۔ وندھیا چل کی برفانی گپھاؤں میں منڈل کھینچ کر سال دو سال گزارنا عام آدمیوں
کے بس کی بات نہیں ہے۔ بڑے بڑے پنڈت چیں بول دیتے ہیں۔ چندرا وہاں جم کر بیٹھا
ہو گا تو اُس نے کچھ نہ کچھ حاصل بھی کیا ہو گا لیکن...... تم یہ بار بار چندرا کے دھیان میں
کیوں گم ہو جاتے ہو؟''

''مجھے اُس کی جوانی پر کبھی کبھی ترس آنے لگتا ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
''فرض کرو میں طبعی موت کا شکار ہو جاؤں تو کیا وہ حرام کا تخم کسی حسینہ کے مخملی جسم کو ہاتھ
لگائے بغیر مجرد زندگی گزار دے گا؟ پجارنیں صرف اُس کا خواب دیکھتی رہیں گی، خود وہ بھی
ماہیِ بے آب کی طرح اپنی خواہشات کی کانٹوں بھری سیج پر تڑپتا رہے گا۔''

''عجیب مخمص ہو تم۔'' انکا مسکرا دی۔ ''کبھی چندرا کا نام سن کر تمہارے اندر کا وحشی گھوڑا
ہنہنانے لگتا ہے، تم طیش میں آ کر بے قابو ہو جاتے ہو، دیوانگی کی تمام سرحدیں عبور کرنے
پر آمادہ ہو جاتے ہو۔ اس وقت چندرا کی کمسن جوانی تمہارے آڑے آ رہی ہے۔''

انکا کا اعتراض بجا تھا۔ میں نے جسے قدموں تلے روندنے کا عزم کر کے جین کی
مرمریں بانہوں اور مہکتی زلفوں سے منہ موڑا تھا، لندن کی پُرسکون زندگی کو الوداع کہا تھا،
اُس کے بارے میں میرے دل کے کسی گوشے میں بھی ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں اُبھرنا
چاہئے تھا۔ وہ میرا دشمن تھا۔ میرے خون کا پیاسا تھا، میری کلدیپ کے قاتل کا بیٹا تھا۔
مجھے اُس سے شدید نفرت کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔ میں نے موضوع بدل دیا۔ انکا نے بھی
سکون کا سانس لیا۔ وہ بھی میری وحشتوں، میرے جنون سے گھبرا جاتی تھی۔ میری ہمدرد
تھی۔ مجھے پُرسکون دیکھنا چاہتی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ گوالیار کا اسٹیشن قریب آنے لگا تو انکا کے تیور یکلخت تبدیل ہونے
لگے۔ اُس کی نگاہوں میں اُلجھن اور خوشی کے ملے جلے تاثرات اُبھرنے لگے۔

''کیا بات ہے انکا رانی......؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''تمہاری نظریں
کہاں بھٹکتی پھر رہی ہیں؟''

"گوالیار کا اسٹیشن قریب آرہا ہے۔" انکا نے کسمساتے ہوئے جواب دیا۔ "میں
سے کہا تھا کہ راج منتری کی بیٹی چار محافظوں کے ساتھ سفر کرے گی۔ لیکن وہ محافظ دُور
تک کہیں نظر نہیں آرہے۔ لڑکی جو حسن و جمال میں اپنی مثال آپ ہے مجھے کچھ گھب
گھبرائی سی نظر آرہی ہے۔ اُس کے ساتھ جو دو آدمی ہیں وہ بھی مجھے اچھے لوگ نہیں دکھ
دیتے۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور پیدا ہوئی ہے۔ نارنگ سنہا بڑی اُونچی شے ہے
نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ پردھان منتری کو بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ اُس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں
بہت دُور اندیش، بڑا معاملہ فہم آدمی ہے۔ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کا عادی ہے۔
میں نے جو معلومات کی ہیں، وہ غلط نہیں ہوسکتیں۔ راج منتری نارنگ اپنی بیٹی کو دنیا
سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ محافظوں کا انتخاب کرتے وقت بھی اس نے بہت سوچ سمجھ
کوئی آخری فیصلہ کیا ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لئے ایک بات اور بتا دُوں، نارنگ سنہا
شمار اصول پرست اور ایماندار لوگوں میں کیا جاتا ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ اُس نے انڈ
ورلڈ (UNDER WORLD) کے کئی گاڈ فادرس (GODFATHERS) سے گٹھ جوڑ کر
ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو حکومتی کاموں میں اُس کی جڑیں اتنی مضبوط نہ ہوتیں۔"

میں خاموشی سے انکا کی باتیں سنتا رہا۔ وہ نارنگ کے بارے میں مجھے بڑی تفصیل سے
ایک ایک بات بتا رہی تھی۔ اُس کی لڑکی کے حسن و جمال کے سلسلے میں بھی اُس نے ا
تعریفیں کی تھیں کہ میرا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

گاڑی کی رفتار مدھم ہوتے ہوئے تھمنے لگی تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ میں دا
دروازے کی مخالف سمت والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ گاڑی رُکی تو کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھ
ریلوے کے عملے کے کئی بڑے عہدیدار باہر موجود تھے لیکن میں پھٹی پھٹی نظروں سے اُ
نازک انداز حسینہ کو دیکھ رہا تھا جو اندر داخل ہو رہی تھی۔ میری آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔
لاکھوں میں بھی ہوتی تو میں اُسے دور سے پہچان لیتا۔ وہ امریتا کے سوا کوئی اور نہیں تھی
میرے کانوں میں اُس کی گفتگو کے وہ خوبصورت جملے رس گھولنے لگے جو لندن سے وا
کے وقت جہاز میں ہمارے درمیان ہوئی تھی۔

امریتا نے ڈبے میں قدم رکھا تو اُس کے جسم کی خوشبو ہر طرف پھیل گئی۔ اس کے سا
ساتھ دو ہٹے کٹے مسلح افراد بھی اندر آ گئے۔ اُنہوں نے گیٹ ہی سے استقبال کرنے وا

کو خوبصورتی سے ٹال کر دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ امریتا اور میری نظریں چار ہوئیں تو
اُس کی نگاہوں میں خوشی کی کرن بس ایک لمحے کو نظر آئی، پھر اُس نے بے رُخی سے نظریں
پھیر لیں۔ آگے بڑھ کر تھکے تھکے انداز میں برتھ کے آخری سرے پر جا کر بیٹھ گئی۔ دونوں
مسلح افراد دروازے پر جمے کھڑے رہے، اُن کی نظریں بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھیں۔
شاید اُنہیں نارنگ کی بیٹی کے لئے "مخصوص" کمپارٹمنٹ میں میری موجودگی پر تعجب ہو رہا
تھا۔ میں امریتا کو کنکھیوں سے دیکھنے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ اُس نے مجھے شناخت کرنے میں
اجتناب کیوں برتا؟ فضائی سفر کے دوران تو وہ کسی خوش گلو پرندے کی طرح چہک چہک کر
باتیں کر رہی تھی، بڑی بے تکلفی سے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ وہ
نہ صرف مجھ سے واقف ہے بلکہ آزما بھی چکی ہے...... میں نے اپنے ذہن کو ایک بار پھر
کھنگالنا شروع کیا، کئی امکانات پر غور کیا، کئی پہلوؤں سے ماضی پر نظر ڈالی لیکن امریتا سے
مشابہ کوئی چہرہ دُور دُور تک نظر نہیں آیا۔ میرے کانوں میں اُس کا کہا ہوا ایک جملہ صدائے
بازگشت بن کر گونجا...... "آزمائی ہوئی چیزوں کو دوبارہ پرکھنے کی کیا ضرورت ہے......؟"
گرو پرتاپ نے بھی امریتا کے بارے میں میرے استفسار پر امریتا کے اسی جملے کی تصدیق
کی تھی۔

میرا ذہن اُلجھنے لگا۔ گاڑی نے آخری سیٹی کے بعد رینگنا شروع کیا تو انکا میرے سر پر آ
گئی۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ کسی خیال میں مستغرق نظر آرہی تھی۔ میں
نے امریتا کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا، فضائی سفر کے دوران گرو نے امریتا اور انکا کے
درمیان کوئی پردہ حائل کر دیا تھا جو وہ امریتا کو نہیں دیکھ سکی تھی۔ گرو نے کسی خاص مصلحت کی
بناء پر ہی ایسا کیا ہوگا۔ میں بھی انکارانی کو یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ میرے دل کی
گہرائیوں میں جھانک کر کوئی شکوہ کرے۔

گاڑی نے رفتار پکڑی تو ایک مسلح شخص امریتا کے ساتھ والی نشست پر جم کر بیٹھ گیا،
دوسرا میرے قریب آکر بڑے خشک لہجے میں بولا۔

"تم کس طرح اندر گھس آئے؟ یہ ڈبہ تو صرف ایک ہی فیملی کے لئے بک ہوا تھا۔"

انکا میرے جواب دینے سے پیشتر ہی سر سے اُتر گئی۔ ہٹے کٹے شخص کے تیور اچانک
بدل گئے۔ بڑی نرمی سے بولا۔

"شما کرنا مہاراج، میں نے تمہیں پہچانا نہیں تھا۔ دھرم کرم کے معاملے میں ہم
پنڈت پجاری سے اُلجھنے کی غلطی نہیں کرتے۔"

وہ انکا کے زیرِ اثر تھا۔ میں نے برا سا منہ بنا کر اُسے ہاتھ کے اشارے سے دھتکار
وہ ہاتھ باندھ کر ڈنڈوت کرنے کے انداز میں تھوڑا سا جھکا، پھر اپنے ساتھی کے پاس جا
سرگوشی کرنے لگا۔ میں نے پھر اچٹتی ہوئی نظر امریتا کے چہرے پر ڈالی، اُس کی اجنبی
انداز مجھے ڈس رہا تھا۔ اگر وہ نارنگ جیسے قد آور منتری کی چہیتی تھی تو پھر اُسے اپنے محافظ
سے اس قدر خوفزدہ بھی نہیں ہونا چاہئے تھا۔ فضائی سفر کے دوران وہ بڑی الٹرا ماڈرن،
بے باک نظر آئی تھی۔ اب اجنبیوں کی طرح گم صم بیٹھی شاید میرے صبر کا امتحان لے
تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی مصلحت کے پیشِ نظر اُس نے محافظوں کی موجودگی میں مجھ
بے تکلف ہونا پسند نہ کیا ہو۔

کچھ دیر بعد انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا بیل......" اُس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "نارنگ کی حسی
اور چہیتی بیٹی جس کا نام امریتا ہے اس وقت بڑی بے بسی کا شکار ہے۔ قسمت نے تمہیں ا
سنہری موقع دیا ہے۔ تم امریتا کی مدد کر کے نارنگ کا دل جیت سکتے ہو۔ تمہارے ہاتھ
مضبوط ہو جائیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں......" میں نے وضاحت چاہی۔

"امریتا کے چار محافظ جو اس کی حفاظت پر مامور تھے، اپنی زندگی سے ہاتھ دھو
ہیں۔ یہ دو ہٹے کٹے آدمی جو تمہیں اس وقت نظر آ رہے ہیں انہوں نے امریتا کو اغواء کر
یرغمال بنا لیا ہے۔ ان کا تعلق نارنگ کے مخالف گروہ سے ہے، امریتا کے عوض وہ نارنگ
سے بڑی سے بڑی رقم طلب کر سکتے ہیں، اپنی کوئی بات بھی منوا سکتے ہیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے......؟" میں نے بے چینی سے کہا۔ "کیا دہلی کے ریلوے اسٹیشن
نارنگ سنہا کے حفاظتی دستے کے دوسرے افراد امریتا کے استقبال کو موجود نہیں ہوں گے"

"استقبال تو تب ہوگا جب وہ دہلی پہنچ سکے گی۔" انکا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"کیا مطلب......؟" میں چونکا۔

"امریتا کو دہلی پہنچنے سے پیشتر ہی راستے میں اُتار لیا جائے گا۔ نارنگ کو خبر ہو

اُس کو ایسی جگہ پہنچا دیا جائے گا جہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے...... اغواء کرنے والوں کی
جڑیں بھی زیرِ زمین کام کرنے والوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔"

انکا سے تفصیل سن کر مجھے امریتا کے گم صم ہونے کی وجہ سمجھ آ گئی۔ میں نے اُسے بغور
دیکھا، آزاد فضاؤں میں چہکنے والی بلبل اس وقت شکاریوں کے جال میں پھنسی بے بس نظر آ
رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو جمیل......؟" انکا نے کہا۔ "کیا امریتا کے حسن اور جسم کے گداز نے
تمہیں متاثر نہیں کیا؟ ایک نظر بھر کر دیکھو، اس کی نس نس سے جوانی پھوٹی پڑ رہی ہے۔ آم
کے آم اور گٹھلیوں کے دام والا سودا ہے۔ یہ بھی تمہاری آغوش میں مچلنے سے گریز نہیں
کرے گی۔ نارنگ بھی تمہارا بے دام غلام بن جائے گا۔ بڑے بڑے پولیس آفیسر اس کا
نام سن کر ہی تھر تھرانے لگتے ہیں۔"

"میں راستے میں اُلجھ گیا تو میرا سفر پھر لمبا ہو جائے گا۔" میں نے دیدہ و دانستہ امریتا
سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو یہ موقعے بار بار ہاتھ نہیں آتے۔"

میں کچھ توقف کے بعد اپنی سیٹ سے اُٹھا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میری گرفت میں تھی،
انکا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ میں نے نندا کی قوتوں والے عمل سے خود کو محفوظ کر لیا۔ امریتا مجھے اپنی
جانب بڑھتا دیکھ کر پہلو بدلنے لگی۔ شاید وہ مجھے خطرے کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ اُسے یہ
اندیشہ بھی لاحق ہوگا کہ بات بڑھ جانے کی صورت میں اغواء کرنے والے اُسے گولی بھی مار
سکتے ہیں۔

میرے پاس قوتوں کی کمی نہیں تھی۔ پریتم لال نے کہا تھا کہ میں کسی جائز کام کے لئے
اس کا نام لے کر جس خواہش کا خیال دل میں لاؤں گا وہ ضرور پوری ہوگی انکا کو بھی پریتم
لال نے اپنی کچھ حیرت انگیز قوتیں سونپ دی تھیں۔ سیّد کی متبرک لاٹھی بھی میرے پاس
تھی۔ مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ میرے قدم جوں جوں آگے بڑھتے گئے، امریتا کی بے چینی
بھی بڑھتی گئی۔ دونوں ہٹے کٹے افراد بھی محتاط ہو گئے۔ جس نے مجھ سے بات کی تھی، وہ بیٹھا
رہا۔ اُس کا دوسرا ساتھی بغلی ہولسٹر سے پستول نکال کر اُٹھ کھڑا ہوا، خطرناک انداز میں غرا
کر بولا۔

’’جہاں بیٹھے تھے وہیں واپس جا کر سکون سے بیٹھ جاؤ مہاراج، ہم اپنے معاملات
کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔ دھرم کرم سے ہمارا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہم صرف
صرف گولیوں کی زبان میں بات کرنے کے عادی ہیں۔ تم اپنا کام کرو، ہمیں اپنا کام کر
دو۔ اسی میں دونوں کی بھلائی ہے۔‘‘

’’سندری...... تمہارا نام امریتا ہے نا......؟‘‘ میں نے پستول والے کو نظر انداز کر
براہِ راست امریتا کو مخاطب کیا۔

’’آں...... ہاں......‘‘ اُس نے سٹپٹاتے ہوئے جواب دیا۔ اس بار بھی اُس کی نظر
میں اجنبیت تھی۔

’’تمہارے ساتھ یہ کون لوگ ہیں......؟‘‘ میں نے دوسرا سوال کیا۔

’’تم...... تم اپنا کام کرو۔‘‘ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ’’یہ...... یہ میرے محافظ ہیں

’’سن لیا تم نے گرو دیو......‘‘ پستول والے نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ ’’اب
پھرتے نظر آؤ۔‘‘

’’میں نے تمہیں ڈبے میں بیٹھنے کی اجازت دی تھی، تم نے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کر
دیئے۔‘‘ دوسرے کے لہجے میں تلخی شامل ہوگئی۔ ’’جاؤ بابا جاؤ، ہمارے متھے لگنے کی کوشش
مت کرو......‘‘

’’سندری......‘‘ میں نے پھر امریتا کو مخاطب کیا۔ ’’میں تیری دُبدھا کا کارن سمجھ رہا
ہوں۔ پرنتو کوئی چنتا نہ کر۔ میں جو تیری سہائتا کو آ گیا ہوں۔ ان اٹھائی گیروں
بدمعاشوں کا خوف دل سے نکال دے۔ شانت ہو جا، جو یہ دشٹ چاہتے ہیں وہ اب
نہیں ہوگا۔ تو میری شرن (پناہ) میں آ گئی ہے۔‘‘

پستول والے کا دوسرا ساتھی بھی اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اُس کا پستول بھی نکل آیا۔ انکا
رفتاری سے رینگتی میرے سر سے اُتر گئی۔ امریتا کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔
بدستور سینہ تانے اپنی جگہ کھڑا رہا۔

’’راجو......‘‘ دوسرے شخص نے اپنے ساتھی کو حکم دیا۔ ’’اسے ٹھکانے لگا کر لاش
سے باہر پھینک دے۔‘‘

جسے راجو کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا اُس نے پستول فضا میں بلند کیا۔ میں نے سیّد

درمیان میں کرلی۔ راجو کے پستول سے یکے بعد دیگرے چھ شعلے لپکے...... چھ پھول میرے
قدموں میں پڑے نظر آنے لگے۔ دوسرا شخص بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ میں نے اُسے سنبھلنے کا
موقع نہیں دیا، سیّد کی لاٹھی اُس پر اُچھال دی۔ وہ بلبلاتا ہوا اوندھے منہ گرا۔ پھر امریتا کی
آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ راجو پستول پھینک کر اپنے ساتھی پر چڑھ بیٹھا۔ جیب سے
ریشم کی مضبوط ڈور نکال کر اُس نے زمین پر گرے ہوئے بدمعاش کے دونوں ہاتھ پشت پر
کرکے سختی سے باندھ دیئے، پھر اُس کے پاؤں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا...... وہ راجو کی
شان میں مغلظات گالیاں بکنے لگا۔

میں نے لاٹھی زمین سے اُٹھا کر اُس کے سر پر مار دی۔ اُس کے حلق سے خرخراہٹ کی
آوازیں بلند ہوئیں، پھر وہ بے ہوش ہوگیا۔

’’میرے لئے کیا حکم ہے مہاراج؟‘‘ راجو ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔

’’ملیچھ...... پاپی...... پہاڑ کے نیچے آیا تو گڑگڑانے لگا۔ پہلے بڑا اُچھل کود رہا تھا۔‘‘ میں
نے دل میں پریتم لال کا نام لے کر اُسے حکم دیا۔ ’’اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لے......
سنا تو نے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟‘‘

راجو نے کسی سعادت مند بچے کی طرح اپنی اُنگلیوں کا شکنجہ بنا کر گلے میں ڈال لیا۔
اُس کے دونوں انگوٹھے پوری قوت سے ٹینٹوے پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں
حلقوں سے اُبلنے لگیں۔ حلق سے گھٹی گھٹی ہوئی خوفناک آوازیں بلند ہوئیں۔ پھر اُس کی
زندگی کا چراغ اُسی کے ہاتھوں بجھ گیا۔ وہ بھی ڈھیر ہوگیا۔ امریتا دوڑ کر بے اختیار میرے
سینے سے لپٹ گئی۔ اُس کے جسم کی تپش، اُس کے سینے کی دھڑکنیں میرے اندر کے شیطان کو
اُکسانے لگیں۔ میں اُسے ہاتھوں کے حصار میں لئے اپنی نشست کی طرف واپس آ گیا۔ وہ
بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ عجیب صورت تھی، موت کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے
بعد وہ خوفزدہ ہو کر تھرتھرا رہی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے جکڑ رکھا تھا۔ پہلے وہ گم
صم بنی بیٹھی تھی۔

’’جمیل......‘‘ انکا کی آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ ’’میں گارڈ کے سر پر جا رہی
ہوں۔ ہوسکتا ہے امریتا کے اغواء کی سازش میں اُس کا بھی ہاتھ شامل ہو۔ لیکن اب یہ گاڑی
دہلی پہنچنے سے پیشتر راستے میں کہیں نہیں رُکے گی۔ تم پریشان مت ہونا۔ مجھے گارڈ کے علاوہ

انجن ڈرائیور کو بھی قابو کرنا ہوگا۔ تم چاہو تو بے قابو ہو جاؤ۔ امریتا اس وقت تمہاری
خواہش سے انکار نہیں کرے گی۔''

انکا چلی گئی۔ میں امریتا کو نارمل حالت میں لانے کی خاطر تسلیاں دیتا رہا۔ میرا خیال
ہوش وحواس بحال ہونے کے بعد مجھے پہچان لے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دہشت
کیفیتوں سے نجات پانے کے بعد وہ ہونٹ چباتی مجھ سے دُور ہوگئی، مدھم لہجے میں بو
''تم نے میرے اُوپر جو احسان کیا ہے وہ میں سارا جیون یاد رکھوں گی۔ تم نے
بروقت میری مدد نہ کی ہوتی تو نہ جانے میرا کیا انجام ہوتا۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہ
اُسے جھرجھری آگئی۔ سہمے سہمے لہجے میں کہنے لگی۔ ''ان دونوں نے میرے باڈی گارڈ
بڑی سفاکی سے قتل کیا تھا۔ مجھے وشواس نہیں تھا کہ میں ان کی قید سے آزاد ہو سکوں
انہوں نے مجھے بڑے خطرناک نتائج کی دھمکی دی تھی۔''

''شاید اسی لئے تم نے مجھ سے گریز اختیار کر رکھا تھا؟'' میں نے اُسے کرید
کوشش کی۔

''کیا مطلب......؟'' اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''کیا تم مجھے پہلے
جانتے ہو؟''

''ہاں......'' میں نے اُسے یاد دلانے کی خاطر کہا۔ ''ہم لندن سے ہندوستان آ
وقت جہاز میں ایک ساتھ تھے۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔''

وہ مجھے غور سے دیکھنے لگی۔ اُس کی نگاہوں میں عجیب سی اُلجھن پیدا ہوئی۔ ''مجھے
نہیں آرہا۔'' اُس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

میرے ذہن میں اُتھل پتھل شروع ہوگئی۔ فضائی سفر کے دوران اُس کا خود ب
میرے پاس آنا، بے تکلفی سے باتیں کرنا، اپنائیت اور پرانی واقفیت کا اظہار کرنا، م
گفتگو کا انداز، حسین چہرے پر کھیلنے والی شوخی وشرارت، ایک ساتھ کھانا کھانا، اُس
ہونٹوں کے گداز پر اُبھرنے والی مقناطیسی مسکراہٹ۔ مجھے اُس کا ایک ایک انداز یا
تھا۔ لیکن اُس نے سرے سے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔

''تم فرسٹ کلاس میں سفر کر رہی تھیں۔ کچھ دیر کے لئے اُٹھ کر اکانومی میں م
پاس آگئی تھیں۔'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''امریتا...... یہ نام بھی تم

مجھے بتایا تھا۔''

''ممکن ہے آپ کی نظروں کو دھوکا ہو رہا ہو، جس لڑکی کا ذکر آپ کر رہے ہیں وہ میری
ہم شکل رہی ہو۔ اُس کا نام بھی امریتا ہو سکتا ہے۔'' اُس کے لہجے میں بھولپن تھا، وہ
اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ لیکن جو کچھ میں کہہ رہا تھا وہ بھی غلط نہیں تھا۔

''تم نے مجھ سے مختصر گفتگو کے درمیان گروپرتاپ کا نام بھی لیا تھا، وہ تمہارے ساتھ
تھا۔ کچھ یاد آیا......؟''

''گروپرتاپ......'' اُس کی سہمی سہمی نظروں میں ارتعاش کی کیفیت نمودار ہوئی۔ سنجیدگی
سے بولی۔ ''ہاں...... میں گروپرتاپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ پتاجی اُن کی بڑی آؤ بھگت
کرتے ہیں۔ میں جب بھی بیرون ملک جاتی ہوں، گروجی میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ لندن
سے واپسی پر بھی وہ میرے ساتھ تھے۔ لیکن آپ......'' اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر
اپنی یادداشت کریدنے لگی۔

''میرا نام جمیل احمد خان ہے......'' میں نے اُسے اپنا نام بتایا۔

''یہ نام بھی میں آپ کے منہ سے پہلی بار سن رہی ہوں۔''

میرا دل چاہا کہ اُس کی باتوں پر قہقہہ لگانا شروع کر دوں۔ میرے سینے میں اُس کی
تصویر آویزاں تھی۔ ایک ایک نقش میری نگاہوں میں کندہ تھا۔ اُس کی آواز، اُس کے دل
لبھانے کا انداز، اُس کی شوخ مسکراہٹیں، لگاوٹ کی باتیں، سب کچھ ویسا ہی تھا، میں بھی
وہی تھا۔ لیکن وہ بدل گئی تھی۔ عام زندگیوں میں بھی فلمی کہانیوں جیسے حیرت انگیز اتفاقات
ہو سکتے ہیں۔ ایک شکل کی دو لڑکیاں بھی ہو سکتی ہیں، ان کے نام بھی ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔
میں اُس کی بات تسلیم کر لیتا لیکن گروپرتاپ کے حوالے کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی اُس کی
اجنبیت کی باتیں میرے لئے کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ شاید وہ مجھ سے مذاق کر رہی تھی۔
ممکن ہے کوئی اور مصلحت رہی ہو۔ ہو سکتا تھا اُسے اپنے ملک میں وہ آزادی حاصل نہ ہو جو
بیرون ملک رہی ہو؟ نارنگ سنہا کی طرف سے اُس پر کچھ پابندیاں عائد ہوں؟ وہ بڑے
باپ کی بیٹی تھی۔ اُس کے حلقے میں بھی سب اُونچے طبقے کے افراد ہوں گے۔ اُس کا اُٹھنا
بیٹھنا، کھانا پینا، گھومنا پھرنا سب کچھ ایک طے شدہ پروگرام اور ٹائم ٹیبل کے تحت عمل میں آتا
ہوگا...... لیکن میں اُس کا محسن تھا، میں نے اُس کی جان بچائی تھی۔ دہلی کے ریلوے اسٹیشن

پر وہ میرے متعلق اپنے باپ سے اور کیا تعارف کرا سکتی تھی؟...... پھر وہ مجھے پہچاننے سے کیوں گریز کر رہی تھی......؟''

''جو لوگ تمہیں اغواء کر رہے تھے وہ کون تھے؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''اُن کا مقصد کیا تھا......؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' اُس نے شانے اچکا کر جواب دیا، پھر رسّی میں بندھے شخص کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ مر گیا......؟''

''نہیں......'' میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ ''اگر یہ بھی مر گیا تو پھر میری زندگی کی ضمانت کون دے گا؟''

''آپ گرو پرتاپ کو کیسے جانتے ہیں؟'' اُس نے پھر پٹری بدل دی۔

''وہ گرو تھا، میں چیلا۔'' میں نے اختصار سے کام لیا۔ ''تم اس سے زیادہ جان کر کیا کرو گی؟''

''آپ...... آپ بھی مجھے مہان شکتیوں کے مالک نظر آتے ہیں۔'' اُس کی حسین آنکھوں میں پھر خوف کی تلچھٹ نظر آنے لگی۔ ''ایک لفنگے نے آپ پر فائر کیا، میں نے ڈر کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو مارنے کے بعد وہ مجھے بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن جب میں نے دوسرے کی چیخ کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں تو حیرت زدہ رہ گئی۔ آپ کے چرنوں میں پھول پڑے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنی لاٹھی دوسرے پر اُچھال دی، وہ پستول رکھنے کے باوجود آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ جو کچھ میری نظروں نے دیکھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ ایک پل کو میرے ذہن میں خیال اُبھرا کہ میں شاید جاگتے میں سپنا دیکھ رہی ہوں۔ ایک نے دوسرے ساتھی کے ہاتھ رسّی سے باندھ دیئے، اس کے بعد آپ کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا...... آپ کے کہنے پر اُس نے جیو ہتیا کر لی۔'' اُس نے پہلی بار مجھے عقیدت مندی کی نظروں سے دیکھا۔ ''مجھے وشواس ہے کہ آپ بھی گرو پرتاپ سے کم شکتی کے مالک نہیں ہیں۔ گرو جی بھی ایسے ایسے چمتکار دکھاتے ہیں کہ سب اچنبھے میں پڑ جاتے ہیں۔ ڈیڈ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ وہ پنڈت پجاریوں کی سیوا کرنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں......''

''تمہیں مجھ سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی؟'' میری آنکھیں پھر سلگنے لگیں۔

''کیوں نہیں......'' وہ تیزی سے بولی۔ ''آپ دیوتا سمان ہیں۔ میں آپ کے چرنوں کی داسی ہوں۔''

''داسی دیوتاؤں سے اتنی دُور...... الگ تھلگ نہیں بیٹھتی۔'' میں نے اُسے اُکسانے کی کوشش کی۔ ''اِندر کی سبھا کی رنگین کہانیاں نہیں سنیں تم نے......؟''

اُس کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور تبسم اُبھر آیا۔ میرے دل کی کلی چٹخنے لگی۔ وہ شرما کر بولی۔ ''مجھے اِندر کے اکھاڑے کی کہانیاں عجیب لگتی ہیں۔''

''کیوں......؟'' میں نے مضراب کے تاروں کو چھیڑا۔ ''یقین نہیں آتا......؟''

''ایک بات میرے من میں کھٹک رہی ہے۔'' وہ پھر کسی بام مچھلی کی طرح ہاتھ سے پھسلنے لگی۔ مجھے دیکھ کر سنجیدگی سے بولی۔ ''پوچھ لوں...... آپ برا تو نہیں منائیں گے؟''

''پہلے کسی منش نے تمہاری من موہ لینے والی باتوں کا برا منایا ہے؟'' میں نے پہلو بدلا۔ وہ مسکرا دی۔

''آپ کا شبھ نام جمیل احمد خان ہے۔ لیکن......'' اُس نے جان بوجھ کر جملہ پورا نہیں کیا۔ میں اُس کی بات کا مفہوم بھانپ کر بولا۔

''شکتی اور طاقت کسی دھرم، کسی ذات پات کی پونجی نہیں ہوتی۔ جو من مار لیتا ہے، گیان دھیان میں لگ جاتا ہے، وجے کیول اُسی کی ہوتی ہے۔ اپنے اپنے وشواس، اپنے اپنے چلن کی بات ہے۔ ناموں میں کیا دھرا ہے۔'' میں نے بات جاری رکھی۔ ''میں تمہیں شکنتلا کے نام سے پکاروں، کیا تم مجھے راجہ دشینت سمجھ کر میری بانہوں میں سما جاؤ گی؟''

''آپ......'' وہ شرما کر بولی۔ ''آپ شاید کالی داس کے لکھے ناٹک کی بات کر رہے ہیں؟''

''یہ جیون بھی کسی ناٹک سے کم تو نہیں۔'' میں نے اُسے یاد دلایا۔ ''کچھ دیر پہلے جو ہو رہا تھا وہ بھی ایک ناٹک تھا۔ میں تمہارے بھاگیہ سے یہاں نہ ہوتا تو اس ناٹک کا انت بھیانک ہی ہوتا۔ وہ تمہیں ہر بات پر مجبور کر سکتے تھے۔ تم اُن کے قبضے میں تھیں۔ وہ دو تھے، مسلح تھے۔ تم اپنے باڈی گارڈس کا انجام دیکھ چکی تھیں۔ تم انکار کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ تمہیں کسی نام سے پکارتے تم اُن کے اشاروں پر ناچنے کو آمادہ ہو جاتیں۔ جیون سے سندر اور کوئی شے نہیں ہوتی، اسے بچانے کے کارن منش اپنا سب کچھ بلیدان کر دیتا ہے۔ پاپ

اور پن کی باتیں تو من کا بہلاوا ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟"

وہ اپنی جگہ کسمسانے لگی۔ میری باتوں نے اُس کے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔ تجربے کار تھا، وہ اناڑی۔ میں نے اُسے اشارے سے قریب آنے کو کہا۔ اُس نے داسی کہا تھا، دیوتا کی بات ماننا اُس کا دھرم تھا۔ وہ شرماتی لجاتی میرے قریب آ کر قدموں میں بیٹھنے لگی۔ میں نے بازو تھام کر اُسے پہلو میں بٹھا لیا۔ اُس کا قرب قیامت تھا۔ چاہتا تو جنون کا مظاہرہ کر کے اُسے اپنی بانہوں کی گرمی سے پگھلا دیتا۔ وہ انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ میں نے اُس کی زندگی بچائی تھی۔ وہ قرض چکانے میں زیادہ پس و پیش نہ کرتی۔ لیکن میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا، اُس کی زلفوں سے کھیلتا رہا، لبھانے کی باتیں کرتا رہا۔ ہمارے درمیان سے تکلف کی دیواریں سرکنے لگیں۔ اُس کا اعتماد بحال ہوا تو وہ بھی پرت پرت کھلنے لگی۔ مجھے اپنے اور نارنگ سنہا کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرتی رہی۔ میں نے فضائی سفر کے دوران ملاقات کا ذکر دوبارہ چھیڑا۔ اُس نے پھر بڑے یقین سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں اُلجھنے لگا۔ لیکن اُس کی باتوں نے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہونے دیا۔

انکارانی نے غلط نہیں کہا تھا۔ ٹرین کسی اسٹیشن پر نہیں رُکی۔ دہلی کا اسٹیشن قریب آنے لگا تو وہ میرے سر پر واپس آ گئی۔ بڑی چاق و چوبند دکھائی دے رہی تھی۔

"سفر کیسا گزرا جمیل......؟" اُس نے امریتا کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی منزل دُور ہے......" میں نے سنبھل کر کہا۔

"اچھا کیا جو تم نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔" وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ "باہر حالات بڑے نازک ہو گئے ہیں۔ ہر طرف ہنگامہ ہو رہا ہے، گاڑی کا درمیانی اسٹیشنوں پر نہ رُکنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ مسافروں میں بھی افراتفری پھیل گئی ہے، ریلوے کے حکام الگ سر کھجا رہے ہیں۔ اُن کے لئے اُوپر والوں کے سوالات کا کوئی جواب دینا مشکل ہو رہا ہے۔ خیالی گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں۔ کسی کا خیال ہے کہ انجن کا بریک فیل ہو گیا ہے جس کا انجام تباہی ہوگا، کچھ سرکاری افسر اسے گاڑی کے اغواء کا نام دے رہے ہیں۔ ہر شخص پریشان ہے۔ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی، چاروں طرف تہلکہ مچا ہوا ہے۔ ٹیلیفون کھڑکھڑائے جا رہے ہیں، اخبار نویسوں کے ہاتھ ایک دلچسپ سرخی آ گئی ہے۔ سب سے زیادہ نارنگ سنہا پریشان ہے۔ وہ اس وقت دہلی کے اسٹیشن پر کسی زخمی شیر کی طرح ٹہلتا پھر رہا ہے۔ فوج کا ایک دستہ بھی بلا لیا گیا ہے، گاڑی کو روکنے کی خاطر مختلف انتظامات کئے گئے ہیں...... گاڑی رُکے گی تو سب کی توجہ تمہارے اپارٹمنٹ کی طرف ہوگی۔ نارنگ کی وجہ سے کسی کو مسافروں کی نہیں، صرف امریتا کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ تم ہیرو بن جاؤ گے۔ جس گروہ نے امریتا کو اغواء کرانے کا کام سرانجام دیا تھا اُن کے درمیان بھی کھلبلی مچی ہے۔ نارنگ کو امریتا کے محافظوں کے قتل کی اطلاع مل چکی ہے۔ اُس نے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ دل ہی دل میں منصوبے بنا رہا ہے۔ بڑا گھاگ آدمی ہے۔ تمہیں ایک بات اور بتا دُوں، نارنگ کے بنگلے میں اس وقت کئی جغادری پنڈت جمع ہیں، وہ بھی اپنے جنتر منتر آزما رہے ہیں۔ ان پنڈتوں میں نول کشور کا ایک نائب بھی ہے۔ نارنگ اُس پر بڑا اعتماد کرتا ہے۔ اُسے فوری طور پر ہردوار سے ایک مخصوص طیارہ بھیج کر دہلی بلا لیا گیا ہے۔ تم ذرا دُور اندیشی سے کام لینا۔ نارنگ کا اعتماد جیتنے کے ساتھ ساتھ تم پنڈت نول کشور کے نائب کو جہنم رسید کر کے اُسے بھی اپنی طاقت کا احساس دلا سکتے ہو......"

میں انکارانی کی باتیں غور سے سنتا رہا۔ امریتا میرے قریب ہی بیٹھی تھی۔ جس شخص کے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے، وہ ہوش میں آ چکا تھا۔ اُس نے منہ سے کوئی آواز نہیں نکالی، حیرت سے آنکھیں پھاڑے چھت کو گھور رہا تھا۔ پنڈت نول کشور کا نام سن کر میرے اندر دبی چنگاریاں پھر بھڑکنے لگیں۔ میں نے طے کر لیا کہ اُس کے نائب کو بڑی اذیتناک موت سے دوچار کروں گا۔ ہردوار پہنچنے سے پہلے یہ میرے لئے ایک نیک شگون ہوتا۔ دشمن کی صفوں میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی......!

کچھ دیر بعد گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر رُکی۔ میرے کمپارٹمنٹ کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ یکے بعد دیگرے چار کمانڈوز رائفل تھامے حیرت انگیز پھرتی سے دندناتے ہوئے اندر گھس آئے۔ اُنہوں نے مجھ پر رائفل تان کر ہاتھ اُٹھانے کا حکم دیا۔ میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔ امریتا اُٹھ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تنی ہوئی رائفلوں کا رُخ زمین کی طرف ہو گیا۔ کمانڈوز نے امریتا کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کچھ نہ کچھ ضرور بھانپ لیا تھا۔ کھلے دروازے سے باہر پلیٹ فارم پر دُور دُور تک صرف وردیوں میں ملبوس مسلح افراد نظر آ رہے تھے۔ ایک کمانڈو نے لپک کر اُن دونوں بدمعاشوں کے سر پر پوزیشن سنبھال لی جس

میں سے ایک پرلوک سدھار چکا تھا۔ دوسرے نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر کے اپنے ہونٹ دانتوں تلے بھینچ لئے تھے۔ دو کمانڈوز کی نظریں مجھ پر اور امریتا پر مرکوز تھیں۔ چوتھے کمانڈو نے دروازے پر پہنچ کر سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا فضا میں بلند کر کے سچویشن کنٹرول میں ہونے کا مخصوص اشارہ دیا تو سب سے پہلے نارنگ سنہا اندر داخل ہوا۔ اُس نے دھوتی اور کرتہ پہن رکھا تھا، آنکھوں پر سنہری فریم کی عینک موجود تھی۔ پہلی ہی نظر میں وہ مجھے تند آور شخصیت کا مالک محسوس ہوا۔ امریتا دوڑ کر باپ کے سینے سے لگ گئی۔ نارنگ کے چہرے کا تناؤ بتدریج کم ہونے لگا۔ وہ رُکا نہیں، امریتا کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گیا۔ دونوں کمانڈوز نے پھر رائفل تان لی۔ انکا تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی۔

جو کچھ ہوا، آناً فاناً ہوا۔ نارنگ کے جانے کے بعد اور کئی باوردی افسران ڈبے میں آ گئے۔ وہ صورت حال سمجھنے کی کوششوں میں مصروف تھے جب ایک فوجی افسر تیزی سے بھاگتا ہوا ڈبے میں آیا، مجھ سے کہنے لگا۔ ”مہاراج، آپ کو منتری جی نے یاد کیا ہے۔ وہ گاڑی میں بیٹھے آپ کی راہ تک رہے ہیں۔“

میں خاموشی سے سیّد کی لاٹھی تھامے اُٹھا۔ سب کی نگاہیں میری اصلیت جاننے کی خاطر بے چین ہو گئیں۔ میں اُن کے درمیان سے گزرتا ہوا باہر آیا۔ فوجی افسر میری رہنمائی کرتا ہوا پلیٹ فارم کے باہر کھڑی فلیگ کار (FLAG CAR) تک لے گیا۔ باوردی ڈرائیور نے اگلی نشست کا دروازہ کھولا، میں خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پچھلی نشست پر امریتا اپنے باپ کے سینے سے لگی بیٹھی کچھ سرگوشیاں کر رہی تھی۔ نارنگ کا چہرہ گرگٹ کی طرح رنگ تبدیل کر رہا تھا۔ ڈرائیور نے اندر آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ گاڑی چل پڑی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا......!

نارنگ کی سرکاری کوٹھی پر اُس کے اہلکاروں نے میرا خاطر خواہ استقبال کیا، مجھے کوٹھی کے خاص مہمان خانے میں جگہ ملی جبکہ پنڈت پجاریوں کو انیکسی میں ٹھہرایا گیا تھا۔ شام کی چائے مجھے میرے کمرے میں پہنچائی گئی، لیکن رات کے کھانے پر میرا بلاوا آ گیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو اس وقت بھی ساتھ رکھا۔ ڈنر ٹیبل پر نارنگ اور امریتا کے علاوہ ایک ادھیڑ عمر کی پُر وقار عورت بھی موجود تھی۔ امریتا اور اُس کے چہرے کے نقوش میں بڑی مماثلت تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مسز نارنگ ہو گی۔

ملازموں نے کھانا پیش کیا۔ نارنگ خلافِ توقع بہت خاموش تھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اُسے امریتا کے صحیح سلامت گھر آ جانے کی خوشی ضرور تھی، لیکن وہ اپنے دشمنوں کے بارے میں اس وقت بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے اُسے تفصیل سے دیکھا۔ وہ قابل رشک صحت کا مالک تھا۔ اُس کی نظروں میں سمندر جیسی گہرائی تھی جس کے اندر ہزاروں طوفان مچل رہے تھے...... وہ زیادہ باتونی بھی نہیں تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر گفتگو کرنے کا عادی تھا۔ جبکہ اُس کی بیوی اوشا کماری ہر شخص سے بہت جلدی گھل مل جانے کی عادی تھی۔ اس وقت بھی وہ مجھ سے کرید کرید کر امریتا کے اغواء کی تفصیل معلوم کر رہی تھی۔

امریتا بتا رہی تھی کہ وہ دونوں بدمعاش مسلح تھے، ہٹے کٹے تھے لیکن تم نے اُنہیں اس طرح قابو کر لیا جیسے کوئی سپیرا اپنے سے زیادہ طاقتور اور زہریلے سانپوں کو قابو کر لیتا ہے...... مجھے بتاؤ، یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہوا......؟“

”سپیروں کی طرح میرے پاس بھی یہ بین موجود ہے۔“ میں نے سیّد کی لاٹھی کی جانب اشارہ کیا۔ ”اس کے علاوہ بلوانوں کی سنگت میں بھی بیٹھا اُٹھا ہوں۔ اُن سے بھی کچھ جنتر منتر سیکھے ہیں......“ میں نے آخری جملے کی ادائیگی میں انکساری سے کام لیا۔

”ممی، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مہاراج گرو پرتاپ سے بھی واقف ہیں۔“ امریتا نے بیچ میں لقمہ دیا۔ ”اگر یہ نہ ہوتے تو شاید وہ دونوں......“

”بے بی......“ نارنگ نے امریتا کو ٹوکا۔ اُس کا لب ولہجہ بڑا خشک اور کھردرا تھا۔ ”میں نے تم سے کہا تھا کہ جو ہو چکا اسے بھول جاؤ......“

”جو بدمعاش زندہ ہاتھ آیا ہے، اُس نے کچھ اُگلا یا ابھی تک زبان پر تالے ڈال رکھے ہیں؟“ اوشا کماری نے شوہر سے پوچھا۔

”ایجنسیاں اپنا کام کر رہی ہیں۔“ نارنگ نے اُلجھ کر جواب دیا۔ ”تم اپنی مصروفیات گھر کے کام کاج تک ہی محدود رکھا کرو۔“

انکا میرے سر پر تھی۔ وہ بار بار آتی جاتی رہی تھی۔ اُس کی زبانی مجھے بہت ساری معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ جو غنڈہ زندہ ہاتھ آیا تھا مجھے اُس کے انجام کا بھی علم ہو گیا۔ اُس نے کچھ ہی دیر پہلے وہ مختصر ساز ہریلا کیپسول کھا کر خودکشی کر لی تھی جو اُس کی مصنوعی

ڈاڑھ کے اندر پوشیدہ تھا۔ اور بھی بے شمار باتیں میرے علم میں آچکی تھیں۔

''تم جس غنڈے کا ذکر کر رہی ہو وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔'' میں نے اوشا کماری کو مخاطب کیا۔ میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ نارنگ کو اس حادثے کی اطلاع مل چکی تھی یا وہ ابھی تک لاعلم ہی تھا۔

''کیا کہا آپ نے......؟'' نارنگ نے ہاتھ میں دبے ہوئے نوالے کو واپس پلیٹ میں ڈال کر میری طرف چونک کر دیکھا۔ ''کون مر گیا......؟''

''وہی......'' میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ ''ایجنسیاں جس کی اُکھاڑ پچھاڑ میں اپنا سمے برباد کر رہی تھیں۔''

''آپ...... آپ میرے ساتھ آئیں مہاراج......'' نارنگ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اُٹھ گیا۔ مجھے بھی اُس کی پیروی کرنی پڑی۔ وہ مجھے ایک علیحدہ کمرے میں لے گیا۔ کچھ دیر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا، پھر خشک آواز میں بے حد سنجیدگی سے بولا۔ ''میری اطلاع کے مطابق آپ نے ایک پل کے لئے بھی اپنے کمرے سے باہر قدم نہیں نکالا، پھر وہ بات آپ کو کس طرح معلوم ہوگئی جو ابھی تک مجھے بھی......''

نارنگ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا۔ کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے لپک کر ریسیور اُٹھا لیا۔ پھر دوسری جانب سے اُسے جو اطلاع ملی اسے سن کر وہ دیوانہ ہوگیا۔ اُس کا چہرہ سرخ ہوگیا، آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی۔

''تفتیشی افسران کو جوتے مار کر ملازمت سے برطرف کردو، سب نکمّے ہیں۔ حرام کی روٹیاں توڑتے ہیں۔'' وہ بڑی گرجدار آواز میں اپنا حکم سنا رہا تھا۔ سب کو ایک ہی جگہ ہاؤس اریسٹ کردو، وہاں کسی پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ملنی چاہئے۔ جب تک بے بی کے سلسلے میں فائنل رپورٹ میرے سامنے نہ آجائے تمام خبریں ٹاپ سیکرٹ ہوں گی۔ کسی کو ہوا بھی نہ ملے۔''

فون پر گفتگو کرنے کے بعد ایک لمحے وہ اپنی جگہ کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا، پھر میرے قریب آکر بولا۔

''مہاراج...... تم امریتا کے اغواء کے سلسلے میں اور کیا کچھ بتا سکتے ہو......؟''

''اب تک جو پنڈت پجاری یہاں سر جوڑے بیٹھے جنم کنڈلی بنا رہے ہیں، بڑے

اُونچے سُروں میں بول رہے تھے، اُن کا کیا کہنا ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو نارنگ بل کھانے لگا۔ میں نے بات جاری رکھی۔ ''اپنی اپنی پٹاریوں میں ہاتھ ڈال کر کچھ نہ کچھ تو کھوجا ہوگا۔ اور وہ جسے خاص طور سے ہردوار سے اُڑن کھٹولا بھیج کر بلایا گیا ہے، وہ کیا چمتکار دکھا رہا ہے؟ کیول تن پر چندن تھوپ لینے، ماتھے پر آڑی ترچھی ریکھائیں کھینچ لینے سے بات نہیں بنتی بالک......'' میں نے نارنگ کو اپنی برتری کا احساس دلانے کی خاطر ٹھوس آواز میں کہا۔ ''جو گرجتے ہیں وہ برسنے کی شکتی نہیں رکھتے۔ مداری کی طرح کھیل تماشہ دکھانے والے دھرتی کے بھیتر نہیں جھانک سکتے ہیں۔ جو دم نہ سادھ سکے وہ ساگر کی تہوں میں جاکر وہ سیپ نہیں پا سکتا جس کے اندر انمول موتی ہوتا ہے......''

نارنگ کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا، ایک جا رہا تھا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنے سامنے اُونچی آواز میں بولنے والوں کو برداشت نہیں کرتا۔ اُس کی تیز نظریں میرے اُوپر کسی بھوکے گدھ کی طرح منڈلا رہی تھیں۔ وہ میری وحشتوں، میرے جنون کی کیفیتوں سے ناواقف تھا۔ میں نے لوہے کو تپا کر ایک کاری ضرب اور لگائی۔

''مجھے لال پیلی نظروں سے مت گھورو بالک، تمہاری جھولی میں کیول ایک ہی کھرا سونا تھا، اُسے دُرگا کا عتاب نگل گیا۔ میں گروپرتاپ کی بات کر رہا ہوں...... وہ زندہ ہوتا تو آنکھ موند کر امریتا کو اغواء کرنے والوں کی ساری کتھا سنا دیتا۔'' میں دبنگ آواز میں بولتا رہا۔ ''تم نہیں جانتے، میں بتاتا ہوں۔ گروپرتاپ نے مجھے بچانے کی خاطر اپنا جیون بھینٹ چڑھا دیا، بمبئی کی پولیس نے کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کے قتل کا الزام لگا دیا تھا مجھ پر۔ میری چمڑی پر کوڑے برسائے گئے۔ میں نے سانس روک لی۔ تھک ہار کر اُنہوں نے میرا معاملہ عدالت پر چھوڑ دیا۔'' میں نے حقارت کا اظہار کیا۔ ''تم نے بمبئی کے ڈی آئی جی روی شنکر کا نام ضرور سنا ہوگا۔ اُس نے ایک گیانی دھیانی پنڈت پربھو دیال سے مجھے ٹھکانے لگانے کا سودا کیا، جانتے ہو پھر کیا ہوا؟ پربھو دیال جل کر کوئلہ ہوگیا۔ بات دبا دی گئی۔ لیکن اب روی شنکر کے ستارے بھی بھونچال کی لپیٹ میں آگئے ہیں، تم نے اخباروں میں ضرور پڑھا ہوگا۔''

نارنگ کی آنکھیں شعلے اُگل رہی تھیں۔ مجھ سے پیشتر شاید کسی نے اُس کے سامنے سینہ تان کر اتنی اُونچی آواز میں بات نہیں کی ہوگی۔ شاید امریتا نے اُسے میرے بارے میں جو

کچھ بتایا تھا اسی کی وجہ سے وہ مجھے برداشت کر رہا تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اُس کے ملازم ڈنڈا ڈولی کر کے اب تک کوٹھی سے باہر پھینک چکے ہوتے۔

''مجھے دُور جانا ہے بالک......'' میں نے اُسے خاموش دیکھ کر بے پرواہی سے کہا۔ ''مجھے اپنے چکروں میں مت اُلجھاؤ، مجھے جانے دو۔ ہردوار سے آنے والے پنڈت شیوا کو روک لو۔ باقی سب کی چھٹی کر دو۔'' میں نے شیوا کے سلسلے میں سرسری انداز میں کہا۔ ''وہ دس پندرہ دن اٹھک بیٹھک لگائے تو شاید تمہاری کوئی سہائتا کر سکے۔ سمجھ رہے ہو، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''زندہ باد جمیل......زندہ باد۔'' انکارانی نے بڑے ستائشی انداز میں میری تعریف کی۔ ''اسی طرح ڈٹے رہو۔ میں اوشا کماری کے سر پر جا رہی ہوں۔ تم دیکھنا ابھی یہ نارنگ تمہارے آگے ہاتھ باندھے کھڑا ہوگا۔''

انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ میں اوشا کماری کے حوالے پر اُس کی بات کا مفہوم سمجھ گیا۔ میری نظریں نارنگ کے چہرے پر جمی رہیں۔ وہ بھی کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔

''اتنے دھیان سے کیا دیکھ رہے ہو؟ میں یہاں خود سے نہیں آیا۔'' میں نے اس بار قدرے مدھم آواز میں کہا۔ ''یہ اتفاق ہی تھا جو میں بھول سے غلط اپارٹمنٹ میں بیٹھ گیا۔ میری بھول امریتا کے کام آ گئی۔ وہ سندر، بھولی بھالی معصوم لڑکی ہے۔ کسی نازک پھول جیسی۔ اب اُس کی رکشا پر زیادہ دھیان دینا۔ سانپ کی دُم پیر تلے آ جائے تو وہ پلٹ کر ڈسنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ سمجھ رہے ہو میرا مطلب؟ دشمنی کا کھاتا ایک بار کھل جائے تو آسانی سے بند نہیں ہوتا۔ تمہارے دشمن بھی چین سے نہیں بیٹھیں گے۔''

''تم کیا جانتے ہو اُن کے بارے میں جنہوں نے امریتا پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کی تھی؟'' نارنگ نے زبان کھولی۔ اُس کے لہجے میں گھمنڈ اور غرور کی آمیزش تھی۔

''دھیرج سے کام لے بالک......'' میں نے ہاتھ اُٹھا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''جو زیادہ چتر چالاک بننے کی بھول کرتے ہیں وہ زیادہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ سمے کا انتظار کر۔ سب کچھ تیرے سامنے آ جائے گا۔''

''مہاراج......'' نارنگ پھر بل کھانے لگا۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں...... کھل کر کہو، کیا جانتے ہو میرے دشمنوں کے بارے میں؟''

''میری زبان پر بھروسا کرے گا یا اپنی استری (بیوی) کی زبان سے سننا پسند کرے گا؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ کسمسانے لگا۔

''اوشا کو میں گھر کے سوا کسی اور معاملے میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتا۔'' اُس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''میں تیری نہیں......اپنی بات کر رہا ہوں۔''

''کیا مطلب......؟'' نارنگ چونکا۔

مجھے جواب دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اوشا کماری دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ وہ انکا کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر تھی۔ نارنگ نے اُسے دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔ وہ اوشا کو واپس جانے کے لئے یقیناً سخت زبان استعمال کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا لیکن اُسے موقع نہیں ملا۔

''میری بات سنو نارنگ، میں تمہیں بتاتی ہوں کہ امریتا کس سازش کا شکار ہوتے ہوتے بچ گئی۔ وہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی تو تم بھی اُن کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے۔ اُن کا کہنا نہ مانتے تو وہ امریتا کے پھول جیسے شریر کو روند ڈالتے......تم جو سپنے دیکھ رہے تھے وہ بھی ادھورے رہ جاتے۔ بہت کچھ نشٹ ہو جاتا......''

اوشا کماری کسی ریکارڈ کی طرح بجتی رہی۔ اُس نے امریتا کے اغواء کی وہ تمام تفصیل بتا دی جو انکارانی کی دریافت تھی۔ میں سینہ تانے کھڑا اسیّد کی لاٹھی کو آہستہ آہستہ زمین پر مارتا رہا۔ نارنگ سٹپٹانے لگا۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا ٹکٹکی باندھے اوشا کو دیکھتا رہا جو کسی معمول کی طرح سپاٹ لہجے میں بول رہی تھی۔ کہانی پوری ہوئی تو وہ جس انداز میں اندر آئی تھی اسی طرح اُلٹے قدموں واپس چلی گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ کمرے میں صرف میں اور نارنگ باقی رہ گئے۔ میں معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''مہاراج، میں تم سے ایک بنتی کروں گا۔'' نارنگ، انکارانی کے کہنے کے مطابق میرے سامنے ہاتھ باندھ کر بولا۔ ''جو ڈھکی چھپی باتیں تم نے اوشا کی زبانی کہلوا دیں، اس کی بھنک کسی اور کو نہیں ہونی چاہیے......''

''حکم دے رہا ہے......؟'' میں نے نظریں ترچھی کیں۔

''نہیں مہاراج......نہیں۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔''میں تمہیں حکم نہیں دے رہا۔تمہاری ش
اپرم پار ہے۔تم اُوپر سے کچھ نظر آتے ہو لیکن تمہارے اندر کا رُوپ دیوتاؤں سمان ہے
آج سے مجھے اپنا سیوک ہی سمجھو۔مجھ سے کوئی بھول ہوگئی ہو تو شما کر دینا۔میں تمہیں پہچا
نہیں سکا تھا۔''

''میرے سلسلے میں اپنی زبان بھی بند ہی رکھنا۔'' میں نے سرد آواز میں کہا۔''میں
کے بکھیڑوں میں اُلجھنا پسند نہیں کرتا۔جن دھرماتماؤں کو بلایا ہے اُن سے بھی کچھ نہ کہنا۔''

''میں اُن سب کی چھٹی کیئے دیتا ہوں۔تم کوئی چنتا مت کرو۔''

''پنڈت شیوا کو روک لے۔'' میں نے سرسراتے انداز میں کہا۔''مجھے اُس سے کچھ پ
حساب کرنا ہے۔''

''جو آگیا (حکم) مہاراج......''

نارنگ کا سارا کلف اُتر گیا۔وہ میرا بے دام غلام بن گیا۔میں خاموشی سے اپنے کمر
میں واپس آگیا۔نارنگ نے مجھ سے کھانا کھانے کا اصرار کیا۔میں نے اُس کی درخواس
رد کر دی۔دن میں کئی بار اوشا کماری اور امریتا میری خیریت دریافت کرنے آتی رہیں۔
میں نے آخری بار امریتا کو پھر ہوائی سفر کے بارے میں ٹٹولا۔اُس کا ایک ہی جواب تھا کہ
وہ سفر کے دوران مجھ سے نہیں ملی تھی۔اب جبکہ میرے اور اُس کے درمیان حجاب اُٹھ چکا
اُس کا دروغ گوئی سے کام لینا میری سمجھ سے باہر تھا۔میں نے بھی طے کرلیا کہ اس موضو
پر دوبارہ کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔امریتا کے مقابلے میں اوشا کماری مجھ سے زیادہ قریب
ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔اُس کی باتوں کا انداز، بار بار کھل کر قہقہے لگانا، آنکھوں میں مس
چھلکا کر ذومعنی باتیں کرنا۔انکارانی نے مجھے بتایا کہ نارنگ کے مخصوص ڈرائیور کے علاوہ
بھی کئی جوان ملازم اوشا کماری کے جال میں پھنس کر پھڑ پھڑا چکے ہیں۔انکار کی جرأت کس
میں تھی؟ جو زبان کھولتا اُسے مروا دیا جاتا تھا۔قصور اوشا کماری کا بھی نہیں تھا۔نارنگ
مصروف آدمی تھا۔شادی کے بعد امریتا کی پیدائش تک اُس کی دلچسپی قائم رہی، پھر بتدریج
کم ہوتی گئی۔اُس کی دل بستگی کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔اوشا کماری نے کچھ عرصہ
نارنگ کی واپسی کا انتظار کیا، پھر اُس نے بھی وقت گزارنے کی خاطر راستے تلاش کر لئے۔
نارنگ نے اُسے محض گھر تک محدود رکھا۔اس لئے وہ ملازموں پر ہاتھ صاف کرتی رہی۔

کچھ پنڈت پجاری بھی اُس کے آشرم میں گھڑی دو گھڑی ستا کر اپنی پیاس بجھا لیتے تھے۔
نارنگ سخت گیر طبیعت کا مالک تھا، اُسے اوشا کماری کی رنگ رلیوں کی خبر نہیں تھی ورنہ اپنے
حریفوں کی طرح اُسے بھی کب کا ٹھکانے لگوا چکا ہوتا۔

انکا سن گن لیتی رہی۔کوئی خبر ہوتی تو میرے کانوں تک پہنچا دیتی۔شام کو میں سو کر اُٹھا
تو اُس نے مجھے بتایا کہ نارنگ نے پنڈت شیوا کے علاوہ دیگر تمام پنڈت پجاریوں کی چھٹی
کر دی ہے۔انیکسی میں اب شیوا کے سوا کوئی اور نہیں رہ گیا تھا۔میں نے سب سے پہلے
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ پر حاضری ضروری سمجھی۔انکا مزار کے باہر رُک گئی۔
میں نے درگاہ میں قدم رکھا تو میری حالت غیر ہونے لگی۔جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
بدن تھرتھرانے لگا، کپکپی طاری ہو گئی۔وہ ایک جلیل القدر بزرگ کی درگاہ تھی، میرا بال بال
گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا۔میں شاید اب اس قابل بھی نہیں رہ گیا تھا کہ کسی بزرگ کے
آستانے پر دو گھڑی ستا سکوں۔میرے لئے قدم جما کر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔صرف میں تنہا نہیں تھا، اور بھی بے شمار
پروانے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، اپنے گناہوں سے توبہ کر رہے تھے، خدا کی بارگاہ
میں گڑگڑا کر دُعائیں مانگ رہے تھے۔مزارِ مبارک کے قریب ہاتھ باندھے، سر جھکائے،
نظریں نیچی کیئے کھڑے منت مان رہے تھے۔اپنی کیفیت بیان کر رہے تھے، وسیلے کی بھیک
مانگ رہے تھے۔لوگوں کی کثیر تعداد ایک طرف قطار اندر قطار بیٹھی تلاوتِ کلامِ پاک میں
مشغول تھی۔مجھ گنہگار کو کچھ دیر ٹھہرنے کی اجازت مل گئی، یہی بہت تھا۔میں مزار کی طرف
منہ کیئے اُلٹے قدموں باہر کی طرف لوٹ رہا تھا کہ کسی سے ٹکرا گیا۔میں نے معذرت طلب
کرنے کی خاطر پلٹ کر دیکھا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔وہ سیّد مجذوب تھا......خدا
کا محبوب بندہ۔وہ آنکھیں موندے، دُعا کے لئے دونوں ہاتھ بلند کیئے فقیروں جیسے انداز
میں جھکا کھڑا تھا۔اُس کی پلکوں سے آنسوؤں کے قطرے ڈھلک ڈھلک کر گر رہے تھے۔
وہ اپنے خیالوں میں گم تھا، کسی اور دنیا کی سیر کر رہا تھا۔میں اُس کے قریب ہاتھ باندھ کر
کھڑا ہو گیا۔اُس کی لاٹھی اس وقت میرے پاس تھی۔میں نے پلکیں جھپکانا بند کر دیں، سیّد
پر نظریں جمائے رہا۔اندیشہ تھا کہ میں پلکیں جھپکاؤں تو وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔
پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔وقت گزرتا رہا، وہ لو لگائے کھڑا دل کی مرادیں پا رہا تھا۔میں

اپنی باری کا منتظر تھا۔ کچھ دیر بعد سیّد نے آنکھیں کھولیں تو میں اُس کے سامنے کھڑا ہوا مجھے دیکھ کر وہ چونکا، پھر مسکرا کر دبی زبان میں بولا۔

''یہاں بھی سودے بازی کرنے آ گیا...... جواری...... نوسر باز......''

''میری منزل قریب آ چکی ہے پیرومرشد......'' میں نے استدعا کی۔ ''میرے حق میں دُعا کر دو۔''

''سڑکوں کی صفائی شروع کر دے۔''

''وقت کم رہ گیا ہے......'' میں نے عاجزی کی۔ ''تم میری اُنگلی تھام لو......''

''آدھا تیتر...... آدھا بٹیر......'' سیّد کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ ''ڈھنڈھول کرتا ہے۔''

''میری حالت پر رحم کرو سیّد...... تم نے کبھی کھل کر میری بات نہیں سنی۔'' میں نے کیا۔

''کسی کوٹھے پر چڑھ جا...... بلندی مل جائے گی۔'' سیّد چبھتے لہجے میں بولا۔

''میں تنہا ہوں، وہ بے شمار ہیں۔ میں مر گیا تو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا......''

''پھر سٹہ کھیلنے لگا؟ زبان کو تالا لگا لے۔''

''اندھیرا بڑھنے لگا ہے۔ کسی وقت دم بھی گھٹ جائے گا۔ تم راستہ دکھا دو۔'' میں منت کی۔

''کسی درخت سے اُلٹا لٹک جا...... بین بجانی چھوڑ دے۔''

''میری داستان ختم ہونے کا وقت قریب ہے سیّد، میں ہاتھ جوڑتا ہوں، جو کہنا ہے کر کہہ دو۔ تمہارے اشارے میری سمجھ میں نہیں آتے......'' میں نے اُسے رحم طلب نظروں سے دیکھا۔

''آندھی آ رہی ہے......'' اُس نے پلکیں جھپکانی شروع کر دیں۔ ''اکڑوں بیٹھ ککڑوں کوں کی آوازیں نکالا کر۔''

''تم مجھے مرغا بنا دو، مجھے یہ بھی منظور ہے۔''

''اُوپر دیکھ...... اُوپر......''

میری نظریں ایک لمحہ کو اُوپر اُٹھیں، سیّد پھر مجھے جل دے کر نکل گیا۔ میں درگاہ نیل و مرام باہر آ گیا۔ انکا دوبارہ سر پر آ گئی۔ وہ کچھ وحشت زدہ سی لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا انکا رانی؟'' میں نے بجھے ہوئے دل سے پوچھا۔ ''کیا میرے لئے پھر کوئی بری خبر ہے......؟''

''جلدی نارنگ کی کوٹھی پہنچنے کی کوشش کرو۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''شیوا کو تمہارے بارے میں اطلاع مل گئی ہے، وہ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اُسے بچ کر نہیں جانا چاہئے۔''

''کس نے بھانڈا پھوڑ دیا......؟'' میرے جسم میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ میں نے لپک کر ایک سواری پکڑی۔ انکا میرے سر پر کلبلانے لگی۔ میں نے پوچھا۔ ''تم نے اُسے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی......؟''

''میں زبان نہیں کھول سکتی جمیل......'' انکا ہونٹ چبانے لگی۔ ''کچھ مجبوریاں آڑے آ گئی ہیں۔''

''کیا پریتم لال نے اپنی دی ہوئی شکتی واپس لے لی؟'' میں نے وحشت بھرے انداز میں پوچھا۔ ''شیوا کی واپسی کی خبر سن کر میرے اندر پھر انگارے دہکنے لگے تھے۔

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا...... نارنگ کی کوٹھی پر پہنچ کر میں نے سواری چھوڑ دی۔ حفاظتی دستے کے مسلح افراد مجھے دیکھ چکے تھے، کسی نے میرے راستے کی دیوار بننے کی غلطی نہیں کی۔ میں نے احاطے میں قدم رکھنے کے بعد ایک لمحے کو حالات کا جائزہ لیا، پھر ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر انیکسی کی جانب تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ انکا نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ شیوا کو میرے بارے میں بھنک کیسے ملی؟ نارنگ کے پاس ان فالتو باتوں کے لئے اب وقت نہیں رہ گیا تھا۔ دوپہر کو اوشا کماری کی زبان سے اُس نے امریتا کے اغواء کی جو تفصیل سنی تھی، اسے سن کر وہ بھی پاگل ہو گیا۔ وہ اپنے دشمنوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ شاید اس وقت بھی دفتر میں بیٹھا فون کھڑکھڑا رہا ہو، اپنے آدمیوں کو ہدایتیں جاری کر رہا ہو۔ جس زیرِ زمین گروہ سے اُس کا تعلق تھا، اُن کے ساتھ مشورے کر رہا ہو۔ بیٹی کے اغواء کے انتقام کے منصوبے بنا رہا ہو...... مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میرا ذہن صرف اور صرف شیوا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرے خیال میں اُس کو ہر دوار سے میرے بارے میں آگاہ کیا گیا ہوگا۔ پنڈت نول کشور کو اطلاع پہنچی ہوگی کہ میں اُس کے سر پر پہنچ گیا ہوں تو وہ بھی ضرور مضطرب ہوا ہوگا۔ چندرا کے نوجوان خون نے بھی جوش مارا ہوگا۔ کالی کے مندر میں پھر سر جوڑ کر مشورے شروع ہو چکے ہوں گے۔ ایک میری ذات کو ختم کرنے کے

لئے چنڈالوں کی پوری ٹولی جمع ہوگی۔ سب اپنی اپنی ہانک رہے ہوں گے۔ ہردوار
بھیجنے والا خود دہلی میں موجود ہوگا۔ اُسی نے شیوا کو باخبر کیا ہوگا۔ کالی کے مندر میں
بیٹھے شیطانوں کے کانوں میں بھی اُسی نے زہر پھونکا ہوگا۔ نول کشور کے لئے اب
مہرے قیمتی تھے۔ اُس نے فوری طور پر شیوا کو واپسی کا حکم نامہ جاری کیا ہوگا۔ نارنگ
مخصوص طیارہ بھیج کر شیوا کو طلب کیا تھا۔ شیوا کوئی پیادہ نہیں رہا ہوگا۔ میرے خیال
بساط بچھائی جا رہی تھی، اس پر شیوا کی حیثیت کسی فیل، رُخ یا گھوڑے جیسی ضرور ہو
چندرا کی موجودگی میں اُسے بہرحال وزیر نہیں سمجھا سکتا تھا۔

شیوا مارا جاتا تو نول کشور کی بازی کچھ ضرور کمزور ہو جاتی۔ میں بہت سارے امکا
پر غور کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں انکارانی کا زبان نہ کھولنے کی مجبوری والا جملہ بھی کھٹک
تھا۔ میں نے اس کی وضاحت نہیں طلب کی، میں اُس کی مجبوریوں سے واقف تھا۔
بار بتا چکی تھی کہ پراسرار قوتوں کے درمیان بھی کچھ سمجھوتے ہوتے ہیں، کچھ حد بندیاں
ہوتی ہیں جس کی خلاف ورزی کچھ دیوی دیوتاؤں کی نظروں میں پسندیدہ نہیں سمجھی جا
شاید انکا نے کسی ایسی ہی مجبوری کے تحت وہ جملہ ادا کیا ہو۔ میرے لئے یہی کافی تھا کہ
نے بروقت شیوا کی واپسی کی اطلاع مجھ تک پہنچا دی۔ وہ ہاتھ سے نکل جاتا تو مجھے
ملال ہوتا۔ میرے پاس بھی بہت ساری قوتیں موجود تھیں۔ سب سے اہم سیّد مجذ
لاٹھی تھی جسے دیکھ کر پریتم لال جیسے مہان پنڈت کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔
نے حفظ ماتقدم کے طور پر نندا کے ایک عمل کا ورد کر کے خود کو جنتر منتر سے محفوظ کر لیا۔

میں سینہ تانے انیکسی میں داخل ہوا۔ شیوا کی خدمت کے لئے کئی ملازم موجود تھے
دیکھ کر وہ جھک جھک کر ڈنڈوت کرنے لگے۔ مجھے انیکسی کی بجائے کوٹھی کے مہمان
میں جگہ ملی تھی، ملازموں نے اسی سے میرے رتبے کا اندازہ قائم کر لیا ہوگا۔ بڑے
کے ملازم ان پڑھ ہونے کے باوجود مالکوں کی نظریں پڑھ کر حسب مراتب کا خیال
کے عادی ہوتے ہیں۔ ایک ملازم نے میرے دریافت کرنے پر شیوا کے کمرے کی
کر دی۔ میں دندناتا ہوا اندر داخل ہوا۔ شیوا ایک کمسن ملازمہ کو گود میں بٹھائے
کی باتیں کر رہا تھا۔ مجھے سامنے دیکھ کر چونکا۔ ملازمہ بے ترتیب لباس درست کر
سے باہر نکل گئی۔ شیوا ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے کچھ پڑھ کر اپنے آپ

پھر سرد لہجے میں بولا۔
"کون ہو تم؟ کیا سیوکوں نے تمہیں میرے کمرے میں آنے سے منع نہیں کیا؟" اُس
کی نظروں کی گہرائی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ مضبوط ارادوں کا مالک ہے۔ اُس کا
شمار چھوٹے موٹے پنڈتوں میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔
"جمیل....." [illegible] نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ "جس ملازمہ کو تم نے دیکھا تھا
اُسے میں نے ہی شیوا کے قدموں کی زنجیر بنایا تھا۔ اُس نے اپنے حسن کا جال نہ ڈالا ہوتا تو
یہ اب تک چلا گیا ہوتا..... تم کہو تو میں اس کا کریا کرم کر دوں؟"
"نہیں..... صرف تماشہ دیکھتی رہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر شیوا کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال کر بولا۔ "میں نے جان بوجھ کر تمہارے رنگ میں بھنگ ڈالا ہے۔ گھر میں
کسی کی ارتھی پڑی ہو تو کومل شریر سے چھیڑ چھاڑ شوبھا نہیں دیتی۔"
"تم نے اپنا پریچے نہیں کرایا.....؟"
"سیوک کو جمیل احمد خاں کہتے ہیں۔" میں زہر خند سے بولا۔ "وہی، جس کا نام سن کر تم
نے بوریا بستر باندھ لیا تھا۔"
میرا نام سن کر اُس کی آنکھوں کا رنگ یکلخت بدل گیا۔ نظروں میں سائے لہرانے لگے۔
اُس کے چہرے پر خوف کی کوئی علامت نہیں نظر آئی۔ کچھ دیر مجھے نگاہوں نگاہوں میں پرکھتا
رہا، پھر ٹھوس آواز میں بولا۔
"بڑا نام سنا تھا تمہارا۔ آج درشن بھی ہو گئے۔"
"درشن کرنے کی آرزو ہوتی تو تم چوروں کی طرح چھپ کر بھاگنے کی کوشش کبھی نہ
کرتے۔" میں نے طنز کیا۔
"تم جو سمجھ رہے ہو وہ تمہاری بھول ہے۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ "گرو کا بلاوا آ گیا
تھا اس لئے جا رہا تھا۔ اب نہیں جاؤں گا۔"
"اب کیا سوچا ہے.....؟" میں نے پوچھا۔ میرا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔
"سمے نے تمہیں گھمنڈی بنا دیا ہے۔" اُس نے بل کھا کر سرد آواز میں جواب دیا۔
"میں جانتا ہوں کہ تمہارے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ ایک سندر نار کے کارن پریتم لال نے
بھی اگر تمہیں کچھ شکتیاں دان کر دی تھیں۔ پرنتو وہ اب پرلوک سدھار چکے ہیں، تمہیں بھی

اپنے بھوش کی چنتا کرنی چاہئے۔ سارے دن ایک سمان نہیں ہوتے۔"

"سنا ہے امرلال کا پُتر چندرا، وندھیاچل کی پہاڑیوں سے واپس آ گیا ہے؟" میں سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں۔ وہ بھی نول کشور مہاراج کی شرن میں ہے......" شیوا کا انداز کھردرا تھا۔

"دونوں بلوان کب تک منڈل میں چھپے بیٹھے رہیں گے؟ کب تک کالی کے چرنوں پر ڈنڈوت کریں گے؟" میں نے حقارت سے پوچھا۔ "تم بھی تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ تمہیں تو اوش جان کاری ہوگی۔"

شیوا کے تیور بدلنے لگے۔ اُس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ خون کی گردش اُس کی نس نس سے نمایاں تھی۔ وہ بے حد طیش میں آ چکا تھا۔ لیکن ابھی اُس نے حملہ کرنے میں پہل نہیں کی۔ مٹھیاں بھینچے کھڑا مجھے ایسی نظروں سے دیکھتا رہا جیسے اُسے کسی کے حکم کا انتظار ہو۔ کوئی طاقت اُس کے آڑے آ رہی تھی۔ شاید وہ ذہنی طور پر پنڈت نول کشور سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اُسے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھتا رہا۔ انکا میرے برابر کسمساتے ہوئے بولی۔

"تم کس بات کے منتظر ہو جمیل؟ دیر مت کرو، شیوا کو مار ڈالو۔ دشمن کو سنبھلنے کا موقع دینا دانشمندی نہیں ہے۔"

"تم چپ چاپ تماشہ دیکھتی رہو انکارانی......" میں نے کہا۔ "یہ پوری طرح میرے قبضے میں ہے۔ میں اسے بھاگنے کا موقع نہیں دُوں گا، تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ اس کی لاش تحفہ نول کشور اور چندرا کے لئے جمیل احمد خاں کی طرف سے ایک تحفۂ خاص ہوگا......" میں نے شیوا کو مخاطب کیا۔ "منہ میں گھنگنیاں ڈالے کیا سوچ رہے ہو؟ تمہیں تو میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگا۔ تمہارے گرو اور چندرا کے آنجہانی پتا امرلال نے تم کو بڑی تفصیل سے میرے بارے میں ایک ایک بات سے باخبر کیا ہوگا...... پھر وقت برباد کر رہے ہو؟ اپنی شکتی کا کوئی چمتکار دکھاؤ، جو جنتر منتر سیکھ رکھے ہیں وہ کس دن کام آئیں گے؟ پرلوک سدھار گئے تو ساری آشائیں من ہی من میں رہ جائیں گی۔"

میرا اندازہ غلط نکلا، شیوا کو کسی ہدایت کا انتظار نہیں تھا۔ وہ اپنی قوتوں کو سمیٹ کر دل ہی دل میں کوئی جاپ شروع کر چکا تھا۔ پھر اُس کا سیدھا ہاتھ یکلخت فضا میں بلند ہوا۔

اُس کی آنکھوں سے ایک شعلہ لپکا...... مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سارے تن بدن میں آگ لگا دی ہو...... میں نے ارتکاز اور مراقبے کا عمل شروع کیا، شیوا نے دوسرا وار کیا، اُلٹا پاؤں اُٹھا کر زمین پر مارا۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ سیّد کی لاٹھی ہاتھ میں نہ ہوتی تو اوندھے منہ زمین پر گرا ہوتا۔ شیوا نے مجھے چکراتا دیکھ کر اپنے گلے سے ایک مالا اُتار کر زمین پر دے ماری۔ دانے بکھر گئے۔ اُن کی جگہ لاتعداد ناگنیں نمودار ہو کر میری طرف بڑھنے لگیں...... میں نے سیّد کی لاٹھی گھمانی شروع کر دی۔ ناگنیں اپنی اپنی جگہ تھم گئیں۔ اُن کا قد حیرت انگیز طور پر بڑھنے لگا۔ میں نے ارتکاز کا عمل مکمل کر کے ناگنوں کو تیز نظروں سے گھورا، اُن کے جسموں کو آگ لگ گئی۔ وہ خاک بن کر غائب ہو گئیں۔ میں نے اپنے گرد حصار کھینچا اور جم کر کھڑا ہو گیا۔ شیوا کی آنکھیں حیرت سے پٹ پٹانے لگیں۔ اُس کی نظروں نے غالباً میری قوتوں کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اُس نے جھلا کر پے در پے وار کرنا شروع کر دیئے۔ میں کسی آہنی ستون کی طرح جما کھڑا رہا۔ اُس کے ترکش کے سارے تیر ختم ہو گئے تو وہ ہانپنے لگا......! میں بخل سے کام نہیں لوں گا۔ شیوا نے مجھ سے مرد بن کر مقابلہ کیا تھا۔ نامردوں کی طرح پشت دکھا کر بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اُس نے جو وار کئے تھے وہ بھی بھرپور تھے۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو بوکھلا گیا ہوتا۔ میرے پاس سیّد کی لاٹھی بھی تھی، نندا کی قوت بھی تھی، کلدیپ اور پریتم لال کی آتمائیں بھی نادیدہ طور پر ضرور ہم رکاب ہوں گی۔

"رُک کیوں گئے شیوا......؟" میں نے ہانپتا دیکھ کر اُس کا مذاق اُڑایا۔ "اتنی جلدی چیں بول دی؟ کچھ اور کھیل تماشہ دکھانا چاہتے ہو تو وہ ارمان بھی پورا کر لو۔ اس کے بعد میری باری ہوگی، تمہیں اپنا دفاع کرنا ہوگا......"

"تم نے جو پوتر لاٹھی تھام رکھی ہے، اسے ایک طرف پھینک دو۔ میں آخری سانس تک تم سے ہار نہیں مانوں گا۔" شیوا نے لاٹھی دیکھ کر نچلا ہونٹ چبانا شروع کر دیا۔

"ایک شرط میری بھی ہوگی......"

"وہ کیا؟" اُس کی آنکھوں میں اُمید کی کرنیں مچلنے لگیں۔

"تم اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا کاٹ کر میرے قدموں میں رکھ دو، میں لاٹھی ایک طرف ہٹا لوں گا۔" میں نے زہرخند سے اُس کی احمقانہ شرط کا مذاق اُڑایا۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، میری بات کا مقصد سمجھ کر خاموش رہا۔ اُس کے تیو
بدستور خطرناک نظر آ رہے تھے۔

''زنخوں جیسی باتیں کیوں کرتے ہو شیوا؟'' میں حقارت سے بولا۔ ''جہاں دو دشمن
لڑتے ہوں، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، وہاں بچوں جیسی شرطیں نہیں مانی
جاتیں۔ محبت اور جنگ میں تو ہر حربہ استعمال ہوتا ہے، تم ایک لاٹھی سے خوفزدہ ہو گئے۔
تمہارے گرو نے یہی سکھایا تھا......؟''

''وجے تمہاری ہوئی۔ میں ہار گیا۔'' شیوا نے تیز آواز میں کہا۔ ''فضول باتیں مت کرو
میں اب بھی سینہ تانے مردوں کی طرح قدم جمائے کھڑا ہوں۔ مجھے مار دو۔ میں تم سے
جیون کی بھکشا نہیں مانگوں گا۔''

''تمہاری مردانگی مجھے پسند آئی۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تم مجھ سے ایک بات کا وعدہ
کرو، میں تمہیں زندہ چھوڑ دُوں گا۔''

''جمیل......'' انکا نے احتجاج کیا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ دشمن کو معاف کر دینا عقلمندی
نہیں ہو گی۔''

''میں نے زندگی میں اور بھی بہت ساری حماقتیں کی ہیں۔'' میں نے انکا سے کہا۔
''ایک غلطی اور کر لینے سے کیا فرق پڑ جائے گا؟''

''کیا وچن لینا چاہتے ہو؟'' شیوا نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''پنڈت نول کشور اور چندرا تک میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اب یہ اُچھل کود بند کر دیں۔''
میں نے بے حد خطرناک لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''دوسرے بے قصور
پنڈت پجاریوں کو ایندھن بنانے سے میرے اندر کی جوالا اور بھڑکتی رہے گی۔ اُن سے کہو
مرد ہیں تو مندر اور منڈل سے باہر آ کر کھلے میدان میں ایک بار مقابلہ کر لیں۔ سمجھ رہے
میری بات......؟''

''اگر گرو نے تمہاری بات سویکار کرنے سے منہ موڑ لیا تو......؟''

''تو بھی میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''بدری نرائن نے
کالی کے مندر میں پناہ لے کر زندگی بچانی چاہی تھی، آج وہ اس دھرتی پر نہیں ہے۔ امر
بھی سینہ ٹھونک کر ہمارے بیچ کود پڑا تھا، اُسے بھی کالی کا مہان سیوک ہونے کا بڑا گھمنڈ
نتیجہ کیا نکلا؟ میری کل دیپ نے اُس کے شریر کے بھی ٹکڑے کر کے نرک میں جھونک دیا۔''

''میں تمہارا سندیس گرو تک پہنچا دُوں گا۔ ماننا نہ ماننا اُن کے اختیار کی بات ہے۔''
شیوا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے...... اب میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ...... میں تمہیں تمہارا
جیون دان کرتا ہوں۔'' میں نے فیصلہ سنا دیا۔

شیوا خاموشی سے جانے لگا تو انکا جھلا کر بولی۔

''مجھے اجازت دو جمیل، میں اسے زندہ نہیں جانے دُوں گی۔ تم غلطی کر رہے ہو......''

''تم کوئی غلطی نہ کرنا......'' میں نے انکا کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔ وہ تلملا کر رہ گئی۔
میں قدم اُٹھاتا انیکسی سے باہر آ گیا......!!

انکا مجھ سے رُوٹھ گئی تھی۔ وہ مجھ سے شاکی تھی۔ میں نے شیوا کو واپس جانے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ میرا دشمن تھا۔ دشمن کے ساتھ محبت اور رحم کا برتاؤ کرنا عقلمندی کے منافی تھا۔ وہ مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شیوا کے خاموشی سے واپس جانے کی اطلاع بھی مجھے انکا ہی نے دی تھی۔ وہ نول کشور کا کوئی خاص آدمی تھا۔ نارنگ نے امریتا کو اغواء کرنے والوں کا کھوج لگانے کی خاطر اُسے ہردوار سے طلب کیا تھا۔ قسمت مجھے درمیان میں لے آئی۔ میں راستے میں نہ آتا تو شیوا، نارنگ کی کوٹھی میں سب سے زیادہ اہم آدمی سمجھا جاتا۔ اُس کی پذیرائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جاتا۔ چھوٹے بڑے سب اُس کی آؤ بھگت میں لگے ہوتے۔ میرے آجانے سے اُس کی اہمیت ختم ہوگئی۔ انکا نے اوشا دیوی کو اپنا معمول بنا لیا۔ اُس کی زبانی امریتا کے اغواء کی کہانی سنوا دی۔ نارنگ ششدر رہ گیا۔ وہ اسے میرا کمال سمجھ رہا تھا۔ میں اور انکا الگ الگ نہیں تھے۔ بہرحال نارنگ میرا گرویدہ ہوگیا۔ میرے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ پنڈت شیوا کی اہمیت "دو کوڑی" کی رہ گئی۔ میں چاہتا تو دوسرے پنڈت پجاریوں کی طرح اُسے بھی نارنگ کی سرکاری کوٹھی سے باہر نکلوا دیتا لیکن میں نے اُسے روک لیا۔ میں نے طے کیا تھا کہ شیوا کی لاش کے ٹکڑے نول کشور کو روانہ کروں گا، اُس سے بھیانک انتقام لوں گا۔ میری وحشت میرے جنون میں کچھ کمی واقع ہو جاتی۔ نول کشور سوچ میں پڑ جاتا۔ اُس کے لئے صرف "دو" راستے باقی رہ جاتے، میرے راستے سے ہٹ جاتا۔ گمنامی کی زندگی بسر کرنے کی خاطر کہیں پہاڑوں یا جنگلات میں روپوش ہو جاتا یا پھر کالی کے مندر سے باہر نکل آتا۔ میرے لئے دونوں ہی صورتیں ہر اعتبار سے فائدہ مند ہوتیں۔

میں نے انکا کے اطلاع دیتے ہی نارنگ کی کوٹھی تک پلٹ کر آنے میں کسی غفلت کا ثبوت نہیں دیا۔ میرے دل میں رحم کا کوئی جذبہ نہیں اُبھرا۔ میں راستے بھر اُسے بھیانک

موت سے دوچار کرنے کی بابت غور کرتا رہا۔ انکا اُسے نارنگ کی کوٹھی میں ایک کمسن ملازمہ کی زلفوں میں اُلجھا کر آئی تھی۔ شیوا کے جنتر منتر کے بیر بھی دھوکہ کھا گئے۔ وہ بھی اُسے یہ نہ بتا سکے کہ موت ہر لمحہ اس سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ میں اُڑتا ہوا شیوا کے سر پر پہنچ گیا۔ میں نے پہل نہیں کی، مجھے اپنی قوت پر ناز تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیوا میرے مقابلے پر زیادہ دیر نہیں ٹک سکے گا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ اپنے سارے جنتر منتر آزمانے کے بعد بھی اپنی جگہ ڈٹا کھڑا رہا۔ اُس نے اپنی شکست تسلیم کرنے میں بہانہ سازی سے کام نہیں لیا۔ اُس کا خیال تھا کہ میرے اور اس کے درمیان سیّد کی لاٹھی ایک واضح فرق تھی۔ وہ غلط فہمی کا شکار تھا۔ اُس کی نظریں نندا کے راز کو نہیں پا سکی تھیں۔ میری قوت کے بارے میں اُس کی آنکھیں گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔ پہنچ جاتیں تو شاید وہ مقابلے کی حماقت بھی نہ کرتا، پہلے ہی اپنی ہار تسلیم کر لیتا۔ شکست کا اعتراف بھی بہادری کی دلیل ہے۔ وہ میرے رحم و کرم پر تھا، اُس نے کہا بھی تھا کہ میں اس کی زندگی کی کہانی ختم کر دُوں، میں نے بھی یہی ٹھان رکھی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں میرے دل نے مشورہ دیا کہ میں اُسے معاف کر دُوں۔ اس دشمن کو بخش دُوں جس کے دل میں میرے خلاف نفرتوں کا طوفان موجزن تھا۔ جو پنڈت نول کشور کے جتھے سے تعلق رکھتا تھا۔ جسے نارنگ نے بھی دوسرے پنڈت پجاریوں پر فوقیت دی تھی۔ وہ یقیناً میرے دشمنوں کی جماعت میں کسی بڑے رُتبے پر فائز رہا ہوگا۔

بہت کچھ ممکن تھا۔ بہت سی باتیں قرین قیاس تھیں۔ ایک بات واضح تھی، وہ میرا دشمن تھا۔ دشمنوں کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس حرامزادے نے مجھے تاریکی میں رکھ کر مجھ پر اچانک تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے تھے۔ اس کی خصلت میں کہیں نہ کہیں کسی گندے خون کا دخل ضرور رہا ہوگا۔ مرد ہوتا تو میری طرح للکار کر حملے کا آغاز کرتا۔ میں ذرا کمزور پڑ جاتا تو وہ میری لاش پر کھڑا فاتحانہ انداز میں قہقہے بلند کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا، میری ساری خود اعتمادی، سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ جنگ میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ جو موقع سے فائدہ اُٹھا لے، جیت اُسی کی ہوتی ہے۔ سیّد کی لاٹھی نے سہارا نہ دیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ میرے قدم لڑکھڑا جاتے، مجھے سنبھلنے میں دیر لگتی، شیوا اس دوران شیر بنا رہتا۔ بعد میں میرے جوابی حملوں سے اپنی شکست کا اعتراف کرتا۔

میں نے زندگی میں سارے قدم سوچ سمجھ کرنہیں اُٹھائے۔ کئی بار کلدیپ کو بھی شکایت ہوئی کہ میں جذبات کی رو میں بہک جاتا ہوں۔ انکارانی بھی یہی شکوہ کرتی تھی کہ جنون میں بہک کر میں بغیر سوچے سمجھے قدم آگے بڑھا دیتا ہوں، مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں، جوش میں آکر ہوش کھو بیٹھتا ہوں۔ پریتم لال بھی پیش گوئی کر چکا تھا کہ میں جل کے اندر غوطہ نہیں لگا سکوں گا، خود میں گواہ ہوں کہ میری جلد بازی نے کئی حسین مواقع ضائع کر دیئے۔ میں انسان ہوں، فرشتہ نہیں ہوں۔ میں نے غلطیاں نہ کی ہوتیں، کوتاہیوں کی حماقت نہ کی ہوتی تو میری زندگی کی المناک داستان کا اندازِ بیان کچھ اور ہی ہوتا۔ شاید کلدیپ بھی کالی داس کو دیئے ہوئے وچن کی بھینٹ چڑھنے سے بچ جاتی۔ مجھے دربدر کی خاک نہ چھاننی پڑتی۔ لیکن مقدر کے لکھے کو مٹانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری زندگی بڑی گناہ آلود رہی ہے، سیّد مجھ پر مہربان تھا، وہ اشاروں کنایوں میں مجھے راست قدم اُٹھانے کی نصیحتیں کرتا تھا۔ میں کم فہم تھا، اس کی گہرائی تک پہنچنا میرے اختیارات کی بات نہیں تھی۔

شیوا جیسے دشمن کو معاف کرنا بھی شاید میری حماقت ہی تھی۔ وہ میرے اختیار میں تھا۔ اُس کا ترکش خالی ہو چکا تھا، اُس نے اپنی شکست بھی تسلیم کر لی تھی۔ لیکن میں نے اُسے اپنا ایک پیغام پنڈت نول کشور اور چندرا تک پہنچانے کا وعدہ لے کر معاف کر دیا۔ انکا نے غرا کر شیوا کی طرف جھپٹنے کی کوشش کی، میں نے اُسے بھی سختی سے روک دیا۔ وہ ناراض ہو گئی۔ منہ پھلائے میرے سر پر بیٹھی رہی۔ میں اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

رات کے کھانے پر نارنگ بے حد خوش نظر آرہا تھا۔ میں نے اُس کی خوشی کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ امریتا اغواء ہونے سے بچ گئی تھی، نارنگ نے اوشا کماری کی زبانی پوری کہانی سن لی تھی، شیوا بھی چلا گیا تھا۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ ایک رات اور اس چھت کے نیچے گزار کر نارنگ سے رُخصت ہونے کی اجازت طلب کر لوں گا۔

کھانے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ امریتا مجھ سے بے تکلفی سے گفتگو کرتی رہی۔ اوشا کی شکاری نظریں میرے اُوپر جال ڈالنے میں مصروف تھیں، میں کترا کترا کر اپنا بچاؤ کرتا رہا۔ انکارانی میرے سر پر چیت لیٹی آسمان کی طرف گھورتی رہی۔ وہ بدستور مجھ سے اُکھڑی اُکھڑی نظر آرہی تھی۔ نارنگ کے چہرے پر مسرتیں رقص کر رہی تھیں۔ دد

بڑا دُور اندیش اور گھاگ آدمی تھا، میں سمجھ رہا تھا کہ سب کی موجودگی میں وہ زبان نہیں کھولے گا۔ وہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کے اصول کا پابند تھا۔ میرا اندازہ ٹھیک ہی ثابت ہوا، کھانے سے فارغ ہو کر وہ مجھے اپنی ساؤنڈ پروف لائبریری میں لے گیا جہاں پوری دنیا سے رابطہ قائم کرنے کے لئے مختلف لاسلکی نظام موجود تھے۔ انکا مجھے بتا چکی تھی کہ لائبریری نارنگ کے لئے کوٹھی کی سب سے محفوظ ترین جگہ تھی، وہاں کسی پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی لائبریری کے فرش سے ایک چور راستہ کوٹھی کے عقب میں بھی نکلتا تھا، اس کا علم بھی نارنگ کے سوا کسی اور کو نہیں تھا۔ اس لئے کہ چور راستے میں نارنگ کا ذہن اور غیر ملکی ماہرین فن کا ہاتھ شامل تھا۔ مقامی لوگوں کو اس کی بھنک بھی نہیں تھی۔

لائبریری میں قدم رکھتے ہی میں نے خود کو نندا کی قوتوں سے لیس کر لیا۔ مجھے نارنگ کے دل میں جھانکنے کا موقع مل گیا۔ میں یہ کام انکارانی سے بھی لے سکتا تھا۔ وہ نارنگ کے سر پر چلی جاتی پھر اُس کی خوشی کا پورا احوال منٹوں میں مجھ تک پہنچا دیتی، نارنگ ہکا بکا رہ جاتا۔ لیکن وہ اس وقت رُوٹھی ہوئی تھی، میں نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

میں نارنگ کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوا تو خودکار دروازہ بند ہو گیا۔ نارنگ نے مجھے بڑی انکساری سے ایک آرام کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا تو وہ میرے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مہاراج......'' اُس نے کہا۔ ''آج میں بہت خوش ہوں۔ میری خوشیوں کا اصل کارن تم ہو۔ تم نہ ہوتے تو مجھے کنارے تک پہنچنے کے لئے بڑے ہاتھ پیر مارنے پڑتے۔ تم نے ایک پل میں میری ساری چنتا دُور کر دی۔ تم پہلے مل جاتے تو میں آج کہیں اور ہی ہوتا۔ یہ راج منتری کا استھان تو کانٹوں کی سیج ہے۔'' اُس نے مجھے بڑی عقیدت مند نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میری نگاہوں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ پورے بھارت میں تم سے بڑا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ ایک گرو پرتاپ تھا لیکن وہ بھی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکا جہاں تم نظر آرہے ہو۔''

''کیا پا لیا نارنگ......؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''بڑا خوش نظر آرہا ہے؟''

''جن سور کے بچوں نے امریتا کو اغواء کر کے مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے کے سپنے دیکھے تھے، اب وہ نارنگ کی مٹھی میں ہیں۔ وہ اپنی باری پوری کر چکے، اب میں اُنہیں اپنا

کھیل دکھاؤں گا۔ وہ جیت جاتے تو میں تباہ ہو جاتا، ساری جنتا کے سامنے میرے شریر کے کپڑے اُتر جاتے۔ اب میں اُنہیں ننگا کروں گا۔ ایک کے بدلے دس مارے جائیں گے۔ ساری دنیا تماشہ دیکھے گی۔"

"ایک بات کہوں بالک....." میں نے پہنچے ہوئے پنڈت جیسا انداز اختیار کیا۔ "دھیان سے سنے گا.....؟"

"تم آگیا دو مہاراج، سیوک تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کرے گا۔"

"کچھ دنوں کے لئے سرکار سے چھٹی لے کر باہر چلا جا۔ جب اندھیرے چھٹ جائیں تو واپس لوٹ آنا۔ اسی میں تیری بھلائی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں مہاراج.....؟" اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"سرنگ میں اُترنا بڑے جان جوکھم کی بات ہے۔" میں سنجیدگی سے بولا۔ "کہیں چھت گرنے سے راستہ بند ہو جائے تو دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"تم.....تم کیا کہنا چاہ رہے ہو.....؟" نارنگ کی نگاہوں میں کئی رنگ جھلملانے لگے۔

"میں زیر زمین (UNDER WORLD) دنیا کی بات کر رہا ہوں نارنگ سنہا۔" میں نے کھل کر کہا۔ "جو لوگ تمہارے جال میں پھنس چکے ہیں، ان کی جڑیں بھی بڑی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ تمہارے تجربہ کار لوگوں نے ہوشیاری سے کام لیا ہے، بڑی مچھلیوں کو ابھی تک یہ ہوا نہیں لگی کہ ان کے آدمیوں پر کس نے جال ڈالا ہے۔ وہ تہہ سے نکل کر کھلے ساگر میں کھوج لگانے کا کام شروع کر چکے ہیں۔ ایک ایک لہر کو کھنگالا جا رہا ہے۔ سن رہا ہے بالک میں کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں؟"

نارنگ دم بخود رہ گیا۔ بُت کی طرح ساکت و جامد کھڑا کچھ دیر مجھے پھٹی پھٹی نظروں سے گھورتا رہا، پھر کسمسا کر بولا۔ "تم اور کیا جانتے ہو مہاراج.....؟"

"وہ سب کچھ جو تو نہیں جانتا۔" میں نے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ "ابھی ساگر چڑھا ہوا نہیں ہے۔ سمے تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیر کر دوسرے کنارے اُتر جا۔ سمندری طوفان آ گیا تو بڑی تباہی ہوگی۔ کھارے پانی کی گوشت خور مچھلیوں کو میٹھے پانی میں رکھنے کا دھیان دل سے نکال دے، اُنہیں ختم کر دے، خود باہر چلا جا۔ بانس رہا تو بانسری بھی ضرور بجے گی۔ میرا کہا مان لے۔"

نارنگ نے فوراً ہی میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ دُور اندیش ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک ذہنیت کا مالک بھی تھا، اپنے پیچھے کوئی ثبوت چھوڑنا اُس کی سرشت کے خلاف تھا۔ اُس کے ذہن میں کسی کے خلاف اُبھرنے والا معمولی خدشہ بھی مشکوک آدمی کی ہلاکت کا بہانہ بن جاتا تھا۔ اُس کی خاصیت ناگن جیسی تھی جو اپنے بچوں کو کھا جانے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ میں اُس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

"کس وچار میں گم ہے بالک.....؟" میں نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارا کہا مان لوں گا۔" اُس نے ڈھلمل یقین حالت میں شرط رکھی۔

"شرط باندھ رہا ہے.....؟" میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

"نہیں..... میں بنتی کر رہا ہوں....." اُس نے کینچلی بدلنے کی کوشش کی۔

"جو چنتا تجھے بیاکل کر رہی ہے اسے من سے نکال دے، اگلے چندرما سے پہلے باہر چلا جا، موج میلا کر کے تین مہینے نکال دے، پھر واپس آ جانا۔" میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں کسی اور راستے کا مسافر ہوں، تیرے ساتھ نہیں جا سکتا۔ دھرم کرم اور دنیا داری میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تیری سندر پتری کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ٹانگ نہ پھنساتا۔ سارے منش ایک جیسے نہیں ہوتے مورکھ، میں زبان بند رکھتا تو تیرے من میں بھی اتھل پتھل نہ ہوتی۔ تیرے ساتھ اور بھی کچھ لوگ بھونچال کی لپیٹ میں آ جاتے۔ نیکی کا بدلا بدی سے نہیں دیا کرتے.....سنا تو نے؟"

نارنگ میری دو ٹوک بات سن کر ٹپٹانے لگا۔ انکا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کی خونخوار نظریں نارنگ کے چہرے پر جمی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں چنگاریاں چٹخنے لگیں۔

"میں کل صبح چلا جاؤں گا۔" میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میں نے تیری بدھی میں جو بات بٹھانے کی کوشش کی ہے اس میں تیرا ہی بھلا ہے، ماننا نہ ماننا تیرے اختیار میں ہے....."

"مہاراج....." اُس نے سنبھل کر کہا۔ "آج تک کسی نے نارنگ کی بات ٹالنے کی غلطی نہیں کی۔ میں تم سے بنتی کر رہا ہوں، تم میرے ساتھ رہو گے تو میرا من شانت رہے گا....."

"چھل کپٹ کی باتیں کر رہا ہے؟" مجھے غصہ آ گیا۔ "انکا کچھ کہے بغیر میرے سر سے اُتر

گئی۔ دوسرے ہی لمحہ لائبریری کا خودکار دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تو نارنگ حیرت سے اُچھل پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ انکارانی کی طرف سے نارنگ کے لئے وہ پہلی وارننگ تھی۔

''اور کچھ دیکھنا پسند کرے گا؟'' میں تیزی سے بولا۔ ''ہٹ جا میرے راستے سے، ورنہ پچھتائے گا۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو تجھے بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔ وہ چور راستہ بھی تیرے لئے قبر بن سکتا ہے جس کے اوپر تو سینہ تانے کھڑا ہے۔ بول......؟ کیا فیصلہ ہے تیرا؟''

پھر نارنگ کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا۔ وہ زمین سے ایک فٹ بلند ہو چکا تھا۔ تھر تھر کانپتے ہوئے اُس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''مجھے شما کر دو مہاراج...... تمہارا جب من چاہے چلے جانا، میں تمہیں روکوں گا نہیں۔''

''ٹھیک ہے......'' میں نے انکا کو سنانے کی خاطر نارنگ سے سرد آواز میں کہا۔ ''دھرتی پر واپس آجا، قدم جمالے، پھر کوئی کمینگی مت دکھانا۔ ورنہ سارا کھایا پیا باہر آجائے گا......''

میں لمبے لمبے قدم اُٹھاتا لائبریری سے باہر آگیا۔ خودکار دروازہ جسے انکا کی پراسرار قوت نے کھولا تھا، دوبارہ بند ہو گیا۔ میں سیدھا اپنی خوابگاہ میں آگیا۔ چند لمحوں بعد انکا بھی واپس آگئی۔ وہ پھر چت لیٹ کر چھت کو ٹکٹکی باندھے گھورنے لگی، میں اُس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ وہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ پریتم لال نے اُسے جو قوتیں بخشی تھیں انہوں نے انکارانی کو بڑا قد آور بنا دیا تھا۔ میرا ذہن اُلجھ رہا تھا۔ رہ رہ کر شیوا کا خیال کلبلانے لگتا۔ میں نے یونہی ایک رسالہ اُٹھا کر اُس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ میری نظریں رسالے پر جمی تھیں لیکن میرا ذہن بدستور شیوا کے سلسلے میں اُلجھتا رہا۔ میں پنڈت نول کشور اور چندرا کے بارے میں غور کرنے لگا...... شیوا کی زبانی میرا پیغام سن کر اُن کا ردِ عمل کیا ہوگا......؟ کیا نول کشور اپنی حرامزدگی سے باز آجائے گا......؟ چندرا کے ذہن میں امر لال کے انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ سرد پڑ جائے گی......؟ شیوا پر کیا گزرے گی......؟ وہ اپنے اور میرے مقابلے کی داستان بیان کرے گا تو کیا اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی......؟ ''نہیں......'' میرے ذہن نے جواب دیا۔ ''پنڈت نول کشور نے میری موت کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ وہ ایک عرصے سے پنڈت پجاریوں کو اپنے جھنڈے تلے اکٹھا کر رہا تھا، اُن کے دل و دماغ میں میرے خلاف زہر بھر رہا تھا۔ اُسے کالی کا آشیرواد حاصل تھا...... کالی جسے طاقت کی سب سے بڑی دیوی سمجھا جاتا تھا۔

جس کو دیئے ہوئے وچن کی خاطر میری کلدیپ نے اپنی ہنستی مسکراتی زندگی کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ اُس کی حمایت نے نول کشور کے غبارے میں بھی ہوا بھری ہو گی۔ ایک شیوا کے بیان پر وہ نطفۂ ناتحقیق اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے گا۔ چندرا بھی اپنی جوانی کے زعم میں اُونچے اُونچے خواب دیکھ رہا ہو گا۔ وہ مارنے یا مرجانے کا فیصلہ کر چکے ہوں گے۔ پریتم لال کی آتما نے جو کہا تھا وہ غلط نہیں ہو گا......''

میں تادیر اپنے آپ سے اُلجھتا رہا، پھر انکا کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''میں کچھ دیر کے لئے جا رہی ہوں۔'' اُس نے رُوٹھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پریتم لال مہاراج کی آتما نے مجھے یاد کیا ہے۔ اپنا دھیان رکھنا......! میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔''

''تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ جب چاہو، جہاں چاہو جا سکتی ہو......'' میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

''غلطی تمہاری تھی۔ اور تم ہی جلی کٹی باتیں بھی کر رہے ہو۔'' اُس نے شکوہ کیا۔

''اپنے جملوں کو بھی تولنے کی کوشش کرو انکارانی......'' میں نے اُسے یاد دلایا۔ ''میں نے بھی تم سے شیوا کو نہ روکنے کی وجہ دریافت کی تھی۔ تم نے اپنی کسی مجبوری کی آڑ لے کر بات ٹال دی، اصل وجہ نہیں بتائی۔ میں نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔''

انکا نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن کوئی مجبوری لاحق ہو گی جو اُس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے دیکھتی ہوئی خاموشی سے چلی گئی۔ میں پھر اپنے جنون میں مبتلا ہو گیا، اپنی وحشتوں سے اُلجھ رہا تھا جب کسی کے قدموں کی آہٹ نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے نظر گھما کر دیکھا، امریتا شب خوابی کا لباس پہنے میرے کمرے میں داخل ہو کر کمرے کا دروازہ بند کر رہی تھی...... میرے ذہن سے سارے پریشان کن خیالات چھٹ گئے۔ میری نظریں امریتا کے جسم پر مچلنے لگیں۔

ذہن پریشان ہو، اعصاب پر کسلمندی طاری ہو، دماغ اُلجھنوں کا شکار ہو اور خیالات میں بیزاری کروٹیں بدل رہی ہو تو کسی حسینہ کا وجود ان تمام علامتوں کو دُور کر دیتا ہے۔ امریتا کو دیکھ کر میری بھی یہی حالت ہوئی۔ وہ دروازہ بند کر کے میری سمت بڑھی تو میں اُس کی

پذیرائی کی خاطر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ گلبدن اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ درمیانی
کم کر رہی تھی۔ میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ فضائی سفر کے دوران بھی وہ مجھ سے بے تکلفی
باتیں کر رہی تھی۔ میں نے جب اُسے اغواء کنندگان سے نجات دلائی تھی اس وقت
اظہارِ تشکر کے طور پر بے اختیار میرے سینے کی گہرائیوں میں سما گئی تھی۔ لیکن وہ ایک
ہوئے دماغ کی لڑکی تھی، جنس مخالف کے لئے اپنے اندر بے پناہ مقناطیسی کشش
تھی۔ میرے خیال کے مطابق وہ آوارہ بھی نہیں تھی۔ پھر اتنی رات گئے وہ باریک
سے اپنے جسم کے ہیجان انگیز خطوط کی نمائش کرتی میری خواب گاہ میں کیوں آئی؟
صرف ملاقات ہوتا تو دروازے کو اندر سے بولٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ معاً میرے
ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھرا۔ ''کہیں نارنگ نے اسے میری کمزوری تو
سمجھ لیا تھا؟ امریتا کے حسن و جمال کا جادو میرے قدموں میں بیڑیاں ڈالنے کی
استعمال کیا جا رہا ہو؟'' میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ میں نے طے کر لیا کہ نارنگ کو اس
مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دُوں گا۔

امریتا بادِ بہار کے معطر جھونکوں کی طرح میرے قریب آ کر رُک گئی۔ اُس کی
آنکھوں میں نیل کنول تیر رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں مجھے اپنے سحر میں اُلجھا رہی تھیں۔
کے گداز بدن کی تپش مجھے جھلسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے پیش قدمی نہیں کی
خواہشات کو بے لگام نہیں ہونے دیا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتی رہی۔
دانشوروں اور ماہر نفسیات کا خیال ہے کہ مردوں کی نگاہوں کا مفہوم عورت پہلی نظر
بھانپ لیتی ہے۔ شاید امریتا نے بھی میرے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر میرے
بند'' ہونے کے ارادوں کو تاڑ لیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم پھیل کر
چلا گیا۔ میرے اور قریب آ کر بڑی اپنائیت سے بولی۔

''بیٹھنے کو نہیں کہو گے مہاراج......؟''

میں نے پلکوں کی جنبش سے کام لیا۔ وہ اجازت حاصل کر کے میرے برابر
اُس کے جسم کی خوشبو میرے دل و دماغ میں بسنے لگی۔ میں نے خود کو سنبھالا۔ میں
کہ نارنگ نے اس خوبصورت ناگن کو مجھے ڈسنے کی خاطر بھیجا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی
میرے پاس قاتل سے قاتل زہر کا تریاق موجود تھا۔

''کن وچاروں میں گم ہو......؟'' اُس نے تھوڑے توقف سے سوال کیا۔ اس بار
مہاراج کا لقب استعمال نہیں کیا گیا۔

''ایک مشکل درپیش آ گئی ہے۔'' میں نے اُسے آزمانے کی کوشش کی۔ ''تمہارے پتا کا
کہنا ہے کہ میں کہیں نہ جاؤں، سارا جیون اسی کے ساتھ رہوں۔''

''تو پھر ان کا کہنا مان لو نا...... کیا ضرورت ہے کہیں جانے کی؟'' وہ بڑی اپنائیت، بڑی
لگاوٹ سے بولی۔ ''میں تمہاری سیوا کروں گی، تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دُوں گی۔''

''کیا بھروسا تمہارا......؟'' میں نے پھر اُسے کریدا۔ ''فضائی سفر کی طرح کہیں تم پھر
مجھے بھول گئیں تو......؟''

''پجارن سے بھول ہو گئی تھی...... شما کر دو۔'' امریتا کا لب و لہجہ تبدیل ہونے لگا۔ اُس
کے انداز میں وارفتگی تھی۔

''پہلے تم نے انکار کیوں کیا تھا......؟'' میں نے شکوہ کیا۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، نگاہوں کے ذریعے میرے دل میں سمانے لگی۔ مجھے یوں
محسوس ہوا جیسے میں اُسے برسوں سے جانتا ہوں، جنم جنم سے میرا اُس کا ساتھ رہا ہو۔
میرے عزم کا مضبوط قلعہ مسمار ہونے لگا۔

''تمہیں وہ جملہ یاد ہے؟'' میں نے مدھم آواز میں کہا۔ ''جو آزمائے جا چکے ہوں انہیں
بار بار نہیں آزمایا جاتا۔''

''ہاں......'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولی۔ ''میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا......''

''کیا مطلب......؟'' میں چونکا۔ امریتا کے لہجے کا یقین میری یادداشت میں ہلچل
مچانے لگا۔ اُس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ پہلے اُس نے بڑی سادگی سے مجھے
پہچاننے سے انکار کر دیا تھا، بار بار بڑے وثوق سے میری بات کی نفی کرتی رہی۔ اور اب
بڑے اعتماد سے اقرار کر رہی تھی۔

''امریتا......'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں تمہیں کیا سمجھوں......؟''

''کلپنا...... کجرا پجارن...... امریتا، جو چاہے سمجھ لو جمیل......'' اُس کی آواز یکلخت بدل
گئی۔ ''ناموں میں کیا رکھا ہے؟ سچا سمبندھ تو من کا من سے ہوتا ہے......''

میری آنکھوں نے برسنا شروع کر دیا۔ ماضی کے حسین لمحات مجھے ڈسنے لگے، ڈنک

مارنے لگے۔ میرے وجود کی عمارت لرزنے لگی۔ میرے اندر طوفان کی شدتیں
اُبھارنے لگیں۔ میں دیوانہ ہوگیا۔ پھٹی پھٹی بے چین نظروں سے امریتا کو دیکھنے لگا۔
نگاہیں ایک بار پھر دھوکا کھا گئیں، میں اُسے پہچان نہ سکا۔ فضائی سفر کے دوران اُس
واضح اشارہ کیا تھا۔ وہ جملہ میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونجتا رہا، میں
تہہ تک نہ پہنچ سکا۔ ندامت کا احساس میرے کرب میں اضافہ کرنے لگا۔ میں نے
جھپکانی بند کر دیں۔ امریتا کو دیکھتا رہا۔ اب شبہے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی، کھ
پجارن کجرا کا حوالہ بہت تھا...... میری نگاہوں کے سامنے صرف امریتا کا جسم تھا، اُس
جسم کے اندر میری کلدیپ کی رُوح موجود تھی۔

''تم پھر جیت گئیں۔ میں ایک بار پھر ہار گیا۔'' میں نے بڑے خلوص سے اعتراف

''تمہارے سر پر وہ نظر نہیں آرہی۔'' اُس نے انکا کے بارے میں دریافت کیا۔
سمجھ گیا، وہ میری توجہ مبذول کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے میرے درد کا اندازہ لگالیا۔ میں
حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

''جمیل......'' کلدیپ کی آواز دوبارہ میرے کانوں میں گونجی۔ ''تم نے اپنی انکا
کے سلسلے میں میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''اُس نے جاتے وقت کہا تھا کہ پریتم لال مہاراج نے اُسے یاد کیا ہے۔'' مَیں
سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''وہ بھی مجھ سے بار بار رُوٹھنے لگی ہے۔''

''تم اُس کی بات جو نہیں مانتے۔'' اُس نے مسکرا کر کہا۔ ''اُس کا دھیان رکھا
میں جانتی ہوں وہ کتنا بدل چکی ہے۔ اُس کے ننھے سے من میں تمہارے لئے پیار
بھرا ہے۔''

''انکا رانی کو شکوہ ہے کہ میں نے شیوا کو زندہ کیوں چھوڑ دیا۔''

''اب وہ شکایت نہیں کرے گی۔'' کلدیپ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''مہاراج
اُسے اسی کارن یاد کیا ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''میری آتما پر بہت سی پابندیاں ہیں جمیل۔'' اُس نے سرد آہ بھری۔ ''میں بھی
بارے میں تم سے کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کیول اتنا بتا سکتی ہوں کہ کبھی کبھی منش کی

کے کام آجاتی ہیں......''

''کلدیپ......'' میں نے اُس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
زندگی سے جی اُچاٹ ہوگیا، مجھے اپنے پاس بلالو۔ تمہارے بنا سب کچھ بڑا ادھورا
ادھورا سا لگتا ہے۔''

''میں بھی یہی کہنے آئی ہوں۔'' اُس نے میرے اور قریب آتے ہوئے کہا۔ ''سارے
راگ، سارے جھمیلے، سارے بکھیڑے، تمام جھگڑوں سے منہ موڑ کر کسی ایک جگہ اپنا
بنالو......''

''یہ...... یہ تم کہہ رہی ہو......؟'' میں نے اُسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے
پھر میرے اندر بھرے بارود میں آگ لگ گئی۔ ''ان دشمنوں کو بھول جاؤں جنہوں نے
میری زندگی میں ہر سو کانٹے ہی کانٹے بکھیر دیئے ہیں۔ کہیں ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھنے
دیے۔ تم گواہ ہو، تمہیں کھونے کے بعد مجھے جینے کی آرزو نہیں تھی۔ میں نے انکا رانی سے
بھی منہ موڑ لیا تھا، موت کا منتظر تھا جب جین نے سامنے آکر جھولی پھیلا دی۔ میں
ہندوستان کو خیر باد کہنے کے رادے سے اُس کے ساتھ انگلینڈ چلا گیا۔ تمہاری یاد نے وہاں
بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ میں نے پھر خودکشی کا ارادہ کیا، پریتم لال درمیان میں آگیا۔
اُن نے کہا کہ جو کام تم نے ادھورے چھوڑے ہیں وہ مجھے پورے کرنے ہوں گے۔ میں
نے مہاراج کا کہا مان لیا۔ مجھے پریتم لال ہی کی زبانی علم ہوا کہ تمہیں میری زندگی سے
علیحدہ کرنے والے اُس مادر بہ خطا امر لال کی ایک اولاد چندرا کے رُوپ میں بھی زندہ
ہے۔ وہ سنپولا وندھیاچل کی پہاڑیوں میں بیٹھا طاقت حاصل کرنے کے لئے جاپ کر رہا
تھا۔ نول کشور پنڈت پجاریوں کو میرے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ میں مہاراج کا اشارہ سمجھ گیا۔
جو تمہارے دشمن تھے میں نے اُن پر سکون کا ایک ایک لمحہ تنگ کرنے کی ٹھان لی۔ ہندوستان
گیا۔ تاج ہوٹل میں تم ہی نے کجرا پجارن کے رُوپ میں پنڈت کالی داس کی موجودگی
سے مجھے باخبر کیا تھا۔ تم باخبر نہ کرتیں تو میں تاریکی میں مارا جاتا...... اچھا ہوتا...... کہانی ختم
ہو جاتی۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''شاید مرنے کے بعد میں تمہیں پالیتا، تمہارے
قریب آجاتا۔ لیکن تم نے بروقت مجھے بچا لیا۔ اس کے بعد میں نے نول کشور کے دست
راست اوم پرکاش کا بھی کریا کرم کر دیا۔ میں بمبئی میں ہوتے ہوئے بھی اپنی تزئین سے

نہیں ملا......ترئین یاد ہے نا تمہیں؟ تم بھی اُس سے بہت پیار کرتی تھیں۔ تمہارے پیار خاطر میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ میں پہلے تمہارے ان دشمنوں کا صفایا کرلوں جو ہری نرائن اور امرلال کے ادھورے سپنوں میں رنگ بھرنے کی خاطر سر جوڑ رہے تھے۔ سب جہنم رسید کرلوں، پھر اطمینان سے ترئین سے ملوں گا......اور......اب تم کہہ رہی ہو کہ میں سارے جھمیلے چھوڑ کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلوں، اپنے بدترین دشمنوں کو ہیجڑوں کی طرح ٹھمکے لگانے اور تالیاں بجانے کا موقع فراہم کردُوں۔'' میں دل کی بھڑاس نکالتا رہا مجھے کلدیپ کی موت کا خیال آیا تو میرے صبر کے آتش فشاں نے بھی منہ کھول دیا......

''مجھے تم سے بھی شکایت ہے کلدیپ، تم نے بھی مجھے دھوکے میں رکھا۔ میری خاطر کالی بھینٹ دینے کا وعدہ کر بیٹھیں۔ میں بے خبر رہا۔ تم امرلال کو نرک میں جھونک کر سرخرو ہو گئیں۔ میں دربدر ہوگیا۔ مجھے خبر ہوتی تو میں تمہارے اور امرلال کے درمیان آجاتا...... میں کام آجاتا تو شاید تمہیں اس کرب، اس اذیت کا احساس ہوتا جس سے میں دوچار ہوں ......اب تم مشورہ دے رہی ہو کہ میں خاموش ہو جاؤں، چھپ کر کسی کونے کھدرے میں زندگی گزار دُوں......'' میں تلملا اُٹھا۔ ''نہیں کلدیپ......نہیں۔ اب میں دشمنوں کے سر پر پہنچ چکا ہوں۔ میری واپسی اب ممکن نہیں ہوسکتی۔ میں نے شیوا کے ذریعے دشمنوں کو پیغام بھیج دیا ہے۔ میں اُنہیں اندھیرے میں رکھ کر شب خون نہیں مارنا چاہتا تھا۔ میں نے اُنہیں للکار کر مقابلے پر آنے کی دعوت بھیجی ہے۔ شیوا کو زندہ چھوڑ دینے میں میری اور کوئی مصلحت نہیں تھی۔ انکارانی ناراض ہوتی ہے تو وہ بھی مجھ سے کنارہ کرلے۔ زندگی کی تمنا کس کو ہے؟ میں تو سر سے کفن باندھے گھوم رہا ہوں۔ موت کل آئے یا آج......کیا فرق پڑ جائے گا......؟''

''تم بات کو سمجھنے کی کوشش کرو جمیل۔'' کلدیپ نے پیار سے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ ''میں تمہیں کھل کر نہیں بتا سکتی۔ لیکن کسی کے درمیان میں آجانے سے حالات بدل گئے ہیں......''

''تم شاید دُرگا دیوی کی بات کر رہی ہو......؟'' میں زہرخند سے بولا۔ ''میں ایک کے عتاب میں مبتلا کیا گیا تھا۔ گروپرتاپ نے یہی بتایا تھا۔ لیکن سیّد مجذوب کے جسم کی نے دُرگا کی زنجیروں کی تمام کڑیاں ناکارہ کردیں، سب ٹاپتے رہ گئے۔''

''جمیل......'' کلدیپ نے منت کی۔ ''میرا کہا مان لو۔ میری آتما کو کسی امتحان میں نہ ڈالو۔ میں دُرگا دیوی یا سیّد مجذوب کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتی، صرف اتنا سمجھ لو کہ اب میری آتما بھی کبھی دوبارہ تمہارے پاس کسی بھی رُوپ میں نہیں آسکے گی۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن میں تمہیں کٹھنائیوں سے بچانا چاہتی ہوں......کیا تم میری آخری بنتی سویکار نہیں کرو گے؟ نراش کردو گے اپنی کلدیپ کو......؟''

میں ہونٹ چبانے لگا۔ میرا جنون اپنے شباب پر تھا۔ کلدیپ کہہ رہی تھی کہ یہ میری اور اس کی آخری ملاقات ہے۔ وہ چلی گئی تو پھر میری نظریں اُسے کسی رُوپ میں نہیں دیکھ سکیں گی۔ میں مخمصے میں گرفتار تھا جب ایک خیال میرے ذہن میں اُبھرا۔

''کلدیپ......کیا تم جانتی ہو کہ پریتم لال نے انکارانی کو کیوں یاد کیا ہے......؟'' میں نے کلدیپ کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''مہاراج نے بلایا ہے تو اس کا بھی کوئی کارن ہوگا......'' اُس کے جواب میں صداقت نہیں تھی۔ وہ زبان کھولنے سے گریز کر رہی تھی۔

''تم مجھے ٹال رہی ہو......اپنے جمیل کو......؟'' میں نے شکوہ کیا۔

''تم نے بھی تو اپنی کلدیپ کی آخری اِچھا (خواہش) قبول کرنے سے انکار کردیا۔'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بھی تڑپ کر اُٹھا۔

''کلدیپ......'' میں نے اُس کا ہاتھ پوری قوت سے تھام لیا۔ ''مجھ سے رُوٹھ کر مت جاؤ۔ میں سکون سے نہیں رہ سکوں گا۔''

''میں نے تم سے ملنے کی خاطر جو آخری مہلت مانگی تھی اس کا سمے پورا ہو رہا ہے جمیل، ہو سکے تو میری بات پر دھیان کرلینا......''

وہ جانے کے ارادے سے بڑھی تو میں نے اُسے ہاتھوں کے حصار میں دبوچ لیا۔

''یہ پاپ ہے جمیل......'' اُس نے بڑے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''تم جس شریر کو چھو رہے ہو وہ میرا نہیں، امریتا کا ہے۔''

میں نے اُسے ہاتھوں کے شکنجے سے آزاد کردیا۔ اُس نے حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا، پھر تیز تیز قدم اُٹھاتی دروازہ کھول کر واپس چلی گئی۔ میرے خواب پھر چکنا چور ہو گئے۔ میرے وجود میں مایوسیوں کی کرچیاں چبھنے لگیں۔ میں سر تھام کر بستر پر بیٹھ گیا۔

کلدیپ کی باتیں میرے جسم کے سناٹے میں گونجتی رہیں۔ میرے دل و دماغ میں کشمکش
جاری تھی۔ میں کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مبتلا تھا جب کسی کے کھنکھارنے کی
آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے آواز کی سمت نظریں اُٹھائیں...... میری پلکوں نے جھپکنا
بند کر دیا۔

سیّد مجذوب میرے سامنے دیوار سے ٹیک لگائے پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اُس کی
داڑھی حسب معمول جھنکاڑ کی مانند بڑھی ہوئی تھی۔ لباس تار تار نظر آ رہا تھا۔ لیکن چہرے پر
وہی جلال موجود تھا جسے میں نے پہلی بار رکن الدین کی حویلی میں دیکھا تھا۔ وہ قلندرانہ
انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔ ہونٹوں سے ٹپکنے والی رال اُس کے لباس میں جذب ہو رہی تھی۔
وہ کامل بزرگ تھا، مجذوب تھا، اُسے کسی ظاہری رکھ رکھاؤ، نمود و نمائش کی ضرورت نہیں تھی۔
خدا نے اُسے اپنے فیض و کرم سے نواز رکھا تھا...... کچھ دیر تک وہ سنجیدگی سے مجھے گھورتا رہا
پھر مسکرا کر بولا۔

”قلابازیاں کھا رہا ہے...... نوٹنکی کے مسخرے......“

”میری مشکل حل کر دو پیر و مرشد......“ میں نے بڑی عاجزی سے درخواست کی۔ ”مجھے
کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔“

”ممیرے کی سلائی پھیر لے...... چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔“

”میں جس موڑ پر کھڑا ہوں وہاں مجھے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔“

”جہاں سیر...... وہاں سوا سیر......“ وہ دیدے نچا کر بولا۔ ”کان کا کھونٹ نکالنے کی
عادت ڈال لے......“

”تم نے اب بھی میری مدد نہ کی تو میں ڈوب جاؤں گا سیّد۔“ میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔
”میرا انجام بڑا بھیانک ہو گا۔“

”ڈر گیا...... لنگوٹی چھوڑ کر بھاگنے کی سوچ رہا ہے......؟“

”اور کیا کروں......؟“ میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔

”آنکھوں پر پٹی باندھ لے...... کنوئیں میں چھلانگ مار دے۔“

”تم نے پھر اشاروں میں بات شروع کر دی؟“ میں جھلا گیا۔ ”مجھے روشنی کی ایک کرن
دکھا دو...... تمہیں اپنی بزرگی کا واسطہ۔“

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، دیوانوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی حرکتیں بلا سبب
نہیں تھیں۔ میں نے پھر اُسے آواز دی۔

”سیّد...... اپنے پیروں کی تھوڑی سی دھول میرے سر پر ڈال دو۔“

”جل جائے گا......“ اُس نے مجھے غضبناک نظروں سے گھورا۔

”تمہارے ہاتھوں جلا تو میری عاقبت سنور جائے گی...“ میں نے انکساری کا اظہار کیا۔

”ہوا میں اُڑنے لگا...... نوسر باز...... مداری۔“

”مجھے تمہاری بددعائیں بھی منظور ہیں...... آج کوئی فیصلہ کر دو......“

”چھلانگیں جاری رکھ۔“ وہ ہاتھ نچا کر مدھم آواز میں بولا۔ ”ٹِک ٹِک...... ٹِک ٹِک
پر کان جما دے۔“

میں نے کچھ کہنا چاہا، وہ پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے خود کو بستر پر ڈھیر کر دیا۔
سیّد کے اشارے میری سمجھ سے بالاتر تھے۔ میں ان کی تہہ تک پہنچنے کی خاطر ذہنی جمناسٹک
میں مصروف تھا جب انکا میرے سر پر آ گئی۔ بڑی اُداس اُداس نظر آ رہی تھی۔

”کیا ہو گیا انکا رانی......؟“ میں نے اُسے چھیڑا۔ ”کیا پریتم لال نے بھی تم پر کچھ
پابندیاں عائد کر دیں جو اُجڑی اُجڑی لگ رہی ہو......؟“

”پابندی......“ انکا نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ”تم کن پابندیوں کی بات کر رہے ہو......؟“
میں محتاط ہو گیا۔ میں نے کلدیپ کی آتما کے آنے کی بات ظاہر کرنی مناسب نہیں
سمجھی۔ انکا پراسرار قوتوں کی مالک تھی، اُس کی نظریں دلوں کا بھید بھی جان لیتی تھیں۔
پابندیوں کا ذکر میری زبان سے سن کر اُس کا چونکنا خالی از علت نہیں ہو سکتا تھا۔

”کس لئے یاد کیا تھا پریتم لال نے......؟“ میں نے کلدیپ کا خیال دل و دماغ سے
نکال کر سوال کیا۔

”مہاراج نے کہا ہے کہ میں تم سے اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں۔“ وہ میرے سر پر
کسمسانے لگی۔

”کس بات کی معافی......؟“ میں نے وضاحت چاہی۔

”مجھے شما کر دو جمیل۔“ اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”مہاراج نے کہا ہے کہ تم نے
شیوا کو زندہ چھوڑ کر کوئی غلطی نہیں کی، وہ تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا......“

''اور کچھ......؟'' میں نے بے نیازی سے دریافت کیا۔

''ہاں...... '' وہ کچھ توقف سے بولی۔ ''مہاراج نے ایک بات اور کہی تھی۔ اُس کی آتما کو دھرتی سے آکاش پر بلا لیا گیا ہے۔ اب وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب کوئی میرے جنونی فیصلوں میں اڑنگا نہ لگائے۔ جو کچھ ہونا ہے ایک بار ہو جائے۔'' میں نے دلبرداشتہ ہو کر کہا۔ ''انکا رانی، تم چاہو تو تم بھی میرا ساتھ چھوڑ دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔''

''ایسی بات مت کرو جمیل......'' اُس نے تڑپ کر جواب دیا۔ ''میں تم سے دُور رہ کر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔''

''پھر ایک بات کا وعدہ کرو۔ آج کے بعد تم مجھ سے رُوٹھنے کا کوئی انداز نہیں اختیار کرو گی...... سنا تم نے؟ ہمارے درمیان صرف اچھے دوستوں کا رشتہ برقرار رہے گا...... ہم کسی کسی بات کے لئے پابند نہیں کریں گے۔ ہمیں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو گا۔''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا، اثبات میں سر کو جنبش دے کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر میرے بالوں میں دُبک گئی۔ اُس کے خاموش احتجاج کا وہ انداز بھی دیدنی تھا۔ میں نے اُٹھ کر روشنی بجھائی، پھر بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگا۔ کلدیپ اور سیّد مجذوب کی باتیں میرے دماغ میں گونجنے لگیں......!

کلدیپ، امریتا کے رُوپ میں سامنے آ کر مجھے پھر حیران کر گئی تھی۔ اُس نے جاتے جاتے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ آخری بار دیوی دیوتاؤں سے اجازت لے کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ ہو سکے تو میں اُس کے مشورے پر غور کروں۔ اُس کا مشورہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ جنون اور وحشتوں کے سفر میں وہ ہمیشہ میرے شانہ بشانہ میرے ساتھ ساتھ رہی تھی۔ بدری نرائن جیسے موذی اور سخت جان دشمن سے طویل جنگ لڑنے کے دوران اُس نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ وہ میسور کی پہاڑیوں میں کلدیپ کے رُوپ میں بیٹھی جاپ بھی کرتی رہی، کلپنا کے رُوپ میں میری مدد بھی کرتی رہی۔ پنڈت کالی داس کو تاج محل ہوٹل میں میری وجہ سے بٹھایا گیا تھا۔ پجارن کجرا کو اُس کا من بہلانے کی خاطر بھیجا گیا تھا۔ کلدیپ اگر کجرا کے جسم پر قبضہ کر کے مجھے کالی داس کی موجودگی سے باخبر نہ کرتی تو میں اندھیرے میں کام آ جاتا۔ اُسی کے ادھورے کام پورے

کرنے کی وجہ سے پریتم لال نے مجھے خودکشی کرنے سے باز رکھا تھا۔ اور اب جب میں اپنی منزل کے آخری سنگ میل کے قریب پہنچ گیا تو وہ یہ کہنے آئی تھی کہ میں تمام جھگڑوں سے منہ پھیر کر کہیں گوشہ نشینی اختیار کر لوں، دشمنوں کو پیٹھ دکھا کر واپس لوٹ جاؤں......!!

''کیوں؟...... آخر کیوں؟'' میں نے سوچا۔ ''وہ کون تھا جس کے درمیان میں آ جانے سے بساط کا رُخ پلٹ گیا تھا؟ کلدیپ نے کھل کر اُس کا نام لینے سے کیوں گریز کیا تھا؟ وہ ایسی کون سی قوت تھی جس سے کلدیپ کی آتما بھی خائف تھی؟''...... دُرگا......! وہ یقیناً دُرگا ہی ہو گی جس نے اوم پرکاش کی موت پر سرزنش کرنے کی خاطر مجھے اکیس روز کے عتاب سے دوچار کیا تھا۔ گرو پرتاپ نے کہا تھا کہ میں اکیس روز تک اپنے پنکھ سمیٹے کہیں خاموش بیٹھا رہوں۔ سیّد کو میری کسمپرسی پر رحم آ گیا۔ دُرگا کو سیّد کی مداخلت ناگوار گزری، اُسی نے دھرم کرم کے درمیان دیوار کھڑی کی ہو گی۔ کلدیپ زندہ ہوتی تو اور بات تھی۔ مجھے یقین ہے، وہ کئی زندگیاں مجھ پر قربان کر سکتی تھی۔ لیکن اُس کی آتما دیوی دیوتاؤں کے قبضے میں تھی، وہ مجبور ہو گئی ہو گی......!

انکا نے بھی واپسی کے بعد کوئی اچھی خبر نہیں سنائی تھی۔ لندن کے ہسپتال میں پریتم لال کی آتما نے مجھے خودکشی کے ارادے سے روک دیا تھا، کلدیپ کے ادھورے مشن کی تکمیل کی ہدایت کی تھی۔ میری ہی خاطر اُس نے انکا رانی کو اضافی قوتوں سے مالا مال کیا تھا۔ اُس نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اس کا سایہ میرے ساتھ ساتھ رہے گا...... اب وہ بھی پیچھے ہٹ گیا۔ انکا رانی نے میرے استفسار پر یہی بتایا تھا کہ مہاراج کی آتما کو بھی آسمانوں پر طلب کر لیا گیا ہے۔ وہ بھی میری مدد کو نہیں آئے گا......

''دُرگا...... دُرگا...... دُرگا......'' میرے ذہن میں ایک ہی نام کی بازگشت ہو رہی تھی۔

میرا دل چاہا اُٹھ کر پوری کوٹھی کی تمام بتیاں روشن کر دُوں، ایک ایک کو سوتے سے جگاؤں، بے اختیار قہقہے لگانا شروع کر دُوں۔ لوگ میری دیوانگی کا سبب پوچھیں تو میں کہوں۔

''تمہاری دُرگا نے میرے اُوپر پہرے بٹھانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ وہ ایک ایک کر کے میرے ساتھیوں، میرے جانثاروں کو مجھ سے دُور کر رہی ہے۔ مجھے تنہا کر کے میری بے بسی کا تماشہ دیکھنا چاہتی ہے۔ سیّد سے نہیں جیت سکی تو اس کا انتقام مجھ سے لے رہی ہے...... کچھ سنا تم نے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟ دُرگا پانی کے آگے بند باندھنے کی کوشش کر

رہی ہے۔ بپھرے ہوئے سمندر کی سرکش موجوں کے آگے سرکنڈوں کی باڑھ لگانے کی خواہشمند ہے۔ شاید اُسے نہیں معلوم کہ میں کئی بار کالی کے مندر بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر داخل ہو چکا ہوں۔ کالی کے کئی سیوک میرا راستہ کھوٹا کرنے کی حماقت میں جان گنوا بیٹھے۔ کئی پجارنیں میری وحشت کے درمیان آ کر روندی گئیں۔ کیا دُرگا کو اس کا علم نہیں ہوگا......؟ اگر وہ واقف ہے تو پھر تم سب مل کر پتھر کی اس مورتی کو سمجھاؤ...... تم نے ہی اسے تشکیل دیا ہے، اس پر رنگ روغن چڑھا کر اس کے نقوش اُجاگر کئے ہیں۔ تم اسے مندر میں بلند مقام پر سجا کر اس کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہو۔ اس کی پوجا کرتے ہو۔ میں تمہارے رسم و رواج، تمہارے دھرم کرم کے معاملات میں ٹانگ نہیں پھنسا رہا۔ لوگ درختوں کی پوجا کرتے ہیں، بھڑکتی ہوئی آگ کے سامنے سجدے کرتے ہیں، جانوروں کو دیوتا مانتے ہیں۔ اپنے اپنے اعتقاد، اپنے اپنے یقین کی بات ہے۔ کون اچھا ہے؟ کون برا؟ اس کا فیصلہ بھی میرے اختیار کی بات نہیں۔ میں تم سے صرف اتنی درخواست کر رہا ہوں کہ تم اپنی زبان میں دُرگا کو سمجھاؤ کہ جمیل احمد خاں کسی انسان کا نہیں، ایک وحشی، ایک دیوانے کا نام ہے۔ وہ ہوش مندی کی باتیں نہیں کرتا، جوش میں آ کر ہوش کھو بیٹھتا ہے، مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، من مانی کرتا ہے۔ اپنی اسی دیوانگی کے سبب وہ کئی بار مرا، کئی بار زندہ ہوا۔ اس کی وحشتوں کی لپیٹ میں آ کر اس کے اپنے بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ سہارے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے۔ اب وہ تنہا ہے، ایک تنہا آدمی کو دُرگا اور کیا تنہا کرے گی؟ جنگلی درندوں کو طوطا مینا پالنے والے تیلیوں کے پنجرے میں نہیں بند کیا جاتا...... جو خود موت کا خواہاں ہو اُسے کوئی موت سے کیا ڈرائے گا......؟ اسے سمجھاؤ، اس سے کہو کہ ایک گرتی ہوئی دیوار کے سائے میں آنے کی حماقت نہ کرے، دیوار گری تو وہ بھی پاش پاش ہو جائے گی۔ آندھیوں کی زد پر چراغ روشن کرنا شاعروں کی نازک خیالی ہے...... میں شاعر نہیں ہوں، بت پرستی بھی میرا شیوہ نہیں۔ میں پہلے ہی وحشتوں کا مارا ہوں، وہ مجھے چھیڑے گی تو میرے جنون میں کمی نہیں ہوگی، میری درندگی اور بڑھ جائے گی...... ابھی میں ہوش میں ہوں، تم میری بات غور سے سنو۔ دُرگا کو بھی جا کر سمجھانے کی کوشش کرو، کل میں ہوش کھو بیٹھا تو کچھ یاد نہیں رہے گا۔ ایک بات سمجھ لو، میں تنہا نہیں گروں گا، میرے ساتھ بڑے بڑے پنڈت، بڑے بڑے بت بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر مجھ سے کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہ کرنا...''

میں بستر پر لیٹا کروٹیں لیتا رہا۔ کلدیپ اور پریتم لال کی باتیں میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا رہی تھیں۔ مجھے پریتم لال سے زیادہ کلدیپ کی یاد ستا رہی تھی۔ وہ میری زندگی تھی، میری رُوح تھی۔ جب تک زندہ رہی اُس کی ہر سانس مجھ سے وابستہ رہی۔ اُس کی موت بھی میری خاطر ہوئی۔ زندگی کی آخری سانسیں اُس نے میری آغوش میں گزاری تھیں۔ ان دنوں اُسے مجھ سے ایک لمحہ کی جدائی بھی منظور نہیں تھی، میری بانہوں میں سمٹی بڑی حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتی رہتی۔ پریتم لال کی کٹیا اُس کے لئے سب سے بڑا استھان تھا۔ میں پہلے کبھی اُس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تو وہ اپنا جسم سمیٹ لیتی، دُور دُور رہنے کے بہانے تراشنے شروع کر دیتی۔ مگر آخری دنوں میں وہ خود پروانے کی طرح مجھ پر نثار ہونے لگی، بار بار میرے ہونٹوں کو چومنے لگتی، لگاوٹ کی باتیں شروع کر دیتی۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ میسور کی پہاڑیوں سے نیچے آنے کے بعد اسے اپنی زندگی کا ہم سفر بنا لوں گا۔ میری زندگی کا خلاء پُر ہو جائے گا۔ میں اس سے آنے والے کل کی باتیں شروع کر دیتا، اُس سے سہاگ رات کی باتیں کرتا تو اُس کی آنکھوں میں مسرتوں کے سینکڑوں دیئے ٹمٹمانے لگتے۔ اُس کی خوبصورت آنکھیں نمناک ہو جاتیں۔ میں انہیں خوشی کے آنسو سمجھتا، میں اُس کے انجام سے بے خبر تھا۔ اُسے علم تھا کہ کالی کو دیئے ہوئے وچن کو نبھانے کی گھڑی نزدیک آ رہی ہے...... پھر جب اُس نے حقیقت کا انکشاف کیا تو میں پاگل ہو گیا۔ وہ مجھے آخری سانس تک سمجھاتی رہی، دلاسے دیتی رہی...... مجھے یاد ہے کلدیپ نے آخری سانس اُکھڑنے سے پیشتر بڑی مشکل سے اُٹھ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا تھا، پھر کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح میری آغوش میں گر گئی۔ وہ ہمیشہ کے لئے زندگی سے منہ موڑ گئی۔ میں اُسے روک نہ سکا۔ انکارانی نے مجھے بے ہوشی سے دوچار نہ کیا ہوتا تو میں کلدیپ کے حسین جسم کو ہاتھوں میں لئے کسی بلند چٹان سے چھلانگ لگا دیتا، کہانی وہیں ختم ہو جاتی۔ لیکن موت پر بھی انسان کا بس نہیں چلتا۔ میں کلدیپ کے بغیر بھی زندہ رہا، اُس کا جسم میری نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گیا...... اُس کی رُوح کبھی کبھی دیوی دیوتاؤں سے کچھ مہلت طلب کر کے مجھے بہلانے کے لئے آ جاتی...... اب اُس کی رُوح پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ وہ دُرگا جیسی مہان دیوی کے آگے زبان نہیں کھول سکتی تھی، بے بس ہو گئی ہو گی......!!

میں کرب کے عالم میں گرفتار تھا جب انکارانی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ شاید وہ بھی جاگ رہی تھی، اُسے بھی میری بے چینی کا علم ہو گیا تھا۔

''جمیل...... دل چھوٹا مت کرو۔ میں جو تمہارے پاس ہوں۔'' وہ مجھے سمجھا رہی تھی۔ ''جو چلے گئے وہ واپس نہیں آ سکتے۔ جو باقی ہیں ان کے بارے میں بھی کبھی محبت سے سوچ لیا کرو......''

''تم تزئین کی بات کر رہی ہو......؟'' مجھے وہ گڑیا یاد آ گئی جسے میں نے اشرفی بیگم سے زبردستی چھین لیا تھا۔ وہ مجھے بابا کہنے لگی تھی، میری کلدیپ بھی اُسے ماں کی طرح پیار کرتی تھی۔ ہم دونوں نے سیّد غوث کا انتخاب کر کے اُس کی شادی کر دی تھی۔ ایک مدت سے میں نے اپنی گڑیا کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ میرے اندر کا غبار تزئین کا نام سن کر چھٹنے لگا، خیالات کے بہاؤ کا رُخ بھی تبدیل ہو گیا۔

''اور بھی کچھ دلوں میں تمہاری بے پناہ محبت موجود ہے۔'' وہ بڑی اُداسی سے بولی۔ ''تم نے کبھی دل میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔''

''کبھی فرصت ملی تو اطمینان سے دیکھوں گا......'' میں نے انکارانی کا دل رکھنے کو کہا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کے مرجھائے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اُمید کی کرنیں اُس کی آنکھوں میں جھلملانے لگیں۔ پہلے وہ احساسات اور جذبوں کی صداقت سے ناواقف تھی، میرے ساتھ رہتے رہتے وہ بھی سرد و گرم کا فرق سمجھنے لگی تھی۔

''کس کس کو دیکھنے کا وقت نکالو گے......؟'' اُس نے شوخی سے کہا۔ ''اس چھت کے نیچے بھی ایک باسی کڑھی میں اُبال آ رہا ہے۔ میں اوشا کماری کی بات کر رہی ہوں۔ نارنگ ابھی تک جاگ رہا ہے، اپنے اُلجھے ہوئے بکھیڑوں کا حل تلاش کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اور وہ اُس کے ساتھ لیٹی تمہاری یاد میں ٹھنڈی آہیں بھر رہی ہے......''

''تمہیں برا نہیں لگ رہا......؟'' میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔ اب صرف وہی رہ گئی تھی۔ وہ بھی رُوٹھ کر رخصت ہو جاتی تو زندگی میں بڑا سناٹا طاری ہو جاتا۔ کبھی صرف سائیں سائیں کی خیالی آوازیں بھی انسان کو ڈنک مارنے لگتی ہیں، اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

''ایسا مت سوچو جمیل......'' انکارانی میرے خیالات پڑھ کر کسمسانے لگی۔ پیار سے بولی۔ ''میں خود سے تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ تم دھتکار دو تو اور بات ہے......''

''میں تمہاری مجبوریاں سمجھتا ہوں انکارانی، مجھے اپنی کوتاہیوں کا بھی احساس ہے۔ لیکن کبھی کبھی انسان خود اپنے آپ سے بھی بے بس ہو جاتا ہے۔ جذبات سر اُبھارتے ہیں تو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔'' میں نے سچے دل سے کہا۔ ''میری باتوں کا برا نہ مانا کرو...... تم تو میری زندگی کے ہر پہلو، تمام نشیب و فراز سے واقف ہو۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟''

''اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے......؟'' اُس نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

''میں نے طے کر لیا ہے...... میری اگلی منزل ہردوار ہو گی۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں جمیل،! جو ہو گا، دیکھا جائے گا......'' انکارانی کے لہجے میں اُس کا خلوص بھی شامل تھا۔ میرے ذہن سے تنہائی کا احساس چھٹنے لگا......!!

❁❁❁

صبح ناشتے کی میز پر سب ہی اُداس تھے۔ شاید نارنگ نے اُنہیں میری روانگی کی اطلاع دے دی تھی۔ خود نارنگ بھی کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ میری نظریں رہ رہ کر امریتا کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ اُس کا جسم بے حد تر و تازہ و شاداب نظر آ رہا تھا۔ اسی جسم میں گزشتہ رات میری کلدیپ مجھ سے آخری بار ملنے آئی تھی۔ اس جسم کے نشیب و فراز میں مجھے کلدیپ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اوشا کماری کے چہرے پر اُداسی کے علاوہ اپنی شکست کا احساس بھی مچل رہا تھا۔ وہ نارنگ سنہا جیسے قد آور شخص کی بیوی تھی۔ نارنگ پر نہ سہی لیکن دوسروں پر اُس کا حکم ضرور چلتا تھا۔ اُس کے ایک اشارے پر کوئی بھی اُس کے قدموں میں جھک سکتا تھا۔ نہ جھکتا تو کسی ناکردہ گناہ کے الزام میں مار دیا جاتا۔ میرے سلسلے میں اُسے مایوسی ہوئی تھی۔ وہ اپنے شکار کو بے بس کر کے مارنے کی عادی تھی۔ اُس نے میرے اوپر بھی جال ڈالنے کی کوشش کی۔ اُس کا خیال تھا کہ میں بھی دو چار روز میں اس کی حیثیت سے استفادہ حاصل کرنے کی لالچ میں آ کر اس کی خواہشات کی دہلیز پر سر جھکا دوں گا۔ میں اتنی جلدی جانے کے لئے پابہ رکاب ہو جاؤں گا، یہ بات اُس کے وہم و گمان میں نہیں تھی۔ ورنہ ممکن ہے وہ مجھے تسخیر کرنے کا عمل تیز کر دیتی۔ انکارانی میرے سر پر بیٹھی سب کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی تھی۔

"جمیل......" میں ناشتے سے فارغ ہو کر اُٹھنے لگا تو اُس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "مجھے نارنگ کے ارادے نیک نظر نہیں آ رہے۔"

"کیا مطلب......؟" میں چونکا۔

"وہ تمہیں ہردوار جانے سے روکنے کے منصوبے [illegible] ہے۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اُسے ابھی دہلی میں تمہاری ضرورت ہے۔"

"ایسا نہیں ہوگا" میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "نارنگ مجھے روکنے میں

کامیاب نہیں ہوگا۔ میں اُسے اپنے ارادے سے آگاہ کر چکا ہوں۔"

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کی نظریں نارنگ کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ میں سب سے رخصت ہو کر کوٹھی کے باہر آ گیا۔ نارنگ میرے ساتھ ساتھ تھا۔ پورٹیکو میں ایک کار تیار کھڑی تھی، باوردی ڈرائیور بھی موجود تھا۔

"مہاراج...... کیا تم میرے لئے کچھ دن اور نہیں رُک سکتے؟" نارنگ نے دبی زبان میں کہا۔ "تم نے بڑی مچھلیوں کے بارے میں جو کچھ کہا وہ غلط نہیں ہے۔ وہ گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے اُن کی نظریں مجھ تک پہنچ جائیں۔"

"اسی کارن میں نے کہا تھا کہ کچھ دنوں کے لئے ملک سے دُور چلا جا......" میں سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اور وہ سور کے بچے جو میری قید میں ہیں؟" وہ ہونٹ چبانے لگا۔

"اُنہیں ختم کرا دے۔"

"اتنی جلدی میں اُنہیں موت کی نیند نہیں سلاؤں گا۔" نارنگ کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھانے لگا۔ "اُن حرامزادوں نے امریتا پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کی تھی۔ نارنگ کی عزت سے کھیلنے کی حماقت کی تھی۔ میں اُنہیں سسکا سسکا کر بڑی اذیتناک موت ماروں گا۔"

"تیری مرضی......" میں نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"رُک جاتے تو اچھا تھا......" اُس نے بڑی عاجزی کا اظہار کیا۔

"مجھے بھی کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔ موقع ملا تو پھر آؤں گا۔" میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ اُس نے دوبارہ مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں گاڑی میں بیٹھ کر اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گیا۔ انکا میرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی کسی سوچ میں مستغرق تھی۔ میں نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ابھی تک نارنگ کے خیال سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکی تھی۔ میرے دماغ میں بھی نارنگ ہی کلبلا رہا تھا۔ میں نے زیر زمین کام کرنے والے دشمنوں کے بارے میں زبان کھول کر کسی دُور اندیشی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ مجھے اپنی زبان بند رکھنی چاہئے تھی۔ جرائم کی غلاظتوں میں لتھڑے ہوئے مگرمچھ آدم خور شیروں کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ ٹانگ پکڑ لیں تو شیر بھی دلدل سے باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

وقتی طور پر نارنگ نے میری بڑائی تسلیم کر لی تھی۔ میں نے اُسے اوشا کماری کی زبانی امریتا کے اغواء کی تفصیل سنوا کر اپنا غلام بنا لیا تھا۔ میں دہلی میں اُس کی کوٹھی میں رہتا تو وہ میرے پاؤں دھو دھو کر پینے سے بھی کبھی دریغ نہ کرتا۔ لیکن وہ میری دُوری برداشت نہیں کر سکتا تھا، بڑے پیمانے پر جرائم کرنے والے پیشہ ور افراد اپنے کسی راز کو کبھی دوسروں کے ہاتھ نہیں لگنے دیتے۔ ایک ذرا سے شبہ پر وہ اپنے سگے بھائی کو بھی زندہ درگور کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ میں نارنگ کا رشتہ دار نہیں تھا، میں نے اُسے آنے والے حالات سے بھی باخبر کر دیا تھا، یہ وارننگ بھی دی تھی کہ اگر اُس نے میرا کہا نہ مانا تو اس کے ستارے گردش میں آ جائیں گے۔ اگر وہ صرف جرائم پیشہ ہوتا، کسی مافیا کا سربراہ بھی ہوتا تو میری بات پر عمل کرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہ کرتا۔ لیکن وہ ایک ہی وقت میں دو کشتیوں پر پیر جمائے کھڑا تھا۔ راج منتری کی حیثیت میں اُس نے جو ساکھ بنائی تھی وہ اُس کے جرائم کی پردہ پوشی کرتی تھی۔ حکومت کا ایک اہم ستون ہونے کے ناتے اُسے بڑے وسیع اختیارات حاصل تھے۔ اُس کے مخالفین بھی اُس کی سرد و گرم سننے اور برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ وہ اس عہدے کو چھوڑنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا، شیر کی کھال اُس کے جسم سے عارضی طور پر علیحدہ ہو جاتی تو نہ صرف اُس کے سیاسی دشمن اُس کی جان کے لاگو ہو جاتے بلکہ انڈرورلڈ کے مخالفین بھی پہلی فرصت میں اُسے بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر دانت تیز کرنے لگتے۔ نارنگ کسی ایک کشتی سے بھی پاؤں ہٹانے کو تیار نہیں تھا۔ اسی لئے مجھے روکنے کی بار بار کوشش کر رہا تھا۔ وہ میری پراسرار ماورائی قوتوں کے ذریعے اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ میں اُس کے خواب چکنا چور کر کے واپس جا رہا تھا۔ اُس کا تلملانا قدرتی امر تھا۔

اسٹیشن کے راستے میں میرے اور انکارانی کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں گم رہے۔ گاڑی اسٹیشن پر جا کر رُکی۔ میں نیچے اُترا تو ریلوے کے عملے کے ایک اعلیٰ آفیسر نے میرا استقبال کیا۔ شاید نارنگ نے فون کے ذریعے اُسے ہدایت کیا تھا۔ ہردوار جانے والی گاڑی دوسرے پلیٹ فارم پر تیار کھڑی تھی۔ مجھے ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں بٹھا دیا گیا جس میں دو مسافر پہلے سے موجود تھے۔

''کچھ جل پانی کرو گے مہاراج......؟'' جس آفیسر کو میری دیکھ بھال کی ہدایت کی گئی تھی

اُس نے بڑی انکساری سے پوچھا۔

''گاڑی چلنے میں کتنی دیر باقی ہے......؟'' میں نے اُس کی بات نظر انداز کر دی۔ انکارانی کچھ سوچ کر میرے سر سے اُتر گئی۔

''بیس منٹ......''

''تمہارا شبھ نام......؟''

''سیوک کو راجہ رام کہتے ہیں......'' اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''منتری جی کی بڑی کرپا ہے جو انہوں نے آپ کی سیوا کے لئے میرا چناؤ کیا۔ وہ بتا رہے تھے کہ آپ مہان شکتی کے مالک ہیں۔ مٹی کو ہاتھ لگا دیں تو وہ بھی سونا بن جائے۔ کچھ اپنے اس سیوک کو بھی دان کر دو مہاراج......''

میں نے سرسری نظر سے اُس کے دل میں جھانک کر دیکھا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ ایک عیاش صفت آدمی تھا۔ جس عہدے پر فائز تھا وہاں تک پہنچنے کی خاطر بھی اُس نے خوشامد اور خوبصورت لڑکیوں کی سفارش استعمال کی تھی۔ ایسا نہ کرتا تو ہیڈ کلرک کے عہدے سے آگے کبھی نہ بڑھ پاتا۔

''تمہارا ایک اشارہ ہو جائے گا، میرے بھاگیہ کے دوار کھل جائیں گے۔'' اُس نے دوبارہ منت کی۔

''میری ایک بات مانے گا......؟'' میں نے سنجیدگی سے اُسے گھورا۔

''تم حکم دو مہاراج......''

''صرف رام رام کرنا شروع کر دے۔ راجہ کا پھندنا اپنے نام سے نکال کر پھینک دے۔''

''میں...... میں سمجھا نہیں مہاراج......'' وہ گڑبڑانے لگا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات کہہ رہے تھے کہ وہ میری بات کی تہہ تک پہنچ گیا ہے، جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''گھر کی صاف ستھری سبزی، تازہ بھاجی پر گزارا کرنے کی عادت ڈال لے۔ بازار کی چٹ پٹے بھوجن پر منہ مارتا رہا تو پیٹ گڑبڑ ہو جائے گا۔'' میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''جا...... چھٹی کر۔ کوئی دفتر میں بیٹھی تیری راہ تک رہی ہے۔''

میں نے اُس کی پول کھول دی تو وہ سٹپٹانے لگا۔ خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا۔ میں نے

آنکھیں بند کر کے نشست سے ٹیک لگا لی۔ میرے ذہن میں نول کشور اور چندرا کا کلبلانے لگا۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کا عمل شروع کیا۔ اندھیرے میری نگاہوں سامنے سے چھٹنے لگے۔ مجھے کالی کا وہ عظیم الشان مندر نظر آنے لگا جہاں میرے دشمن بیٹھے تھے۔ مندر بڑے وسیع و عریض رقبے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اُس کے گنبد پر سونے کے جھلملا رہے تھے۔ پنڈت پجاری، دیوداسیاں اور پجارنیں جوق در جوق مندر میں داخل رہے تھے۔ ایک میلے کا سماں نظر آ رہا تھا۔ میں نے مندر میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ ایک نظر چندرا کو دیکھنا چاہتا تھا جو عہد شباب میں پیری کی باتیں سوچ رہا تھا۔ میں اُسے الزام نہیں ٹھہراتا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو شاید باپ کے انتقام کی آگ مجھے بھی جھلسا میں بھی عقل و دانش سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ رگوں میں دوڑتا ہوا گاڑھا جوان خون مجھے بھی سیاہ و سفید کے فرق سے بے نیاز کر دیتا۔ جو لوگ تیرنے کا تجربہ رکھتے وہ بھی اپنے پیاروں کو بچانے کی خاطر آنکھ بند کر کے سمندر میں چھلانگ لگا ہیں۔ حماقت کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب موت کے احساس سے دم گھٹنا شروع ہے۔ چندرا کو بھی غالباً علم نہیں تھا کہ وہ گلہری ہو کر پہاڑ سے ٹکرانے کا فیصلہ کر بیٹھا نول کشور نے اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا ہوگا، اُسے بتایا ہوگا کہ وہ اُس امر لال واحد سیوک ہے جسے دوسرے تمام پنڈت پجاریوں کے مقابلے میں کالی کا آشیرباد سے زیادہ حاصل تھا۔ گمراہی کے راستوں پر ڈالنے کی خاطر اُس کے معصوم کانوں میں کے قطرے ٹپکائے ہوں گے۔ زہریلی باتیں کی ہوں گی، اُسے اُکسانے کے لئے تجربوں کی دو دھاری تلوار استعمال کی ہوگی۔ اُس سے کہا ہوگا کہ جمیل احمد خان کو جان مارنے کے بعد وہ امر ہو جائے گا۔ امر لال کی آتما کو بھی قرار آ جائے گا۔

چندرا کے علاوہ میں پنڈت نول کشور کے درشن بھی کرنا چاہتا تھا جو منڈل میں بجا رہا تھا۔ ناعاقبت اندیش پنڈت پجاریوں کو دھرم کے نام پر موت کے اندھے کنوئیں دھکیل رہا تھا۔ لیکن میری آرزو پوری نہ ہو سکی۔ میرے ذہن کی پرواز مندر کے صدر دروازے پر ہی کسی نادیدہ دیوار سے ٹکرا کر تھم گئی۔ میں نے نندا کے ایک اور عمل کو آزمایا حصار کو نہ توڑ سکا جو پنڈت نول کشور نے قائم کر رکھا تھا۔ میں نے تلملا کر آنکھیں کھول کمپارٹمنٹ میں ایک برقع پوش خاتون کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ ایک علیحدہ برتھ

سمٹائی بیٹھی تھی۔ دونوں مرد مسافروں کی نظریں بار بار خاتون کی طرف اُٹھ رہی تھیں برقعہ میں چہرہ چھپائے پلیٹ فارم کی دوسری جانب متوجہ تھی۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا موجود نہیں تھی۔

گاڑی نے وقت مقررہ پر رینگنا شروع کر دیا۔ میں پھر چندرا اور نول کشور کے خیال گم ہو گیا۔ نول کشور کو علم ہوگا کہ میں کئی بار جان ہتھیلی پر رکھ کر کالی کے مندروں میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس نے میرا راستہ روکنے کی خاطر بہت سوچ سمجھ کر ہی کوئی موثر قدم اُٹھایا ہوگا۔ منڈل کھینچا ہوگا جس کے اندر میری رسائی ممکن نہ ہو۔ اُسے دُرگا کی حمایت بھی ضرور حاصل ہوگی جس نے کلدیپ اور پریتم لال پر بندشیں لگا دی تھیں۔ میں نے سیّد کی لاٹھی پر گرفت مضبوط کر لی۔ مجھے یاد ہے، ایک بار کلدیپ نے بھی کہا تھا کہ میں اس لاٹھی کو سنبھال کر رکھوں، کسی آڑے وقت میں یہ میرے بڑے کام آئے گی۔ پریتم لال بھی اس کو دیکھ کر دیوانہ ہو گیا تھا۔ اُس نے بھی کہا تھا کہ اپنی زندگی بھر کی تمام پونجی اور لازوال قوتوں کے عوض بھی اگر وہ اس لاٹھی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو سودا مہنگا نہ ہوتا۔ میں نے بڑی عقیدت سے لاٹھی کو بوسہ دے کر سینے سے لگا لیا۔

دو اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ انکا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ برقع پوش خاتون بدستور سے چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ دونوں مسافر مردوں کی دلچسپی اُس میں بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک بار میرا دل چاہا کہ اُن کی تھوڑی سی گوش مالی کر دُوں۔ لیکن میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ ہردوار پہنچنے سے پیشتر میں کسی معاملے میں اُلجھنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن مقدر کے لکھے کو مٹانا بھی میرے بس کی بات نہیں تھی۔

گاڑی تیسرے یا شاید چوتھے اسٹیشن پر رُکی تو ڈبے کا دروازہ کھلا۔ ایک انسپکٹر چار پولیس والوں کے ساتھ دندناتا ہوا اندر گھس آیا۔ اُنہوں نے مجھ پر ریوالور اور رائفلیں تان لیں۔ میں موقع کی نزاکت نہ محسوس کر سکا۔

"تمہارا نام جمیل احمد خاں ہے.....؟" انسپکٹر نے کڑک کر سوال کیا۔

"ہاں....." میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ہمارے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔" وہ گرج کر بولا۔ "تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

''میرا جرم کیا ہے......؟'' میں نے انسپکٹر سے سوال کیا۔

''تمہارے اوپر دہلی کے ایک شریف خاندان کی لڑکی کو زبردستی اغواء کرنے کا ال
ہے۔'' انسپکٹر نے برقع پوش خاتون کی طرف ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر کہا۔ ''میرا خی
ہے کہ وہ لڑکی بھی تمہارے ساتھ ہی ہے......''

میرے ذہن میں انکا کے جملے گونجنے لگے۔ دہلی سے روانگی کے وقت اُس نے نارنگ
کی کوٹھی پر اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر مجھے ہردوار جانے سے روکنے
کوشش کرے گا۔ انکا رانی کو نارنگ کے ارادے نیک نہیں نظر آ رہے تھے۔ میں اُس
بات ٹال گیا تھا، مگر اب صورت حال واضح ہوگئی تھی۔ نارنگ نے مجھے دہلی سے خاصی
نکل جانے کے بعد روکنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ عملی صورت میں میرے سامنے تھا۔ میں
ایک لمحے کو آنکھیں بند کرلیں۔ انسپکٹر کو ایک جھٹکا دینا ضروری تھا۔

''تم نے سنا نہیں...... میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں......؟'' اُسے شاید میرے آنکھ بند
لینے کی ادا پسند نہیں آئی تھی۔

''کیا تم مجھے میرا وارنٹ گرفتاری دکھا سکتے ہو......؟'' میں نے آنکھ کھول کر سلجھے ہو
انداز میں کہا۔

انسپکٹر نے مجھے قہر آلود نظروں سے گھورا۔ دو مسافروں کی موجودگی میں وہ قدرے
نظر آ رہا تھا۔ میری بات سن کر اُس نے بڑے اعتماد سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میں اُس کی
خوداعتمادی پر مسکرا دیا۔ اُس نے یکے بعد دیگرے تمام جیبیں کھنگال ڈالیں لیکن دو چار نوٹوں
کے سوا کچھ اور برآمد نہیں ہوا۔ اُس کی حیرت قابل دید تھی۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے......'' میں نے بڑے سکون سے کہا۔ ''میں لڑکیاں اغو
کرنے کا کام نہیں کرتا......''

''یہ...... یہ لڑکی کون ہے؟'' اُس نے جھلا کر برقع پوش خاتون کی سمت اشارہ کیا۔

''تم یہ سوال براہِ راست خاتون سے بھی کر سکتے ہو۔'' میرے لہجے میں رُوکھائی آ گ
انسپکٹر، خاتون کی سمت بڑھنا چاہتا تھا، وہ خود اُٹھ کر قریب آ گئی۔

''میں تمہیں کوئی اغواء شدہ لڑکی نظر آتی ہوں......؟'' خاتون نے برقع کا نقاب
سے ہٹایا تو دونوں مسافر بھی کسمسانے لگے۔ انسپکٹر کے منہ کا مزہ بھی کرکرا ہو گیا۔ میں

مسکرا دیا۔

نقاب پوش خاتون ایک ادھیڑ عمر کی عورت ثابت ہوئی جس کے چہرے پر چیچک کے
بے شمار داغ نظر آ رہے تھے۔

''آئی ایم سوری میڈم، لیکن......'' انسپکٹر اپنا جملہ مکمل نہ کرسکا۔ جو کچھ ہوا وہ شاید اُس کی
توقع کے برعکس تھا۔ عورت بل کھاتی اپنی نشست پر واپس چلی گئی۔ انسپکٹر ایک لمحے خاموش
رہا پھر جھلا کر بولا۔ ''کچھ بھی ہو، تمہیں ایس پی کے آفس تک بہرحال میرے ساتھ چلنا ہو
گا۔''

''اپنا وقت برباد مت کرو انسپکٹر......'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''بغیر وارنٹ
کے تم مجھے گرفتار نہیں کرسکتے۔ میرے ساتھ سفر کرنے والے دو مسافر بھی اس بات کے گواہ
ہیں کہ تم بلاوجہ مجھے تنگ کر رہے ہو...... بات بڑھانے کی کوشش نہ کرو تو تمہارے حق میں
زیادہ مناسب ہوگا۔ جن لوگوں نے تمہیں بھیجا ہے اُن سے جا کر کہہ دینا کہ اپنی کھال ہی
میں رہیں...... مجھے دوبارہ چھیڑنے کی کوشش کی تو بڑے گھاٹے میں رہیں گے...... سمجھ رہے
ہو، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

گارڈ کی تیسری سیٹی کی آواز سنائی دی، انسپکٹر کے تیور یکلخت بدل گئے۔ وہ سپاہیوں کو
پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا ڈبے سے باہر نکل گیا۔ انکا رانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی
نگاہوں میں شعلے دہک رہے تھے۔

''دیکھ لیا جمیل......؟ میں نے نارنگ کے بارے میں جو کہا وہ غلط نہیں تھا۔'' اُس نے
مجھے پوری تفصیل سناتے ہوئے کہا۔ ''یہ انسپکٹر اُسی کے اشارے پر آیا تھا......''

''بغیر وارنٹ کے......'' میں نے جواب دیا۔

''میں تمہاری قوتوں سے ناواقف نہیں ہوں۔'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''وہی
وارنٹ اُس کی جیب سے دوبارہ برآمد ہوگا تو وہ اپنا سر پیٹ لے گا۔ یہ بھی مت بھولو کہ اگر
تم نے پولیس کی خریدی ہوئی حسینہ کو روک کر اُس کی جگہ اس نقشین چہرے والی برقع پوش
خاتون کو گاڑی میں نہ چڑھایا ہوتا تو اُس کے بیان پر تم بغیر وارنٹ کے بھی دھر لئے جاتے۔''

''احسان جتا رہی ہو......؟'' میں نے انکا رانی کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''نہیں...... تم سے دوستی کا حق ادا کر رہی ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر کہا، پھر نقاب پوش

خاتون کے سر پر واپس چلی گئی جو اگلے اسٹیشن پر بڑی خاموشی سے اُتر گئی تھی۔ انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

سفر جوں جوں کٹتا رہا، میرے خدشات کم ہوتے گئے۔ میرا خیال تھا جب نارنگ کے آدمیوں نے اُسے میرے بارے میں اپنی ناکامی کی داستان سنائی ہوگی تو وہ پاگل ہو گیا ہو گا۔ اُس کا شمار ان شریف لوگوں میں نہیں کیا جا سکتا تھا جو اپنی شکست مردانگی سے قبول کر لیتے ہیں۔ اپنے منصوبے کی ناکامی کی اطلاع سن کر وہ نئے طریقے بھی اختیار کر سکتا تھا۔ اُس کی پیشانی پر اُبھرنے والی سلوٹیں بھی حکومت وقت کے لئے بڑے معنی رکھتی تھیں۔ اُس کی ٹولی بڑی مضبوط تھی۔ کوئی اُس کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ امریتا کے سلسلے میں، میں نے اُس کی مدد کی تھی۔ اس میں نارنگ کی مرضی یا اس کی خواہش کا دخل نہیں تھا۔ حالات خود مجھے اُس کے راستے میں لے گئے تھے۔ میں اس ڈبے میں سفر نہ کر رہا ہوتا جس میں امریتا کو اغواء کیا جا رہا تھا تو شاید نارنگ کا نام بھی میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہ آنے پاتا۔ حالات کی ستم ظریفی مجھے درمیان میں کھینچ لائی تھی۔ دہلی کے پولیس کے محکمے کے تمام بڑے افسران کو اس بات کا علم بھی ہو گیا تھا کہ میں نے نارنگ کی کوٹھی میں قیام کیا تھا۔ نارنگ میرے اُوپر کوئی بھی الزام لگا دیتا، صرف اس بات کا سرسری طور پر ذکر کر دیتا کہ امریتا کے اغواء میں اصل مجرموں کے ساتھ میری ملی بھگت کے امکانات کو خارج نہیں قرار دیا جا سکتا، رائی کا پہاڑ بن جاتا۔ دہلی پولیس کا عملہ مجھ پر ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑتا۔ مجھے بھاگنے کا راستہ نہ ملتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اپنی ناکامی کی خبر سن کر نارنگ نے یہ بھی ضرور سوچا ہوگا کہ شہد کی مکھیوں کے چھتے میں پتھر مارنا خود اُس کے لئے بھی مصیبت پیدا کر سکتا ہے۔ وہ میری قوت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ امریتا کے سلسلے میں وہ پہلے ہی انڈر ورلڈ کے جرائم پیشہ افراد سے اُلجھا ہوا تھا۔ مزید اُلجھاوے پیدا کرنا اُس کے حق میں مناسب نہ ہوتا۔ یہی سوچ کر اُس نے خاموشی اختیار کر لی ہوگی، صبر کر لیا ہوگا۔ انکا نے بھی میری تشویش محسوس کر کے یہی کہا تھا۔

''تم وسوسوں کو دل و دماغ سے نکال دو جمیل، نارنگ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہوگا۔ وہ دوبارہ تمہارے راستے میں دیوار کھڑی کرنے کی غلطی نہیں کرے گا۔''

''تم نے کہا تھا کہ وہ مجھے ہردوار جانے سے ہر قیمت پر روکنے کی کوشش کرے گا......''

''ہاں۔ لیکن ہردوار کا نام درمیان میں آ جانے سے تم یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہارے دشمنوں سے مل گیا ہے؟'' انکا رانی نے مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس وہم کو ذہن سے نکال دو۔ نارنگ، پنڈت پجاریوں کو اپنی ضرورتوں کے تحت مشین کے پرزوں کی طرح ضرور استعمال کرنے کا عادی ہے۔ لیکن دھرم کرم سے اُس کا دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا اُس وقت تک جب تک زیر زمین کام کرنے والوں سے اُسے مکمل طور پر چھٹکارا نہ مل جاتا......''

انکا کی باتوں میں وزن تھا لیکن جب تک میں ہردوار نہیں پہنچ گیا، میری بے چینی برقرار رہی۔ اپنی منزل پر قدم رکھنے کے بعد ہی مجھے ذہنی سکون ملا۔ پنڈت نول کشور اب تک کالی کے مندر میں چھپا بیٹھا دُور دُور سے چنگاریاں چھوڑ رہا تھا، شعلے بھڑکا رہا تھا، سر پھرے پنڈت پجاریوں کو ایندھن کی طرح استعمال کر رہا تھا۔ اب اُسے براہِ راست مقابلے پر آنا پڑے گا۔ جنگ دوسرے کے علاقے میں لڑی جائے تو دھماکوں کی آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔ اپنی زمین پر ایک پٹاخے کی آواز بھی دُور دُور تک سنائی دیتی ہے۔ میں بڑی دیر تک پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا کے رُخ کا اندازہ لگاتا رہا۔ انکا بھی پوری طرح محتاط نظر آنے لگی۔ اُس کی پتلیاں بڑی مستعدی سے اپنے حلقوں میں گردش کر رہی تھیں۔ اُس کے لئے فاصلوں کی کوئی قید نہیں تھی۔ اُس کی دُوربین نظریں سمندر کی تہوں تک بھی پہنچ سکتی تھیں۔ وہ بھی قرب و جوار میں نظریں دوڑا کر حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

ہردوار، دریائے گنگا کے ساحل پر واقع صوبہ یوپی کا ایک مشہور شہر ہے۔ ہندو اسے اپنے لئے بڑا مقدس سمجھتے ہیں۔ وہاں کی سرزمین پر ماتھا ٹیکنا بھی ان کے لئے کسی سعادت سے کم نہیں۔ اس شہر میں ہر بارہ سال بعد شیواجی کی یاد میں کمبھ کا میلہ منعقد کیا جاتا ہے۔ پورا ہندوستان سمٹ کر اس شہر میں سما جاتا ہے۔ ہندوستان سے باہر رہنے والے پنڈت پجاری بھی اس میلے میں دنیا کے دُور دراز علاقوں سے چل کر آتے ہیں۔ پنڈت پجاری اور پجارنیں سب ایک ساتھ گنگا میں اشنان کرتے ہیں۔ بڑا دُھوم دھڑکا ہوتا ہے۔ دن رات مندر کی گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں۔ سنکھ کی آوازیں دلوں کو گرماتی ہیں۔ ہردوار کو ہری کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کے نقشے میں اسے ''ہری دوار'' کے نام سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ دو یا تین لاکھ بھی ہوتی تو میری ذات پر اس کا

کیا اثر پڑتا؟ مجھے تو صرف دو افراد سے غرض تھی، پنڈت نول کشور جس نے میری پُرسکون زندگی کی سطح پر کنکر اُچھال کر اضطراب کی لہریں پیدا کر دی تھیں۔ پریتم لال نے بھی مجھے صرف دو ہی نام بتائے تھے۔ دوسرا نام میری کلدیپ کے قاتل امرلال کے اکلوتے بیٹے چندرا کا تھا۔ دونوں کالی کے اس عظیم الشان مندر میں چھپے بیٹھے تھے جس پر مہاجنوں اور سیٹھ ساہوکاروں نے بے دریغ سرمایہ خرچ کیا تھا۔ وہ قلعہ بند تھے، خود کو محفوظ سمجھ رہے تھے۔ لیکن میں اب اُن کا سکون برباد کرنے کی خاطر اُن کے سروں پر پہنچ گیا تھا۔ اب وہ زیادہ دنوں چین کی بنسری نہیں بجا سکتے تھے۔

میرے ذہن میں چندرا اور پنڈت نول کشور کا تصور مچل رہا تھا۔ میں تصور میں نول کشور کو اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی رقت سے گڑگڑا رہا تھا۔ اُس کا لہولہان چہرہ دیکھ کر مجھے اُس پر ترس نہیں آیا۔ وہ بڑا موذی درندہ تھا۔ درندوں کو آزاد نہیں رکھا جاتا، لوہے کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ کر قابو کیا جاتا ہے۔ انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ پھر درندگی کا مظاہرہ شروع کر دیتے ہیں۔ بہتر ہے اُنہیں موت کی نیند سلا دیا جائے۔

میری بے رحم نظریں نول کشور کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر اُس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ وہ مجھ سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ حرامزادہ مگرمچھ کے آنسو بہا کر مجھے رام کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اگر اُسے علم ہو جاتا کہ اُس کے آنسو کے قطرے میرے سینے میں دہکتی آگ پر پٹرول کا کام سرانجام دے رہے ہیں تو شاید اس کے آنسو تھم جاتے۔ وہ میرے پیروں پر سر رکھ دیتا۔

نول کشور کے برابر امرلال کا وہ نوجوان بیٹا بھی دم بخود کھڑا مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا جس نے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی خاطر وندھیاچل کی برفانی گپھاؤں میں جاپ منتر کئے تھے۔ مجھے اُس کی جوانی پر ترس بھی آ رہا تھا۔ اس ولد الحرام نے بھی مجھے نیچا دکھانے کی خاطر اپنے سارے جنتر منتر آزما ڈالے تھے۔ میرے قدم ذرا رپٹ جاتے، میں لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا ہوتا تو وہ اور نول کشور دونوں جنگلی سوروں کی طرح میرے اُوپر چڑھ دوڑتے۔ میری زندگی کا چراغ گل کرنے کی خاطر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ میرے مر جانے کے بعد بھی شاید وہ میرے مُردہ جسم کو بھنبھوڑتے رہتے، روندتے رہتے۔ پھر سنکھ پھونکے جاتے، کالی کو میری موت کا مژدہ سنانے کی خاطر حسین پجارنیں مٹک مٹک کر

ناچ ناچ کر گھنٹیاں بجانی شروع کر دیتیں۔ مدھ اور بھنگ کے پیالے گردش میں آ جاتے، پنڈت پجاری مدہوش ہو کر میری موت کا جشن منانے کی خاطر حسین پجارنوں اور معصوم دیوداسیوں کو مالِ غنیمت سمجھ کر اپنی اپنی آغوش میں گھسیٹ لیتے۔ وہ کولہے مٹکا کر گھنٹیاں بجانا بھول جاتیں، ہٹے کٹے پجاریوں کے بازوؤں میں بے بس ہو کر پھڑ پھڑانا شروع کر دیتیں۔ کالی کا بت خاموش کھڑا تماشے دیکھتا رہتا۔

میں اپنے خوابوں میں گم تھا جب کسی کی آواز نے میرے حسین خیالوں کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ میں نے نظریں گھما کر دیکھا، وہ ایک سیدھا سادھا نوجوان نظر آ رہا تھا۔ ٹھوس اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک۔

''کہاں گم ہو مہاراج......؟'' وہ میری طرف متجسس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''ہری دوار میں شاید پہلی بار آنا ہوا ہے۔ کہاں جانے کا وچار ہے......؟''

''تم کون ہو......؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ انکا رانی کی نظریں بھی نوجوان پر مرکوز ہو گئیں۔

''اپنا سیوک ہی سمجھ لو۔'' اُس نے بدستور انکساری سے کام لیا۔ پھر میرے سیدھے سادھے لباس کو دیکھ کر دبی زبان میں پوچھا۔ ''تمہارا شبھ نام......؟''

''جمیل، اس پر اپنا نام ظاہر نہ کرنا......'' انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''یہ ایک سرائے نما ہوٹل کا نمائندہ ہے۔ تمہیں مسافر سمجھ کر اپنے ٹھکانے پر لے جانا چاہتا ہے۔''

''نام نہ ظاہر کرنے میں کیا مصلحت ہے......؟'' میں نے جان بوجھ کر سوال کیا۔

''تمہارا بھیجا ہوا پیغام شیوا کے ذریعے پنڈت نول کشور تک پہنچ چکا ہوگا۔'' انکا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اُس کے آدمی ہردوار کے تمام راستوں میں پھیل چکے ہوں گے۔ تمہاری خوشبو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ میں تمہیں محتاط رہنے کا مشورہ دُوں گی۔''

''میں سمجھ رہا ہوں جانِ من......'' میں نے لہرا کر جواب دیا۔ ''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ دشمنوں کو میرے آنے کی اطلاع مل جائے۔ ایسا نہ چاہتا تو شیوا کو زندہ چھوڑ کر تمہاری ناراضگی کبھی نہ مول لیتا۔ وہ میرا بہت سکون برباد کر چکے۔ اب میری باری ہے، انہیں میرے آنے کی خبر ملے گی تو اُن کے اندر بھی ہلچل مچے گی۔ اُتھل پتھل شروع ہو جائے گی۔ سمجھ رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا پیش کردہ جواز معقول تھا۔ وہ میری طرف سے توجہ ہٹا کر پھر نوجوان کو گھورنے لگی۔

''تم نے کوئی جواب نہیں دیا مہاراج......'' نوجوان اصل مقصد کی طرف آ گیا۔ ''اگر ہری دوار میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو سیوک کے ساتھ چلو۔ ہمارے مسافر خانے میں تمہیں گھر جیسا آرام ملے گا۔ کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔''

''یہاں کا سب سے بڑا ہوٹل کون سا ہے......؟'' میں نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

''آنند بھون......'' نوجوان نے برا سا منہ بنایا۔ ''آج کل رش نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں خالی کمرہ مل جائے۔ لیکن......'' وہ خاموش ہو کر میرے حلیے کا جائزہ لینے لگا۔

''چپ کیوں ہو گئے بالک......'' میں نے اُس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر پوچھا۔ ''کیا آنند بھون میں مسافروں کی جیب کی بجائے اُن کے تن کے کپڑوں کا زیادہ دھیان رکھا جاتا ہے......؟''

''تم خود سمجھداری کی بات کر رہے ہو تو پھر میں کیا بتاؤں؟'' اُس نے زہر اُگلنے کی چال چلی۔ ''وہاں سیدھے سادھے یاتریوں کی کھال اُدھیڑ لی جاتی ہے۔ بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار ہی اُدھر کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں کھل کر بتا دیا، آگے تمہاری مرضی۔''

''تم یہیں ٹھہرو جمیل...... میں ابھی آتی ہوں۔'' انکا رانی مجھے رُکنے کا اشارہ کر کے سر سے اُتر گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کہاں گئی ہو گی۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ میں نوجوان سے باتوں میں مصروف تھا کہ ایک بانکا سجیلا جوان میرے سامنے آ کر رُکا۔ سرائے نما ہوٹل کا جوان اُسے دیکھ کر خاموشی سے سرک گیا۔ میں نے آنے والے پر نظر ڈالی۔

''میرے ساتھ آؤ مہاراج......'' اُس نے بڑے مہذب لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ''باہر گاڑی بھی موجود ہے۔''

''تم......؟''

''آنند بھون کا مینجر ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرایا۔ ''مجھے دیر سے خبر ملی ورنہ تمہیں اتنی دیر بھی انتظار نہ کرنا پڑتا۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ انکا رانی کے زیرِ اثر تھا۔ میں باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ آنند بھون شہر سے کچھ فاصلے پر تھا، لیکن اسے دیکھ کر دہلی کا اشوکا یاد آ گیا۔ میری نگاہیں تمام راستے بھٹکتی

رہیں۔ میں کالی کے مندر کی تلاش میں تھا جو میرے بدترین دشمنوں کی پناہ گاہ تھی۔ مگر وہ مجھے نظر نہیں آیا۔ راستے میں جگہ جگہ پنڈت پجاری چلتے پھرتے نظر آئے۔ دو چار چھوٹے ہوئے مندر بھی دکھائی دیئے۔ میں نے راستے میں مینجر سے بات نہیں کی، اپنے خیالوں میں مستغرق رہا۔

گاڑی آنند بھون کے خوبصورت پارکنگ لاٹ میں جا کر رُکی۔ ہوٹل کی چار منزلہ عمارت کا حسن اور رکھ رکھاؤ قابلِ دید تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ مینجر نے مجھے ہوٹل کے صدر دروازے پر اُتارنے کی بجائے پارکنگ لاٹ کا رُخ کیوں اختیار کیا؟ میں نے فوری طور پر کوئی باز پرس مناسب نہیں سمجھی۔ انجن بند کر کے اُس نے تیزی سے نیچے اُتر کر میرے لئے دروازہ کھولا۔ میں باہر آیا تو کہنے لگا۔

''ایک راستہ پارکنگ لاٹ سے بھی آنند بھون کے اندر جاتا ہے، اسے کیول ہمارے خاص گاہک استعمال کر سکتے ہیں۔ عام مسافروں کو یہ راستہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم اپنے مہربانوں کی سیوا کا خاص دھیان رکھتے ہیں۔ تم تو دھرماتما ہو مہاراج، تمہارے چرنوں کی برکت سے آنند بھون کا کاروبار بھی چمک اُٹھے گا......''

مینجر باتونی آدمی تھا۔ میں خاموشی سے اُس کی باتیں سنتا رہا۔ عقبی راستے کو اس طرز پر بنایا گیا تھا کہ کسی سرنگ سے گزرنے کا احساس ہوتا تھا۔ باہر سبزہ ہی سبزہ تھا، اندرونی راستوں پر بھی پیتل کے جھلملاتے مخصوص گملوں میں خوشنما پودے موجود تھے۔ روشنی کا اہتمام بھی اس طرح کیا گیا تھا کہ وہ چھت کے گوشوں سے پھوٹتی نظر آتی تھی۔ مجھے پہلی منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں آرام اور آسائش کا ساز و سامان بھی دہلی کے اشوکا سے کم نہیں تھا۔ مجھے کسی لکھا پڑھی کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ راہداری میں مجھے ہوٹل کے عملے کے افراد بھی نظر آئے۔ اُن میں حسین و جمیل لڑکیاں بھی شامل تھیں جن کے ماتھوں پر سرخ رنگ کی بندیاں موجود تھیں۔ ان بندیوں کے اندر آنند بھون کا نام سنہری حروف سے لکھا گیا تھا جو دُور سے جگمگاتا نظر آتا تھا۔ یہ گویا اُن کی شناخت تھی۔

''کچھ دیر ستا لو مہاراج۔'' مینجر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''دُور سے آئے ہو، تھک گئے ہو گے۔ کوئی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا کر کسی بھی سیوک کو بلا لینا۔ میں بھی آتا رہوں گا۔'' اُس نے بستر کے ساتھ ہی ایک طرف لگے ہوئے سوئچ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بڑی

انکساری سے کہا۔ ''آنند بھون کے سیوکوں کو تمہاری سیوا کر کے جو آنند ملے گا، وہی ہمار
انعام ہوگا۔''

''تمہارا نام......؟'' میں نے بستر پر کمر سیدھی کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''سیوک کو بھنڈاری کہتے ہیں......'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''کالی کا بڑا مندر یہاں سے کتنی دُور ہے......؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج......؟'' وہ میرے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ ''تمہارے
لئے دُور کیا اور نزدیک کیا۔ تم پلکوں کو ایک اشارہ کر دینا، آنند بھون کی گاڑیاں کس دن کام
آئیں گی؟ سب کچھ اپنا ہی سمجھو۔''

''ایک بات اور دھیان سے سن لے بالک......'' میں نے ذرا تیز لہجہ اختیار کیا۔
''ہمارے سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ کسی سے کچھ نہ کہنا۔ ہم سنیاسی لوگ ہیں،
دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ نمائش تم جیسے بالکوں کو شوبھا دیتی ہے۔
کالی کے مندر میں ہمارا ایک کام نہ اٹک جاتا تو ہم ادھر کبھی نہ آتے۔ کام پورا ہوتے ہی ہم
کہیں اور سدھار جائیں گے۔ پنڈت پجاریوں کو ہمارے بارے میں بھنک مل گئی تو آنند
بھون میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں ہوگی۔ ہم کس کس کی درشن پیاس بجھائیں گے؟ سن رہا
ہے میری بات......؟''

''تم چنتا مت کرو مہاراج، مجھے بھی اپنا بھگت ہی سمجھو......''

''بھگت ہی رہنا...... بگلا بھگت بننے کی کوشش نہ کرنا۔'' میں نے اُسے تنبیہی نظروں سے
گھورا۔

''تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی مہاراج......'' وہ سہم کر بولا۔ میں نے آنکھیں موند
لیں۔ اُس کے قدموں کی آواز اُبھر کر دُور ہوتی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد انکا کی آواز میرے
کانوں میں گونجی تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔

''تم نے تو بھنڈاری کی جان ہی نکال دی۔ بگلا بھگت والی بات سن کر اُس کے پسینے
چھوٹ گئے تھے۔''

''بھنڈاری کو جہنم میں جھونکو انکا رانی......'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تم جانتی
ہو کہ میں ہردوار میں تفریح کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے دشمن میری گھات

لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے اُوپر کوئی جال پھینکیں، میں پیش قدمی کر
کے خون سے ہولی کھیلنا زیادہ پسند کروں گا۔ منزل پر پہنچ کر سستانا میرے اصول کے خلاف
ہے۔ اب فیصلے جتنی جلدی ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔ مجھے زندگی کی آرزو کبھی نہیں ہوئی۔
موت کی پرواہ بھی نہیں ہوگی۔''

''ایسی باتیں مت کرو جمیل......'' وہ کسمسا کر بولی۔ ''میں ہوں نا تمہارے ساتھ......''

''اب کسی کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' میں نے نچلا ہونٹ کاٹتے
ہوئے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''تم نے برسوں پہلے میری زندگی میں جو بیج بویا تھا اب اس
کی فصل کاٹنے کا وقت سر پر آ پہنچا ہے۔''

''جمیل......'' انکا نے احتجاج کرنا چاہا، میں نے اُسے موقع نہیں دیا۔

''میں تم سے کوئی شکوہ، کوئی گلہ، کوئی شکایت نہیں کر رہا۔'' میں نے واضح الفاظ میں بڑی
سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اب ان باتوں کا وقت بھی نہیں ہے۔ بیچ منجدھار میں پھنس جانے
کے بعد صرف حسرت بھری نظروں سے ساحل کی طرف دیکھنے سے کام نہیں چلتا۔ مجھے
کنارے کی تلاش بھی نہیں ہے۔ لیکن ڈوبنے سے پیشتر میں ان کو بھی غرق کر دینے کا آرزو
مند ہوں جو بار بار مجھے اُلجھا دیتے ہیں۔ کس کی جیت ہوگی؟ کون گھٹنے ٹیک دے گا؟ یہ
آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''

''تم کچھ دیر آرام کر لو...... میں حالات کی سن گن لگا کر آتی ہوں۔'' انکا نے اپنائیت کا
اظہار کیا۔

''جانے سے پہلے ایک بات اور سن لو، میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔'' میں نے کہا۔
''پریتم لال کو دیوتاؤں نے آسمانوں پر بلا لیا ہے، یہ خبر تم نے ہی سنائی تھی۔ کلدیپ کا
ساتھ بھی ختم ہو گیا۔ ایک ہمدرد گرو پرتاپ کی شکل میں سامنے آیا تھا، اُسے دُرگا کا عتاب
چاٹ گیا۔ میرا تمہارا ساتھ بڑا پرانا ہے انکا رانی۔'' میں نے توقف سے بات جاری رکھی۔
''ہم ایک دوسرے کی مجبوریوں کو سمجھتے ہیں۔ ہمیں ایک دوسروں کی قوتوں کا بھی اندازہ ہے
...... ہوسکتا ہے میرا خیال غلط ہو، مگر فی الحال میں یہی سمجھ سکا ہوں کہ دُرگا میرے راستے کی
سب سے بڑا رُکاوٹ بن گئی ہے۔ وہ مجھے تنہا کرنا چاہتی ہے، اپنے بھگتوں کے مقابلے میں
اُسے میری فتح منظور نہیں ہوگی...... ہونی بھی نہیں چاہئے۔ اس کا اختیار تم پر چلتا تو شاید

پریتم لال کے بعد وہ تمہیں بھی نوچ کر میرے وجود سے علیحدہ کر دیتی۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاید......"

"اس سے آگے اور کچھ نہ کہنا جمیل......" انکا تڑپ کر بولی۔ "میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ حالات کیا صورت اختیار کریں گے؟ میں جانتی ہوں۔ لیکن زبان نہیں کھول سکتی...... میں نے تم سے پہلے بھی یہی کہا تھا کہ کچھ مجبوریاں لاحق ہیں...... ایک بات اور بھی کہی تھی، اپنے ذہن کو کرید کر دیکھو، یاد کرو...... میں نے کہا تھا کہ میں خود سے تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی...... ہاں، تم دھتکار دو تو اور بات ہے۔"

انکا کے لہجے میں خلوص تھا، اعتماد تھا۔ وہ ڈیڑھ بالشت کی فتنہ دُرگا کے مقابلے پر میرا ساتھ نبھانے کا یقین دلا رہی تھی۔ میرے اختیار میں ہوتا تو اُس کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا۔ اُس کے ہونٹ چوم لیتا، دل کے کسی محفوظ گوشے میں ہمیشہ کے لئے چھپا لیتا۔ اُس کی بلائیں لیتا...... میری آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے۔ میں نے الفاظ کو اظہارِ تشکر کا ذریعہ بنانے کی ٹھانی۔ اُس نے موقع نہیں دیا، پھدک کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں نے دوبارہ آنکھیں موند لیں......!

شام کو بھنڈاری نہ جگاتا تو میں سوتا ہی رہتا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکارانی وہاں موجود نہیں تھی۔ اُسے گئے بہت وقت گزر چکا تھا۔ ہردوار اتنا بڑا شہر نہیں تھا کہ انکارانی کی واپسی میں اتنی دیر ہوتی۔ اُس کے لئے فاصلوں کی کوئی قید بھی نہیں تھی۔ وہ بجلی کی رفتار سے تیز کام کرنے والی حیرت انگیز قوتوں کی مالک تھی۔ کالی کے مندر میں میری ذہنی پرواز بھی منڈل کے نادیدہ آہنی جال سے ٹکرا کر واپس آ گئی تھی۔ ممکن ہے انکا کو بھی اندر داخل ہونے میں دُشواری پیش آ رہی ہو۔ مندر میں داخل ہوئے بغیر وہ نول کشور اور چندرا کے بارے میں نہیں جان سکتی تھی۔ ابھی تک اسی تگ و دو میں لگی ہو گی، ممکن ہے وہ درمیان میں کسی وقت آئی ہو، مجھے محوِ خواب دیکھ کر واپس چلی گئی ہو، اُس نے مجھے جگانا مناسب نہ سمجھا ہو۔ مندر میں داخل ہونے کے لئے اُس کے پاس اور بھی کئی طریقے تھے۔ وہ کسی پنڈت یا پجاری کے سر پر پنجے گاڑ کر بیٹھ جاتی، سارے منڈل دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ وہ دوسرے طور پر کسی پجارن کا ذہن پلٹ کر اُسے اندر کے حال احوال بتانے پر مجبور کر سکتی تھی۔

"تم اُٹھ کر اشنان کر لو مہاراج، تھکے ہو گے، میں تمہارے لئے جل پانی کا بندوبست

کرتا ہوں۔" بھنڈاری اپنی بات مکمل کر کے واپس چلا گیا۔ میں نے اُٹھ کر غسل خانے کا رُخ کیا۔ نیم گرم پانی سے غسل کرنے سے ذہن قدرے ہلکا ہو گیا۔ میں تیار ہو کر باہر نکلا تو نند بھون کی ایک ہوسٹس اپنے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیرے میری منتظر تھی۔ ٹرالی میں پھل، دودھ اور دوسرے لوازمات رکھے نظر آ رہے تھے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس خوبصورت اور جوان حسینہ سے دل بہلانے کی باتیں ضرور کرتا۔ لیکن میں نے اُسے صرف ایک نظر بھر کر دیکھا، پھر اشارے سے باہر بھیج دیا۔ اُس کو میرا خشک رویہ پسند نہیں آیا، تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ بھنڈاری نے اُسے میرے کمرے میں بھیجنے سے پیشتر محتاط رہنے کی تاکید ضرور کی ہو گی۔

پیٹ کو ایندھن نہ ملے تو دل و دماغ پر بے کیفی مسلط رہتی ہے۔ میت میں شرکت کرنے والوں کے لئے بھی کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ عجیب رسم و رواج ہیں اس دنیا کے۔ ایک باپ اپنے جوان بیٹے کے غم میں نڈھال ہوتا ہے، اُس کے بڑھاپے کا سہارا چھن جاتا ہے، کمر ٹوٹ جاتی ہے، عزیز واقارب، دوست احباب میت کے نہلانے دُھلانے اور دفنانے تک اُس کی غمگساری میں لگے رہتے ہیں۔ اُس نڈھال شخص کو خود اپنا ہوش نہیں ہوتا، کل کی فکر ستا رہی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی لازم ہے کہ غمگساری کے لئے آنے والوں کی خاطر مدارات کرے، کھانے پینے کا اہتمام کرے۔ نہ کرے تو لوگ باتیں بنانی شروع کر دیتے ہیں۔ ساری رواداری بھول کر تنقید کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ میرے تو ایک دو نہیں، کئی اپنے ایک ایک کر کے بچھڑ چکے تھے۔ میں کسی اور کا نہیں، خود اپنا پیٹ بھر رہا تھا۔ انسان کا جی نہ چاہے تب بھی اُسے کچھ نہ کچھ زہر مار کرنا پڑتا ہے۔ خوراک انسان کے جسم کے لئے ایک ضرورت ہے، اس کے بغیر کام نہیں بنتا۔ مشین کو تیل نہ ملے تو وہ بھی چلتے چلتے جام ہو جاتی ہے۔ خوراک بڑی ظالم شے ہے۔ پیٹ کے لئے خوراک ضروری ہے اور خوراک حاصل کرنے کی خاطر پیسے درکار ہوتے ہیں۔ انسان کے پاس خوراک خریدنے کے لئے پیسے نہ ہوں تو وہ چوری کرنے، ڈاکہ مارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کچھ نہ بن پڑے تو خودکشی کر لیتا ہے۔ جانوروں میں بھی خوراک ہی کا مسئلہ درندگی تک طول پکڑ لیتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں۔ انسان اور جانوروں میں صرف خوراک ہی ایک قدر مشترک ہے جو دونوں کو جرم اور درندگی پر اُکساتی ہے۔ یہی خوراک انہیں آپس میں بھی ایک دوسرے کا دشمن بنا

دیتی ہے۔ سلسلہ یوں ہی جڑ پکڑتا ہے۔ پھر بات بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پیٹ بھرنے سے پہلے انسان کو صرف جسم کی غذا کی ضرورت ستاتی ہے۔ پیٹ بھر جائے تو ہری ہری سوجھتی ہے۔ دانۂ گندم کی خواہش انسان کو دربدر بھی کر دیتی ہے۔ ہماری انسانیت کی طویل تاریخ کی ابتداء بھی دانۂ گندم ہی سے ہوئی تھی، پھر فسانے میں جوڑ لگتے گئے۔

میں بھی پیٹ میں ایندھن بھر رہا تھا۔ میرے ذہن میں انکارانی کی غیر موجودگی کا احساس کروٹیں بدل رہا تھا۔ میں جس منزل پر پہنچ چکا تھا وہاں قدم قدم پر خطرات موجود تھے۔ ایک ذراسی لغزش سارا کھیل چوپٹ کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ وقت تیزی سے گزر رہا۔ ہوسٹس کچھ دیر بعد دوبارہ دروازے پر دستک دے کر اندر آئی۔ کمرہ اُس کے حسن کی چمک دمک سے روشن ہوگیا۔ اُس کے جسم کی خوشبو نے پورے ماحول کو معطر کر دیا۔ میں نے پھر اُسے نظر انداز کر دیا۔ وہ خاموشی سے ٹرالی گھسیٹتی، لہراتی، بل کھاتی واپس لوٹ گئی۔ میں نے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ انکا کے بارے میں میری تشویش بڑھتی جارہی تھی..... وہ میرے سر پر واپس آ گئی تو میں نے عالم تصور میں اُسے دیکھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ اُس کے پاس میرے لئے اچھی بری کئی خبریں سنانے کو موجود تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں متضاد کیفیتیں نظر آ رہی تھیں۔

"جو کچھ جمع کر کے لائی ہو میرے سامنے ڈھیر کر دو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "جو چیزیں میرے کام کی ہوں گی، میں ایک طرف کر لوں گا۔ باقی کو نظر انداز کر دوں گا۔ اختصار سے کام نہ لینا۔ میں تفصیل سننا پسند کروں گا۔"

"جمیل....." انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "کالی کے مندر کے چاروں طرف بڑا مضبوط منڈل کھینچا گیا ہے۔"

"کیا تم نے اندر جانے کی کوشش کی تھی.....؟" مجھے اُس کی مجبوری کا خیال آ گیا۔

"نہیں..... تمہیں معلوم ہے، میں کالی کے مندر میں نہیں جا سکتی۔ لیکن میری نظروں نے جس حصار کو دیکھ لیا ہے اس میں صرف کسی پنڈت یا پجاری کی قوت کو دخل نہیں ہو سکتا کسی دیوی کی شکتی بھی ضرور شامل ہے....."

"دُرگا....." میرے ذہن میں ایک ہی نام اُبھرا۔

"مندر کے اندر کے حالات معلوم کرنے کی خاطر مجھے ایک نئے پجاری کا انتخاب

پڑا جو کچھ روز پہلے ہی بنارس سے آیا ہے۔ اُس کا ذہن کچا تھا اس لئے آسانی سے میرا معمول بن گیا۔ مندر سے واپسی میں اُسے دیر لگی۔ میں سمجھی شاید میرے پنجوں کا اثر اُسے پوری طرح قابو نہیں کر سکا۔ تم جانتے ہو کہ میں کسی کا ذہن بھی معطل کر کے اُسے اپنے اشاروں پر نچا سکتی ہوں۔ لیکن میری موجودگی اُس کے سر پر ہونا شرط ہے۔ پریتم لال مہاراج نے میری اس قوت میں بھی کچھ اضافہ کیا تھا۔ اب میرے پنجوں کا اثر کسی کے لئے مختصر وقت تک قائم رہ سکتا ہے۔ پجاری کی واپسی میں دیر ہوئی تو میں بھی فکر مند ہوگئی۔ لیکن وہ واپس آ گیا۔"

"کیا بتایا اُس پجاری نے.....؟" میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔

"تمہارا ایک شکار ہاتھ سے نکل گیا۔" انکا دبی زبان میں بولی۔

"یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟" میری وحشتوں میں اضافہ ہو گیا۔ "کون نکل گیا؟"

"چندرا....."

"کیا.....؟" میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ "وہ سنپولا کیسے نکل گیا؟ مجھے بتاؤ انکارانی، اس وقت وہ کہاں ہے؟ یہ دنیا میرے پیروں کے چکر سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔ وہ حرامزادہ دنیا کے جس کونے میں بھی ہوگا، میں اُسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں اُسے ختم کئے بغیر نہیں مروں گا۔ سنا تم نے؟ میں جب تک اُسے جہنم رسید نہ کر لوں، سکون کا ایک لمحہ بھی میرے اوپر حرام ہوگا..... تم مجھے صرف اُس کا پتہ بتا دو، میں اُسے پاتال سے بھی چٹیا پکڑ کر باہر گھسیٹ لوں گا۔ وہ میری دسترس سے دُور نہیں جا سکتا..... ناممکن ہے۔" میرے جنون میں اضافہ ہونے لگا۔

"خود کو سنبھالو جمیل....." انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہردوار تک آ گئے ہو تو پنڈت نول کشور کا قصہ پاک کر لو۔ ایک رہ جائے گا، وہ بھی مل جائے گا۔ کہاں تک بھاگے گا؟ کب تک جان بچائے گا.....؟"

"کیا تمہیں علم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے.....؟"

"معلوم ہوتا تو تم سے کیوں چھپاتی.....؟" انکا کسمسانے لگی۔ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"تم..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو انکارانی.....؟" میں نے اُسے بڑے غور سے دیکھا۔ "تم

جو لازوال قوتوں کی مالک ہو، جس کے سامنے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، جو دلوں کی گہرائیوں میں جھانک کر انسانی خیالات بھی پڑھنے کی ناقابل یقین صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ...... وہ میرے ایک دشمن کا پتہ نہیں لگا سکتی...... کیا...... کیا میں تمہاری بات پر اعتبار کر لوں؟ دل نہیں مانتا۔''

''ہاں جمیل...... میں غلط نہیں کہہ رہی۔'' اُس نے ہاتھ ملتے ہوئے یقین دلایا۔ ''یہ بڑا اتفاق ہے جب میری نگاہوں کے سامنے رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں۔ لندن سے واپسی کے سفر کے دوران بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تم درمیان میں نہ آ گئے ہوتے تو میں اشوک کی اچانک دیوانگی کا بھید ضرور پا لیتی۔ وہ قوت میری نظروں سے دُور نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن اس بار...... اس بار......''

''اس بار کیا ہو گیا......؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔ ''اس بار کون سی مجبوری آڑے آ رہی ہے......؟''

''میں اس کا بھی کھوج لگا لوں گی۔'' انکا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''ممکن ہے تمہارا اندیشہ درست ہو، دُرگا کی مہان شکتی میرے راستے میں آ گئی ہو...... اگر ایسا ہوا ہے تو یہ قوتوں کے توازن کو برقرار رکھنے کے معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ مجھے کچھ سمجھنے کا موقع دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ چندرا کا سراغ لگتے ہی تمہیں آگاہ کر دُوں گی۔''

''اگر سراغ نہ ملا تو......؟'' میں نے اُسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''پھر دُرگا کی طرح مجھے بھی آسمان پر کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی کرنی پڑے گی۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''اپنی انکارانی پر بھروسا رکھو، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔''

''پجاری نے تمہیں کالی کے مندر کے اندر کا اور کیا حال بتایا ہے......؟'' میں نے اپنی وحشتوں پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

''شیوا نے تمہارا پیغام پنڈت نول کشور تک پہنچا دیا ہے۔'' اُس نے زہرخند سے جواب دیا۔ ''شیوا کو اس جرم کی سزا بھی مل چکی ہے۔ اُسے مندر کے تہہ خانوں میں ایک کال کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا ہے۔''

''کیا جرم سرزد ہوا تھا شیوا سے......؟''

''زندہ رہنے کا جرم......'' انکا نے پہلو بدل کر کہا۔ ''نول کشور تمہارے سلسلے میں اپنی

نگاہیں دیکھ کر بھی بھڑک اُٹھتا ہے۔ اُسے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ تم نے شیوا کو محض پیغام پہنچانے کی خاطر زندہ چھوڑ دیا ہوگا۔ وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ اپنی زندگی بچانے کی خاطر تم سے کوئی سمجھوتا کر لیا ہے......''

میرا دل چاہا کہ دیوانہ وار قہقہے لگانا شروع کر دُوں۔ نول کشور کو میرے تصور نے یقیناً پاگل کر دیا تھا۔ اگر وہ پاگل نہ ہوتا تو شیوا پر شبہ نہ کرتا۔ اُسے اپنے خاص خاص آدمیوں کی پہچان ہوتی۔ اُس کے لئے ہیرے اور کانچ کے ٹکڑے کا فرق جاننا ضروری تھا۔ وہ اپنے رسم رواج کے مطابق شیوا کا کوئی امتحان بھی لے سکتا تھا، شیوا اس امتحان میں بھی ضرور پورا اُترتا۔ میری نظروں نے اُسے شناخت کر لیا تھا، وہ کھرا سونا تھا۔ اُس میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ اُس نے میرے مقابلے میں مردوں کی طرح سینہ تان کر اپنی شکست تسلیم کی تھی۔ دامن پھیلا کر زندگی کی بھیک نہیں مانگی تھی۔ اُس نے ٹھوس لہجے میں کہا تھا...... ''میں اب بھی سینہ تانے مردوں کی طرح قدم جمائے کھڑا ہوں۔ مجھے مار دو۔ میں تم سے جیون کی بھکشا نہیں مانگوں گا۔'' انسان جب اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگے تو اُس کی خوداعتمادی برقرار نہیں رہتی۔ اپنے بازوؤں کا اعتماد ختم ہو جائے تو وہ بزدل بن جاتا ہے۔ کسی پناہ گاہ میں چھپ کر بڑی بڑی باتوں کا اعلان کرنا، ڈینگیں مارنا اور بات ہے...... طاقت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب دو حریف میدان میں اُترتے ہیں۔

میں بدری نرائن کا انجام بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ بڑا ذہین، بڑا دُوراندیش، بڑا شاطر اور بڑی کمینی خصلتوں کا مالک تھا۔ جب تک میں کمزور رہا وہ بار بار میرے تعاقب میں لپکتا رہا۔ مجھے آنکھیں دکھاتا رہا۔ انکارانی کو جاپ کے ذریعے حاصل کرنے کے بعد تربنی جیسا کتا بھی شیر بن گیا تھا۔ اُس کا انجام بھی میری خواہش کے عین مطابق ہوا۔ بدری نرائن وقت کی رفتار، ہواؤں کا رُخ اور طاقت کا توازن پرکھنے کا عادی تھا۔ میں نے جب قوتیں حاصل کر لیں، جب نندا اور کمپالا کی تعلیم نے مجھے زندگی اور موت، انسانیت اور درندگی کے فلسفے سے آگاہ کیا، جب انکارانی بھی میری قوتوں سے آنکھ ملانے سے کترانے لگی تب بدری نرائن جیسے پنڈت نے بھی عورتوں کی طرح میرے ساتھ آنکھ مچولی شروع کر دی۔ امر [illegible] بھی اُس کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا......؟ جیت اعتماد اور یقین کی [illegible]۔ میری کلدیپ تو اس وقت میسور کی پہاڑیوں سے نیچے آئی تھی جب امر لال نے

کمینگی کا ثبوت پیش کیا تھا۔ وہ درمیان میں نہ آتا تو سیّد کی لاٹھی ہی بدری نرائن کے لئے بہت ہوتی۔

"کیا سوچ رہے ہو جمیل......؟" انکا نے پوچھا۔

"تمہارے مشورے پر غور کر رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہردوار تک آیا ہوں تو پنڈت نول کشور کی ارتھی کو بھی شمشان گھاٹ تک پہنچا دُوں، اس کے بعد چندرا کی باری ہو گی۔"

"ہردوار میں تمہارے آنے کی اطلاع پا کر کالی کے مندر میں بڑے بڑے گیانی دھیانی پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ سب کا خیال ہے کہ مندر کو ایک مُسلے کے گندے خون سے ناپاک نہ کیا جائے، باہر نکل کر گھیرا جائے۔ لیکن وہ پنڈت نول کشور کا کہا بھی نہیں ٹال سکتے۔"

"وہ کیا کہہ رہا ہے......؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"وہ ابھی تک کالی کے نام پر دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے۔" انکا نے خلاء میں چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ہر وقت پوری طرح ہوشیار رہنا ہو گا۔ نول کشور کی چنڈال چوکڑی میں نیچ ذات کا ایک چمار بھی شامل ہے۔ میں نے جس پجاری کو معمول بنایا تھا اُس نے بتایا ہے کہ وہ چمار سفلی کا ماہر ہے۔ اُس نے پنڈت پجاریوں کے بیچ بیٹھ کر دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمہیں دُور رہ کر بھی اپنے گندے عمل سے ہلاک کر سکتا ہے۔"

میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ انکا رانی کی بات سن کر میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ذہن میں آتش فشاں کروٹیں بدلنے لگا، مجھے اپنی کہانی یاد آ رہی تھی۔ میرا پورا ماضی میری نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔ مجھے وہ بھیانک اور خوفناک منزلیں یاد آئیں جن سے گزر کر میں اس مقام تک پہنچا تھا۔ ان ہولناک کہانیوں کو یاد کر کے مجھے جھرجھری آ گئی۔ میرے نام لیوا، میرے قارئین گواہ ہیں کہ میں نے کبھی حالات کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے، کسی سورما سے خوفزدہ ہو کر زندگی کی بھیک نہیں مانگی۔ میں پارسائی کے دعوے نہیں کر سکتا، میری زندگی کا ورق ورق گناہ آلود ہے۔ کیوں ہوا؟...... کیسے ہوا؟...... میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا۔ ہر شخص اپنے جذبات، اپنے احساسات کا خود گواہ ہوتا ہے۔ میں بڑی دیانت داری سے اس بات کی گواہی دے سکتا ہوں کہ میں صرف نام کے اعتبار سے مسلمان ہوں، مذہب سے میرا دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ مگر...... ایک بات یہ بھی درست ہے کہ

...نے خدا کے وجود سے کبھی انکار نہیں کیا۔ کسی اور کو اُس کے برابر نہیں سمجھا۔ یہ خیال بھی ...رے دل و دماغ کے کسی نہ کسی گوشے میں ہمیشہ محفوظ رہا کہ مرنے کے بعد مجھے اُسی کے ...منے پیش ہونا پڑے گا جس نے مجھے زندگی کی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا۔ میرا نامۂ اعمال ...رے ہاتھ میں ہو گا۔ میں اس "لم یزل" کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہوں گا۔ وہاں میری ...ن ترانیاں کسی کام نہیں آئیں گی۔ انکا رانی بھی میرا ساتھ چھوڑ دے گی۔ وہ فیصلہ سنا دے ...۔ بندے کی ترکی تمام ہو جائے گی۔ زبان ہلانے، دُم مارنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ اُس ...ن شیطان مردود اپنی کامیابی کا جشن منائے گا، انسان بے بسی سے کھڑا تماشہ دیکھتا رہے ...وقت گزر چکا ہو گا، پچھتاوے کسی کام نہیں آئیں گے......!

مجھے بھی شیطانوں نے بھٹکا دیا تھا۔ میں نے اُن کا قصہ ختم کرنے کی ٹھان لی تھی۔

"کہاں کا ارادہ ہے جمیل......؟" انکا نے مجھے اُٹھتا دیکھ کر پوچھا۔ اُس کی نظریں ...رے چہرے کے تاثرات پر مرکوز تھیں۔

"کالی کے مندر کی کشش مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے...." میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ "آنند بھون میں ستانے اور رنگ رلیاں منانے کے اور بھی مواقع آئیں گے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔ لیکن تم مندر میں داخل نہیں ہو سکو گے۔"

"میں یہاں بیٹھ کر بھی کیا کروں گا......؟" میں کمرے سے نکل کر باہر آ گیا۔ سیّد کی لاٹھی میرے ساتھ تھی۔ انکا نے میرے سر پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اُس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات اُبھرنے لگے۔ میں عقبی راستے سے گزر کر باہر آیا تو بھنڈاری بھاگتا ہوا سامنے آ گیا۔ کسی نے اُسے میرے باہر نکلنے کی اطلاع کر دی تھی۔

"کہاں جانا ہے مہاراج؟" اُس نے ہاتھ باندھ کر پوچھا۔

"کسی سواری کا بندوبست کر دے......" میں نے سرد لہجے میں حکم دیا۔ "کالی کے درشن کو جا رہا ہوں۔ ڈرائیور سے کہنا کہ جہاں میں کہوں وہیں اُتار کر واپس آ جائے۔ میں بحث ...ند پسند کرتا۔"

"تم جو کہو گے وہی کرے گا۔ لیکن واپسی میں......"

"پھر تو نے لیکن ویکن شروع کر دی......" میری پیشانی پر سلوٹیں اُبھریں تو بھنڈاری ...ن زبان کو بریک لگ گیا۔ اُس کے حکم پر گاڑی آ گئی۔ میں خاموشی سے بیٹھ گیا، گاڑی

چل پڑی۔

''جمیل......'' انکا نے دبی زبان میں کہا۔ ''اپنے گرد حصار کھینچ لو، دائرے سے باہر نکلنے کی غلطی نہ کرنا۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں مندر تک پہنچنے سے پہلے کہیں راستے میں گھیرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انکا کا اندازہ بھی غلط ثابت نہیں ہوا۔ ڈرائیور بڑی مستعدی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ لیکن ایک میدان سے گزرتے وقت اُس نے اچانک فُل بریک لگا کر گاڑی روک دی۔ پھر دروازہ کھول کر ہذیانی انداز میں چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ انکا کی نظروں میں شعلے بھڑکنے لگے۔

''وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا......'' اُس نے مجھے مخاطب کیا۔ ''چمار نے تمہارے اُوپر سفلی کی ہانڈی چھوڑی ہے۔ تم دیکھنا میں اُس کا کیا حشر کرتی ہوں۔''

میں لپک کر گاڑی سے باہر آیا۔ فضا میں ایک کوری ہانڈی تیرتی ہوئی میری طرف آرہی تھی...... ہانڈی کو بند کرنے کے لئے سرخ رنگ کا کورا کپڑا استعمال کیا گیا تھا۔ میدان کے آس پاس جو دس بارہ مقامی لوگ موجود تھے وہ بھی ہانڈی کو دیکھ کر ''رام دہائی......'' اور ''رام نام ستیہ ہے'' کا نعرہ لگاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان کی دوسری طرف کالی کا فلک بوس مندر سر اُٹھائے کھڑا تھا۔

''چمار ذات نے ہماری ایک اور مشکل آسان کر دی۔'' انکا نے بڑے یقین سے کہا۔

''تم دیکھنا اب میں کس طرح پنڈت نول کشور کے منڈل کا سوا ستیاناس کرتی ہوں......''

میری نظریں کوری ہانڈی پر جمی ہوئی تھیں جو فضا میں تیزی سے گردش کرتی ہوئی نیچے آ رہی تھی۔ مجھے بھگوان پرشاد یاد آ گیا، اُس نے بھی مجھے اُس وقت ایسی ہی کوری ہانڈی دی تھی جب تربینی ایک منڈل میں بیٹھا انکارانی کو اپنے قبضے میں کرنے کی خاطر جاپ کر رہا تھا۔ میں نے ہانڈی تربینی کی طرف اُچھال دی تھی لیکن اُس کا انجام میری توقع کے برعکس ہوا۔ تربینی بچ گیا۔ بھگوان پرشاد خود اپنے جال میں پھنس کر مارا گیا۔ اُس کی موت بڑی اذیت ناک ثابت ہوئی تھی۔

میں خوفزدہ نہیں ہوا۔ میری نگاہیں اُس ہانڈی کو دیکھ رہی تھیں جو تیر کی طرح میری طرف آرہی تھی۔ مجھے سفلی کے سلسلے میں کچھ نہیں معلوم، لیکن ان ناپاک طلسمی ہانڈیوں کے

بارے میں بزرگوں سے اتنا ضرور سنا ہے وہ جس کے نام پر اُڑائی جاتی ہیں اُسے پانی میں بھی نہیں چھوڑتیں۔ اگر کسی وجہ سے یہ خطرناک عمل ناکام ہو جائے تو پھر اسے کرنے والا ہانڈی کا شکار ہو جاتا ہے۔

میں نے سیّد کی لاٹھی پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔ ہانڈی مجھ سے بیس فٹ کے فاصلے پر رُک گئی تو انکا نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیئے۔ پھر اُس کی زبان سے ناقابلِ فہم زبان میں کچھ جملے ادا ہونے لگے۔ میں نے پہلی بار انکارانی کو ایک انوکھی زبان بولتے سنا تھا۔ اُس کی آنکھیں کوری ہانڈی پر جمی ہوئی تھیں، چہرے سے غیض وغضب کا اظہار ہو رہا تھا۔ جس انداز میں وہ بول رہی تھی اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا وہ کسی نادیدہ قوت کو بے نقط سنا رہی ہو۔ ہانڈی فضا میں معلق گردش کرتی رہی۔ انکارانی کی زبان سے شعلے لپکتے رہے۔ وہ خاموش ہوئی تو کسی نے ناک میں منمنانا شروع کر دیا۔

''تو درمیان میں کہاں سے آ گئی؟ میرا تیرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تو درمیان سے ہٹ جا۔ میں نے جس دشٹ کے پلید نام پر ہانڈی چھوڑی ہے اُس کا کریا کرم ہو کر رہے گا۔ کالی اور دُرگا کی بھی یہی اِچھا ہے۔ میری بات مان لے...... درمیان میں آئے گی تو، تو بھی نشٹ ہو جائے گی۔''

انکارانی کی نگاہوں سے نفرت کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اُس نے پھر اپنی زبان بولنی شروع کر دی۔ لب و لہجے سے اُس کے غصے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ نہیں گرائے، ہانڈی بھی ایک ہی محور پر چکراتی رہی۔

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا مورکھ...... اپنی ہٹ سے باز آ جا، میرا کہا مان لے۔ سمے بیت رہا ہے۔ میں تجھے ایک آخری موقع اور دے رہا ہوں، اس کے بعد میں ڈوری چھوڑ دوں گا۔ آگے تو جان۔''

جواب میں پھر انکارانی کے منہ سے شعلوں کی دُھواں دھار آتش بازی چھوٹنے لگی۔ دوسری جانب سے آخری وارننگ دی گئی، انکا دونوں ہاتھ بلند کیے جمی کھڑی رہی۔ اُس کے ہونٹوں کی جنبش ختم ہو گئی، وہ ٹکٹکی باندھے ہانڈی کو چکراتا دیکھتی رہی۔ موت اور زندگی کا صبر آزما کھیل بڑا اعصاب شکن تھا۔

اچانک ہانڈی کو ایک جھٹکا لگا، وہ برق رفتاری سے نیچے آئی۔ انکارانی شاید اسی بات کی

منتظر تھی۔ اُس نے زور سے پھونک ماری، فضا میں گھن گرج کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کچھ دیر یہ سلسلہ جاری رہا، پھر ہانڈی نے دوبارہ فضا میں بلند ہونا شروع کیا۔ انکارانی کے گلابی ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

کسی کے چیخنے کی آواز سن کر میری توجہ کالی کے مندر کی جانب مبذول ہوئی۔ ایک لمبا تڑنگا کالا بھجنگ پجاری نما شخص دھوتی باندھے بھاگتا ہوا مندر کے دروازے سے باہر نکلا۔ اُس کا اُوپری جسم ننگا تھا، چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

''جمیل......'' انکارانی نے تیزی سے میرے کاندھے پر آ کر کان میں سرگوشی کی۔ ''پنڈت نول کشور نے جو منڈل کھینچا تھا اس کے ٹوٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ مندر کے اُوپر بجلیاں چمکیں، شعلے لپکیں تو سمجھ لینا کہ تمہارا راستہ صاف ہو گیا۔ تم بلا دھڑک اندر چلے جانا۔ اپنے ہوش برقرار رکھنا۔ میں باہر رہ کر بھی تم سے دُور نہیں رہوں گی۔''

مندر سے برآمد ہونے والا شخص پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا، لیکن کوری ہانڈی بجلی بن کر اُس کے وجود سے ٹکرا گئی۔ پجاری جو یقیناً ہمارا مطلوبہ سفلی کرنے والا چمار تھا، بلبلا کر زمین چاٹنے لگا۔ اُس کے جسم سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ وہ زندگی بچانے کی خاطر دوبارہ اُٹھ کر گرتا پڑتا مندر کی طرف بھاگا۔ اُس کے جسم کے شعلے منڈل سے ٹکرائے تو بجلیاں کوندنے لگیں...... بادل کے گرجنے کی خوفناک آوازیں اُبھرنے لگیں...... مندر کے چاروں طرف چنگاریاں اُڑتی نظر آ رہی تھیں۔ انکا خوشی سے چلائی۔

''جلدی کرو جمیل، نول کشور کا منڈل ٹوٹ کر بکھر چکا ہے...... اپنا خیال رکھنا۔''

میں نے سیّد کی لاٹھی پر گرفت مضبوط کی اور برق رفتاری سے مندر کے بڑے پھاٹک کی سمت دوڑنے لگا جہاں پنڈت پجاریوں کا ہجوم ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا......!!

مندر کے اطراف جو منڈل پنڈت نول کشور نے قائم کیا تھا، انکارانی نے اس کا ستیاناس کر دیا۔ ایک غلطی بھی انسان کے حق میں بڑی تبدیلیاں رُونما کر دیتی ہے۔ سفلی جاننے والے چمار کی باتوں نے وقتی طور پر میرے دشمنوں کو ضرور خوش کیا ہوگا، وہ میری موت کا جشن منانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے، پجارنوں نے بناؤ سنگھار شروع کر دیا ہو گا۔ آنے والے لمحات اُن کے دلوں کو گرما رہے ہوں گے۔ لیکن میری انکارانی نے بازی پلٹ دی۔

نول کشور اور اُس کے ساتھیوں کے دل اس وقت دھڑکنے شروع ہو چکے ہوں گے جب خوفناک ہانڈی کو فضا میں چھوڑا گیا ہوگا، سب کی نظریں اُسی ہانڈی پر جمی ہوں گی، اُن کے چہرے تمتما رہے ہوں گے۔ وہ ایک کے مقابلے میں سینکڑوں تھے لیکن منڈل میں چھپے بیٹھے تھے۔ سامنے آنے کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔ نول کشور بھی لمبی چوڑی ڈینگیں مار رہا ہوگا۔ دوسرے ہاں میں ہاں ملانے میں پیش پیش ہوں گے۔ ایک چمار کے آ جانے سے اُن کے حوصلے اور بلند ہوئے ہوں گے۔ چھوت چھات اور اُونچ نیچ کا فرق بھول کر اُنہوں نے بھنگی کو بھی اپنا نجات دہندہ سمجھ لیا۔ عام حالات میں پنڈت پجاری کسی مسلمان کے چھوئے برتن میں پانی بھی پینا گوارا نہیں کرتے۔ کوئی غیر اُن کو ہاتھ لگا دے تو ان کا دھرم بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ خود اپنے رسوئی گھر میں بھی وہ ننگے پاؤں داخل ہوتے ہیں۔ ہر تہوار پر چھوٹے بڑے کا دھیان رکھا جاتا ہے۔ دھرم کے معاملے میں ان کے عقیدے، ان کے نظریات بڑے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن ایک میری ذات نے ان کو اس قدر ہراساں اور خوفزدہ کر دیا تھا کہ انہوں نے کالی کے پوتر مندر میں ایک نیچ ذات چمار کا داخلہ منظور کر لیا تھا۔ نول کشور مندر کا بڑا پروہت ہونے کے باوجود اُس کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھ گیا، دوسرے پنڈت پجاری بھی اُس کے ہمنوا بن گئے۔ کسی کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوا۔ ساری اُونچ نیچ ختم ہو گئی۔

میرے خوف نے سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

وہ صرف میری موت کے خواہشمند تھے۔ جب چمار ذات نے سفلی کے جنتر منتر پڑھ کر ہانڈی فضا میں چھوڑی ہوئی تو سب ہی کی نظریں اُس پر جم گئی ہوں گی۔ وہ مندر میں کہیں نہ کہیں میری ہولناک موت کا بھیانک انجام دیکھنے کی خاطر دبکے بیٹھے ہوں گے، وقت کے ساتھ ساتھ ان کے دل کی دھڑکنیں بھی بتدریج تیز ہوگئی ہوں گی۔ لیکن پھر نتیجہ کیا نکلا......؟

جیو دھاری ہانڈی کی واپسی کا سفر دیکھ کر سب کے منہ لٹک گئے ہوں گے، آنکھیں پٹپٹانے لگی ہوں گی، کلیجوں پر سانپ لوٹ گئے ہوں گے۔ سب کی سوالیہ نظریں سفلی کرنے والے پر اُٹھی ہوں گی، اُس کی دھوتی ڈھیلی ہوتی دیکھ کر سب کے دلوں میں چھوت چھات اور اُونچ نیچ کا خیال پھر اُبھرا ہوگا۔ پنڈت نول کشور نے محسوس کرلیا ہوگا کہ ہانڈی کا پلٹنا نیک شگون نہیں ہے، اُس کی تیوری پر بل آ گئے ہوں گے۔ اُس نے گرج کر بڑے تحکمانہ انداز میں کہا ہوگا۔

''اس نیچ ذات کے چمار کے منہ پر کالک تھوپ دو، اس کی چٹیا کاٹ ڈالو۔ جوتے مار کر باہر نکال دو۔''

انکارانی اسی بات کی منتظر تھی۔ چمار باہر نکلا، اُس کا پلید عمل اُسی پر لوٹ گیا۔ وہ جان بچانے کی خاطر دوبارہ مندر میں جانے لگا تو منڈل سے ٹکرا گیا، انکارانی پلک جھپکتے میں اپنا کام کر گزری۔

ہر طرف چنگاریاں اُڑ رہی تھیں، پنڈت پجاریوں نے خوف کے مارے اُونچی آواز میں اشلوک پڑھنا شروع کر دیا، کالی کو خوش کرنے کی خاطر دیوداسیاں بھجن گانے لگیں، سب کے چہرے ستے گئے، سب کو اپنی اپنی پڑی تھی، کسی نے میری طرف دھیان نہیں دیا۔ میں اُن کی بھیڑ میں شامل ہو کر آہستہ آہستہ جگہ بناتا اندر داخل ہوگیا۔ سیّد کی لاٹھی کو میں نے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ چھوٹے بڑے مندروں کو کس انداز میں تعمیر کیا جاتا ہے؟ اس کا تھوڑا بہت تجربہ میں پہلے بھی کر چکا تھا۔ میرے جسم پر سادہ لباس تھا، پنڈت پجاری بدحواس نہ ہوتے تو پہلی ہی نظر میں ضرور چونکتے۔ میں نے عجلت سے کام لیا، مندر کے وسیع و عریض چبوترے کے اطراف مہندی کی باڑھ لگی تھی۔ میں اُس کی آڑ لیتا ہوا برق رفتاری سے عقبی حصے کی طرف نکل گیا جہاں یاتریوں کے ٹھہرنے کے لئے کمرے تعمیر تھے۔ ہر طرف ہاہا کار

مچی تھی۔ سب کے چہرے فق تھے، مجھے موقع مل گیا۔ میں قدم بڑھاتا ایک کمرے میں داخل ہوگیا، سامنے پلنگ پر ایک بوڑھا پڑا تھا۔

''کیا ہوا بلرام؟'' بوڑھے نے مجھے اپنا ساتھی سمجھ کر پوچھا۔ ''باہر کیسا شور ہو رہا ہے؟''

''بڑے پروہت جی کی موسی کا انتقال ہوگیا۔ سب سینہ کوبی کر رہے ہیں۔'' میں نے نفرت سے کہا، پھر لپک کر اُس کی گردن دبوچ لی۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھا جہاں انسان اُٹھ کر پانی بھی نہیں پی سکتا۔ مجھے زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی، دو چار جھٹکوں میں ہی اُس کی آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں۔ میں نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے کنڈی لگا لی، ایک طرف ٹین کے صندوقچے میں کئی لباس موجود تھے۔ میں نے زرد رنگ کی ایک دھوتی نکال کر باندھ لی۔ کھونٹی پر لٹکی ہوئی دو چار مالائیں بھی گلے میں ڈال لیں۔ مرنے والے کے ہاتھ کا کڑا اُتار کر سیدھے ہاتھ میں پہن لیا، ماتھے پر چندن تھوپ تھاپ کر دروازے کے قریب آ گیا۔ سیّد کی لاٹھی بدستور میرے ساتھ تھی۔ میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ حلیہ تبدیل کر لینے کے بعد وہ مجھے آسانی سے شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ کچھ دیر دروازے سے لگا کھڑا میں باہر کی سن گن لیتا رہا، پھر کنڈی کھول کر باہر آ گیا۔ میں نے صدر دروازے کی طرف جانے کی غلطی نہیں کی، عقبی حصے کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔ پنڈت پجاریوں کی ٹولیاں جگہ جگہ موجود تھیں وہ سب اسی ہنگامے کی بات کر رہے تھے جو انکارانی نے بپا کیا تھا۔ دو چار بوڑھے پنڈتوں کے ہاتھ میں مجھے لاٹھیاں اور ڈنڈے بھی نظر آئے۔ مجھے اطمینان ہوگیا۔ میں نے بھی سیّد کی لاٹھی اس طرح تھام لی جیسے اسے سہارے کے طور پر استعمال کرنے کا عادی ہوں۔

مندر میں موجود کئی لوگوں نے مجھے سرسری طور پر دیکھا لیکن کوئی نوٹس نہیں لیا۔ میں پوری طرح محتاط تھا، کالی کے اس مندر میں جگہ جگہ لگی تختیوں نے میرے لئے بڑی آسانی پیدا کر دی تھی۔ وہ یاتریوں کی رہنمائی کے لئے آویزاں کی گئی تھیں، اس وقت میرے کام آ رہی تھیں۔

آدھے گھنٹے تک میں اِدھر اُدھر کوئی مناسب جگہ تلاش کرتا رہا، پھر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ہنگامے کی شدت آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ پنڈت پجاری صدر دروازے سے ہٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔ پنڈت نول کشور کی طرف

سے بار بار چاروں طرف بلندی پر لگے لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے اعلان کیا جا رہا تھا کہ صدر دروازہ کچھ دیر کے لئے بند کیا جا رہا ہے۔ سب سے درخواست کی جا رہی تھی کہ وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر بیٹھ جائیں۔ میں اس اعلان کا مطلب سمجھ گیا۔ دھما چوکڑی کے بعد سب ہی کا ذہن معطل ہو گیا تھا، اب دشمنوں کی نظریں مجھے تلاش کر رہی ہوں گی۔ اُنہیں یہ گمان بھی ضرور ہوا ہوگا کہ میں موقع پا کر ان کے درمیان نہ پہنچ گیا ہوں۔ اپنی تسلی کی خاطر وہ ایک ایک کونے کھدرے میں میری تلاش کریں گے۔ میں ہاتھ آ گیا تو میری تکہ بوٹی کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ میرے لئے چھپنے کی خاطر کسی مناسب جگہ کی فوری ضرورت تھی۔ میں دوبارہ یاتریوں کی رہائش والے حصے کی طرف لوٹ رہا تھا جب ایک خوبصورت پجارن میرے سامنے آ گئی۔ وہ کمسن تھی، حسین تھی۔ لیکن اُس کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ جس انداز میں اُس نے سامنے آ کر اچانک میرا راستہ روکا تھا اس سے یہی گمان ہوا کہ وہ میرے اُوپر کسی اور کا دھوکہ کھا رہی تھی۔ میرے چہرے کے خدوخال اُس کے کسی واقف کار سے ملتے ہوں گے۔

''مہاراج......'' اُس نے ہاتھ باندھ کر رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بڑی کرپا ہوگی تمہاری، ایک نظر میری ماں کو دیکھ لو۔''

''کیا ہوا اُسے......؟'' میں نے آواز بنا کر پوچھا۔

''کل رات سے اُس کے منہ میں ایک دانہ بھی نہیں گیا۔ شریر بھی تپ رہا ہے۔ گرودیو ہوتے تو وہ دیکھ لیتے......'' وہ بڑی سوگوار نظر آ رہی تھی۔

''گرودیو......؟''

''وہ کچھ دنوں پہلے دیوی درشن کو آئے تھے، دو دن ہوئے واپس چلے گئے۔'' اُس نے مختصراً بتایا۔ ''اُن کے ہاتھ میں جادو تھا مہاراج...... ماں ایک دم بھلی چنگی ہو گئی تھی، جیسے کبھی روگ نہ رہا ہو۔''

''تم یہاں کیا کرتی ہو......؟'' میں نے دبی زبان میں اُسے ٹٹولا۔

''جب ماں ٹھیک ہوتی ہے تو وہ بڑے پروہت کی سیوا کرتی ہے۔ آج کل یہ کام مجھے کرنا پڑ رہا ہے۔''

''تمہارا مطلب پنڈت نول کشور مہاراج سے ہے؟'' میں نے دل پر جبر کر کے اُسے

دشمن کے لئے مہاراج کا لفظ استعمال کیا۔

''ہاں مہاراج......''

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ شاید قسمت مہربان تھی جو میرا اُس کا ٹکراؤ ہو گیا۔ میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا، سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ ''کیا پروہت مہاراج تمہاری ماتا کا علاج نہیں کرتے؟''

''اُن کے پاس اتنا سمے کہاں ہے؟'' اُس کے جواب میں احساس محرومی بھی شامل تھا۔

''میں کیا کر سکوں گا؟'' میں نے کہا۔ ''میں بھی آج صبح ہی دیوی درشن کے کارن بہت دُور سے چل کر آیا ہوں۔''

''اور کچھ نہیں تو بیمار کے شریر پر ہاتھ رکھ کر بھگوان سے پرارتھنا ہی کر دینا۔'' اُس کی نیل کنول جیسی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ ''میرے من کو چین آ جائے گا۔''

میرے پاس وقت کم تھا، میں نے اُس کی بات مان لی، اُس کے ساتھ ہو لیا۔ مجھے زیادہ دُور نہیں چلنا پڑا۔ دو چار موڑ کاٹ کر وہ حصہ آ گیا جہاں دس بارہ ہٹ نما چھوٹے چھوٹے کوارٹر بڑی خوبصورتی سے تعمیر کئے گئے تھے۔ شاید وہ نول کشور کے مخصوص ملازموں کے لئے وقف تھے۔ ادھر سناٹا ہی تھا۔ وہ مجھے ایک کوارٹر میں لے گئی جو چھوٹے چھوٹے دو کمروں پر مشتمل تھا۔ چھوٹا سا صحن بھی تھا۔ پجارن نے مجھے اپنا نام جھرنا بتایا تھا۔ ایک کمرے میں اُس کی بیمار ماں فرش پر پڑی تھی۔ اُس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بخار کی شدت اور نقاہت نے نڈھال کر رکھا تھا۔ میں نے چٹائی پر بیٹھ کر اُس کی کلائی پر ہاتھ رکھا۔ جھرنا نے غلط نہیں کہا تھا، عورت کا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ شدید بخار میں مبتلا تھی۔

''جمیل......'' میرے کانوں میں انکا کی مانوس آواز اُبھری۔ ''تم قسمت کے دھنی ہو جو تمہیں سر چھپانے کا ٹھکانا مل گیا۔ جھرنا کے مکان پر کسی کو تمہاری موجودگی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کی ماں جب بارہ سال کی تھی تب سے نول کشور کی سیوا کر رہی ہے۔ جھرنا بھی نول کشور کی شرافت کا کڑوا پھل ہے، تم اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کرو، یہ تمہارے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔''

مجھے انکا رانی کی آواز سن کر تعجب ہوا۔ وہ کسی طور بھی کالی یا دُرگا کے مندروں میں داخل نہیں ہو سکتی تھی، کسی مندر میں اُس کی آواز بھی پہلی بار میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ شاید

اس میں بھی پریتم لال کی دان کی ہوئی قوتوں کا دخل شامل رہا ہو۔ مندر میں داخل ہوتے
وقت انکا نے کہا بھی تھا کہ وہ باہر رہ کر بھی مجھ سے دُور نہیں رہے گی۔ اُس نے غلط نہیں کہا
تھا۔ میں اُس کی آواز واضح طور پر سن رہا تھا۔

''کیا تم سب کچھ دیکھ رہی ہو......؟'' میں نے عالم تصور میں انکا کو مخاطب کیا۔

''ہاں۔ تم جہاں جہاں جاؤ گے، تمہارے آس پاس کا کچھ حصہ مجھے نظر آتا رہے گا۔ پر
تمہیں صرف مشورے دے سکوں گی، میری قوت مندر کے اندر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے
گی......'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ عورت جو تمہارے سامنے پڑی ہے اس کا نام جمنا
ہے۔ کبھی اس کی بھرپور جوانی کو دیکھ کر بڑے بڑے گیانیوں کی رال ٹپکنے لگتی تھی، اب بھی
اس کے ماضی کا حسن اس کے چہرے کے خطوط سے جھلک رہا ہے۔ میں زیادہ دیر تم سے
مخاطب نہیں رہ سکتی، آتی جاتی رہوں گی...... میری بات غور سے سنو، اپنے سینے کا ایک بال
توڑ کر جمنا کے منہ میں ڈال دو۔ ماں بیٹی دونوں تمہاری بے دام غلام بن جائیں گی۔ لیکن
جلد بازی سے کام نہ لینا۔ ورنہ......''

انکا سے میرا رابطہ ٹوٹ گیا۔ لیکن اُس کے جملے کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔ میری نظریں جمنا
کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''کس سوچ میں گم ہو مہاراج......؟'' جھرنا کے چہرے پر میری خاموشی سے تشویش
کے رنگ اُبھرنے لگے۔

''تمہارے پتا کا دیہانت کب ہوا تھا......؟'' میں نے برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔ میرے
پاس وقت کی کمی نہیں تھی۔

''مم...... مجھے نہیں معلوم مہاراج۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔ ''ماں
بتاتی ہے کہ جب میں نے جنم لیا تھا تب وہ جیوت تھے، پھر میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے
ہی بھگوان نے انہیں اپنے پاس بلالیا......''

''کیا جمنا پہلے بھی بیمار ہوتی رہی ہے......؟'' میں نے بات کا رُخ بدل دیا۔

وہ میرے منہ سے ماں کا نام سن کر چونکی۔ میں بھی اُسے حیران کر دینا چاہتا تھا۔ اُس
نے کچھ کہنا چاہا، میں نے اُسے موقع نہیں دیا، بڑے ٹھوس لہجے میں بولا۔

''تجھے کس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے پگلی؟ جو جیون سے منہ پھرا کر آکاش سے رشتہ جوڑ

بچے ہیں وہ سارے بھید بھاؤ سمجھنے لگتے ہیں...... تو ابھی نادان ہے، سیانی ہو جائے گی تو
تیری بُدھی بھی کام کرنے لگے گی۔'' میں نے اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے
بات جاری رکھی۔ ''جو اندھیروں میں دُور تک دیکھنے کی شکتی پراپت کر لیں، پھر اُجالوں میں
ان کا من نہیں لگتا۔ اپنی زبان پر تالے ڈال لے، تیری زبان میرے بارے میں کسی کے
سامنے کھل گئی تو بھونچال آجائے گا۔ میں تیری کوئی سہائتا بھی نہیں کر سکوں گا، سمجھ رہی ہے
میری بات؟ میں کب آیا؟ کب گیا؟ کسی کو بھنک بھی نہ ملے۔ کسی سے کچھ نہ کہنا......
پنڈت نول کشور کے سامنے بھی زبان بند ہی رکھنا۔''

''تم میری ماں کو اچھا کر دو، میں سارا جیون تمہارا اپکار نہیں بھولوں گی۔'' اُس نے بڑی
عاجزی سے درخواست کی۔ ''جیسا کہو گے ویسا ہی کروں گی۔''

''چنتا مت کر، میں آگیا ہوں، اب تیری ماں کو کچھ نہیں ہوگا...... نیر بہانا بند کر دے، تو
بڑی بھاگوان ہے جو تو نے مجھے کھوج لیا۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے جھرنا کے معصوم ذہن کو تسخیر کرنے کی خاطر یونہی ہونٹ ہلانا شروع کر دیے۔
وہ اُمید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار تھی۔ جمنا بے سدھ پڑی کراہ رہی تھی۔ کمرے میں کچھ
دیر سناٹا طاری رہا۔ جھرنا کبھی حسرت بھری نظروں سے ماں کو دیکھنے لگتی، کبھی پُر اُمید نظروں
سے مجھے تکنے لگتی۔ میں نے زیادہ وقت نہیں لیا، ہونٹ ہلانا بند کر کے معنی خیز نظروں سے
اطراف کا جائزہ لیا۔ پھر سینے کا ایک بال توڑ کر جمنا کے منہ میں ڈال دیا، اُسے گھورتے
ہوئے کہا۔

''اب آنکھیں کھول دے جمنا، اُٹھ کر بیٹھ جا...... میری آگیا کا پالن کر۔ میں نے تیرا
روگ دُور کر دیا ہے۔''

جھرنا نے ماں کو میری آواز پر کسمساتے دیکھا تو اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جمنا
نے آنکھیں کھول کر مجھے غور سے دیکھا، پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں خود بھی ششدر رہ گیا۔ جھرنا
پر بھی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ بے اختیار ماں کے سینے سے لپٹ کر خوشی کے آنسو
بہانے لگی۔ جمنا مجھے گھورے جا رہی تھی۔

''تیری پتری میرا ہاتھ تھام کر لے آئی تھی۔'' میں نے اسے سمجھانے کی خاطر کہا۔

''جس گرودیو نے تیرا علاج کیا تھا وہ کیول تیرے شریر کو اُوپر ہی اُوپر دیکھ سکا، اندر جھانک

کر تیرا اصلی روگ نہیں جان سکا...... میں نے بڑے سوچ وچار کے بعد تجھے وہ دارو دیا ہے جو من کو شانت کر سکے۔ جو گزر گئی، گزر گئی۔ جو باقی رہ گئی اسے بھی ہنس کر بِتا دے۔ من کے پچھتاووں کو تن کا روگ کیوں بنا لیتی ہے؟"

"تم...... تم کون ہو مہاراج؟" جمنا نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ "تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نہیں سمجھ سکی۔"

"پُتری...... تو دو پل کے لئے باہر چلی جا......" میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ جھرنا سہم کر باہر چلی گئی۔ میں نے جمنا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "اب پوچھ، کیا جاننا چاہتی ہے، وہ جو بیت گیا؟ یا وہ جو کل پیش آنے والا ہے......؟"

"میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھ سکی......" اُس نے بدستور حیرت کا اظہار کیا۔ "آج پہلی بار تمہیں دیکھا ہے۔ کوئی بھول ہوگئی ہو تو شما کر دینا۔"

"بھول تو تجھ سے بہت پہلے ہو چکی، اب اسے نبھانے کی چنتا کر۔" میں نے سرد آواز میں جواب دیا۔ "جھرنا کو خبر ہوگئی تو اُس کے دل پر کیا بیتے گی مورکھ، بچی کے بھوش کے بارے میں سوچا کر۔ اُس کی رکھشا کرنے کی خاطر آنکھیں کھلی رکھ۔ جو تیرے ساتھ ہو چکا وہ جھرنا کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔ تو سمجھدار تھی جھیل گئی۔ وہ ناسمجھ ہے، اُس کے ساتھ کچھ ہوا تو وہ جیو ہتیا کر لے گی۔" میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ "میں خود سے نہیں آیا، تیری پُتری میرا ہاتھ تھام کر لے آئی۔ میری نظروں نے تیرے من کا روگ جان لیا۔ میں ابھی دو چار روز ہوں، پھر چلا جاؤں گا۔ میری بات کان کھول کر سن، ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔ بھگوان یا دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں کچھ نہیں کرتیں۔ وہ کوئی دوش کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتیں۔ منش راکشس بن جاتا ہے...... اپنے من میں جھانک، اپنے جیون کی پستک کے پنّے پلٹ کر دیکھ، ایک پنّے پر تجھے اُس چنڈال کی صورت نظر آجائے گی جو کالی کے پوتر استھان پر دھرنا جمائے بیٹھا پجارنوں کے اُجلے تن سے کھلونوں کی طرح کھیل رہا ہے...... دیوداسیوں سے من بہلا رہا ہے...... سمجھ گئی میری بات یا کھل کر تیرے جیون کی ساری کتھا سنا ڈالوں......؟"

جمنا نے میرے پیر پکڑ لئے۔ جھرنا پہلے ہی میری شعبدہ بازی سے متاثر ہو چکی تھی۔ مجھے کالی کے مندر میں سر چھپانے کا ٹھکانا مل گیا۔ دونوں ماں بیٹیوں نے یقین دلایا تھا کہ وہ

میرے بارے میں زبان نہیں کھولیں گی۔ میں نے سکون کا سانس لیا...... پنڈت نول کشور کے سیوکوں نے پورا مندر کھنگال ڈالا۔ جمنا کے گھر کی تلاشی نہیں لی گئی، میں محفوظ رہا۔ نول کشور، جمنا کی جوانی سے کھیل چکا تھا، اب جھرنا کی کمسنی میں نقب لگانے کی سوچ رہا تھا۔ اس کے دماغ کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ اس کا سب سے بڑا دشمن اس کے سب سے بااعتماد لوگوں کے گھر میں چھپا بیٹھا ہوگا۔

جھرنا الہڑ تھی، کمسن تھی، نادان تھی۔ ماں کو باتیں کرتا دیکھ کر اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹیں واپس لوٹ آئیں۔ وہ ہرنیوں کی مانند کلیلیں بھرنے لگی۔ کبھی بھاگ کر باہر جاتی، کبھی دوڑ کر اندر آتی۔ جو ہنگامے ہو رہے تھے اُن کا آنکھوں دیکھا حال بتانے لگتی۔ پنڈت نول کشور پر کیا قیامت گزر گئی، جھرنا کو اس کا مطلق اندازہ نہیں تھا۔ جمنا کے چہرے پر البتہ تشویش کے گھنے بادل منڈلانے لگے تھے۔

"کیا بات ہے؟" میں نے جمنا کو کریدنے کی خاطر انجان بن کر پوچھا۔ "یہ جھرنا کیا خبریں سنا رہی ہے؟ باہر کیا ہو رہا ہے......؟"

"بھگوان ہی جانے۔" وہ نقاہت سے بولی۔ "بہت دنوں سے ہردوار کے آکاش پر کالے کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔ پنڈت پجاری بڑے پروہت کے ساتھ بیٹھے کھسر پھسر کرتے رہتے ہیں، کسی کو اُدھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے...... تم آرام کرو۔ میں اب چلتا ہوں۔" میں نے جان بوجھ کر اُٹھتے ہوئے کہا۔ "ابھی رہنے کا ٹھکانا بھی دیکھنا ہے۔ پنڈت نول کشور سے ملاقات بھی کرنی ہے......"

"تم کہاں سے آئے ہو مہاراج......؟" جمنا نے دبی زبان میں پوچھا۔

"بنارس سے......" میں نے اُس کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے بے پرواہی سے جواب دیا۔ "دو تین دن ٹھہروں گا، پھر واپس چلا جاؤں گا۔"

"بڑے پروہت سے تمہاری ملاقات پہلے سے ہے یا پہلی بار ملو گے؟"

"تم کیوں پوچھ رہی ہو......؟" میں نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جب میں غنودگی کی حالت میں تھی تو تم جھرنا سے باتیں کر رہے تھے۔ تم نے کہا تھا کہ اگر کسی کے سامنے اس کی زبان تمہارے بارے میں کھل گئی تو بھونچال آجائے گا۔" وہ مجھے گھورنے لگی۔ "تم نے کہا تھا کہ بڑے پروہت کو بھی تمہارے بارے میں معلوم نہ

ہو......اور اب تم خود چل کر اُس کے پاس جا رہے ہو۔“
میں ایک لمحے کو ٹپٹا گیا، پھر مسکرا کر بولا۔ ”تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گی......“
”پھر جیسا تم چاہو......لیکن میری مانو تو اس سمے بڑے پروہت سے نہ ملو تو اچھا ہو گا۔“
”کیوں......؟“
”میں کوئی کارن تو نہیں بتا سکتی، پرنتو اتنا جانتی ہوں کہ کالی اپنے سیوکوں سے ناراض ہو گئی ہے۔“ اُس نے مدھم لہجے میں کہا۔ ”کوئی چنتا ضرور ہے جس نے بڑے پروہت کو بیاکل کر رکھا ہے۔ وہ اپنے لوگوں پر بھی شک کرنے لگا ہے۔ تم نئے آئے ہو، وہ تمہارے اوپر بھی شبہ کرے گا۔“
”تم......“ میں نے جمنا کی بات سن کر آنکھیں بند کر لیں، اُسے متاثر کرنے کے لئے میں کچھ دیر آنکھیں موندے رہا۔ اُس نے جو جملہ کہا تھا اس کے پس پردہ مجھے شیوا کا چہرہ نظر آنے لگا۔ انکارانی نے بتایا تھا کہ نول کشور نے اس کی بات نہیں سنی تھی، تہہ خانے کی کی کال کوٹھڑی میں قید کر دیا تھا۔ میں جمنا کو اعتماد میں لے کر شیوا کا پتہ معلوم کر سکتا تھا۔ بات اگر شیوا کی نہ بھی ہوتی تو جمنا اس کا نام سن کر ضرور چونکتی۔ وہ اگر نول کشور کی خاص پجارن تھی تو پنڈت شیوا کے بارے میں بھی ضرور جانتی ہو گی۔ میں نے اُسے مرعوب کرنے کی خاطر صرف ’تم‘ کہہ کر بات ادھوری چھوڑ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ یقیناً پوری طرح میری طرف متوجہ ہو گی۔ میں نے کچھ توقف کے بعد دوبارہ آنکھیں کھولیں تو میرا قیاس درست ثابت ہوا۔ جمنا مجھے ٹکٹکی باندھے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پہلو بدل کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔
”میں سمجھ رہا ہوں تم کس کی بات کر رہی ہو۔ میں بھی اُسی کو کھوجنے آیا ہوں۔ نول کشور نہیں جانتا، مجھے معلوم ہے کہ وہ نردوش ہے۔“ میں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی خاطر گمبھیر آواز میں سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ”وہ نردوش نہ ہوتا تو کالی اپنے سیوکوں سے ناراض بھی نہ ہوتی، اس سمے جو شور وغل ہو رہا ہے، وہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔“
”تم کس کی بات کر رہے ہو مہاراج؟“ جمنا نے کسمسا کر پوچھا۔
”وہی......جو پہلے بڑے پروہت کا خاص آدمی تھا۔“ میں نے شیوا کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے سرسراتی آواز میں کہا۔ ”اب بغیر کسی پاپ کے سزا بھوگ رہا ہے۔

...ے من کی دُبدھا سمجھ رہا ہوں۔ تو بھی اسی نیک منش کے لئے بیاکل ہو رہی ہے......“
”مہاراج......“ اُس نے بڑی عقیدت سے میرے قدموں کو ہاتھ لگا کر چومتے ہوئے ...زبان میں کہا۔ ”جب تم دلوں کا بھید جاننے کی شکتی رکھتے ہو تو پھر بڑے پروہت سے ...کی بھول کیوں کر رہے ہو......؟“
”سر چھپانے، رات گزارنے کے لئے کوئی ٹھکانا تو ڈھونڈنا پڑے گا۔“ میں نے لوہا ...م دیکھ کر ہلکی سی ضرب لگائی، مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔
”ایک بنتی کروں مہاراج......“ وہ ہاتھ جوڑ کر مجسم التجا بن گئی۔ ”غریب پجارن کا یہ ...تم جیسے مہان دیوتا سمان منش کو شوبھا تو نہیں دیتا۔ لیکن تم یہیں بسیرا کر لو تو زیادہ ...ب ہو گا۔ ہمارے بھاگیہ بھی کھل جائیں گے۔“
”کسی کو بھنک مل گئی تو وہ تیرے اور جھرنا کے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں کریں ...ے۔“ میں نے تشویش کا اظہار کیا۔
”تم اس کی چنتا مت کرو، جھرنا بھی زبان بند رکھے گی۔ میں بھی کسی سے کچھ نہیں کہوں ...گی۔“ اُس نے یقین دلایا۔
”ایک شرط پر......“ میں نے اُس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی۔ ”میرے من ...ے بھیتر......ایک کال کوٹھڑی چچمار رہی ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ اُسے وہیں قید کیا ہو گا۔ ...ے کھوجنے میں تجھے میری سہائتا کرنی ہو گی......تیار ہے جان جوکھم میں ڈالنے کو......؟“
”تم......تم پنڈت شیوا ہی کی بات کر رہے ہو نا مہاراج؟“ جمنا کی زبان پر شیوا کا نام آ ...۔ اُس نے اپنی مجبوری کا اظہار بھی کر دیا۔ ”میں تمہیں وہاں تک نہیں لے جا سکتی، لیکن ...راستہ ضرور دکھا سکتی ہوں جو اس تہہ خانے کو جاتا ہے، جہاں اُس مہان پنڈت کو زنجیروں ...جکڑ کر رکھا گیا ہے۔“
میرے لئے جمنا کا وجود کالی کے اس مندر میں جہاں ہر طرف کھلبلی مچی ہوئی تھی، کسی ...یہ دار درخت سے کم نہیں تھا۔ میں نے اُسی کے کوارٹر کے ایک گوشے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ...تیں ایک دن سکون سے گزر گیا۔ انکا نے جھرنا کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔ وہ کمسن ...نے کے باوجود بڑی ذہین ثابت ہو رہی تھی۔ اُس کے کہیں آنے جانے پر کوئی روک ...نہیں تھی۔ نول کشور، جمنا کے بعد جھرنا کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے سہانے سپنے

دیکھ رہا تھا۔ ایک دو بار اُس نے جمنا کو بھی اپنے ارادے سے آگاہ کیا تھا۔ جمنا ایک ماں بھی تھی۔ وہ نول کشور کی بات سن کر کانپ اُٹھی تھی۔ اُس کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی مندر کے اندر کھلنے والی ہر کلی پر پہلا حق بڑے پروہت کا ہوتا ہے، اس کے بعد دوسرے بھی اس کی مہک سے حیثیت بھر استفادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ مندروں میں یہی کچھ ہوتا ہے، چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں رنگے ہوتے ہیں اس لئے ایک دوسرے پر اُنگلیاں بھی نہیں اُٹھائی جاتیں۔ کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کے لئے بھی پجارنوں کے خون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بڑی ہولناک رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ پجاریوں اور دیوداسیوں کی تعداد کا حساب کتاب بھی ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ تمام باتیں خود جمنا نے رو رو کر بتائی تھیں۔ میرے اُوپر اُس کا اعتماد بڑھتا جا رہا تھا۔

اس وقت بھی میں جمنا کے ساتھ بیٹھا حالات کی سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا جب اچانک پانچ چھ ہٹے کٹے پجاری ہاتھوں میں لٹھ لئے دندناتے ہوئے اندر گھس آئے...... سیّد کی لاٹھی میرے قریب ہی رکھی تھی۔ میں نے برق رفتاری سے اُسے اُٹھا کر گھمایا، لاٹھی جسے لگی وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے حلق سے بڑی کربناک چیخ کی آواز بلند ہوئی تھی۔ میں نے اُچھل کر پوزیشن تبدیل کی۔ جمنا بھاگ کر ایک طرف ہو گئی۔ ایک پجاری نے اُسے بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا، وہ چکرا کر منہ کے بل گری۔ میں نے پینترا بدل کر دوسرا وار کیا، ایک شخص اور ڈھیر ہو گیا۔ باقی پیچھے کھسکنے لگے۔ میں نے لاٹھی لہرا کر اُنہیں للکارا۔

"پیچھے کیوں ہٹ رہے ہو حرام زادو...... مرد بنو، باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کرو۔ اپنے باقی ساتھیوں کو بھی بلا لو۔ آج یہ فیصلہ بھی ہو جائے کہ کون بڑا ہے، کون چھوٹا......"

"تم پوری طرح ہمارے نرغے میں پھنس چکے ہو۔" اُن میں سے ایک غرایا۔ "سیدھی طرح لکڑی پھینک کر خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"پنڈت نول کشور کے اشاروں پر ناچ رہے ہو کمینو......" میں گرج کر بولا۔ "تم اس منڈل کا انجام بھی دیکھ چکے ہو جو تمہارے پروہت نے بڑے مان سے کھینچا تھا، کیا حاصل ہوا......؟ آنکھیں کھولو، حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ خود عیش کر رہا ہے، تمہیں ایک ایک کر کے میرے انتقام کی آگ میں جھونک رہا ہے۔ پنڈت کالی داس کا انجام کیا ہوا...... اوم پرکاش بھی کام آ گیا۔ میں اب بھی تمہارے سامنے سینہ تانے کھڑا ہوں۔ اُس ہیجڑے سے

کہو کہ اگر مرد ہے تو سامنے آئے۔ تم کیوں مفت میں گاجر مولی کی طرح خود کو کٹوانے پر تُلے ہوئے ہو۔" میں سیّد کی لاٹھی لہراتا رہا، میرے حلق سے انگارے اُبلتے رہے۔ میں نے کہا۔ "سامنے آنے سے ڈرتا ہے تو مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ سن رہے ہو میری بات؟"

"تمہارا سپنا پورا ہو گیا جمیل احمد خاں۔" اُنہوں نے سفاک لہجہ اختیار کیا۔ "ہم کالی کے پوتر مندر میں تمہارا پلید خون نہیں بہانا چاہتے۔ تم جو سپنے دیکھ رہے ہو وہ پورے نہیں ہوں گے۔ دُرگا کے علاوہ کالی کا آشیرواد بھی ہمارے ساتھ ہے۔ تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

میرے جنون میں اضافہ ہونے لگا۔ میں لاٹھی لہراتا آگے بڑھا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے کوارٹر سے باہر آ گئے۔ میں سمجھا اُن کے قدم اُکھڑ رہے ہیں۔ وہ میرے خلاف جال بن رہے تھے۔ انکارانی نے آخری وقت تک یہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میں سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاؤں، جلد بازی کا مظاہرہ نہ کروں۔ خود کو حصار میں رکھوں، اس سے باہر نکلنے کی حماقت نہ کروں۔ میں جمنا اور جھرنا پر بھروسا کر کے بے فکر ہو گیا تھا۔ یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ پنڈتوں کے جنتر منتر کے بیر بھی مجھے تلاش کر سکتے ہیں۔ پہلے بھی کئی موقعوں پر میری کوتاہی مجھے بدترین حالات سے دوچار کر چکی تھی۔ ایک بار پھر میرے ستارے گردش میں آ گئے۔ میں جمنا کے کوارٹر سے باہر نکلا تو اُن کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا...... باہر کئی سورما دروازے کے دائیں بائیں لٹھ اُٹھائے موجود تھے۔ کسی بزدل نے چھپ کر پشت سے بھرپور وار کیا...... سیّد کی لاٹھی پر میری گرفت کمزور پڑنے لگی۔ میرے سر پر کئی سورج طلوع ہو کر تیزی سے غروب ہوتے چلے گئے...... میں سنبھل نہ سکا، وہ میرے سر پر، جسم پر لٹھ برسا رہے تھے۔ میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ساری حسرتیں تڑپ کر رہ گئیں...... میری آنکھوں تلے اندھیرا پھیلنے لگا۔

"مار ڈالو سالے مُسلے کو...... قیمہ بنا دو......" کئی ملی جلی آوازیں میرے کانوں میں گونجیں۔ پھر ہر احساس تاریکی میں گم ہو کر رہ گیا......!!

میں کب تک بے ہوش رہا، کتنے عرصے بے خبری کی کیفیت سے دوچار رہا، اُنہوں نے میرے اُوپر کیا کیا ستم ڈھائے، کیا کیا ظلم کئے، مجھے کچھ یاد نہیں۔ جب دوبارہ ہوش آیا تو میرا جوڑ جوڑ ناسور کی طرح دُکھ رہا تھا۔ اذیتناک تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو یوں لگا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہوں...... لیکن

وہ خواب نہیں، حقیقت تھی۔ میں کالی کے قدآور بت کے سامنے بیس فٹ کے فاصلے پر ایک ستون سے بندھا کھڑا تھا۔ میرا جسم رسیوں سے نہ جکڑا ہوتا تو شاید میری ٹانگیں میرے وجود کا بوجھ برداشت نہ کرسکتیں۔ میرے دائیں بائیں پنڈت پجاری قطار بنائے کھڑے مجھے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھور رہے تھے۔ کالی کے بت کے سیدھے ہاتھ پر ایک ہٹا کٹا دراز قد شخص ایک اُونچی کرسی پر بیٹھا مجھے بڑی کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں پنڈت نول کشور کا نام گردش کرنے لگا۔ اُس کی خوفناک نظروں سے شعلے نکل رہے تھے۔ میری نظریں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔ دشمن کو سامنے دیکھ کر میرے خون نے جوش مارا۔ میں نے نندا کے بتائے ہوئے عمل کو پڑھنے کی کوشش کی، میری زبان نے میرا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ میں نے عالم تصور میں انکارانی کو آواز دی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ مندر سے باہر رہ کر بھی مجھ سے دُور نہیں رہے گی، میں جہاں جاؤں گا اس کے آس پاس کا کچھ حصہ اُسے نظر آتا رہے گا۔ جھرنا سے ملاقات کے بعد میں نے واضح طور پر اُس کی آواز بھی سنی تھی...... اُس نے کہا تھا کہ جھرنا میرے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔ لیکن اس وقت کوئی میری بدنصیبی میں شریک ہونے کے لئے سامنے نہیں آیا۔ مجھے تنہا ہونے کا احساس ڈنک مارنے لگا۔

میں اپنی بے بسی پر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ کلدیپ نے کہا تھا کہ سیّد کی لاٹھی کسی آخری موقع پر میرے کام آئے گی...... وہ بھی میرے ہاتھ سے کہیں نکل گئی تھی۔ انکارانی بھی کہیں دُور کھڑی تماشہ دیکھ رہی ہوگی۔ دُرگا نے کلدیپ اور پریتم لال کو میرے راستے سے علیحدہ کردیا تھا۔ کالی کی شکتی نے شاید انکارانی کی قوتِ پرواز بھی چھین لی ہوگی...... کمسن جھرنا کیا کرسکتی تھی؟ وہ تو خود عتاب کا نشانہ بن رہی ہوگی۔ مجھے جمنا کے گھر سے برآمد کرنے کے بعد اُنہوں نے جمنا کو ضرور مار ڈالا ہوگا۔ اُس کا جرم بے حد سنگین تھا، اُس غریب نے کالی کے مندر کے بڑے پروہت پنڈت نول کشور مہاراج کے مقابلے میں جمیل احمد خاں کی مدد کی تھی۔ اُسے سنگین جرم کی سزا بھی بڑی سنگین ملی ہوگی۔ جھرنا شاید محفوظ ہو...... اُس کی کمسن جوانی دیکھ کر میرے دشمنوں کو شاید اُس پر رحم آگیا ہو۔ گودے دار ہڈی دیکھ کر تو خارش زدہ کتا بھی دُم ہلانے لگتا ہے۔ جھرنا تو جوانی کی سرحدوں پر دستک دے رہی تھی۔ ہوسکتا ہے نول کشور نے اُسے خود سزا دینے کی خاطر اپنے کسی کمرۂ خاص میں بند کر

ہو، بہت کچھ ممکن تھا۔

میرے ذہن میں گرم ہوا کے تیز جھکڑ چل رہے تھے۔ میں نے کئی بار اپنی قوتوں کو آزمانا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ شاید کالی کی مہان شکتی نے مجھے پوری طرح بے بس کردیا تھا، میری تمام قوتیں سلب کرلی گئی تھیں۔ میرے دل نے کہا۔

"جمیل احمد خاں، اب اپنی شکست تسلیم کرلو۔ بہت کھیل کود چکے، ہر کہانی کا کوئی نہ کوئی انجام ضرور ہوتا ہے۔ تمہاری زندگی کی کہانی تو بڑی رنگین تھی۔ تم ہمیشہ سرکش گھوڑے کی مانند ہنہناتے رہے، تم نے جو چاہا وہ ہوا۔ جو مانگا وہ ملا۔ انکارانی کے سر پر آنے سے پیشتر تم کچھ بھی نہ تھے، وہ مہربان ہوئی تو قارون کا خزانہ تمہارے ہاتھ آگیا، تم اپنی اوقات بھول گئے، ہواؤں میں پرواز کرنے لگے، دُور دُور کی سوچنے لگے۔ دولت، عزت، شہرت تمہیں سب کچھ ملا۔ جن مہ جبینوں کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے تھے وہ بھی تمہاری آغوش میں مچلنے پر مجبور ہوگئیں۔ نرگس کے بارے میں سوچو، مالا رانی پر غور کرو، کلدیپ کے حسن کا اندازہ لگاؤ۔ کیا تم اُن کے قابل تھے؟...... نہیں، سب انکارانی کی مہربانی تھی، اُس کی پراسرار قوت تمہارے کام آتی رہی۔ تم رنگ رلیاں مناتے رہے۔ لندن میں بھی تم نے کھیل تماشے دکھا لئے، ہندوستان کے گوشے گوشے میں تمہارے نام کی گونج کسی نہ کسی طور سنائی دیتی رہی۔ لیکن کب تک...... کبھی نہ کبھی تو تمہارے عروج کو زوال ہونا ہی تھا۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے۔ کل تک تم دوسروں کی موت پر قہقہہ لگاتے تھے، فخر سے سینہ تان کر چلتے تھے، آج اپنی باری آئی تو بغلیں جھانکنے لگے...... ایسی بھی کیا کم ہمتی؟ مرد بنو...... مرد۔ گردن اُٹھا کر موت کا استقبال کرو۔ دوسروں کو بھی ہنسنے کا موقع دو......"

"کیا سوچ رہے ہو جمیل احمد خاں......؟" پنڈت نول کشور نے مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔ "تم تو ساگر کی لہروں کی طرح بڑا اُچھل کود کرنے کے عادی تھے۔ بڑا شور شرابا مچا رکھا تھا تم نے۔ جنگلی سور کی طرح کھیت کھلیان کو روندتے پھر رہے تھے، کسی کو منہ میں لگام ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے تھے...... آج دم سادھے کھڑے ٹکر ٹکر کیا گھور رہے ہو؟ کیا سانپ سونگھ گیا؟ من ہی من میں ہمیں کشٹ دینے کے بارے میں کیا کیا سندر سپنے دیکھ رہے ہو؟ کچھ ہمیں بھی سناؤ......"

"کالی کے سامنے آتے ہی میّا مرگئی سالے کی۔" ایک منہ زور پنڈت نے دل کی

بھڑاس نکالی۔ ''کل تک بڑے اُونچے سُروں میں لمبی چوڑی باتیں کرتا تھا۔''

میں رسیوں کے شکنجے میں جکڑا کھڑا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی زبان میں زہر اُگل رہے تھے۔ میری قوتِ گویائی میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میرے لئے وہ لمحے بڑے اعصاب شکن تھے۔ مجھے بے عزتی کی موت منظور نہیں تھی۔ میں نے بار بار چھڑ چھڑانے کی کوشش کی، ہر بار بندشیں میرے گوشت میں ہی پیوست ہوتیں تو میں اذیت سے بلبلا اُٹھتا۔ وہ حق بجانب تھے۔ میں نے بھی اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی۔ جو بھی سامنے آیا اُسے اپنے قدموں تلے روندتا چلا گیا، لیکن ایک فرق ضرور تھا، میں نے کسی کے ہاتھ پیروں کو جکڑ کر اُس کو اپنی مردانگی کا ثبوت نہیں دیا۔ مجھے ایک ایک کہانی یاد آرہی تھی، میرے اندر طوفان کروٹیں بدلتا رہا، شعلے بھڑکتے رہے لیکن شاید دُرگا اور کالی کی قوتوں نے مل کر مجھے بے بس کر دیا تھا۔ کتوں کے غول میں عید منائی جارہی تھی۔ پنڈت نول کشور دُور بیٹھا سر پھرے پجاریوں کو بھڑکا رہا تھا، وہ سب آپے سے باہر ہورہے تھے۔ بڑی مغلظات گالیاں بک رہے تھے۔ میری طرف منہ اُٹھا اُٹھا کر تھوک رہے تھے۔ اُن کے بس میں ہوتا تو مجھ پر ہلا بول دیتے، میرے جسم کی تکہ بوٹی کر ڈالتے۔ لیکن نول کشور نے اُنہیں قریب آنے سے روک رکھا تھا، وہ مجھے آسان موت نہیں مارنا چاہتا تھا، سسکا سسکا کر، اذیتیں دے دے کر مارنا چاہتا تھا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔

''بڑی آنکھیں لال پیلی کر رہے ہو مہاراج......'' نول کشور نے میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کی کوشش کی۔ ''کیا ہم سے تمہارے سواگت میں کوئی بھول ہوگئی؟ تم تو بڑے بڑے دعوے کر رہے تھے، بڑے بڑے جال بُن رہے تھے، اب چپ کیوں ہو؟...... کوئی منتر پڑھ کر پھونک مارو، ہمیں جلا کر بھسم کر دو، دیوی دیوتاؤں کی شان میں برے شبد اپنی گندی زبان سے نکالو، تم یہی کیا کرتے تھے نا، اور...... وہ کہاں گئی؟ تمہاری بیر بہوٹی، ڈیڑھ بالشت کی چھمیا۔ سنا ہے وہ بھی تمہارا ساتھ چھوڑ گئی۔ ایک بار اُسے پھر آواز دو، شاید اُس پودنی حرافہ کو تمہارے اُوپر دیا آجائے، تمہارا اُس کا تو برسوں کا گٹھ جوڑ تھا، اُسی کے کارن تم کیچڑ کے مگرمچھ کی طرح شکار کھیلا کرتے تھے۔ پنڈت بدری نرائن یاد ہے تمہیں؟ تمہاری وہ رکھیل کلدیپ پہاڑ سے اُتر کر نیچے نہ آجاتی تو مہاراج امرلال تمہارا وہ انجام کرتا کہ دنیا دیکھتی۔ بدری نرائن بھی تمہیں تڑپا تڑپا کر کتوں کی موت مارتا۔ تمہاری اُس

بدصورت رکھیل کے دن بھی پورے ہو چکے تھے۔ آخری سمے میں وہ کالی کے چرنوں میں آگئی۔ کالی نے دیا کھا کر اُس کی بھینٹ سوئیکار کر لی...... یاد ہے تمہیں......؟''

کلدیپ کا نام لے کر اُس نے بھڑکتی چنگاری پٹرول کے کنوئیں میں ڈال دی تھی۔ میری آنکھوں میں خون اُتر آیا، پُتلیاں حلقوں سے اُبل پڑنے کے لئے بے چین ہوگئیں۔ میری رگوں میں خون کی جگہ کن کھجورے دوڑنے لگے۔ میں نے پھر پوری قوت صرف کر دی لیکن تڑپ کر رہ گیا۔

''سندر ناریوں کو جال میں پھنسانا تجھے خوب آتا ہے۔'' نول کشور نے میری وحشت، میرے جنون کی بے بسی کا تماشہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جمنا بھی تیری باتوں میں آگئی۔ اُسے بھی اپنے کئے کی سزا بھوگنی پڑے گی۔ ہم نے اس ویشیا کو کالی کے پوتر چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کا فیصلہ کرلیا ہے......''

میرا دل چاہا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر نول کشور کی ذہنی قلاشی پر قہقہے لگانا شروع کردوں۔ وہ جمنا کو ویشیا بھی کہہ رہا تھا اور اُسے کالی کے پوتر چرنوں میں قربان کرنے کی باتیں بھی کر رہا تھا۔ کل تک جس کی چھاتیوں کے درمیان منہ رگڑ کر رانی جانی کہتا تھا، آج اُسے ویشیا کہہ رہا تھا۔

''مہاراج......'' ایک پستہ قد پجاری نے قطار سے نکل کر پنڈت نول کشور کو مخاطب کیا۔ ''گرودیو، تم آگیا دو تو میں اس ملچھ کو اپنے دو چار کرتب بھی دکھادُوں......؟''

نول کشور نے اجازت دے دی تھگنے پجاری نے سر جھکا کر ڈنڈوت کیا، پھر پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں نے رنگ بدلنا شروع کیا۔ اُس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ کسی منتر کا جاپ کر رہا تھا، سب کی نظریں ہم دونوں پر جمی تھیں۔ پستہ قد پجاری نے منتر پڑھ کر زوردار پھونک ماری، میرے چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اُس کی تپش میرے جسم کو جھلسانے لگی۔ اُس نے اُلٹا ہاتھ اُٹھا دیا، شعلے غائب ہوگئے۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ لیکن میرا سکون زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ پجاری نے اُچھل کر سیدھا پاؤں زمین پر مارا، میرے کانوں میں کسی خوفناک درندے کی غراہٹ کی آواز اُبھری...... میں نے پلٹ کر بائیں جانب دیکھا، وہ خرگوش اور بندر سے ملتا جلتا کوئی عجب الخلقت جانور تھا جو نیچے سکیڑے پیٹ زمین سے چپکائے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اُس کی

آنکھیں سی سرچ لائٹ کی تیز روشنی کی طرح چمک رہی تھیں۔ مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قسم کا کوئی جانور پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک بار اُس نے منہ کھولا تو میں کپکپا کر رہ گیا...... اُس کے لمبے لمبے نوکیلے دانت بے حد خوفناک دکھائی دے رہے تھے۔ اُس کی زبان پر جنگلی نیبو کے درخت کی طرح بڑے بڑے کانٹے اُگے ہوئے تھے۔

''جے بجرنگ بلی...... جے بھوانی......'' پجاری نے کھڑے کھڑے ہوا میں قلا بازی کھا کر نعرہ بلند کیا۔ عجیب الخلقت جانور فضا میں اُچھل کر میری سمت آیا۔ اُس کے نشتر جیسے پنجے ایک ہی جھپٹے میں میرے جسم میں کئی شگاف پیدا کر گئے...... میرے بدن سے لہو کی دھاریں اُبلنے لگیں...... پنڈت پجاریوں نے ''جے ماتا، جے کالی'' کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ زمین پر ٹکتے ہی اُس منحوس درندے نے بلی کی طرح دوبارہ چھلانگ ماری۔ اپنے پنجے میرے بدن میں گاڑ کر میرے جسم سے لپٹ گیا...... اُس کے نوکیلے دانت میری چھاتی کی بوٹیاں اُدھیڑنے لگے...... اُس نے اپنی گندی زبان کے زہریلے کانٹے میرے جسم میں چبھوئے تو میں کربناک حالت سے دوچار ہو گیا۔ میرے زخموں پر جیسے کسی نے پسی ہوئی سرخ مرچ چھڑک دی ہو...... میری پلکوں کے نیچے اندھیرے کوندنے لگے۔ نوجوان پجاری نے اُلٹا پاؤں زمین پر مارا تو جانور اُچھل کر فرش پر گرا، پھر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ پراسرار طور پر اپنی جسامت کم کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چیونٹے کی شکل اختیار کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میری حالت غیر ہو رہی تھی۔ میرا جسم لہولہان ہو رہا تھا...... میرے زخموں میں اُس جانور کی زبان کے کانٹوں نے جیسے آگ بھر دی تھی۔ میں بے کسی کے عالم میں کسمسا رہا تھا۔ میرے دشمن قہقہے لگا رہے تھے۔ میرا ذہن ڈوبنے لگا۔ شاید موت کے سرد ہاتھ میری مشکل آسان کرنے کی خاطر میری رُوح قبض کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے...... میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

''نہیں جمیل احمد خاں...... نہیں۔'' پنڈت نول کشور کی کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''ہم تمہیں اتنی آسان موت نہیں مرنے دیں گے۔ اپنے ایک ایک آدمی کا حساب گن گن کر لیں گے۔ تم ہماری اجازت کے بغیر مر بھی نہیں سکو گے۔ تم نے جو کچھ دیکھا، جو محسوس کیا وہ تو کیول ایک ناٹک تھا۔ ہم تمہیں اپنے بالکوں کی شکتی کا کھیل دکھا رہے تھے۔

آنکھیں کھول کر دیکھو، تم بھلے چنگے کھڑے ہو۔ اتنی جلدی کیسے مر سکتے ہو؟ ابھی تو تم کو بہت کچھ اور دیکھنا ہے......''

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ میری نگاہیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... میں دم بخود رہ گیا۔ پریشان نظروں سے اپنا جسم ٹٹولنے لگا، میرے بدن کے کسی حصے پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ لہو کا ایک قطرہ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ میرے زخموں کی جلن چھومنتر ہو گئی تھی۔ پستہ قد پجاری میرے اور نول کشور کے بیچ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر وہ درمیان سے ہٹ گیا۔ میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گا کہ ایسا شعبدہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کچھ دیر بعد نول کشور کے حکم پر جمنا کو گھسیٹ کر سامنے لایا گیا۔ اُس کے منہ سے خون جاری تھا، آنکھوں سے موت کا بھیانک احساس جھانک رہا تھا۔ اُس کے جسم پر لباس نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ وہ کالی کی قد آور مورتی کے سامنے مادرزاد برہنہ کھڑی خوف سے تھرتھر کانپ رہی تھی۔ کچھ پنڈت پجاریوں کی زبان اس وقت بھی ہونٹوں پر لپلپا رہی تھی۔ دو ہٹے کٹے پجاریوں نے جمنا کو ہاتھ تھام کر جکڑ رکھا تھا، اُس غریب نے میری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا غوغاں...... آں غاں کی آوازیں نکالنی شروع کیں تو میں ساری جان سے لرز اُٹھا...... ظالموں نے اُس کی زبان کاٹ کر بولنے سے محروم کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ مجھے اپنی بے گناہی کا یقین دلا رہی تھی۔ مجھے پہلے بھی یقین تھا کہ اُس نے یا جھرنا نے میرے خلاف مخبری نہیں کی ہو گی۔ میں اس بدنصیب کی کوئی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے وہاں موجود پنڈت پجاریوں کو رحم طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان میں کئی اُس کے جسم سے کھیل چکے ہوں گے، بہتوں نے اُس کے تلوے چاٹ کر بوڑھی رگوں کے نیم گرم خون کو جھوٹی تسلی دی ہو گی، کچھ کل تک اُس کے طلب گار بھی رہے ہوں گے، آج سب سے آنکھیں پھیر رکھی تھیں۔

پنڈت نول کشور کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کالی کی مورتی کے سامنے کئی بار جھک جھک کر ڈنڈوت کرتا رہا، پھر اُس نے بلند آواز میں کچھ اشلوک پڑھنے کے بعد بولنا شروع کیا۔

''ماتا...... تو مہان ہے۔ تیری شکتی اپرم پار ہے، ہم تیرے پجاری، تیرے بالک سمان ہیں۔ ہم سے کوئی بھول چوک ہوئی ہو تو ہمیں شما کر دینا۔ ہم منش ہیں، اَن کھاتے ہیں،

دھرتی کے چکر میں اُلجھ کر ہماری بدھی کام نہیں کرتی تو کبھی کبھی پاپ کر بیٹھتے ہیں۔اس پاپ کا پراسچت بھی اپنا دھرم سمجھتے ہیں...... ماتا تو دیوی ہے، تو ہمارے من کے بھید بھاؤ جانتی ہے۔ہم سب تیری شرن میں ہیں، تیرا ابکار نہ ہوتا تو ہم بھی دوسرے پاپیوں کی طرح دربدر ٹھوکریں کھا رہے ہوتے۔ہم تیرے بتائے ہوئے راستوں پر پگ دھرنے کے عادی ہیں۔ تیری سیوا کرنا ہمارا دھرم ہے، تیرے چرنوں میں بھینٹ اور بلیدان پیش کرنا بھی ہمارا دھرم ہے۔ تجھے راضی کرنا، تجھے خوش رکھنا بھی ہمارا دھرم ہے۔آج تیرا یہ سیوک پھر تیرے پوتر چرنوں میں ایک ایسی پاپی پجارن کی بھینٹ چڑھا رہا ہے جس نے تجھ سے پریم کرنے والوں کے ساتھ دھوکا کیا۔ہم بنتی کرتے ہیں ماتا، کہ ہماری اس بھینٹ کو اپنے چرنوں میں سویکار کر لے۔''

نول کشور نے اپنی چرب زبانی ختم کی تو کالی کے پجاریوں نے جے جے کار کے نعرے بلند کیے۔ پجارنوں کی ایک ٹولی نے اندر آ کر بھجن گانا شروع کر دیا۔جھرنا مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ نہ جانے اُس کمسن کے ساتھ ان ظالموں نے کیا برتاؤ کیا ہوگا۔میرے ذہن میں جھرنا کی معصومیت کلبلا رہی تھی۔نظریں جمنا پر تھیں جسے بھنگ یا پھر کوئی اور نشیلی چیز زبردستی پلائی جا رہی تھی۔ کچھ دیر میں وہ نشے سے چکرانے لگی تو اُسے گھسیٹ کر کالی کے قدموں کے سامنے چبوترے پر چت لٹا دیا گیا۔ دو پجاری اور لپک کر سامنے آ گئے۔ چاروں نے مل کر اُس کے ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک پاؤں کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔موت کا بھیانک تصور نشے پر غالب آتا تو جمنا کا جسم کمان کی طرح اکڑنے لگتا، چاروں پجاری پھر طاقت کے استعمال سے اُسے سیدھا کر دیتے۔ میں اس ہولناک رسم کو آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا۔ پنڈت نول کشور قریب کھڑا ہاتھ کے اشاروں سے اپنے آدمیوں کو ہدایتیں دیتا رہا۔ایک پجاری نے آگے بڑھ کر جمنا کے سر کے بال کاٹ ڈالے۔ پھر دو پجاری بڑے بڑے چھرے لہراتے میدان میں کود پڑے۔ پجارنوں کے بھجن گانے کی آواز بتدریج بلند ہونے لگی۔ چھرے لہراتے ہوئے پجاری اُچھلتے کودتے جمنا کے قریب جاتے اور اُس کے جسم پر وار کر کے پھر رقص شروع کر دیتے۔ جمنا کے حلق سے غوں غوں، غاں غاں کی کربناک چیخیں بلند ہوتی رہیں...... اُس کا بدن لہولہان ہو رہا تھا۔اُس کے جسم نے جھٹکے کھانا شروع کیا تو دونوں پجاری ایک دوسرے سے پشت ملا کر اُس کے خون آلود جسم پر بیٹھ گئے۔اُن

کے اعضا جسم سے کاٹ کاٹ کر علیحدہ کرنے لگے...... میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

پجارنوں کے بھجن گانے کی آواز میں پجاریوں کا شور وغل بھی شامل ہو گیا۔ غالباً وہ بھینٹ کی بھیانک اور ہولناک رسم کی ادائیگی کے بعد خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔اُن کا شور غل ختم ہوا تو میں نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اُبکائیاں آنے لگیں...... میں اُس منظر کی تاب نہ لا سکا۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند کرنے کی کوشش کی تو پجاریوں نے تیز دھار چیزوں سے مجھے ٹھونگے مارنا شروع کر دیے۔میں آنکھ کھلی رکھنے پر مجبور ہو گیا۔وہ جمنا کے ہاتھ پاؤں اور چھاتیاں جسم سے علیحدہ کرنے کے بعد اُس کے خون سے چلو بھر بھر کر کالی کے جسم کو غسل دینے کی رسم پوری کر رہے تھے۔میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔رسم ختم ہوئی تو جمنا کے جسم کے ٹکڑوں کو ٹھوکریں مار مار کر چبوترے سے ہٹا دیا گیا۔ پنڈت نول کشور کی نظریں پھر میری جانب اُٹھیں۔ان میں فاتحانہ چمک تھی۔

''ہم نے جمنا کے بھینٹ کی رسم بہت سادگی سے ادا کی ہی......تم نراش مت ہونا۔'' اُس نے سرد آواز میں کہا۔''تمہارے ساتھ ہم پورا پورا نیائے کریں گے، تم مہان شکتیوں کے مالک ہو تو پھر تمہارے ساتھ جو سلوک ہوگا، دُھوم دھام سے ہی ہوگا۔ ہم تمہیں موقع دیں گے، تم اُس ڈیڑھ بالشت کی چھمیا کو بھی بلا لینا، وہ بھی تماشہ دیکھ لے گی۔ اپنے دھرم کے دو چار بڑوں کو بھی بلا لینا، وہ اپنے دھرم کے انوسار تمہارا اگریا کرم بھی کر دیں گے۔''

''مہاراج......'' ایک ادھیڑ عمر پجاری نے آگے بڑھ کر کہا۔''میں تو کہتا ہوں کہ آج ہی اس مُسلے کا جھٹکا کر ڈالو۔''

''ہاں مہاراج......'' دوسرے نے ہاں میں ہاں ملائی۔''شیوا کی نیت کے کھوٹ کا امتحان بھی ہو جائے گا۔ اگر اُس نے اپنے ہاتھوں سے اس مُسلے کا سر کاٹ کر دیوی کے چرنوں میں رکھ دیا تو اسے شما کر دینا۔میرا من کہتا ہے کہ وہ نردوش ہی ہوگا۔''

کئی اور آوازیں بھی شیوا کے حق میں بلند ہوئیں۔ پنڈت نول کشور سب کی سنتا رہا۔ سب اپنی اپنی کہہ چکے تو اُس نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''دھیرج سے کام لو...... ہم شیوا کا امتحان بھی اوش لیں گے۔ سمے کا انتظار کرو۔ میں چندرا کو سندیس بھیجتا ہوں کہ پنچھی ہمارے جال میں پھنس گیا ہے۔ اُس کا بھی کچھ حساب کتاب نکلتا ہے، اُس کے من میں بھی سورگ باشی امر لال مہاراج کی چتا کی اگنی ابھی تک

سلگ رہی ہو گی۔ وہ آ جائے گا تو مل بیٹھ کر آرام سے فیصلہ کریں گے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تو جمیل احمد خاں پہاڑ تلے آئے ہیں، یہ بڑی مہان شکتیوں کے مالک رہ چکے ہیں، ان کے سر پر بھی انکا رانی براجمان ہوا کرتی تھی، ہمارے بڑے بڑے گیانی دھیانی بھی اُس نٹ کھٹ بلا کو قابو کرنے کے کارن جان گنوا چکے ہیں۔ وہ بھی بڑی حرافہ ہے، جس کے سر پر ہوتی ہے کیول اُسی کی بات سنتی ہے، دوسروں سے سارے پرانے رشتے ناتے، تمام بندھن توڑ لیتی ہے۔ منش کے خون کا بھوجن کرتی ہے، سندر ناریوں کی رگوں میں دوڑتا ہوا جوان خون اُسے زیادہ بھاتا ہے۔ بڑے بڑے پنڈت پجاری اُس کے درشن کو ترستے ہیں، کئی اُس کی آشا میں آج بھی منڈلوں میں دُھونی رمائے بیٹھے سندر سندر سپنے دیکھ رہے ہوں گے، جاپ کرتے ہوں گے۔ وہ بڑی مشکل سے کسی کے جال میں پھنستی ہے۔ لیکن یہ مُسلا بڑا بھاگیہ شالی (خوش قسمت) ہے۔'' نول کشور نے میری جانب اشارہ کیا۔ ''قسمت کا بڑا دھنی ہے جو بیٹھے بٹھائے وہ چنچل گجریا اس کے سر پر بیٹھ گئی۔ یہ اپنی اوقات ہی بھول گیا، سب سے پنجہ لڑانے لگا۔ بڑے عیش کر لئے اس نے، بڑی رنگ رلیاں منا چکا، بہت دُھوم دھڑکا کر لیا، اب پھنسا ہے ہمارے جال میں...... چندرا کو آ لینے دو، پھر ہم اُس سور کی اولاد کا کریا کرم بھی دُھوم دھام سے ہی کریں گے۔''

میں صرف سن سکتا تھا، کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ میری کلدیپ کی شان میں گستاخانہ جملے بولتے رہے، میں آگ پر لوٹتا رہا۔ وہ انکا رانی کو بھی برا بھلا کہتے رہے، میں سنتا رہا۔ انہوں نے میری قسمت کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کی، اُنہیں اُس سنپولے چندرا کا انتظار تھا جس کے باپ کو میری کلدیپ نے بڑی عبرتناک سزا دی تھی۔ اُس نے پہل نہیں کی تھی۔ آخری وقت تک امرلال سے یہی درخواست کرتی رہی کہ وہ میرے اور بدری نرائن کے درمیان سے ہٹ جائے، ہمیں آپس میں نمٹ لینے دے۔ اُس نے بھی بیچ میں نہ بولنے کا وعدہ کیا تھا، امرلال نے کلدیپ کی بات نہیں مانی۔ وہ بے قصور تھی، میری خاطر اُس نے پوری جوانی داؤ پر لگا دی۔ میری ہی خاطر اُس نے کالی کو اپنی زندگی کی بھینٹ دینے کا وچن دیا تھا، وہ جب تک زندہ رہی پریتم لال کی کٹیا میں بیٹھی دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتی رہی۔ آج انہی دیوی دیوتاؤں کے ماننے والے اس عظیم عورت کو گالیوں سے نواز رہے تھے۔ میرے ہاتھ کھلے ہوتے، میں آزاد ہوتا تو ان کو اتنی جرأت کبھی نہ ہوتی۔ میں ان

کی زبانیں گدی سے کھینچ کر پیروں تلے روند ڈالتا۔ مر جاتا لیکن کلدیپ کی شان میں گستاخی برداشت نہ کرتا۔

پنڈت نول کشور میری دھجیاں بکھیرتا رہا، مجھ پر طنز کرتا رہا، گھناؤنے الفاظ استعمال کرتا رہا۔ میں خاموش کھڑا سب کچھ سننے پر مجبور تھا۔ بازی یکلخت اتنی تیزی سے پلٹی تھی کہ میں بھی حیران رہ گیا۔ میں نے انکا رانی کا مشورہ قبول کیا ہوتا، اپنے گرد حصار کھینچ لیا ہوتا، اس کے اندر پاؤں جمائے کھڑا رہتا تو شاید بساط کا رُخ نہ پلٹتا، صورت مختلف ہوتی۔

میں خاموش کھڑا اپنے خیالات میں مستغرق تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ابھی تک سیّد مجذوب کو بھی میرے بارے میں خبر نہیں ہوئی۔ خبر ہوتی تو وہ ضرور آتا۔ نہ آتا تو دُور بیٹھے بیٹھے ہی اشارہ کر دیتا، میری مشکل حل ہو جاتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دوسروں کی طرح سیّد نے بھی نگاہیں پھیر لی ہوں، میری طرف سے مایوس ہو گیا ہو۔ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ تھا، اُس کی رسائی بہت اُوپر تک تھی۔ قدرت نے اُسے دونوں ہاتھوں سے نواز رکھا تھا، وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہوگا۔ شاید اُسے بھی میرے انجام کی خبر ہو گئی ہو، اُس نے سمجھ لیا ہو کہ توبہ کے دروازے میرے اوپر بند ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد کسی کی مداخلت کام نہیں آتی، سب بے بس ہو جاتے ہیں۔ سیّد بھی بے بس ہو گیا ہوگا۔ اُس نے بارہا اشاروں کنایوں میں میری اصلاح کی کوشش کی تھی، میری بدنصیبی کہ اُس کی زبان میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اُسے کھل کر کہنے کا اختیار نہیں تھا، میں اس کی تہہ تک ڈُبکی لگانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، بات بگڑتی چلی گئی، اب پچھتاووں سے کچھ حاصل نہیں تھا، بربادی شاید میرا مقدر بن چکی تھی۔ میں کیا شکوہ کرتا؟ کس منہ سے گلہ کرتا؟ انسان جو بوتا ہے وہی اُسے کاٹنا بھی پڑتا ہے...... میں نے تو کچھ بھی نہیں بویا تھا، ہواؤں کے دوش پر تصورات کے محل تعمیر کرتا رہا، خود بھی بھٹکتا رہا، دوسروں کو بھی بھٹکاتا رہا۔ کبھی اپنے گریبان کی سمت توجہ ہی نہیں کی...... پھر کس سے شکایت کرتا......؟

پنڈت نول کشور دل کی بھڑاس نکال چکا تو اُس نے مجھے کسی تہہ خانے کی کال کوٹھڑی میں ڈلوا دیا۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ میں راستوں کا اندازہ بھی نہیں لگا سکا۔ چار گھٹے ہوئے جسم کے ہٹے کٹے پجاریوں نے مجھے دھکے مار مار کر کال کوٹھڑی تک پہنچایا۔ مجھے سیلی ہوئی بدبودار زمین پر اوندھا لٹا کر میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ پیروں

میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ زنجیر کا دوسرا سرا سنگلاخ دیوار میں لگے مضبوط آہنی کنڈے میں ڈال کر وزنی تالے لگا دیئے گئے۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ وہ جاتے جاتے کہہ گئے تھے کہ میں نے فرار کی کوشش کی تو میرا انجام اور بھیانک ہوگا۔ میں کوئی جواب نہ دے سکا، بدبو اور تعفن سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا، اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا، میرا ذہن پھر تاریکی میں ڈوبنے لگا......

گھپ اندھیروں میں وقت کا احساس نہیں ہوتا، نظروں میں کانٹے سے چبھنے لگتے ہیں، ذہن اُلجھنے لگتا ہے، گھٹن کا احساس شدت پکڑنے لگتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہو، ذہن منجمد ہوگیا ہو۔ کچھ سجھائی نہیں دیتا، موت کی خواہش ہوتی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ زندگی ایک نعمت ہے، اُنہیں پکڑ کر کسی اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دو، روشنی کی کوئی کرن اُن کی آنکھوں تک نہ پہنچ سکے، کوئی بات کرنے والا نہ ہو، یہ خیال بھی لاحق ہو کہ باہر دشمن کی فوج موجود ہے، فرار کا کوئی راستہ نہ ہو، ہاتھ پیروں میں آہنی زنجیریں پڑی ہوں، ہر طرف تعفن پھوٹ رہا ہو، پھر میں دیکھتا ہوں کہ وہ زندگی کو نعمت سمجھتے ہیں یا موت کے لئے گڑگڑا کر دُعائیں مانگتے ہیں۔ میں درویشوں کی بات نہیں کر رہا، اُن برگزیدہ بندوں کی بات بھی نہیں کر رہا جو اللہ کو محبوب ہوتے ہیں۔ پیر و فقیر کی بات بھی اور ہوتی ہے، ان کے دل میں خدا کی یاد ہوتی ہے۔ جہاں خدا کی ذات مضمر ہو، وہاں اندھیروں کا گزر بھی نہیں ہوتا، روشنی ہی روشنی ہوتی ہے، نور کی بارش ہوتی ہے، تجلیات کا ظہور ہوتا ہے، تنہائی کا احساس قریب نہیں پھٹکتا، فرشتے آس پاس موجود ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے اندھیرے بھی روشنی سے زیادہ منور ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے جیسوں کی بات کر رہا ہوں جو سوئی چبھنے سے بھی کراہ اُٹھتے ہیں۔

میں بے ہوش نہ ہوگیا ہوتا تو اذیت سے دوچار رہتا، بیہوشی بھی ایک نعمت ہے۔ انسان ہر فکر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ شب و روز کے ہنگاموں سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا، زمین کی سیلن اور تعفن کے سبب میں بے ہوش ہوگیا تھا۔ میں کب تک بیہوش رہا؟ مجھے اس کا مطلق کوئی اندازہ نہیں ہے۔ لیکن اتنا یاد ہے کہ دوسری بار میری غفلت اس وقت ٹوٹی جب کوئی میرا ہاتھ تھام کر زور زور سے جھنجھوڑ رہا تھا۔ شاید میرے دشمنوں کو میری بیہوشی بھی پسند نہیں آئی تھی۔ وہ مجھے بیدار رکھنا چاہتے تھے۔ میرے ذہن

...ری غنودگی چھٹنے لگتی تو میں ہاتھ جھٹک کر پہلو بدل لیتا۔ سنگلاخ اور ناہموار زمین نے میرا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔ میں بیہوش رہنا چاہتا تھا، اسی کیفیت میں مرجانا چاہتا تھا۔ میں مرجاتا تو پنڈت نول کشور کے سارے خواب چکنا چور ہو جاتے، سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ چندراوا پس آ کر میری سرد لاش کو دیکھتا تو وہ بھی دل تھام کر رہ جاتا۔ اُس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک امرلال کا انتقام نہ لے لے گا، کسی عورت کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ اُس کی قسم پوری نہ ہوتی تو وہ پجارنوں اور دیوداسیوں کو دیکھ کر صرف ٹھنڈی سانسیں بھر سکتا تھا، اُن کے تصور سے کھیل سکتا تھا، اُن کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ اُن کے کنوارے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو سے ہمیشہ محروم ہی رہتا۔ دوسرے موج میلا کرتے رہتے، وہ ولد الحرام دُور بیٹھا ندیدوں کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیرتا رہتا۔ میری موت بھی ایک زاویئے سے اُن کی شکست ہوتی۔ شاید اسی لئے وہ مجھے ہوش میں لانا چاہتے تھے۔

ممکن ہے وہ میرا وہم رہا ہو، وہ دشمن کا آدمی نہ ہو کوئی حشرات الارض ہو، کوئی سانپ ہو جو میری خوشبو پا کر میری کلائی پر اپنی گرفت جمانے کی کوشش کر رہا ہو، میرے آس پاس منڈلا رہا ہو، خوشی سے پھن اُٹھائے ناچ رہا ہو...... میں اُس کے لئے ''بڑا کھانا'' ثابت ہوتا۔ اُسے ہفتوں خوراک کی تلاش میں بھٹکنا نہ پڑتا۔ مجھے سموچا نگلنے میں اُسے وقت ضرور پیش آتی، میں اُس کے لئے بھی ''لوہے کا چنا'' ثابت ہوتا۔ لیکن وہ پھر بھی اپنی کوششوں سے باز نہ آتا......سانپ کی بجائے کوئی نیولا بھی ہوسکتا تھا، کوئی گھونس جو پتھروں کے اندر ہی اندر سرنگ کھودنے کا کام اتنی مہارت اور چابکدستی سے کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ نول کشور کے گرگوں نے کوئی ایسا موذی جانور پال رکھا ہو جو قیدیوں کو سکون کی نیند نہ سونے دیتا ہو۔ وہ میرا روندا ہوا احساس بھی ہوسکتا تھا، نیند اور بے چینی کے درمیان کشمکش ہو تو حواسِ خمسہ پوری طرح سے معطل نہیں ہوتے، کوئی ایک حس دوسری حس پر غالب آتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی بلاوجہ بھی یہ خیال گزرتا ہے جیسے کوئی شے جسم پر رینگ رہی ہو، کوئی بدن کو چھو رہا ہو!

میں بھی ٹوٹتی ہوئی غنودگی کے عالم میں امکانات کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا۔ لیکن ایک بار پھر جب کسی نے مدھم آواز میں میرا نام لے کر آواز دی تو میں کسمسانے لگا۔

''کون ہے؟'' میں نے جھلا کر پوچھا۔ ''کون ہے جو میرے سکون کو برباد کر رہا ہے......؟''

''اُٹھو مہاراج......'' ایک نسوانی آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ ''دیر مت کرو...... ہوگئی تو تمہارے ساتھ میں بھی ماری جاؤں گی۔''

''کون......؟'' میں نے اُس آواز کی بازگشت کو شناخت کرنے کی کوشش کی۔

''مم...... میں ہوں مہاراج، جھرنا۔ اُن ظالموں نے میری ماں کو کالی کے چرنوں پر بھینٹ چڑھا دیا، وہ مجھے بھی تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں اُن کے ہاتھ لگ گئی تو دشٹ میرے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کریں گے۔''

خلافِ توقع جھرنا کی آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اُٹھا...... پاؤں میں پڑی زنجیریں بھی جاگ اُٹھیں۔

''آہستہ مہاراج...... آہستہ۔'' جھرنا نے سرگوشی کی۔ ''چار پانچ مسٹنڈے باہر بھی پہرہ دے رہے ہیں، اُنہیں خبر ہوگئی تو دروازہ کھول کر اندر آجائیں گے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، ہاتھ بڑھا کر گھپ اندھیرے میں جھرنا کے کمسن جسم کے نشیب وفراز کو ٹٹولنے لگا۔ اس عمل میں کسی نفسانی خواہش کو دخل نہیں تھا، وہ عمر میں میری تزئین سے بھی چھوٹی تھی، اُس کے بارے میں کوئی برا خیال دل میں نہیں لاسکتا تھا۔ میں محسوس کرنا چاہتا تھا کہ میں زندہ بھی ہوں یا مر چکا ہوں؟

''کیا کرتے ہو مہاراج......؟'' جھرنا نے پھر خطروں کا احساس دلایا۔ ''ہمارے پاس سمے بہت کم ہے۔''

''تم...... تم نول کشور کے آدمیوں سے بچ کر یہاں تک کیسے پہنچ گئیں؟'' میں نے ٹٹول کر اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''جس راستے سے آئی ہو اُسی راستے سے واپس چلی جاؤ۔ ہو سکے تو ایک دو روز کسی محفوظ مقام پر چھپی بیٹھی رہو۔ ابھی پنڈت پجاریوں کو تمہاری تلاش ہوگی۔ دو چار روز میں تھک کر بیٹھ جائیں تو کالی کے مندر سے دُور چلی جانا۔ ہردوار بھی تمہارے لئے محفوظ نہیں ہوگا۔ سمجھ رہی ہو میری گڑیا، میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں؟ جلدی سے واپس بھاگ جاؤ......''

''تم غلط سمجھ رہے ہو مہاراج......'' اُس نے بدستور مدھم آواز میں کہا۔ ''میں مندر کے اندر نہیں تھی۔ جب وہ تم پر لٹھ برسا رہے تھے اُس وقت میں مندر ہی میں تھی، وہ تمہیں لے کر چلے گئے تو میں کوارٹر میں گئی، وہاں میری ماں نیم بیہوش پڑی تھی۔ میں اُس سے لپٹ گئی

میں نے اُس کو گنگا جل پلانے کی کوشش کی، اُس نے گنگا جل بھی نہیں پیا، جب تک ہوش رہا بار بار ایک ہی جملہ دہراتی رہی...... بھاگ جا جھرنا، بھاگ جا...... مندر سے دُور چلی جا، کہیں چھپ کر بیٹھ جا۔ میرے بعد وہ تیرا بھی برا حشر کریں گے۔''

''پھر...... پھر کیا ہوا......؟''

''میں ماں کے کہنے پر سہم کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں نے بھاگتے بھاگتے وہ لاٹھی بھی اُٹھالی جسے تم نے سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر کسی نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی تو اسی لاٹھی سے اس پاپی کا سر پھوڑ دوں گی۔ لیکن وہ سب تمہارے چکر میں لگے تھے۔ میں کسی نہ کسی طرح چھپتی چھپاتی مندر سے نکل گئی......''

جھرنا کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ وہ شاید دیوانی ہوگئی تھی۔ اُسے غالباً اپنی ماں کے ہولناک انجام کی تفصیل معلوم ہوگئی تھی۔ وہ تاب نہ لاسکی، پاگل ہوگئی۔ پاگل نہ ہوتی تو بہکی بہکی باتیں نہ کر رہی ہوتی...... وہ اگر مندر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی تھی تو پھر اس نے دوبارہ اسی مقتل گاہ میں پلٹ کر آنے کی حماقت کیوں کی جہاں اُس کی بے قصور ماں کے برہنہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے تھے......؟

میں مان ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ مندر سے نکلنے میں کامیاب ہوئی ہوگی۔ صرف پنڈت نول کشور ہی نہیں اور بھی سینکڑوں پنڈت پجاری اُس کی کمسن جوانی پر دانت جمائے بیٹھے تھے، وہ بڑے پروہت کی وجہ سے خاموش تھے لیکن جب ہنگامہ ہو تو ہر طرف لوٹ مار شروع ہوجاتی ہے۔ جس کے ہاتھ جو لگتا ہے وہ اسے مالِ غنیمت سمجھ کر لے بھاگتا ہے۔ جھرنا تو کھرا سونا تھی جس کی چمک دمک نے کالی کے مندر میں ہر طرف اپنے پرستاروں کی فصل اُگا رکھی تھی، وہ جمنا کے کہنے پر ضرور بھاگی ہوگی۔ ہوسکتا ہے اُس نے میری لاٹھی بھی اُٹھالی ہو لیکن وہ مندر سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہوگی۔ کسی نہ کسی نے ہمت سے کام لے کر اسے راستے میں ہی دبوچ لیا ہوگا، ہنگاموں سے فائدہ اُٹھا کر اسے بھی ضرور لوٹا کھسوٹا گیا ہوگا۔ دسترخوان بچھا ہو، دعوتِ عام ہو تو ندیدے ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جن کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں وہ بھی ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کے مصداق دو چار لقمے ضرور زہر مار لیتے ہیں۔ جھرنا کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا۔ جہاں لنگر جاری ہو، وہاں کون خیال کرتا ہے؟ ''غریب کی جورو سب کی بھابھی'' بننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ جھرنا حملہ

آوروں کی یلغار سے بوکھلا گئی ہوگی، کسی کو بھی درندگی سے ہوس کا نشانہ بنایا جائے تو وہ اپنا ذہنی توازن برقرار نہیں رکھ سکتا۔ جھرنا تو معصوم تھی، کمسن تھی، ٹہنی پر ادھ کھلی کچی کلی کی مانند تھی۔ میری بدنصیبی کی لپیٹ میں آکر وہ بھی ''آدم خور درندوں'' کی وحشت کا شکار ہوگئی......

لیکن ایک سوال باقی رہ گیا تھا...... جھرنا مجھ تک کس طرح پہنچ گئی......؟ کیا نول کشور جھرنا کے ذریعے مجھے کوئی پیغام پہنچانا چاہتا تھا؟ مجھے ذہنی طور پر خوفزدہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا؟ یا یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک اپنی کمینگی کا ثبوت دے سکتا ہے......؟؟

''تم کن وچاروں میں گم ہو مہاراج؟ کیا سوچ رہے ہو؟'' جھرنا نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''سمے بڑی تیزی سے بیت رہا ہے۔''

''جھرنا......'' میں نے بڑے پیار سے اس معصوم کو ٹٹولنے کی خاطر سوال کیا۔ ''تم نے ابھی کہا تھا کہ مندر سے بھاگتے سمے تم نے میری لاٹھی اُٹھالی تھی۔''

''ہاں...... میں نے سچ کہا تھا، میں جھوٹ نہیں بولتی۔ تمہیں وشواس نہیں آتا تو خود چھو کر دیکھ لو......'' اُس نے جواب میں لاٹھی میرے ہاتھ میں دی تو میرا دل دھڑکنے لگا۔

شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا، میں مر چکا تھا، مرنے کے بعد میری رُوح آخری ایام کے سہانے خواب دکھا کر اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ...... ''دیکھو جمیل احمد خاں...... یہ مقامِ عبرت ہے۔ تم نے کیا سوچا تھا؟...... کیا ہو گیا۔ کوئی تدبیر تمہارے کام نہ آئی۔ تم مسلمان ہو کر ایک مندر کے تہہ خانے میں بیہوشی کے عالم میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے تھے...... تم 'عالم برزخ' میں ہو۔ ایک بار پھر سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کا دیدار کرلو...... اس کے بعد تمہیں ایک سفر اور کرنا ہوگا۔ اس کے بعد......''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے مہاراج......'' جھرنا کی آواز نے میرے خیالات کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ وہ سہمی سہمی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''اُس نے کہا تھا کہ اگر دیر ہوئی تو پھر اُس کا بس نہیں چلے گا۔ اُس نے مجھے جادو کے خول میں چھپا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ میں تم کو بھی اسی خول میں چھپا کر مندر سے باہر نکال لاؤں۔ سمے بیت گیا تو گھپ اندھیرے کا منڈل ٹوٹ جائے گا۔ دشمن ہمیں دیکھ لیں گے تو میں بھی تمہاری وجہ سے ماری جاؤں گی...... بھگوان کے لئے، اب نکل چلو، میرا من بے چین ہو رہا ہے۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔''

''جھرنا......'' میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اندھیرے میں اُس نے کوئی لاٹھی میرے ہاتھ میں تھما دی تھی...... وہ پھر بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔ میرے دل و دماغ میں ہلچل شروع ہوگئی۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کس کی بات کر رہی ہو میری گڑیا؟ تمہیں کس نے جادو کے پٹارے میں بند کر کے اس کال کوٹھڑی میں آنے کو کہا تھا؟ اندھیروں کے منڈل ٹوٹ جانے کی بات کس نے کی تھی؟ تم...... تم کس کی بات کر رہی ہو......؟''

''میں اُسے نہیں جانتی۔'' جھرنا نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ''وہ پلاسٹک کی کسی گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ بالکل میری طرح باتیں کر رہی تھی۔ میرے سر پر بیٹھی تھی۔ میں نے اُس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، میں مندر میں واپس نہیں آنا چاہتی تھی لیکن...... اُس نے میرے سر میں کوئی چیز چبھو دی، میں نے اُس کا کہا مان لیا۔ مندر میں قدم رکھتے ہوئے میرا دل ڈول رہا تھا، کوئی شکتی تھی جو مجھے آگے آگے چلا رہی تھی۔ میری نظریں پنڈت پجاریوں کو دیکھ رہی تھیں، وہ سب بوکھلائے ہوئے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ میری آنکھوں نے بھی مجھے اپنی نگاہوں کے سامنے سے گزرتے دیکھا...... اُس نے ٹھیک ہی کہا تھا مہاراج...... میں سب کو دیکھ رہی تھی، کوئی مجھے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ اس سندر گڑیا نے مجھے کانچ جادو کے پٹارے میں بند کر دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ میں نے دیر کی تو پٹارا ٹوٹ جائے گا...... وہ کون تھی؟...... کیا سمبندھ ہے اُس کا تمہارا......؟''

میں خوشی سے دیوانہ ہونے لگا۔ جھرنا مجھ سے انکارانی کی بات کر رہی تھی۔ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میرا اُس کا کیا تعلق ہے؟ میرے پاس وقت ہوتا تو اُس معصوم کو ضرور بتاتا کہ انکارانی سے میرا تعلق بڑا گہرا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہوگئیں۔ انکارانی نے کالی کے مندر کا حال احوال لینے کی خاطر بھی، ایک پجاری کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ اُس نے پنڈت نول کشور کا منڈل توڑنے میں بھی بڑی دُور اندیشی سے کام لیا تھا...... اب اُس نے جھرنا کو میرے پاس بھیجا تھا۔

وہ مجھ سے بے خبر نہیں تھی، مجھے جال میں پھانس لینے کے بعد پنڈت نول کشور نے غالباً کوئی منڈل کھینچ لیا ہوگا۔ ایسا نہ ہوتا تو انکارانی سے میرا رابطہ نہ ٹوٹتا، اُس نے جو کہا تھا، غلط نہیں کہا تھا۔ میری نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد وہ بھی مضطرب ہوئی ہوگی۔ اُس

کے ذہن میں بہت سارے خطرات اُبھرے ہوں گے۔ وہ میری مدد کی خاطر مختلف پہلوؤں پر غور کر رہی ہو گی۔ اُس کا بس نہیں چل رہا ہو گا، جھرنا کو مندر سے نکلتا دیکھ کر اُس کی آنکھیں چمک اُٹھی ہوں گی۔ وہ کسی اور پر بھی اعتماد کر سکتی تھی، کسی پنڈت پجاری کو دوبارہ معمول بنا سکتی تھی۔ لیکن اُس نے جلد بازی کا مظاہرہ مناسب نہیں سمجھا ہو گا۔ جھرنا اور جمنا سے وہ میری باتیں سن چکی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ جھرنا میرے لئے بڑی کارآمد ثابت ہو گی۔ وہ آنے والے وقت کے بارے میں بھی صحیح اندازے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اُس نے کئی بار کہا تھا کہ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ کچھ مجبوریاں لاحق تھیں جو وہ زبان نہیں کھول سکتی تھی۔

بہر حال، انکارانی کو یقین رہا ہو گا کہ جھرنا دشمنوں کے ہاتھ نہیں آسکے گی۔ وہ اُسی کی راہ دیکھ رہی ہو گی۔ اور آخر کار اُس کی لازوال قوتوں نے جھرنا کو میرے پاس بھیج دیا۔ سب اُس کی پراسرار قوتوں کے سامنے اندھے ہو گئے، پریتم لال نے انکارانی کو جو اضافی قوتیں دان کی تھیں وہ حیرت انگیز تھیں۔

پہلے مجھے شبہ تھا، جھرنا کی بات سن کر یقین آ گیا کہ میرے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی، وہ سیّد مجذوب ہی کا دیا ہوا تحفہ تھا۔ میں نے اُسے آزمانے کی خاطر زنجیر پر ہلکی سی ضرب لگائی، میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ زنجیر ٹوٹ کر علیحدہ ہو گئی۔ میرے ہاتھ پشت پر بندھے تھے، اس لئے لاٹھی زنجیر تک لے جانے میں مجھے کچھ دُشواری ضرور ہوئی۔ لیکن زنجیر کے ساتھ ساتھ میرے ہاتھ بھی بندشوں سے آزاد ہو گئے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میری توانائی بھی آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھی۔ میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میرا ہاتھ تھام لو مہاراج......'' جھرنا نے کہا۔ پھر خود ہی ہاتھ بڑھا کر میری کلائی تھام لی۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے لاٹھی اُٹھا کر دروازے سے ٹکائی، ہلکا سا زور دیا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ باہر روشنی ہو رہی تھی۔ چار ہٹے کٹے پجاری لٹھ لئے ایک تخت پر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے، اُنہیں دروازہ ٹوٹنے کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ صرف اندھے نہیں ہوئے تھے، گونگے بہرے بھی ہو گئے تھے۔ جھرنا میرا ہاتھ تھامے تیز تیز قدم اُٹھانے لگی۔ کئی پُر پیچ راستوں سے گزر کر ہم کھلے آسمان کے نیچے پہنچ گئے۔ ہر طرف پنڈت پجاری گھوم پھر رہے تھے۔ پجارنیں اور دیوداسیاں بھی مٹکتی پھر رہی تھیں۔ کسی کی توجہ ہماری جانب مبذول نہیں ہوئی۔

یں انکارانی کی بے شمار حیرت انگیز قوتوں کا چمتکار دیکھ چکا تھا۔ وہ ناممکن کو ممکن بنا دینے ادی تھی۔ جو کچھ اس وقت میرے ساتھ گزر رہی تھی، مجھے اس پر بھی کوئی تعجب نہیں ہوا۔ ی ساری مخلوقات ایسی ہیں جو عام انسانوں کو نظر نہیں آتیں لیکن ان کے وجود سے انکار یں کیا جا سکتا۔ بھوت پریت...... چڑیل اور پچھل پیریوں کا تصور خیالی ہو سکتا ہے، کچھ تم بھی کھاتے ہیں کہ ان کا واسطہ شیطانی بدروحوں سے پڑ چکا ہے۔ وہ بڑی عجیب و یب اور مختلف شکلوں میں نظر آتی ہیں۔ جنات کے وجود سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ ف اشکال میں سامنے آنے کی قوت رکھتے ہیں۔ قدرت نے اُنہیں ڈھیل دے رکھی ۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کے نظریات اور عقائد بھی مختلف ہوتے ہیں۔ وہ بھی کچھ ی باتوں پر یقین رکھتے ہیں جنہیں انسانی ذہن قبول نہیں کرتا۔ آپ کس کس کو جھٹلاتے ریں گے، کس کس بات کی نفی کریں گے؟...... میں اس بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا۔

کالی کے مندر کی کھلی فضا میں آ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میری توانائی سیّد کی راماتی لاٹھی سے بحال ہو چکی تھی، مجھے وہ ظلم یاد آئے جو مجھ پر ستون کے ساتھ رسیوں سے ڑ کر ڈھائے گئے تھے۔ پنڈت نول کشور کی گندی زبان سے ادا ہونے والے جملے میرے انوں میں گونجنے لگے۔ پنڈت پجاریوں کی خرمستیاں بچھو بن کر میرے جسم سے لپٹ ئیں۔ جمنا کا بھیانک انجام، اُس کی آخری ہچکی مجھے آواز دینے لگی۔ وہ بدنصیب مجھے پناہ ینے کے جرم میں ماری گئی۔ اُس وقت میں بے بس تھا۔ اب آزاد تھا۔ سیّد کی لاٹھی بھی رے ساتھ تھی۔ میں نے اپنا رخ پنڈت نول کشور کی پناہ گاہ کی طرف موڑنے کی کوشش ی۔ جھرنا نے میرا ارادہ بھانپ لیا۔ ہو سکتا ہے انکارانی نے اُس کے ساتھ ذہنی رابطہ ائم رکھا ہو، اُسے میرے خطرناک ارادے سے باخبر کر دیا ہو۔

''کسی اور دِشا میں جانے کی مت سوچو مہاراج۔'' جھرنا نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ ''سے ا ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ ہم باہر نہیں نکل سکے تو دوبارہ دھر لئے جائیں گے......''

''جھرنا......'' میں نے اُسے کریدنے کی کوشش کی۔ ''تم جس پلاسٹک کی نٹ کھٹ ی بولتی گڑیا کی بات کر رہی تھیں، کیا اس وقت بھی وہ تمہیں نظر آ رہی ہے......؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو......؟'' اُس نے مجھے گھور کر کہا۔ ''وہ کالی کے مندر میں خود آ تو مجھے کیوں مجبور کرتی......؟''

میں لاجواب ہوگیا۔ میں نے مندر کی عمارت کی سمت دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔

''پنڈت نول کشور، میں اس وقت تجھے چھوڑے جارہا ہوں۔ تم نے اور تیرے حرام ز... جنے ساتھیوں نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے وہ میرے دل پر نقش ہے۔ تو بھی یاد رکھ...... میں پھر واپس آؤں گا۔ جب تک پائی پائی کا حساب چکتا نہ کرلوں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ چندرا کو سندیسہ بھیج کر اُسے بھی بلوالے۔ تم دونوں کی ارتھی ایک ساتھ اُٹھے گی تو تمہارے ساتھیوں کو بھی دوبار مرگھٹ تک جانے کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑے گی۔ چندرا سے یہ بھی کہہ دینا کہ اُس کا باپ امرلال مرگیا ہے تو اُس کا غم نہ کرے۔ اُس کا ایک باپ میری شکل میں ابھی زندہ ہے۔ اُس کی چتا کو میں اپنے ہاتھوں جلتی ہوئی لکڑی دکھاؤں گا...... سمجھ رہا ہے میری بات کا مطلب......؟''

میں دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ جھرنا نے تیز تیز قدم اُٹھانے کی بجائے دوڑنا شروع کر دیا۔ میں بھی اُس کا ساتھ دینے لگا۔ شاید جادو کے پٹارے کے ٹوٹنے کا وقت قریب آرہا تھا۔ ہم بھاگتے ہوئے کالی کے مندر کے پھاٹک سے باہر نکلے۔ انکارانی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ مجھے بڑی والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''انکارانی......'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''تمہارا یہ احسان میں زندگی بھر......''

''غیریت کی باتیں مت کرو جمیل......'' وہ پھدک کر میرے شانے پر آ گئی۔ میرے گال پر اپنی نرم نرم اُنگلیاں پھیر کر بولی۔ ''دوستوں حساب ہمیشہ دل میں ہوتا ہے...... دل کی باتوں کو زبان تک نہیں لایا کرتے۔''

''اب کیا ارادہ ہے......؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''جو تم چاہو گے وہی ہوگا۔ لیکن کچھ دیر ستالو، مجھے بھی کچھ سوچنے کی مہلت دو۔''

''جھرنا کا کیا بنے گا......؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ بے سہارا اب کہاں جائے گی جمیل......؟'' انکا کی مخمور آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ ''جمنا نے تمہارے ساتھ جو مہربانی کی تھی، ہمیں اُسے بھی نہیں بھولنا چاہئے۔ تم پریشان مت ہو۔ میں اسے فی الحال کسی محفوظ جگہ پہنچا دُوں گی۔ تم اپنے جھمیلوں سے فارغ ہولو تو پھر یہ تمہارے پاس واپس آجائے گی۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے چونک کر انکارانی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''میں نے کہا نا...... پہلے کچھ دیر ستالو، پھر آرام سے باتیں بھی ہوتی رہیں گی......''

اُس نے کھل کر میری بات کا جواب دینے سے گریز کیا۔

میں نے جواب میں کچھ کہنا چاہا، اسی وقت ایک گاڑی تیزی سے قریب آ کر رُکی۔ اسٹیرنگ سیٹ پر آنند بھون کا منیجر بھنڈاری نظر آرہا تھا۔ اُس نے نیچے اُتر کر میرے لئے پچھلا دروازہ کھولا۔ میں جھرنا کا ہاتھ تھام کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ انکا میرے سر سے اُتر کر جھرنا کے سر پر چلی گئی۔

میرے ذہن میں انکارانی کے وہ آخری جملے گونجنے لگے جو اُس نے جھرنا کے بارے میں کہے تھے......!!

❁❁❁

وقت کی طنابیں میرے ہاتھ میں آ کر ایک بار پھر بام مچھلیوں کی طرح نکل گئیں۔ وہ میرے جال میں آ گئے تھے، انکارانی نے کالی کے مندر میں میرا داخلہ ممکن نبا دیا تھا۔ میں صرف قدم جما کر ڈوری کھینچ لیتا...... ساری مچھلیاں پھنس جاتیں۔ وہ مگر مچھ بھی ہاتھ آ جاتا جو دلدل میں چھپا بیٹھا دوسروں کی جانوں کا زیاں کر رہا تھا۔ میں اُس کا کریا کرم کر کے ہاتھ جھاڑ لیتا۔ سپہ سالار مار دیا جائے تو فوری طور پر کمان سنبھالنے سے سب پہلو تہی اختیار کرتے ہیں۔ کوئی مجھ سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہ کرتا۔ ایک چندرا باقی رہ جاتا میرے ہی کھاتے میں۔ میں اُس کے پیچھے لگ جاتا۔ انکارانی نے کہا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ روپوش ہو گیا ہے جہاں اُس کی نظریں نہیں پہنچ پا رہی تھیں۔ کچھ دوسری قوتیں بھی چندرا کا ساتھ دے رہی تھیں۔ انکا کی دور بین نظروں کے سامنے رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں۔ اُس نے میرے استفسار پر یہی بتایا تھا۔

پنڈت نول کشور کو مارنے کا ایک سنہری موقع بھی ہاتھ آ کر نکل گیا۔ میں آنند بھون کے کمرے میں بیٹھا حالات پر غور کر رہا تھا جب انکارانی میرے سر پر آ گئی۔ مجھے جھرنا کے بارے میں اُس کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔

''جھرنا اس وقت کہاں ہے......؟'' میں نے سنبھل کر گفتگو کا آغاز کیا۔

''میں اُسے ایک اناتھ آشرم میں چھوڑ آئی ہوں۔ وہاں وہ دوسرے ہم عمر بچوں کے ساتھ رہے گی تو اُس کا دل بہلتا رہے گا۔''

''تم نے کہا تھا کہ میں جھمیلوں سے نمٹ لوں تو وہ پھر میرے پاس آ جائے گی؟''

''جو بھوش میں لکھ دیا جائے اسے سمے آنے سے پہلے کوئی نہیں جان سکتا۔'' انکا سنجیدگی سے بولی۔ ''انسان اگر آنے والے کل کے بارے میں سب کچھ جان لیتا تو پھر جھگڑا کس بات کا رہ جاتا؟ سارے ہنگامے، جھگڑے، فساد ختم ہو جاتے۔ ہر طرف امن و شانتی نظر

آتی۔''

''تم مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہی ہو......؟'' میں نے شکوہ کیا۔

''ضد کرنے کی عادت بدلنے کی کوشش کرو جمیل......'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ مہان شکتیوں نے بہت سے پردے میری نظروں کے سامنے سے ہٹا رکھے ہیں۔ میں مستقبل میں جھانک سکتی ہوں لیکن زبان نہیں کھول سکتی۔ اسی لئے میں نے کالی کے مندر میں داخل ہوتے سمے تم سے کہا تھا، میں صرف مشورہ دے سکتی ہوں۔ یاد ہے تمہیں......؟''

''کیا کہا تم نے......؟'' میں نے چونک کر اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''کیا تم جانتی تھیں کہ کالی کے مندر میں میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟''

''ہاں......'' اُس نے دروغ گوئی سے کام نہیں لیا۔ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ ''میں زبان کھول دیتی تو بھی وہی ہوتا جو اب ہوا ہے۔ البتہ میں تم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتی۔ پھر شاید کبھی ہمارا ساتھ ممکن نہ ہوتا......''

''میں سمجھا نہیں......'' میں نے پہلو بدل کر اُسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے جمیل، میں نے تم سے کہا تھا کہ جب تک پریتم لال مہاراج کی آتما میرے حق سے دستبردار نہ ہو جائے، دھرتی کا کوئی دوسرا پنڈت یا پجاری مجھے کسی بھی شکتی یا جاپ منتر کے زور سے اپنانے کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔'' اُس نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''اب اُسے آکاش پر بلا لیا گیا ہے...... دھرتی سے اُس کی آتما کے تمام سمبندھ بھی ٹوٹ چکے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟'' انکا کے جملے کا مفہوم میرے اضطراب میں اضافہ کرنے لگا۔ ''مجھے بتاؤ انکارانی۔ کیا پریتم لال کے بعد اب کوئی اور پنڈت یا پجاری تمہیں حاصل کرنے کے لئے کہیں چوروں کی طرح چھپا بیٹھا جاپ کر رہا ہے......؟''

''ابھی سے پریشان مت ہو......'' اُس نے بڑی لگاوٹ سے جواب دیا۔ ''پہلے پنڈت نول کشور اور چندرا کا حساب چکتا کر لو، پھر دیکھا جائے گا۔''

انکارانی نے کھل کر میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اُس نے وضاحت مناسب نہیں سمجھی تھی، لیکن میرے وجود میں بچھوؤں نے ڈنک مارنا شروع کر دیا، رگوں میں سنسناہٹ

شروع ہو گئی۔ مجھے میری قوتیں واپس مل چکی تھیں، سیّد مجذوب کی لاٹھی بھی معجزاتی طور پر میرے پاس واپس آ گئی۔ اگر جمنا کے بعد جھرنا بھی میرے دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی تو اُس کا انجام بھی بھیانک ہوتا۔ پھولوں کی مہک ختم ہو جائے، اُس کی پنکھڑیوں کا مخملی تاثر ختم ہونے لگے، وہ مرجھانے لگیں تو پھر اُنہیں گلدانوں سے نکال کر کوڑے دان میں پھینک دیا جاتا ہے۔ کالر سے نکال کر جوتوں تلے مسل دیا جاتا ہے۔ میرے دشمن بھی جھرنا کا رس نکالنے میں بڑی عجلت سے کام لیتے۔ پھوک رہ جاتا تو وہ اُسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہیں گٹر میں ڈال دیتے، کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیتے، دریا برد کر دیتے۔ لیکن میری قسمت کی خوش نصیبی سے ایسا نہیں ہو سکا۔ جھرنا بھی بچ گئی، سیّد کی متبرک لاٹھی بھی دوبارہ میرے ہاتھ آ گئی۔ نندا اور کمپالا کی قوتیں بھی میرے شاملِ حال تھیں۔ انکا رانی نہ ہوتی تو طاقت کے توازن میں کوئی فرق بھی نہ پڑتا۔ مگر بات طاقت کی نہیں، محبت کی تھی، قرب کی تھی۔ ایک تعلق کی تھی جو چوتھائی صدی سے زیادہ پر محیط تھا۔ وہ میرے وجود کا ایک حصہ بن گئی تھی، میں اُس کی خاطر کئی بار جان کی بازی لگا چکا تھا۔ جب رفاقتوں میں ایک ہی جیسے خون کا رنگ جھلکنے لگے تو سود وزیاں کا فرق مٹ جاتا ہے۔ ایک پسندیدہ گلاس بھی ہاتھ سے پھسل کر ٹوٹ جائے تو اس کی یاد ذہن میں مدتوں کروٹیں لیتی رہتی ہے۔ انکا رانی تو میری رگ رگ میں سما چکی تھی، میری رُوح میں گھل مل گئی تھی۔ میں اُس کی جدائی کا تصور بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

میں اُس سے بار بار اصرار کرتا رہا کہ وہ مجھے اُس پنڈت یا پجاری کا نام بتا دے۔ وہ بہانے تراشتی رہی۔ میں رُوٹھ گیا تو بڑی حسرت سے بولی۔ ''جمیل...... تم مجھ سے ناراض مت ہوا کرو۔ ہنستے بولتے رہا کرو۔ تم اُداس ہوتے ہو، خفا ہو جاتے ہو تو مجھے اپنی زندگی بھی پھیکی پھیکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ تم جذبوں اور احساس کی بات کرتے ہو، میں ان خوبصورت لفظوں کے معنی نہیں سمجھتی۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اب میرے تمہارے درمیان کوئی اور آیا تو بات میری برداشت سے بھی باہر ہو جائے گی۔ طاقت کا توازن بگڑ جائے تو کبھی کبھی نحیف دشمن بھی اپنے سے جری حریف پر موت بن کر جھپٹ پڑتا ہے۔ اُسے اپنے انجام کی نہیں، اپنی بقا کی فکر جنون کی حدوں سے گزر جانے پر اُکسا دیتی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تمہاری انکا رانی تم سے کیا درخواست کر رہی ہے......''

''انکا......'' میں اُس کے پیار کی تپش، اُس کے خلوص کی گرمی سے پگھلنے لگا۔ ''اب رف تم ہی تو رہ گئی ہو جس کی باتیں میرے کانوں میں رس گھولتی ہیں۔ کبھی کبھی حالات ھے بارود کی طرح چنگاری دکھا دیتے ہیں، میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہوں۔ تمہیں بھی نے زہریلے جملوں سے دُکھ پہنچانے لگتا ہوں۔ لیکن جو اپنے ہوں، اُنہی پر مان بھی ہوتا ہے، شکوہ شکایت بھی اُنہی سے کی جاتی ہے۔ غیر آنسو پونچھنے کی کوشش کہاں کرتے ہیں؟ ڑکتی آگ کو اور ہوا دیتے ہیں۔ تم مجھے معاف کر دیا کرو۔ نرگس، مالا رانی، کلدیپ سب ی ساتھ چھوڑ گئے۔ قسمت کی بدنصیبی دیکھو، میں لندن سے واپسی کے بعد ابھی تک اپنی زمین سے بھی نہیں مل سکا۔ اب اگر تم بھی......''

''مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل۔'' اُس نے بڑے پیار سے کہا۔ ''ہمت سے کام لو۔ ب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔''

''نہ ہوں تب بھی پنڈت نول کشور کو زندہ چھوڑ کر ہردوار سے واپس نہیں جاؤں گا۔ یرے ذہن میں پھر میرے دشمن زخموں میں پڑے کیڑوں کی طرح بلبلانے لگے۔

''تم سے جانے کی بات کون کر رہا ہے......؟''

''چندرا کا کوئی سراغ ملا......؟'' میں نے دبی زبان میں سوال کیا۔

''نہیں ملا تو اب مل جائے گا......'' وہ خلاء میں کچھ تلاش کرنے لگی۔

''میں سمجھا نہیں...... اب کیا فرق پڑ گیا......؟''

''اب اندھیروں کے چھٹنے کا وقت قریب آ رہا ہے۔'' اُس نے بدستور خلاء میں گھورتے ئے یقین سے کہا۔ ''کچھ دن اور انتظار کر لو، چندرا زیادہ دیر تک میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا......''

''ایک بات پوچھوں...... بتاؤ گی؟'' میں نے اُسے رازداری سے مخاطب کیا۔

''کیا جاننا چاہتے ہو......؟'' وہ میری جانب متوجہ ہو گئی۔

''جو تمہیں مجھ سے چھیننے کی کوشش کر رہا ہے اُس کا جاپ کب شروع ہوا؟ کتنے دن باقی ہ گئے ہیں؟'' میں ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''تربنی اور دوسرے پنڈتوں نے تمہیں مجھ سے ار بار چھیننے کی کوشش کی، وہ کامیاب بھی ہو گئے۔ لیکن اُس وقت کی بات اور تھی۔ اب میں الی ہاتھ نہیں ہوں، میرے ترکش میں بھی کئی تیر موجود ہیں، تم واقف ہو، میں تمہیں بچانے

کی خاطر آخری دم تک اُن کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر منڈل سے باہر کھینچتا رہوں گا۔ آسانی سے شکست تسلیم نہیں کروں گا، اُنہیں بھی دانتوں پسینہ آجائے گا۔ مجھ سے ایک وعدہ کرو، تم مجھے اندھیرے میں نہیں رکھو گی۔"

"جمیل...... جمیل...... ایسی باتیں مت کرو۔" اُس کے جذبات میں بھی طوفان اُمنڈنے لگا۔ میرے بالوں میں لپٹ کر مچلنے لگی۔ کچھ توقف کے بعد اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کی نیل کنول آنکھوں میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔ میری نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر بہکے لہجے میں بولی۔ "کاش میں مکمل عورت ہوتی تو اس وقت تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتی، دل بھر کر تمہیں پیار کرتی، دل کی دھڑکنوں میں چھپا لیتی، تمہیں اپنا سینہ چیر کر دکھاتی کہ اس میں صرف تم ہی تم ہو، کوئی اور نہیں ہے۔ ایسی ہی پیار بھری میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہا کرو۔ میں نے شروع شروع میں بس یوں ہی تمہارے سر کا انتخاب کیا تھا۔ تم نے رام دیال کی ماں کی بات نہیں مانی، پنڈتوں نے اُس سے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ تم اگر چاہتے تو ایک چھوٹے سے جاپ کے ذریعے بھی مجھے حاصل کر سکتے تھے، تم نے انکار کر دیا۔ مجھے تمہاری بات اچھی لگی۔ چھوٹے موٹے پرندے بھی سردی، گرمی اور برسات سے بچنے کی خاطر کوئی گھونسلا بنا لیتے ہیں، میں نے تمہارے خوبصورت بالوں میں بسیرا کر لیا۔ میں تمہیں آزمانا چاہتی تھی۔ تمہیں اپنے دفتر کا وہ موٹا کرچین آفیسر یاد ہے جس نے دیر سے دفتر پہنچنے پر دفتر میں بلا کر تمہاری بے عزتی کی تھی۔ تم نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تو کسی بدکے ہوئے سانڈ کی طرح منہ سے جھاگ اُڑانے لگا۔ آپھیسر سے آرگیو کرتا...... نو ماپھی...... ہم تُم کو ابھی ڈس مس کرتا.... اپنا پگار لو اور گٹ آؤٹ ہو جاؤ...... ہم کچھ نہیں سننا مانگتا...... تم خاموش ہو کر جانے لگے۔ مجھے اچھا نہیں لگا۔ مجھے اُس وقت انسانی خون کی فوری ضرورت تھی۔ بس...... مجھے اُس کا تمہاری بے عزتی کرنا برا لگا تھا...... میں نے تمہارے ہاتھوں اُس کو موت کے گھاٹ اُتروا دیا۔ پھر بات بڑھتی چلی گئی۔ اور آج...... یوں لگ رہا ہے کہ اگر تم میری زندگی میں نہ آتے تو میرا ڈیڑھ بالشت کا وجود بھی ادھورا ہی رہ جاتا۔ شاید میں......"

انکارانی اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ اُس کے شرماتے لجاتے چہرے پر اچانک ایک سایہ کپکپانے لگا۔ وہ سہم کر تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں مضطرب ہو گیا۔ میں اُس کے اچانک چلے جانے کے بارے میں غور کرنا چاہتا تھا جب ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی...... میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا، سیّد ایک کرسی پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ نظر آرہی تھی۔ گنجان داڑھی کے اُلجھے ہوئے بالوں میں خوراک کے ذرات اٹکے ہوئے تھے۔ وہ بار بار "ہوحق...... ہوحق...... حق اللہ" کے نعرے لگا رہا تھا۔ میں اُسے عاجزانہ نظروں سے گھورنے لگا۔

"ایسے مت دیکھا کر...... دیدے پھٹ جائیں گے......" اُس نے رازداری سے کہا۔

"وقت گزرتا جا رہا ہے سیّد۔" میں نے التجا کی۔

"رسّی تھام کر لٹک جا...... ڈگڈگی بجانا شروع کر دے......" وہ اپنے انداز میں بولنے لگا، پھر نظریں چمکا کر کہا۔ "چلی گئی...... پھر بھاگ گئی۔"

"وہ بھاگی نہیں......" میں نے سنجیدگی سے اُسے یقین دلایا۔ "اُس نے تمہارا احترام کیا ہے۔"

جواب میں سیّد نے ایک غضبناک قہقہہ لگایا۔ پھر سر کھجلانے لگا۔

"وہ میرے ہاتھ آکر نکل گیا......" میں نے کہا۔ "میں مر جاؤں گا لیکن اُس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

"کس کی بات کر رہا ہے مخبوط الحواس؟...... بے دُم کے بندر؟" سیّد کی آنکھیں پٹپٹانے لگیں۔

"وہی جو مندر میں چھپا بیٹھا ہے...... دوسرا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔" میں نے آواز میں رقت پیدا کی۔ "تم رہنمائی کر دو...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ اُن دونوں کو ختم کرنے کے بعد خاموشی اختیار کر لوں گا۔ تم جانتے ہو کہ میں نے ایک بار پہلے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اُنہوں نے زبردستی مجھے ٹانگیں پکڑ کر پھر میدان میں کھینچ لیا۔"

"آبادی چھوڑ کر جنگل کی طرف پھوٹ لے۔ کسی اُونچے درخت پر چڑھ کر بیٹھ جا......" سیّد کے لہجے میں درشتگی اُتر گئی۔ "ڈال ڈال پات پات کھیلنا بند کر دے۔"

"تمہاری مبہم باتیں مجھے دیوانہ کر دیں گی۔" میں اُلجھنے لگا۔ "جو کچھ کہنا ہے صرف ایک بار کھل کر واضح الفاظ میں کہہ دو۔ تمہاری پیچیدہ باتیں میرے سر سے گزر جاتی ہیں۔"

"سر میں کنگھی کیا کر......" سیّد دیدے نچانے لگا۔ "کدو کا تیل چھوڑ لے۔"

"مم...... میں اپنی جان دے دُوں گا۔" میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میرا خون تمہارے نام

لکھا جائے گا۔"

سید اُچھل کر کرسی سے اُٹھ گیا۔ دیوانوں کی طرح مجھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"بِل کے دہانے پر کھانڈ بُرک دے...... چیونٹے بوکھلا کر باہر نکل آئیں گے...... پھر...... پھر تو تالی بجانا...... تھرکنا شروع کر دینا۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ سیّد......" میں نے ہاتھ جوڑ لیے۔ "صرف ایک بار میری کلائی تھام کر سیدھا راستہ دکھا دو...... میں دوبارہ پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھوں گا...... میری بات کا یقین کرو۔"

"گھنگھور گھٹائیں...... کالی بدریا...... رِم جھم......" سیّد اپنے آپ سے ہم کلام نظر آ رہا تھا۔ پھر یکلخت وہ ٹھمکے لگانے لگا۔ "آ رہا ہے...... آ رہا ہے...... نشہ چھا رہا ہے......"

میں تیزی سے لپکا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ سیّد سے لپٹ جاؤں گا، اُس کے پیر پکڑ لوں گا۔ شاید اُس کو مجھ پر رحم آ جائے۔ مجھے یقین تھا کہ جس دن وہ مجھ پر مہربان ہو گیا، میرے سارے دلدر دُور ہو جائیں گے۔ ساری مشکلات دُور ہو جائیں گی۔ وہ مجذوب تھا، خدا نے اُس کو اپنی نگاہِ کرم سے نواز دیا تھا۔ اُس کا ایک بار ہاتھ آ جانا شرط تھا، پھر میں اُسے آسانی سے نہ چھوڑتا۔ یا وہ میری درخواست قبول کر لیتا یا میں اُس کے قدموں میں سر ٹکرا ٹکرا کر جان دے دیتا۔

سیّد میرا ارادہ بھانپ گیا...... قبل اس کے کہ میں قریب جاتا، وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں تڑپ تارہ گیا۔ وہ پھر اپنی بولی بول کر چلا گیا۔ میں ڈور کا سرا تلاش کرنے میں اُلجھنے لگا۔ اُس کے اشارے میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ وہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے پردے چاک کرنے کی جسارت اُس میں بھی نہیں تھی۔ وہ بار بار میرے سامنے آ جاتا تھا، پھر پلک جھپکتے میں نظروں سے غائب ہو جاتا تھا۔ اُس کی آمد و رفت بلا سبب نہیں تھی۔ اُسے مجھ سے لگاؤ نہ ہوتا تو وہ یونہی اپنا وقت کبھی برباد نہ کرتا۔ اُس نے محض تفریحاً اپنی لاٹھی میرے حوالے نہیں کی تھی، وہ مجھے سہارا دینا چاہتا تھا۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا اس میں مشیتِ ایزدی کو بھی دخل تھا۔ اُس کے شب و روز کی ایک ایک مصروفیت، اُس کا اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، اُس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ، ایک ایک

زیر، زبر، پیش سب خالقِ حقیقی کے تابع تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو نگاہوں سے اوجھل ہونے کی قوت نادر نہ ہوتا۔ کوئی نہ کوئی راز تھا...... کوئی پردہ تھا جو میرے اور اُس کے درمیان حائل تھا۔ ی ایک کل جو میرے ہاتھ نہیں آ رہی تھی، وہی ساری مشکلات کی کلید تھی۔ وہ میرے ہاتھ آ تی تو سارے پردے سرک جاتے، راستہ صاف نظر آنے لگتا۔ کوئی روک ٹوک باقی نہ رہتی۔

سیّد کی آمد سے پیشتر میرے قلب پر جو اضمحلال طاری تھا، جو بے کیفی مسلط تھی وہ کائی ی طرح پھٹ کر صاف ہو گئی۔ اُس کی باتیں میری سمجھ میں نہ آ سکیں، یہ دیگر بات ہے لیکن س کی آمد کا معجزہ تھا جس سے میرے قلب کی کیفیت حیرت انگیز طور پر تبدیل ہو گئی تھی۔ میرا ذہن اُس کی باتوں کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ صرف ایک اشارہ کچھ کچھ واضح ہو رہا تھا۔ سیّد نے کہا تھا کہ "بِل کے دہانے پر کھانڈ بُرک دے، چیونٹے بوکھلا کر باہر نکل آئیں گے۔" میرے دماغ میں پنڈت نول کشور کا تصور رہ رہ کر اُبھر رہا تھا۔ وہ میری نفرت کا سبب بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس جملے سے نول کشور کی ذات کا بھی کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہو گا...... "کھانڈ بُرکنے" کا مطلب واضح ہو جاتا تو تمام مشکل آسان ہو جاتی۔ سیّد کا اشارہ یقیناً کسی ایسی شے کی طرف تھا جسے دیکھ کر یا محسوس کر کے پنڈت نول کشور کی کھوپڑی پلٹ جاتی۔ وہ بلبلا کر منڈل اور مندر سے نکل کر باہر آ جاتا۔ میں اُس کا قصہ تمام کر دیتا۔ پھر خوشی سے "تالی بجانا اور تھرکنا شروع کر دیتا۔"

میرے دل کی دھڑکنیں ہر لحظہ تیز ہو رہی تھیں۔ میرا دماغ "کھانڈ بُرکنے" کا کلیدی حل تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ اشارہ بہت صاف تھا۔ سیّد سے میری پہلی ملاقات رکن الدین کی حویلی میں ہوئی تھی۔ اُس روز ایک خوشی کے موقع پر رکن الدین کی حویلی میں فقیروں اور یتیموں کے کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ میں بھی اُس لنگر میں شریک تھا جب سیّد اچانک سامنے آ گیا۔ اُس روز میں نے پہلی بار اُس مردِ قلندر سے رہنمائی کی درخواست کی تھی۔ سیّد حسبِ معمول اشاروں میں کچھ مبہم جملے کہہ کر غائب ہو گیا۔ لیکن اُس کی ملاقات مجھے دیوانہ کر گئی۔ میری دیوانگی اکارت نہیں گئی۔ سیّد بھی میری دیوانگی کا راز جان گیا۔ میری اُس کی مڈبھیڑ ہونے لگی۔ وہ جب بھی سامنے آتا دو ایک اشارے دے کر غائب ہو جاتا۔ میں سر کھجلاتا رہ جاتا۔ اپنے اندازوں سے اُس کے اشاروں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن بھی میرے دل ... ے اندازوں کی سیّد کی کہی ہوئی بات کی تائید یا تصدیق نہیں کی۔

"کھانڈ بُر کنے" کا وہ پہلا اشارہ تھا جس کا مفہوم تلاش کرتے ہوئے میرے دل کی عجیب کیفیت ہوئی تھی۔ وہ کیفیت سکونِ قلب کی تھی۔ میرے ذہن اور دل کی دھڑکنوں میں ایک ہم آہنگی تھی جو اس بات کی تائید کر رہی تھی کہ سیّد مجذوب کا وہ اشارہ میرے دشمن پنڈت نول کشور ہی کی جانب تھا...... بات صرف "کھانڈ" کے اشارے کے حل کی تلاش میں آ کر اٹک گئی۔ میں اسی سلسلے میں دل و دماغ کی انتہائی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوششوں میں مصروف تھا جب انکا رانی میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

اُس کا چہرہ بڑا سوگوار نظر آ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بھیگی بھیگی، سرخ سرخ نظر آ رہی تھیں۔ وہ سرخی کسی گہرے زخم کی پیداوار لگ رہی تھی۔ سیّد کے جانے کے بعد انکا نے واپسی میں دیر کر دی تھی۔ وہ کہاں گئی تھی؟ اُس نے کیا دیکھ لیا تھا؟ کیا خبر سن لی تھی جس نے اُس کے چہرے کو اس قدر اُداس کر دیا تھا؟ وہ مجھ سے نگاہیں ملاتے ہوئے بھی کترا رہی تھی...... ان آنسوؤں کو بھی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی جو اُس کی پلکوں کی اوٹ سے طوفان کی طرح اُبل پڑنے کو ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ کیوں؟ آخر کیوں......؟

وہ یقیناً کوئی اہم بات تھی جس نے انکا رانی کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا......!

"کیا بات ہے......؟ تم اتنی اُجڑی اُجڑی، اتنی اُداس اور غمگین کیوں نظر آ رہی ہو؟ کیا خبر سن لی؟ کون مر گیا......؟"

"جمیل......" اُس کی آواز بھرا کر رہ گئی۔ آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

میرے دل میں وسوسے سر اُبھارنے لگے۔ میں انکا رانی کی کیفیت اور اپنے دل کی دھڑکنوں میں کوئی ربط تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اتنی سوگوار زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ میرے اندر طوفان سر اُبھارنے لگا۔ میرا ماضی میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ میرے دشمنوں نے میرے ساتھ ہمیشہ کم ظرفی کا ثبوت دیا تھا، وہ مجھ سے اپنی شکست کا بدلہ میرے خونی رشتوں سے لیا کرتے تھے۔ مجھے ایک محاذ پر مصروف کر کے دوسری طرف میری دنیا اُجاڑ دیتے تھے۔ اُنہوں نے نرگس کو مار دیا تھا، انکا نے مجھے بعد میں خبر دی۔ مالا رانی بھی ہاتھ سے نکل گئی، میری طاقت اور انکا کی لازوال قوتیں کسی کام

کبھی وہ میری توجہ بٹانے کی خاطر، مجھے ذہنی طور پر کمزور کرنے کے لئے تزئین کو اغواء کر لیتے، کبھی چچا جان کی لڑکی کو اُٹھا کر لے جاتے۔ میں دیوانہ ہو جاتا۔ وہ دُور بیٹھے قہقہے لگاتے رہتے......!!

اس وقت بھی مجھے انکا رانی کی نظروں سے اُبلتے آنسوؤں میں اپنے کسی عزیز کی لاش نظر آ رہی تھی۔ میرا ذہن تزئین کی طرف گیا، میں لرزنے لگا۔ ساری جان سے کانپ گیا۔ نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا...... وہ دو بار تزئین کو ہدف بنا چکے تھے، میں ان کے بل پر اپنی جیتی جاگتی گڑیا کو واپس لے آیا، وہ منہ دیکھتے رہ گئے۔ اس بار شاید انہوں نے تزئین کو...... میں اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکا۔ میرے وجود کے اندر طوفان اُٹھنے لگے۔ میں نے دل ہی دل میں دشمنوں کو للکارا۔

"حرامزادو...... کمینو...... سور کے بچو...... خبردار، کوئی ایسا قدم مت اُٹھانا جو میرے ماضی کے زخموں کو دوبارہ تازہ کر دے۔ جو کھرنڈ جمی ہے، اس میں برسوں لگے ہیں۔ تم نے اسے اُکھاڑنے کی کوشش کی تو پھر کچھ باقی نہیں بچے گا۔ شاید میں بھی اپنے جنون، اپنی وحشتوں، دیوانگی، اپنے پاگل پن کا شکار ہو جاؤں۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو، جہاں ارادے سچے ہوں، ارادوں میں کوئی کھوٹ نہ ہو، وہاں قسمت بھی ساتھ دیتی ہے، خدا کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے...... میری آواز غور سے سنو، اب کوئی حماقت نہ کرنا...... جھگڑا تمہارا ہے۔ میرے اور اپنے درمیان کسی اور کو شامل کرنے کی غلطی مت کر بیٹھنا۔ میری اور میرے کسی اور عزیز دار نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ تم نے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا تھا، میں تنہا تھا، تمہاری تعداد ان گنت تھی۔ تمہیں دُرگا، کالی اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ لیکن تم مجھ سے خوفزدہ بھی تھے۔ تمہیں ڈر نہ لاحق ہوتا تو مجھے زنجیروں میں باندھ کر کبھی نہ رکھتے۔ ایک ایک کر کے مقابلے پر آتے تو میں بتاتا کہ جمیل کس طرح سے ٹکرا کر تم نے اپنی موت کو للکارا ہے۔ تم بزدل تھے، بزدل ہو۔ مرد ہوتے تو مردوں کی طرح مقابلہ کرتے۔ میں نے پھر بھی کوئی شکوہ، کوئی شکایت نہیں کی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ اپنے دیکھتے گئے، میں پھر تمہاری نظروں میں دُھول جھونک کر باہر آ گیا۔ ہردوار میں ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے، کئی چھوٹے چھوٹے مندر اور بھی ہوں گے۔ میں چاہتا تو تمہاری بستیوں میں آگ لگا دیتا، اُنہیں جلا کر راکھ کر دیتا۔ اُن میں کچھ تمہارے اپنے بھی ضرور

ہوتے۔ میں تمہارے دوسرے مندروں کو مسمار کر کے انتقام کی آگ سرد کرنے کی کوشش کرتا تو شاید تمہارے اپنے ساتھی ہی تمہیں گردن سے پکڑ کر میرے سامنے لے آتے۔ بہت کچھ ممکن تھا، بہت کچھ ہو سکتا تھا، اب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن میں نے اپنی طرف سے کسی گستاخ حرکت کا مظاہرہ نہیں کیا...... تم کو بھی خبردار کر رہا ہوں کہ ایسی کوئی غلطی نہ کر بیٹھنا کہ پھر مجھے سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ کالی داس، اوم پرکاش کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ اُن پنڈت پجاریوں کی طویل فہرست پر ایک نظر ڈال کر دیکھو جو میرے عتاب، میرے غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو، کیا بدری نرائن کے انتقام کی آگ تمہارے دل میں نہیں سلگ رہی؟ چندرا سے پوچھو، جو ابھی تک امر لال کے غم میں تڑپ رہا ہے...... اگر تم نے میری تزئین کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں ہندوستان کے سارے پنڈت پجاریوں کو چن چن کر ماروں گا۔ کوئی نہیں بخشا جائے گا..... سب کے ٹینٹوے دبا کر جہنم رسید کر دوں گا۔"

میں وحشتوں میں ڈوبا دل ہی دل میں ہذیان بکتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ انکارانی نے صرف جمیل کہہ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی......؟ کہتے کہتے رُک کیوں گئی......؟

"انکارانی......" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "جو بات بھی ہو، مجھے کھل کر بتا دو، تجسّس مت پیدا کرو۔ میں بری بھلی سب کچھ سننے کو تیار ہوں۔ اوکھلی میں سر دینے والے موسلوں سے نہیں ڈرا کرتے۔ جب آگ بھڑکتی ہے تو اپنوں اور پرایوں کی تمیز نہیں کرتی۔ مجھے بتاؤ، کون زخمی ہوا؟ کون جل کر راکھ ہو گیا؟ میری قوتِ برداشت کا امتحان مت لو...... جو بھی ہے جلدی کہہ ڈالو......"

"جمیل......" اُس نے کچھ توقف سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے جواب دیا۔ "جب کسی سے محبت ہو جائے تو اُس کے بچھڑنے پر دل کو ٹھیس بھی ضرور لگتی ہے، آنسوؤں پر اختیار نہیں چلتا، دل پھٹ جاتا ہے۔"

"تم...... تم پھر پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔" میں نے مضطرب آواز میں سوال کیا۔ "کون بچھڑ گیا؟...... تم کس کا سوگ منا رہی ہو......؟"

"وہ...... وہ جھرنا......" اُس کی آنکھیں پھر برسنے لگیں۔

"کیا ہوا جھرنا کو......؟" میں نے تزئین کی جانب سے سکون کا سانس لے کر دریافت کیا۔ انسان بھی بڑا خود غرض ہوتا ہے۔ ایک لمحہ پہلے میں تزئین کے خیال سے پاگل ہو رہا تھا، جھرنا کا نام سن کر میری دیوانگی ختم ہونے لگی۔ بات اپنوں کی نہیں، پرایوں کی تھی۔

"اُنہیں جھرنا کی تلاش تھی جمیل......" انکا نے بسورتے ہوئے جواب دیا۔ "پنڈت نول کشور نے اُسے ہر قیمت پر تلاش کرنے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ مجھے دیر سے خبر ہوئی۔ میں ادھر تمہارے ساتھ باتوں میں لگی تھی، اُدھر وہ اپنا کام کر گئے۔"

"جو ہونا تھا، ہو گیا انکارانی......" میں نے اُسے تسلی دی۔ "پریشان مت ہو۔" میں نے اُسے بہلانے کی خاطر کہا۔ "میں تمہارے لئے کوئی دوسری جھرنا لا دوں گا۔ بالکل ویسی ہی، بلکہ اس سے بھی اچھی......"

"وہ کتنی معصوم تھی جمیل...... کتنی بھولی بھالی صورت تھی اُس کی۔" وہ سرد آہ بھر کر بولی۔

"کیا بگاڑا تھا اُس غریب نے کسی کا......؟"

"مجھے تعجب ہو رہا ہے......" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ "تمہیں اُس سے اتنی جلدی اس قدر محبت ہو گئی؟"

انکارانی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر ہونٹ چباتی رہی، پھر موضوع بدل کر دریافت کیا۔

"وہ مرد قلندر آیا تھا...... اس بار کیا کہہ گیا......؟"

"اُس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں......" میں نے مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"ایک اشارہ ابھی تک مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"کیا......؟"

"اُس نے کہا تھا کہ کھانڈ بُرک دو، چیونٹے بوکھلا کر باہر نکل آئیں گے۔"

"وہ...... وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔" انکا کی نگاہیں کسی خیال سے چمکنے لگیں۔

"تم کسی نتیجے پر پہنچ گئیں......؟" میں نے اُسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"میرا انتظار کرنا جمیل، میں ابھی واپس آتی ہوں۔"

وہ بڑی سرعت سے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں اُس کے جانے کی وجہ بھی دریافت نہ کر سکا۔ میرے اضطراب میں پھر اضافہ ہونے لگا۔ انکارانی نے سیّد مجذوب کا اشارہ سننے کے

بعد اُس کی بات کی تصدیق کی تھی۔ شاید وہ اس اشارے کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ لیکن مجھ سے کچھ کہے بغیر وہ عجلت میں کہاں چلی گئی تھی؟

میں اُس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اُس کے دل میں جھرنا کی محبت اچانک دیوانگی کی حد تک کس طرح پیدا ہوگئی؟ وہ اس طرح رو رہی تھی جیسے اُس کا اپنا کوئی عزیز مر گیا ہو، جیسے وہ جھرنا کو پہلے سے جانتی ہو، کوئی قریبی رشتہ رہا ہو۔ کوئی ایسا رشتہ جو اُس نے مجھے بتانا مناسب نہ سمجھا ہو...... کوئی اور بات بھی ممکن ہو سکتی تھی۔ جھرنا کمسن تھی، خوبصورت تھی، نوجوان تھی، ہرنی کی طرح اُچھلتی کودتی تھی، ممکن ہے انکارانی کو اُس کی وہی ادا بھا گئی ہو...... ایک اور قیاس میرے ذہن میں کلبلانے لگا، جھرنا کے گورے بدن سے خون چھلکتا تھا، اُس کے گدرائے ہوئے گال قندھاری انار کی طرح سرخ سرخ نظر آتے تھے۔ شاید انکارانی کو اُس کا گاڑھا گاڑھا خون پسند آ گیا ہو؟ کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی جو اُس نے جھرنا کو توجہ کے قابل سمجھا تھا، اُسے اپنے ساتھ آنند بھون لے آئی تھی۔ میرے استفسار پر اُسے اناتھ آشرم چھوڑ آئی۔ لیکن اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ جب میں سارے جھمیلوں سے فارغ ہو جاؤں گا تو جھرنا دوبارہ میرے پاس واپس آ جائے گی۔

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا کہ بھنڈاری دروازے پر دستک دینے کے بعد اندر داخل ہوا۔ وہ کچھ اُلجھا اُلجھا نظر آ رہا تھا۔ میں اُس کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھنے لگا۔ اُس کی نگاہیں کچھ بدلی بدلی نظر آ رہی تھیں۔

''مہاراج......'' گفتگو کی ابتدا اُس نے دبی زبان میں کی۔ ''تم کالی کے مندر گئے تھے۔ کر آئے پوجا......؟''

میں بھنڈاری کی بات سن کر چونکا۔ اُس نے مندر اور پوجا کا ذکر بلاوجہ نہیں چھیڑا ہوگا۔ میں نے سوچا...... وہ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتا تھا؟...... کیا اُسے مندر میں ہونے والے ہنگامے کی اطلاع مل گئی تھی؟ کسی نے میری اصلیت کی مخبری کر دی تھی؟...... میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کوئی نہ کوئی فتنہ پھر سر اُٹھانے والا تھا۔ بھنڈاری جو آنند بھون میں میرے قیام کے دوران میرے آگے پیچھے بچھا جا رہا تھا، اب کچھ بدلا بدلا نظر آ رہا تھا۔

''جو مندر میں جاتے ہیں وہ صرف پوجا کے ارادے سے نہیں جاتے، اور بھی بہت سارے کارن ہوتے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارے وہاں جانے کا کیا کارن تھا......؟''

''تو کیوں معلوم کر رہا ہے......؟'' میں جھلا گیا۔ میری پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں اُبھرنے لگیں۔ ''تیرے پیٹ میں کیوں مروڑ ہو رہا ہے؟''

''کالی کا ایک پجاری ابھی ادھر آیا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ مندر میں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔'' بھنڈاری میرے تیور دیکھ کر کچھ نرم پڑا۔

''کیا کہہ رہا تھا......؟'' میں نے بدستور درشت لہجے میں دریافت کیا۔

''وہ کہہ رہا تھا مندر کا بڑا پروہت بڑے غصے میں ہے، کوئی مُسلا وہاں بھیس بدل کر پہنچ گیا تھا۔ پجاریوں کو اُس پر شبہ ہوا تو اُسے پکڑ لیا گیا۔ پنڈت نول کشور مہاراج نے اُس کے ہاتھ پیر باندھ کر تہہ خانے میں ڈلوا دیا تھا۔ مہاراج نے مندر کے دوسرے کرتاؤں دھرتاؤں سے ان کی رائے پوچھی تو سب کا ایک ہی خیال تھا، اس مُسلے کو پورن ماشی کی رات دیوی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ پرنتو وہ مُسلا رسی تڑا کر بھاگ نکلا۔ پجاریوں نے ایک ایک کونا چھان مارا لیکن اُس کا کوئی کھوج نہیں ملا...... کالی کو خوش کرنے کی خاطر بڑے پروہت کو اپنی خاص پجارن کی بھینٹ دینی پڑی۔ مہاراج کے خاص کھوجی ہردوار میں چاروں طرف پھیل گئے ہیں۔ گھر گھر کی تلاشی ہو رہی ہے۔''

میں نے ارتکاز اور مراقبے کا مختصر عمل کر کے آنکھیں موند لیں۔ اندھیرے چھٹنے شروع ہوئے تو میں نے مختلف سمتوں میں نظریں دوڑائیں۔ باہر کاؤنٹر کے قریب ایک ہٹا کٹا پجاری کھڑا تھا۔ اُس کی نظریں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ شاید وہ نول کشور ہی کا کھوجی تھا جو آنند بھون میں ٹھہرے ہوئے مسافروں کے سلسلے میں معلوم کرنے آیا تھا۔ میں نے اُس کی طرف سے توجہ ہٹا کر بھنڈاری کے دل میں جھانکا، وہ بھی اندر سے بے چین نظر آ رہا تھا۔ مجھے اُس کی بے چینی کا اندازہ بھی اُس کی سوچوں کے ذریعے ہو گیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر بھنڈاری کو تیز نظروں سے گھورا۔ میری بدلی ہوئی نظریں دیکھ کر وہ کسمسانے لگا۔

''مورکھ...... آنکھ کے اندھے، تو میرے مندر جانے کا کارن پوچھ رہا تھا نا......؟''

''نہیں مہاراج...... نہیں۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا جو تم سمجھ رہے ہو۔'' بھنڈاری سٹپٹا گیا۔

''میرا نام جاننا چاہتا ہے......؟'' میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھائی تو اُس کے چہرے کا رنگ فق ہونے لگا۔

''بات تمہاری نہیں ہے مہاراج۔'' اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''میں تم سے کیول یہ بنتی کرنے آیا تھا کہ تم بڑے پروہت کی سہائتا کر دو۔ اُس مُسلے کا کھوج لگا دو جس نے کالی کے مندر کی پوترتا کو اپنے پلید چرنوں سے گندا کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''وہ بھی یہی بنتی کرنے آیا ہے یا اُس کے من میں کچھ اور کلبلا رہا ہے......؟'' میں نے سرسراتی آواز میں سوال کیا۔

''تم......تم کس کی بات کر رہے ہو......؟''

''وہی...... گھٹے ہوئے سر والا مسٹنڈا پجاری جو باہر کھڑا تیری راہ دیکھ رہا ہے۔''

''مہاراج....تم....تمہاری شکتی اپرم پار....'' وہ بڑی عقیدت سے میرے پاؤں چھونے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ میں نے پیر ایک طرف کر کے اُسے حقارت سے دھتکارا۔

''دُور ہٹ ملچھ...... مجھے تیرے شریر سے بھی کسی بستوئی (چھپکلی) کی سڑاند آ رہی ہے۔''

''تمہیں کیا ہو رہا ہے مہاراج......؟'' اُس نے وضاحت کرنی چاہی، میں نے گھڑک کر کہا۔

''جب کوئی سندری اپنے اُجلے شریر کا مول بھاؤ کرنا شروع کر دے تو اُس کے تن سے بستوئی ہی کی باس آتی ہے...... میں اُس کی بات کر رہا ہوں جو تیرے کمرے میں چادر میں بدن چھپائے تیری راہ تک رہی ہے......اور کچھ سنے گا......؟''

بھنڈاری نے ہی ہی کر کے بتیسی نکالی، جانے کے ارادے سے پلٹا تو میں نے گرج کر کہا۔

''چلا کدھر پاپی...... اُس مسٹنڈے کو بھی بلا لے جو کھوجی بن کر گندی موریوں میں جھانکتا پھر رہا ہے۔ میں اُس حرامی کی دبدھا بھی دُور کر دُوں گا۔''

''مجھے شما کر دو مہاراج۔'' بھنڈاری میرے رعب میں آ کر کپکپانے لگا۔ ''وہ جو باہر کھڑا ہے، میری بات کا وشواس کر لے گا۔ تم آرام کرو۔''

''جاتے جاتے ایک بات اور سن لے......'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر ایک کاری ضرب اور لگائی۔ ''پنڈت نول کشور سے کہلوا دے کہ چندرا کو ادھر ہی بلوا لے۔ چندرا آ گیا تو وہ مُسلا بھی سامنے آ جائے گا......سنا تو نے، میں کیا کام کی بات بتا رہا ہوں؟''

''میں تمہارا سندیس بڑے پروہت تک اوش پہنچا دُوں گا۔''

''اُس سندری کو بھی نو دو گیارہ کر دے۔'' میں نے اُسے دہلانے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔ ''تیری گھر والی کو بھنک مل گئی تو تیرے بارہ بجنے میں بھی دیر نہیں لگے گی۔''

بھنڈاری سر پر پاؤں رکھ کر نکل بھاگا۔ میں اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ مجھے یقین تھا کہ خاصی سرزنش ہو جانے کے بعد اب وہ کسی کو میرے کمرے کے آس پاس پھٹکنے کی اجازت بھی نہیں دے گا۔ خود بھی میرے پاس آنے سے گریز کرے گا۔ میں نے اُس کی عیاشی کا بھانڈا جو پھوڑ دیا تھا......!

وقت زیادہ گزر گیا تو میری اُلجھن انکارانی کے سلسلے میں بڑھنے لگی۔ اُس نے سیّد کے اشارے کو سمجھ لیا تھا، پھر انتظار کرنے کا کہہ کر چلی گئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ میں اُس کا انتظار کروں، وہ جلدی واپس آئے گی۔ لیکن دو گھنٹے گزر چکے تھے، وہ واپس نہیں آئی۔ میں اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وحشت بڑھنے لگی تو میں کمرے سے نکل کر باہر آ گیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میرے ساتھ ساتھ تھی۔

اچانک میرے ذہن میں ایک کیڑا کلبلایا...... بھنڈاری نے کہا تھا کہ نول کشور کے کھوجی ہردوار کے کونے کھدروں میں میری تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں ابھی تک اُن کے ذہنوں میں بچھو بن کر ڈنک مار رہا تھا۔ میں اُن کے اس جال کو توڑ کر نکل بھاگا تھا جسے اُنہوں نے بڑی مضبوطی سے تیار کیا تھا۔ تہہ خانے کا ٹوٹا ہوا دروازہ اُنہیں نظر آیا ہوگا تو اُن چار پجاریوں کی بھی شامت آ گئی ہوگی جو کالی کے چرنوں کے چڑھاووں کا مال کھا کھا کر سانڈ بنے پھر رہے تھے، اُنہیں میری نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ ''میں اُن کی نظروں کے سامنے سے کس طرح نکل گیا؟......اس خیال نے مندر کے بڑوں کی کھوپڑیوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہوں گے۔ جمنا کے بعد انہیں بھی شاید کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کی تیاری ہو رہی ہو گی، وہ سب حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہوں گے، اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی خاطر بڑی بڑی قسمیں کھا رہے ہوں گے، تڑپ رہے ہوں گے، بلبلا رہے ہوں گے۔ جمنا بھی اسی طرح تڑپی تھی، مچلی تھی، کچھ کہہ نہیں سکی تھی، ظالموں نے اُس کی زبان کاٹ دی تھی۔ اُس کی زبان سلامت ہوتی تو اُن دھرماتماؤں کے نام بھی اُس کی زبان پر ضرور آ جاتے جنہوں نے اُسے مالِ غنیمت سمجھ کر پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا چھوڑی تھی۔ نول کشور کے مستفید ہو جانے کے بعد اُس کے حاشیہ برداروں نے بھی

جمنا کی جوانی سے اپنا اپنا لگان وصول کیا ہوگا، جمنا کی زبان کھل جاتی تو وہ سب ننگے ہو جاتے۔ اندر کی بات باہر آ جاتی۔ جھرنا کو بھی خبر مل جاتی کہ مندر کی مقدس گھنٹیوں کی جھنکاروں میں کیا گل کھلائے جاتے ہیں۔ دیوداسیوں کو شادیاں کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، وہ صرف کالی کی خدمت کے لئے وقف کر دی جاتی ہیں، اُنہیں بڑا قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ اُن کا یہ بھرم بھی کسی پروہت یا بڑے پنڈت کے ہاتھوں چکنا چور ہو جاتا ہے۔ عقاب کے خونخوار پنجوں میں پھنسا ہوا شکار صرف پھڑ پھڑا سکتا ہے، پھر اُس کی قوتِ مدافعت جواب دے جاتی ہے۔ کالی بھی کیا کر سکتی ہے؟ اُس کے شبھ نام کی آڑ میں جو کھیل تماشے ہوتے ہیں، ان کی گونج دُور دُور تک سنائی دیتی ہے۔ وہ خود نہیں سن سکتی...... جو سنتے ہیں وہ بھی دم سادھ کے بیٹھ جاتے ہیں۔

جمنا کی آواز حلق سے نکل کر چاروں طرف گونجتی تو جھرنا بھی دم سادھنے کے سوا اور کیا کرتی؟ اُس کی کمسنی یکلخت سن بلوغت کا راز پا لیتی۔ وہ سہمی سہمی رہنے لگتی۔ پنڈت پجاریوں سے بچ بچ کر چلتی، بار بار راستہ کترانے کی کوشش کرتی۔ لیکن ایک دن وہ بھی کسی نہ کسی موڑ پر دبوچ لی جاتی...... پھر دو ہی راستے باقی رہ جاتے۔ یا وہ اسی رنگ میں رنگ جاتی یا کالی کے قد آور بت سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جاتی...... اچھا ہوا جو وہ درندگی کا شکار ہونے سے پہلے مر گئی۔ انکا بلاوجہ اُس کا سوگ منا رہی تھی۔

میں نے جھرنا کو ذہن سے جھٹک دیا، پھر اُن کھوجیوں کے بارے میں غور کرنے لگا جو بھوکے گدھ کی طرح میری تلاش میں ہر طرف منڈلاتے پھر رہے تھے۔ میں اُن کے لئے ''کھانڈ'' سے کم نہیں تھا۔ میں باہر نکل کر اُن کے سامنے آ جاتا تو سب ''چیونٹوں'' کی طرح میرے اردگرد جمع ہو جاتے۔ وہ مجھے تر مال سمجھ کر ہڑپ کرنے کی خاطر لپکتے، میں اُن کے لئے ''لوہے کا چنا'' ثابت ہوتا۔ سیّد کی لاٹھی گھماتا تو سب تتر بتر ہو جاتے۔ کئی مارے جاتے، کئی زخمی ہو کر دوبارہ ''بلوں'' میں گھسنے کی کوشش کرتے۔ نول کشور کو بھی ضرور خبر پہنچتی...... شاید وہ بھی اپنی چنڈال چوکڑی کے ساتھ بوکھلا کر مندر سے باہر آ جاتا۔ میں قہر بن کر اُس پر ٹوٹتا۔ اُسے بتاتا کہ ہاتھی کے ہودے یا مچان پر بیٹھ کر جنگل کے بادشاہ کو شکار کر لینا بہادری نہیں ہوتی، یہ بڑے آدمیوں کے چونچلے ہوتے ہیں جو شیر کی کھال میں بھس بھروا کر اپنے ڈرائنگ رُوم کی زینت بناتے ہیں۔ مُردہ شیر کی کھوپڑی پر پاؤں رکھ کر، منہ میں

گار دبا کر تصویریں اُتروانا بڑے فخر کی بات سمجھتے ہیں، اس طرح سینہ تانے نظر آتے ہیں ے شیر ان کی بندوق کی گولی سے نہیں، ان کے رعب و دبدبے سے دہشت کھا کر جان سے زر گیا ہو...... مردانگی تو تب ہے کہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا جائے، ہر اُس پر گولی داغی جائے۔ پنڈت نول کشور کا واسطہ ابھی تک کسی شیر سے نہیں پڑا تھا۔ وہ تو ہرنیوں اور مرغابیوں کو نشانہ بنانے کا عادی تھا۔ شیر کو سامنے دیکھ لیتا تو دم بخود رہ جاتا۔ س کے دیدے پھٹ جاتے، سانپ سونگھ جاتا، کھڑے کھڑے دھوتی میں چھپھلانے لگتا۔

میں کچھ سوچ کر عقبی راستے سے گزر کر آنند بھون سے باہر آ گیا۔ میں نے اپنے اردگرد یک مضبوط حصار قائم کر کے قدم آگے بڑھانے شروع کر دیئے۔ شکاریوں کی تعداد زیادہ ہو تو شیر بھی بلی بن کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ نول کشور مجھے گیدڑ ہی سمجھ کر اپنی کچھار سے نکل کر باہر آ جائے۔ میں اُس کے خون کے چھینٹوں سے اپنے انتقام کی آگ بجھا کر ''تالی بجاؤں، تھرکنا شروع کر دوں''...... غالباً سیّد مجذوب کے مبہم شارے کا مطلب بھی یہی تھا۔

میں سینہ تانے قدم بڑھاتا رہا۔ میرا رُخ کالی کے مندر کی جانب تھا...... ذہن انکارانی کے بارے میں اُلجھ رہا تھا جو ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ آنند بھون، آبادی سے ہٹ کر اقع تھا۔ میں اطراف میں نظر دوڑاتا اپنی منزل کی سمت گامزن تھا۔ میرے ذہن میں شیوا کا تصور بھی اُبھر رہا تھا۔ اُس غریب کو بلاوجہ میرے نام پر سزا دی گئی تھی۔ جمنا سے ملاقات کے دوران میں نے سوچا تھا کہ کالی کے مندر کے تہہ خانوں میں بنی کال کوٹھڑیوں میں اُسے بھی ضرور تلاش کروں گا۔ وہ بہادر تھا، موت سے نہیں ڈرتا تھا، اپنے ساتھیوں سے بھی مخلص تھا۔ غدار ہوتا تو میرا ہاتھ تھام کر اُن کے بارے میں سب کچھ بتا دیتا۔ چندرا کی گمشدگی کا راز بھی اُگل دیتا، میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا منظور نہ ہوتا تو زندگی بچ جانے کے بعد کسی اور سمت نکل جاتا۔ کالی کے مندر میں واپسی کی حماقت کبھی نہ کرتا...... نول کشور اور اُس کے گرگوں نے باریکیوں میں جانے کی زحمت نہیں کی ہوگی، جلد بازی میں ایک فیصلہ کر بیٹھے۔ میں اُن کی غلطی سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ شیوا کی رہائی میرے ہاتھوں عمل میں آتی تو وہ میرا ہمنوا بن جاتا۔

مجھے شیوا کے حوالے سے آنند لال یاد آ گیا۔ وہ بھی بڑا معاملہ فہم، بڑا نڈر اور ''دلیر

بھگت'' تھا۔ اُس وقت جب میں عدالت کے روبرو کھڑا کسی فیصلے کا منتظر تھا، بڑے بڑے پجاریوں نے کٹہرے میں آکر میرے خلاف گواہیاں دی تھیں، مجھ پر سنگین الزامات کی فہرست بڑی طویل تھی، بدری نرائن کے سوا اُس کے تمام چیلے عدالت میں موجود تھے، وہ بدبخت تربنی داس بھی اُٹھ کھڑا ہوا جسے میں بڑی اذیت ناک سزائیں دے چکا تھا۔ سب بدری نرائن کے اشارے پر مرد بننے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھ پر مالا کو اغواء کرنے اور قتل کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ نرگس کی موت کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ میں بل کھا کر رہ گیا۔ انکا بھی تلملا اُٹھی تھی، میں ایک اشارہ کرتا تو وہ سب کو تگنی کا ناچ نچانا شروع کر دیتی، انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوا جج بھی ننگا ہو کر ناچنے لگتا۔ لیکن میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی......

جب سارے بیانات ختم ہو گئے تو جج نے میری طرف سخت نظروں سے گھورا۔ میرے دشمنوں نے میرے خلاف زہر اُگلنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ جج میرے خلاف فیصلے دینے کے لئے اپنے ذہن کو پوری طرح آمادہ کر چکا تھا۔ خود میری طویل خاموشی بھی عدالت کے لئے ایک ثبوت بن گئی تھی۔ سرکاری وکیل بھی اپنی کامیابی کے سلسلے میں بڑا پُر اُمید نظر آ رہا تھا جب آنند لال نے اُس کی وساطت سے خود کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ پنڈت پجاری اُسے بہت مانتے تھے، خود انکا رانی نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ وہ کئی شاستروں کا ماہر اور ہندو دھرم کے بڑے عالموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ وہ کٹہرے میں آکر کھڑا ہوا تو میرے دشمنوں کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ آنند لال کو میرے تابوت کی آخری کیل سمجھ رہے تھے۔ اُس نے بولنا شروع کیا تو سب خاموش ہو گئے۔ سب کی نظریں اُس پر جمی تھیں، وہ جج سے کہہ رہا تھا...... ''میرا نام آنند لال ہے۔ میں دھرم کا سیوک ہوں۔ میں نے دیوی دیوتاؤں کی بڑی کٹھن تپسیا کے بعد وہ مقام حاصل کیا ہے جو بہت کم لوگ کر پاتے ہیں۔ میں نے سارا جیون شاستروں کے پنّوں کے بیچ گزارا ہے، ویدوں میں جان کھپائی ہے۔ دیوی دیوتاؤں نے میرا مان بڑھایا ہے، میں اُن ہی کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا، سچ کہوں گا۔ سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔'' پھر اُس نے عدالت سے ہاتھ باندھ کر درخواست کی کہ مجھے باعزت طور پر رہا کر دیا جائے۔ مجھے نردوش اور بے قصور قرار دیا جائے تو عدالت میں کھلبلی مچ گئی۔ پنڈت پجاریوں کے چہرے لٹک گئے۔ وکیل سرکار کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جیوری کے ممبران بھی اپنی اپنی نشستوں پر

پہلو بدلنے لگے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ آنند لال میری حمایت بھی کر سکتا تھا......!!

آنند لال نے بھری عدالت میں اپنی مہان شکتی کے کرشمے پیش کئے تو پنڈت پجاریوں کی زبانیں اُس کے خلاف بھی زہر اُگلنے لگی تھیں۔ شیوا کی طرح آنند لال پر بھی شبہ کیا گیا کہ وہ مجھ سے مل گیا ہے۔ ایک پولیس افسر نے اُسے دھکا دے کر باہر نکالنے کی کوشش کی، آنند لال کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اُس نے کچھ پڑھ کر پھونکا، انسپکٹر کھڑے کھڑے چکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں اُبل کر حلقوں سے باہر آ گئیں۔ اُس کا چہرہ سیاہ ہو گیا، ناک سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے نہ روکا ہوتا تو شاید وہ ایک ایک کر کے سب کو ٹھکانے لگا دیتا۔ کھیل اُسی روز ختم ہو جاتا۔ کوئی دوبارہ میرے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کرتا...... آنند لال نے میرے اشارے پر اپنا ہاتھ روک لیا۔ پولیس اُسے گرفتار کر کے لے گئی...... وہ غریب آخری وقت تک زبان بند کئے رہا، پھر ایک طویل عرصے بعد انکا رانی نے مجھے اطلاع دی کہ امرلال نے مجھے رکن الدین کی حویلی سے باہر نکالنے کی خاطر آنند لال کو ٹھکانے لگا دیا...... بڑے کم ظرف لوگ تھے، بڑے کمینہ خصلت تھے، چھپ کر پشت سے چھرا گھونپنے کے عادی تھے۔

آنند لال کو میری غفلت نے شکار کر دیا لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ شیوا کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اس کا جرم میں صرف اتنا تھا کہ اُس نے میرا پیغام نول کشور تک پہنچانے کی غلطی کی تھی...... وہ میرا سفیر تھا، میرا قاصد تھا، میرا ایلچی تھا۔ پھر میں اُسے دشمنوں کی قید میں کس طرح برداشت کر سکتا تھا......!!

میرے دل و دماغ میں نفرت کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔ میرے دشمنوں نے میرے ساتھ ہمیشہ کمینگی کا ثبوت پیش کیا تھا۔ وہ کبھی سامنے سے نہیں آتے تھے، مجھے چاروں اطراف سے گھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دشمن بہرحال دشمن ہوتا ہے، اُس سے کسی رحم کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ کبھی حریف کے حساس اور دفاعی ٹھکانوں پر گولہ باری کی جاتی ہے، کبھی اُس کی توجہ ہٹانے کی خاطر شہری علاقوں پر بھی ایک دو بم ٹپکا دیئے جاتے ہیں۔ ایسا دشمن کی توجہ ہٹانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ بین الاقوامی تنظیمیں اور ادارے احتجاج کرتے ہیں لیکن سنتا کون ہے؟ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس...... ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ طاقت ور اپنے کمزور دشمن پر بلاوجہ بھی اپنی برتری قائم

رکھنے کی خاطر کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتا رہتا ہے۔ یہ کوئی منطق نہیں ہے، نہ کوئی فلسفہ ہے، نہ جنگی قوانین میں ایسی کوئی شق موجود ہے۔ لیکن دنیا اسی ریت پر چل نکلی ہے۔ پولیس اصل مجرم پر ہاتھ ڈالنے سے قاصر رہتی ہے تو مجرم کے بے گناہ رشتہ داروں کو اُٹھا لیتی ہے، اُس کے بیوی بچوں کو لاک اپ کر دیا جاتا ہے۔ مجرم چاروناچار سامنے آجاتا ہے۔ ایسا کرنا بھی جرم ہے، شرافت کے منافی ہے۔ لیکن جب قانون خود قانون کی خلاف ورزی کرے تو انصاف کس سے طلب کیا جائے......؟

انکارانی نے واپسی میں دیر کر دی تھی، بھنڈاری کی نیت صاف تھی لیکن اُس نے سامنے آ کر میرے تجسّس کو اُبھار دیا تھا۔ میں آنند بھون کے پُر آسائش کمرے میں بیٹھ کر انتظار نہیں کر سکتا تھا، باہر نکل آیا۔ میرے قدم تیزی سے دشمن کے ٹھکانے کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ میں کیل کانٹے سے پوری طرح لیس تھا۔ سیّد کی متبرک لاٹھی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھی۔

میں آبادی کے علاقے میں داخل ہوا تو گھٹے ہوئے سر اور لمبی لمبی چوٹی والے پنڈت پجاریوں کی نظریں میری سمت اُٹھنے لگیں۔ میں سینہ تانے آگے بڑھتا رہا۔ سمندر کی بپھری ہوئی لہریں سیلاب کی صورت اختیار کرتی ہیں تو اندھی ہو جاتی ہیں، بہری ہو جاتی ہیں۔ اُنہیں لوگوں کی آہ و بکا کی آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔ وہ بسے بسائے مکانوں کو مکینوں سمیت خس و خاشاک کی طرح اپنی لپیٹ میں بہا لے جاتی ہیں۔ میں بھی بپھرے ہوئے طوفان کی طرح کالی کے مندر کی جانب قدم بڑھا رہا تھا جب وہی پستہ قد پجاری میرے سامنے آ گیا جو مندر کے اندر مجھے شعبدے بازی دکھا رہا تھا۔ اُس وقت میرے ہاتھ پیر بندھے تھے، کالی نے میری قوتِ گویائی سلب کر لی تھی۔ میں کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکا۔ وہ نول کشور کی اجازت لے کر بلاوجہ میدان میں کود پڑا۔

کالی کا مندر مجھ سے صرف سو گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا جب ٹھگنے پجاری کی موت اُسے میرے سامنے لے آئی۔ میں نے کترا کر نکل جانا چاہا لیکن وہ گھمنڈی تھا، میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''تم......'' اُس نے مجھے حقارت سے گھورا۔ ''تم وہی ہو نا جسے بڑے پروہت کے حکم سے تہہ خانے میں بند کیا گیا تھا؟''

''میری نظریں بھی اگر دھوکہ نہیں کھا رہیں تو تم بھی وہی مداری ہو جو کالی کے قد آور

ے کے سامنے اُچھل کود کر رہے تھے۔'' میں نے اُس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا عجیب الخلقت جانور مجھے پسند آیا تھا۔ تمہاری شکل بھی بالکل اُسی جیسی لگتی ہے۔''

میرا جواب اُسے پسند نہیں آیا۔ اُس کے ہونٹوں نے بدبدانا شروع کیا۔ میں قدم جما کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی رگوں میں جوان خون گردش کر رہا تھا، اُس نے جلد بازی میں یہ بھی نہیں سوچا کہ میں مندر کے تہہ خانے سے کس طرح آزاد ہو گیا؟ دوبارہ میرے قدم مندر کی جانب کیوں اُٹھ رہے تھے؟ تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ اُسی جانور نے پھر نمودار ہو کر میری طرف زقند لگائی لیکن حصار سے ٹکرایا تو جل کر راکھ ہو گیا۔ ایک ایک کر کے اُس نے تمام حربے آزما ڈالے۔ پھر مجھے ایسی نظروں سے گھورنے لگا جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو۔

''کیا دیکھ رہا ہے رے......؟'' میں نے اُس کی جوانی پر ترس کھا کر کہا۔ ''کچھ دیر پہلے تو بڑا زور لگا رہا تھا۔ پٹارے میں کچھ اور باقی رہ گیا ہو تو اُسے بھی نکال لے۔ اس کے بعد دُم دبا کر خاموشی سے چلا جا، ابھی تیرے کھیلنے کودنے کے دن ہیں مورکھ، کسی سے پنجہ لڑانے سے پہلے ایک نظر اپنے قد پر بھی ڈال لیا کر...... میری نصیحت بھول مت جانا، تیرے بھلے کو کہہ رہا ہوں......'' میں نے اُسے دھتکارا۔ ''جا...... اب نظریں نیچی کر کے چلا جا۔ زیادہ ٹھٹول بازی اچھی نہیں لگتی۔''

''تم نے منڈل کھینچ رکھا ہے۔'' وہ تلملانے لگا۔ ''منڈل سے باہر نکل کر بات کرو۔''

''جب تو پاگل کتے کی طرح اُچھل کود کر رہا تھا، منہ اُٹھا اُٹھا کر بھونک رہا تھا اُس وقت کیا میں تیری بہن کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا؟'' میرا خون جوش مارنے لگا۔ ''کالی نے باندھ نہ رکھا ہوتا تو تجھے اُسی وقت تیری ماں کے پیٹ میں واپس پہنچا دیتا، تو دوبارہ جنم لیتا تو وہ تیرے کانوں میں سنکھ پھونکنے سے پیشتر تجھے یہ ضرور سمجھاتی کہ پھر کبھی جمیل احمد سے آنکھیں ملا کر اونچی آواز میں بات کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ سن رہا ہے مورکھ، میں تجھے کیا اُپدیش کر رہا ہوں......؟''

وہ پھر پاگل ہو گیا۔ جنون اور دیوانگی کے عالم میں انسان کو موت اور زندگی کا احساس نہیں رہتا، وہ نتائج پر غور نہیں کرتا۔ وہ بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ بات طول پکڑ گئی۔ دوسرے راہگیر بھی تماشہ دیکھنے کو رُک گئے۔ مندر سے بہت سارے پنڈت پجاری بھی نکل کر باہر آ گئے۔ میرے گرد بھیڑ جمع ہو گئی۔ میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ

اسے میری کمزوری سمجھ کر پے در پے وار کر رہا تھا۔ میں سیّد کی لاٹھی تھامے کھڑا رہا۔ اُس نے منڈل سے باہر نکلنے والی بات کہہ کر مجھے غصہ دلا دیا تھا، میں چاہتا تو صرف پلکوں کو اشارہ کرتا، وہ پلک جھپکتے میں زمین پر گر کر لوٹنے لگتا۔ میرا اُس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا، لیکن ہر بات کی ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ وہ حد سے تجاوز کرنے لگا تو میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر زمین پر ماری، وہ اُچھل کر ہوا میں معلق ہو گیا، اُس کے پیر زمین سے ایک فٹ اُوپر تھے، وہ ہوا میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اُس کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

''اب کیا وچار ہے مورکھ......؟'' میں نے قدرے درشت آواز میں پوچھا۔ ''کھونٹی پر لٹکا رہے گا یا نیچے آنے کا کوئی اوپائے کرے گا؟''

''تم......'' وہ پھر مجھے آنکھیں دکھانے لگا۔ ''تم اپنی بھیانک موت کو دعوت دے رہے ہو جمیل احمد خاں، تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟ جان لو گے تو تمہاری آتما بھی لرز اُٹھے گی۔''

''نہیں دیپک، نہیں......'' مجمع میں سے ایک پجاری چیخ اُٹھا۔ ''اس پاپی سے اپنا پریچے مت کرانا۔ زبان کو تالا لگا لے، میں جا کر مہاراج کو خبر کرتا ہوں۔''

میرے کانوں میں سنسناہٹ شروع ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ پستہ قد نوجوان کا نام دیپک تھا لیکن پجاری نے اُسے اپنا تعارف کرانے سے کیوں منع کیا تھا؟ مہاراج کا اشارہ یقیناً پنڈت نول کشور کی طرف تھا...... پجاری، نول کشور سے کیا کہنے جا رہا تھا؟ میرے ذہن میں وسوسے جاگنے لگے۔ میں نے پجاری کو مندر کی طرف بے تحاشہ بھاگتے دیکھا۔ میں اُنگلی اُٹھا کر اُس کی سمت اشارہ کرتا، وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ لیکن مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں دیپک کو گھورنے لگا جو پاگلوں کی طرح ہوا میں اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص زندگی بچانے کی خاطر موت کے ساتھ جدوجہد کر رہا ہو......

''تو چپ کیوں ہو گیا......؟'' میں نے اُسے للکارا۔ ''اپنے بارے میں کیا بتانے جا رہا تھا؟ جو کچھ من میں ہے، اُگل دے۔ میں بھی تو سنوں کہ کس راون یا ہنومان کے کھونٹے پر اُچھل رہا ہے۔ اُس سیتا کا نام بھی بتا دے جس نے تجھے جنم دیا تھا؟''

''اس کی باتوں میں مت آنا دیپک۔'' میری پشت سے کسی دوسرے پجاری نے ہانک لگائی تو میرا تجسّس بڑھنے لگا۔ کالی کے مندر کے اندر بڑے بڑے جغادری پنڈت اور پجاری بھی موجود تھے، لیکن دیپک کے سوا کسی کو میرے سامنے اُچھل کود کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

سی نے کوشش بھی نہیں کی۔ دیپک نوجوان ہونے کے باوجود میدان میں آ گیا تھا۔ نول شور نے بھی اُس کی بات رد نہیں کی تھی....کون تھا وہ؟ پنڈت پجاری اُسے زبان بند رکھنے ں تاکید کیوں کر رہے تھے...؟ کیا راز تھا؟ کیا کہانی تھی جو مجھ سے چھپائی جا رہی تھی....؟''

میں نے دیپک کو تیز نظروں سے گھورا۔ میرے لب و لہجے میں سفاکی آ گئی۔

''اپنی زبان کھول دے مورکھ۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''تو میری آتما کو رزانے کی بات کر رہا تھا۔ پھر تجھے سانپ کیوں سونگھ گیا؟ میری آگیا کا پالن کر۔ مجھے بتا ے کہ تو کون ہے؟ نہیں بتائے گا تو میں تجھے پتھر کا کر دُوں گا، تیری گندی آتما بھی اس پتھر ے اندر موجود ہوگی۔ وہ تجھے احساس دلاتی رہے گی کہ اگر تو نے میرا کہا مان لیا ہوتا تو تیرا سم پتھر کا نہ بنتا...... ایک بات اور بھی سن لے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تیرے شریر کے ڑے ٹکڑے کر دُوں۔''

میں نے غضبناک انداز میں اُلٹا ہاتھ فضا میں بلند کیا، اسی لمحے میرے سر پر انکارانی کی ند کا دھماکا ہوا۔ اُس کی مانوس آواز میرے کانوں میں سرسراتی ہوئی اُبھری۔

''جلد بازی مت کرنا جمیل، اگر دیپک مر گیا تو کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تم کہاں چلی گئی تھیں......؟'' میں نے ہاتھ روک کر پوچھا۔ ''تم نے کہا تھا کہ سیّد نے ھانڈ بُر کنے والی بات ٹھیک ہی کہی تھی۔ تم نے مجھے انتظار کرنے کو کہا تھا، جلدی واپس آنے ہ یقین دلایا تھا۔ لیکن......''

''میں اُلجھ گئی تھی۔ میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔'' انکا نے سنجیدگی سے اب دیا۔ ''میں واپس آ جاتی تو یہ ٹھنگنا واپس مندر میں چلا جاتا۔ سارا کھیل بگڑ جاتا۔ میں ُ سے غافل بھی نہیں تھی۔ آنند بھون سے تمہیں یہاں تک لانے میں بھی میری ہی کوششوں ؓ شامل ہے۔ مجھے مجبوراً لمبا راستہ اختیار کرنا پڑا۔''

''تم مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو؟'' میں نے بڑی عجلت سے کہا۔ ''میں تم سے ھانڈ کی بات کر رہا ہوں......''

''وہ کھانڈ یہی ہے جمیل، جسے تم نے ہوا میں معلق کر رکھا ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' میں چونکا۔

''یہ دیپک پنڈت نول کشور کا منہ بولا بیٹا ہے۔ وہ اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے۔

اس کی خاطر وہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔'' انکا نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اُس مرد قلندر کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔ یہ مندر میں گھسا بیٹھا تھا۔ مجھے اسے باہر لانے کی خاطر بھی ایک پجاری کو اپنے تابع کرنا پڑا۔ پنڈت نول کشور تمہارے لئے پاگل ہو رہا ہے۔ اُس نے اُن چار پجاریوں کو بھی مروا دیا جو تمہاری نگرانی پر مامور تھے۔ دیپک بھی تلملا رہا تھا۔ میں نے پجاری کے ذریعے اُسے تمہاری اطلاع بھجوائی تو بھاگ کر مندر سے باہر آ گیا۔ پنڈت پجاری اسی لئے دیپک کو منہ بند رکھنے کی تاکید کر رہے ہیں۔ خود بھی مقابلے پر آنے سے گریز کر رہے ہیں۔

''پھنس گئی گوٹ حرامزادوں کی۔'' میرا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ ''آگ اپنے گھر میں لگے تو شعلوں کی تپش کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ کل تک وہ میری دُکھتی رگوں پر ہاتھ ڈال کر قہقہے لگا رہے تھے، آج میری باری ہے...... اب مزہ آئے گا کھیلنے کا۔''

''میں تمہیں پھر دُوراندیشی سے کام لینے کا مشورہ دُوں گی۔''

''بس کرو انکا رانی...... بس کرو۔'' میں ہاتھ مسلتے ہوئے بولا۔ ''میرے دشمنوں نے ہمیشہ شب خون مار کر مجھے بدحواس کرنے کی کوشش کی ہے۔ آج میرے ہاتھ پہلی بار ایک سنہری موقع لگا ہے...... تم جھرنا کو کیوں بھول رہی ہو......؟ لگے ہاتھوں اُس کا حساب بھی چکتا ہو جائے گا۔''

''میں دیپک کے سر پر واپس جا رہی ہوں۔ تم سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا......''

انکا جتنی جلدی میں آئی تھی، اتنی ہی عجلت میں واپس چلی گئی۔ میں نے نظریں گھما کر مجمع کی طرف دیکھا، مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ تعداد میں مجھ سے کہیں زیادہ تھے لیکن اُن کے چہروں پر خوف مسلط تھا۔ خوف کی وجہ پنڈت نول کشور کی کمزوری تھی جو میرے ہاتھ آ گئی تھی۔ اُن کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت ہی نفرت بھری تھی لیکن وہ قدم آگے بڑھانے کی غلطی نہیں کر رہے تھے۔ دیپک میرے ہاتھوں ''خرچ ہو جاتا'' تو اُنہیں بھی نول کشور کے سامنے جواب دینا پڑتا۔ میں نے مجمع سے نظر ہٹا کر دیپک کی جانب دیکھا، اُس کی حالت بڑی مضحکہ خیز نظر آ رہی تھی۔

''چپ کیوں ہے بالک......؟'' میں نے چٹکی بھری۔ ''اپنی جھولی میں ہاتھ ڈال کر دیکھ شاید کوئی جنتر منتر باقی رہ گیا ہو، اُسے بھی آزما لے۔ بدھی ٹٹول...... کسی بڑے کو آواز

...اپنے کسی گرو کو یاد کر۔ کب تک الگنی پر گندے لنگوٹ کی طرح جھولتا رہے گا۔''

''کچھ دیر اور چہک لو جمیل احمد خاں۔'' وہ جھلا کر بولا۔ ''تمہاری موت سر پر منڈلا رہی ہے... تمہارا انجام بڑا بھیانک ہو گا۔ تم چاروں اور سے گھر چکے ہو۔ اس بار تمہیں بھاگنے کا ...نہیں ملے گا، میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے......''

دیپک اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا، میں نے اپنی قوتیں آنکھوں میں یکجا کر کے پُتلیوں کو گردش ...، وہ زمین پر گر کر قلابازیاں کھانے لگا۔ اُس کے حلق سے کربناک چیخیں اُبھرنے لگیں۔ ...پجاریوں نے آگے بڑھنے کی جسارت کی، میں نے اُنہیں شعلہ بار نگاہوں سے دیکھا، ...کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ دوسرا چکرا کر زمین پر لوٹنے لگا...... مجمع دو قدم پیچھے ...گیا۔ سب کی سٹی گم ہو گئی۔

''کسی اور نے ماں کا دودھ پیا ہے تو وہ بھی سامنے آ جائے۔'' میں گرجنے لگا۔ ''معرکہ ...کھلے میدان میں ہو گا تو سب کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ جو مندر میں چھپا بیٹھا ہے اُسے بھی باہر نکلنے کو کہو۔ اُسے بتاؤ، کہ فیصلے کا دن آ گیا ہے۔ اُس نے آنے میں دیر کر ...تو میں دیپک کو کتے کی موت ماروں گا۔ تم میں کوئی مرد ہو تو پہلے وہ سامنے آ جائے۔''

ایک ہٹا کٹا پجاری اُچھل کر سامنے آ گیا۔ اُس کے تیور خطرناک نظر آ رہے تھے۔ اُس نے کچھ پڑھ کر پھونک ماری، زمین سے کوڑیالے سانپ اُبلنے لگے۔ میں حصار میں تھا، ...سانپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اس قسم کے کھیل تماشے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ میں نے سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کر کے زور سے جھٹکا، سانپ کے مقابلے پر نیولوں کی فوج ...دار ہوئی۔ پجاری نے دوسرا وار کیا، سیاہ ذرات کی آندھی چلنے لگی، سانپ اور نیولے ...غائب ہو گئے۔ حصار کے چاروں طرف تاریکی پھیلنے لگی۔ میں نے سیّد کی لاٹھی گھما دی، ...پلک جھپکتے میں چھٹ گئی۔ پجاری نے کئی اور وار کئے، میں توڑ کرتا رہا۔ پھر میرے ...کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے سیدھا پاؤں زمین پر مارا، پجاری جہاں کھڑا تھا وہاں کی ...شق ہو گئی۔ پجاری نظروں سے غائب ہو گیا، زمین دوبارہ برابر ہو گئی۔ سب کی آنکھیں ...کی پھٹی رہ گئیں۔ سارے نامرد بن گئے، کسی نے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کی۔ میں نے پلٹ کر دیپک کی طرف دیکھا، اُس کی نگاہوں سے بھی خوف جھانک رہا تھا...... اچانک ...اینٹھنے لگا۔

"تم سب کائر ہو، بزدل ہو، ڈرپوک ہو۔ گرودیو کو بلاؤ، اُس سے جا کر کہو کہ میں بلا رہا ہوں۔ اُس نے اتنی دیر کر دی تو یہ مُسلا مجھے بھی نہیں بخشے گا۔"

میں سمجھ گیا کہ انکارانی نے اس کو ہشکارا ہوگا۔ میری طرح اُسے بھی پنڈت نول کشور کا انتظار بے چین کر رہا ہوگا۔

"کس کو آواز دے رہا ہے بالک؟" میں نے اُس کا مذاق اُڑایا۔ "اب تیری سہایتا کو کوئی نہیں آئے گا۔ تو اب میری مٹھی میں ہے۔ میں تجھے اپنا سیوک بنا کر اپنے ساتھ لے چلوں گا، اسی میں تیری مکتی ہے۔ تیرے بھوش میں بھی یہی لکھا ہے کہ سارا جیون میرے چرنوں میں پڑا رہے گا۔"

"تم کوئی سپنا دیکھ رہے ہو جمیل احمد خاں......" انکا نے شاید اُسے پھر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ تیزی سے اُٹھتا ہوا بولا۔ "تم چرنوں کی بات کر رہے ہو، میں تمہارے منہ پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کروں گا۔"

"پھر بھونکنا شروع کر دیا......؟" میں نے اُسے غضبناک نظروں سے گھورا۔ "سیدھی طرح بات نہیں مانے گا......"

"تم اُنگلی ٹیڑھی کر کے بھی دیکھ لو...... اپنے ارادوں میں سپھل نہیں ہو سکو گے۔"

میں نے جواب دینے کی بجائے اُنگلی ٹیڑھی کر لی، اُس کے جسم پر نظر آنے والا لباس غائب ہو گیا۔ سب ششدر رہ گئے۔ دیپک جلدی سے گھٹنے جوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے اُسے سنبھلنے کی مہلت نہیں دی، پانچوں اُنگلیوں کو باری باری آگے پیچھے ہلانا شروع کر دیا۔ وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگا۔ آگے پیچھے جھکولے کھانے لگا۔ کچھ پجاری تیزی سے مندر کی طرف دوڑے، لیکن پھر رُک گئے۔ انکارانی کی سرگوشی میرے کانوں میں گونجی۔

"مبارک ہو جمیل...... چیونٹے بوکھلا کر بل سے باہر آ رہے ہیں۔"

میں نے مندر کی سمت دیکھا، پنڈت نول کشور اپنی چنڈال چوکڑی کے ساتھ تیز تیز قدم اُٹھاتا میری طرف آ رہا تھا۔ اُس کے تیور اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، میری آنکھوں میں خون اُترنے لگا۔

"تم نول کشور کو زیادہ ڈھیل مت دینا۔" انکا نے کہا۔ "جو کچھ کرنا ہو، جلدی کر گزرنا۔"

"تم خاموش بیٹھی تماشہ دیکھتی رہو......" میں نے ہونٹ پر زبان پھیرتے ہوئے جواب

"آج بہت عرصے بعد ایک دشمن سامنے آ رہا ہے۔ تم جلدی کی بات کر رہی ہو؟ مجھے وں کا حساب کتاب چکانا ہے، کچھ وقت تو لگے گا۔"

میں انکارانی سے ہمکلام تھا، دیپک کو موقع مل گیا۔ اُس نے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش میں نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا، وہ پھر لباس میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے دونوں نوں کا حلقہ بنا کر زور سے اپنے سینے پر مارا، دیپک لڑکھڑا کر زمین پر گرا پھر اس طرح ری طرف لڑھکنے لگا جیسے اُسے اپنا توازن برقرار رکھنے میں دُشواری پیش آ رہی ہو۔ اُس نے پھر چلانا شروع کر دیا۔ پنڈت نول کشور کی رفتار میں بھی تیزی آ گئی۔ دیپک میرے یار سے ٹکرا کر رُکا تو میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

"بہت اُچھل کود کر چکا حرام کے تخم، اب خاموشی سے اُٹھ کر اکڑوں بیٹھ جا، سر گھٹنوں کے درمیان کر لے، آنکھیں موند لے، جو کچھ ہوگا تجھ سے نہیں دیکھا جائے گا...... تیرا گرو آ رہا ہے، اب اُس کی باری ہے۔" میں نے کسی زخمی سانپ کی طرح پھنکار کر بڑے ناک لہجے میں کہا۔ "چنتا مت کر، میں پہلے تیرے گرو کا کریا کرم کر لوں، پھر تجھے بھی اسی کے پاس بھیج دُوں گا...... خبردار جو ہمارے بیچ ٹانگ پھنسانے کی کوشش کی......"

میرے لب و لہجے میں ایسی گھن گرج تھی کہ دیپک نے تعمیل حکم میں دیر نہیں لگائی۔ میں نے نظریں اُٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا۔ میرا اور پنڈت نول کشور کے درمیان فاصلہ بڑی زی سے گھٹ رہا تھا...... اُس کے گرگوں کے تیور بھی خطرناک نظر آ رہے تھے۔ مجھ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ مارنے یا مر جانے کا فیصلہ کر کے کالی کے مندر سے باہر آ گیا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی پر گرفت مضبوط کر لی۔ انکارانی میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

میری نگاہیں پنڈت نول کشور اور اُس کے ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سارے کے سارے دس فٹ کے فاصلے پر پہنچ کر رُک گئے۔ میرے اردگرد کھڑے ہوئے پنڈت پجاری ی ان کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ ان کی پیشانیوں پر نفرتوں کے جال بچھے ہوئے تھے۔ ن کے تیوروں میں غضب کا سمندر چنگھاڑ رہا تھا، اُنہوں نے اپنے جسموں پر بھبھوت ملا تھا، عجیب مضحکہ خیز نظر آ رہے تھے۔ سب ہی کی نگاہوں میں شعلوں کا رقص جاری تھا۔ ل کشور کی پیشانی بڑی کشادہ تھی لیکن وہ فراخ دل نہیں تھا، بڑا کینہ پرور تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو ری نرائن کی چتا کی چنگاریوں کو کبھی نہ کریدتا۔ وہ مر چکا تھا، میری کلدیپ بھی اس جنگ

میں زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھی تھی، حساب برابر ہوگیا تھا لیکن نول کشور نے تعصب کو ہوا دی تھی، نفرتوں کے بیج بوئے تھے اور اب اُس کی کھڑی فصل لئے میرے سامنے موجود تھا۔ اُس نے دھرم میں سیاست شامل کردی۔ اب لیڈری چمکانے کی خاطر باہر آگیا تھا۔ دیپک میرے قبضے میں نہ ہوتا تو شاید اب بھی وہ کسی پجارن کے لہنگے میں چھپا بیٹھا ہوتا، دوسروں کو بلاوجہ نفرت کی بھٹی میں جھونکتا رہتا......!

اُس کی پیشانی پر مجھے شیطانی قوتوں کا جال نظر آرہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُس نے گیان دھیان میں بڑی اُٹھک بیٹھک لگائی ہوگی۔ اُس کی نظریں میرے چہرے سے گزر کر دیپک پر ٹِک گئیں جو بے بسی سے دم سادھے میرے قدموں میں پڑا تھا۔ اُس نے میری طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی خاموش رہنا مناسب سمجھا ہوگا، ورنہ پہلے بڑی اُچھل کود کررہا تھا۔

''اتنی دُور کیوں رُک گئے نول کشور......؟'' میں نے سرد آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

''تجھ پر دیا آرہی ہے مورکھ......'' اُس نے مجھے خوفناک نظروں سے گھورا۔ اُس کے ساتھی کسمسانے لگے۔

''میں دیا کا مطلب سمجھتا ہوں پنڈت مہاراج۔'' میں زہر خند سے بولا۔ ''نہ سمجھتا تو دیپک میرے چرنوں میں نہ پڑا ہوتا، اس سے نرک کی سیر کررہا ہوتا۔''

''بڑبولے...... بہت زبان چل گئی ہے تیری۔'' اُس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''اُس کے بل پر اکڑ رہا ہے جو تیرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہے۔''

''انکارانی کی بات مت کرو نول کشور، اُسے میں نے خاموش رہنے کو کہا ہے۔ ورنہ تم سب کے لئے وہی کافی ہوتی۔''

جواب میں اُس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا، مجھے باور کرانا چاہا کہ وہ انکارانی سے خوفزدہ نہیں ہے۔

''تو اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مورکھ، یہ بڑی ہرجائی ہے۔ کسی ایک کی ہوکر نہیں رہتی۔ ایک دن تجھے میری بات اوش یاد آئے گی۔ پرنتو اس سے تجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ میری مان تو اُس کا پیچھا چھوڑ دے، بھگا دے اُسے۔'' وہ تیز آواز میں بولا۔ ''اپنی شکتی پر بھروسا کر۔ گجریوں بجریوں سے من بہلانا چھوڑ دے۔''

''جمیل......'' انکا تلملانے لگی۔ ''یہ حرامزادہ بکواس کررہا ہے۔ مجھے اجازت دو، میں ان بھاڑو کو دومنٹ میں سیدھا کردوں گی۔''

''نہیں انکارانی، فی الحال اطمینان سے بیٹھی رہو۔ تمہاری ضرورت پیش آئی تو میں تکلف سے کام نہیں لوں گا۔''

انکا نے ہونٹ بھینچ لئے۔ اُس کی سرخ سرخ نگاہیں نول کشور پر جمی ہوئی تھیں، اُن سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

''کیا کھسر پھسر کررہا تھا اُس ڈیڑھ بالشت کی چھمیا سے؟'' وہ حقارت سے ہنسا۔ ''ہوا بھر رہی ہوگی تجھے؟...... کیوں؟''

''نہیں......'' میں نے اُسی کی زبان میں جواب دیا۔ ''مجھے بتا رہی تھی کہ دیپک کی پیدائش کا اصل راز کیا ہے۔''

نول کشور دیپک کا نام سن کر تلملانے لگا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔

''زبان کو لگام دے پاپی......'' وہ غرایا۔ ''میں کالی کے مندر میں بیٹھا تھا تو اس کا کارن کچھ اور تھا۔ تو کچھ اور سمجھ بیٹھا۔ تو جانتا ہے کہ ہم نے بدری نرائن مہاراج کی چتا کی راکھ سنبھال کررکھی ہے۔ تجھے ٹھکانے لگالیں تو پھر اسے بھی کسی اُونچے استھان پر بکھیر دیں گے۔ کسی ایسی جگہ جہاں تجھ جیسے پلید منش کے گندے قدم نہ پہنچ سکیں۔''

''تم اندھے ہو نول کشور......'' میں گرجنے لگا۔ ''تمہارے ساتھی بھی اندھے ہیں۔ پاگل ہیں جو تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آگئے۔ انہیں خبر ہوتی کہ بدری نرائن کتنا بڑا پاپی، کتنا مکار، کس قدر دغاباز تھا تو یہ تمہارے جھنڈے تلے سر جوڑ کر کبھی کھڑے نہ ہوتے۔''

''چپ ہوجا مُسلے......'' نول کشور کے اُلٹے ہاتھ پر کھڑا ہوا ایک ہٹا کٹا پجاری خم ٹھونک کر سامنے آگیا۔ ''اپنی گندی زبان سے اب اگر بدری مہاراج کے لئے ایک شبد بھی اور کہا تو تیری کھال کھڑی کردوں گا۔''

''مہاپرشوں کے ساتھ مسخری کررہا ہے دشٹ......'' میں نے پجاری کو غضبناک نظروں سے دیکھا۔ ''بڑوں کی باتوں میں دخل اندازی کرتا ہے۔ دیوی کے چڑھاوے کھا کھا کر بدن پر تھوڑی چربی چڑھ گئی تو آنکھیں دکھا رہا ہے۔ مکتی چاہتا ہے تو سر جھکا کر واپس چلا جا۔ ...نا رہا ہے رانڈ کے سانڈ، نظریں جھکا لے، واپس مندر میں جا کر کسی پجارن کے ساتھ

ٹٹھول کر۔ میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو بھاگے راستہ نہیں ملے گا۔"

پجاری کے ہونٹ ہلنے شروع ہو گئے۔ میں اختصار سے کام لوں گا، میں نے اُسے ڈھیل نہیں دی۔ ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا۔ اُس کے دوسرے ساتھی نول کشور کی جانب دیکھنے لگے۔

"اپرادھی......" نول کشور کے تیور بدلنے لگے۔ "تو شرافت سے میری بات نہیں سمجھے گا۔ تیرے لئے کوئی اوپائے کرنا ہوگا۔"

"اوپائے تو تم کر چکے تھے نول کشور، لیکن نتیجہ کیا نکلا؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری کالی کی تمام شکتیوں کو نیچا دکھا کر باہر نکل آیا، تم سب ٹاپتے رہ گئے...... اب تم کو بھی باہر آنا پڑا، دیپک کے لئے۔"

"اسے چھوڑ دے......" نول کشور نے جھلا کر جواب دیا۔ "بالکوں پر ہاتھ اُٹھانا مہا پرشوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔"

"چھوڑ دُوں گا......" میں نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ "سنا ہے تو دیپک کو منہ بولا بیٹا کہتا ہے۔ اصلیت کیا ہے......؟"

پنڈت نول کشور تپ اُٹھا، پیچ و تاب کھانے لگا۔ اُس کے چہرے پر ماورائی قوتوں کا جال پھیلنے لگا۔

"جمیل......" انکارانی پہلو بدل کر بولی۔ "تم وقت برباد کر رہے ہو۔ کھیل جلدی سے نمٹا کر یہاں سے نکل چلو۔"

"تم نے جواب نہیں دیا مہاراج۔" میں نے نول کشور پر طنز کے تیر برسانے شروع کئے۔ "آج تو اپنی اُس رکھیل کا شبھ نام بتا دو جس نے تمہاری اس پاپ کی نشانی کو جنم دیا تھا۔ وہ زندہ ہے یا تم نے اپنا پاپ چھپانے کے کارن اُسے بھی جمنا کی طرح زبان کاٹ کر گونگی کر دیا؟"

"مہاراج......" ایک سادھو نے مجمع سے نکل کر نول کشور سے کہا۔ "یہ پاپی مُسلا جو من میں آئے بولے چلا جا رہا ہے۔ تم کالی کے مندر کے بڑے پروہت ہو، مہا پرش ہو۔ تمہاری شکتی اپرم پار ہے پھر اسے جلا کر بھسم کیوں نہیں کر دیتے؟ اس دشٹ کی زبان کاٹ کر پھینک دو۔ پورا ہردوار تمہارے ساتھ ہے...... کس بات کا وچار کر رہے ہو؟"

نول کشور کی تیوری کے بل اور گہرے پڑ گئے۔ سادھو کی بات سن کر دوسرے پنڈت پجاریوں کی نظریں بھی اُس کی جانب اُٹھنے لگیں۔ نول کشور تن کر کھڑا ہو گیا......

"دیپک کو ہٹا دے راستے سے۔ پھر میں بتاتا ہوں تجھے کہ کتنے بیسی کے ساٹھ ہوتے ہیں۔"

میں نے ٹھوکر ماری، دیپک بلبلاتا ہوا دُور جا پڑا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو مضبوطی سے تھام لیا۔ دوسری طرف نول کشور نے پلٹ کر کالی کے مندر کے بڑے گنبد کی طرف دیکھا، کئی بار جھک جھک کر ڈنڈوت کیا۔ پھر اُس نے میری طرف دیکھا، اُس کی نگاہوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ غصے کی شدت سے اُس کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اُس نے اپنے جنتر منتر آزمانے شروع کر دیئے۔ میں سینہ تانے کھڑا رہا۔ انکارانی اُٹھ کر میرے سر پر ٹہلنے لگی۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی مسلط تھی۔ نول کشور حملے کرتا رہا۔ وہی کھیل تماشے، وہی شعبدے بازی، وہی ناٹک جو میں پہلے کئی موقعوں پر دیکھ چکا تھا...... رونما ہوتے رہے۔ کبھی وہ زمین سے چٹکی بھر کر میری طرف اُچھالتا، کبھی سینے کے بال توڑنے لگتا، کبھی جنیو کو بل دینا شروع کر دیتا، کبھی ہاتھ پاؤں کو اُٹھا اُٹھا کر جھٹکنے لگتا۔

میں دروغ گوئی کو منافقت سے کم نہیں سمجھتا۔ میں اقرار کروں گا کہ پنڈت نول کشور نے کالی کے مندر میں بیٹھ کر وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ میں بدری نرائن کی طاقت سے بھی واقف تھا۔ میں نے دوسرے سینکڑوں پجاریوں کے دم خم بھی دیکھے تھے، اُن کے چمتکاروں سے بھی واسطہ پڑ چکا تھا، امر لال اور پریتم لال کی بات اور تھی لیکن پنڈت نول کشور مجھے سادھو جگدیو کی ٹکر کا نظر آ رہا تھا۔ انکارانی نے مجھے جگدیو کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ سورگ باشی پریتم لال کے دوستوں میں سے تھا۔ اُس کو ماورائی قوتوں کے حصول کا جنون تھا۔ وہ تمام زندگی جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتا رہا، جہاں بھی کچھ ملتا اُٹھا کر اپنی جھولی میں ڈال لیتا۔ ایک بار وہ اپنی عظیم طاقت کے گھمنڈ میں غلطی سے پریتم لال سے بھی ٹکرا گیا تھا۔ پھر اُس نے اپنی شکست بھی بڑی مردانگی سے قبول کر لی اور سچے دل سے ہمیشہ کے لئے پریتم لال کا ہاتھ تھام لیا۔ جب تک زندہ رہا، تن من دھن سے پریتم لال کا سیوک بن کر اُس کی خدمت کرتا رہا، اُسی کے گن گاتا رہا۔

پنڈت نول کشور کے اندر مجھے دوسرا سادھو جگدیو نظر آ رہا تھا۔ دیپک کی وجہ سے وہ پاگل

نہ ہو گیا ہوتا تو شاید میری کہانی کچھ اور ہوتی۔ لیکن وہ جوش میں تھا، ہوش سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اُس کا چہرہ بھڑکتی آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ تابڑتوڑ حملے کر رہا تھا۔ میرا حصار کئی بار اُس کے حملوں سے ٹوٹتے ٹوٹتے رہ گیا، کئی بار مجھے ایسا لگا جیسے میں کسی گتّے کے بڑے ڈبے میں بند ہوں، کوئی جری شخصیت کا مالک مجھے اِدھر اُدھر اُلٹ پلٹ رہا ہے...... اُسے صرف میری اُنہی قوتوں کا اندازہ تھا جو مجھے پریتا لال، آنند لال اور جگدیو کے ذریعے ملی تھیں۔ کلدیپ کی آتما میرے کام آتی رہتی تھی۔ گفتگو کے دوران اُس نے مجھے سب کچھ بتا کر حیران کر دیا تھا۔ لیکن دوسرے پجاریوں کی طرح وہ بھی نندا کی بخشی ہوئی قوتوں اور تبّت میں گزاری ہوئی میری زندگی کے سنہرے باب سے مطلق بے خبر تھا۔ سیّد کی لاٹھی کے بارے میں بھی اُن کے فرشتوں کو بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ میرے پاس یہی دو حربے تھے جو اُنہیں زیر کر دیتے تھے۔

پنڈت نول کشور متواتر حملے کرتا رہا۔ پھر اُس نے اچانک ہاتھ بڑھا کر اپنی چٹیا کو مٹھی میں جکڑا تو انکارانی نے تیزی سے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''سنبھلنا جمیل...... اب یہ وہ داؤ آزمانے جا رہا ہے جو اس سے پیشتر کسی پنڈت پجاری نے نہیں آزمایا۔ میری مانو تو اسے ڈھیل مت دو، جتنی جلدی ممکن ہو اس کا کھیل ختم کر دو۔''

''تم پریشان مت ہو...... تماشہ دیکھتی رہو۔''

''یہی تمہاری غلطی ہے۔'' وہ تلملانے لگی۔ ''تم میری بات نہیں مانتے، اپنی من مانی کرتے ہو۔''

میں نے جواب نہیں دیا، میری نگاہیں نول کشور پر جمی تھیں جو اپنی چٹیا تھامے کھڑا مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

''مجھے معلوم ہے نول کشور......'' میں اُسے بھڑکانے کی خاطر زہر خند سے بولا۔ ''تم اب اپنا آخری داؤ استعمال کرنے کی سوچ رہے ہو، تمہیں یہ وچار بھی بیاکل کر رہا ہو گا کہ اگر تمہارا داؤ کام نہ آیا تو کیا ہو گا...... کیوں؟ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''من میں کچھ اور گند بھرا ہو تو وہ بھی نکال دے۔'' نول کشور زخمی شیر کی طرح دھاڑا۔ ''پاپی، دشٹ، من کی ساری آشائیں پوری کر لے، اس کے بعد سمے تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک چار چھ ہٹے کٹے پجاری شیوا کو گھسیٹتے ہوئے سامنے لے آئے۔ میں نے شیوا کو دیکھا تو میری آنکھیں چمکنے لگیں..... میں نے چیخ کر کہا۔

''نول کشور، ابھی تک تم جنتر منتر کے کھیل تماشے دکھا رہے ہو، میں نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی اختیار کئے کھڑا ہوں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ تم اپنی ترکش کا آخری تیر استعمال کرو یا میں جوابی حملہ شروع کروں...... تمہارے گندے بوجھ سے دھرتی کو چھٹکارا دلا دوں، میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میری بات دھیان سے سن لو'' میری آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ''تم نے پنڈت شیوا پر جو الزام لگایا ہے اس میں کوئی صداقت، کوئی سچائی نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ میں نے شیوا کی زندگی صرف اس لئے بخش دی تھی کہ میں اُس کے ذریعہ تمہیں اپنا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ شیوا نے آخری وقت یہی کہا تھا کہ وہ ڈر کر بھاگے گا نہیں، میں اُسے مار دُوں...... سن رہے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟ تم شیوا کی طرف سے اپنا من صاف کر لو، میں اُس کی خاطر تمہیں ایک آخری موقع اور دینے کو تیار ہوں۔''

''تم...... تم یہ کیا حماقت کی باتیں کر رہے ہو جمیل......؟'' انکارانی جھلا کر بولی۔ ''نول کشور کو ختم کر دو...... مار ڈالو، میری بات مان لو۔ کھیل ختم کرنے کی کوشش کرو۔''

''تم اس وقت درمیان میں اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے انکارانی سے کہا۔ ''ایک بار تمہارے دل میں بھی گرہ لگی تھی کہ میں نے شیوا کو زندہ کیوں چھوڑ دیا......؟ یاد ہے نا...... آج میں اس گانٹھ کو بھی کھولنا چاہتا ہوں۔''

''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو جمیل......'' اُس نے متوحش نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''نول کشور جو آخری داؤ استعمال کرنے سے ہچکچا رہا ہے وہ تمہاری توقعات سے زیادہ خطرناک ہے۔ اُسے موقع مت دو۔ میرے دل میں تمہاری طرف سے اب کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ میں چاہوں بھی تو تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں سوچ سکتی۔''

انکارانی کا آخری جملہ میرے لئے توجہ طلب تھا۔ اس سے پیشتر اُس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں اُس کی مجبوری کا سبب جاننا چاہتا تھا، میری توجہ بٹ گئی۔ پنڈت نول کشور کو شاید اسی موقع کی تلاش تھی۔ وہ اپنا وار کر گیا۔ اُس نے مٹھی میں جکڑی ہوئی چٹیا کو پوری قوت سے جھٹکا دیا، کئی بال ٹوٹ کر اُس کے ہاتھ میں آ گئے۔ اُس نے بالوں پر جلدی جلدی کچھ پڑھ کر میری طرف اُچھال دیا...... فضا میں بجلیاں کڑکنے لگیں۔ ایسی آوازیں گونجنے

لگیں جیسے ہزاروں بدرُوحیں چیخ رہی ہوں۔

مجھے اپنے جسم پر شدید تپش کا احساس ہوا۔ میں نے جسم پر نظر ڈالی تو ششدر رہ گیا۔ میں ننگا کھڑا تھا...... میرے جسم پر سیاہ سیاہ آبلے نظر آ رہے تھے...... میں نے جو حصار قائم کیا تھا وہ ٹوٹ چکا تھا۔ پنڈت پجاریوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ سیّد کی لاٹھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے قدموں میں گر گئی تھی۔ میں اُسے اُٹھانے کے ارادے سے جھکا، نول کشور کو ایک موقع اور مل گیا۔ اُس نے برق رفتاری سے گلے میں پڑا ہوا جنیو اُتار کر میری طرف اُچھالا، میں رسیوں میں جکڑا گیا...... ہاتھ پاؤں ہلانے کے قابل نہیں رہا۔ انکارانی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں سیّد کی لاٹھی پر اوندھے منہ گرا۔ جب اچانک کوئی افتاد خلاف توقع آ پڑے تو ایک لمحے کو انسان ششدر رہ جاتا ہے، اُس کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں، کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ سب کچھ میری توقع کے خلاف ہوا تھا۔ بازی ایک دم سے پلٹی تھی۔ انکارانی نے کہا بھی تھا کہ نول کشور وہ آخری حربہ استعمال کرنے کی سوچ رہا تھا جو اس سے پیشتر کسی پنڈت پجاری نے نہیں کیا تھا۔ انسان ہمیشہ غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے۔ مجھے بھی کچھ زیادہ ہی خوش فہمی ہو گئی تھی، نول کشور کو موقع مل گیا۔ اُس نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ لیکن اُس نے ابھی تک میرے قریب آنے کی ہمت نہیں کی۔ اُس کی دیکھا دیکھی اُس کے چیلے بھی دُور ہی دُور کھڑے تھے۔ پھر ایک پنڈت نے جو نول کشور کے سیدھے ہاتھ پر کھڑا تھا چیخ کر شیوا سے کہا۔

''تیرے امتحان کا سمے آ گیا شیوا...... آگے بڑھ کر اس مُسلّے کا قصہ پاک کر دے، ہم تجھے شما کر دیں گے، تجھے پھر وہی مان ملے گا جو تو نے کھو دیا تھا......''

پنڈت نے دھوتی کے اندر چھپا ہوا شکاری چاقو نکال کر شیوا کی طرف اُچھالا۔ شیوا چاقو پر گرفت جما کر بجلی کی سرعت کے ساتھ میرے قریب آ گیا۔ بوکھلاہٹ میں، میں کوئی جوابی کارروائی کرنا بھی بھول گیا...... شیوا کی آنکھوں میں خون اُبل رہا تھا۔ وہ اُچھل کر زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ لات مار کر اُس نے مجھے چت کیا۔ اُس کا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہوا، میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ موت کا تصور پلکوں کے نیچے اندھیرا بن کر لہرانے لگا...... میرے ہاتھ کی رسیاں کٹ گئیں۔ میرے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ شاید میں پھر کسی خوش فہمی کا شکار ہو رہا تھا جب شیوا میرے جسم سے لپٹ گیا۔ اُس نے دوسروں کو یہ

تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ میرا گلا گھونٹ کر مارنا چاہتا ہے۔ اُس کی آواز سرسراتی ہوئی میرے کانوں میں گونجی۔

''تم نے میرا جیون مجھے دان کر دیا تھا۔ میں تمہارے دان کئے ہوئے جیون سے تمہارا ہی خون نہیں کر سکتا تھا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام، میں نے اپنا دھرم اپدیش نبھا دیا۔ کرتو یہ پورا کر دیا......''

میں نے ہاتھ آزاد ہوتے ہی سیّد کی لاٹھی پکڑ لی۔ ارتکاز اور مراقبے کا عمل کرتا ہوا تیزی سے اُٹھا، حصار کھینچنے میں بھی بڑی عجلت سے کام لیا۔ نول کشور اور اُس کے ساتھی حیرت زدہ رہ گئے۔ اُن کی قہر آلود نظریں موقع کی نزاکت بھانپ کر شیوا کی جانب اُٹھنے لگیں۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر اُس کا رُخ پنڈت نول کشور کی سمت کر دیا۔ وہ فضا میں اُچھل کر زمین پر چاروں شانے چت گرا۔ میں نے اس پجاری کی سمت دیکھا جس نے شیوا کو شکاری چاقو دے کر میری طرف بھیجا تھا۔ میں نے اُلٹا ہاتھ اُس کی طرف کر کے اُنگلیاں جھٹک دیں۔ وہ بھی زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ پھر اُس کا جسم اکڑ گیا۔ میں نے اپنے جسم کے آبلوں پر پھونک ماری، ساری سوزش ختم ہو گئی۔ تمام چھالے اور داغ دھبے دُور ہو گئے۔ میں لپک کر نول کشور کے سر پر پہنچ گیا۔ اُس کے ساتھ کھڑے ہوئے پجاری میری وحشت دیکھ کر کائی کی طرح پھٹ گئے۔ بہت ساروں نے دھوتیاں سنبھال کر مندر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

پنڈت نول کشور میرے حملے کا توڑ کر کے اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُس کے سر پر ماری۔ اُس کی کھوپڑی دو حصوں میں منقسم ہو گئی...... بھیجہ نکل کر باہر آ گیا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا...... ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی۔ پنڈت پجاری کالی کے مندر کی طرف بے تحاشہ بھاگنے لگے، دوسرے تماش بین بھی تتر بتر ہو گئے۔ دیپک نے بھی جان بچانے کی خاطر دوڑ لگا دی۔ میں اُسے بھی پنڈت نول کشور کے ساتھ ہی جہنم کے سفر پر روانہ کرنا چاہتا تھا۔ شیوا نے اس کی سفارش کی تو میں نے اُٹھا ہوا ہاتھ نیچے گرا لیا۔ میدان میں صرف شیوا رہ گیا۔ میں قدم اُٹھاتا اُس کے قریب چلا گیا۔

''شیوا......'' میں نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''میں تمہارا احسان کبھی نہیں......''

''اپکار کس بات کا......؟'' وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ ''میں نے حساب برابر کر دیا۔''

"میرے ساتھ چلو شیوا......" میں نے اُسے دعوت دی۔ "میں تمہارے اوپر آنکھ بند کر کے بھروسا کر سکتا ہوں۔ ہم ایک اور ایک مل کر گیارہ بن جائیں گے۔"

"نہیں مہاراج......" اُس نے مہاراج کہہ کر میری برتری تسلیم کر لی۔ میری دعوت ٹھکرا کر بولا۔ "میں کالی کا سیوک ہوں...... میں نے کالی کے چرنوں میں جنم لیا تھا، میرا انت بھی دیوی کے چرنوں میں ہی ہوگا...... تم جاؤ۔"

میں شیوا کو سمجھانا چاہتا تھا کہ پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی تیز آوازیں میرے کانوں میں گونجنے لگیں۔ وہ ڈر کر بھاگ گئے تھے۔ اب اُن کی مخبری پر شاید پولیس نے مجھے گھیرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ دو تین لاشوں کی موجودگی میں مجھے قاتل ثابت کرنا اُن کے لئے زیادہ دُشوار نہ ہوتا...... شیوا بھی فکر مند نظر آنے لگا۔ میں فرار کا کوئی راستہ تلاش کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ انکارانی میرے سر پر واپس آ گئی...... میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"اب کیا ہوگا انکارانی......؟ وہ پھر میرا وقت برباد کریں گے۔ چندرا کو غور کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

انکارانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس نے اپنے پنجے اتنی شدت سے میرے سر میں چبھوئے کہ میں سنبھل نہ سکا۔ میری نظروں کے نیچے گھپ اندھیروں کے بادل تیرنے لگے......!!

❀❀❀

میرے ذہن پر طاری دُھند آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھی۔ ایک ہلکی سی ملگجی چادر جیسی تاریکی اب بھی درمیان میں حائل تھی۔ اس تاریکی کے اُس پار میرا ماضی دفن تھا۔ میری کتابِ زندگی کے اوراق جابجا بکھرے پڑے تھے، ان پر حالات اور گزرتے وقت کی گرد جم چکی تھی۔ میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ پڑھنے والے میری داستان کا کیا اثر قبول کریں گے؟ جس کے دل پر گزرتی ہے، تکلیف کی شدت کا اندازہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں لگا سکتا۔ تنقید کرنا، بال کی کھال نکالنا بڑا آسان کام ہے۔ اپنی کرنی انسان کو سوئی جیسی لگتی ہے۔ کوئی دوسرا وہی غلطی کرے تو شہتیر بن جاتی ہے۔ میں شکوہ نہیں کر رہا، مجھے شکوہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ روزِ محشر دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جائے گا۔ سب کے اعمال نامے اُن کے اپنے اپنے ہاتھوں میں ہوں گے۔ وہاں تنقید کرنے کی اجازت نہیں ہو گی، جسم کا ایک ایک عضو گواہی دے گا، انکار کرنے کی جسارت کسی مائی کے لال میں نہیں ہو گی، سب دم سادھے کھڑے ہوں گے، اپنی اپنی فکروں سے اتنی مہلت ہی نہیں ملے گی کہ دوسروں کی طرف دیکھ سکیں، دوسروں میں کیڑے نکال سکیں...... یہ گل افشانیاں، یہ چھیڑ چھاڑ، ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا، اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنا، دوسروں کی خامیوں کا ڈھنڈورا پیٹنا، محفلوں میں بیٹھ کر ڈینگیں مارنا، اپنی امارت کا اظہار کرنا، غیروں پر پھبتیاں کسنا، جملے بازی کرنا، طاقت کے بل پر اُچھلنا کودنا، یہ سب کچھ یہیں، اس دنیا میں رہ جائے گا۔ وہاں دوسروں کی عزت پر شب خون مارنے کی اجازت نہیں ہو گی، کسی کی بہو بیٹیوں کے سر سے دوپٹہ کھینچنے کی مجال نہیں ہو گی، دھن دولت کسی کام نہیں آئے گی۔ قانون کی خرید و فروخت کا کاروبار نہیں چلے گا۔ دنیا دکھاوے کو اشک شوئی کرنا، ڈھونگ اور ناٹک رچانے کے مواقع نہیں ملیں گے۔ "بغل میں چھری اور لب پر رام رام" کی ساری کہانیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ سارے کچے چٹھے مثلِ آئینہ روشن ہوں گے، ساری قلعی اُتر

جائے گی، غازہ، لپ اسٹک اور پاؤڈر...... سارا میک اپ ڈھل جائے گا۔ اصلیت کھل کر سامنے آجائے گی۔ روز و شب کی تمام تفصیل، ساری روداد سامنے ہوگی۔ انجام کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا، وکیلوں کے دفتروں کے چکر نہیں کاٹنے ہوں گے، منصف کے قلم پر ''ناقابل فروخت'' لکھا نظر آجائے گا۔ ایک منصف ہوگا، اُس کا ایک ہی فیصلہ ہوگا۔ اس پر عملدرآمد میں پلک جھپکنے کی تاخیر بھی نہیں ہوگی۔

وہاں پنڈت امرلال، بدری نرائن، برکاتی شاہ، سیّد مجذوب، میں اور آپ سب ایک قطار میں، ایک ہی صف میں سر جھکائے باادب کھڑے ہوں گے۔ نہ انکارانی کا زور چلے گا، نہ پریتم لال اور سادھو جگدیو کے جنتر منتر کام آئیں گے۔ نندا اور کمپلا بھی سرنگوں ہوں گے۔ کچھ چہرے مثلِ آفتاب چمک رہے ہوں گے، کچھ بے گناہ ہونے کے باوجود اُس کے قہر سے لرزیدہ ہوں گے، کانپ رہے ہوں گے۔ وہاں ماضی، حال اور مستقبل کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ سارے سودے، سارا کاروبار ہاتھ کے ہاتھ ہوگا، نقد کام ہوگا۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے......! ''میاں کی جوتی میاں کے سر'' کی مثال کا اصل مطلب واضح ہو جائے گا۔ احتجاج کی گنجائش نہیں ہوگی۔ سارے شور و شرابے، ساری اُچھل کود، نام و نمود کی پھلجھڑیاں صرف زمین پر اپنی چھب دکھا سکتی ہیں، آسمانوں پر اُس کا نظام بڑا صاف و شفاف ہوگا۔ کسی پرندے کو پر مارنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔ محض نام کے ساتھ پیرزادہ، عادل زادہ یا امیر زادہ لگا لینے سے کام نہیں چلے گا...... اُلٹے سیدھے بیان داغنے کی مہلت نہیں ہوگی۔ جو بویا ہے وہی کاٹنا پڑے گا۔ پیر پیغمبروں کے متبرک اسمائے گرامی...... اولیاء، انبیاء...... اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے ناموں سے ملتے جلتے ناموں کو جنت کی سند نہیں حاصل ہوتی۔ لوگوں نے دستور بنا لیا ہے کہ بچوں کا نام رکھتے وقت بڑی بڑی کتابوں کو کھنگالا جاتا ہے، جو نام فہرست میں شامل کئے جاتے ہیں، صرف ان کے صوتی حسن کا خیال ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے، اس کی عظمت اور احترام کو بالائے طاق رکھ کر ان ناموں کے جز یا اجزاء کو کلی پھندنوں کی طرح نومولود کے نام کے ساتھ نتھی کر دیا جاتا ہے۔ ان باتوں سے بخشش نہیں ہوتی۔ سب دل کے بہلاوے ہیں، ڈھکوسلے بازی ہے۔ بس ایک بات سن لو، گرہ سے باندھ لو...... ''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا۔'' میں کوئی لاطینی زبان نہیں بول رہا، فلسفہ نہیں بگھار رہا جو بات سمجھ میں نہ آسکے۔ جان

بوجھ کر انجان بننا اور بات ہے، مجھے کسی اور کی نہیں اپنی قبر میں جانا ہے۔ میری سرگزشت بھی میرے پیش نظر ہے۔ میری کہانی بڑی رنگین ہے لیکن اس کے نتائج رنگین نہیں، سنگین ہوں گے۔ میں نے کبھی اپنی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا، میں نہیں جانتا کہ میری داستان پڑھنے والے اس کا کیا تاثر قبول کریں گے۔ لیکن ایک حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوگا، میں نے ایک عام آدمی کے مقابلے میں زیادہ نامساعد حالات میں زندگی بسر کی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اس جہنم میں چھلانگ نہیں لگائی تھی، انکارانی میرے سر پر خود سے آئی تھی، اس میں میری مرضی، میری خواہش کو کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ بے پناہ پراسرار قوتوں کی مالک تھی، اُس کے پنجے جب جلد میں چبھتے ہیں تو میرا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے، ذہن ماؤف ہو تو انسان صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر سکتا۔ طاقت کا تصور، دوسروں پر برتری کا احساس، دولت، عزت اور شہرت کا نشہ یہ سب باتیں انسان کو بہکا دیتی ہیں، اندھا کر دیتی ہیں۔ میں نے شروع میں ضرور کترانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ''خون کا مزہ'' منہ کو لگ جانے کے بعد میں بھی بہک گیا، اندھا ہو گیا، درندہ بن گیا...... میں نے اپنی داستان کا کوئی حصہ چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ جو واقعات رونما ہوئے، جس تواتر سے پیش آتے رہے اسی ترتیب سے بے کم و کاست قلم بند کرتا رہا۔ میں نے جو صدمے برداشت کئے، جن اذیتوں سے گزرا، جن حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعات اور مشاہدات سے میرا واسطہ پڑا ہے اسے انسان کا ذہن قبول نہیں کرتا۔ کبھی کبھی خود مجھے بھی ایسا شبہ ہوتا ہے جیسے جو کچھ میں نے دیکھا، جو میرے اوپر گزری وہ سب میرا وہم تھا...... خواب رہا ہوگا......!

میرے پاس انکارانی کی عجیب و غریب قوت تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کم اور انکارانی کی آنکھوں سے زیادہ دنیا کے نشیب و فراز دیکھے۔ اُسی کی نظروں سے انسان کو اندر سے کھنگالنے کی کوشش کی۔ میری یہ داستان جب آخری موڑ پر پہنچے گی تو شاید آپ مجھ سے بہتر کوئی نتیجہ اخذ کر سکیں، میں نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ کیا گنوا دیا؟ کیا حاصل کیا......؟ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ پنڈت پجاریوں کی دشمنی نے ہندوستان کی سرزمین کے چپے چپے پر میرے دشمن پیدا کر دیئے تھے، مجھے کہیں قدم جمانے، کہیں سر چھپا کر دو گھڑی ستانے کی مہلت نہیں تھی۔ میں کسی ستارے کی طرح روز و شب گردش میں رہتا تھا۔ مچھلی کانٹا نگل لینے کے بعد شکاری کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ خشکی پر آنے سے پیشتر وہ اپنا پورا زور لگاتی ہے،

تڑپتی ہے، پھڑ پھڑاتی ہے۔ میری کیفیت بھی اسی سے ملتی جلتی تھی۔ میں بے دست و پا ہو جاتا تو میرے دشمن کے کلیجوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی۔ میں ذرا آسودہ حال ہوتا تو وہ پھر میرے گرد اپنا گھیرا ڈالنا شروع کر دیتے۔ مجھے اپنے بچاؤ کے لئے پھر ہاتھ پھیر چلانے پڑتے۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجا کرتی...... کون ہاتھ قصوروار ہوتا ہے کون بے قصور؟ یہ جھگڑا ازل سے چل رہا ہے، ابد تک جاری رہے گا...... سیاہ و سفید کا فیصلہ زمین پر نہیں آسمان پر ہوگا۔ اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اترانے سے قلبی سکون نہیں ملتا...... ایسا کرنے والے خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں......!!

میں اُس وقت بھی بڑا بے سکون تھا جب ملگجی باریک چادر کی تاریکی بھی رفتہ رفتہ دُور ہو گئی۔ میرا ذہن پوری طرح کام کرنے لگا۔ میں حیرت سے اس آرام دہ کمرے کو دیکھنے لگا جہاں ایک درمیانے درجے کے آدمی کی ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ مجھے یاد آیا، میں نے ہردوار میں کالی کے بڑے مندر کے سامنے اپنے ایک دشمن پنڈت نول کشور کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔ دو تین پنڈت پجاری اور بھی بلاوجہ ہمارے درمیان آ کر پس گئے تھے۔ مجھے اُن کی موت کا کوئی غم نہیں تھا۔ نول کشور کی موت میرے لئے باعث مسرت تھی۔ میں اُس کی لاش پر چتا کی آگ تک پہنچنے سے پہلے اپنی کامیابی کا جشن منانا چاہتا تھا۔ سیّد نے بھی اشارے کنایوں میں تالی بجانے اور تھرکنے کا ذکر کیا تھا۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ مگر میری یہی خواہش تھی کہ دو چار ٹھمکے ضرور لگا لوں۔ مگر اس کی فرصت نہیں ملی...... نول کشور کی موت کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا، وہ کالی کے بڑے مندر کا پروہت تھا، اُس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہوگی۔ پنڈت پجاری مندر کے تہہ خانوں میں چھپ کر بیٹھ گئے ہوں گے۔ اُن کے دل تا دیر سینوں میں دھڑکتے رہے ہوں گے...... کسی نے پولیس کو فون پر اطلاع دی ہوگی کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو پنڈت کو مار ڈالا۔ ہر طرف تہلکہ مچا ہوگا، قانون کے محافظوں کے ذہن بھی تعصب کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ اسی تعصب کی آڑ میں بے گناہ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگانے کا سنہری موقع بھی بلوائیوں کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ انتہا پسند اپنی اکثریت کی بنیاد پر کمر کس کر مردانگی دکھانے کی خاطر میدان میں نکل آتے ہیں، دُکانیں لوٹی جاتی ہیں، عصمتیں روندی جاتی ہیں، معصوم اور نوجوان لڑکیوں کو سر بازار ننگا کر دیا جاتا ہے، ان کے ہاتھ پشت پر باندھ

یے جاتے ہیں۔ وہ اجتماعی زیادتی کا برملا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنی بہادری پر شیطانی قہقہے ند کرتے ہیں۔ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا بھی قتل عام شروع ہو جاتا ہے، شیر خوار بچوں ے حلق میں چھرے گھونپ دیئے جاتے ہیں، حکومت کے ماتھے پر بھی بل آ جاتا ہے۔ پڑھے ھے سیاستدان بھی بیان داغتے وقت مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، تعصب کا الزام یشہ اقلیت پر ہی لگایا جاتا ہے، اکثریت کے خلاف زبان کھولنے والے مافیا کے دہشت ردوں کے ہاتھوں مار دیئے جاتے ہیں۔ جان بوجھ کر کون اپنی موت کو دعوت دیتا ہے....؟

میرے ذہن میں آندھی چل رہی تھی، مجھے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ میں نے دیپک کو مندر ی جانب جان بچا کر بھاگتے دیکھ کر اپنا ہاتھ اٹھایا تھا، شیوا نے اُس کی زندگی کی سفارش نہ ی ہوتی تو وہ بھی کام آ گیا ہوتا...... میں نے شیوا کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی تھی، اُس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بڑی جوانمردی سے میری پیشکش رد کر دی۔ اُس نے کالی کے دموں میں آنکھیں کھولی تھیں، اُسی کے چرنوں میں مرنے کا خواہش مند تھا۔ میں اُسے ئل کرنا چاہتا تھا کہ وہ غلطی پر ہے، کالی کا مندر اُس کے لئے مقتل گاہ کی شکل اختیار کر چکا ھا۔ سینکڑوں لوگ گواہ بن چکے تھے کہ پنڈت نول کشور کے قتل کی ذمہ داری شیوا پر بھی عائد تی تھی۔ اُس نے مجھے مار دیا ہوتا تو کہانی وہیں ختم ہو جاتی۔ پنڈت پجاری اُسے کاندھوں اُٹھا لیتے، جلوس کی شکل میں گلی کوچوں میں چکراتے پھرتے، شیوا کے نام کی ''جے جے ار'' گونج رہی ہوتی۔ وہ نول کشور کا نائب بھی مقرر کیا جا سکتا تھا۔ لیکن شیوا نے ایسا نہیں یا، وہ مرد تھا، اُس کی رگوں میں زنخوں کا خون نہیں، کسی خاندانی باپ کا خون گردش کر رہا ھا۔ میں نے اُس پر جو احسان کیا تھا، شیوا نے اس کا حساب برابر کر دیا۔ میرے ہاتھ کی شیں کاٹتے وقت اُس کا دل ضرور دھڑکا ہوگا، اُسے علم رہا ہوگا کہ وہ اپنی موت کے انے پر خود اپنے خون سے انگوٹھا لگا رہا ہے۔ لیکن اُس کے قدم نہیں ڈگمگائے، وہ موت ے نہیں ڈرا...... بازی میرے حق میں پلٹ گئی، نول کشور کام آ گیا، اُس کی موت اذیتناک ئی تھی...... اور شیوا اسی کالی کے مندر میں واپس جانے کی بات کر رہا تھا جہاں ہر کوئی اُس ے خون کا پیاسا ہو رہا ہوگا...... میں اُسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ غلط فیصلہ کر رہا ہے لیکن مجھے ں کی مہلت نہیں ملی۔ پولیس کی سائرن بجاتی گاڑیاں گردش میں آ گئیں۔ میں جائے ردات سے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جاتا تو شاید شیوا کی گواہی بھی میرے کسی کام نہ آتی،

ہزاروں چشم دید گواہ میرے خلاف زہر اُگلنے کو آمادہ ہو جاتے۔ اُن کی جگہ میں ہوتا تو شاید
میں بھی وہی کرتا۔ لیکن انکارانی نے میرے سر پر واپس آ کر اپنے تیز پنجے میرے سر میں
چبھو دیئے۔ میرے سامنے گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ میری بجائے پولیس کے ہرکاروں نے
شیوا کو حراست میں لے لیا ہوگا، اُس پر ظلم توڑ رہے ہوں گے اور...... میں ایک آرام دہ
کمرے کے بستر پر پڑا چھت کو گھور رہا تھا جب ایک مردانہ آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

میں نے پلٹ کر دیکھا، میری آنکھیں نمناک ہونے لگیں...... میں رکن الدین کی حویلی
میں تھا۔ ایک مدت کے بعد رکن الدین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود مجھ سے
بڑی عزت و احترام سے مخاطب ہوا تھا۔ اُس کی حویلی سے میری زندگی کی بہت ساری
خوشگوار یادیں وابستہ تھیں، رکن الدین نے میرا بڑا ساتھ دیا تھا۔ اپنی حویلی کے دروازے
میرے اوپر کھول دیئے تھے۔ یہیں پہلی بار میری اور سیّد مجذوب کی ملاقات بھی ہوئی تھی
جس نے میری زندگی میں تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ اور بھی بے شمار یادیں تھیں جو میرے ذہن
میں کروٹیں بدل رہی تھیں۔

کلدیپ کے مرنے کے بعد مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی تھی۔ جین لندن سے نہ آ جاتی تو
میں بمبئی کے کسی فٹ پاتھ پر ہی گھسٹتا گھسٹتا دم توڑ دیتا۔ جین نے جھولی پھیلا کر مجھ سے
اپنے لئے میری زندگی کی بھیک مانگی، میں انکار نہ کر سکا۔ ہندوستان سے رخصت ہوتے
وقت میں نے ایک تزئین کے سوا سب کی یادوں کو کھرچ کر ذہن سے نکال دیا تھا۔ انکا
رانی کو بھی ساتھ نہیں لے گیا تھا، اُس وقت میرا خیال تھا کہ دوبارہ کبھی ہندوستان کے جہنم
میں پلٹ کر نہیں آؤں گا۔ لیکن پریتم لال نے کلدیپ کی بے چین رُوح کا ذکر چھیڑ کر مجھے
واپسی کے سفر پر آمادہ کر دیا۔ اب قسمت مجھے دوبارہ رکن الدین کی حویلی لے آئی تھی۔

انکارانی نے ایک لمبی جست بھری تھی، ہردوار سے گلبرگہ...... دہلی لے جاتی تو میں ایک
بار پھر خواجگان کی چوکھٹ پر پیشانی رگڑ رگڑ کر اپنے ماضی کے گناہوں سے توبہ کر لیتا۔ آگرہ
لے جاتی تو تاج محل کا نظارہ ہی کر لیتا، یہ بھی محسوس کرنے کی کوشش کرتا کہ ایک شہنشاہ نے
دولت کا سہارا لے کر کس کس انداز و زاویوں سے غریبوں کی محبت کا مذاق اڑانے کی کوشش
کی ہے۔ اجمیر میں کچھ دنوں قیام ممکن ہوتا تو وہاں بھی زیارتوں سے مستفید ہو لیتا، بزرگا

ں کے مزاروں پر حاضری کی سعادت حاصل کر لیتا۔ بمبئی واپسی ممکن ہو جاتی تو تزئین کو
ا دیکھ لیتا۔ ایک وہی تو تھی جو میری زندگی کا سب سے قیمتی اور انمول نگینہ تھی۔ اشرفی بیگم
ے اُسے چھیننے کی خاطر کیا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ میری اور میری کلدیپ کی مشترکہ منظور نظر
ی۔ اُس کو دیکھ کر نرگس کی یاد آ جاتی تھی...... تزئین کو یاد کر کے میں بے چین ہونے لگا۔
ری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انکارانی نے اتنی لمبی چھلانگ کیوں لگائی تھی؟

''کس غور و فکر میں مبتلا ہیں محترم......؟'' رکن الدین نے میری مسہری کے قریب آ کر
ی محبت سے دریافت کیا۔

''میں یہاں کب آیا تھا......؟'' میں نے رکن الدین کے سوال کو نظر انداز کرتے
ہوئے پوچھا۔

''کل رات ہی کی بات ہے جب آپ نے اس حقیر کی حویلی کو دوبارہ عزت بخشی......''
ن الدین کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''طلعت نے دروازے پر جا کر آپ کا نام
ریافت کیا، پھر وہ خوشی سے دیوانی ہو گئی۔ اُس نے آپ کی آمد کی اطلاع دی تو مجھے یقین
ہیں آیا۔ آپ کی طبیعت اُس وقت ٹھیک نہیں تھی، تھکے تھکے نظر آ رہے تھے۔ میں نے گھر
کے تمام افراد کو منع کر دیا کہ کوئی آپ کو پریشان نہ کرے۔ آپ بستر پر لیٹتے ہی بے خبر ہو گئے
تھے، ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا......''

''مجھے کچھ خبر نہیں......'' میں نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

''اتنے دنوں کہاں رہے......؟''

''پاؤں میں چکر ہو تو انسان ایک جگہ نہیں ٹک سکتا۔ میں بھی بگولوں کی طرح گردش
کرتا رہا۔''

''پچھلی بار سہراب اور پریم آئے تھے تو اُن کی زبانی خبر ملی تھی کہ کوئی میم آپ کو اپنے
ساتھ لندن لے گئی تھی۔'' رکن الدین نے دبی زبان میں پوچھا۔

''ہاں......'' میں نے بجھی آواز میں اقرار کر لیا۔ ''ہندوستان سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔''

''واپسی کب ہوئی......؟'' رکن الدین نے استفسار کیا۔

''اب تو ٹھیک سے یہ بھی نہیں یاد رہا......'' میرے لہجے میں کرب بھی شامل ہو گیا۔

''آپ نے اچھا کیا جو غریب خانے کا رُخ کیا۔'' رکن الدین نے بڑے خلوص سے

کہا۔ ”یہاں آپ کی طبیعت بہل جائے گی۔“

”شاید......“ میں نے مختصراً کہا۔

”اب آگئے ہیں تو واپسی میں جلدی نہ کیجئے گا۔“

”ایک ضروری کام باقی رہ گیا ہے۔“ میں نے چندرا کے بارے میں سوچتے ہوئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ”اُسے نمٹالوں تو پھر کہیں ٹِک کر بیٹھنے پر غور کروں گا۔“

”ہمیں چار روز سے آپ کی آمد کا انتظار تھا......“ رکن الدین معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

”کیا مطلب......؟“ میں نے وضاحت چاہی۔

”چار روز پیشتر سیّد آیا تھا، اُس نے کہا آپ آنے والے ہیں۔“

میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سیّد مجذوب کا ذکر سن کر گویا میرے ناتواں جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ مجھ سے بے خبر نہیں تھا۔ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ تھا، خدا کے عشق میں ڈوب گیا تھا، جذب ہو کر مجذوب بن گیا تھا۔ وہ بہت سارے بھیدوں سے واقف تھا، اُس کی نظروں نے دیکھ لیا ہوگا کہ میرے اوپر کیا گزرنے والی ہے۔ اُسے حالات کی پیشگی اطلاع ہو گی۔ اُسی نے پنڈت نول کشور کو مندر سے باہر نکالنے کا طریقہ بتایا تھا۔ میں نہ سمجھ سکا، اُلجھتا رہا۔ انکارانی بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔ پھر نول کشور کا قصہ پاک ہو گیا۔

”کیا سوچنے لگے......؟“ رکن الدین نے مجھے خیالوں میں ڈوبا دیکھ کر پوچھا۔

”سیّد آتا رہتا ہے......؟“ میں نے دریافت کیا۔

”ہاں۔ وہ خواجہ کی چوکھٹ کا دیوانہ ہے، اُسی کے آس پاس بھٹکتا رہتا ہے۔ مجھ پر بھی اُس کی نظرِ عنایت ہے، آتا رہتا ہے۔“

”بھابھی صاحبہ کیسی ہیں......؟“ میں نے بیگم رکن الدین کی خیریت دریافت کی۔

”وہ آج کل ناہید کے پاس گئی ہوئی ہیں۔“

”یہ غلط بات ہے ابا حضور......“ طلعت نے اچانک سامنے آ کر شکوہ کیا۔ ”آپ نے کہا تھا کہ ہمیں فوری خبر کریں گے۔ مگر آپ تو بات کرنے بیٹھ گئے۔“

اُس کے لہجے میں شوخی تھی۔ اتنے دبے قدموں کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ مجھے بھنک بھی نہ ملی۔ میں نے اُسے پیار سے دیکھا تو دوڑ کر اُس نے اپنا سر میرے کاندھوں پر رکھ

یا۔ میں شفقت سے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اچانک میری نظروں میں دو جانے پہچانے چہرے اور آگئے۔ وہ دونوں بھی رکن الدین کے عقب سے آہستہ آہستہ نمودار ہوئی تھیں۔ شاید طلعت کے ساتھ وہ بھی چھپی بیٹھی ہماری باتیں سن رہی تھیں۔ اُن کو دیکھ کر ماضی کی اور بہت ساری تلخ و شیریں یادیں ذہن کے پردوں پر اُبھرنے لگیں۔

وہ زرافشاں اور درخشاں تھیں جنہیں میں پیار سے زری اور رخشی کہا کرتا تھا۔ میں نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے قریب بلا لیا، وہ شرماتی لجاتی قریب آ گئیں۔ طلعت علیحدہ ہوئی تو وہ دونوں مجھ سے لپٹ گئیں۔

”کیسی ہو زری......؟“ میں نے پوچھا۔

”آپ کی دُعا سے خیریت سے ہوں......“ اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

”جھوٹ......“ طلعت شوخی سے بولی۔ ”اب تو اس کی خیریت ہم سب کو خدا سے نیک مطلوب ہے۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے رکن الدین کی سمت دیکھا۔ طلعت کی بات کا مطلب میرے ذہن میں کچھ کچھ آ رہا تھا۔

”میں نے زرافشاں کی بات ایک نہایت مناسب رشتہ دیکھ کر پکی کر دی ہے۔“ رکن الدین نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”آپ آ گئے ہیں تو اب دو ایک روز میں تاریخ بھی پکی کر دوں گا۔“

میں نے زرافشاں کی طرف دیکھا، وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ اُس کے ہونٹوں کے گداز پر بڑی شرمیلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ کنکھیوں سے طلعت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ ”بکرے کی ماں بھی کب تک خیر منائے گی۔ کسی نہ کسی گھر میں تمہارے لئے بھی چھری پر دھار رکھی جا رہی ہوگی۔ موقع آنے دو، میں نے گن گن کر بدلہ نہ لیا تو نام بدل دینا......“

”میرے انتظار میں وقت ضائع نہ کریں۔“ میں نے کہا۔ ”جو کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔“

”نیک کام میں ویسے بھی دیر نہیں کرنی چاہئے...... کیوں چھوٹے ابا......؟“ طلعت نے میری طرف دیکھ کر پہلی بار چھوٹے ابا کے خطاب سے نوازا تو میرے دل کی پامال حسرتوں

میں اُبال آنے لگا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے پلکوں کی اوٹ تک آجانے والے آنسوؤں کو روکا، اُس کا چھوٹے ابا کہنا مجھے اچھا لگا۔ تزئین مجھے بابا کہا کرتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ اگر حویلی میں ایک بار ہی دل کھول کر دُھوم دھام کر لی جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔'' میں نے رکن الدین کی جانب دیکھ کر دبی زبان میں کہا، وہ میری بات کا مفہوم سمجھ گیا۔ طلعت مجھے خونخوار بلی کی طرح گھورنے لگی۔

''ابھی میں نے آپ کو کتنے پیار سے چھوٹے ابا کہا تھا اور آپ نے جھگڑے کی بات شروع کر دی۔'' اُس کی خفگی میں بھی محبت اور اپنائیت کے رنگ جھلک رہے تھے۔

''میں آپ کے مشورے سے متفق ہوں۔'' رکن الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ایک دو لڑکے ہیں میری نظر میں۔ میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ تینوں بچیوں کے ہاتھ ایک ساتھ پیلے کر دُوں۔''

''ایک نہ شد...... دوشد۔'' طلعت نے کڑوا سا منہ بنا کر جواب دیا، پھر تینوں لڑکیاں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر زنان خانے کی طرف چلی گئیں۔ مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب ایک بار پہلے بھی رکن الدین کی حویلی میں کئی لڑکیوں نے دُلہنوں کے زرق برق لباس پہنے تھے، اُن کے دُلہاؤں کے سر پر سہرے کی بہار منڈلائی تھی، پھر سب بکھر گئے۔ تزئین کو سیّد غوث کے عقد میں دیا گیا، سہراب اور پریم ہاتھ تھام کر زندگی کے ہم سفر بن گئے، آنند لال اور مالا کی شادی بھی اُن کے رسم و رواج کے مطابق حویلی میں ہی انجام پائی۔ باقاعدہ لگن منڈپ سجایا گیا، دونوں نے دامن باندھ کر اگنی کے گرد سات پھیرے پورے کیے۔ پنڈت نے آکر ساری رسمیں پوری کرائی تھیں، چچا جان نے جمیلہ کو اپنی بہو بنا لیا۔ شادیوں کے سارے اخراجات رکن الدین نے برداشت کیے۔ وہ بڑا انسان ہونے کے ساتھ ساتھ کشادہ دل بھی تھا۔ میں نے اُس کا ہاتھ بٹانا چاہا، انکا کی موجودگی میں دولت کی ریل پیل بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن رکن الدین نے مجھے منع کر دیا۔

مجھے شبن خان اور شاردا کی یاد بھی آئی۔ شبن خان کا نام میں نے شبر خان رکھ دیا تھا۔ شاردا اپنی خوشی سے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ اُس کا نام یاسمین رکھا گیا۔ اُن کی شادی کے موقع پر بھی رکن الدین نے بڑی فراخدلی کا ثبوت پیش کیا تھا۔

گلبرگہ آکر میری طبیعت بہل گئی۔ تزئین اور سیّد غوث بھی موجود ہوتے تو رونق دوبالا ہو

تی۔ طلعت ہر وقت چہکتی پھرتی تھی۔ زرافشاں اور درخشاں بھی میرے آجانے سے بے خوش تھیں۔ ہر وقت میری آؤ بھگت ہوتی رہتی، زندگی کے ان ہنگاموں میں مجھے کلدیپ ی یاد آتی تو دل مسوس کر رہ جاتا۔ کبھی نرگس ہنستی مسکراتی سامنے آکھڑی ہوتی، کبھی پریتم ل والی مالا رانی کی سرگوشی میرے کانوں میں اُبھرتی......

''پران ناتھ، مجھے شما کر دینا۔ نصیب نے مجھے اتنا سمے نہیں دیا کہ میں تن من دھن سے نہاری سیوا کر سکتی۔ دوسرا جنم ملا تو سارے قرض چکا دُوں گی۔''

میں ماضی اور حال کے ایسے سنگم پر کھڑا تھا جہاں کبھی سائے مجھے ٹھنڈک پہنچاتے تو میرا ل باغ باغ ہو جاتا، کبھی دُھوپ کی تمازت میرے وجود کو جھلسانے لگتی۔ مستقبل کے بارے یں کوئی علم نہیں تھا۔ شاید انکارانی واقف ہو۔ سیّد مجذوب جانتا ہو۔

رکن الدین کی حویلی میں تین دن گزر گئے۔ انکا ابھی تک واپس نہیں لوٹی تھی، مجھے اُس کی فکر لاحق تھی۔ وہ ہردوار میں بری طرح اُلجھ گئی ہو گی۔ پنڈت نول کشور اور دو تین پنڈت پجاریوں کی لاشیں دیکھ کر ہریانہ اور کرنال کے علاوہ امروہا اور دہلی تک پولیس کے محکمے چوکس ہو گئے ہوں گے۔ ہردوار کے سارے پولیس اسٹیشن ہل گئے ہوں گے، بڑے پیمانے پر چھان بین شروع ہو چکی ہو گی۔ شبہے کی بنیاد پر کئی مسلمانوں کو بے قصور اُن کے گھروں سے اُٹھا لیا ہو گا، اُن پر تشدد کر کے بال کی کھال نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ آنند بھون کے منیجر بھنڈاری کو بھی دھر لیا گیا ہو۔ اُس کا قصور اتنا تھا کہ میں نے اُس کے ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ پنڈت شیوا کو بھی نہیں بخشا گیا ہو گا۔ مجھے یقین تھا کہ اُس کی زبان پر میرا نام نہیں آیا ہو گا۔ اگر اُسے میری بربادی منظور ہوتی تو میری بندشوں کو کاٹنے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔ اُس کا ہاتھ بہکا نہیں تھا۔ اُس نے جان بوجھ کر مجھے نول کشور کے خطرناک سحر کی سلاخوں سے باہر نکالا تھا۔ میں نے اُس کی جان بخشی تھی، وہ حساب برابر کرنے کی ٹھانے بیٹھا تھا۔

دیکھا جائے تو پنڈت نول کشور خود اپنے اعتماد کا شکار ہوا تھا۔ اُس نے گلے سے جینؤ اُتار کر جنتر منتر پڑھ کر میری طرف پھینکا تھا۔ اُسے اپنے مقصد میں مایوسی نہیں ہوئی۔ جینؤ کی ڈور نے مجھے رسّی بن کر جکڑ دیا تھا۔ جنگ اور جدل کے میدان میں زندگی اور موت کے فیصلے پلک جھپکتے میں ہو جاتے ہیں۔ اگر نول کشور کے برابر کھڑے ہوئے پنڈت نے اس

نازک مرحلے پر شیوا کا امتحان لینے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا، دھوتی میں چھپے شکاری چاقو کو شیوا کی طرف نہ اُچھالا ہوتا تو کہانی یقیناً مختلف ہوتی۔ نول کشور مجھے سنبھلنے کا موقع دینے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔ اُس کے اگلے جنتر منتر کے بیر میری کتابِ زندگی کے گرد سیاہ لکیروں کا موٹا حاشیہ کھینچ کر نیچے جلی حروف میں ''سماپت'' یا ''ختم شد'' لکھ کر چھٹی کر دیتے۔ لیکن شیوا کے درمیان میں آجانے سے وہ جھجکا ہوگا۔ شیوا نے میری بندشیں کاٹ دیں...... میں نے نول کشور کی شہ رگ کاٹ کر اُس کی زندگی ختم کر دی......!!

پولیس کے حلقوں میں بے چینی پھیلی ہوگی۔ شیوا نے زبان بند رکھنے کی قسم کھالی ہوگی۔ کالی کے مندر کے سینکڑوں پجاری، ہزاروں نگاہیں گواہ تھیں کہ قاتل میں تھا۔ انکارانی ایک وقت میں کسی ایک ہی سر پر جا سکتی تھی، وہ دن رات ایک سر سے دوسرے سر پر پھدکتی پھر رہی ہوگی، گواہوں کو منحرف کر رہی ہوگی، پولیس افسروں کے ذہنوں کو معطل کرنے میں مصروف ہوگی۔ اُس نے سب کے دماغ میں ایک ہی سوال اُبھارا ہوگا۔

''اگر قاتل جمیل احمد خاں تھا تو کہاں چھو منتر ہوگیا؟ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا....؟''

میں نے خود اپنے کانوں سے پولیس کی سائرن کاروں کی آوازیں سنی تھیں۔ پنڈت نول کشور کی لاش دیکھ کر اُن کی پتلونیں ضرور ڈھیلی ہوگئی ہوں گی۔ اُن کے لاسلکی نظام نے حرکت میں آنے میں دیر نہیں کی ہوگی۔ ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر پولیس کے پہرے بٹھائے گئے ہوں گے، دوسرے راستوں کی ناکہ بندی میں بھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا ہوگا۔ مسلمانوں کے علاوہ کچھ ایسے ہندوؤں کے گھروں کو بھی کھنگالا گیا ہوگا جن پر ''مسلم دوستی'' کی چھاپ لگی ہوگی۔ وہ چاروں طرف تیزی سے پھیل گئے ہوں گے، قریبی شہروں کی پولیس کو بھی آگاہ کیا ہوگا، ہر طرف افراتفری کا سماں ہوگا۔ سب بغلیں جھانکتے پھر رہے تھے۔ میں گلبرگہ میں بیٹھا طلعت، زرافشاں اور درخشاں کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔ ایک طرف صفِ ماتم بچھی تھی، دوسری جانب میں سب کی شادی کی باتیں کر رہا تھا۔

تین روز آرام سے گزر گئے۔ چوتھے روز میں سو کر اُٹھا تو میری نظر سیّد مجذوب پر پڑی۔ وہ ایک طرف ٹانگیں سکیڑے ہاتھوں کے تکیے پر سر رکھے لیٹا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھے۔

''مرغ بانگ دے چکا...... تو ابھی تک اتنا غفیل ہے...... کن میلیئے......''

''ہر دوار میں کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے اُس کی بات ٹال کر پوچھا۔

''خاک اُڑ رہی ہے......'' سیّد نے دیدے نچاتے ہوئے جواب دیا۔ ''تو نو دو گیارہ ہو گیا...... وہ پھدکتی پھر رہی ہے...... شیطان کی خالہ۔''

''وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''تم کوئی راستہ دکھا دو۔''

''ٹیلے پر چڑھ جا...... رسیاں تڑا کر بھاگ لے۔''

''تم نے پھر مجھے اُلجھانا شروع کر دیا۔'' میں نے شکوہ کیا۔ ''مجھے اُنگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو...... تم جو کہو گے میں وہی کروں گا۔''

''بتوڑے...... بزرگوں کے ساتھ بھی کنکوا اڑانے کی سوچ رہا ہے؟'' سیّد کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

''تم میری بات نہیں سنو گے......؟''

''کیا سنائے گا...... ٹھمری یا دادرا......؟''

''میں خودکشی کر لوں گا......'' میں نے احتجاج کیا۔

''نزاکت جان بیوہ ہو جائے گی۔'' سیّد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''ابھی دھاڑیں مارتا رہ...... کپڑے پھاڑ کر ننگا ہو جا، پھر پتھر اُٹھا کر سر پھوڑ لے...... سارا خون بہا دے، قوالی میں جا کر ناچنا شروع کر دے۔''

''یہی سب کچھ کہنے کے ارادے سے آئے تھے......؟'' میں نے اُسے گھورا۔ وہ سہم کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کٹ کھنے......'' اُس نے پھر دیدے گھمانے شروع کر دیئے۔ ''جال ڈالنے کی ہانک رہا ہے...... گرگھنٹال...... اُلو کی دُم فاختہ۔''

''کچھ اور نہیں کر سکتے تو چندرا کا پتہ ہی بتا دو'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''ایک وہی باقی رہ گیا ہے...... اُسے بھی ٹھکانے لگا دوں تو چھٹی ہو جائے گی۔''

''بارش ہوگی تو اور پودے نکل آئیں گے...... چٹانوں میں جا کر منہ چھپا لے...... رینگنا شروع کر دے۔''

''پیر و مرشد، ایک بات کان کھول کر سن لو......'' میں دوبارہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''میں راستہ بھٹک گیا تو ذمہ داری تمہاری بھی ہوگی۔''

"پھر بھونکنے لگا......شروع کردی نوٹنکی......"

"میں آخری دم تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا سیّد......" میں نے تنگ کر کہا۔ "میرے نامۂ اعمال میں تمہارا نام بھی ضرور درج ہوگا۔تم کب تک پہلوتہی کرو گے......؟"

"قلعیٔ کھل گئی......ہو گیا ننگا......آستین کے سانپ......وہ رُوٹھ گئی......اُوپر چلی گئی۔تو کلیلیں کر رہا ہے۔"

"کون چلی گئی......؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔"تم کس کی بات کر رہے ہو؟......تمہیں خدا کا واسطہ،کھل کر سب کچھ کہہ ڈالو۔"

جواب میں سیّد نے ایک طویل انگڑائی لی،منہ سے بہتی رال کو آستین سے پونچھ کر بولا۔

"گھڑی کی آواز پر کان لگا دے......ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جا......بارہ بج جائیں تو دریا میں چھلانگ لگا دینا......اُس پار نکل جانا۔"

"تم ٹالنے کی باتیں کر رہے ہو......میں حشر میں دامن گیر ہو جاؤں گا......"

"بھٹ کٹیا چبالے...... پارس پتھر بن جائے گا۔" سیّد نے کھڑے کھڑے قلابازی کھائی،پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سیّد میرے ساتھ "چھپن چھپائی" کا کھیل،کھیل رہا تھا۔وہ جانتا تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے،اُسے کھل کر بتانے کی اجازت نہیں تھی۔وہ مجبور تھا،میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی،میرے پاس وقت نہیں تھا۔میں چندرا کو ختم کر دیتا تو آخری حسرت بھی پوری ہو جاتی۔

پنڈت نول کشور کا انجام دیکھ کر باقی پنڈت پجاریوں کے حوصلے پست ہو گئے ہوں گے،وہ پناہ گاہوں میں دبکے بیٹھے ہوں گے۔اُن کا کمپنی کمانڈر مارا گیا تھا،وہ فوری طور پر منظم نہیں ہو سکتے تھے۔صرف نفری کام نہیں آتی،کوئی قائدانہ صلاحیت رکھنے والا رہبر ہو،تب بات بنتی ہے۔کچھ بڑے پنڈت ممکن ہے کہ پنڈت نول کشور کی گدی سنبھالنے کی تاک میں ہوں۔کالی کے مندر کا بڑا پروہت ہونا بڑی نفع بخش آسامی سمجھی جاتی ہے۔لیکن اس مقام تک پہنچنے کی خاطر بھی کچھ وقت لگتا ہے۔میں اُنہیں مہلت نہیں دینا چاہتا تھا۔

عین ممکن تھا کہ چندرا کو بھی بروقت نول کشور کی موت کی اطلاع مل گئی ہو......اُس کا دایاں بازو کٹ چکا تھا،وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا ہوگا۔میں اچانک اُس کے سر پر پہنچ جاتا تو وہ ضرور بوکھلا جاتا،میرا کام قدرے آسان ہو جاتا۔انکارانی نے ہر دوار میں کہا تھا

کہ اُس کی دوربین نظریں چندرا کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہیں۔میں نے سیّد سے دریافت کیا،وہ بھی ٹال گیا۔

ہندوستان کی پولیس پوری طرح فعال ہو گی،میری تلاش کا دائرہ وسیع کر دیا ہوگا،دوسرے صوبوں میں بھی جگہ جگہ جال ڈالے جا رہے ہوں گے۔وہ میرے پتے ٹھکانوں سے واقف تھے۔اگر کوئی بھولا بھٹکا پولیس آفیسر رکن الدین کی حویلی تک پہنچ جاتا تو میں گرفتار ہو جاتا۔رکن الدین کی عزت دو کوڑی کی بھی نہ رہ جاتی۔مجھے پھر داؤ پیچ لڑانے پڑتے،وقت ضائع ہوتا رہتا۔چندرا کو بھی قدم جمانے کا موقع مل جاتا۔

ناشتے کی میز پر میرا ذہن چندرا میں اُلجھا رہا۔انکارانی کی طویل غیر حاضری میری اُلجھنوں میں اضافہ کر رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آج دشمنوں کی طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے۔" رکن الدین عمر رسیدہ تھا،اُس نے میرے چہرے کے تاثرات کو پڑھ لیا۔

"میں جانے کی سوچ رہا ہوں۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"کہاں......؟" کئی آوازیں ایک ساتھ اُبھریں۔طلعت،زرافشاں اور درخشاں سب ہی کی نظریں میری جانب اُٹھ گئیں۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے بڑے ابا؟" طلعت نے پہل کی۔"ابھی تو آپ آئے ہیں۔"

"کم از کم طلعت کی بات طے ہو جانے تک تو انتظار کر لیتے۔" زرافشاں نے طلعت کو چھیڑنے کی خاطر دبی زبان میں کہا۔

"میں آپ کو نہیں جانے دُوں گی۔" درخشاں سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔"کچھ ہمارا بھی حق ہے آپ کے اوپر۔"

"میں آپ کے معاملات میں دخل اندازی مناسب نہیں سمجھتا۔لیکن میری بھی یہی گزارش ہے کہ بچیوں کی خوشی پوری ہونے تک ٹھہر جاتے تو اچھا تھا۔" رکن الدین نے بڑی کسرنفسی سے کام لیا۔

"ایک ضروری کام درپیش ہے۔" میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔"جلدی واپس لوٹ آؤں گا۔"

"آپ کی شکل میں اگر پھر وہ آ گیا تو......؟" درخشاں کا اشارہ رحیق (جن) کی طرف

تھا۔ میں مسکرا دیا۔

"خدا غارت کرے اُسے۔" زرافشاں بولی۔ "بڑا تنگ کیا تھا اُس نے......"

"کیا مطلب؟ کیا میرے جانے کے بعد بھی......؟" میں نے درخشاں کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جی ہاں......" رکن الدین نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "آپ کے جانے کے بعد بھی وہ بدبخت دونوں بچیوں کے پیچھے لگا رہا، ایک بار میری شکل میں حویلی تک آ گیا۔ درخشاں اور زرافشاں اُس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔ خدا بھلا کرے سیّد کا کہ وہ عین وقت پر آ گیا۔ اُس روز سیّد نے اُس سے اپنی زبان میں کچھ گرماگرم بات کی تھی۔ پھر وہ دوبارہ حویلی کے قریب نہیں پھٹکا۔"

ہمارے درمیان رحیق کی بات ہو رہی تھی جب مجھے اپنے سر پر انکارانی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے عالمِ تصور میں دیکھا، وہ بے حد تھکی تھکی اور نڈھال نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں سے نیند کا خمار جھانک رہا تھا۔ میں جلدی جلدی ناشتے سے فارغ ہو کر ٹہلنے کا بہانہ کر کے حویلی سے باہر چلا گیا۔ انکا بھی موقع کی منتظر تھی۔ میں حویلی سے باہر نکلا تو اُس نے کہنا شروع کیا۔

"جمیل، حالات نے بڑی مخدوش صوت اختیار کر لی ہے۔ کالی کے مندر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ پنڈت، پجاری، پجارنیں اور دیوداسیاں سب ہی یک زبان ہو کر نول کشور کے قاتل کی گرفتاری کا پُرزور مطالبہ کر رہے ہیں۔ کچھ پنڈت اور پجاریوں نے ہردوار کے بڑے پولیس اسٹیشن کے سامنے دھرنا دے رکھا ہے، سب کی زبان پر بار بار تمہارا نام آ رہا ہے، بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں۔ شیوا اور بھنڈاری بھی گرفتار کر لئے گئے۔ میں پل پل سروں پر پھدکتی پھر رہی تھی، بھنڈاری نے میرے اشارے پر اس بات کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ جمیل احمد خاں نام کا کوئی مسافر کبھی آنند بھون میں ٹھہرا تھا۔ اُس کے رجسٹروں میں تمہارے نام کا اندراج بھی نہیں تھا۔ پولیس کے اعلیٰ دماغ بھی چکرا رہے ہیں، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جو پنڈت تمہارے بارے میں بڑے یقین سے قاتل ہونے کی بات کرتا ہے، وہی بعد میں مقدس گیتا ہاتھ میں لے کر کہتا ہے کہ اُس نے سرے سے نول کشور کو قتل ہوتے دیکھا ہی نہیں...... پولیس کے استفسار پر اس کا

جواب ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی زبانی سنی سنائی باتوں کو دہرا رہا ہے۔ صرف ایک شخص ہے جس کے سر پر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ بار بار سینہ تان کر اقرار کر رہا ہے کہ اسی نے پنڈت نول کشور کو ذاتی نوعیت کی دشمنی کی بنا پر قتل کیا ہے۔ تشدد کے باوجود اُس کا بیان بار بار یہی ہوتا ہے، قتل اُسی نے کیا ہے، کسی اور نے نہیں۔"

"وہ...... وہ کون ہے......؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ میرے ذہن میں شیوا کا نام اُبھرا۔ وہی ایک جیالا مرد تھا جو اس قسم کی بات کر سکتا تھا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ انکارانی نے میرے شبے کی تائید کی تو میں ٹپٹانے لگا۔

"گویا بات وقتی طور پر ٹل گئی ہے......"

"شیوا کو اقبالِ جرم کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اُس پر فردِ جرم بھی عائد کی جا چکی ہے۔ پولیس کا محکمہ اور عدالتی مشینری تعصب کی آگ بھڑک اُٹھنے کے خیال سے بڑی تیزی سے معاملہ نمٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن وہ اندر ہی اندر تمہارے خلاف مواد بھی جمع کر رہے ہیں۔ پنڈت پجاریوں کے متضاد بیانات نے سب کو اُلجھا دیا ہے۔"

"شیوا کا کیا بنے گا......؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"پنڈت نول کشور کے علاوہ تین اور لاشیں بھی موقع واردات سے ملی ہیں۔" انکارانی نے کسمسا کر جواب دیا۔ "پھانسی کا پھندا کسی نہ کسی کے گلے میں تو ضرور ڈالا جائے گا۔"

"میں حالات کی نوعیت کو سمجھ رہا ہوں۔ لیکن شیوا کو پھانسی نہیں ہونی چاہئے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "سن رہی ہو تم، میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"تم فکر مت کرو جمیل......" اُس نے مجھے یقین دلایا۔ "شیوا ہمارا محسن بھی ہے اور بے گناہ بھی...... اُسے پھانسی کی سزا نہیں ہوگی۔ لیکن فی الحال جو کچھ ہو رہا ہے، اسے ہونے دو۔ بات ذرا دب جائے، دلوں کی آگ کچھ سرد پڑ جائے تو شیوا بھی دودھ کی مکھی کی طرح باہر آ جائے گا۔"

"کیسے......؟" میں جلدی میں سوال کر بیٹھا۔

"بالکل اسی طرح جس طرح تم اب تک بچتے رہے ہو۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "پریشان مت ہو۔ میں جب چاہوں گی بساط پلٹ دُوں گی۔ شیوا کی گردن کی پیائش کی ملتی جلتی کوئی اور گردن بھی بڑی آسانی سے مل جائے گی...... تمہارے دشمنوں میں سے ایک نفری اور کم ہو

جائے گی۔“

میں پنڈت نول کشور سے متعلق ایک ایک بات بڑی تفصیل سے معلوم کرتا رہا۔ انکارانی نے جو حالات بیان کئے یا اُس کی پراسرار قوتوں نے حالات کو جو رنگ دیا تھا اس سے میری پوزیشن بڑی حد تک صاف ہوگئی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے، کسی اور معاملے میں اُلجھا کر دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش ضرور کریں گے......!

”ایک بات پوچھوں انکارانی......“ میں نے نول کشور کا موضوع ختم کر کے سوال کیا۔ ”تم مجھے ہردوار سے گلبرگہ کیوں لے آئیں؟ ہم دہلی بھی جا سکتے تھے، بمبئی میں مرلی اور سروجنی کا اپارٹمنٹ بھی میرے لئے نہایت محفوظ پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی۔“

”تم کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہو......؟“ اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ میرا سوال سن کر وہ سٹپٹانے لگی تھی۔

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے......“ میں نے انکارانی کے چہرے کے تاثرات کو بغور گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”گلبرگہ تمہارے لئے دو اعتبار سے زیادہ مناسب جگہ ہے۔“ وہ سنبھل کر بولی۔ ”یہاں وہ مرد قلندر بھی ہے جس نے تمہاری پشت تھام رکھی ہے، یہاں حضرت خواجہ گیسو درازؒ کا مزار بھی ہے جہاں تمہاری حاضری......“

”میں سمجھا نہیں......؟“ میں نے حضرت گیسو درازؒ کے حوالے پر چونک کر پوچھا۔

”تم چندرا کو کیوں بھول رہے ہو......؟“ اُس نے میری دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”میرا دل کہتا ہے کہ اگر تم بزرگ کی درگاہ پر حاضری دے کر سچے دل سے دُعا مانگو تو وہ پردے میری نگاہوں کے سامنے سے ضرور سرک جائیں گے جنہوں نے چندرا اور میرے بیچ ایک عارضی دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔“

”آخر وہ کون سی قوت ہے جو تمہارے آڑے آرہی ہے......؟“ میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

”وہ کوئی غیر معمولی طاقت ہی ہو سکتی ہے جسے دُرگا اور کالی کی حمایت حاصل ہوگی۔“ اُس نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں نے اُس پراسرار قوت کے بارے میں جاننے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ یہ سارے پنڈت پجاری اور سادھو، میرے

مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ منڈل کھینچ کر اس کے اندر بیٹھ جائیں تو اور بات ہے۔ انہیں کسی معاملے میں دیوی کی حمایت حاصل ہو جائے تو بھی میں مجبور ہو جاتی ہوں......اور میری شکتی کون چھین سکتا ہے؟“

”تم نے کسی پنڈت یا پجاری کا ذکر کیا تھا جو تمہیں قابو کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“ میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔ ”اُس کا جاپ پورا ہونے میں کتنا وقت باقی رہ گیا ہے؟“

”اس کی فکر مت کرو۔ ابھی خاصا وقت باقی ہے۔ میں اُسے آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دُوں گی۔“ انکارانی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ”پریتم لال مہاراج نے جہاں مجھے دوسری شکتیاں دان کی تھیں، وہاں ایک شکتی ایسی بھی دی ہے جو منڈل کے اندر بیٹھے ہوئے پجاری کی عقل بھی خبط کر سکتی ہے۔ ایک منٹ کے لئے وہ منڈل سے نکلا تو اُسے دوبارہ اندر جانے کا موقع نہیں دُوں گی۔“

”تم......تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کر رہی ہو......؟“

”ان باتوں میں سمے مت برباد کرو جمیل، میری مانو تو اسی وقت بزرگ کے مزار پر حاضری دے لو۔ ہو سکتا ہے جو میں نے سوچا ہو، وہی سچ ہو۔“

”تم نے کیا سوچا ہے......؟“

”ابھی نہیں...... پہلے تم حاضری دے لو، پھر بتاؤں گی۔“

میں نے انکارانی کی بات مان لی۔ وہ نہ کہتی تو بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ میں گلبرگہ تک آتا اور حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر حاضری نہ دیتا۔ میں نے اسی وقت جا کر مزار پر حاضری دی، بڑی دیر تک روتا رہا، اپنی کوتاہیوں پر خدا سے معافی مانگتا رہا۔ میں نے براہِ راست خواجہ سے کچھ نہیں مانگا۔ فاتحہ پڑھ کر خدا کے آگے ہاتھ پھیلا کر یہی دُعا کرتا رہا کہ وہ میری مشکلات آسان کر دے، میری مرادیں پوری ہوں اور میرا قدم صحیح منزل تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر لے۔ میں فاتحہ پڑھ کر مزار سے باہر آیا تو سیّد ایک گولر کے درخت سے ٹیک لگائے کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو وہ دانت نکال کر بولا۔

”بھک منگے...... جب کہیں اور سایہ نہیں ملتا تو دوڑا دوڑا یہاں چلا آتا ہے...... بھر لی جھولی؟ پھر گرد جھاڑ کر جانے کی حماقت کر بیٹھا......؟“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، حسرت بھری نظروں سے اُسے گھورتا رہا۔ انکارانی اس

وقت میرے سر پر نہیں تھی۔ پھر بھی شاید سیّد کی نظروں نے اُس کی واپسی کا احوال جان لیا تھا۔ مسکرا کر بولا۔

''پھر آ گئی وہ کتو گلہری...... دوسروں کی آنکھوں میں دُھول جھونک آئی...... سب گڑ چوتھ کر دیا...... تین پہیوں کی سائیکل کب تک گھسیٹتا رہے گا؟...... ٹکڑ گدے...... اپنی جھونپڑی ڈال لے...... گھٹنے توڑ مروڑ کر بیٹھ جا...... آنکھوں سے پیپ اور خون بہانا بند کر دے...... چڈھی اُتار کر پھینک دے...... کان تھام کر مرغا بن جا...... پیٹھ پر سل بٹا رکھ لے۔''

میں بدستور خاموش رہا، میری نظریں اُسی پر جمی رہیں۔

''انکھیاں لڑا رہا ہے...... بجر بٹو......''

میں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ سیّد کی نگاہیں چمکنے لگیں۔ نہ جانے میری خاموشی سے اُس نے کیا اندازہ لگایا ہوگا۔ میں کچھ دُور آگے نکل گیا تو اُس کی آواز پھر سنائی دی۔

''ناک کی سیدھ میں چلا جا...... پلٹ کر مت دیکھنا...... گرگٹ......''

میری قوتِ برداشت جواب دے گئی، میں نے نظریں گھما کر دیکھا، وہ دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے رفتار تیز کر دی۔ انکارانی دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی نگاہیں چمک رہی تھیں۔

''کیا خوشخبری مل گئی؟......'' میں نے پوچھا۔ بڑی پُر اُمید نظر آ رہی ہو......''

''جمیل......'' اُس نے کہا۔ ''تمہاری دُعا قبول ہو گئی۔ حضرت کی نظرِ التفات نے میری نظروں کے سامنے سے دُھند کی دبیز چادر سرکا دی۔ میں نے کہا تھا نا کہ چندرا زیادہ دنوں میری آنکھوں سے دُور نہیں رہ سکے گا۔''

''کیا مطلب......؟'' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ انکارانی کے جملے کا مفہوم میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ میں تفصیل معلوم کرنا چاہتا تھا۔

''میں اُسے دیکھ رہی ہوں جمیل......'' اُس نے پُر جوش لہجے میں جواب دیا۔ ''میں کسی اور کی نہیں، چندرا کی بات کر رہی ہوں۔ وہ بنگلور کے نواحی علاقے میں ایک اُجاڑ مندر میں چھپا بیٹھا جاپ کر رہا ہے۔ اس کے چاروں طرف منڈل کی ریکھائیں بھی نظر آ رہی ہیں۔ اسی منڈل کے چکر نے میرے سامنے تاریکی پھیلا رکھی تھی۔ بزرگ کی دُعا نے اُس کا بھرم توڑ دیا۔''

''چندرا اکیلا ہے؟...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''اُس کے ساتھ نول کشور کے گرگے بھی ضرور ہوں گے، آس پاس کہیں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

''مجھے بھی حیرت ہے...... ہوسکتا ہے دُرگا اور کالی نے اُسے اپنی شرن میں لے رکھا ہو۔ وہ امرلال کا سپوت ہے، امرلال کالی کا سب سے مہان سیوک تھا۔ دیوی نے چندرا کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہوگا۔''

''اور کچھ......؟''

''میں پہلی بار چندرا کو دیکھ رہی ہوں۔'' انکارانی کی نظریں خلاء میں بھٹک رہی تھیں۔ بڑا گبرو اور سندر جوان ہے۔ اس کے انگ انگ سے خون کی سرخی پھوٹ رہی ہے۔ اس کے شریر پر بھبھوت کی سیاہی نے اس کی سندرتا کو اور نکھار دیا ہے۔ اس کی شکل امرلال سے ملتی جلتی ہے۔ میں نے اتنا سجیلا کٹیلا اور سندر جوان پہلے نہیں دیکھا۔ ابھی تو اس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے، یہ مورکھ دھرم کرم کی آگ میں کیسے کود پڑا......؟''

''میرے دشمن کی شان میں قصیدے پڑھ رہی ہو......؟'' میں نے تنک کر کہا۔

''ایسا مت سوچو جمیل......'' اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔ ''میری باتوں کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو...... سادھنا یاد ہے کہ نہیں......؟ اُسی کی طرح چندرا کے گال بھی گدرائے گدرائے نظر آ رہے ہیں۔ اُس کی رگوں میں دوڑتا ہوا گاڑھا خون بھی بالکل ویسا ہی ہوگا جیسا سادھنا کا تھا، ''گرم اور نمکین'' وہ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اُس کی نگاہوں میں پیاس کی شدت اُبھرنے لگی۔ ''چندرا کے خون میں بھی تاڑی جیسا سوندھا سوندھا نشہ ضرور ہوگا...... تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا......؟''

''ہاں جانِ جمیل......'' میں نے پُر جوش انداز میں جواب دیا۔ ''میں تمہارا مقصد سمجھ گیا۔ تم اپنی خواہش کا اظہار نہ کرتیں تب بھی شاید چندرا کی بھرپور جوانی اور اس کے جسم میں دوڑتے ہوئے خون کا رنگ دیکھ کر میں اُسے مارنے کے بعد تمہارے حوالے کر دیتا۔ فکر مت کرو، یہ دعوت میری طرف سے ہوگی......''

انکارانی میرا جواب سن کر خوشی سے تھرکنے لگی۔ میں تیز تیز قدم اُٹھاتا رکن الدین کی حویلی پہنچا۔ میں نے اُسے بتایا کہ مجھے ایک فوری کام سے بنگلور جانا پڑ رہا ہے، کوشش کروں گا کہ جلدی لوٹ آؤں...... واپسی محض ایک بہانہ تھی، دل کا بہلاوا تھا۔ انسان گھر

سے نکلتے وقت بھی واپسی کا یقین رکھتا ہے، راستے میں کوئی سانحہ، کوئی حادثہ پیش آ جائے تو زندگی کا ڈراپ سین ہو جاتا ہے، کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ میری زندگی کا تو ہر لمحہ غیر یقینی تھا۔ کبھی کبھی انسان کو مصلحتاً بھی دروغ گوئی کرنی پڑتی ہے۔ میں جھوٹ نہ بولتا تو رکن الدین کے علاوہ زرافشاں، درخشاں اور طلعت بھی مجھے جانے کی اجازت نہ دیتیں۔ پاؤں کی بیڑیاں بن جاتیں......!

اُسی روز میں رات کے کھانے کے بعد بنگلور کے لئے روانہ ہو گیا......!!

گاڑی بنگلور کی سمت بھاگ رہی تھی۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے میں میرے علاوہ ایک ریز بھی سفر کر رہا تھا۔ انکارانی اپنی نیند پوری کرنے کی خاطر میرے بالوں کے بیچ آڑی چھی بکھری پڑی تھی۔ اُس کے خراٹے بتا رہے تھے کہ وہ گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے۔ میرا ہن گاڑی کی رفتار سے کہیں زیادہ برق رفتاری سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ انکا نے کہا ا کہ چندرا، بنگلور کے ایک نواحی علاقے میں کسی غیر آباد مندر میں بیٹھا جاپ کر رہا ہے۔ بات میرے حلق کے نیچے نہیں اُتر رہی تھی۔

نول کشور نے چندرا کو ساتھ ملایا تھا تو اس میں کوئی مصلحت بھی ضرور ہو گی۔ وہ امر لال کا اکلوتا لڑکا تھا۔ امر لال کو کالی کی خوشنودی حاصل تھی، اُس کے سیوکوں کی تعداد لاکھوں ں نہیں تو ہزاروں میں ضرور رہی ہو گی۔ امر لال کے مرنے کے بعد اُس کے سیوکوں نے پنا رُخ چندرا کی طرف موڑ دیا ہو گا۔ کالی کی شبھ کامنائیں بھی چندرا کو حاصل ہوں گی۔ چندرا، نول کشور کے لئے یقیناً بڑی اہمیت کا حامل ہو گا، اسی لئے میرے ہردوار پہنچنے سے پہلے نول کشور نے اُس کو بنگلور بھیج دیا...... مگر وہ میرے لئے دو محاذ کھولنے کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہو گیا اور اب بقول انکارانی کے چندرا نے پھر کوئی جاپ شروع کر دیا تھا۔ وہ مندر میں ضرور تنہا ہو گا۔ منڈل میں ایک وقت میں صرف ایک پنڈت یا پجاری اپنے ادوں کی تکمیل کی مدت پوری کرتا ہے۔ ممکن ہے وندھیا چل کی پہاڑیوں میں اُس کا جاپ ادھورا رہ گیا ہو؟ وہ اُسی کی تکمیل کر رہا ہو؟ میرے خلاف خم ٹھونک کر سامنے آنے سے پیشتر کچھ نئی قوتوں کا حصول اُس نے ضروری سمجھا ہو؟ اور بھی کچھ مصلحتیں اُس کے پیش نظر رہی ہوں گی۔ لیکن وہ تنہا ہو گا؟ میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ میں نے ذہن پر زیادہ زور نہیں دیا۔ میرا مقصد صرف چندرا کو ٹھکانے لگانا تھا، اُسے باور کرانا تھا کہ اُس نے جمیل محمد خاں کے مقابلے میں آ کر دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ چندرا کی موت کے بعد پنڈت

پجاریوں کا زور ٹوٹ جاتا، پنڈت نول کشور کے بعد چندرا کی موت کی خبر اُن کے لئے نیک شگون نہیں ہوسکتی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ وہ میرا خیال اپنے ذہنوں سے جھٹک دیتے؟ اس راستے سے کترا کر گزرتے جہاں میرے قدموں کے نشان موجود ہوتے، ان کو ماضی کے واقعات کا بھی تھوڑا بہت علم ضرور ہوگا۔ کیسے کیسے جغادری پنڈت اور پجاری مجھے تہس نہس کرنے کی خواہش لے کر میدان میں کودے تھے، اُن کا انجام کیا ہوا......؟ پولیس نے متعدد بار مجھے گھیرنے کی کوشش کی، عدالتوں نے اپنا قیمتی وقت برباد کیا، نتیجہ کیا برآمد ہوا؟...... ڈھاک کے تین پات!

کئی اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ پھر اننت پور کے اسٹیشن سے دو آدمی اور ڈبے میں سوار ہوگئے۔ اُن کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ممکن ہے ایک دو اسٹیشن دُور جانا رہا ہو۔ شکل و صورت سے وہ اچھے کردار کے مالک نظر نہیں آرہے تھے۔ مجھے اُن کے ساتھ کوئی رشتہ بھی نہیں قائم کرنا تھا۔ میں نے اُن کی طرف پشت کرلی۔ پھر چندرا کے بارے میں غور کرنے لگا۔ انکارانی نے کسمسانا شروع کیا۔ دو چار طویل انگڑائیاں لینے کے بعد اُٹھ بیٹھی۔ جماہی لے کر بولی۔

''تم بھی کچھ دیر کمر سیدھی کرلو، بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ گے۔''

''اب ایک ہی بار سکون سے آرام کروں گا۔'' میرے لہجے میں اُلجھن شامل تھی۔

''تم کیا سوچ رہے ہو......؟'' اُس نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''چندرا کے بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔ جب بڑے بڑے قد آور بت ڈھے گئے تو چندرا کس کھیت کی مولی ہے؟ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔''

''بات صرف چندرا کی نہیں ہے۔'' میں پہلو بدل کر بولا۔ ''میں اس روز روز کی اٹھا پٹخ سے تنگ آگیا ہوں۔ تم روزِ اوّل سے میرے ساتھ ہو، میری زندگی کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو۔ بات پنڈت تربینی سے شروع ہوئی تھی، وہ تمہیں مجھ سے چھیننے کی کوششوں میں مصروف تھا، میں تمہارے کہنے پر بھگوان پرشاد سے ملا۔ کیا کیا جتن کئے لیکن وہ کامیاب ہوگیا۔ تم میرا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہوگئیں۔ پھر تم نے......''

''ان باتوں کو بھول جاؤ جمیل۔'' وہ کسمسانے لگی۔ ''میں تم سے کئی بار ندامت کا اظہار کرچکی ہوں۔''

''میں ندامت کی نہیں، طاقت کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تربینی کے بعد بھی تمہارے آنے جانے کا سلسلہ لگا رہا۔ شیو چرن سامنے آگیا۔ پھر میرے سب سے بڑے دشمن بدری نرائن نے درمیان میں آکر میرے اور ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کے درمیان فساد کا جو بیج بویا اس کی فصلیں میں آج تک کاٹتا چلا آرہا ہوں۔ چندرا کے بعد کوئی نیا حرامزادہ اُٹھ کھڑا ہوگا...... جو پنڈت تمہارے لئے جاپ کر رہا ہے، وہ کامیاب ہوگیا تو میرے دشمنوں کی صف میں تم بھی شامل ہوجاؤ گی۔ کہانی میں جوڑ لگتے چلے جائیں گے، میں کب تک مقابلہ کرتا رہوں گا......؟''

''اتنی مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل......'' اُس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتی ہوں کہ اب تمہاری قوت بھی مجھ سے کم نہیں ہے۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ میں جانتی ہوں۔ مجبوریاں لاحق نہ ہوتیں تو تمہیں سب کچھ بتا دیتی۔ صرف اتنا جان لو کہ تمہاری منزل قریب آرہی ہے۔ تمہیں ایک ٹھکانا مل جائے گا۔ ہوسکتا ہے تم مجھ سے بھی نگاہیں پھیر لو......''

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟'' میں بے چین ہوگیا۔ ''مجھے بتاؤ انکارانی کہ تمہاری بات کا مقصد کیا ہے؟ بات اب میرے اور تمہارے درمیان طاقت کے توازن کی نہیں رہی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بن چکے ہیں۔ میں تم سے نظریں پھرا لوں...... یہ کیسے ممکن ہے؟''

''جمیل......'' وہ آبدیدہ ہوگئی۔ ''میں بھی تم سے دُور نہیں رہ سکتی۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی، تم بدل جاؤ، نگاہیں پھیر لو تب بھی میں تم سے جدائی کا تصور نہیں کرسکوں گی۔''

''اور وہ...... جو منڈل میں بیٹھا تمہیں مجھ سے چھین لینے کے سپنے دیکھ رہا ہے......''

''وہ کامیاب نہیں ہوگا...... میری بات پر اعتماد کرو۔ اب کوئی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا۔'' اُس کے لہجے میں یقین تھا۔

''تم...... تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ کوئی کامیاب نہیں ہوگا؟ کیا وہ تمہارا خیال دل سے نکال دیں گے......؟''

''وقت کا انتظار کرو، سب کچھ جان جاؤ گے......''

انکارانی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آسکیں۔ چند روز پیشتر وہ ڈھلمل یقین تھی، آج اُس کے لب و لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔ میں اُسے کریدنا چاہتا تھا جب وہ اچانک اُٹھ کر

کھڑی ہوگئی۔ اُس کی نظروں کے تعاقب میں میری نظریں بھی اُن دو مسافروں کی جانب اُٹھ گئیں جو سفید فام غیر ملکی کو لوٹنے میں مصروف تھے۔ ایک نے پستول تان رکھا تھا، دوسرا شخص غیر ملکی کی جیبیں صاف کرنے کے بعد اُس کے سامان کی تلاشی لینے میں مصروف تھا۔ سفید فام غیر ملکی کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ اُس کی سہمی سہمی نگاہیں بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھیں۔

"دیکھ رہے ہو جمیل......" انکا رانی نے زہر خند سے کہا۔ "ہندوستان میں اب وہ بھی محفوظ نہیں رہے جو کبھی حکومت کر چکے ہیں۔ اسی بھارت کے بڑے بڑے سورما، راجہ مہاراجہ اور نوابین اپنے انگریز آقاؤں کی پیشانی کے بل دیکھ کر زبان کھولنے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ اب اٹھائی گیرے اور چوراچکے بھی ان کی جیبیں ٹٹولنے لگے ہیں۔ وقت اور حالات بڑے ظالم ہوتے ہیں، کسی ایک کے اختیار میں نہیں رہتے، موسموں کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی روشنی اندھیرے کو نگل جاتی ہے، اب اندھیرے روشنی پر کمند پھینکنے لگے ہیں......"

انکا بڑے فلسفیانہ انداز میں بدلتے حالات کا تجزیہ پیش کر رہی تھی۔ میں جواب میں کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ پستول والا جواں مرد مجھ پر غرانے لگا۔

"تمہاری نظر اب ادھر اُٹھ ہی گئی ہے تو خاموشی سے بیٹھے تماشہ دیکھتے رہنا۔ ہم بلاوجہ کسی کے خون سے ہاتھ سرخ نہیں کرتے۔ بہتر ہوگا کہ پھر اپنا رُخ تبدیل کر کے انجان بن جاؤ۔ ہم اس سفید مرغے کو کنگال کر اگلے اسٹیشن پر اُتر جائیں گے۔"

"تم اپنی جیبیں بھر لو گے لیکن تمہاری ان حرکتوں سے تمہارے دیس کی شہرت کو بڑا شدید دھچکا پہنچے گا۔" میں نے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ "انگریز کی سیاست کو آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا، وہ اپنے تدبر اور ٹھنڈی پالیسی کی آڑ لے کر اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ تمہارا بھارت بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاست نہیں سمجھ سکا تھا، اُس وقت آنکھیں کھلیں جب پانی سر سے اُونچا ہو گیا......"

"ہمیں تاریخ اور جغرافیہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اُس کے تیور خطرناک ہو گئے۔ "اپنی چونچ بند رکھو، اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"بڑی حیرت کی بات ہے......؟" مجھے ہنسی آ گئی۔ "تم کام چوروں والا کر رہے ہو اور

زبان پنڈت پجاریوں کی استعمال کر رہے ہو......"

"تم چپ نہیں رہو گے......؟" اُس نے بڑی سفاکی سے پوچھا۔

"زندگی کی خیر مناؤ مہاشے......" اُس کے دوسرے ساتھی نے دھمکی دی۔ "زیادہ ہیرو بننے کی کوشش کی تو مار کر چلتی گاڑی سے باہر پھینک دیں گے۔ سمجھ رہے ہو ہماری آسان بھاشا یا تم سے بارود کی زبان میں بات کریں؟"

"پلیز ہیلپ می (PLEASE HELP ME)" سفید فام غیر ملکی نے پہلی بار مُردہ آواز میں بولنے کی جسارت کی۔

"ڈونٹ وری (DON'T WORRY)" میں نے سنجیدگی سے اُسے دلاسہ دیا۔

"گٹ پٹ کرنے سے باز نہیں آؤ گے؟" دوسرے شخص نے بھی پستول نکال لیا۔ انکا رانی بڑی تیزی سے میرے سر سے رینگ گئی۔

"ایک شرط ہوگی۔" میں نے تھوڑے توقف سے ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم جس کو لوٹ رہے ہو اس پر میری نظر پہلے سے تھی۔ سودا ففٹی ففٹی میں طے ہو سکتا ہے۔ کیا خیال ہے......؟"

"اپنی کھال میں رہنے کی کوشش کرو۔" پہلا ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ "ڈاکوؤں کے ڈیروں میں نقب لگانے کی بات وہی کرتے ہیں، زندگی سے جن کا دل بھر چکا ہوتا ہے......"

"یہ لاٹھی دیکھ رہے ہو......؟" میں نے سیّد کی لاٹھی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ تھری ناٹ تھری سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے نشانہ لینے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ وقت پڑنے پر یہ بلٹ پروف کا کام بھی انجام دیتی ہے۔ تمہیں یقین نہیں آتا تو باری باری دو چار فائر کر کے بھی اپنا اطمینان کر لو۔ مگر اس صورت میں میرا حصہ پچاس سے بڑھ کر پچھتّر فیصد ہو جائے گا۔"

میں نے انکا رانی کے سر سے اُترتے ہی حصار باندھ لیا تھا۔ وہ ایک وقت میں دونوں کو کنٹرول نہیں کر سکتی تھی۔ انگریز مسافر کی وحشت دیدنی تھی۔ اُسے مال کی نہیں جان کی فکر زیادہ تھی۔

"میں تمہاری بکواس پر قہقہہ لگاؤں یا تمہاری لاش پر بیٹھ کر آنسو بہانے کی تیاری کروں۔" پہلے نے اپنا جملہ مکمل کر کے جست لگائی۔ اُچھل کر میرے قریب آ گیا۔ میں

نے بیٹھے ہی بیٹھے پیر سے لاٹھی سرکا دی۔ وہ جوتوں سمیت میری آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا، لاٹھی کی طرف سے بے خبر تھا۔ لاٹھی اُس کے جسم سے مس ہوئی تو یوں لگا جیسے اُس کے جسم میں آٹھ سو اسّی پاور کا کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ وہ فٹ بال کی طرح اُچھل کر دُور جا گرا۔ اُس کا جسم جل کر کوئلہ ہو گیا۔ سفید فام غیر ملکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مرنے والے کا دوسرا ساتھی بھی حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا۔ اُس کے پستول کا رُخ میری ہی طرف تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ لبلبی دبانے کے ارادے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ساتھی کے ناقابلِ یقین انجام پر بھی غور کر رہا تھا۔ میں نے اُسے گھور کر کہا۔

''اب بھی بات تیری سمجھ میں نہیں آئی؟'' میرا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ ''پستول جیب میں رکھ لے، جو مر گیا اسے اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے۔ اپنی جیبیں جھاڑ کر خود بھی میری نظروں سے دُور ہو جا...... سن رہا ہے میری بات......؟''

سفید فام غیر ملکی کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ دوسرے شخص نے میرے حکم کی تعمیل میں سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے اپنے مُردہ ساتھی کی اکڑی ہوئی، سرد اور سیاہ لاش کو اُٹھا کر کھڑکی سے باہر اُچھال دیا۔ اپنی جیبیں جھاڑ کر غیر ملکی کے قدموں میں سارا مال ڈال دیا پھر...... خود بھی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ سفید فام غیر ملکی کچھ دیر سکتے کی کیفیت سے دوچار رہا، پھر تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

''یو آر گریٹ...... گریٹ میجیشن (MAGICIAN) بہت بڑا جادوگر معلوم ہوتا...... ہم پہلا کبھی نائی دیکھا...... گریٹ...... گریٹ...... ہوربل (HORRIBLE)''

''چپ ہو جا سفید بندر......'' میں نے ناخوشگوار لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ ''میرا راستہ کھوٹا مت کر، جو کچھ دیکھا اسے اپنی کھوپڑی سے نکال دے۔ اگلے اسٹیشن پر تو بھی دفعان ہو جا...... کوئی دوسری گاڑی پکڑ لینا۔''

میں جانتا تھا کہ انکا رانی اب اُسی کے سر پر براجمان ہو گی۔ پندرہ منٹ بعد گاڑی کی رفتار مدھم ہونی شروع ہوئی۔ وہ جلدی جلدی اپنا بکھرا ہوا سامان سمیٹنے لگا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر رُکی تو خاموشی سے دروازہ کھول کر اُتر گیا۔ انکا پھر میرے سر پر آ گئی، مسکرا کر بولی۔

''جانتے ہو جمیل، وہ انگریز کیا سوچ رہا تھا؟ وہ تمہاری تصویریں کھینچنے کا خواہشمند تھا۔ تمہاری حیرت انگیز ماورائی قوتوں کے بارے میں لمبی چوڑی کہانی بنا کر بیرونی اخبارات میں شائع کرانے پر غور کر رہا تھا۔ تم نہ کہتے تب بھی اُتر جاتا۔ وہ مرنے والے کی کوئلہ بنی لاش کی تصویر بھی حاصل کرنا چاہتا تھا، تمہاری کہانی تصویروں کے ساتھ چھپتی تو تہلکہ مچ جاتا۔ لیکن اب ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اس کے ذہن سے سارے واقعات کھرچ کر نکال دیئے ہیں۔''

میں نے موضوع بدل کر پھر چندرا کی بات شروع کر دی۔

''ایک بار پھر اُس کے آس پاس منڈلا کر دیکھو...... وہ تنہا ہو گا، میرا دل اس بات کو قبول نہیں کر رہا......''

''جلدی کیا ہے......؟'' اُس نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ ''پنڈت نول کشور کے ساتھ ننگ دھڑنگ پنڈت پجاریوں کی پوری فوج تھی۔ بارود کا بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا اُس نے۔ نتیجہ کیا برآمد ہوا؟ سارا دُھوم دھڑکا 'ٹھس' ہو کر رہ گیا۔ کالی کی مورت بھی دیکھتی رہ گئی۔''

''بنگلور آنے میں اور کتنی دیر باقی ہے......؟'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔

''خود کو ٹھنڈا رکھو...... جذبات میں کام بگڑ جاتے ہیں۔ بنگلور زیادہ دُور نہیں رہ گیا۔'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ہم ٹرین سے اُتر کر کسی عالیشان ہوٹل کا رُخ کریں گے۔ تم نہا دھو کر تازہ دم ہو لینا، کچھ دیر آرام کر لینا پھر سواری پکڑ کر ہم اس بستی کی طرف چل پڑیں گے جہاں چندرا ویران اور اُجاڑ مندر میں بیٹھا کسی دیوی کی حمایت حاصل کرنے کے لئے جاپ میں مگن ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے اختیار میں ہوتا تو اُڑ کر چندرا کے سر پر پہنچ جاتا، اُسے منڈل سے باہر نکال کر ایسی عبرتناک موت مارتا کہ امر لال کی آتما بھی بلبلا اُٹھتی۔ اُس کی موت کی خبر ہردوار بھی ضرور پہنچتی۔ نول کشور کی باقیات کی دھوتیاں ڈھیلی پڑ جاتیں۔ تلے اوپر ہونے والے دو جھٹکے ان سبزی خوروں کو ہلاک کر کر رکھ دیتے۔ وہ جلدی سر اُٹھانے کی ہمت کبھی نہ کرتے۔ پولیس کے اعلیٰ افسران اور حکومت کے سربرآوردہ لوگ بھی چکرا جاتے۔ ممکن تھا وہ میرے بارے میں ساری فائلیں بند کر کے ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کر لیتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ''دیکھتے ہی گولی مار دو'' کا نادر شاہی حکم جاری کر دیتے، اُنہیں

بھی بار بار خفت اُٹھانی پڑتی۔ مجھے بھی پولیس کی چیرہ دستیوں سے چھٹکارا مل جاتا، طویل عدالتی چکروں سے نجات مل جاتی......!

''بنگلور میں تمہارے دیکھنے کی اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں۔'' انکارانی اپنی سناتی رہی۔ ''ٹیپو سلطان کے محل کے کھنڈرات دیکھنے کے لئے غیر ملکی سیاح دُور دُور سے آتے ہیں۔ میسور اور جنوبی ہند کا تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں خاصی گھما گھمی رہتی ہے۔ یہاں بھی دنیا کے تمام خطوں کی طرح انسانی جسموں کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ مدراسی لڑکیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ان کے گٹھے ہوئے جسم اور چلنے پھرنے کا انداز منفرد ہوتا ہے۔ دُور سے پہچانی جاتی ہیں......''

''تمہیں اس وقت ٹیپو سلطان کیسے یاد آگیا......؟'' میں نے یونہی پوچھ لیا۔

''اُس پر بھی ٹیپو مستان شاہؒ نامی ایک فقیر مہربان ہو گیا تھا، اُسی کی نسبت سے وہ ٹیپو سلطان بن گیا۔ پہلے صرف فتح علی کے نام سے جانا جاتا تھا۔'' اُس نے وضاحت کی۔ ''تم بھی خوش نصیب ہو جو سیّد مجذوب جیسا قلندر تم پر مہربان ہو گیا...... وہ بڑی ہمہ گیر صفتوں کا مالک ہے۔ میں بھی اُس کی گہرائیوں کو نہیں پا سکی۔ اُس کا دامن تھامے رہنا، چھوڑ مت دینا۔ اُس کی نظر چٹانوں کو بھی مسمار کرنے کی قوت رکھتی ہے۔ وہ جن بلندیوں پر پرواز کرتا ہے وہاں پرندوں کے پر بھی جل جاتے ہیں۔''

انکارانی مجھ سے باتیں کرتی رہی، وقت بڑی آسانی سے گزر گیا۔

بنگلور کے اسٹیشن پر میں گاڑی سے باہر آیا تو میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ انکارانی مجھے شاندار ہوٹل میں لے جانے پر بضد تھی۔ میں نے انکار کر دیا۔ اُسے میری ضد کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ پلیٹ فارم سے باہر آکر میں نے ٹیکسی پکڑی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ انکارانی، ڈرائیور کے سر پر چلی گئی۔

شہر سے نواحی بستی کا سفر تھکا دینے والا تھا۔ دو گھنٹے بیت گئے، میں بار بار پہلو بدلتا رہا۔ چندرا میرے ذہن میں کسی کیچوے کی طرح کلبلا رہا تھا۔ وہ میری کلدیپ کے قاتل کا اکلوتا بیٹا تھا۔ سب کہتے تھے کہ امرلال کی طرح اُسے بھی کالی کا آشیرواد حاصل ہے۔ کالی نے امرلال کے مقابلے میں کلدیپ کی بھینٹ قبول کر لی۔ امرلال کتے کی موت مارا گیا۔ اور اب اسی کتے کے پلّے کی باری تھی۔ میں تمام راستے اُس کے بارے میں سوچتا رہا۔

ٹیکسی نواحی آبادی کی ایک نیم پختہ روڈ پر پہنچ کر رُکی۔ میں نیچے اُترا۔ مجھے یقین تھا کہ انکارانی کی موجودگی میں کسی غلطی کا امکان نہیں تھا۔ کہیں آس پاس وہ مندر بھی موجود ہو گا جہاں چندرا خود کو بڑا محفوظ سمجھ رہا ہو گا۔ اس بات سے بے خبر ہو گا کہ موت دبے قدموں اس کے قریب پہنچنے والی ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور خاموشی سے گاڑی واپس موڑ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد انکارانی میرے سر پر آگئی۔ اُس نے مجھے بائیں جانب کچے میدانی علاقے کی طرف چلنے کو کہا۔ داہنے ہاتھ پر چھدرے چھدرے مکانات نظر آرہے تھے۔ وہاں غریب طبقہ آباد تھا جو محنت مزدوری کر کے روزی کماتا تھا۔

میدانی علاقے کو عبور کرنے کے بعد میں اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں میرا دشمن دیوی کی حمایت حاصل کرنے کی خاطر جاپ میں مگن تھا۔ سو گز کے فاصلے پر وہ مندر بھی نظر آرہا تھا جو انکارانی کے بیان کے عین مطابق دُور ہی سے ویران اور اُجڑا اُجڑا نظر آرہا تھا۔ میرے بائیں ہاتھ پر ایک باغ تھا جہاں گھنے پھل دار درخت قطار اندر قطار دُور تک پھیلے نظر آرہے تھے۔ دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا تالاب تھا جہاں کچھ جانور اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔

''جمیل......'' انکارانی نے مندر کی سمت اشارہ کیا۔ ''چندرا اسی مندر میں بیٹھا جاپ کر رہا ہے۔ تمہارے کہنے پر میں نے چاروں طرف نظر دوڑالی ہے، آس پاس کوئی پنڈت پجاری موجود نہیں ہے۔''

''گویا چندرا کی موت بڑی کسمپرسی کے عالم میں ہو گی۔ اُس کی لاش کو مرگھٹ تک پہنچانے والا بھی کوئی نہیں ہو گا۔'' میں نے حقارت سے کہا۔ ''اچھا ہے۔ کسی جنگلی جانور کا بھلا ہو جائے گا۔ صرف ہڈیوں کا پنجر باقی رہ جائے گا، اُسے بھی کتے گھسیٹ لے جائیں گے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

میں نے مندر کی جانب قدم اُٹھانے شروع کر دیئے۔ جوں جوں فاصلہ گھٹتا گیا، میرے اندر طوفان کی شدت زور پکڑتی رہی۔ مجھے حیرت تھی کہ نول کشور نے چندرا کو تنہا رہنے کی اجازت کس طرح دے دی؟ اُسے میری وجہ سے پہاڑیوں سے نیچے آنے کی دعوت دی گئی تھی، پھر ہردوار سے کیوں بھیج دیا گیا؟ کیا مصلحت تھی؟ کیا راز تھا؟ کیا نول کشور کو دیوی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس کی موت سر پر کھیل رہی ہے؟ وہ اپنے اعتماد کا شکار ہو کر بے بسی کی موت مرنے والا ہے؟ وہ کالی کے مندر کا بڑا پروہت تھا۔ کالی اور اُس کے درمیان اتنے راز

ونیاز تو ہونے چاہئے تھے کہ وہ اُسے موت کی خبر کر دیتی۔ شاید اُس کی زندگی کے گنے چنے لمحوں میں دس بیس منٹ کا اور اضافہ ہو جاتا۔ وہ اپنی ہی موت سے بے خبر تھا تو چندرا کو اُس کے انجام کی خبر کیسے دے سکتا تھا؟ پتھر سے سر پھوڑنے کا انجام موت کے دروازے پر پہنچنے کے بعد ہی نظر آتا ہے۔ تب وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ چندرا بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوگا، اُسے اُمید نہیں رہی ہوگی کہ نول کشور اور اُس کے سینکڑوں پنڈت پجاری ایک تنہا میری ذات کے آگے اتنی جلدی بے بس ہو جائیں گے۔ خود نول کشور کو بھی توقع نہیں ہوگی۔ اُس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی، دُور اندیشی سے کام لیتا رہا تھا۔ دیپک درمیان میں نہ آجاتا تو وہ منڈل سے باہر آنے میں جلدی نہ کرتا۔ باہر آنے کے بعد بھی اُس نے مردانگی سے مقابلہ کیا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی جو شیوا درمیان میں آ گیا تھا، نول کشور دھوکے میں مارا گیا..... اب چندرا کی باری تھی۔

میں مندر سے دس گز دُور ہی تھا جب میرے قدم رُک گئے۔ میری نظریں اُس پجارن کے سراپا پر منڈلانے لگیں جو مندر سے باہر نکلی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں چھوٹی سی پیتل کی تھالی تھی جس میں ایک دو برتن اور بھی تھے۔ وہ کسی جنگلی ہرنی کی طرح خوش نظر آ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ گیروے رنگ میں اُس کا خوبصورت وجود اور چمک اُٹھا تھا۔ وہ حسین تھی، جاذب نظر تھی، اُس کے چلنے کا انداز بھی ہرنیوں جیسا تھا، خراماں خراماں کسی ہوا کے معطر جھونکے کی طرح، اُس کا ایک ایک انداز زندگی کی سرمستیوں سے معمور تھا، گھنیری زلفیں دونوں شانوں پر ناگنوں کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ وہ خود بھی کسی ناگن سے کم نہیں تھی، کوڑیالی، لہرا لہرا کر اور بل کھا کر چلنے والی۔ اُس کے سراپا میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ میرا ذہن چندرا کے خیال سے کھنچ کر اُس کے پیکر کے مطالعے میں غرق ہو گیا۔

''اس کا نام بھی اسی کی طرح بڑا سندر ہے..... رُوپ کرن۔'' انکارانی مجھے جنگلی ہرنی کے بارے میں بتانے لگی۔ ''یہ نادان چندرا کو من میں بسا کر اُس کی دیوانی ہو گئی ہے۔ روز اُس کے لئے تھالی میں پھل، دودھ اور میوے پروس کر لاتی ہے۔ تھالی منڈل کے قریب رکھ کر خود دُور بیٹھی نگاہوں نگاہوں میں چندرا کو پوجتی ہے۔ پھر خالی تھالی اُٹھا کر واپس چلی جاتی ہے۔ بہت دنوں سے اس کا یہی معمول ہے۔ ابھی تک چندرا سے اس کی ایک بات

بھی نہیں ہوئی نہ نظریں ٹکرائیں۔ وہ تھالی کو دیوی کا پرشاد سمجھ کر چٹ کر جاتا ہے۔ یہ سمجھتی ہے کہ چندرا نے اسے سویکار کر لیا۔ بڑی نادان ہے۔ اپنی زندگی کو بلاوجہ روگ لگا بیٹھی.....''

میں انکارانی کی باتیں سنتا رہا۔ اُس نے چندرا کی بھرپور جوانی کی جو تعریفیں کی تھیں غلط نہیں ہوں گی۔ اُس کا بیان غلط ہوتا تو رُوپ کرن جیسی الہڑ جوانی اُس کے عشق میں دیوانی نہ ہوتی۔ وہ قریب آ رہی تھی۔ میری نظریں اُس کے نشیب و فراز کے حسن کو داد تحسین دینے میں مصروف تھیں۔ وہ میرے قریب آ کر ایک لمحے کو رُکی، کسی خیال سے اُس نے پلٹ کر اُجڑے مندر کی طرف نظر ڈالی جہاں اُس کا پریتم بیٹھا رام رام جپ رہا تھا۔ پھر کترا کر جانے لگی تو میں نے لپک کر اُس کی کلائی تھام لی۔ وہ ساری جان سے لرز اُٹھی۔ پیتل کی تھالی اور چھوٹے چھوٹے برتن اُس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اُس کی بادامی آنکھیں سہم کر اور دلربا ہو گئیں۔

''کیا کرتے ہو.....؟'' اُس نے گھبرائے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھا۔ میں اُس کے دل کی دھڑکنوں میں ڈوبنے لگا۔ ''میرا ہاتھ چھوڑ دو، تمہاری بڑی کرپا ہوگی.....'' وہ مجسم التجا بن گئی۔ میں اور دیوانہ ہو گیا۔

''مندر میں تیرا کون بیٹھا ہے.....؟'' میں نے تیز آواز میں سوال کیا۔

''مم..... میں نہیں جانتی.....'' اُس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''نہیں جانتی تو وہاں روز روز کیا کرنے جاتی ہے.....؟'' میرے اندر رقابت کا جذبہ کنڈلی مارنے لگا۔

''وہ..... وہ دیوی کے کارن کوئی جاپ کر رہا ہے۔ میں اُسے بھوجن کھلا کر واپس آ جاتی ہوں۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ ''مجھے جانے دو.....''

''تو اُسے نہیں جانتی۔ لیکن من مندر میں چھپا کر اُس کی پوجا کر رہی ہے۔''

''ہاں..... وہ مجھے اچھا لگتا ہے.....'' وہ روانی میں حقیقت بیان کر گئی۔ میرے اندر کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔

''بعد میں اُس نے تیرا ہاتھ تھامنے سے انکار کر دیا تو.....؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔

''بھاگیہ کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟'' وہ اُداس ہو گئی۔ اُس کا حسن سوگوار بھی قیامت تھا۔ نظریں جھکا کر بولی۔ ''ہمارا سنجوگ نہ ہوا تب بھی وہ میرے دل میں دھڑکتا رہے گا۔ وہ

نہ مانے، پر میں نے اُس کے ساتھ بندھن باندھ لیا ہے۔"

"میں اس بندھن کو توڑ دُوں گا۔ اُسے بھی نشٹ کر دُوں گا تو جس کے سپنے دیکھ رہی ہے۔" میں اپنے جنون پر قابو نہ پا سکا۔ میں نے اُس کی کلائی پر گرفت مضبوط کر کے جھٹکا دیا، وہ سنبھل نہ سکی، چکرا کر میری بانہوں کے جال میں پھنس گئی۔ اُس کا قرب بڑا ہیجان انگیز تھا۔ میرے جسم سے سرخ چیونٹیاں لپٹ گئیں۔ میرا مقصد اس مورتی کو اپنے شبستانِ گناہ میں لا کر اُس کی دوشیزگی پامال کرنا ہرگز نہیں تھا۔ لیکن وہ جو ویرانے کی حور تھی، جس کی جوانی کٹھل کا کھٹ مٹھا کویا تھی، جس کی مست نگاہوں میں انگور کی شراب چھلک رہی تھی وہ میرے دشمن کی بانہوں میں کبھی ست کر انکھیلیاں کرنے کی آرزو کرے، مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا۔ میں نے روپ کرن کو گھسیٹ کر ایک طرف لے جانے کی کوشش کی تو انکا رانی نے کہا۔

"اب ایسا مت کرنا جمیل...... اس ہرنی کو آزاد کر دو۔ تم نہیں جانتے، میری بات کا یقین کر لو، اگر تم نے اسے روند ڈالا تو بڑے خسارے میں رہو گے۔ شاید چندرا بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔"

"یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟" میرے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔

"میں تم سے غلط نہیں کہہ رہی ہوں...... روپ کرن کو چھوڑ دو، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

چندرا کا نام آیا تو میں نے روپ کرن کو وحشت بھری نظروں سے دیکھا، مجھے چندرا اور روپ کرن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ انکا رانی کی منطق میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن اُس نے جو کچھ کہا تھا کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا۔ میں نے نفرت سے روپ کرن کو دھکا مار کر ایک سمت گیا۔ میری نگاہیں پھر مندر پر جم گئیں۔

"تم جلد بازی سے کام نہ لینا۔ میں لڑکی کے ذہن سے تمہارا خیال نکال کر واپس آتی ہوں۔" انکا رانی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا مندر کے دروازے پر پہنچ گیا۔

سیّد کی لاٹھی میرے سیدھے ہاتھ میں تھی۔ میرے اندر آتش فشاں سر اُبھار رہا تھا۔ میں نے چندرا کو گھور کر دیکھا، وہ آنکھیں بند کئے کالی کی چاپلوسی میں مگن تھا۔ زمین پر منڈل کا

نان واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ انکا نے چندرا کے حسن کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ اس تعریف سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا، بڑا گبرو جوان تھا۔ اُس کی مسیں بھی پوری رح بھیگنی شروع نہیں ہوئی تھیں، ابھی اُس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ مجھے اُس کی وانی پر ترس آنے لگا۔ وہ میرے دشمنوں کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ اُس کے چہرے کے دوخال امرلال سے ملتے جلتے تھے۔ مجھے چندرا کو دیکھنے کے بعد روپ کرن جیسی حسینہ کی بطرفہ محبت پر تعجب نہیں ہوا۔ وہ یقیناً چاہے جانے کے قابل تھا۔ جس مندر میں چلا جاتا یوداسیاں اُس کے قرب کے جنون میں سر پھوڑنے کی حد سے بھی گزر جاتیں۔ پجارنیں ں کے قدموں میں تڑپ تڑپ کر جان دینے کو کسی اعزاز سے کم نہ سمجھتیں۔ ایک انار سو ہار والی مثال صادق آ جاتی اور......

"سنبھلو جمیل احمد خاں......" میرے دل نے میری سوچ کو سرزنش کی۔ "تم جس کے سامنے کھڑے ہو وہ تمہاری کلدیپ کے قاتل کا بیٹا ہے۔ سانپ کا بچہ سنپولا ہی کہلاتا ہے۔ م اسے دودھ پلانے کی سوچ رہے ہو؟ کیکر کے درخت سے آم کی فصل کی توقع کرنا پاگل نا ہے۔ تم اسے دس بار معاف کرو گے، یہ سو بار تمہیں پلٹ کر ڈسنے کی کوشش کرے گا۔ سیّد ی کراماتی لاٹھی تمہارے پاس ہے، اسے اُٹھاؤ، ایک ہی وار میں اس کا سر کچل دو۔ اس سے یادہ سنہری موقع دوبارہ تمہارے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔"

میں سنبھل گیا۔ میرے اندر پھر آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ میں نے نفرت بھری ظروں سے چندرا کو گھورا۔ موت اُس کے سر پر کھڑی تھی لیکن وہ بے خبری کے عالم سے چار تھا۔ اُس نے جو منڈل کھینچ رکھا تھا اس کی میری نظروں میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں رلال کی موجودگی میں سیّد کی اسی لاٹھی سے بدری نرائن کا حصار بھی توڑ چکا تھا۔ میں لاٹھی ٹما تا، منڈل کی ساری شکتیاں دُم دبا کر بھاگ جاتیں۔ دوسرا وار چندرا کے حسن کی تمام نائیاں ختم کر دیتا۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ میرا دشمن ہونے کے باوجود کم عقل تھا، ران تھا، بچہ تھا، طفلِ مکتب تھا۔ میں تجربے کار تھا، ہندوستان کے بے شمار بڑے بڑے ت پجاری میری وحشتوں کا شکار ہو کر پرلوک سدھار چکے تھے۔ میرے جنون کے آگے نا کے قدم زیادہ دیر نہیں ٹک سکے۔ جمیل احمد خان کے نام سے سب واقف تھے۔ چندرا کو ں جہنم نصیب نول کشور نے بڑی تفصیل سے ایک ایک کہانی سنائی ہوگی، محتاط رہنے کا

مشورہ دیا ہوگا۔ امرلال کے بھیانک اور عبرت انگیز انجام سے بھی ضرور باخبر کیا ہوگا۔ میں اُسے پشت سے وار کر کے ختم کر دیتا تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ جنگ و جدل کے میدان میں حریف موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، وہاں اپنی بہادری کا سکہ جمانے کی خاطر خندقوں سے اُچھل کر باہر آنے کا انجام بڑا بھیانک ہوتا ہے۔ دشمن چھپ کر ایک برسٹ مارتا ہے، جو بھی لپیٹ میں آجائے اُس کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اوپر سے ایک بم ٹپکایا جاتا ہے، ان گنت افراد لقمہ اجل بن جاتے ہیں، سینکڑوں مکان مسمار ہو جاتے ہیں، سیمنٹ، بجری اور گارے قصوروار نہیں ہوتے مگر وہ بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ مسجد، مندر، چرچ اور گردواروں کی ساری تمیز مٹ جاتی ہے۔ جس کا داؤ چل جائے وہ اپنا کام کر گزرنے سے نہیں چوکتا۔ میں بھی چندرا کو اس طرح پشت سے وار کر کے منڈل کے اندر ہی ڈھیر کر سکتا تھا کہ اُس غریب کو میری شکل دیکھنے کی مہلت بھی نہ ملتی، سیدھا دیوی کے چرنوں میں ڈنڈوت کرتا ہوا دنیا سے کوچ کر جاتا۔ میں اُسے مار کر نکل جاتا، اُس کی لاش سے حشرات الارض ہزاروں کی تعداد میں لپٹ جاتے۔ روپ کرن دوبارہ تھالی میں بھوجن پروس کے چٹکتی مٹکتی آتی تو تھالی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتی، اپنے پریتم کا انجام دیکھ کر وہ چیخ اُٹھتی، چکرا کر اُس کی لاش پر اوندھے منہ گرتی، پنڈت پجاریوں کو خبر ملتی تو وہ بھی ''رام رام ستیہ ہے'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے کریا کرم کے لئے اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے۔ کسی کو کان کان خبر نہ ہوتی کہ قاتل کون ہے؟ میرے بارے میں قیاس آرائیاں پھر بھی ہوتیں! میرے لئے چندرا سب سے آسان شکار ہو سکتا تھا، لیکن میں نے اُسے للکارنے کی ٹھان لی۔

''بس کر بالک...... بس کر...... بس کر دے حرام کے تخم۔'' میں نے کرخت لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ ''جاپ چھوڑ کر اپنے آپ کو بچانے کی چنتا کر۔ آنکھ کھول کر دیکھ، تیرے باپ کا باپ تیرے سر پر موت بن کر کھڑا ہے......''

چندرا کی محویت میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ جاپ میں مگن تھا۔ میں نے اُسے دوبارہ آواز دی۔

''دیوی کو پٹانے کا چکر چھوڑ دے مورکھ...... میری لاٹھی گھوم گئی تو سارے جنتر منتر دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔''

اس بار وہ کسمسانے لگا۔ میری بلند آواز اُس کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ اُس کی آنکھیں

ل گئیں۔ اُس نے بڑے سکون سے پلٹ کر مجھے دیکھا، اُس کے گداز ہونٹوں پر تبسم کھیلنے ، آنکھیں یوں چمکنے لگیں جیسے اُس کی دلی مراد پوری ہوگئی ہو۔ اُس کے ہونٹوں کی جنبش تیز ہوگئی۔ میں نے اُس کے تاثرات بھانپ کر سرد آواز میں کہا۔

''کھلی آنکھوں سے دن کے اُجالے میں سپنے دیکھ رہا ہے؟...... مورکھ، دماغ میں جو اس بھرا ہے اسے نکال دے۔ مجھے تیرے جنتر منتر کے ہیر پھیر کر نہیں لائے ہیں۔ میں خود ل کر آیا ہوں۔ اب تو میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گا۔ سن رہا ہے میری بات......؟''

''مجھے پورا وشواس تھا کہ تو اوش آئے گا۔'' اُس نے بدستور فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''دیوی نے جو کہا تھا، وہی ہوا۔ میری بیٹھک بیکار نہیں ہوئی۔ اب میں تجھے جلا کر بھسم کر دوں گا۔ ت اُوپر اُوپر اُڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب پھنس گیا میرے جال میں تو اس کا سواد بھی ے چکھنا ہوگا۔''

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ انگارانی میرے سر پر واپس آگئی۔ ''تم دیر کیوں کر رہے ہو......؟'' اُس نے پوچھا۔ ''یہ اس قدر بے خوف کیوں نظر آرہا ہے......؟''

''اب چپ کیوں ہوگیا پاپی......'' چندرا نے مجھے خاموش دیکھ کر پھر بکواس شروع کر دی۔ ''میں سمجھ رہا ہوں کہ تیرے من میں کیا وچار ڈول رہے ہیں، یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ رے کس بل ابھی نہیں نکلے۔ میں چاہوں تو مٹی کی ایک چٹکی اُٹھا کر تیری طرف پھینکوں، تو ا کر بھسم ہو جائے گا۔ میری سوگند پوری ہو جائے گی۔ پرنتو میں ایسا نہیں کروں گا۔'' اُس ے تیور خطرناک ہونے لگے۔ ''تو مجھے بالک سمجھ رہا ہے؟ تجھے ابھی میری شکتیوں کا اندازہ ں ہے۔''

''یہ کیا بکواس کر رہا ہے جمیل؟'' انگارانی نے حیرت کا اظہار کیا۔

''بڑے کھیل تماشے دکھا چکا، بڑی اُچھل کود کر لی، بہت ناٹک کر چکا۔ اب تیری ایک ا نہیں چلے گی۔'' اُس نے میرا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ ''تیرے بھاگیہ کا سورج ڈوب یا۔ تیری سہائتا کرنے والے اب اس دھرتی پر نہیں رہے، سب کو آکاش پر بلا لیا گیا۔ ب تو بھی یہاں رہ کر کیا کرے گا؟ تو بھی بچھڑے ہوؤں کے پاس چلا جا...... وہاں تجھے وہ رنار بھی مل جائے گی جو تیری بڑی سہائتا کیا کرتی تھی...... میں تیری کلدیپ رانی کی ت کر رہا ہوں۔ دیوی نے اُس کے ہاتھ بھی باندھ دیئے......''

میں چندرا کی زبان سے اپنی کلدیپ کا نام سن کر پاگل ہو گیا۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی منڈل کی سمت پھینکی، کربناک چیخوں کی آوازیں اُبھریں، روشنی کے تیز جھماکے ہوئے...... چندرا جس منڈل کو اپنے لئے ناقابل تسخیر سمجھ رہا تھا، وہ ٹوٹ گیا......

چندرا کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں...... وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔

''اب بول مورکھ...... ملیچھ...... پاپی...... تو مجھے کیا بھاشن دے رہا تھا؟ بڑے دیدے نکال کر باتیں کر رہا تھا۔ راگ راگنیوں میں الاپ رہا تھا۔ اب سٹی گم ہو گئی۔ مجھے اُوپر جانے کی صلاح دے رہا تھا، اب بول، میں تیرے ساتھ کیا کروں؟''

''تم نے چندرا کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔'' وہ خود کو سنبھال کر بولا۔ ''دیوی میری رکھشا کرے گی۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔''

''پھر بڑھنے لگا اوقات سے، پھر شروع کر دیں دیوی اور دیوتاؤں کی باتیں؟'' میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ ''پکی گولیاں کھیلی ہوتیں مورکھ تو جمیل احمد خاں کے مقابلے پر آنے کی بھول کبھی نہ کرتا۔ کیا تیرے پرکھوں نے تجھے تیرے اصلی پتا کا نام نہیں بتایا تھا؟ نول کشور کے بل پر اکڑ رہا تھا، خبر ہے اُس کا کیا ہوا؟ میں اُس کی گردن ناپ کر آ رہا ہوں۔ اُس کے سیوک اب اُس کی چتا کی راکھ بھی سمیٹ چکے ہوں گے۔ اور تو یہاں بیٹھا دیوی کے ساتھ آنکھ مٹکا کر رہا ہے؟''

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جمیل احمد خاں۔'' وہ سینہ تان کر بولا۔ ''میں تمہاری پوری کہانی سن چکا ہوں۔ وہ سندر نار درمیان میں نہ آ جاتی تو......''

''چپ ہو جا نطفۂ ناتحقیق، اپنی گندی زبان بند کر لے......'' میں چیخ اُٹھا۔ ''تجھے جو گھوٹ کر پلایا گیا ہے اس میں زہر کی آمیزش بھی ہے۔ کلدیپ درمیان میں کبھی نہ آتی اگر تیرا باپ بدری نرائن کو ہتھیلی لگانے کی خاطر درمیان میں نہ آ گیا ہوتا۔ اُس غریب نے تیرے جہنم نصیب باپ سے کہا بھی تھا کہ وہ دونوں درمیان سے ہٹ جائیں، کوئی کسی کی مدد نہ کرے۔ مجھے اور بدری نرائن کو مردوں کی طرح میدان میں چھوڑ دیا جائے، پھر جو جیت جائے۔ لیکن تیرے باپ نے یہ بات نہیں مانی۔ وہ کالی کے بل بوتے پر الکھ نرنجن کا نعرہ لگا کر سامنے آ گیا۔ پہل بھی اُسی نے کی۔ میری کلدیپ خاموش کھڑی رہی، بار بار امر لال کو سمجھاتی رہی۔ لیکن وہ نہیں مانا۔ بڑا ناز تھا اُسے کالی کی شکتی پر۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ کلدیپ نے اُنگلیوں سے اشارہ کیا، اُس کے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ میں نے بدری نرائن کو خارش زدہ کتوں کی طرح لتھاڑ لتھاڑ کر مارا۔ سن رہا ہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''جمیل......'' انکا رانی تلملا کر بولی۔ ''تم اس سنپولے کو کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو؟ تمہاری کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ جلدی کرو۔ پہلی فرصت میں اسے ٹھکانے لگا دو......''

''تم جھوٹ بول رہے ہو جمیل احمد خاں۔'' چندرا نے نفرت کا اظہار کیا۔ وہ مجھ سے خائف نظر نہیں آ رہا تھا۔ ''تم مہابھارت کی جو رام کہانی سنا رہے ہو وہ تمہاری من گھڑت ہے۔ سچ کیا ہے، میں جانتا ہوں۔''

''ایک بات اور جان لے مورکھ......'' میں ہونٹ چبا کر بولا۔ ''تو نے جو سوگند کھائی ہے وہ بھی پوری نہیں ہو گی۔ نہ تو دھرتی کی کسی پجارن کو ہاتھ لگا سکے گا نہ آکاش پر اِندر کے اکھاڑے کی کوئی نرتکی تیرے شریر کو چھونا پسند کرے گی۔ ہمیشہ لنڈورا رہے گا۔ ابھی سمے ہے، گردن نیچی کر لے، میرے چرنوں پر سر رکھ کر دیا کی بھیک مانگ، میں وچن نہیں دیتا کہ تجھے شما کر دُوں گا، ہو سکتا ہے مجھے تیری جوانی پر رحم آ جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈال دُوں......''

''جمیل......'' انکا کسمسانے لگی۔ ''جلدی کرو، اسے موقع نہ دو۔ مار ڈالو...... مار ڈالو...... سر کچل دو اس کا۔''

چندرا میری بات سن کر آگے بڑھا۔ شاید میری بات اُس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ میرے قدموں میں جھکنے کو آمادہ ہو گیا تھا۔ میں خوش فہمی کا شکار ہو گیا، وہ سور کا بچہ اپنی چال چل گیا...... میرے قریب پہنچ کر اُس نے جسمانی قوت کا مظاہرہ کیا۔ وہ بلاشبہ مجھ سے کہیں زیادہ تنومند تھا۔ اُس نے میری ٹانگیں پکڑ کر ہوا میں اُچھال دیں...... میں نے فوری طور پر عقل استعمال نہ کی ہوتی تو پتھریلی زمین سے ٹکرا کر میرا سر ضرور پاش پاش ہو جاتا۔ انکا رانی اُچھل کر ایک طرف چلی گئی۔ میں نے اُٹھنے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ چندرا کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ کسی خطرناک جنتر کا ورد کر رہا تھا کہ میری ہتھیلی اُٹھ گئی۔ میں نے ایک

آزمودہ منتر پڑھ کر ہتھیلی کو اُس کی طرف جھٹکا۔ چندرا اُڑتا ہوا مندر کی دیوار سے ٹکرایا۔ اُس نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ زمین پر گرتے ہی اُس نے اپنے سینے کا ایک بال توڑ کر کالی کی مورتی کی طرف پھینکا۔ مجھے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ہوا کا ایک گرم جھونکا مجھے دھکیلتا ہوا مندر سے باہر لے گیا۔

''جمیل......'' انکارانی نے میرے سر پر آ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے اجازت دو، میں چٹکی بجاتے میں کھیل ختم کر دُوں گی۔ بات بڑھ گئی تو چندرا اس سے تمہارے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔''

مجھے انکارانی کی بات اچھی نہیں لگی۔ شاید وہ چندرا کے مقابلے میں مجھے کمزور سمجھ رہی تھی۔ وہ میرے لمحے لمحے سے واقف تھی، پھر اُس نے ایک غلط بات کیوں کی؟ میں اُسے گھورتا ہوا تیزی سے اُٹھا۔

''تم اس وقت میرے سر سے اُتر جاؤ انکارانی، میرے اور چندرا کے مقابلے میں ٹانگ پھنسانے کی غلطی بھی مت کرنا......''

میرا لہجہ کرخت تھا، انکا تلملا کر اُتر گئی۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کا عمل کیا، سیّد کی لاٹھی میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ چندرا نے سامنے آ کر دوسرا وار کیا۔ میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا، وہ دُور جا پڑا، ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا...... میں نے اُسے ختم کر دینے کی خاطر اُس کی طرف زور سے پھونکا لیکن وہ برق رفتاری سے قلابازی کھاتا ہوا میری زد سے دُور نکل گیا۔ میں لاٹھی اُٹھانے کی خاطر لپکا، چندرا نے وار کر دیا۔ اُس کے جنتر منتر کے بیروں نے مجھے زمین سے بلند کر کے زور سے پٹخا۔ میں نے سر پر دونوں ہاتھ جما لئے۔ میری کھوپڑی پاش پاش ہونے سے بچ گئی۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو وقتی طور پر نظر انداز کر دیا، اُلٹا ہاتھ بلند کر کے اُنگلیاں لہرانے لگا۔ آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے لپکے لیکن چندرا کے قریب جا کر سرد پڑنے لگے۔ شاید اُس نے موقع ملتے ہی دوسرا منڈل کھینچ لیا تھا۔

''جمیل احمد خاں...... اب تم میرا بال بھی ٹیڑھا نہیں کر سکو گے۔'' اُس نے گرج کر کہا۔ ''میں نے اب جو منڈل باندھا ہے اس پر تمہارا کوئی جادو اثر نہیں کرے گا۔''

میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کا انجام دیکھ چکا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے خود کو زمین پر

گرا کر لوٹ لگائی، سیّد کی لاٹھی تک پہنچ گیا۔ چندرا قہقہہ لگا کر بولا۔

''اس لٹھ میں کیا بات ہے مہاراج جو تم بار بار اس کی طرف لپکتے ہو......؟'' اُس نے میرا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی۔ ''تم لکڑ سنگھوے تو نہیں ہو جو لکڑی سونگھا کر بچوں کو اغواء کرنے کا کام کرتے ہیں......؟''

''دیر مت کرو جمیل......'' انکارانی پھر میرے سر پر آ گئی۔ ''تم نہیں سمجھ رہے، چندرا جان بوجھ کر تمہیں باتوں میں اُلجھا رہا ہے۔ اُسے کسی کا انتظار ہے۔''

''کس کا انتظار ہے؟'' میں نے حیرت سے وضاحت چاہی۔ ''وہ کون مائی کا لال ہے جسے اپنی زندگی پیاری نہیں؟ کس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا؟ کون جان بوجھ کر موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کا خواہشمند ہے؟ اگر کوئی ہے تو اُسے بھی آ لینے دو۔ میں چندرا کے ساتھ اُسے بھی نرک میں جھونک دُوں گا۔ ایک ساتھی ہو گا تو چندرا کا دل بھی بہلتا رہے گا۔''

''میں مجبور ہوں...... میں تمہیں اُس کا نام نہیں بتا سکتی۔ لیکن اگر وہ سامنے آ گیا تو کھیل خراب ہو جائے گا۔ پھر...... پھر شاید تم چندرا کو آسانی سے نہ مار سکو گے۔'' انکارانی پھر ضد کرنے لگی۔ ''میرا کہا مان لو...... سیّد کی لاٹھی اس کی طرف اُچھال دو۔ اس نے جو منڈل قائم کیا ہے، وہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کے بعد تم باتوں میں وقت برباد نہ کرنا۔ میں غلط نہیں کہہ رہی۔ تم نے دیر کر دی تو بازی طول پکڑ لے گی۔ یہ سنہری موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

''انکارانی......'' میں نے اُس کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔ ''میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم اب کچھ باتیں مجھ سے چھپانے لگی ہو۔ پُراسرار باتیں کرنا آ گیا ہے تمہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟''

''ایسا نہیں ہے......'' وہ تلملانے لگی۔ ''مجھے غلط مت سمجھو۔ کچھ مجبوریاں ہیں جو میں زبان نہیں کھول سکتی۔ لیکن میری نظریں آسمان پر خوفناک انسانی ہیولوں کو آپس میں گڈمڈ ہوتا دیکھ رہی ہیں۔ وہ نیچے اُتر رہے ہیں...... جو کچھ کرنا ہے جلدی کر گزرو...... تمہارے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔''

''کس وچار میں کھو گئے خاں صاحب؟'' چندرا نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ ''کیا اُس ڈیڑھ بالشت سے کوئی مشورہ کر رہے ہو جو تمہارے سر پر رہتی ہے؟ سنا ہے بڑی نٹ کھٹ، بڑی چنچل حرافہ ہے۔ تم جو چاہتے ہو وہ پورا کر دیتی ہے۔ اسی نے تمہیں منش سے

راکھشس بنا دیا۔ پرکھوں سے سنا ہے کہ اس کی شکتی بھی اپرم پار ہے۔ تم سے نمٹ لوں تو پھر اسے بھی قابو کرنے کے بارے میں غور کروں گا۔''

''سور کے بچے...... خیالوں کے محل بنا رہا ہے۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''موت تیرے سر پر منڈلا رہی ہے اور تو سپنوں کی باتیں کر رہا ہے۔''

میں نے سیّد کی لاٹھی اُس کی طرف گھما کر پھینکی۔ لاٹھی منڈل سے ٹکرائی تو پھر پراسرار شور سے پورا علاقہ گونج اُٹھا...... چندرا نے جو حفاظتی خول قائم کر رکھا تھا وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا تو اُس کی آنکھیں پھر پھڑپھڑانے لگیں۔ وہ جان گیا تھا کہ اس لاٹھی میں کوئی ایسی نادیدہ کراماتی طاقت ہے جو بار بار اسے ننگا کر رہی ہے۔ اُس نے آسمان کی جانب توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی، پھر بڑی تیزی سے لپک کر لاٹھی پر ہاتھ ڈال دیا۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آسمان پر گڈمڈ ہوتے ان خوفناک انسانی ہیولوں کے لئے بھی انتہائی حیران کن رہا ہو گا جن کا ذکر انکارانی نے کیا تھا۔ سیّد کی لاٹھی کو ہاتھ لگاتے ہی چندرا کا اُلٹا ہاتھ کلائی تک اس طرح بھک سے اُڑ گیا جیسے بارود نے چنگاری پکڑ لی ہو۔ وہ کربناک انداز میں چیخنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے لتا منگیشکر سریلی آواز میں کوئی درد بھرا گیت گا رہی ہو۔

''لکڑ سنگھوے کی لاٹھی چھونے سے کچھ سواد آیا یا لک؟'' میں زہر خند سے بولا۔ ''بڑا چتر چالاک بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب تیری کھاٹ کھڑی ہونے کا وقت آ گیا۔ تو رانڈ بیوہ کی طرح رو کیوں رہا ہے؟ کوئی جنتر منتر پڑھ کر پھونک، مجھے جلا کر بھسم کرنے کی کوشش کر۔ اپنے بیروں کو آواز دے، اگر وہ بھی نہ سنیں تو اپنے پتا کا نام لے کر بلکنا شروع کر دے۔ شاید اُس کی آتما کو تجھ پر دیا آ جائے۔''

چندرا کی چیخیں تھم گئیں۔ لیکن اب اُس کی نگاہوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ کبھی وہ سیّد کی لاٹھی کو پھٹی پھٹی نظروں سے گھورنے لگتا، کبھی مجھے دیکھ کر ہونٹ چبانے لگتا۔

''سنا ہے تو وندھیا چل کی پہاڑی گپھاؤں میں بیٹھا دیوی کو راضی کرنے کے کارن کوئی راگ سنا رہا تھا'' میں نے اُس کی بے بسی کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔ ''تو نے ماتھے پر تلک لگا کر کالی کے چرنوں میں بیٹھ کر سوگند کھائی تھی کہ جب تک مجھے نشٹ نہیں کر لے گا کسی ناری کے رسیلے شریر کو ہاتھ نہیں لگائے گا...... یہ کیا غلطی کر بیٹھا۔ تیری پرتگیا پوری نہ ہوئی تو اُن پجارنوں اور دیوداسیوں کا کیا بنے گا جو بوڑھی ہوتی جا رہی ہیں......؟ کس کس کے سپنے

کھوٹے کرے گا؟ ابھی وہ بھی آئی تھی، روپ کرن، اندرسے کی گولی، اوپر سے نرم اندر سے گرم۔ دُور سے جھلملا رہی تھی۔ وہ کس کے سہارے زندہ رہے گی؟''

''جمیل......'' انکارانی بے چین ہونے لگی۔ ''تم نے میری بات نہیں سنی۔ اب چندرا تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ بچ کر نکل گیا تو میری کلدیپ کی بے چین رُوح کو قرار کس طرح آئے گا؟ وہ مشن کیسے پورا ہو گا جو پریتم لال میرے حوالے کر گیا تھا؟''

''تم نے باتوں میں وقت ضائع کر دیا...... اب کچھ نہیں ہو سکتا......''

انکا کے لہجے میں کوئی بات تھی جو میرے دل کی دھڑکنیں ڈانواڈول ہونے لگیں۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر سر سے بلند کی۔ میں اب وقت ضائع کئے بغیر چندرا کو نرک میں جھونکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن شاید وقت گزر چکا تھا۔ مجھے جو مہلت ملی تھی اُس کی میعاد پوری ہو چکی تھی۔ میں سیّد کی لاٹھی تھامے رہ گیا، سیاہ ذرات کا ایک بگولا بڑی تیزی سے میرے اور چندرا کے درمیان حائل ہو گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میری دونوں آنکھوں میں پسی ہوئی سرخ مرچ جھونک دی ہو...... دوبارہ دیکھنے کے قابل ہوا تو چندرا دُور دُور تک کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں چکرا کر رہ گیا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکارانی بھی پیچ و تاب کھا رہی تھی...... غلطی میری تھی، میں تسلیم کرتا ہوں، میں نے انکارانی کی بات مان لی ہوتی تو کھیل ختم ہو جاتا۔ لیکن میری خوش فہمی اور خود اعتمادی نے ایک بار پھر مجھے کف افسوس ملنے پر مجبور کر دیا...... اُس نے جو کچھ کہا غلط نہیں تھا۔ یہ پہلا اتفاق نہیں تھا، پہلے بھی متعدد بار میں اُس کے مشوروں کو نظر انداز کرنے کا خمیازہ بھگت چکا تھا۔

''اب...... کیا ہو گا......؟'' میں ہونٹ چبانے لگا۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ......''

''میں سن چکا ہوں...... بار بار سن چکا ہوں۔ لیکن میں بھی کیا کر سکتا ہوں؟'' میں جھلا کر بولا۔ پھر مفاہمت کا انداز اختیار کر کے کہا۔ ''چلو ٹھیک ہے۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں...... مجھے بتاؤ انکارانی، وہ کس کے ہیولے تھے جو تمہیں آسمان پر نظر آ رہے تھے......؟ کس کی شکتی درمیان میں آ گئی؟ چندرا کہاں غائب ہو گیا؟ میری خاطر...... ہاں انکارانی، میری خاطر، صرف ایک بار اور چندرا کو تلاش کر دو۔ پھر میں تم سے......''

"آگے کچھ نہ کہنا جمیل......" میری باتوں نے انکارانی کو موم کر دیا۔ اُس کے چہرے سے تناؤ کی کیفیت چھٹ گئی۔ وہ کچھ دیر تک خلاء میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

"تمہیں ایک دن کے لئے بنگلور میں قیام کرنا ہوگا۔ پریشان مت ہو، میں چندرا کو تلاش کر لوں گی۔ وہ میری نظروں سے زیادہ دیر اوجھل نہیں رہ سکتا۔"

میں بے نیل ومرام بنگلور آ گیا۔ انکارانی کی موجودگی میں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے میرے قیام کا بندوبست ایک شاندار ہوٹل میں کر دیا۔ میں نے اپنے کمرے میں جا کر غسل کیا تو ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ لیکن چندرا کا خیال میرے ذہن کو کچوکے لگاتا رہا۔ وہ میرا آخری شکار تھا، میں اُسے تھپکیاں دے دے کر آرام سے جہنم رسید کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی نادیدہ قوت درمیان میں آ گئی۔ چندرا بچ کر نکل گیا۔

وہ کس کی قوت تھی جس نے میرے اور چندرا کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تھی......؟

میرے ذہن میں کالی اور دُرگا کا خیال اُبھرا۔ پنڈت اوم پرکاش کی موت کے وقت دُرگا نے میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکی۔ اُس نے مجھے کمزور کرنے کی خاطر کالی کا رُوپ دھار لیا، کلدیپ کی آتما پر پابندی لگ گئی، پہرے بٹھا دیئے گئے۔ پریتم لال کو آسمانوں پر طلب کر لیا گیا، گروپرتاپ کو بھی میری مدد کرنے کے جرم میں کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ مرتے مرتے بھی وہ پریتم لال سے اپنی دوستی کا حق ادا کر گیا۔

کالی اور دُرگا ایک ہی چہرے کے دو رُوپ ہیں۔ جن قارئین کو ہندی دیو مالا پڑھنے کا موقع نہیں ملا وہ اُردو کی انسائیکلو پیڈیا اُٹھا کر دیکھ لیں۔ جس میں بات پاربتی دیوی سے شروع ہوتی ہے جو اپنے پتی دیو شیو کے ساتھ ہمالیہ کی بلند چوٹی کیلاش پر رہتی ہے۔ پاربتی کا نام بھی پہاڑ (پربت) کی سکونت کے باعث ہی پڑا۔ پاربتی کی شکل میں بھی اُس کے دو رُوپ ہیں، ایک میں وہ بڑی رحم دل، حسین اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ اس رُوپ میں اسے "اوما"، "گوری" اور "بھوانی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے...... دوسرے روپ میں وہ انتہائی بھیانک، خوفناک، سیاہ فام، قاتل عورت بن جاتی ہے۔ اس رُوپ میں وہ "دُرگا" اور "کالی مائی" کہلاتی ہے۔ پاربتی کے کچھ اور نام "بھیروی"، "بھگوتی"، "ایشوری"،

"گرجا"، "رجیا" اور ستی بھی ہیں۔ ہندو اس کی پوجا "دُرگا" کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ "دُرگا پوجا" کا تہوار بڑے دُھوم دھڑکے سے مناتے ہیں۔

مجھے دُرگا یا کالی کے اوصاف یا ان کی گوری کالی صورتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میرے پڑھنے والے گواہ ہیں کہ میں کئی بار کالی کے مندر میں گھس چکا ہوں، جو پنڈت پجاری، سادھو اور گیانی دھیانی میرے جنون کا شکار ہوئے وہ بھی سنڈل میں دھونی رما کر انہی دیوی دیوتاؤں سے شکتی حاصل کرنے کی خاطر جاپ کرتے رہے تھے۔ لیکن انجام کیا ہوا؟ ایک ایک کر کے سب میری وحشتوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اب صرف چندرا رہ گیا تھا جو میرے ہاتھ آ کر نکل گیا تھا۔ انکارانی جانتی تھی کہ کون میرے شکار کو میرے عتاب، میرے غضب کا نشانہ بننے سے بچا لے گیا۔ اُس نے مجھے بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا، کچھ مجبوریوں کے سبب وہ مجھے اس کا نام بتانے سے قاصر ہے۔ اُس نے آسمان پر خوفناک انسانی ہیولوں کو آپس میں گڈمڈ ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اُس کی وضاحت کرنے سے بھی قاصر تھی۔ میں جوش میں تھا اس لئے اُس کی باتوں کو غلط رنگ دے بیٹھا۔ مگر ہوا وہی جو اُس نے کہا تھا۔ سیاہ ذرات کا خوفناک بگولا طوفانی رفتار سے گردش کرتا ہوا نیچے آیا، میری آنکھیں جلنے لگیں، چندرا غائب ہو گیا...... اور اب میں بنگلور میں ایک ہوٹل کے آرام دہ بستر پر لیٹا چھت کو گھور رہا تھا، ذہنی جمناسٹک کر رہا تھا، خیالی گھوڑے دوڑا رہا تھا...... ان خیالوں کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ رات آئی، گزر گئی۔ میں سوائے اس کے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا کہ دُرگا نے ایک بار پھر میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کی ہوگی۔ اُسی نے ہمالیہ پربت سے اپنے کسی سیوک کو سیاہ ذرات کے بگولے کے رُوپ میں بھیجا ہوگا جو میری بینائی متاثر کر کے چندرا کو بچا لے گیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میری وحشتیں پھر جنون کی سرحدوں کو چھو رہی تھیں جب میرے سر پر ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ یہ انکارانی کی آمد کی نشانی تھی۔ میں اُسے عالم تصور میں دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ خالی ہاتھ واپس نہیں آئی۔

"کیا ہوا جانِ جمیل......؟" میں نے وحشتوں کو جھٹک کر بڑے پیار سے اُسے مخاطب کیا۔ "تمہاری آنکھوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

تم نے میرے دشمن کو پالیا ہے۔"

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میرے اختیار میں ہوتا تو میں اُسے لاکر تمہارے قدموں میں ڈال دیتی، لیکن وہ پھر منڈل کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے کالی مائی کے نام پر ایک خطرناک جاپ شروع کر دیا ہے۔"

"وہ ہے کہاں......؟" میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"میسور کی پہاڑی پر...." وہ کسمسا کر بولی۔ "تمہیں ایک اور بات سن کر بھی تعجب ہوگا۔"

"وہ کیا......؟" میرا اضطراب بڑھنے لگا۔

"اُس کا جو ہاتھ جل کر بھسم ہو گیا تھا، دوبارہ اپنی اصل حالت میں واپس آ گیا۔"

"اور کوئی خاص بات......؟"

"ہاں......" انکارانی نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا۔ "اب جب تمہارا اور چندرا کا آمنا سامنا ہوگا تو میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گی۔"

"کیا مطلب......؟" میں چونکا۔

"تم اُسے مارنے کے لئے دل کی جتنی چاہے بھڑاس نکال لینا۔"

"میں کیا سمجھوں؟" میں نے اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کہا۔ "کیا تم مجھ سے خفا ہو......؟"

"یہ بات نہیں ہے......" اُس نے جلدی سے جواب دیا۔ "تم سے خفا ہو کر کہاں جاؤں گی......اب ہمارا ساتھ کبھی ختم نہ ہوگا۔"

"تم نے پھر معمے میں گفتگو شروع کر دی؟"

"تھوڑا سا انتظار اور کرلو جمیل، ہر بات تمہیں معلوم ہو جائے گی۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا، پھر موضوع بدل کر بولی۔ "جمیل۔ تم نے جھرنا کے سلسلے میں جو وعدہ کیا تھا وہ یاد ہے نا......؟" اُس کی آواز بھرانے لگی۔ "تم نے کہا تھا کہ تم میرے لئے کوئی دوسری جھرنا لا دو گے......اس سے بھی بہتر۔"

"ہاں......" میں نے سٹپٹا کر اُس کا دل رکھنے کو کہا۔ "مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔"

"کیا ایک انسان کسی دوسرے کا نعم البدل بھی ہو سکتا ہے......؟" انکارانی کی خوبصورت آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"ہاں......" میں نے اُسے دلاسا دینے کی خاطر کہا۔ "اگر خاصیتیں ملتی جلتی ہوں، جذبوں میں صداقت ہو، انسان آپس میں سچے دل سے سمجھوتہ کر لے، افہام وتفہیم سے کام لیا جائے، دلوں میں گنجائش پیدا کر لی جائے تو ہر بات ممکن ہے......" میں نے اپنا جملہ مکمل کر کے گفتگو کا رُخ بدل دیا۔ "ہم میسور کب چلیں گے......؟"

"جب تم حکم دو......" وہ آنکھوں کے راستے میرے دل میں اُترنے لگی۔

اور میں اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا......!!

میں نے میسور کی پہاڑیوں پر قدم رکھا تو کلدیپ کی یاد نے مجھے ڈسنا شروع کر دیا...... مجھے ماضی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ زخم پر جمی کھرنڈ منہ کھولنے لگی۔ میں نے طے کر لیا کہ چندرا کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے بعد میں پریتم لال کی اس کٹیا پر بھی ضرور جاؤں گا جہاں کلدیپ نے میری خاطر پوری جوانی بتا دی تھی۔ میرے لئے اس سے زیادہ پُرسکون جگہ، راحت بخش ٹھکانا اور کون سا ہو سکتا تھا......؟

میسور کی پہاڑیوں کے راستے میری آنکھوں میں بسے تھے، ایک ایک پگڈنڈی میری دیکھی بھالی تھی۔ میرا ماضی میرے ذہن میں کروٹیں لے رہا تھا۔ انکارانی بھی اُداس نظر آ رہی تھی۔ چار روز کی تھکن آمیز مسافت طے کرنے کے بعد میں اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں میری اور مالا رانی کی ملاقات ہوئی تھی۔ میں درختوں سے گزر کر اُسی جھرنے کے قریب پہنچ گیا جہاں پہلی بار میں نے مالا رانی کو سرتا پا عریاں نہاتے دیکھا تھا۔ وہ اس علاقے میں پریتم لال کے ساتھ برسوں سے رہتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ وہاں دُور دُور تک کوئی دوسرا آدم زاد نہیں ہوگا۔ لیکن میری گناہ گار نظروں کو اس ہوشربا منظر کو دیکھنے کا اتفاق ہو گیا۔ آپ واقف ہیں، یہی اتفاق میری اور پریتم لال کی ملاقات کا سبب بنا تھا۔ اسی اتفاق نے میری کلدیپ کو مجھ سے چھین لیا تھا۔ اُس نے میری خاطر پریتم لال کی کٹیا میں آسن جما لیا۔ جب تک زندہ رہی، میری خاطر دیوی دیوتاؤں کا جاپ کرتی رہی۔ پھر امر لال کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے بعد خود بھی امر ہو گئی۔

میں تا دیر اُس جھرنے کے کنارے کھڑا اپنے ماضی میں گم رہا۔ بڑی دیر گزر جانے کے بعد انکارانی نے مجھے مخاطب کیا۔

''تم یہاں رُک کیوں گئے جمیل......؟ رُکے ہو تو اپنی پیاس بھی بجھا لو۔ اتنا میٹھا اور ٹھنڈا پانی تمہیں پورے میسور میں کہیں اور نصیب نہیں ہوگا۔''

''میری پیاس اب چندرا کے خون سے ہی بجھے گی۔''

''وہ جہاں بیٹھا جاپ کر رہا ہے وہ جگہ یہاں سے دُور نہیں ہے۔''

''مجھے وہاں لے چلو۔'' میں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

انکارانی میری رہنمائی کرنے لگی۔ مجھے پُر پیچ اور مسطح چٹانوں پر قدم جما کر چلنا پڑا۔ ایک ذرا سی غفلت مجھے میلوں نیچے کسی کھڈ میں گرا سکتی تھی۔ تین چار گھنٹے متواتر چلنے کے بعد مجھے چٹان کے اوپر ایک اور چٹان آسمان کی طرح جھکی ہوئی نظر آئی۔ دونوں کے درمیان اونچائی اتنی نہیں تھی کہ میں کھڑے کھڑے آرام سے چل سکتا۔ مجھے مزید احتیاط برتنی پڑی۔ سر جھکا کر چلنا پڑا۔ رفتار میں کمی آ گئی۔ لیکن میں بالآخر اُس غار تک پہنچ گیا جہاں سورج کی روشنی بھی موجود تھی۔ شاید غار کے عقبی دہانے پر کوئی جگہ ایسی خالی تھی جہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ غار خاصا کشادہ تھا۔ اوپری چٹان بھی بلندی پر تھی۔

میں نے چندرا کو دیکھا جو کمر اکڑائے تنا بیٹھا مدھم آواز میں کسی منتر کا جاپ کر رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ میرے قدموں کی آہٹ پر نہیں چونکا۔ کالی کے جاپ میں بہت زیادہ منہمک معلوم ہوتا تھا۔

''جمیل......'' انکارانی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، آج میں تمہارے اور چندرا کے بیچ کوئی دخل نہیں دوں گی۔ تم اپنے دل کی تمام حسرتیں پوری کر لینا۔''

میں نے اُسے غور سے دیکھا، وہ ناراض نہیں تھی۔ میں نے دو قدم آگے بڑھ کر چندرا کو للکارا۔

''بہت گڑگڑا چکا پاپی، اب کالی کا پیچھا چھوڑ دے۔ آج اس کی شکتی تیرے کسی کام نہیں آئے گی۔ پتھر کی مورتی میں جان ہوتی تو پنڈی پجاری اس کے چرنوں میں تھال سجا سجا کر کبھی نہ پیش کرتے۔ یہ سارے چڑھاوے تمہارے پروہتوں، پنڈتوں اور پجارنوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ تمہارے گیانی دھیانی پنڈتوں نے اچھا ڈھونگ رچایا ہے۔ ادھر کوئی دھرمی عقیدت سے تھال اور ہار پھول رکھ کر ہٹا، اُدھر تمہارے پجاری اس کو چٹ کر جاتے ہیں۔ ہار پھول دیوداسیوں کے گلے میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ان کے بدن اور مہک اُٹھتے ہیں......'' میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''میں غلط تو نہیں کہہ رہا سور کے تخم، یہ باتیں تجھے تیرے پنڈت اور پجاری کبھی نہ بتائیں گے۔ تو جان کر کرے گا بھی کیا، تیرا سے آ

چکا ہے۔''

چندرا نے آنکھیں کھول دیں، سرخ سرخ نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ شاید اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنی جلدی دوبارہ موت بن کر اُس کے سر پر سوار ہو جاؤں گا۔ اُس کی آنکھیں سیّد کی لاٹھی پر بار بار اُٹھ رہی تھیں جس نے دو بار اُس کے منڈل کو توڑ دیا تھا۔

''کیا دیکھ رہا ہے بالک، میں وہی ہوں جسے تو جُل دے کر بھاگ نکلا تھا۔ سیاہ ذرات کے بگولے نے تیری جان بچالی تھی، تجھے چار پانچ روز سانس لینے کا موقع اور مل گیا...... آج ایسا نہیں ہوگا۔ سن رہا ہے متھرا کے پیڑے، مگد کے لڈو......؟''

''تو دیوانہ ہو گیا ہے، گھمنڈی بن گیا ہے۔'' چندرا نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ ''بڑی دُور سے چل کر آیا ہے، جا...... جا کر اشنان کر لے، کچھ کھا پی لے۔ تیرے چہرے پر جو گرد اور گندگی ہے اسے دُور کر لے، پھر آ جانا...... آج میں تجھے ایسا پاٹھ پڑھاؤں گا جسے تیری آتما بھی کبھی نہیں بھولے گی۔''

''ایک اجازت اور دے دے بالک......'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''بول......'' وہ میرا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ اُس کی گردن اکڑ گئی۔

''تو کہے تو پھول چن لوں......؟''

''کہاں ہیں پھول......؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔

''تیرے منہ سے جھڑ رہے ہیں......'' میں نے مسکرا کر کہا تو وہ تلملانے لگا۔

''پھر اونچا اُڑنے لگا......؟'' اُس نے خود کو سنبھال کر جواب دیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی کو مضبوطی سے تھام کر کہا۔

''چندرا...... میں تجھے ایک موقع دے رہا ہوں، کوئی آخری خواہش ہو تو بتا دے۔ میں نے لاٹھی گھما دی تو پھر تجھے موقع نہیں ملے گا۔''

چندرا نے منڈل کے اندر بیٹھے بیٹھے پھونک ماری۔ تیز دھار برچھیاں ہوا میں لہراتی ہوئی میری سمت لپکیں...... کوئی اور ہوتا تو اُبلی ہوئی شکرقندی کی طرح ایک ہی ہلے میں کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتا۔ میں اس قسم کے ہزاروں کھیل تماشے دیکھ چکا تھا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی سامنے کر لی۔ برچھیوں کی شکل میں نمودار ہونے والے بیر بھیانک چیخ مار کر غائب ہو گئے۔ میں نے چندرا کو للکارنے سے پیشتر ارتکاز اور مراقبے کے عمل کے علاوہ حصار بھی

باندھ لیا۔ چندرا نے دوسرا وار کیا۔ اس بار جہاں میں کھڑا تھا وہاں اوپر سے انگارے برسنے شروع ہو گئے۔ میرے حصار سے ٹکرا کر وہ بھی راکھ ہو گئے۔ میں نے ایک اُنگلی اُٹھا کر جھٹکی، گرم راکھ اُڑ کر تیزی سے چندرا کی سمت لپکی۔ وہ گھبرا گیا۔ میں نے ہنس کر کہا۔

''ابھی تو نادان ہے بالک اتنی جلدی بھول گیا کہ تو نے بھی منڈل کھینچ رکھا ہے۔'' میں نے زہرخند سے پوچھا۔ ''بدھی سے کام لینا کب سیکھے گا......؟''

وہ ایک لمحے کو خفیف ہوا، پھر اُس نے دونوں ہاتھ بلند کیے تو بادلوں کی چنگھاڑ شروع ہو گئی۔ میری نگاہوں کے سامنے چٹان کا ایک حصہ شق ہوا، اُس میں سے بھاپ کے ساتھ کھولتا ہوا پانی اتنی تیزی سے اُبل کر میری طرف آیا کہ میں بھی گھبرا گیا۔ انکارانی نے بروقت یاد نہ دلایا ہوتا تو شاید میں بوکھلا کر حصار سے باہر نکل گیا ہوتا۔ چندرا کی آواز چٹانوں میں گونجی۔

''تو بھی ڈر گیا نا...... بڑا مرد بن رہا تھا۔''

''ہاں بالک...... میں انکار نہیں کروں گا۔'' میں نے مردانگی سے اُس کی بات قبول کر لی۔ ''میں بھول گیا تھا کہ تو کس حرامزادے کی اولاد ہے۔ کالی مائی کے علاوہ اُس نے بھی تجھے بہت کچھ دان کیا ہوگا...... اب ایسا نہیں ہوگا۔ تیری جھولی میں جتنی آتش بازی، جتنے پٹاخے اور ہیں انہیں بھی پھوڑ ڈال۔ تو تھک جائے گا تو میں تجھے لاٹھی کا کمال دکھاؤں گا...... نرک میں جا کر اپنے پتا کو بھی بتا دینا کہ تو نے کیسے کیسے اچنبھے دیکھے ہیں۔''

میں نے لاٹھی کو ذرا سا گھمایا تو چندرا کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اُس نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا، پھر اُس نے ایک ایک کر کے اپنے ترکش کے سارے تیر آزما لئے۔ کبھی خوفناک درندے زمین سے اُبل اُبل کر میری طرف چھلانگیں مارتے، کبھی کوڑیالے سانپوں کی فصل اُگ آتی، کبھی گاڑھے گاڑھے خون کی بارش ہونے لگتی، حشرات الارض بلبلاتے ہوئے میری جانب لپکتے، کبھی گھپ اندھیرا طاری ہو جاتا، بجلیاں زور زور سے کڑکنے لگتیں۔ میں سب کچھ دیکھتا رہا۔ میں حصار کے اندر محفوظ تھا۔ میں بخل سے کام نہیں لوں گا، میں تسلیم کروں گا کہ چندرا نے وندھیاچل کی برفانی گپھاؤں میں بیٹھ کر اپنا وقت نہیں ضائع کیا تھا۔ اُس نے بدری نرائن سے زیادہ شکتیاں حاصل کی تھیں۔ جگدیو زندہ ہوتا تو وہ بھی چندرا کو گلے لگا کر تھپکیاں دیتا، گرو پرتاپ بھی ششدر رہ جاتا، نول کشور کو خبر

ہوتی تو وہ اُسے ساتھ ہی رکھتا، خود سے علیحدہ نہ کرتا۔

بہر حال میری جگہ کوئی اور کھڑا ہوتا تو اُس کے قدم نہ جانے کب کے اپنی جگہ سے اُکھڑ چکے ہوتے۔ لیکن وہ میری تبت میں گزاری ہوئی زندگی سے ناواقف تھا۔ اُسے کمپالا اور نندا کی پراسرار قوتوں کے بارے میں بھی کوئی علم نہیں تھا۔ اُس نے میرا حصار توڑنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ میں انکار نہیں کروں گا کہ مجھے بھی دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ سیّد کی متبرک لاٹھی نہ ہوتی، انکارانی بار بار مجھے نہ ہشکارتی تو گھبرا کر حصار سے باہر آ جاتا۔ بدری نرائن سے آخری معرکہ سر کرتے وقت چندرا کے باپ امرلال نے ایک بار مجھے دھوکہ دے کر حصار سے باہر کھینچ لیا تھا۔ اُس وقت کلدیپ میرے برابر نہ کھڑی ہوتی تو شاید بازی اُسی روز پلٹ جاتی۔

چندرا تھک ہار کر ہانپنے لگا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ پھر بار بار آسمان کی طرف نظریں اُٹھا رہا تھا۔

''انکارانی......'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''یہ بار بار اوپر کیا دیکھنے لگتا ہے؟ کیا پھر سیاہ ذرات کا کوئی بگولا نیچے اُترنے والا ہے؟''

''نہیں......آج ایسا نہیں ہوگا۔ لیکن......'' انکا کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگئی۔

''تم چپ کیوں ہوگئیں......؟'' میں نے وضاحت چاہی۔ ''کیا بات ہے......؟''

''چندرا کسی کی مدد کا انتظار کر رہا ہے۔''

''کون آئے گا اس کی مدد کرنے......؟'' میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''کون باقی رہ گیا ہے جسے جمیل احمد خاں کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے؟ کس کو اپنی زندگی عزیز نہیں ہے؟ تم......تم کہیں دیوی دیوتاؤں کی نادیدہ شکتیوں کی بات تو نہیں کر رہیں......؟''

''نہیں......'' وہ کسمسا کر بولی۔ ''چندرا اس وقت اپنے باپ کو یاد کر رہا ہے۔''

''اوہ...... امرلال......'' میرے اندر جنون سر مارنے لگا۔ ''وہ امرلال جسے میری کلدیپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا......؟ غور سے دیکھو انکارانی، وہ امرلال نہیں، اُس کی بے چین رُوح ہوگی جو چندرا کو میرے سامنے دیکھ کر بلبلا رہی ہوگی......اچھا ہے، آنے دو اُسے۔ میں آج اُس کی آتما کو بھی شانت کر دُوں گا۔ دھرتی سے اس کے سمبندھ توڑ دُوں گا......خاک میں ملا دُوں گا۔''

پھر میں نے چندرا کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اپنے جہنم نصیب باپ کی آتما کا انتظار کر رہا ہے......؟ تیرے پلے میں کچھ نہیں رہ گیا......؟''

''جمیل احمد خاں......'' چندرا نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''میرے پتا کی شان میں کوئی غلط شبد زبان سے نہ نکالنا۔ وہ مہان تھا، دھرتی پر اُس کے مقابلے کا کوئی دوسرا پنڈت نہیں گزرا۔ کالی اُسے پسند کرتی تھی۔ تیری سندری نے اپنا جیون داؤ پر نہ لگا دیا ہوتا تو دیوی اس کی سہائتا کبھی نہ کرتی۔ اب بات کچھ اور ہے۔ تیری سندری کے ہاتھ پیر جکڑ دیئے گئے ہیں، اس کی آتما کو قید کر دیا گیا ہے۔ میرے پتا کو آج بھی دیویوں کا آشیرواد حاصل ہے۔ اس کی آتما آ گئی تو تیری بولتی بھی بند ہو جائے گی۔''

''پھر سپنے دیکھنے لگا؟'' میں نے حقارت سے زمین پر تھوک دیا۔

انکارانی خاموش بیٹھی تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اُس نے مجھے بازی جلدی نمٹانے کی بات نہیں کی۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ چندرا کو جکڑ دُوں، ایک ہی وقت میں چندرا اور امرلال کی آتما کا مقابلہ مہنگا پڑ سکتا تھا۔ وہ کسی رُوپ میں آتا تو اور بات تھی۔ میں نے اپنے ارادے پر عمل کرنے میں دیر نہیں کی۔ سیّد کی لاٹھی گھما کر منڈل کی طرف اُچھال دی۔ کالی کے نام پر کھینچا گیا منڈل بھی ٹوٹ گیا۔ چندرا بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی نظریں پھر آسمان کی جانب اُٹھیں۔ میں نے شہادت کی اُنگلی اُٹھا کر دائرے کی شکل میں گھمانی شروع کی۔ چندرا ڈوریوں اور رسیوں میں جکڑا گیا۔ وہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے قاصر تھا۔ اُس کی نگاہوں سے مایوسیاں اُبلنے لگیں...... میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا لی۔ چندرا کو گھور کر حقارت سے کہا۔

''چنتا مت کر ولد الحرام، میں اتنی جلدی تجھے اوپر نہیں بھیجوں گا۔ امرلال کی آتما کو بھی نیچے آ لینے دے، آج فیصلہ ہو جائے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ میں روز روز کی بک بک جھک جھک سے تنگ آ گیا ہوں......''

میرا جملہ مکمل ہوا تو چٹانیں اس طرح لرزنے لگیں جیسے زلزلہ آ گیا ہو...... میں گھبرا گیا۔

''حصار سے باہر قدم نہ نکالنا جمیل۔'' انکارانی نے تیزی سے کہا۔ ''امرلال کی آتما نیچے آ گئی ہے۔ تم جسے زلزلہ سمجھ رہے ہو وہ اُسی کے جنتر منتر کا چمتکار ہے۔''

''امرلال......'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''اپنی آتما کو کوئی رُوپ دے کر سامنے آ جا۔ چوروں کی طرح چھپ کر وار کرنا تجھے شوبھا نہیں دیتا۔ کالی اور دُرگا کے نام کو بٹا لگ جائے

گا...... میری بات سن رہا ہے......؟''

''ہاں...... میں آ گیا ہوں پاپی......'' چندرا کی زبان سے امر لال کی آواز اُبھری۔

''آج تجھے دھرتی کی کوئی شکتی امر لال کی آتما کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ تیرے جیون کے دن گنے چنے رہ گئے ہیں......''

''کس دھرتی کی بات کر رہے ہو مہاراج؟'' میں زہر خند سے بولا۔ ''اُس دھرتی کی جس پر چندرا رسیوں میں جکڑا کھڑا ہے؟ کچھ لاج کرو امر لال، جب تم زندہ تھے تو اپنی دھرم پتنی کے شریر میں گھسے رہتے تھے، آج چندرا کا شریر تمہیں بھا گیا۔''

جواب میں چندرا نے پھریری لی۔ اُس کے جسم کی ڈوریاں کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ گئیں۔ میں سمجھ گیا امر لال کی آتما نے کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے سنبھل کر وار کیا، چندرا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اُس پر نظر جما دی، نندا کے ایک عمل کو آزمایا، وہ لڑھکتا ہوا میرے حصار تک آ گیا۔ میں نے سیّد کی لاٹھی اُٹھا کر اُس کے سر پر ماری...... اُس کا پورا جسم شعلوں میں گھر گیا۔ اُس کے حلق سے نکلنے والی کربناک چیخوں کی آوازیں چٹانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگیں۔ وہ جل کر راکھ ہو گیا...... چٹانیں پھر زلزلے کی کیفیت سے دوچار ہو گئیں۔ امر لال بلبلا اُٹھا ہو گا۔

''مبارک ہو جمیل......'' انکارانی میرے سر پر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ ''چندرا ختم ہو گیا۔ اُس کی آتما بھی فنا ہو گئی۔ اُس نے یہی کہا تھا......''

''کس نے کہا تھا......؟'' میں نے وضاحت چاہی۔ لیکن اُس کے جواب دینے سے پیشتر میری نظروں نے ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔ چندرا کے جسم کی راکھ نے پھیل کر پھر انسانی خاکے کی لکیریں بنانا شروع کر دیں...... اس خاکے سے اعضاء ترتیب پانے لگے...... میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اعضاء نے مکمل ہو کر دوبارہ چندرا کی شکل اختیار کر لی۔ وہ اکڑی ہوئی لاش نظر آ رہا تھا۔ پھر میری سانس سینے میں رُکنے لگی...... چندرا کی اکڑی ہوئی لاش میں تیزی سے زندگی کے آثار نظر آنے لگے...... اُس کے سینے نے دھڑکنا شروع کیا، اُس کے ہاتھ پیر آہستہ آہستہ متحرک نظر آئے۔ اُس کی آنکھیں کھلیں تو حلقوں کے درمیان دو دہکتے انگارے نظر آئے۔ پھر وہ پھرتی سے اُٹھ کھڑا ہوا...... میری جگہ کوئی کمزور دل آدمی ہوتا تو اُس کی رُوح فنا ہو جاتی، ہارٹ فیل ہو جاتا،

قدموں پر کھڑے رہنے کی بجائے دھڑام سے چٹان پر اوندھے منہ گر جاتا۔ لیکن میں جما کھڑا رہا۔ اس قسم کے مناظر سائنس فکشن پر بننے والی فلموں میں عام نظر آتے ہیں، وہ سب کیمرہ ٹرک کا کمال ہوتا ہے، شعبدے بازی ہوتی ہے، ایڈیٹنگ اور پروسیسنگ کا کمال ہوتا ہے۔ تماش بینوں کی چیخیں نکل جاتی ہیں جب وہ کسی سر کٹے انسان کو خود اپنا سر ہاتھ میں اُٹھائے چلتے پھرتے دیکھتے ہیں، کچھ بے ہوش ہو جاتے ہیں، بعض کمزور دل آنکھیں بند کر لیتے ہیں، کچھ اُٹھ کر سینما ہال سے باہر نکل جاتے ہیں۔ لیکن میں کوئی فلم نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ ایک ناقابلِ یقین حقیقت تھی۔ اس سے پیشتر میری نظروں نے اتنا خوفناک، دل ہلا دینے والا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ امر لال کی آتما کا کمال ہے جمیل۔'' انکا نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''اُس نے چندرا کے شریر پر قبضہ کر لیا۔ کالی اور دُرگا مل کر اس کی مدد کر رہی ہیں۔ کالی قوتیں امر لال کی آتما کے گرد جمع ہو رہی ہیں......''

میں نے کچھ عمل پڑھ کر اپنے حصار کو مضبوط کر لیا۔ سیّد کی لاٹھی کی موجودگی میں مجھے کوئی خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ انکارانی نے مجھے پھر تلقین کی تھی کہ حصار سے باہر نہ نکلوں۔ امر لال کی آتما چندرا کو مرتا دیکھ کر پاگل ہوئی تھی۔ اُسے بھی یقین نہیں رہا ہو گا کہ میں چندرا کو اتنی آسانی سے مار لوں گا۔

''پاپی...... دشٹ...... ہتیارے...... تو نے چندرا کو مار کر اپنی موت کو آواز دی ہے۔''

امر لال کی آواز چٹانوں میں گونجتی ہوئی اُبھری۔ اُس کی آواز میں کرب اور اذیتوں کے علاوہ حقارت اور انتقام کے جذبے بھی مچل رہے تھے۔ مجھے تعجب نہیں ہوا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میری بھی وہی کیفیت ہوتی۔

''تم غلطی پر ہو امر لال......'' میں نے تلملا کر کہا۔ ''چندرا کو میں نے نہیں، پنڈت نول کشور نے ہشکارا تھا۔ وہ گڑے مُردے اُکھاڑنے کی خاطر خود اپنی موت کے دن گن رہا تھا۔ بات وہیں ختم ہو گئی تھی جہاں کلدیپ اور تمہارے درمیان طاقت کا فیصلہ ہوا تھا۔ تمہاری کالی نے اُس کی بھینٹ سویکار کر لی، بات برابر ہو گئی تھی۔ اگر تم مہان شکتی کے مالک ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں لندن کیوں گیا تھا؟ پنڈت نول کشور نے اپنی دُکان چمکانے کے لئے بدری نرائن اور تمہارے نام کو استعمال کیا۔ پنڈت پجاریوں کے دلوں میں

نفرت کے بیج بھی اُسی نے بوئے تھے، چندرا بھی اُس کے بہکاوے میں آ گیا اور تم...... تم نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ کیا تمہیں میری شکتی اور حالات کا علم نہیں تھا......؟''

''شکتی کی بات مت کر پاپی......'' وہ بل کھانے لگا۔ ''جب میں نے تیری سندری پر وار کیا تھا اُس سمے تو بھی وہاں موجود تھا۔ یاد ہے تجھے، اُس کے جسم میں کتنی سوئیاں چبھ گئی تھیں، میں نے تیرے سامنے اُسے ننگا کر دیا تھا۔ اُس کے اُجلے شریر کو سیاہ کر دیا، اُس کے پورے بدن پر آبلے اُبھر آئے تھے، اُس کا چہرہ بھیانک کر دیا تھا، وہ کشٹ کی حالت سے دوچار تھی، مجھے بعد میں خبر ملی کہ وہ دیوی کو اپنی بھینٹ کا وچن دے چکی ہے۔ میں مندر کی اور اسی کارن دوڑا تھا کہ دیوی کو راضی کر لوں، مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اپنی بھینٹ پیش کر دیتا، تیری سندری کی ایک نہ چلتی۔ میں اُس کے ساتھ تجھے بھی نرک میں جھونک دیتا۔ بدری نرائن بھی نہ مرتا، چندرا کو تیرے منہ لگنے کی ضرورت بھی نہ پیش آتی......''

''تو بکواس کر رہا ہے......'' میں نے غضب ناک لہجے میں جواب دیا۔ ''میری کلدیپ نے تجھے درمیان سے ہٹ جانے کو کہا تھا، تو نے اُس کی بات نہیں مانی، تجھے شکتی آزمانے کی دعوت بھی اُسی نے دی تھی۔ وہ پہل کر دیتی تو تجھے چمتکار دکھانے کا موقع کبھی نہ ملتا۔ تو نے جو کچھ کیا، مجھے یاد ہے...... تجھے بھی یاد ہوگا کہ اُس نے تجھے کئی موقعے دیئے تھے، جوابی حملہ کرنے سے پہلے بھی اُس نے تجھ سے اجازت لی تھی، پھر ایک پل میں وہ اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔ اُس نے صرف اپنا لرزتا ہاتھ اُٹھایا تھا، تو بلبلا اُٹھا، تیرے شریر سے خون اُبلنے لگا، جان بچانے کی خاطر تو مندر کی طرف بھاگا تھا۔ اُس نے اُنگلی گھما دی، تیرے شریر کے ٹکڑے ہو گئے۔ اب وہ نہیں رہی تو شیخی بگھار کر مہان بننے کی کوشش کر رہا ہے۔''

میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ میں غصے سے لرز رہا تھا۔ ''یاد ہے تجھے کمینے؟ میں اُس وقت بھی تجھ سے بھڑ گیا تھا۔ میں نے تیری ہڈیاں چبا ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کلدیپ کو دعا دے بڑبولے، اُسی نے مجھے راستے سے ہٹنے کو کہا تھا، ورنہ میں بدری نرائن کی طرح تجھے بھی لتھاڑ لتھاڑ کر مارتا۔''

امر لال، چندرا کے رُوپ میں سامنے کھڑا تھا۔ اُس کی دہکتی ہوئی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ میں نے سیّد کی لاٹھی پر اپنی گرفت مضبوط کی لیکن مجھے حملہ کرنے کی مہلت نہیں ملی۔ امر لال اُچھل کر دُور چلا گیا۔ اُس کی نظریں اب لاٹھی کو گھور رہی تھیں۔ پریتم لال کی

طرح وہ بھی اُس کی کرامتوں کا راز جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے پتلیوں کو جنبش دی، امر لال چکرا کر زمین پر گرا۔ اُس نے اُٹھنے کی بجائے جوابی حملہ کیا، میرا حصار ٹوٹ گیا۔ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آخری معرکے کے وقت بھی اُس نے میرے حصار کو توڑنے کی خاطر اپنے سارے جنتر منتر آزما لئے تھے، اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی...... پھر، وہ آج کس طرح کامیاب ہو گیا تھا؟ مجھے سکتے کی کیفیت سے دوچار دیکھ کر وہ بھی حیرت سے پلکیں جھپکاتا ہوا تیزی سے اُٹھا، اُس نے اپنے سر کو تیزی سے جھٹکا، میں قلابازیاں کھانے لگا۔ موت کا تصور میری پلکوں تلے گھوم گیا جب یکلخت کسی نادیدہ قوت نے مجھے چٹان سے ٹکرانے سے بچا لیا...... میں نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ امر لال نے ہاتھ فضا میں بلند کئے، لیکن ہاتھ کے ساتھ وہ خود بھی اُوپر اُٹھتا چلا گیا۔ دونوں چٹانوں کے بیچ فضا میں معلق ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف کے تاثرات اُبھر آئے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اُلٹا پاؤں زمین پر مارا، آگ کے شعلے بلند ہو کر امر لال کی طرف لپکے، وہ ہوا میں پتنگ کی طرح تیرتا ہوا ایک طرف ہو گیا۔ میں نے دوسرا وار کیا، وہ لہرا کر دوسری طرف نکل گیا۔ میں نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ وہ پتنگ کی طرح فضا میں اِدھر اُدھر لہراتا رہا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ امر لال کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ مجھے تعجب تھا کہ اُس نے پلٹ کر ایک بار بھی میرے حملے کا جواب نہیں دیا...... انکارانی میرے سر پر سہمی بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

''یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے......؟'' میں نے انکارانی سے دریافت کیا۔

''ڈور تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے جمیل۔'' اُس نے بڑی مدھم آواز میں سرگوشی کی۔ ''جس کے ہاتھ میں ہے، وہی پیچ لڑا رہا ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''تم کس کی بات کر رہی ہو......؟''

انکا کوئی جواب نہ دے سکی، امر لال فضا میں بلند ہو کر چٹان سے ٹکرایا۔ اُس کا سر پھٹ گیا۔ اُس کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اسی پر اکتفا نہیں ہوئی، سر پھٹنے کے بعد وہ پہلے لہراتا ہو دائیں جانب کی چٹان سے ٹکرایا، اُس کے اعضاء ٹوٹ ٹوٹ کر الگ ہو رہے تھے۔ اچانک وہ اوپر کی جانب بلند ہوا، قلابازی کھا کر پلٹا، پھر بڑی تیزی سے سر کے بل سے نیچے آ کر فرش سے ٹکرایا۔ اُس کے جسم کو آگ لگ گئی۔ وہ جل بھن کر راکھ ہو گیا۔ ہوا کا ایک تیز جھون

آیا، اُس کی راکھ کو اُڑا لے گیا۔ میں نے انکارانی پر نظر ڈالی، وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی، جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ میں نے اُسے اتنا خوفزدہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا......؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"پیچ ختم ہو گیا...... کنکوا (پتنگ) کٹ گیا......" وہ سیّد مجذوب کی آواز تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، وہ ایک طرف چٹان سے لگا بیٹھا اس طرح دونوں ہاتھ چلا رہا تھا جیسے چرخی پر ڈور لپیٹ رہا ہو...... بات میری سمجھ میں آ گئی۔ امرلال کی آتما کالی طاقتوں کے ساتھ مجھے گھیرنے آئی تو وہ میرے بچاؤ کو آ گیا...... وہی پیچ ختم ہو جانے کے بعد ڈور لپیٹ رہا تھا۔ انکارانی کا اشارہ اُسی کی طرف تھا، اُسی کی وجہ سے وہ سہمی سہمی نظر آ رہی تھی۔ سیّد نے کھیل ختم کرنے کی ٹھان لی ہو گی۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ درمیان میں کبھی نہ آتا۔ میرا دل بھر آیا۔

"اب تو میری اُنگلی پکڑ لو سیّد......" میں نے التجا کی۔ "مجھے کوئی ٹھکانا بتا دو جہاں میں سکون سے بیٹھ سکوں۔"

"جا کر نہا لے...... گند صاف ہو جائے تو اوپر کی طرف دوڑ لگا دینا......" سیّد نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ "پودنی کے کہنے پر ٹھکے مت لگانا...... دمادم مست قلندر کیا کر۔"

میں اُس کی طرف لپکا، وہ پھر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ انکارانی کی سانس بحال ہو گئی۔ اُس نے سکون کا سانس لیا۔ میں بڑی دیر تک اسی جگہ کھڑا حالات پر غور کرتا رہا۔ انکا رانی پھیل کر بیٹھ گئی تھی۔ مگر اب بھی گم صم نظر آ رہی تھی۔ سیّد کے آخری جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ میں تھکے تھکے انداز میں قدم اُٹھاتا غار سے باہر آ گیا۔ میری رفتار سست تھی، ذہن میں سائیں سائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں، ہنگامے ختم ہو جائیں تو اسی قسم کی صدائیں تعاقب شروع کر دیتی ہیں۔ میں مضمحل انداز میں اپنی تھکی ماندی زندگی کو قدموں پر گھسیٹتا پھر اُسی جھرنے پر پہنچ گیا۔ انکارانی میرے سر سے اُتر گئی۔ وہ میرا ارادہ بھانپ چکی تھی۔ میں نے ایک کنج میں جا کر لباس اُتارا، اُوپر سے گرتے جھرنے کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ٹھنڈا پانی جسم پر پڑا تو ذہن پر طاری کسلمندی دُور ہونے لگی۔ میں نے رگڑ رگڑ کے جسم سے سارا میل دُور کیا۔ کسی جھرنے کے پانی سے نہانے کا پہلا اتفاق تھا۔ میں دیر تک غسل کرتا رہا۔ پھر میں نے خود کو ایک پتھر سے ٹکا دیا۔ پہاڑوں پر جھرنے سے نہانے والے تولیہ نہیں استعمال کرتے، دُھوپ کی خوشگوار گرمی اور ہوا کے مست جھونکوں سے جسم

خشک کرتے ہیں۔ کچھ دیر بعد میں تازہ دم ہو گیا۔ میں لباس زیب تن کر کے کنج سے باہر آیا تو انکارانی دوبارہ سر پر آ گئی۔ اُس کے گلابی ہونٹوں پر زندگی کے اثرات واپس آ رہے تھے۔ میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

"تم لباس اُتارتے وقت میرے سر سے اُتر کیوں گئی تھیں؟ پہلے تو تم بڑی ڈھیٹ ہوا کرتی تھیں۔"

"وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو بدلتے رہنا چاہئے......" وہ مسکرا کر بولی۔ "اب کیا ارادے ہیں......؟"

"یہاں تک آیا ہوں تو ایک نظر کلدیپ کی کٹیا پر بھی ڈالتا چلوں۔" کلدیپ کی یاد آئی تو میں پھر اُداس ہو گیا۔

"کیا سوچنے لگے......؟"

"اب تھک گیا ہوں۔ کہیں آرام سے بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"کلدیپ اور پریتم لال کے استھان سے زیادہ اور کون سی پُر سکون جگہ ہو گی؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں تھکے تھکے لہجے میں بولا۔ "میرے دشمن مجھے کبھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ بار بار ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے رہیں گے۔"

میں انکارانی سے باتیں کرتا اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں کلدیپ رہا کرتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ جگہ اب ویران ہو گئی ہو گی۔ اُجاڑ اُجاڑ محسوس ہو گی۔ لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ وہ علاقہ اب بھی سرسبز و شاداب تھا جیسا پریتم لال کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ وہ کٹیا بھی اصلی حالت میں تھی جس میں، میں نے اُسے آخری بار دیکھا تھا۔ لیکن اب کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے سامنے سبزے پر دونوں اطراف پھول دار درخت بڑے سلیقے سے لگے نظر آ رہے تھے۔ میں قدم قدم اُٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں کسک تھی، بیتے دنوں کی یاد مجھے تڑپا رہی تھی جب میں نے کلدیپ کو دیکھا۔ وہ اچانک اپنے حسن کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ میرے سامنے آ گئی تھی۔ میرے دل کے آنگن میں جیسے بہار آ گئی ہو۔ انکا میرے سر سے نہیں اُتری۔

"کلدیپ...... تم......؟" میں نے اُسے ڈرتے ڈرتے مخاطب کیا۔

"ہاں جمیل...... تم برسوں بعد آئے ہو، میں تمہارے قدموں کی آہٹ سن کر کٹیا سے

باہر آگئی۔ تمہارا سواگت کرنا تو میرا دھرم ہے......'' اُس کے لہجے میں محبت کی چاشنی گھل گئی۔ ''اب تم یہیں رہنے کی ٹھان لو واپس پلٹ کر مت دیکھنا۔ بلندیوں پر رہنے کی عادت پڑ جائے گی تو تم خود بھی نیچے کی طرف رُخ نہیں کرو گے......''

''اور اگر تم نے پھر ساتھ چھوڑ دیا......؟'' میں نے تڑپ کر پوچھا۔

''میں تم سے دُور کب ہوئی تھی......؟'' اُس کا انداز دلربانہ تھا۔ ''اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھو، میں اب بھی تمہارے دل کی ایک ایک دھڑکن میں موجود ہوں، ہمیشہ رہوں گی۔ وہی میری اصلی جگہ ہے۔ جہاں میرے سوا کوئی اور قبضہ نہیں کر سکتا۔''

''تمہاری باتیں آج بھی تمہاری ہی طرح خوبصورت اور حسین ہیں۔'' میں شوخ ہونے لگا۔ ''دل کو گرمانے والی...... لیکن......'' میں یکلخت خاموش ہو گیا۔

''لیکن کیا جمیل؟ تم چپ کیوں ہو گئے......؟'' اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ اُس کی نیل کنول جیسی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم...... تم تو مرگئی تھیں؟'' میری آواز بھرا گئی۔ ''کیا تم نے دوسرا جنم لیا ہے......؟''

''نہیں......'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''دوسرے جنم کی باتیں جھوٹی ہیں، من کا بہلاوا ہیں، انسان جنم لیتا ہے تو اسے موت بھی ضرور آتی ہے۔ لیکن سچا پریم امر ہوتا ہے، کبھی نہیں مرتا۔ شریر کے سمبندھ تو بڑے عارضی ہوتے ہیں، کانچ کے گلاسوں کی طرح، ذرا ٹھیس لگے تو ٹوٹ جاتے ہیں۔''

''مم...... میں تمہیں کیا سمجھوں......؟''

''اپنا سچا پیار، اپنی سچی محبت، اپنی کلدیپ۔'' وہ شرما کر بولی۔ ''کلدیپ جو تمہارے من میں ہمیشہ خوشبو کی طرح رچی بسی رہے گی۔''

میں نے دوڑ کر اُس کو ہاتھوں کے حصار میں لینا چاہا، وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ شاید وہ میرا تصور تھی، میرے پیار کی شدتوں نے ایک خیالی رُوپ میرے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ میرے دل کی دھڑکنوں میں میرے ساتھ ساتھ رہے گی۔ اُس نے غلط نہیں کہا تھا، وہ میرا پیار تھی، اُس نے میری زندگی کی خاطر اپنی جوانی برباد کر دی۔ وہ کبھی نہیں مر سکتی تھی۔ وہ میرے دل میں، میرے خیالوں میں، میری سانسوں میں شریک تھی، اُس کی جگہ جین بھی نہیں لے سکی......

''جمیل......'' انکا نے دبی زبان میں کہا۔ ''آگے بڑھ کر ایک نظر کٹیا کے اندر بھی جھانک لو۔ وہاں بھی کوئی تمہاری راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھا ہے۔''

''کون...... کون ہو سکتا ہے؟ کلدیپ کے بعد اور کون باقی رہ گیا......؟'' مجھ پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔

''تم تزئین کو کیوں بھول رہے ہو......؟''

''ہاں......'' میرے اندر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ لندن سے واپسی کے بعد میں تزئین سے نہیں مل سکا تھا۔ وقت اور حالات نے اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ انکا رانی نے تزئین کا نام لیا تو میرے دل میں اُس کی محبت جوش مارنے لگی۔ میں کٹیا کی طرف بڑھتے بڑھتے رُک گیا۔

''تم رُک کیوں گئے؟'' انکا رانی نے تعجب سے پوچھا۔

''مجھے اچانک ایک خیال آ گیا......'' میں نے کہا۔ ''میں تمہارا مقروض ہوں، سیّد کے آ جانے سے تمہاری دعوت کا اہتمام نہ کر سکا۔''

''میں سمجھی نہیں......؟''

''میں چندرا کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے تم نے کہا تھا کہ اس کے خون میں تاڑی جیسا سوندھا سوندھا نشہ بھی ضرور ہوگا۔''

''تم اپنا وعدہ پورا کرتے تو بھی میں انکار کر دیتی......'' انکا آسمان کی بلندیوں میں گم ہونے لگی۔

''میں سمجھا نہیں......؟''

''غلط مت سمجھنا......'' اُس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہیں یاد ہے نا کہ ایک پنڈت مجھے حاصل کرنے کے لئے جاپ شروع کر چکا تھا۔ وہ کامیاب ہو سکتا تھا، لیکن تمہارے مرد قلندر کے ایک اشارے نے اُس کی لٹیا بھی ڈبو دی۔ اُس نے کہا تھا کہ اب دنیا کی کوئی قوت مجھے تسخیر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔ آج تمہیں ایک راز کی بات اور بھی بتا دوں۔''

میں نے جواب نہیں دیا، خاموشی سے اُس کی بات سنتا رہا۔

''تم جب حویلی میں ایک بزرگ کے مزار پر گئے تھے مجھے اُسی وقت پنڈت شیوا کے

بارے میں معلوم ہوگیا تھا کہ وہ نارنگ کی حویلی میں تمہاری موجودگی کی بھنک پا کر نکل بھاگنے کی سوچ رہا ہے۔ میں اُسے روکنے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ لیکن کسی نے میرا راستہ روک لیا۔ جانتے ہو اُس شکتی نے مجھ سے کیا کہا تھا......؟'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''اُس نے کہا تھا کہ اپنی کھال میں رہا کر...... زیادہ پھدکنے کی کوشش کی تو پر قینچ کر دُوں گا...... کلدیپ اور پریتم لال کی آتماؤں کو بھی اسی نے تمہارے معاملات میں مداخلت سے روک دیا تھا، اس میں دُرگا یا کالی کا ہاتھ نہیں تھا۔ نارنگ کی حویلی میں کلدیپ نے امریتا کے رُوپ میں تم سے اپنی مجبوری کا جو ذکر کیا تھا اس میں بھی دُرگا یا کالی کی شکتیوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔''

''پھر...... پھر وہ کون تھا......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''سب کچھ اُسی مردِ قلندر کے اشارے پر ہو رہا تھا۔'' انکارانی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''کبھی وہ سامنے آئے تو میری سفارش بھی کر دینا۔ اُس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، لیکن میں نے بھی اُسے اپنا بڑا مان لیا ہے، وہ مہان شکتیوں کا مالک ہے۔ ہم اور تم تو اُس کے قدموں کی دُھول بھی نہیں۔''

میرے ذہن میں پھر ماضی کے کچھ مناظر گھومنے لگے۔ میں نے کئی موقعوں پر انکارانی کی سرزنش کی تھی، اُسے جھڑک دیا تھا، سر سے اُتر جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ تلخ باتوں کو برداشت کرتی رہی، اُس نے کبھی شکوہ نہیں کیا۔ سب سیّد مجذوب کی مہربانی تھی جو میری پشت پناہی کر رہا تھا۔ مجھے اس کی بھنک بھی نہ ملی، انکارانی کو بھی اس کا راز افشا کرنے کی جرأت نہیں ہوسکی۔

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا، مجھے سیّد کی مہربانیاں یاد آ رہی تھیں۔ میں تا دیر انہی خیالوں میں غرق رہا، پھر مجھے اپنی تزئین یاد آ گئی۔ انکارانی نے کہا تھا کہ وہ کٹیا میں میری راہ دیکھ رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا آگے بڑھا لیکن کٹی کے دروازے پر پہنچ کر ایک جھٹکے سے رُک گیا۔ میری آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ میرے سامنے تزئین نہیں، جھرنا کھڑی تھی...... وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ دوپٹے کا پلّو اُس کے سر پر پڑا تھا۔ بڑی معصوم، بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ لیکن...... وہ تزئین نہیں تھی۔ میں نے اندر کے ساز و سامان پر نظر ڈالی، مجھے وہاں جانماز اور اپنی مقدس کتاب رحل پر رکھی نظر آئی۔ مجھے تعجب ہوا۔ میں نے پلٹ کر انکا

انی کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا، اُس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے، سمسا کر بولی۔

''تم اتنی جلدی بھول گئے جمیل......؟ مجھے تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ حرف بحرف یاد ہے۔ تم نے کہا تھا کہ اگر خاصیتیں ملتی جلتی ہوں، جذبوں میں صداقت ہو، انسان سچے دل سے آپس میں سمجھوتہ کر لے...... افہام و تفہیم سے کام لیا جائے، دلوں میں گنجائش پیدا کر لی ائے تو ہر بات ممکن ہے...... یاد ہے تمہیں......؟''

''تو کیا تزئین......؟'' میری آواز حلق میں گھٹ گئی۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں جوار ھاٹے کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔

''ہاں...... تزئین اب اس دنیا میں نہیں رہی۔'' انکا کی آنکھیں برسنے لگیں۔ ''ہر دوار میں جب تم پنڈت نول کشور کی قید سے نکل آئے تھے تو وہ پاگل ہوگیا تھا۔ اُس نے تمہیں کمزور کرنے کی خاطر ہماری تزئین کو درمیان سے ہٹا دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ تمہیں تزئین کے بارے میں علم ہوا تو تم واپس بمبئی چلے جاؤ گے، اُسے سنبھلنے کا موقع مل جائے گا۔ میں نے دل پر پتھر رکھ کر تزئین کی موت کی خبر تم سے پوشیدہ رکھی۔ وہ وقت کا تقاضہ تھا جمیل، میں نے جھرنا کی موت کی آڑ لے کر اپنی تزئین کے لئے آنسو بہا لئے۔ وہ مجھے بہت زیادہ عزیز تھی۔ مردِ قلندر کا اشارہ بھی یہی تھا کہ میں زبان کھولنے سے گریز کروں۔ رکن الدین کی حویلی میں بھی سب کو تاکید کر دی گئی تھی کہ کوئی تزئین کے سلسلے میں زبان نہ کھولے۔'' اُس نے بات جاری رکھی۔ ''اُس مردِ قلندر کو بھی احساس تھا کہ تزئین کی موت تمہیں اور تنہا کر دے گی۔ اُس نے جھرنا کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، اُس کی کایا پلٹ دی۔ کل تک یہ کھلے سر پنڈت پجاریوں کے سامنے پتھر کی مورتیوں کے بیچ اُچھلتی پھرتی تھی، اب یہ پانچوں وقت اپنے مالک کے سامنے سجدہ کرتی ہے، مقدس کتاب پڑھ رہی ہے۔ سب اُسی قلندر کی نگاہِ عنایت کا نتیجہ ہے۔ اُسی نے اس کا نام بھی تزئین ہی تجویز کیا ہے......''

میرے دل پر نشتر چل رہے تھے۔ میں کانٹوں پر لوٹ رہا تھا۔ میری زندگی کی آخری پونجی بھی تزئین کی شکل میں میرے دشمنوں نے لوٹ لی تھی۔ انکارانی اپنے حصے کے آنسو بہا چکی تھی، اب میں خون کے آنسو رو رہا تھا، ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا جب وہ معصوم چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی میرے قریب آ گئی۔ سیّد نے اُسے عقل و شعور کی بے پناہ

دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ وہ میرے دل کا درد سمجھ گئی تھی۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں ڈرتے ڈرتے کہا۔

''بابا...... میں تمہاری خدمت کروں گی۔ میرا اس دنیا میں اب تمہارے سوا اور کون رہ گیا ہے؟ تم مجھے اپنی تزئین نہیں قبول کرتے، نہ کرو۔ میں نوکرانی بن کر بھی تمہاری سیوا کروں گی۔ ہاں......تم جس نام سے بھی پکارو گے میں دوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گی۔''

اُس کی باتوں میں جذبوں کی صداقت تھی۔ میرا دل بھر آیا، میں نے اُسے بے تحاشہ ہاتھ بڑھا کر کھینچ لیا۔ اپنے سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا۔ اُس کی پلکوں سے بھی ساون کی جھڑی لگ گئی۔ باہر سورج غروب ہو رہا تھا جب کسی کے بڑے خوش الحان انداز میں اذاں دینے کی آواز سنائی دی۔ میں حیرت سے پلٹ کر سبزے کی طرف آیا جہاں ایک خوش پوش شخص سر پر عمامہ باندھے، قبلہ رُخ کھڑا اذان دینے میں مصروف تھا۔ میرا دل نام معلوم جذبوں سے سرشار ہونے لگا۔ میں دُور کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ وہ اذان دینے کے بعد فارغ ہوا تو میں لپکتا ہوا اُس کے قریب چلا گیا۔ اُس کے چہرے کے خدوخال نظر آئے تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ سیّد مجذوب کے سوا اور کوئی نہیں تھا...... میں تیزی سے اُس کی طرف لپکا۔ اُس روز وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوا...... نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بھی اُس کی امامت میں پیچھے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ لئے۔ میرے دل کا سارا غبار چھٹنے لگا......!!

(تمت بالخیر)

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۝

بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے